

شاہجہان کے ایام اسیری اور عہدِ اورنگزیب

مشہور فرانسسیسی ستیاح ڈاکٹر برنیئر کا بارہ سالہ روزنامہ
۱۶۵۶ء تا ۱۶۶۸ء

مترجمہ: خلیفہ سید محمد حسین



نفیس کیڈی

بکس انٹریٹ ————— کراچی

PRICE RS. 12 - 0 - 0

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور عہدِ اورنگ زیب

مشہور فرانسیسی ستیاج ڈاکٹر برنیر کا بارہ سالہ زمانہ (۱۶۵۶ء - ۱۶۶۶ء)
جس میں

شاہ جہاں کے آخری دور کا حال اورنگ زیب کی بہادری کو
کشکش مغل شہنشاہیت کے پس پردہ واقعات اور اس دور کا
سیاسی معاشرتی اور مذہبی حالات کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا ہے

مترجم

خلیفہ سید محمد حسین مرحوم
میر منشی ریاست پٹیاں

ہنگامہ مولفین اسٹور
بکسٹرا ایڈ اسٹیشنرز
۳۰۰۰۰۰۰۰

نغیس کیڈی

بلاس اسٹریٹ، کراچی ۷۴

قیمت مجلد بارہ روپیہ

جُمْلہ حُقوقِ مَحفوظ

ناشر:- چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی

مَالِکِ نفیس اکیڈمی
بلاس انٹرنیٹ کراچی

طبعِ اوّل: — نفیس اکیڈمی، کراچی۔ اپریل ۱۹۷۶ء

کتابت: — انوری بیگم دھلوی

مطبوعہ: — انٹرنیشنل پریس، کراچی

فاضل ڈاکٹر بننے پر ہوائیں تانم کی ہیں ان کے چچو طاہر ڈاکٹر کی اماں دینی کے کیا اور چچو بھی ہے اس کے ساتھ ایک

اورنگ زیب کی سیاسی زندگی

آنجناب ڈاکٹر ریاض الاسلام ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی

برصغیر ہندوستان تاریخ کے آغاز سے ہی دنیا کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کی دولت کی شہرت دور دراز ممالک کے فاضلین اور تاجر کو یہاں کھینچ کر لاتی تھی۔ بدھ مت کی توہین نے ہندوستان کو ایشیا میں ایک نئی مرکزی حیثیت دی۔ چین اور دیگر ممالک سے بدھ یا نری خلابوں میل کا شمار گنار راستے کے کر کے دھڑلے لگے۔ پھر جب اسلام عباسی دہائی میں قدم رکھا تو ہندوستان عالم اسلام کا حصہ ہو گیا۔ اور تمام مشرق وسطیٰ یہاں کا ایلدار بن چکا۔ ہندو سی بی گیا۔ اور آمد دہشت کے تمام بکری اور ہری راتے آباد رہے گئے۔ اور جب یورپ میں بیداری کی تحریک شروع ہوئی اور وہاں کے دلیر لڑائے دہروں اور نئی راہوں کی کھوج میں نکلے تو کہیں ہندوستان کو ہی تلاش کرتا ہوا امریکہ جان نکلا۔

ہندوستان کے اس مالگیر دلچسپی کا کچھ اندازہ اس نغمہ سیاہی ادب سے ہو سکتا ہے جو یہاں کے بارے میں موجود ہے۔ میگا کاسٹیز اور ناہیان سے لے کر ہندو اور عورتی تک بے شمار سیات سفیر اور ہنر یہاں آئے اور انہیں سے بہتوں نے یہاں کے حالات اور اپنے اثرات لکھے ہیں۔ سیاہی ادب کا ایک دقیقہ حضرت مسلمانوں کا ہی موجود ہے۔ مسلمان سیاہی کی طرف کی نہر سے میں مسعودی اور ابن بطوطہ کے نام سب سے ممتاز ہیں۔ سیاہی نگاروں کی وسیع اصلاحات میں کئی قسم کی تحریرات شامل ہیں۔ اور گاہ کہتے ہیں کہ سیاہی نے اپنے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں۔ دوسرے وہ تحریرات ہیں جن میں مرقیوں نے مسافروں اور ہنر اور دوسرے آئے ہائے داریں سے مختلف ممالک کے حالات انجام اور احتیاط کے ساتھ میں لکھے اور انہیں ترتیب دیا۔ اس کی ایک اچھی مثال ممالک الامصار ہے جس کا خراف شہاب الدین ابن فضل اللہ العمری خود ہندوستان میں آیا۔ لیکن اس نے یہاں کے حالات ستر ہزار سے ہزار دہائی کے حالات سے لے کر آج تک لکھے ہیں۔ لیکن اس نے یہاں کو نہیں لکھا ہے کہ بعض نگراری کے نویں میں آتے ہیں مثلاً امیوئی کی کتاب ہندو اور ابراہیم ترکہ اسی زہمت کی ایک نیر مصروف لیکن اہم کتاب کہرا اور ہے۔ یہ تو ان کی تاریخ ہے۔ اور حلقہ کے قریب کھنسی گئی۔ کتاب کے آخر میں تہ کے طور پر اس کے مصنف محمد بن امیوئی نے اپنے سفر کا حال لکھا ہے۔ جس کے دوران میں وہ سندھ، لاہور، دہلی، بتولا، گ۔ ٹنڈ، دکن اور نکا وغیرہ گیا۔ اس کتاب کا ایک اور اور

نظر انداز یا آفس لائپر ہی لندن میں محفوظ ہے۔

ہندو پاکستان کے تاریخی سرواں میں سیاست دانوں کو ایک ختم حاصل ہے۔ ایران، تہران، مہاک، عرب شمالی افریقہ، مغرب، اٹلی، انگلستان، روس اور چین وغیرہ سے آنے والے سیاست دانوں کی تحریکات میں یہاں کے شعلی مذاکرے اور دلچسپ مباحثے کیا جھان کی تحریکات میں سیاسی تاریخ کے بعض اہم اور مفید حوالے مل سکتے ہیں۔ لیکن ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ یہاں کی معاشرتی اور معاشی حالات کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ وہ روح بود و باش کے طریقے اور معاشی حالات کے مطالعہ کے لئے ان سے اہم شایہ ہی کوئی فائدہ ہے۔ مہدی علی کی کمی ہوئی تاریخی کتب میں اس معاشی حالات کو ایک منظر پر لایا نہ کر دیتی ہیں۔ اس کی کو سیاسی ادب ایک جنگ جہاد کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض یورپی سیاسیوں کی تصانیف میں مغربی ہند کے معاشی حالات کی ہر پر تفصیل ملتی ہے۔ یہ سیاسی ادب کے پیش قیمت سرواں سے بعض جدید سرچین سے اپنی حقیقت پر میں پوری طرح استناد دے کیا ہے۔

ہر صہ کے معاشی ادب میں بعض مشترک خوبیاں اور خامیاں ہیں سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ باقیوں اہل وطن کے لئے مدد دے دیتے رہے سے ان کو تو نہیں رہیں اور دیکھیں سے آنے والوں کے لئے فائدہ اور عیب ہوتی ہیں۔ سالار علی دین ان کو اپنا حال، بحکمہ نظر انداز کر دیتے ہیں تو فرنگی سیاست دانوں اور لچپ اور میرت سے دیکھتے ہیں اور ان کی ہزینات کو بالتفصیل تحریر کرتے ہیں۔ سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ سیاست اپنے مختصر دوران تمام میں گھومتا صرف علی باقیوں دیکھ پائے ہیں اور اپنے مشاہدات کو ان کے تاریخی پس منظر اور معاشی احوال کی روشنی میں لکھتے سے عام ہوتے ہیں۔ ایک اور نقص یہ کہ وہ پیش سب سیاست دانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سے کہ سیاست نگار اپنی سستانی باتوں اور بازاری افواہوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ معصوم حقیقت ہوں۔ یہ کو پورے اور مغربی کے سیاست دانے ان سے بنیاد باتوں سے بھر پور ہے ہیں طرہاں دیدہ و پسندیدہ گروہ و روش

سریجن پاک و ہند کے اسلامی صہ میں جتنے یورپی سیاست دانے ان میں غالباً سب سے زیادہ دین اور اسلام شخص ڈاکٹر منیر حسین سندباد ڈاکٹر خٹا خلف سے اُسے غیر معمولی شغف تھا۔ وہ غلطی گینتی کا بڑا دار تھا سیاسی کی صحت میں نہ نہ کی تھی صحت میں نہ نہ ہوتی تھی گیندی کا انداز نگار تھا۔ اس سے ملنے میں خیر کہ ہر دے اس کے تصدیق و تھان سے خاز ہوتے تھے نہیں۔ وہ لکھتے تھے میرزا عالم معنی کلابی دتھا دے بل سہر کو دنیا کو دیکھے تا طراش مند تھا۔ ملی تربیت کی تکمیل سے پہلے ہی وہ یورپ کے بیشتر ممالک اسفر کر چکا تھا وہ شادی کے دو سال بعد وہ ان کی سیاست کے سے چل چلا تھیں۔ شام اور مصر جوتے جوتے وہ مختلف ملک کے ادا خوں بکری راستے سے سوٹ پہنچا۔ یہ میرزا خٹا دو سال تقیم پہ اور کشمیر سے کوکڑھ اور بنگال سے گولرٹ تک سب اہم مقامات اس کی سفر گندے مختلف ملک میں اس سے اس سفر کی کوکڑھ کھلا دیران کے راستے سے نام وطن پہا مختلف

ہیں اور جس سال کی عمر میں وزیر مقرر ہوئے ہوں وہاں ہو گیا۔

وزیر جب ہندوستان پہنچا تو شاہی جہاز کے بیٹوں میں تھوڑے دنوں کی جنگ آخری مراحل میں جسی مہاراجا کی طرف سے ہندوستان میں لایا ہوا چھوٹا تھا۔ سرنگ کی بھی اس سے ملاقات ہوئی اور چند دن کے لئے رہا۔ پھر اس کے ساتھ ملحق کی حیثیت سے رہا۔ وزیر نے اپنی کتاب کا آغاز اس جنگ کے بیان سے کیا ہے۔ اور انہی تفصیل کے ساتھ کہ کتاب کا پہلا حصہ اس پر ختم ہوا ہے۔ البتہ کتاب شاہی دور بار کے حالات آگے اور دلی کے شہر والے اندر شیر اور کمال کے سروں کے بیان، شاہی نوع کے نقشہ، سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق اور معاشی حالات اور اہل ہندو کے رسوم و رواج کے بیان پر مشتمل ہے۔ وزیر کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے جن معاملات سے بحث کی ہے انھیں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جن مسائل سے وہ غیر معمولی بصیرت کا ثبوت دیتا ہے۔ انھیں ہندوستان کے انگریز مورخوں نے سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق کو لے کر اپنی ترقیاتی روشنی کے جاگیر داری نظام FUDALISM کی اصطلاحات میں بیان کیا ہے اور یہ ایک نیا ہی نظریہ ہے۔ بیرونی صدی کے مورخین نے اس نظریہ کا انکار کیا۔ لیکن ہندوستان کے مشرقی صدی میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی کہ سلطنت مغلیہ کا نظام جاگیر داری تھا۔ ہندوستان کی فسادات مندرجہ ذیل کی داخلی کمزوری اور دولت شاہی کے آگے نئے زوال کے بارے میں بھی پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسے وقت نے بھیج دیا۔ کہ دکھایا۔ ان باتوں سے اس کی غیر معمولی ذہانت اور تاریخی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ذہانت کے بارے میں ہندوستان کے معاصرانہ واقعات اور نظریات اور ان کو سمجھنے میں کئی جگہ شہر کر دکھاتی ہے۔ شاہی جہاز کے بھی کہہ رہا ہے جو اس سے ملتا ہے کہ جس وہاب و دروغ افشا نہیں۔ کوئی نقد سورتی نہیں۔ ذاتی توجہ نہیں سمجھتا۔ اور نگ زیب عالمگیر کے سیاسی طرز عمل پر جو اس نے جا بجا نکتہ چینی کی ہے اس میں سے بخیر باتوں کا عذاب مرانا سبلی نظامی اور نظریاتی اور تاریخی و سیاسی دیکھ کر اس سے کہہ سکتے ہیں۔ اور یہاں ان کا وہ پہلا بے عمل ہوگا۔ سیاست نگاروں کو یاد دلا رہی ہے۔ پاشی مہاراجا کو کہ جب عروج پر آئے گا کہ یہاں کرنا کا اور پہلا ہوتا ہے۔ وزیر اس سے کہہ رہی ہیں۔ پھر بھی وہ دوسرے مباحثوں سے زیادہ غماز تھا۔ خوبی کے بغیر گھڑت افسانے اس کے یہاں کہی گئی پاتے جاتے ہیں۔ اور نگ زیب کے ہم شاہ امیران کے ملات آئینہ خط کے بارے میں اقواء بیان کر کے وہ دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ اس پر تعجب کرنے میں شامل ہے۔ شاہی جہاز کے یہاں سے ایران سفر کی گستاخوں کے قتلے سزا کر دیاں تھیں۔ اس کی بنیادی کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ اور نگ زیب پر وہ کہیں کہیں نکتہ چینی کرتا ہے۔ لیکن اس کی غرض تعلیمی اس کی تہذیبی اور ہندوستان کی اصلاحات بھی کہ اس میں ہے۔ سلطنت مغلیہ میں اس زمانہ کی کمی اور مثال کی بے مضامین کا شاکی ہے۔ لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ یہاں وہ مباحثوں میں نوعیوں اور مصلوں کی لوٹ کھسوٹ نہیں ہوتی۔ دیکھو کہ ہندوستان میں ایک ایک برس زمین خاصہ شریف بھی جاتی ہے۔ اور مصیبت پر دست داندی اور قصی کی ناگوار بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا

ہے۔ اسلام کے خلاف منبر کو یہ نصب تھا اس کا وہ کئی کچھ اظہار کرتا ہے اس بارے میں اس کی کم نظری کو اس کی خلافت پر مہمل کر کے اسے مفہور تصور کیا جاسکتا ہے۔ بعض کی یہ تمکین تا تھکی یہاں اور سورج اگن کے مرتد بہ چندہ کی کمہات کا ذکر کرنے کے بعد وہ ایک کلیر بیان کرتا ہے: کچھ ہی فصلوں اور بے سنی غفلتوں نے ہمیں پھر بھی انسان کے دل میں نگہ پاتے ہی ہیں: لیکن اس کلیہ کا اسلاف ناگوارا ہے۔ خاتمہ پر ہمیں کرنا تھا۔ شہیدہ بازی کا بغیر خدمت دشمن تھا اور جب بھی اسے چندوں وغیرہ کوئی بات اترم کر ایت دکھائی تو وہ کھڑے لگا کر معلوم کرتا کہ اس کے پیچھے کیا مانا ہے۔ اور ان کی کراہت کو شہیدانہ ثابت کر دیتا۔

بحر ہی طور سے ہر نیک کتاب دنیا کے ہزاروں مساحت ناموں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ تاریخ کے طلباء اور عام قارئین سب کے لئے اس میں دینی کسا مان ہے۔ اصل مساحت نامہ زمرہ میں ہے۔ یہ پ کی گئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی میں اس کے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اور اردو میں اس کا ترجمہ سب سے پہلے کرنل ہنری سمنٹن نے شائع کیا۔ یہ ترجمہ زبان کے لحاظ سے ناقص تھا۔ غلطی سپہ صحابہ میں پریشانی یافتہ پیمالہ کے کرنل سمنٹن کے سرور کو پیش نظر رکھ کر منبر کے مترجم کا از مر ق ترجمہ کیا پھر اس پر غرض نظر ثانی ان کے بھائی غلطی سپہ صحابہ میں غلطی یافتہ کیا۔ اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن دو جلدوں میں امرتسر اور لاہور سے بالترتیب شائع اور مشعل میں شائع ہوا۔ کتاب کے اصل مترجم غلطی مترجمین نے اسے اپنے غرض پر پیمالہ اور اس کی تمام قرآنی مدد سے العلوم و معارف ایجوکیشنل کالج، علی گڑھ کے سپروکریڈر مشعل میں مدد سے علم علی گڑھ کے ڈیوٹی ایکٹو کے کتاب کا دوسرا ایڈیشن آگے میں پیش کر کے شائع کیا۔ یہ کتاب ایک دوسرے سے غالب ہے۔ ہندی سدا اقبال سلیم کا ہندی صاحب ایک نہیں کچھ بھی تمہیں کے متعلق ہیں کہ ان کی کوشش سے ہندی کا مساحت نامہ پھر شائع ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس کے بعد ہندی صاحب کی قوم ہندو پاکستان کے دوسرے شہر مساحت ناموں کے ترجمے شائع کرنے کی طرف متغطف ہوگی۔

زندہ پیر

از جناب میرزا علی اظہری، اے بی ایل

نیا کزن انس بریڈے ۱۸۵۷ء تا ۱۸۹۰ء تک چندوستان میں رہا۔ یہاں کی سیاسی اور سماجی حالات کا بے نظر غور کیا۔ یہ وہ راز تھا جسے شاہجہاں نے طائرس پر چھ افروز تھا اور اسے خفیہ اور گنجیہ سے اپنے بھائیوں کو شکست و سرکشت حاصل کر لی تھی۔ چونکہ یہ راز تاریخ چندوستان میں بہت اہمیت رکھتا ہے اس لیے مختصر کے ساتھ اس کا بھی خاص امتیاز حاصل ہے۔

یہودی عیسائیوں اور مسیحی کے سامنے نامہ کرنا بہت اہمیت اس سے ملتی تھی کہ وہ بحیثیت وقائع نویس کے تاریخی واقعات کو صحیح طور پر بیان کر سکتا تھا۔ اگرچہ لوگوں نے خاندان جس کے تاریخی پر گہری نظر پڑی ہے اور واقعات کے مختلف مراحل کو بھی نظر رکھ کر کسی غلط فہمی کے باوجود بھی وہ بہت سے اکثر شغف افروز نہیں ہو سکتے۔

مسیح کے لئے سب سے بڑی وقت پر تھی کہ وہ چندوستان میں آجی تھا۔ لیکن یہاں اور معاشرے کے بھی واقعات تھا۔ اس کے بارے میں انتہائی دلچسپی اس نے اکثر تاریخی واقعات میں غلطیاں کی ہیں اس کے علاوہ کتا پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ بہت سے غلط فہمیاں گراں دل رہے ہیں کہ "اساس ہندوئی میں جتنا خدا شری کے مقابلے میں چتر کو بھرتا تھا اولیٰ میں تہذیب و تمدن کے تفرق کو ادھی تھا۔ اگر مخالفت ہو اس سے واقعات کے سمجھنے میں غلطی کی اور غلط فہمی پہنچا۔

یہ شخص اتنا ہے کہ اورنگ زیب اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل و صلہ مند اور خوش فکر تھا۔ نظر تھا کہ اسے اردو کے سنی کا مدد تھا اور میں کام کر رہا تھا۔ اس کو انہی کے حرم و شایا سے انجام دیتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا ہمہ پہلو سے غور کر کے غور کیا کرنا اور شل ایک شاعر کے ذہن کی کئی جہاں ایسی دہرتی جس کی کات کے لئے وہ تیار دہرتا۔

خداات پروردگار نے یہ کہہ کر پورا کار حاصل تھا اس لئے جب کبھی دل و دماغ میں کوئی چیز ہوتی تو دل چاہتا دوسروں کو کھل کر دیکھنا اور واقعات کی منطقی تفسیر دے دیتا تھا۔ اس کے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب پہلو تھا۔ اس کی سادہ زندگی کو دنیا کے سادہ خاص طرز پر بھی کیا کہ وہ نام نہانک مشہور ہو گیا۔ یہ تمسبی سے دور چاہا گیری۔

معاہدہ کیا، لیکن یہاں تک کہ شکست سے کراہ کر لائی مشقت کو پہلی میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

عام طور پر یہ فرضیں اور نگ نریب پہلنے آپ کو گرفتار کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ مگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ شاہجہاں نے دارالعلوم کی حمایت میں کیا کچھ نہیں کیا۔ اگر نگ نریب مجبور ہو کر شاہجہاں کو مستقل ذکر دنیا داریوں کیلئے کہہ دے، تو غرض نہ کرے تو ظاہر ہے کہ دارالعلوم کی کئی فرائض طاقت اور بادشاہ وقت کی پروری پشت پناہی اور نگ نریب کو قیام شکست فاش دینی میں کے سنی لازمی موت کے تھے۔ لہذا جب بھی اور نگ نریب پہلے آپ کو گرفتار کرنے کا الزام لگایا جاتے۔ دوسرے نمائندہ میں شاہجہاں نے غرض نہ تھا اگر گرفتار تھا، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ شاہجہاں کی قلعے کوئی پر بھی نظر رکھا جائے جنہوں نے اور نگ نریب کو اس اہم پر مجبور کیا۔ صوبہ اور جہانگیری ہنرشن نیز گور

نورین نے اور نگ نریب کے اپنے میں ایسی رائے نہیں رکھتا ہے کہیں کہیں ان باتوں کے ذکر کیلئے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اور نگ نریب بادشاہ کے ساتھ سختی کرتے پر مجبور ہو گیا تھا۔ مثلاً جب اور نگ نریب کے بیٹے محمد سلطان نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شاہی ملازمین مغلوب ہو گئے تو شاہجہاں نے درج ذیل شہزادے محمد سلطان کو تخت اور نواز کا عہد کی قسم کھا کر سلطنت کی دایرہ دی اور اس کو آپ (اور نگ نریب) کے خلاف کیا ہمارا اگر محمد سلطان اس دایرہ میں آگیا تو اور نگ نریب کا قاتل ہو گیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ جس واقعہ سے اور نگ نریب گرفتار شاہجہاں کی طرف سے مستغرق کیا اور اس کو قلعہ میں جگایا کہ بادشاہ مجھ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، وہ شاہی خط کا پیکر تھا۔ تھوہر محمد سلطان کے قبضہ کے بعد شاہجہاں اور اور نگ نریب میں یہ کام و سلام ہونے لگے۔ ایک روز اور نگ نریب اپنے ایک سلام کے لئے ہاتھ لگا، آتا تھا اس روز اس کے سامنے وہ شاہی شہنشاہی ہوا۔ شاہجہاں نے اپنے اس سے دارالعلوم کے نام لکھا تھا اور پیکر اس کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس خط کو دیکھتے ہی اور نگ نریب نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مگر کہ بھی لگاؤ آپ سے تھا وہ قسم ہو گیا تھا شاہجہاں کی گزرائی تیرہ زیادہ سختی ہونے لگی۔

اور نگ نریب کی زندگی پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے تو اس کی لیاقت، تہذیب اور حکمرانی کی اہمیت تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ بعض وجوہ سے دس سال کی عمر میں اور نگ نریب کی تعلیم شروع ہوئی گزشتہ ہی ذہانت کی بنا پر خصوصاً ہی عمر میں عربی فارسی ترکی اور ہندی میں کافی استعداد حاصل کی۔ قرآن و حدیث میں چونکہ قاسم شرف تھا اس نے علم القرآن و علم حدیث میں اچھا خاصا عالم بنا لیا ہے۔ لکھنؤ کے مولانا کی تحریر مستندہ میں وہ منصب دار ہوا اور بعد ازاں کے خلاف فوج کشی کی۔ بعد ازاں کئی کاموں پر مشغول رہا اور ۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۳ء اور ۱۶۴۳ء تا ۱۶۴۷ء کے قافی شہیدت حاصل کی۔ قلعہ میں اس میں بھی مسئلہ اچھا تھا کہ لوگوں پر شہادہ دار سختی عیش و کو اس کی شادی مرزا بیگم الزا شاہ دارالعلوم کی بیٹی اور بیگم سے ہوئی۔ ۱۶۴۷ء میں دارالعلوم کی رشتہ دہانوں کی وجہ سے اس نے دکن کی سرحد پر سے استعفا دیا اور ۱۶۴۸ء

۱۶۴۸ء اور نگ نریب محمد شہزادہ کو لائیں کہ قریب اچھا لکیر کے صوبہ میں پیدا ہوا تھا۔

میں گھبرات کاسر بیار مقرب ہوا اور صفحہ نگاہ اس صوبے پر نیچکٹائی کے ساتھ کلم کرتا رہا۔ وہاں سے یہ فتح ملنی ہم سے
 بیجا لگتا۔ اور دایس پر لٹکان کی صوبہ داری پر صفحہ نگاہ نامزد رہا۔ صفحہ میں شاہ عباس ثانی شاہ ایران نے تصدعا
 پر دوا میں وقت مٹلوں کی حکومت میں تھا۔ تہذیب کر لیا۔ اور نگاہ زیب نے دو مرتبہ صفحہ نگاہ اور صفحہ میں تصدعا
 دایس جیسے کی کوشش کی گزرا نام۔ شاہجہاں نے دو مرتبہ پھر اور نگاہ زیب کو صفحہ میں دکن بھیج دیا جہاں وہ
 صفحہ نگاہ نہایت خوش ملوٹی سے کام کرتا رہا تہہ صفحہ میں شاہجہاں بیار ہوا اس کی طاعت کی تہہ شخصی شہزادوں
 نے قسمت آرائی کے لئے تیار لیں شروع کر دیں۔

دارا شکوہ میں بعض غریبوں میں تھیں اسی لئے اُس کو اور نگاہ زیب کا تھک بڑا عریف لاجا تھا اگر بعض کمزوریوں
 بھی ایسی تھیں جن سے چشم پرشش نہیں کی جا سکتی تو اگر ناگہانی (deceit) ہو تھیں (deceit) کا باشندہ تھا
 اور دارا شکوہ سے وابستہ تھا اُس نے اپنی کتاب میں دارا کے قتل کا بھی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ وہ صاف صاف
 کہتا ہے کہ دارا اجماعی اور پرنسپل کا ایسا مجموعہ تھا کہ وہ قتل امیر کی حیثیت سے زیادہ بہتر تھا نہ نبوت سلطنت کے
 نظم و ضبط میں لائے سکے۔ دارا کے ذہنی مقام کے بارے میں انکی کہتا ہے کہ وہاں دے اے سے آخر وقت یہ کہتے سنا کہ
 - محمد نے مجھے تباہ کر دیا۔ مجھے بچے بچاؤں گے۔

انکی کی شہادت کے بعد ہوا دارا شکوہ کا خاص آدمی تھا۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاہجہاں کے حامدوں میں
 اور نگاہ زیب میں لڑائی سے اور شاہیت کے لئے موزوں ترین تھا اگر بعض سیاسی غلطیاں اُس سے سرزد ہو تھیں تو
 شاہ سلطنت مظہر اُس کے زمانے میں پہلے حدیادہ مستحکم ہو جاتی۔

بہر حال برہنہ انکی اور وزیر کے علم سے کہے ہوئے ہندوستان کے حالات پڑھنے میں ایک نسبت
 ضرور ہے۔ اُن کے بیانات میں غلطیاں بہت ہیں اگرچہ بھی اگر تاریخی تاریخوں کے ساتھ ساتھ یہ سیامت لگے
 پڑے جائیں تو ایک نمبر کا دورہ صحیح نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

دقائق برہنہ کے اُن مترجم نے بہت ہی قابل تصدیق حقائق کہہ کر کتاب کی افادیت میں کافی اضافہ کر دیا ہے

لے میں وقت اور نگاہ زیب ملے ہیں اور کب سرحد عبدالعزیز کے خلاف لڑا تھا تو جن میں ایک میں نادر کا وقت آگیا۔
 اور نگاہ نگاہ گزرتے سے کہے کوئی اور وہی نادر مصر لاک۔ جب ہی سے اُس کا نام - ماسگیر وندہ پیر ہو گیا اور
 تہہ تہری مرتبہ صفحہ نگاہ میں دارا شکوہ نے بھی کوشش کی کہ وہ بھی کامیاب نہ رہا۔

تہہ صفحہ ۱۰۲-۱۰۱-۱۰۰-۹۹-۹۸-۹۷-۹۶-۹۵-۹۴-۹۳-۹۲-۹۱-۹۰-۸۹-۸۸-۸۷-۸۶-۸۵-۸۴-۸۳-۸۲-۸۱-۸۰-۷۹-۷۸-۷۷-۷۶-۷۵-۷۴-۷۳-۷۲-۷۱-۷۰-۶۹-۶۸-۶۷-۶۶-۶۵-۶۴-۶۳-۶۲-۶۱-۶۰-۵۹-۵۸-۵۷-۵۶-۵۵-۵۴-۵۳-۵۲-۵۱-۵۰-۴۹-۴۸-۴۷-۴۶-۴۵-۴۴-۴۳-۴۲-۴۱-۴۰-۳۹-۳۸-۳۷-۳۶-۳۵-۳۴-۳۳-۳۲-۳۱-۳۰-۲۹-۲۸-۲۷-۲۶-۲۵-۲۴-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱-۰

تہہ شہزاد اور دوا قتل کے حالات کو یہ طاعت دے نہیں سکے۔ اور نام طور سے یہ ستر ہے کہ علی مستور دو دیو گیتا جنیوں
 رہائی انکے طریق

بہاؤ خان برسرِ غلغلہ کی پے اٹس کی نصیحت مستند اربابوں سے کر دی ہے۔

تاجپ کریم کی دلچسپی کے لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ترجمہ صاحب مرحوم یعنی شیر الدوار متنازل الملک خان بہادر خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے فروری حالات مذکورہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے تاکہ آگے والی نہیں یہ سمجھ سکیں کہ مسلمانوں کے درمیان خطاطوں کی بعض طہودست اور ادب دار ہستیاں ایسی تھیں جو باسی جمیلوں میں پیشتر کہ بھی کہے وقت طبعی کاوشوں کے لئے نکال لیا کرتی تھیں۔ خلیفہ صاحب مرحوم نے چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کانفرنس مشفقہ علی گڑھ ۱۹۰۵ء کی صدارت کی تھی اس لئے میں نے اپنے قدیم دوست و کرم فرما جناب سید الطاف علی صاحب بدایونی سکریٹری آل پاکستان لیگ کونسل کانفرنس سے رجوع کیا اور انھوں نے انداء دوست وازی صاحب ذیل حالات سید محمد اسلم صاحب ٹیپا لوی فیروز خلیفہ صاحب مرحوم کے مقالے سے انفرادہ کر کے بھیج دیئے۔ میں ان کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے اس فرستادہ میں سے ہر پری مد کے اپنی طبعیت کا ثبوت دیا۔

حالات شیر الدوار متنازل الملک خان بہادر خلیفہ سید محمد حسین صاحب

پیدائش ۱۳۳۷ھ - وفات ۱۳۷۷ھ

مرحوم خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے بزرگ سید جلال الدین حسین صاحب المعروف بہ سید جلال بخاری بخارا سے شہر لٹان میں ۱۳۳۷ھ ہجری میں تشریف لائے۔ حضرت جلال بخاری کا شمار اہل خلیفہ ریاست بہاولپور میں اس وقت کے سربراہ قاسم نام ہے اور ریاست کی طرف سے اس کے انتظام کے لئے ایک متول جاکیر مقرر کیا گیا۔ سید جلال بخاری کے پوتے سید جلال الدین ثانی المعروف بہ مخدوم بہاؤ خان جہاں گشت، نہایت اہل بزرگ گندے ہیں جن کے پاس کریم آباد کب پنجاب، ہندوستانی بھری، معروف و مشہور ہیں۔

حضرت مخدوم بہاؤ خان جہاں گشت کی لڑائی میں سید نظام الدین صاحب دہلی سے مدد سے وہیں آکر سامانہ میں آباد ہوئے یہ ایک چٹا اور شہر نصب ہے جو خیال سے انصاف و عدل کے قائلہ پڑا ہے۔

انھیں بخاری سامانہ میں سے حکیم سید نظام حسن ہوا ہے زیادہ سے ایک شہر طلب گندے میں خلیفہ

۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) (مسیحی عہد) آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کانفرنس

فیروز خان صاحب صوفیہ مشفقہ علی گڑھ میں آکر گئی اور گریج کامیاب ہو سکا تھا اور دارالعلوم تھا۔ اور گریج کی بھی اگر گریج تھی تو دارالعلوم کی۔ اسی لئے اس سے بڑی فراست و ذہانت و تجربہ سے دارالعلوم کے خلاف تباہی کی تھی۔ خیال ہے اور مولانا وہ نیا وہ افکار کا تھا اور دعوات سے اس کے نیچے کو صحیح ثابت کیا۔

سید محمد حسین کے دلوا تھے۔ ان کے بیٹے حکیم سید سعادت علی صاحب مرصعہ راز تک طبیب شاہی کی حیثیت سے اپنے فرائض نبھیں مہاراجہ کم سنگر رئیس چٹا لد کی خدمت میں بکالتے رہے اس کے بعد مہاراجہ مرصعہ نے مرحوم کی طبی قابلیت اور دیانت پر نظر کر کے ان کو اپنے ولی عہد مہاراجہ مرصعہ سنگر کا نائبین مقرر فرمایا اس نسبت سے سید صاحب مرصعہ کا خاندان اب تک طلیفہ کے لقب سے مشہور ہے۔ (لفظہ طلیفہ) سے مراد اکالین کا بیٹا ہے۔ سید سعادت علی کے بعد اکالین کا عہدہ ان کی اولاد میں مختلف ولی عہدوں کے تحت سلسلہ قائم رہا اس لئے لفظہ طلیفہ اس خاندان کے لئے عام طور سے استعمال ہونے لگا۔

طلیفہ سید محمد حسین صلاحوں کی تدریس تہذیب اور دانشگاہ بہترین نمونہ تھے جو فیصلیت علی کے ساتھ نہایت بدکار اور غیبہ و خدنگ تھے۔ انھوں نے اپنے نامور اسلاف کے قدم پر قدم راست چٹا لد کی اہم خدمات نہایت وفاداری اور تدریس کے ساتھ انجام دیں جس کے صلہ میں بادشاہ مختلف مہاراجگان سے اعزازات ملے اور جاگیریں عطیت بریں برکٹش گورنمنٹ نے بھی ان کی نمایاں شہیت تمامیت اور مہاراجگاریوں کے اعتراف میں خطابات مشیر الملک ممتاز الملک اور خان بہادری سے مخاطب کر کے سرفراز کیا اور خطاب کی سب سے پہلی پھیلو کونسل میں ریاست چٹا لد کے بہترین عہدہ دار کی حیثیت سے کونسل مذکورہ آپ کو ممبر منتخب کیا۔

طلیفہ صاحب کی اپنی قوم کی طبی ترقی سے ہمدردی اتم ذوق و شوق تھا۔ وہ اور ان کے بڑے بھائی طلیفہ سید محمد خان صاحب وزیر الملک اور ملک ابتدا سے سرسید احمد خاں کی تحریک علمی کے دست و پاؤں اور مدد و اعلاہم میں گزراؤ کے ہمدرد رہے تھے ان کے اثر سے امدان کی توجہ سے طبی مہاراجا علیات کی امداد مختلف رازوں میں مدد و اعلاہم کو حاصل ہوئی وہ نہایت دانش اندیش و شہید تھے لیکن انھوں نے شہید سنی کے اتحاد و اخوت باہمی کے رشتہ کو قوی تر کیا کا نصب العین بن کر چٹا لد کو اور اتحاد کی خدمت کو شش کی۔ یہ تعلیمات مذہبی کی طرف سے نہایت فراخ دل و وسیع ہوتے تھے ان کی طبی تعلیم و تدریس منوط علی قوم کی باہر ان کی ہی گندی بلکہ پنجاب پر برکٹش کو بھی انھوں نے بہت سے وظائف اور خطابات قابلیت طبی طرف سے بلا استثناء دیئے مگر ان سے اب تک کامیاب طلبہ نہیں پائے ہیں۔

مہاراجہ پنجاب میں سرطاس لکھنویین لطیفٹ گورنر کے زمانہ میں اردو ہندی کا سوال اٹھا تو اس تجویز کی نہایت قابلیت کے ساتھ طلیفہ صاحب نے ہر جوش و خروش سے مخالفت کی اور عدالت میں بکالتے آرو کے ہندی کا رسم الخط جاری ہر ماہ سے ہر نقصان پہنچا اس سے ان کو مضطرب رکھا۔

جب درست معلوم ملی گورنر میں شیعوں اور غیوروں کے واسطے مہاراجہ مرصعہ کی تعمیر کرنے کی تجویز لاکھنوی کشی کے سامنے چلی آئی تو اس تجویز کی طلیفہ صاحب اور ان کے بڑے بھائی طلیفہ وزیر الملک نے سختی کے ساتھ مخالفت کی اور سرسید کو کہا کہ یہ تجویز اس اتحاد و یک جہتی کے اصول کے

دیباچہ وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر زبیر

از جناب کرنل بہری مور صاحب بہادر سی۔ بی (دو سی۔ آئی۔ ای)
ترجمان ہز کیلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر

ڈاکٹر زبیر کے وقائع سیر و سیاحت کا اردو ترجمہ شش ماہ میں اس فرض سے میں نے کیا تھا کہ اس کتاب کے ذریعہ ایک غیر جانبدار ملاحظہ بھی شخص کی جتنی شہادت ہے شاہ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے یہ حادثہ عہد میں سلطنت اور حکومت کا طرز اور دایاں حالت و کنہیت ٹھیک ٹھیک کس طرح پرکھ گیا تھی اور خطی سلطنت کی پیدائش۔ انصاف پسندی اور دایاں کام خوش حالی اور غارتگی اہالی کی نسبت بہت سے غلط خیالات جو ملک میں پھیل چکے ہوئے ہیں وہ دور جو جانگے ہیں کو اس وقت کے سرخیوں اور شاہوں اور غولہ مالوں اور بدشاہوں کے انعام یافتہ لوگوں کی تحریروں سے عوام میں اس طرح پھیلا دیا اور اس کے ذہنی نشیں کر دیے کہ وہ آج تک مظلومانہ کے دلوں میں اس پیشین کے ساتھ قائم رہا کہ اگر دایاں و صاف بعض اسی سلطنت سے نکلتے تھے۔

ہم لوگ جو اصل ہندوستان پر تسلط ہیں ڈاکٹر زبیر یہ کہہ رہا ہے کہ ہم قوم دنیا اس لئے غلامت کا اس نے اپنے چشم دیدہ کیے ہیں امید ہے کہ وہ اس زمانہ کے ہندوستانی نو سالہ اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن پر ایک اضافہ کے آئیں گے۔ ہمیں بھی یاد کر دے اس قسم کے بیانات کو کہ ایک ایسے فوجیاب دار اور بد فتنہ شخص کی طرف سے جہل و بہت شوق سے پڑتے ہیں مگر میرا یہ کہنا بھی ہے کہ ملک کی موجودہ حالت کا اس زمانہ کی حالت سے مقابلہ نہایت منصفیہ اور دلچسپ ہو گا۔ نئی احوال دین سامعہ ہر ایک نئی علم شخص ہیں اور اس کتاب کے ترجمہ کے وقت کتاب کا شہر انچیف بہادر صاحب مالہ رافالہ چند کے ترجمان فارسی کے دفتر میں موجود تھے انھوں نے مجھے اس کام میں بہت مدد دی تھی اور اس آقا کا بہت مہربان دوست ہوں۔

جب ترجمہ ہو چکا تو میں نے اس کی ایک نقل ڈاکٹر ملک صاحب سرحدہ تعلیم اضلاع شمالی و مغربی کے پاس جہاں زیادہ تر اسد و باقی بولی جاتی ہے روانہ کی۔ گرا انھوں نے مجھے یہ کہا کہ اگرچہ ترجمہ اچھا ہے لیکن نظر ثانی کی ضرورت ہے اس لئے مناسب ہے کہ کسی ایسے مستند اور دایاں و اہل شخص کو کہ دایاں ہائے اس زمانہ کو کاغذ پر مجھے اپنی دلی کی

ازدہ کہتے ہیں اس سے اس ماہنامے پر عمل کیا اور کتاب کو دلی کے ایک مشہور، معروف معزز شخص کے سپرد کر دیا جو اردو کا مشہور زبان داں تھا لیکن یہ کتاب اگرچہ ایک برس تک اس کے پاس رہی مگر اس نے صرف چند ہی اوراق میں کچھ اصلاح کی اور پھر دلی کی دہلی سے یہ کتاب بھیج دی۔ یہ کتاب صرف کام بہت ہی سبب پہلے سال وہ انعام نہیں دے سکے۔ کچھ دنوں بعد یہ تمام سرگزشت میں لے آئے چند دوست غلیظہ صبیحہ محمد حسین صاحب میرٹھی ریاست ٹیلا سے بیان کی۔ جو دفعہ عربی اخبار کی انگریزی زبان کے جاننے والے مشہور ہیں اور جن کو کچھ عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ عالیہ قیصر کے حضور سے ”طریقہ التذکرۃ مثلاً لکھنا“ کا خطاب مرحمت ہوا تھا انھوں نے انعامتہ میرٹھی سے اس کتاب پر دوبارہ نظر فرمائے اس کام اپنے ذمے لے لیا۔ اور صرف اول سے آخر تک اس کی اصلاح پر کوشش کیا بلکہ جن مقالات کا ترجمہ میں نے مصنف کی غلطیاں تحقیقات میں کھنکھاس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ انگریزی اہل ہند کے لئے شاید کچھ دلچسپ خبریں ان کا بھی ترجمہ کرنا اور اس فرض کے لیے کتاب پر زیادہ مشرت اور زیادہ دلچسپ ہونا بہت سے مفید حاشیے بھی اضافہ کر دیے۔

حب غلیظہ صاحب موصوف یہاں کہیں بیان کیا ہے اس کتاب کی ترمیم اور اصلاح سے فارغ ہو چکے تو میں نے نذر گیلانی سر فریڈرک صاحب بہادر بی۔ سی۔ بی۔ بی۔ ایس۔ آئی۔ وغیرہ سے جواس وقت ہندوستان کے کمانڈر انچیف تھے اور جن کے پاس کل شاف میں میں اس وقت تھا یہ درخواست کی کہ میری اس کتاب کو گورنمنٹ عالیہ ہند کے حضور میں اس فرض سے بھیج دی کہ مجھے اپنی دو حاصل ہو جائے جس سے میں اس کو چھپا سکوں اور انٹی امپرائیج صاحب کو اس کے تعاون کا صلہ مل سکوں۔ اور یہ بھی عرض کر دیا کہ اس میں اپنی ذات کے لئے کچھ روپیہ کا متنی نہیں ہوں۔ چنانچہ طلبہ صمدی نے اندازہ کریم پوری درخواست کو گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیج دیا اور مختصر عرصہ کے بعد صاحب فاریس سرگزشتی گورنمنٹ موصوف نے زبانانہ دفعہ فرما کر اس مسئلہ پر تہہ تک جانے کی گھر کچھ ٹیپوں میں دیا جس کی شاہد کوئی وجہ ہوگی اور غالب تو یہ ہے کہ کوئی بھی وجہ نہ ہو۔

حب میں اس طرف سے ایسے ہوا تو میں نے صاحب ڈائریکٹر سرگزشت تعلیم پنجاب کی خدمت میں تحریر کیا۔ اللہ صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس کتاب کو سامان شش پڑھائی کی خدمت میں بھیجیں کریں گے۔ مگر اس وقت اس ایک برسرِ کار کی رخصت سے کراہت چلا گیا اور وہ اس سے واپس آئے ہی سر کی لڑائی پر بچھا دیا گیا۔ اور جب میرے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کے بارہ میں ابھی کچھ بھی ٹیپوں میں نہیں آیا۔ حالانکہ کراہت والا صاحب بہادر ڈائریکٹر سرگزشت تعلیم پنجاب اس معاملہ میں ذائقہ تو یہ ظاہر فرماتے تھے۔ میں سے بوجہ مشغول ہو کر اس امید بولی تھی کہ سال کے اختتام سے پہلے کچھ۔ کچھ ضرور ہو جائے گا۔

مگر کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ میرے حالی تمام ذہانت صاحب فضل و کمال دوست غلیظہ صبیحہ محمد حسین صاحب

نے دعویٰ کتاب کی فصیح و منظرانی میں بہت ہی تکلیف اٹھا چکے تھے اور یہی کتاب اس ۱۲۷۱ میں چھپ چکی ہے کہ ان کے ہم وطنوں کے لئے مفید ثابت ہوگی اور اس کی اشاعت میں مدد دینے سے گویا وہ ایک طرح سے سرکارِ عالیہ تیسری کی ایک خدمت بکالا بھی گئے) اس کی اشاعت میں زیادہ تساہل اور تامل نہ کرو گوارا نہ فرماؤ اور جھک کر کہا کریں اس کتاب کو خاص اپنی قوم و مری اور اپنے ہی خرچ سے چھپانے کے لئے آمادہ ہوں اس ترجمہ کے پہنچنے ہی میں نے اُن کی اس ہمت قیام نہ اور ارادہ غاۓ عام سے کزنل اللہ صاحب کو آگاہ کیا اور اُن کے مشورہ سے آخر یہ قرار پایا کہ کتاب خلیفہ صاحبِ محدث کی خدمت میں بھیج دی جائے۔

کسی محدود بین زبان کی کتاب کا ایک مشرقی زبان میں ترجمہ کرنا شاید بعض لوگوں کو ایک سانساں ماحول معلوم ہوتا ہو مگر ایسی صورت کے ساتھ ترجمہ کرنا کہ مطلب اور معنی تو یہ ہو رہی اور ہونا اور ایسی ہر شے منطقی ترجمہ کی دہرادی الامکان وہ قدر بھی قائم رہے جو معنی کے اصل بیان میں پایا جاتا ہے اور مشرق کے طرزِ افشا کی خوبی و لطافت بھی اتنے سے نہ چلے ہرگز آسان نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ میں عزیزِ بیاں اور اس قسم کے امور کی نسبت کہ ترجمہ کس ڈھنگ پر کرتا ہے اور اس میں معنی کے الفاظ کی پابندی وغیرہ کس حد تک کرنی یا نہ کرنی چاہیے مترجمین کو دہرا پھنچا ہے ذائق کے موافق اعتراض کیا کرتے ہیں مطلبی کرنا بہت مشکل ہے مگر ہر حال یہ کہ کزنل اللہ صاحب بہادری نے یہاں سے وی کہ اس ترجمہ پر ایک دفعہ اور بھی نظر ڈال لی جائے تو بہتر ہے اس لئے میرے عقابت فرما جناب خلیفہ صاحب نے نہایت خوشی سے اُس کو بھی منظور کر لیا ہے کہ وہ اپنے قلمی قافیہ اور صاحبِ علم و فضل بھائی جناب ذریعہ اللہ ذہن الفکک خلیفہ مستی محمد حسن خاں صاحب بہادری و وزیرِ معتمد ریاست پٹیالہ کا مدد سے ایک دفعہ اس کتاب کو پھر ضرور دیکھنا میں گئے چنانچہ نظر ثانی کے بعد یہ کتاب ہر طرح مکمل و مرتب ہو گئی ہے اور ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کو فیروز خان صاحب و مضافات مظاہر کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ عام دلچسپی اور ارادہ کا باعث ہوگی فقط

راتم
پنہری شہر

دیباچہ

از خلیفہ سید محمد حسین میر منشی ریاست پٹیالہ

یہ کتاب جس حالت اور حیثیت میں میرے پاس پہنچی تھی وہ میرے معزز دوست جناب کرنل ہنری ڈا صاحب بہادر نے اپنے اثر و دلکشی میں مفروضہ قلمبندی ہے۔ کرنل صاحب نے اصل کتاب کے بعض قطعی لاکڑیوں بھی نہیں کیا تھا کیونکہ مقصد زیادہ تر انھیں مطالب کے ترمیم سے خارج ملاحظت مطلب سے کہ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال یہ تھا کہ ہر واقعات ہندوستان کے متعلق میں وہ سب ترمیم پر مبنی اس لئے لیا ہی کیا گیا۔ لاکڑی ڈاکٹر وینر کی ایک جلیبی کا ہوا اس نے شیراز سے اپنے ایک دوست کو کہی تھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں صرف ملحدانہ تفسیر کی تفسیر ہے اور عام بحث ہے جس کو ہندوستان سے کوئی ضرورت تھی اور نہ کہ نفس کتاب میں بعض مطالب قابل تصحیح تھے۔ اسدایات سلمہ و مشہور عام کے برخلاف معلوم ہو سکتی وہ سے معنف کا بیان تو شیخ طلب تھا۔ لاکڑیوں کی مزید تفسیر اور بصیرت کے لئے کسی تفسیر کی تفصیل کی احتیاج تھی یا مطالعہ کے لئے سربہ تردد کی بعض حالتوں کا ذکر کیا گیا تھا اس لئے مستر کرکٹوں اور صحیح ماخذوں سے جہاں کہیں مرتب تھا مانیوں کا کھٹا مناسب سمجھا اور چونکہ زمانہ حال کے یورپی مصنفوں کے دستوں کے موافق عبارت میں منانات دتے تھے جس سے کسی مصنف کی تشویش اور حوالہ دینے میں بڑی دقت تھی لہذا اس کو کٹا رخصت کیا گیا اور نظم و ترتیب کے لحاظ سے کچھ ایسے تفسیرات بھی کٹے گئے کہ بعض مضامین کو ایک جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل کیا گیا۔ اگرچہ ان امور کے باعث خصوصاً مانیوں کے التزام سے محنت بہت ہی بڑھ گئی مگر الحمد للہ کہ یہ کام جناب صاحب معظم وزیر الدولہ و برائے ملک خلیفہ سید محمد حسین خان صاحب بہادر نے اعلیٰ مقام پر کیا ہے لہذا ان کی امانت سے اور جو دیکھ بھلے اپنے شخصی کاموں سے فرست کم تنجی انجام کو پہنچ گیا۔ اور یہ دلچسپ کتاب میں کو اس دقت کی طرف مکتومت اور حالت ملک کی ایک صحیح اور بے نظیر تصویر کھینچا جائے وہ مفید تر ہو گا ایک طرف کی تالیف کی صورت میں چھپ کر تیار ہو گئی اس کی طبعانی انفر عظیمہ میں جاری ہو گئی تھی۔ مگر اس میں ہے کہ طبع اول کے کام میں اسباب کم فرضی اور مانیوں کے التزام کے خلاف توجہ لینی ناگزیر ہوئی کہ اس دقت سے بچھ تیار ہو سکی اس لئے بعد تکمیل اب دو دن جاری ہیں تاخیر کی جاتی ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کرنے اور چھپانے سے جو امور محکمہ نظر تھے ان کا بیان کرنل صاحب بہادر نے

اپنے مشرق و مغرب میں مشرق و مغرب کا ایک اہم مطلب ہے یہی تھا کہ اس اور یہ سے راقم اور جناب موصوف کی خالص اور بے فرض دوستی کی ایک وجہ یا یادگار قائم رہے۔ اس موقع پر اگر میں کچھ مختصر حال اپنے عزیز دوست کا بیان کروں تو یقین ہے کہ بے عمل نہ ہوگا۔

پس واضح ہے کہ جناب موصوف مغرب سپاہ گری کے علاوہ بڑے صاحب کمال زبان دان ہیں اور ان کی لیاقت اور قابلیت اسی سے ظاہر ہے کہ ان کی انگریزی زبان کے علاوہ فرانسیسی، لاطینی، زمانہ حال کی یونانی، ترکی، عربی، فارسی، اردو، سندھی، سرائیکی، اور ہندوستان کی اور مختلف چھوٹی چھوٹی زبانوں سے جو مختلف زبانیں تصور نہیں کی جاتی، بخوبی واقف و باخبر ہیں۔ اس لیے اس کے فنِ نقاشی میں بھی موصوف گام رکھتے ہیں، چنانچہ جب کبھی فرصت پاتے ہیں تو منظر پر قدرت کے نقشے بھی کھینچا کرتے ہیں۔ اور علاوہ درج کی زبانوں کے جو کہ جنگ ایران - مشرق، افغانستان، اور مصر کے واقعات و عظیم اور مشہور ہیں وہ اپنی سلطنت کی عمدہ خدمات پر کمال تہنیں اس سے پیش گاہ علیا مضرت لکھ نظر بغیر ہند سے کہیں آف دی مورث، دولت کروڑ گاہ دی تاحہ۔ اور کہیں آف دی مورث ایکن ٹینٹ آف دی انڈین ایمپائر کے خطابوں سے معزز و ممتاز ہیں۔

صاحب موصوف کا اصل تعلق کبھی پرچہ پڑھنے کی افواج سے ہے مگر یہ کمال اپنی لیاقتوں اور کمال زبان دان کے لائق نہیں کہ لگا لگا اور فریضہ یک نفس اور سر و دل شہادت صاحبان کا شہانہ پیغمبر بہادری و افواج ہند کے ایام حکومت میں حرات ہند و سرحد ان کے پرشل شائف میں پرشکوہ شہرہ کے عہدہ پر پہنچے ہیں۔ اور بارہو کہ ہر صاحب کا شہانہ پیغمبر کو پرشل شائف کے عہدہ داروں کی نسبت یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پیغمبر کے ایام حکومت میں جو کوہ السران نور میں سے چاہیں منتخب کر کے اپنے پاس بلا لیں مگر کمال ان کی مسلمہ قابلیت کے تیور صاحبان موصوف موصوف نے ان کی کوہ ہند فرمایا اور اپنے پاس سے طبعہ و ہمت نہیں دیا۔

تعب پرشین اشتر پیغمبر کے عقلی منہ میں ہیں۔ ترہان خارجی "شروع سلطنت انگریزی میں جب کل کاروبار زبان خارجی میں ہوتا تھا اور اس قدر اندازہ و انگریزی کا زور نہ تھا اور حکام انگریز اکثر اشرافیت سے تھے، لیکن زبان خارجی ہی میں کیا کرتے تھے۔ یہ تعب اس وقت کا سفر کیا ہوا ہے، مگر وہ اصل یہ عہدہ داروں کو پہنچا دینا اور یہ شکل سکھانے کے ہوتا ہے۔ اور اس کا کام یہ ہے کہ جو مراسلات کی مشرقی زبان میں کیا جاتی تھیں ان کی طرف سے یا جو عربی پرچہ ہندوستانی فرقہ کے سپاہیوں اور سرداروں کی جانب سے صاحب کا شہانہ پیغمبر کے پاس آتے ہیں، اپنے غرض سے ان کا ترجمہ کرکے پیش کرنا اور ان کا جواب و فیروہ بھجوانا اور انہیں اور میریوں کی لافا میں صاحب کا شہانہ پیغمبر سے کرنا اور ان کے بارے مختلف کے موافق ان کے مراسم و تقسیم و تکریم کا بندوبست کرنا، ہر ایک بڑا بزرگ کام ہے اور انہیں ان کے اور صاحب کا شہانہ پیغمبر کے من کے لئے زبان ہندوستانی کا بھنگا کوئی امر

لازمی نہیں، ہندو الملاقات ترمجانی کرنا صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاق و سچ الملاقات خوش توجہ و مخلص اور بڑے بخاگش شکار و دوست ہیں۔ اور ہندوستانی اصول و شرع سے بہت محبت و ارتباط رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے بھی خراج ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ صاحب ممدوح نے علوٰیہ اپنے اس شوق و رغبت کے جو ان کو شرقی و ازلی سے ہے ہندوستانی کے دایان ملک اور اُمرہ و شرفاء کے نامہ کے لئے باوجود مشاغل کا سرکار اس کتاب کے اجراء فی قریب کرنے کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ ان کی اور ہماری ہر سو کی محنت ٹھکانے لگی۔ اب یہ دعا ہے کہ میرے اہل وطن اور ہندوستانی دایان ملک ہمارا جن کے لئے یہ کتاب گویا سراپا بصیرت ہے اس کے مطالعہ سے فائدہ پائیں۔ اور خصوصاً ہندوگان حضور فیض کجور ہر باتیں نوزند خاص و اولیٰ انگلشہ منصور زمان امیر الامراء ہمارا حم و عزاج را جیشہ سرکاری ہمارا ہندوگان و چندر سنگھ ہندو ہمارا دھرم و داسے ریاست پٹیا لہرام انبارہم کی نظر اشرف سے گذرے جن کے خواہشیت سے میں نے اور میرے ہندوگوں نے پورے دل سے ہے۔ اور جن کی تحسین رہا یا اور تک خوار ہوئے کا بگے افتخار حاصل ہے۔ اور حضور ممدوح الشان اس کی سرور غا زاد و لچسپ حکایات اور حکیمانہ اور جہت عیسوی بیانات کے ملاحظہ سے منظور ظاہر متبع ہوں۔

خاتمہ پر ناظرین اہل راہ کی خدمت میں التماس ہے کہ چونکہ خاکسار نہ کھٹو کار ہندو الہیہ اور نہ دلی کا۔ بلکہ پٹیا لہرام سا مانہ میرا اور میرے ہندوگوں کا سرحد مسکن ہے جہاں نہ اپنی اردو صحیح طور سے دلی نہیں جاتی ہیں اگر کسی سادہ میں کوئی غلطی معلوم ہو تو مسعود تصدیق فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہدِ اورنگ زیب

حصہ اول

۵۶	گوگنڈہ کا عامرو	۳۲	ہیں چند رستہاں کس طرح پہنچا
۵۷	تھکے بیوہ کی نسخ	۳۳	شاہجہاں اسیر کی کاسب
۵۸	دارالحکومت سے شاہجہاں کی نکلنے کے اسباب	۳۴	چند رستہاں میں اختلاط کا اطلاق
۶۰	گوگنڈہ پر فرست گئی کی مشہور آقا	۳۵	شاہجہاں کی ضعیفی اور اس کے بیٹوں کی باہمی آویزش
۶۲	شاہجہاں کی بیماری	۳۶	شاہجہاں کی موت
۶۳	سازشی خطرات	۳۷	شاہجہاں کی اولاد
۶۳	بادشاہ کے انتقال کی آواز	۳۸	اُس کے سلطنت اور خطابات
۶۴	سلطان شہزاد کا آگے کی طرف کوچ	۳۹	شاہجہاں کا بیٹا اور دارالحکومت
۶۷	سورج کی سورت پر فرست گئی	۴۱	سلطان شہزاد کے حالات و مسائل
۶۸	میر جلال اورنگ زیب کی تہذیب	۴۲	اورنگ زیب
۷۲	اورنگ زیب کی سورت کرسدائی	۴۳	شہزادہ اورنگ زیب
۷۳	تھکے سورت کا شہزاد	۴۴	شاہجہاں کی بیٹی شہزادہ بیگم
۷۳	تھکے کی فوج کا راز	۴۶	بیگم صاحب کا بیٹا صاحب
۷۴	سورج کو شہزادہ فراخ سر کا مشورہ	۴۷	بیگم صاحب کا بیٹا صاحب
۷۵	دو دن بھارتیوں کی طاقت	۴۸	دیشور کا بیگم
۷۵	فرخ کو آگاہ کی طرف کوچ	۴۸	شہزادہ اورنگ زیب کی سورت پر تقریر
۷۶	شاہجہاں کی بھاری	۴۹	دارالحکومت اور سلطنت میں
۷۶	شہزاد کی بیٹی تھی	۵۰	بادشاہ کو گنڈہ پر فرست گئی کی حالت
۷۷	شہزاد کی نکست	۵۳	میر جلال اورنگ زیب کا گنڈہ
۷۹	سلطان شہزاد کی راجی	۵۵	اورنگ زیب کی گوگنڈہ کرسدائی

۱۳۵	مرد بخش کی گرفتاری	۷۹	فاری فرخ کی رہائی
۱۳۵	داراشکوہ کا شہنشاہ	۸۰	اورنگ زیب کی شاہی فرخ کی کارروائیوں
۱۳۵	داراشکوہ چاہی کی تلاش میں	۸۱	اورنگ زیب کی پہلی فتح
۱۳۷	اورنگ زیب کا استقلال اور معجزہ	۸۳	راجپوتوں کی سپاہ گری
۱۳۹	داراشکوہ کی موت	۸۵	حضرت شہزادہ کا فیروزانہ طرز عمل
۱۴۰	اورنگ زیب اور سلطان شہزادہ	۸۷	شاہجہاں کی بیماری اور داراشکوہ کی خودکشی
۱۴۳	آگرہ میں اورنگ زیب کی شکست کی افواہ	۸۷	داراشکوہ کی فرخ
۱۴۴	مور سلطان اور میر جگر شہزادے کے مقابلے میں	۸۸	داراشکوہ کا جنگ کرکٹ چارواک
۱۴۸	شہزادے کی جنگ لڑائی	۹۰	داراشکوہ میدان جنگ کی طرف
۱۵۰	شہزادے کی از سر نو تیاریاں	۹۱	اورنگ زیب کی فری چال
۱۵۰	مور سلطان کی ہلاکت	۹۵	داراشکوہ کی منہ آؤائی
۱۵۳	سلطان محمد منجم کو اورنگ زیب کی نصیحت	۹۷	ہندوستان کا طرح جنگ
۱۵۴	اورنگ زیب کی تخت نشینی	۹۸	روائی کا مقابلہ
۱۵۵	داراشکوہ اور کے میدان جنگ میں	۱۰۰	اورنگ زیب کی ثابت قدمی
۱۶۰	داراشکوہ کی وفات میں ایک ہر لٹاک سطر	۱۰۲	داراشکوہ کی شکست
۱۶۲	جان کی آکھ پائے	۱۰۳	ہندوستان کی فری تنظیم
۱۶۳	سلطان شہزادے کی طرف سے اندر چلے	۱۰۴	اورنگ زیب کی شہزادہ چالیں
۱۶۴	بد نصیب داراشکوہ دلی میں	۱۰۵	داراشکوہ کا زور
۱۶۹	داراشکوہ کا تھک	۱۰۶	سیلیان شہزادے کی صراحتی
۱۷۳	بھوی خان کا قتل	۱۱۰	اورنگ زیب کی گری
۱۷۳	سیلیان شہزادے کی گرفتاری	۱۱۲	مور سلطان کا طرہ پر قبضہ
۱۷۶	پرست پائے کا راز	۱۱۳	شاہجہاں کی گرفتاری
۱۷۷	مرد بخش کا قتل	۱۱۵	پرتشاد کے ہمراہ اورنگ زیب کا طریقہ
۱۷۸	سلطان شہزادے کا سفر	۱۱۵	اورنگ زیب کے دلی کی شہنشاہ
۱۸۱	شہزادے کی موت تک انتظام	۱۱۶	نورائے سلطنت کی افواہ

ضمیمہ ۲

۳۳۹	کوچ بہار اور آسام پر میر جملہ کی فوج کشی
۳۴۰	میر جملہ کی راج محل میں آمد
۳۴۱	میر جملہ کی فوج کشی
۳۴۲	شہر کوچ بہار کا محل وقوع
۳۴۲	میر جملہ کی تھمپیاں
۳۴۵	آسام کے عمومی حالات
۳۴۶	آسام کی حدود اور محل وقوع
۳۴۶	دہلی ہرم پتھر کی سرسبز و شادابی
۳۴۷	آسام کے طبی حالات
۳۴۸	آسام میں کذب زبان اور مذہب
	بجی سمن
۳۴۹	میر جملہ کا آسام میں داخلہ
۳۵۱	میر جملہ کی چٹن تھی
۳۵۱	سینل گڑھ کی ذاتی
۳۵۲	آسام کے دھرم کا فرقہ
۳۵۵	کوڑا گڑھ پر قبضہ اور الیا نیست
۳۵۶	شہر کوڑا گڑھ کے حالات
۳۵۷	آسام میں کی سرکشی
۳۶۱	میر جملہ کی تہ پریں
۳۶۳	میر جملہ مشکلات میں
۳۶۵	بیاری اور تھل
۳۶۶	آسامی فوجوں کا فساد
۳۶۷	میر جملہ کی بیاری
۳۶۸	دھرم کا پیغام صلح

۳۰۷	امرا کی تعداد اور ان کی ساری کے طریقے
۳۰۷	امرا کی عام مزے اور تعلیمات کے طریقے
۳۰۷	شاہی ساری کے ساتھ ہم نائی
۳۰۸	منصب داروں کی تنخواہ کی تفصیل
۳۰۹	مدفونہ داروں کی تنخواہ اور خدمات
۳۱۰	عام ساریوں کی تنخواہ کی تفصیل
۳۱۰	پہلوں سپاہی اور گولہ انداز
۳۱۱	توپ خانہ
۳۱۲	ساریوں کی فوج اور ساریوں کی فوج
۳۱۲	پہلوں فوج کی اصل تعداد اور گولہ خانہ
۳۱۳	شہرک وقت پر تنخواہ نہ ملنے کے نتائج
۳۱۵	شہنشاہ محل کے کلید اطرعات
۳۱۶	ہندوستان ایران اور روم کے حاصل کا خلاصہ
	شہنشاہ محل کی مدد شدہ کی مہارت تیر شہرت
۳۱۶	اور تنخواہ اور جہاز کا ذکر
۳۱۹	دھارم کی نظا وعات
۳۲۰	دھارم کی گیت زبانی مائل ہونے کے مضرت ناخ
۳۲۲	فصلی حکومت کے نتائج
۳۲۳	ہندوستان کی بے مٹی اور جہاز
۳۲۶	ہندوستان کی تجارت
۳۲۷	امرا کے ہندوستان کی مہالت اور بطور
۳۲۷	سکاری اطرعات کے دوسرے دھارم کی تہا وعات
۳۲۸	علم کے تقویٰ محل دہارم
۳۲۹	فرنگستان کی خوش حالی اور ترقی کے اسباب
۳۳۱	مالک ایشیا کی کاروباریں سڑکیں

۳۶۱ | حیرت انگیزوں کی ہندوستان
۳۶۰ | آدورائن کا عروج و زوال

۳۶۹
۳۶۰

میراج کی مزاحمت
میراج کی وفات

حصہ دوم

ڈاکٹر برنیر کے خطوط کا مجموعہ

برنیر کے خطوط انشوروی سرولین کے نام
(جو اوزنگ نریک کٹیر کے سفر سے تعلق ہیں)

۳۹۵	اٹلارہ فرخ آبادیہ	۳۸۲	پہلا خط
۳۹۶	عباس شاہی		ازدہلی مورخہ دار و صبر علیہ
۳۹۷	لشکر کے اہل	۳۸۳	اوزنگ نریک کٹیر کو رہائی
۳۹۸	آمر کی خیمہ گاہی	۳۸۴	دہلی سے لاہور
۳۹۹	لشکر گاہ کی اراضی	۳۸۴	سفر کٹیر میں فرخ کی تعداد
۳۹۹	لشکر گاہ کی تعلیمات	۳۸۴	توپ قاذ
۴۰۰	اکاسا دی	۳۸۵	تقدیر پر فرخ کٹیر کی انعام
۴۰۰	لشکر شاہی میں چمک پہرہ	۳۸۵	لاب و لشکر خان کا علی نقی
۴۰۱	شاہی سواری	۳۸۵	سفر کی تیاری
۴۰۱	ہم کتاب لکڑ	۳۸۶	دہلی کی روانہ اور پان
۴۰۲	قرعہ ساد	۳۸۶	پانی خشتار کھنے کی ترکیب
۴۰۳	جگمات کی سربراہی		دوسرا خط
۴۰۳	روشن آکاہیم کا جلوس		ازلا ہور ۲۵۰ فروری ۱۹۹۹ء
۴۰۵	ایک یادگار واقعہ	۳۸۹	جٹا کے کاروبار ایک خوش گوار سفر
۴۰۵	قہر شاہ منٹل شکار میں	۳۹۱	سولہ شاہی
۴۰۹	پنجاب کے دار کشتیوں کے بلی	۳۹۳	زنا و خیر گاہ
۴۱۰	شاہی لشکر کی تعداد اور سد	۳۹۴	خسر گاہ
۴۱۱	خیر شاہ کی خیر میں رہی	۳۹۴	شاہی ڈیڑھی

۴۲۳	سر سوزی اور شامانی	۴۱۲	تیسرا خط۔ بڑا اور سے کھا گیا
۴۲۳	مشیر اور ڈول	۴۱۳	بنجاب کے دریا اور مشیر
۴۲۳	مہارسی	۴۱۳	دریا کے دلوں
۴۲۴	ہری چمک	۴۱۳	اور ہری عادتیں
۴۲۴	تھنہ سلیان	۴۱۳	اور ہر سے کشمیر
۴۲۵	سر سبز ٹاپر		پھر تھا خط
۴۲۵	غرض غلبہ ہمارا		لاہور اور کشمیر کی درمیانی منزلوں سے
۴۲۵	مشاک مارا غ	۴۱۴	راستہ کی سخت گری اور اس کے اسباب
۴۲۶	کشمیر میری نظریں		پانچواں خط
۴۲۶	ایک مشاعرہ		کشمیر طے ہوئے چشتی منزل سے
۴۲۹	کشمیریوں کی خصوصیات	۴۱۴	دہانے چاہ اور اس کا پاف
۴۲۹	کشمیر شال		پہچان خط۔ کشمیر کی آٹھویں منزل
۴۳۰	عشتی کشمیر	۴۱۶	گری کی شدت
۴۳۱	ناک جھانک		ساتواں خط
۴۳۱	شوقی دھار		سفر کشمیر اور سوہی منزل کی سوہی سے
۴۳۲	دلچسپ کوہستان سفر	۴۱۶	زلیمت سے تائید کا
۴۳۳	سہرت انگیز آئینہ		آٹھواں خط۔ مقام بہسیر سے
۴۳۳	نورنگ عادت	۴۱۷	آگ کی بستی
۴۳۳	بھگت کا مشن	۴۱۸	پہاڑ پر چڑھائی
۴۳۵	میر خجالت کے عجائبات	۴۱۹	بار بر بار
۴۳۵	گرگ اور سروی کا اتصال		قرآن خط کشمیر جنت نظیر سے تین ماہ بعد
۴۳۵	دو مخالف ہوائیں	۴۲۰	سرزمین کشمیر
۴۳۵	پیر خجالت کا درد لیلیٰ	۴۲۰	ولایت کشمیر کا طول و عرض
۴۳۶	چشموں کی سیر	۴۲۱	مورینی اشکار اور شہد
۴۳۶	سودھ بھاری	۴۲۲	چنے اور دھما

۴۲۸	ہر سلسلہ چشمہ	۴۲۸	ہنگال کی اوزانی
۴۲۹	طوائف پھلیاں	۴۲۹	ہنگال کی روٹی اور ریٹشم
۴۲۹	بارہ مولا کا مقبرہ	۴۲۹	ہنگال کی ناموافق آب و ہوا
۴۳۱	تیرتا ہوا مکان	۴۳۱	ہنگال سے ماہ محل تک
۴۳۲	آخر تا پڑخا چشمہ	۴۳۲	خلیج ہنگال کے جزیرے
۴۳۲	برفانی بحیل	۴۳۲	ایک یادگار دریائی مندر
۴۳۲	تنگ سفید کے پڑہا دیو پھول	۴۳۲	قری قریس و قریس کا نظارہ
۴۳۳	قرب دھار کے پہاڑی لنگ	۴۳۳	حبیب و غریب روشنیان
۴۳۵	چھوٹی جہت کے فرماں روا کی آمد	۴۳۵	خفت طوفان اور بارش
۴۳۶	دریائے جہت کے سفیر کی ماضی	۴۳۶	پانچویں سوال کا جواب
۴۳۶	جہت کے طیب سے ملاقات	۴۳۶	دریائے نیل
۴۳۶	کشمر سے چینی لک تجار کی راستے	۴۳۶	آخر پیا کے سفیر کی کامیابی
۴۵۰	لک کا سفر	۴۳۶	دریائے نیل کی گزرگاہ
۴۵۱	لاہور سے چینی کو کراچی کی راستے	۴۳۶	دریائے نیل کا صفی
۴۵۲	پانچ سالہ درائی کے جواب	۴۳۶	نیل کی طبعی کارزار
۴۵۲	پانچ سوال و کشمیری مسجد	۴۳۶	مصریوں کے اہل علم
۴۵۲	مصر سوال - ہندوستان میں موسم ہرات	۴۳۶	مشہم اور طاعون
۴۵۲	تھل سوال - مشرقی سندھ کی آب و ہوا	۴۳۶	میر طاعون کا بیان
۴۵۳	پانچ سوال - ہنگال کی درختی	۴۳۶	سینار کے جھیرن کا بیان
۴۵۳	پانچ سوال - دریائے نیل کی طبعی	۴۳۶	دریائے گنگہ کی طبعی
۴۵۳	پانچ سوال کا جواب	۴۳۶	نیل اور گنگا مصر اور ہنگال
۴۵۵	دوسرے سوال کا جواب	۴۳۶	سفرہ اور مصر
۴۵۵	تیسرے سوال کا جواب	۴۳۶	خط نام چپ لین از شیرازہ راہان
۴۶۰	چوتھے سوال کا جواب	۴۳۶	ہندوؤں کے عقائد و تہذیب اور
۴۶۱	پنچ لک چیتا دار	۴۳۶	رسومات کا بیان - درجہ

۵۱۰	غریب الہام یاد کی نعتی	۴۸۴	سورہ بکین
۵۱۰	ہندو متیروں کا حال	۴۸۴	فرانس والوں کے کہات
۵۱۱	گرد یا ہنست	۴۸۵	دلی میں سورہ بکین کا انظار
۵۱۱	جوگیوں کی خوفناک زندگی	۴۸۶	ہندوؤں کی رسومات اور سلاطین خلیفہ
۵۱۲	نانکے فقیر	۴۸۸	بکین کے مرقعہ پر پڑ جا پڑ
۵۱۳	صوفی سورہ کا قصہ	۴۸۸	بکین ناتھ کی رشتہ جیسا ترا
۵۱۵	جوگیوں کی عبادت و دیانت	۴۸۸	چارولیوں کا بھرم
۵۱۶	چمپا کا پھل	۴۸۹	بکین ناتھ کی رشتہ اور صورت
۵۱۸	خدا سپہ بھگ	۴۹۰	بکین ناتھ کے درشن
۵۱۹	جوگیوں کا گلیاں و صیان	۴۹۰	نارادوں کی خوش عقیدگی
۵۲۰	شعبہ پارہوگی	۴۹۰	بکین ناتھ کی دہلی
۵۲۱	جین مسک کے مادیو	۴۹۱	بے حیائی کے مظاہرے
۵۲۳	ہندوؤں کے قوانین غامبی اور علوم و فنون	۴۹۶	سادھو اور کسبیاں
۵۲۴	چارشامتر	۴۹۶	سستی کی رسم
۵۲۴	چپارہری	۴۹۹	سستی سے روکنے کا قصہ
۵۲۵	تاج اراج کا عقیدہ	۵۰۱	سستی کا ایک دردناک واقعہ
۵۲۵	لاہور کشی کی منافست کا حکم	۵۰۵	سستی ہونے کا اصل سبب
۵۲۶	تکال سندھیا اور اشٹان	۵۰۴	سستی کا چہرہ انگیز واقعہ
۵۲۶	دیوتاؤں کی پیدائش	۵۰۵	سنت کی ایک صورت چنار پر
۵۲۶	ہیدو اور مسلمانیت	۵۰۶	چیز سستی کرنے کے واقعات
۵۲۶	دیوتاؤں کی حقیقت	۵۰۶	چنار سے بھاگ نکلنے کی سزا
۵۲۷	ہندوؤں کے اوتار	۵۰۷	ایک کس قزاقی کا مسرتناک واقعہ
۵۲۹	ذہب پتھر پر چھریں	۵۰۸	یشن کے اشعار کا خلاصہ
۵۲۹	اتار اور دیوتا کا مفہوم	۵۱۰	دند درگور
۵۳۰	نصرت آقا	۵۱۰	ہندوؤں کا اپنے مزہوں سے ملکہ

ڈاکٹر زینیر کی ہندوستان میں آمد شاہجہاں، اُس کی اولاد اور اُس کے بیٹوں کی باہمی لڑائیاں اور نگنہیب کی تخت نشینی کے دلچسپ حالات

میں ہندوستان کس طرح پہنچا | تاکہ دنیا کی سیر کا مجھے نہایت شوق تھا۔ اس لئے
ملک شام اور مصر کے دیکھ لینے کے بعد میں نے
اپنے دل میں یہ شہر پایا کا اپنی اس سیاحت کو کچھ اور وسعت دوں اور یافتہ و
تحقیق حالات کے لئے اس سرے سے اُس سرے تک بھرا بحرِ آفر کا سفر کر دوں۔ چنانچہ اپنے
اس ارادہ کے پورا کرنے کے لئے ملک مصر کے دارالسلطنت قاہرہ سے کجہاں میں ایک
برس سے زیادہ قیام رہا تھا روانہ ہوا اور یہیں گھنٹے کے عرصہ میں رکارواں کے سفر کے
حساب سے، شہر سوئےز میں آہنچا اور یہاں سے ایک ہزار پور سوار پر مرکب و ن میں مقام
جدہ جو کہ (مغلطہ) سے قریب دو پہر کی مسافت پر پہنچ گیا۔ میرا یہاں پہنچنا قوت
کے برخلاف تھا۔ اور ایں وعدہ کے بھی جو مجھے بھرا بحر کے ترکی تکم کی طرف سے
دیا گیا تھا۔ پس بھوری میں مسلمانوں کی اُن مقدس زمین پر ہزار سے آٹھ ہزار
کوئی حیاتی و متیکہ غلام و بدمردم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ الغرض ایسی حالت
میں اُس جگہ پہنچنے قیام کر کے میں ایک چھوٹے سے جہاز پر سوار عمل میں کہ جا رہا تھا
میں اس شہر کو مشفقہ تھیں سوا عثمانی بھری مطابق مشفقہ لا سکا تھیں میری میں القوی علی اللہ
خلیفہ قاضی خرق کے سپہ سالار جو پہلے دین کی سلطنت پہلے پیل افریقہ کے شہر حیردان میں قائم
ہوئی تھی اور جو اپنے خاندان میں تیسرا ظہیر تھا تھا و کیا تھا۔ اور مصر کو قہر و غلبہ سے فتح کرنے
کی وجہ سے قاہرہ نام رکھا تھا۔

م م م

م م م

م م م کتاب میں بی آف وی ریڈی ہے۔

سوار ہو لیا اور چندہ دن کے عرصہ میں ہتھام گھاٹا بھڑا بنائے باب المندب کے نزدیک ہے پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میز پر یہ قصد تھا کہ مصوع اور ارکی کو کے جہزوں سے جہز است میں لیں گے گذرنا اور ان کو دیکھنا بھالنا ملک حبش کے پاسے تخت گونڈار کو چلا جاؤں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ حبش میں روس کی تھلک مذہب والوں کے لئے دھبس کے ہم فرانسس ہیر وہی، سخت خطرہ ہے۔ یہاں یہ صورت حال اس وقت سے پیدا ہوئی جب سے کہ بادشاہ حبش کی اس نے اپنی کارسازوں سے پرتگیزیوں کو قتل کرا دیا تھا اور باقی ماندہ کو فرجیرٹیٹ کے اس بڑے پارہ کی سمیت جن کو پرتگیزی گڑا سے اپنے ساتھ لاتے تھے خارج کرا دیا تھا اس وقت سے حبش میں روس کی تھلک محفوظ اور بے خطر نہیں رہے تھے۔ بلکہ میں نے یہ بھی سنا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہتھام سواکن ایک بیچارے بد نصیب روس کی تھلک دوسری تھلک کا اس جرم میں سرکاتا گیا۔ کہ اس نے اس ملک میں ٹل ہوئے کا ارادہ کیا تھا اس لئے یہ تدبیر مناسب اور کم خطر معلوم ہوئی کہ میں ایک یونانی یا روسی شہر لہ جمیوٹ کے صفی ری شہب چہی زس یا سیس ہر فرنگی راجوں میں حضرت بیٹی علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ ایک شاخ فرقد روس کی تھلک کی ہے۔ جن کو تھلک میں ہسپانیہ کے رہنے والے آگاہین لہ نا ی ایک شہر جنس نے ہر تھلک میں پیدا ہوا اور تھلک میں مراٹھا قائم کیا تھا۔ سامت سے گواہ ہندوستان کے ساحل الہ آباد پر پہنچا ہے حبش کے رہنے والے اور مومیل کے خالصہ پر ایک جھوٹا سا جہز ہے جو کئی سو برس سے مومیل سے ملتا ہے پرتگیزیوں کے قبضہ میں ہے اور میں کو آج کل انگریزی اصطلاح میں ہرچہ گزرا ہڈیا یعنی چندہستان وغیرہ اہل پرتھال کہتے ہیں۔ یہاں ایک ایک گوردرہتا ہے۔ اور ان کی نسبت اس کتاب کے ایک اور مقام میں تفصیل ذکر آئے گی۔ سامت

تھ میرے دوست کرنل ہری مرصاحب بہادر جنھوں نے اس ملک کو دیکھا ہوا ہے میرے نام کی ایک چٹی میں مصنف کے اس ارادہ کی نسبت اپنا خیال یوں کہتے ہیں کہ اگرچہ حبش کے نصرائیوں کو کلیسا کے ارمنی یا یونانی سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ حبش کلیسا چندہ سورس سے بھارت خود بخود چلا آتا ہے مگر چونکہ ارمنی عیسائی تجارت پیشہ ہونے کے سبب سے ملک مشرق میں کہیں نہ کہیں جوشہ و کھانی دیتے رہے ہیں اور زاد و بوم ایک ترکباد لباس بھی پہنتے تھے اس وجہ سے کچھ ترکستانی لباس دے کر وہیں عیسائی کی طسرت ایسے انھیں مقامات میں مشہور یا تعجب انگیز نہیں ہو سکتے تھے۔ سامت

بھیس بنالوں۔ جب بادشاہ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ میں اس کے واسطے کچھ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہوں تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ زمین دے دیگا اور سب مقدور میں غلام خرید کر اس کا بندوبست کر سکوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ گستاخا پیدا ہوا کہ اس صورت میں مجھے وہاں شادی بھی ضرور کر لینی پڑے گی جیسے کہ ایک یور وچین راہب کا جس نے اپنے آپ کو بڑی شہسوار حبیب نام لیا تھا جو زیادہ کر دیا تھا۔ چوں حالت میں مجھ اس ملک کے چھوڑنے کی اشد تعلق کر رہی ہوگی۔

ان اندیشوں اور چند وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ میں نے گونڈار جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور ایک بندہستانی جہاز پر سوار ہو کر آتے باب الغدبہ کی راہ سے بائیس دن میں بمقام سورت ہو سلطنت مغلیہ میں ہندوستان کی ایک بندہ گاہ ہے آپہنچا۔

شاہجہاں اور اس کا نسب | یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ و قمت کا نام شاہجہاں ہے جو جہانگیر کا بیٹا اور اکبر کا پوتا اور ہاریوں کا پڑ پوتے اور ہاریوں سے اوپر اس کا سلسلہ نسب تیمور لنگ سے جالٹتا ہے جس کو ہم فرنگستانی عورتا ترین کہتے ہیں۔ شاہجہاں سلسلہ وار تیمور سے دسویں پشت میں ہے۔

اسے یعنی شاہجہاں صاحب قرآن ثانی کا باپ نور الدین محمد جہانگیر اس کا جلال الدین محمد اکبر اس کا نصیر الدین محمد ہاریوں اس کا نصیر الدین محمد باہر اس کا مرفیع مرزا اس کا سلطان ابو سعید مرزا اس کا سلطان محمد مرزا اس کا جلال الدین میراں شاہ مرزا اس کا امیر تیمور گورکان صاحب قرآن اول جو تیمور تیمارہ قرنگ مشہور ہے۔ اس کے حاکم ہونے کی وہ کتاب محاب القدر میں احوال تیمور جو اس کی ایک سخت جہاز تاریخ ہے یہ لکھی ہے کہ ابتدا سے حال میں کئی شخص کی بکری کی چوری کرتے ہوئے تیمر کے زخم سے اس کی ایک ٹانگ لنگڑی ہو گئی تھی۔ اور چونکہ اس نے ترکوں کے اکثر خاندانوں میں اپنی شاہیاں کر لی تھیں اس لئے اس کے ہم قوم اس کو گرہان کہتے تھے جسے جو ترک میں ملاد کہتے ہیں۔ اور ترکے میں ہوا۔ اور صاحب ترک کہلانے کی یہ وجہ تھی کہ اس کے بادشاہ ہو جانے کے بعد خوش و خرم سے اس کا راجہ طاعت بنا کر اس میں یہ کھدیا تھا کہ نہرہ و مشتری جو بخوشی کے چشمے میں دو چشمہ سرد ستاحہ ہوا پلٹے خانے میں قرآن کی حالت میں ہے۔

ہندوستان میں لفظ منغل کا اطلاق تیسروں کی ملک گیری کے واقعات مشہور و معروف

ہیں۔ اُس نے اپنی ایک رشتہ دار عورت یعنی اس بادشاہ کی اسکوٹی بیٹی سے شادی کر لی تھی جو اُس وقت تانہارپوں کی اس نامور قوم کا جن کو منغل کہتے تھے فرماں روا تھا۔ مگر اب لفظ منغل اُن سب غیر ملک کے رہنے والوں کے

لئے کتاب غفرامیں جو محمد کی ایک نہایت خوشامد آمیز تاریخ ہے اس کے عربی کا حال ہوں کہ اسے

کوستانہ میں سمورائے اسی کا پیشوا نسلطان جو چنگی خاں کی اولاد سے تھا ترکستان اور ماور النہر میں

ایک ایسا جاہل اور خون ریز بادشاہ تھا کہ سدا۔ لوگ وہاں سے جانے ہوئے کہ وہاں کی حکومتیں کیے خاصے

ہو کر گئے تھے۔ چنانچہ آخر کا میر قزمن نے جو اس سرداروں میں ایک نہایت قابل اور دانا شخص تھا ملک

اُکراویں یعنی قبیل چنگی کے امیروں وغیرہ سے اتفاق کر کے بغاوت کی اور سب سے اس خلیفہ پر کڑے

مار مارے۔ مگر سلطنت کی یہ صورت رہی کہ اگرچہ حقیقتاً حکومت امیر قزمن اور اس کی اولاد کے قبضہ میں تھی۔

لیکن تاہم بادشاہی خاندان میں سے ہرے نام کسی کو خاں یعنی بادشاہ بنانے رکھتے تھے مگر جب قزمن کے

بیٹے عبداللہ اپنے ہم عصر نام نہاد بادشاہ کو بے گناہ قتل کر ڈالا اور اسی علت میں عوامی تباہ و برباد ہوا

تو ملک میں کچھ عرصہ طوائف الملک کی صورت رہی۔ مگر یہ قزمن کا بیٹا ۱۲ امیر میں جو امیر تسلط کا پیشا تھا

پھر ایک ہی اقتدار نواں داہر گیا۔ اور اندازاً حکومت شہر لکے کے پاس ایک چار لکھ فوج کو تعلق ہندوؤں کے

نام سے مشہور تھا اور سرور تعمیر کر کے اس میں رہتا شروع کیا۔ اور چنگی خاں کی بہن کی شادی جو سے ہوئی تھی۔

اجدائے حال میں اس کا اور چھوڑا نہایت احمق تھا مگر رشک و صدمے باعث آخر کار عداوت ہو گئی۔ اور چونکہ

امیر میں کی بہن بھی مہنگی تھی چھوڑا اپنی جائے قیام کش معروف بہ شہر ہنزہ سے جو سرحد کے قریب ہے۔ ریویں

کے قریب میں ہے تعلق ہندوؤں پہ فوج کشی کی اور امیر میں سلطنت میں گرفتار ہو کر مرنے والے ہوئے۔ قتل ہوا

اور باقی وہ جسے ہندوستان کو بھاگ آئے۔ اور چھوڑے اُس کی اولاد ہر اس ملک خاتم دفتر نوان سلطان اور

تیس اور دیکھوں کو ناکشا دیہت تمام ترک کی تھی ان کے بعد سلطنت گھر میں ڈال دیا۔ اور اُس کی بیٹی کیلیم کو

اس کی بیٹی اور دیکھوں کے اپنے بیٹے سے سوا۔ وہاں میں تقسیم کر دیا اور حملہ ہندوؤں اور اُس کے حملات وغیرہ

سے اٹھا کر پہنچ گئے اور اس طرح امیر میں کا نام دلفغان شاہ بادشاہ بن گیا۔ اور آخر کار ایسا نامور ہو کر

آج تک اُس کا نام مشہور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر نے اپنی تقریر میں غالباً اسی سرائے کے خاتم زدم سابق امیر

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اُس کو کتاب حبیب امیر میں خان زادہ یعنی شاہزادی اور دفتر نوان سلطان کھا

بہت دفعہ محمود کے اٹھا دیئے ہیں اور ان میں عرصوں کی تفصیل میں جو بہت سے ترک اور منغل سرداروں کی نیکیاں

لئے بڑا جانا ہے ہوتی نہ نہ چند وستان سردہیں کے معنی ہیں ہندوؤں یا ہندویوں کا ملک، حکومت کرتے ہیں۔ مگر یہ تھیں اس دکرنا چاہتے کہ سلطنت مظہر میں بڑے بڑے معزز اور معتبر منصب صرف مغلوں ہی کو ملے ہیں یا صرف یہی لوگ فوج میں عہدے پاتے ہیں۔ بلکہ یہ منصب اور عہدے مغلوں اور سب دلائمتوں کے لادار و مسلمانوں کو بلا کسی امتیاز و خصوصیت کے دیتے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تواریخوں کو اور بعض بعض عربوں کو اور کچھ ترکوں کو۔

جن لوگوں کو آج کل یہاں مثل کہا جاتا ہے ان کی پہچان کے واسطے یہ نشان کافی ہے کہ چہرہ کا رنگ گورا ہوا اور مذہب اسلام۔ اور یورپ کے عیسائیوں کی جن کو یہاں فرنگی کہتے ہیں یہ پہچان ہے کہ رنگ سفید ہو اور مذہب عیسائی۔ اور ہندوؤں کی یہ علامت ہے کہ رنگت گندمی ہو اور مذہب بت پرستی۔

شاہجہاں کی بیعتی اور اس کے بیٹوں کی بیعتی ویزش | کچھ یہاں آکر یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہجہاں اور اس کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چند سال ہوئے کہ اس سے چاروں بیٹوں کو اپنی خواہت اور قائم مقامی کے طور پر ہندوستان میں بڑے بڑے چار صوبے جن کو سلطنت کے جتنے کہنا چاہیے دے دیئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ ایک سال کے عہد سے تختا بیا۔ راجا ہے کہ جس سے اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ اور اس کے بیٹوں سے باپ کی یہ حالت دیکھ کر حصول سلطنت کے لئے منصوبے ہندئے اور چالیں چلتی شروع کر رہی ہیں اور ان کی باہمی جنگ و جدال جاری ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: خلیفہ خان زادہ کا لفظ اور کسی کی نسبت نہیں کہا۔ مگر میر کی تحریر سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تیمور کی اس بیگم کا باپ جو قتل ہوا تارلیوں کا بادشاہ تھا۔ جن کو مثل کہتے تھے۔ اس وقت کی تاریخوں سے لفظ معلوم ہوتا ہے کہ میر زادہ۔ فتح اور قتل زادہ۔ میں قرآن سلطنت خان فرمان روا تھا۔ اسی زمانہ میں تمسک خاں ترکوں اور مغلوں کی قوم تہذیبی طبعہ۔ بادشاہی کر رہا تھا اور ان میں سلطان ابو سعید بہادر خان جو مغلوں کے اہواک یا چنگیز خان کی اولاد سے تھا بہت بڑا بادشاہ تھا اور بادشاہ کی خطہ پالما تھا کہ تیمور رنگ اس تذکرہ بادشاہ کے سب سے مغلوں کی قوم میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ انوس جہانی کی شاخ برلاس سے تھا۔ ہر اپنے تئیں سلطان سب میں مغلوں سے طبعہ نہیں کہتے۔ س م ج

ہدیکہ میں اس ٹک میں پہنچ کر غارت گروں کے ہاتھوں سے چلنے
 شاہی خازنہ اور پانچ ہفتہ کے سفر کے کثیر اخراجات کی وجہ سے جو صورت
 سے آگرہ اور دہلی تک پہنچے ہیں۔ یہی آئے تھے تنگ دست ہو گیا تھا۔ اس لئے میں
 نے طبیعوں کی نوبل میں سرکار شاہی میں جو کڑی اختیار کر لی تھی اور پھر تنواری بہت بد
 دانشمندانہ کی سرکار سے میرا تعلق ہو گیا ہوا دل میں خوشی کے عہد پر مامور تھا۔ اور نہایت
 ذی اختیار اور ممتاز تھیں امر سے وہاں میں سے ہو گیا تھا۔ یہ شخص حمام ٹاٹک ایسٹ
 میں بہت بڑا عالم و داخل سمجھا جاتا تھا۔ آٹھ برس کے طویل تعلقات کے سبب سے جو وہ
 مغلیہ سے رہے تھے۔ میں نے اس جنگ و جدال کے بعض اہم واقعات پیش قدمی کے لیے
 اس لئے میں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

شاہجہاں کی اولاد شاہجہاں کے بڑے بیٹے کا نام داراشکوہ اور سب سے کالوٹہ
 تیسرے کا اورنگ زیب پور تھے کاملاً خوش اور دروہوں و بیویوں میں
 سے بڑی کامیاب، ہیکم صاحب اور بھوپتی کا روشن آواز ہیکم تھا۔ اس ملک میں یہ دستور
 ہے کہ خاندان شاہی کے ملاطبت اور بیگات کے نام لیے رکھتے ہیں۔ برٹش انوکھت ملکہ کے
 حالات کریں۔ چنانچہ شاہجہاں کی ہیکم جو حسن و جمال میں مشہور تھی اس کا نام ناٹکی محل جس میں
 ملکہ شاہجہاں اور ایک ریپ کے بعد کی فارسی کتابوں میں دانشمند خان کا نام آتا ہے صاحب مال۔ گوں کی تحریر
 میں کہا ہوا ہے اس وقت اس مملکت میں علم و فضل کے لئے مشہور تھے۔ یہ ایرانی و افغان شہزادے و ملانے
 والا تھا اور کمال علمی کے باعث ملاطبت نے جوئی کے نام سے مشہور تھا۔ اور چند ریاستوں میں
 تبارت کی تقریب سے آیا تھا۔ کچھ جگہ کو جب یہ اپنے وطن کو واپس جاتے تھے شاہجہاں نے
 ان کے علم و فضل کا پرچا سن کر اور او قدر و ان چند سورت سے واپس لے کر لڑائے۔ ہمارے وطن
 کر لیا۔ اور تا بعد مملکت اورنگ زیب سے صغیر و کرم رہا اور مستند سر میں سر کیا۔ یہ خاص ملک
 جیت اور ہندو میں یہ تفصیل مشہور تھا۔ اور ایسا حال تھا کہ ضمت مان۔ اس
 شخص اس کا شکر کرتا تھا۔

تھوہ شاہجہاں کے سرخوں نے اس کا نام جہاں آرا ہیکم بنایا ہے۔ اور کہ ہے کہ گیارہ سال پہلے
 تھوہ بنام نہ تھا بلکہ قطاب تھا جس کو مصنف نے عوام کے عمارت کے موافق عوامی کی جگہ
 کا محل لکھ دیا ہے۔ اور نام ارجمند والا ہیکم تھا۔ تمام

کا وہ دانی شاہ اور ایک بھوتہ روزگار مقہور آگرہ میں ہے جس کے مقابلہ میں ابراہیم مصری جو مختصر مہمات میں جاکر جاتے ہیں بعض نا تراستہ پتھروں کے ڈھیر اور نامزدوں کے لئے مصر کے خارجی ناجورانی جٹا ابراہیم کہلاتے ہیں۔ ان پر جو لکھتے ہیں وہ ایسے حریف ہیں جن کو اس زمانہ میں پرمسین نہیں ڈرتے۔ سناں اور مصر کے تمدنی باشندے ہیں کو اپنی مقدس چیزوں میں استعمال کرتے یا اسرار راجی ٹھکر چھپاتے تھے اگرچہ بعض لوگوں نے جو خیال کیا ہے کہ ابراہیم عرب ان پناہوں کو برہمچاری کے حمایت و ہمدردی اور پناہ دینے کے ابراہیم کہتے ہیں جو ہرم سے متعلق ہے اور جس کے سنی بڑے سچے ہیں مگر خطائیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایک ڈھائی لاکھ منہ کتاب ہے، کھسکے کو ابراہیم ہرم کی جگہ ہے۔ مصر کا اعلیٰ مساحت پر ایک شہر کی شکل کی عمارت کو کہتے ہیں جس کا قاعدہ سرے پائنت ڈائریکٹ ہے۔ اس میں چار سو چھتیس مہر ہیں جن میں ایک چھوٹا اور بڑا ہے۔ اور ان کے درمیان کو جب پرمسین شاہ ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک اور کثیر جنس کے نام پر مشہور ہیں۔ اور یہ آپس میں جانا جاتا ہے کہ ان کی زبان میں سناں ہوتا ہے۔ یہ سناں ایک چمکونے پرمسین پر پڑی ہوئی ہے جس کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس سے صوف لیا اور چار ٹکڑے آٹھ انچ اونچا ہے اور اس کے اوپر کچھ گھٹا کر ایک اور چھوٹا بڑا ہے۔ اور اس طرح دوسرے چمکونے پرمسین ہوتے ہیں۔ یہ چار ساڑھے سولہ گیارہ انچ ہیں۔ ہندو اس کی ہندی ہمارے جس فٹ اور چھٹی دانگر صرف کا پرمسین ہے مشہور یہ کافی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ سناں صوف میں پرمسین کے سیر کر آتا تھا گھٹا ہے کہ یہ چار چھٹی آپس پادشاہ کے عہد میں جس برس کے عہد میں تھا ہوا تھا۔ اس پر ایک لاکھ آدمی کی مدد سے لگی رہی تھی۔ اور اس پر مصری حریف میں گھٹا ہوا ہے کہ لاکھ لاکھ کی پختی میں ڈھائی لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اصل میں یہ چار مصری پادشاہوں نے پرمسین میں جس میں ان کی ناشیں اب تک پائی گئی ہیں۔ چنانچہ عظیم ہمت عباسی جب دمشق میں مصر میں آیا تو اس کو اس پر آپس دانے پندرہ کے اندر کی عمارت کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا اور اس نے رافدی انکیاں بڑا کر چھڑ کو کھدایا اور ایک دانہ پائی اور جب اس میں گئے تو ایک چمکونی دلی ملی جس کے چاروں طرف کی دیواروں میں کھدائی کے دروازے تھے۔ اور ایک کمرے میں بہت سی انکیاں میں دیکھیں ان سے پختی ہوئی تھیں۔ عربیہ کہتے ہیں کہ یہ پختی ہوئی تھیں۔ پھر ایک کمرے میں اس کے اوپر پھر کے صندوق میں آدمی کی ایک صورت ملی جس کے سینہ پر ہوا ہر سے بڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھا تھا۔ اور سنے کے پرمسین پر ایسے صوف لگے تھے۔ جس کو کوئی نہ چھو سکا۔ ان پختوں نے اس سے چار کی پیمائش کے تحت یہ پختی دیکھا تھا کہ اس پختی کے چاروں طرف پختی

تو وہ اسے سنگ نظر آتے ہیں۔ ملی لڑائیاں جہانگیر کی بیگم کا نام اول طور مل سکتا ہے۔ پھر
 اور جہاں بیگم جہاں سے مدت تک اپنے شوہر کی ایسی حالت میں کہ بھڑ شراب خوری اور
 عیش پسندی کے اس۔ نہ سب کاموں کو چھوڑ رکھا تھا اس پر سلطنت اور ملک داری
 کو خود انجام دیا۔

امراۓ سلطنت اور خطابات | ہندوستان میں جو یہ بڑے بڑے اور ممتاز نام امرا
 خاندان شاہی اور امرا کے رکھے جاتے ہیں اور مگر
 کی طرح۔ جسے خطاب نہیں دیے جاتے جو اسامیات و ممالک کے تہذیب و ملکیت سے
 شوق و منسوب ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں تمام ملکیت کی زمینیں خالصہ
 شریفہ یعنی ملک سرکار شاہی بھی جاتی ہیں۔ اس لئے فرنگستان کی طرح یہاں کوئی مال
 یا مال کو بیس یا ڈیوٹک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امراۓ دربار کو خواہ جاگیر خواہ نقد جو کچھ دیا جاتا
 ہے وہ صرف بطور پیش اور ذاتی مدد معاش کے دیا جاتا ہے جس کا مقرر کرنا صرف
 بادشاہ و دست کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اس میں کمی یا بیشی کر
 دیتا ہے۔ یا ضبط کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ بات کچھ قابل محبت نہیں کہ امراۓ سلطنت پر
 (غیر شاہی صنف گشت) والوں نے دنیا کی چاروں ستروں کے صلیب مقابل بتاتے ہیں جس سے وہاں کا صلیب
 نہایت عجیب طرح کا نام جاتا ہے۔ وہ صلیب جو کبیر خاں والا کہلاتا ہے اس کے نیچے کبیر جت کے کاہن کی شکل ہے جو
 چوڑی نٹ لہا اور ہندی چوڑی نٹ ہے۔ اس صلیب پر چکر کھینچے سے دکن کی طرف دیکھتے ہیں اور
 آخر کی جانب پربت اور گیتان اور کچھ کے رنگین کا جھل اور پس کی سمت تمام جزو اور نظام کے پر اور شہر
 کاہن کا چاروں سلطان صلاح العزیز کا تہذیب سب عجیب لطف سے دکھائی دیتا ہے۔ ہر خطہ زمانہ کے عروج سے
 اول الذکر چار کے ان کے نام اچھے لطف سے معاف تھے جن میں سے ایک نام یہاں گھبرا گیا ہے۔
 اور یہ بادشاہ و خزانہ میں رہا۔ جس میں بھی طبع اسلام کے تھا۔ اور نہایت ہی غریب اور صفا کی کے ساتھ
 بکاس میں تک سکران ہا تھا۔ اور اس طرح دوسرے چار کے ان کے نام بھی کئی طور پر لکھے ہیں اور اس
 کو بعض مدعوں نے پہلے چار کے ان کا چار اور بعض نے بھائی اور چائیں بتایا ہے اور یہ بھی دیکھا ہی
 تمام اور غریب میں اور کچھ میں ایک بادشاہ ہا تھا۔

م م م

انوار الہی میں تاریخ اقوام جدیدہ ص ۱۰۱ اور ان ص ۱۰۲ میں ایک مرقعہ

اس کا نام اب الہی شہید تھا اور اور محل اور اور جہاں خطاب تھے

م م م

شکوہ اور خسان وار خطابات سے مشرف و ممتاز کئے جائیں۔ مثلاً کوئی شہر انکھن خاں اکوئی صف شکن خاں اکوئی رعدا غا غاں اکوئی برق امان خاں اور علی خدا قیاس و یانت خاں واقفند خاں فاضل خاں وغیرہ وغیرہ۔

شاہجہاں کا بڑا لڑکا داراشکوہ | داراشکوہ گنگو میں بہت خیریں زبان حاضر ہو رہا تھا۔ نہایت خوش خلق اور بے حد فیاض اور دریا دل تھا۔ مگر اس ہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اس کو یہ گھنٹہ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسانی اور خوش تدبیری سے ہمارے کامد و بہت اور انتظام کر سکتا ہوں۔ اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے۔ وہ ان لوگوں سے جو اسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر سیتے تھے۔ جمعہ اور اہانت سے پیش آتا تھا۔ چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اس کے دلی خیر خواہ بھی اس کے بھائیوں کی پر مشیہ اور مخفی سازشوں سے اسے آگاہ نہ کر سکے۔ وہ ڈراتے اور دھمکاتے۔ اس بڑا سچ تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے امرا کو برا بھلا کہہ بیٹھا اور ان کی چٹک کر ڈالتا تھا۔ لیکن اس کا غصہ اور ہمزائی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی۔ یہ مشہور ہے کہ اگرچہ شاعر مذہب اسلام کی جمہا اور سی کے موتوں میں ہمیشہ شریک ہوتا رہتا تھا اور اس مذہب کے قبیح اور پیرو ہونے کا بھی علانیہ اقرار کرتا تھا۔ لیکن اس نے وہ پیدائشی مسلمان ہی تھا کیونکہ وہ اپنے او تائیت خلیفہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں میں عیسائی تھا۔ چنانچہ چنانچہ توں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ اور ان کے سے بڑے بڑے مذاہب متفرک رکھے تھے۔ ان حالات سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں ہی کے اثر صحبت سے اس کے عقیدہ اسلام میں صنف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس بارے میں ہم اپنی رائے اس موقع پر بیان کریں گے جہاں ہندوؤں کے طریق مبادت اور پرستش کا ذکر لکھیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ دلوں تک پا دی ہوئی صاحب مقتدی نے فرقہ جیسویٹ کے ماعلا دینے کو بھی بہت رغبت سے مستعار رہا تھا اور ان مواعظ کی خوبوں اور صداقت پر کچھ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا۔ مگر بعض ہیں کہتے ہیں کہ در حقیقت وہ کسی مذہب کا بھی مستند نہ تھا۔ اور یہ سارا دکھاوا اس نے بعض دل لگی اور شوق تحقیقات کے لئے اختیار کر رکھا تھا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ کبھی جو وہ اپنے عیسوی

سلطان شجاع کے عادات و خصائل

شاہجہاں کا وہ سرباز بیا سلطان شجاع اپنی وضع و عادات میں اپنے بھائی داراشکوہ کے مشابہ تھا لیکن یہ زیادہ نہیم اور اپنے عزم اور ارادوں میں زیادہ قائم و مستقل اور داراشکوہ کی نسبت حسن تمیز اور ہوشیاری اور اپنے اور ضاع و اطوار میں جو شاہزادوں کے لئے نریا ہیں شرمناک ہوا تھا۔ سازشوں اور زیر زمین کارروائیوں میں بڑا ماہر تھا۔ اور بڑے بڑے ذہنی قدرت املاتے وہ بارخصوصاً بڑے بڑے ذہنی اقتدار ما جانوں مثلاً جعفری سنگر و فرہ کو مخفی طور پر انعامات و دستکی حاصل کرنے کا کڑ بھی اُسے خوب آتا تھا۔ مگر باوجود ان اوصاف کے نہایت قیاض اور عشرت پسند تھا اور جب اپنی بے شمار جوتوں اور اباب نشاط و فرہ کے جلسہ میں ہوتا تو تمام دن اور رات رقص و سرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا اور کوئی مصاحب جس کراچی جان پیاری ہوتی ایسے اوقات میں اُس کو ان حرکات سے روکنے کی جرأت نہیں کو سکتی تھا۔ اسی وجہ سے اُس کے امور سلطنت اکثر درہم و درہم رہتے تھے اور اُس کی محنت و لیا کے دل میں بہت کم تھی۔ اگرچہ اُس کا باپ اور بھائی مکرکائی روم یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب رکھتے تھے۔ مگر سلطان شجاع ایرانیوں کے عقاید یعنی مذہب خلیفہ کا ملائیم مقتدار و متفرق تھا۔ واضح ہو کہ دین اسلام میں بہت سے فرقے ہیں جیسا کہ کتاب گلستان کے نامور مصنف شیخ سعدی کے ایک شعر کے ترجمہ سے جو ذیل میں درج ہے دریافت ہوتا ہے۔ ترجمہ ہیئت تین ایک درویش باوہ لاش اور شخص رند مشرب ہوں اور بہتر فرقے ہم کو خوب جانتے ہیں۔ ہنمل ان فرقوں کے دو فرقے ایسے ہیں جن کا باپ ہی تعصب اس درجہ کہ پہنچا ہوا ہے کہ وہ ان آپس میں جانی صلہ مہاراجہ جہریت سنگھ، محمود دلی، و عہدہ ملاوے میں کوٹہ جہان کے مہدی بادشاہ کے خفاں میں جوت کی وجہ سے بڑا اقتدار اور خطاب مہاراجگی حاصل ہو گیا تھا۔ جہاں سے اس بادشاہ کی یہ راست اسی خاندان میں قائم ہے اور یہ محبوب اتفاق ہے کہ جس طرح معصیت کرنے، دین، راست کے نراں روا کا نام نہ لگے تھا اضر ہم کے اند کے نراں و ما کا نام بھی جوت سنگھ ہی ہے۔ اس راست کی خاص اعلیٰ سرائے جاگیر و ملاعانیات کے کورسب کب بائج طرہ قمری واقع دہلی معصہ مہاراجے و جلا صاحب اپ بھاشا کہ وہ درپہ لہو تہ پشیمیں جزیرہ۔ سرسبز جس مریاں آبادی ہیں تاکہ آری کی ہے۔ نام نہ

تھا یہ شعر۔ جو دتاش و دستاب نہیں ہو سکا۔ نام نہ

دشمال بہ اسے و کون

بہت زیادہ دیا تھا رکھتے تھے۔ نہایت سلیم اور سائب تھی۔ اور اگرچہ انعام و اکرام یہ بھی کثرت سے دیا کرتا تھا لیکن مروت اور اخلاص سے اور صرف اُن لوگوں کو دے دیتا تھا جن کی رضا مندی اور تالیف و ترغیب ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بھید کو چھپاتے پرچوری طعن قادر تھا۔ اور ظاہر واری و چالاک میں کو کامل اُستاد تھا۔ چنانچہ جب اپنے باپ کے وہ بار و بار السلطنت میں حاضر و معرود ہوتا تو بناوٹ سے عاجزانہ وضع قطع اختیار کرتا اور نیادی ہناء و عشت سے نفرت۔ ظاہر کرتا۔ حالانکہ اپنی شرکت اور سرپرستی کے سے جو پردہ راستہ نکالتے ہیں بڑی دلی جی کے ساتھ کو شائ رہتا۔ یہاں تک کہ جن وجوہ اُس کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تب بھی اہل و بار کو بھی بخلائی و ہاک اگر کچھ ترک و صفا اور درویشی کی اجازت مل جاتی تو زیادہ خوش ہوتا کیونکہ میری دلی تمنا یہی تھی کہ باقی زندگی ریاضت اور عبادت ہی میں صرف کروں۔ اور انکار و نہی اور امور و سلطنت کی ذمہ داری میں الجھتا کچھ نامرغوب اور نا پسند ہے۔ حالانکہ اُس کی ساری عمر سازشوں اور منصوبوں ہی میں گزری۔ وہ اپنی چال اس عقلندی سے چلتا تھا کہ دربار میں سوائے اُس کے بھائی و اما شکوہ کے ہر ایک نے اُس کے رویہ کو کچھ نہیں دیکھا یا۔ شاہجہاں کے حسن ظن پر جو اُس کو اپنے اس چہرے بیٹے کی نسبت تھا۔ وارا شکوہ کو بہت حد پر تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی اپنے ہمد و مصاحبوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے سب بھائیوں میں کسی سے اندیشہ اور خوف ہے تو بس انھیں نزاری اور دیندار حضرت سے ہے۔

شاہزادہ مراد بخش | مراد بخش ہر شاہجہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اپنے بڑے بھائیوں سے دانائی اور جوش مندی میں کم تھا۔ اور صرف خوش خوری اور شکار ہی کا اُس کو زیادہ شوق تھا۔ مگر تاہم وہ مہنی اور خلیق بھی تھا اور اکثر یوں شغلی لگھا کرتا تھا کہ ہیں بھید اور ساز و داروں سے سروکار نہیں ہے۔ ہ سازشوں اور خلیقوں کو حقیر و نوار سمجھتا تھا۔ اور اس بات کا اعلان و اعتبار اُس کو منظور خاطر تھا کہ میں صرف تلوار اور توت با زہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور فی الواقع مراد بخش شجاعت اور دلیری کا پٹھ تھا۔ اور شجاعت کے ساتھ اگر کسی قدر بدداری اور ہوشیاری بھی اُس میں ہوتی تو غالباً اپنے قتلوں کا یہاں پر قاب آتا۔ اور بے نقاب قتل کا قراں۔ عاجز ہوتا۔

لے لوگ زیب سے بھی اور اپنے بھائیوں کی غصہ کی نسبت جو کچھ خود کھائے مناسب مقام کی

شاہجہاں کی بڑی بیٹی

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ بے حد حسین اور خوش اندام اور باپ کی سہانیت پیاری تھی۔ اپنے فخر میں میلان کی افواہ کن نسبت اشارہ کرتا ایک بہت ناگوار واقعہ ہے کہتے ہیں کہ وہ غلہ بے گناہی و عزت جہں پر شاہجہاں کے دل کو اس معاملہ میں اطمینان ہو گیا۔ ملا اور نقد کے لوگوں کا وہ جہڑا تو بڑی تلخ تھا جو اس تہیہ سے دیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اس درخت کے میوے سے بچے وراثت سے منور گذارے۔ وہ سے ظہور خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمد مظفر کو جو محمد سلطان کی وفات کے بعد ادنیٰ نسب کے چچا لڑیں سب سے بڑا وہی تھا۔ گفتار ہے۔ ہمیں یہ۔ خلافت بادشاہ و سلامتی نفس نوح اللہ تعالیٰ ماننا خوش کر دے۔ اور ایام بادشاہ بڑا دنگ با اشراف ہم سلوک کی کریم کہ ہر دھرمی بود و در حضور و ضیعت ہر خوش دلی ترقیف و توصیف دای کر دہل با وصف اقتدار و ادب ناصران دینی و دلا مکار۔ صبح با یک وفات کر دہ غلامت با اختیار کر دہ چھ کے اشارہ بیا و زناہراں حرکات ناظر ہم کر دہ مرتعاسے بے او با زینہ آ آمد و نہ بتا زیادہ افراط و تفریط شدہ اندر اختلاف اقراء بہ صاحب و سگی اگر دہ تاشی سرور دہ رہا ہستی نامہ لریع خاطر اشرف اندر سایل حضرت دینی شاہجہاں، ترسم گشت و اسلئے دست بہت نہ دوانے میں مریض و مریض گشت ایک دوسرے در خدمت سلطان محمد اعظم کو گشتا ہے۔ فرزند عالی جاہ و ذہنہ الشیخ و در فلوت چارہ اسکو ارشاد فرمودہ کہ وہ حق امرائے بادشاہی کے غفلت و چگاہا نہا شدہ و ہر راضیوں مخالف و العاف دادہ و عرض خوش آئینہ سخن سنان و حق الی ہما مت فقر و کہ الی عرف و سقہ بکہ رہا چہ آمد از ہیکہ دل ہی سزد عرف با گفتنی ہی گویم فلاح اسود کار ضائع کاریست۔ دیکھ ایک اور دفعہ میں محمد اعظم کو گشتا ہے۔ فرزند عالی جاہ الی نقل زبانی شخصے حقیر گویا۔ رسد و بد و بد شدہ حقیر گشتا شدہ کہ گویا آں فرزند ہمہ رسد و ذہنہ الشیخ و علی سرور دہاں و علی اللہ تعالیٰ دادہ فلوت فامس بزا تھا۔ ہنشنہ و اندازاں گوہر داناں فرمودہ کہ بعضہ ادوات اندر لیش خاطر راہ ہی باجہ کہ صبی پر خلافت دینی ملا سگودا اگرچہ اسے اپنے کار غرکت و سامان تحمل و سولت ہمہ و ہر لیکن عدو سے ٹکوان و دود مست جان و دانت شدہ تمام جہاز بی بی بی و بچے تعداد۔ ہر و انکس بھول انکیضیت اکل و شرب ساختہ داعم الخرافت کر خلافت یعنی الی ماجر خانی نوی عہد و آل ایشی بظہری آج۔ اغلب کہ خصل امر خطیر رہا مست تواند شدہ۔

رہا خزانہ کتاب کلمات طیبات معارف بہ و رعایات عالمگیری

س م م

لئے یہ افراد خواہ اصل میں بھی ہو یا غلط کر ہو لوگ اس ملک کی راہ و رسم سے واقف ہی نہ ہوتی تھے ہیں کہ اپنے معاملہ میں کوئی بے جا سے بے جا شخص بھی ایسا استغنا نہیں کر سکتا۔ س م م

مستحق ہونا جس کو اس نے خود لگا دیا ہے جائز اور درست ہے۔ شاہجہاں کو اپنی اس منظور نظر و نہ تنہا پر ہے عداوت تھا اور وہ اس کی سلامتی کی محافظ اور نگہبان تھی اور یہاں تک احتیاط رکھی تھی کہ کسی قسم کا کسانا کیوں نہ ہو جب تک خاص اس کے مدد و تیار نہ ہوتا تھا اور بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں لگایا جاتا تھا یہیں بیگم صاحب کو امور شاہجہاں میں اس قدر اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ کے خراج کی پاک اس کے ہاتھ میں ہونا عداوت کے بڑے اور اہم معاملات میں اس کی حمدت اور اختیارات کا ایسا کامل ہونا کوئی حرج نہ سمجھیں گے۔

یہ شاہجہاں ہی نے اپنے کثیر المقدار شاہی جاگیروں اور زمینوں سے اس کے لئے مقدر تھے اور انی بے بہا پیش کشوں اور مذااذاں سے جو چاروں طرف سے بطور نذر اور شکرانہ اس کے ہاتھ میں ملائی گئی تھیں اس کے پاس آتے تھے جو صرف اسی کی رائے پر انتظام و انصرام پاتے تھے بہت کچھ دولت جمع کی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے بھائی داراشکوہ کے معاملات کی کامیابی اور سرسبزی بھی اسی کے دھپلے سے تھی اور بادشاہ کی سرکاری اور نذر عداوت صرف اسی رہے اس کو حاصل تھی کہ بیگم صاحب نہایت مستعدی اور سرگرمی سے اس کی حمایت کرتی تھی اور خود کو علانیہ اس کا طرف دار ظاہر کرتی تھی اور داراشکوہ کے دل پر بھی بیگم صاحب کی رفاقت اور امداد کا نقش بخوبی ہم گیا تھا چنانچہ اکثر لوگ یہ خیال کیا کرتے تھے کہ اس کے عوض میں اس نے بیگم صاحب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے وقت میں آپ کو صلاح کرینے کی اجازت دے دوں گا۔ داراشکوہ کا یہ وعدہ سلاطین ہندوستان کے آئین کے برخلاف تھا جس کی رو سے شاہزادوں کی شادی بالکل ممنوع ہے۔ اس مخالفت کی وجہ اول تو یہ ہے کہ

خلفہ بیگم صاحب کا یہ عداوت داراشکوہ اس کا شاہجہاں کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہوا اس کی عداوت کی عداوت کی وجہ سے بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی نہایت بڑی اہمیت کی جاگیر ہی

سے ۱۰۰۰۰۰ روپے سال تھی یہ بات بخوبی ثابت ہے۔ س م ج

مذکورہ بالا سب سے زیادہ واضح نہیں ہے کہ اگر اسی خاندان کی کئی شاخیں اپنی شادی کا اس خاندان کے بعض افراد سے بھی شادی کی تھیں ان کے ساتھ ہوا اس خاندان کی عداوت کی تاملوں میں مشرک تھا۔ اگر اس کو کچھ عداوت بھی تھی تو معصوم نہ ہوا کی ہے۔ س م ج

کوئی شخص باو شاہی خاندان کے رشتہ اور قرابت کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری یہ کہ یہ کشاکش چاہے کہ کہیں شاہزادی کا شوہر اس قریب سے اقتدار پا کر تاج و تخت کی جستجو اور حرص ذکر لے لگ جائے۔

میں اس مگدود داستان میں جو اس شاہزادی کی عشق بازی سے متعلق ہیں بیان کرتا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ کوئی شخص میری نسبت یہ گمان نہ کرے گا کہ میں نے ان مضامین کو افسانہ طرازی اور املوچہ نگاری کے حقوق میں بیان کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں کارآمد ہیں۔ اور میرا خاص دعا اور مطلب یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کے صحیح اور درست حالات بیان کروں۔

عشق و محبت کے واقعات اگرچہ ہر ملک میں مذموم اور جرم ہیں مگر جس شدت سے ممالک ایشیا میں خطرناک ہیں اسی قدر فرنگستان میں نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک فرانس میں ایسی حرکتوں کے ذکر سے اگرچہ چند روز کے لئے لوگوں کی توجہ اور غرض میری کا دیر بہتے ہیں جس کو تھوڑے عرصہ میں سب بھول جاتے ہیں۔ لیکن مشرقی ملکوں میں ایسی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں کہ جن میں عشقی تعلقات سے ہر انجام واقعات اور نہایت ہیبتناک مصائب اور حرکات سرزد ہوتی ہوں۔

بیگم صاحب کا پہلا معاشرہ | کہتے ہیں کہ بیگم صاحب اگرچہ محل سلطنت میں حسب معمول افسانہ بھی لکھاتی ہوتی تھی۔ مگر کسی غلطی اور سے اس کا پاس ایک لڑکا جو ان شخص کی آمد و رفت ہو گئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر صین بہت تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس بات کا سہیلیوں اور محفلوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جب کہ محمدی بیگم صاحب کے رشتہ دہ سے پہلے ہی محل رہی تھیں تو محل کی اکثر خواصوں پر اس بھید کا گھٹانا لازمی تھا۔ الغرض شاہجہاں بھی بیگم صاحب کی غلطی و لغزش سے واقف ہو گیا۔ اور حقیقت حال معلوم کرنے کے خیال سے ناگہاں محل میں چلا گیا۔ چونکہ بادشاہ کے آسنے کی خبر بیگم صاحب کو جلد ہی مل سکی کہ وہ اس شخص کو کسی مناسب جگہ پہنچا دیتی اس سے بھڑک اٹھے اپنے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپا

پڑا۔ اس واردات پر بادشاہ کے چہرہ سے نہ تو کچھ تبہب ہی کے آثار نمایاں ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسی قدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے آج حسب معمول ضل نہیں کیا: نام کرنا چاہتے اور خواہ سرائوں کو حکم دیا کہ دیگ کے پیچھے آگ جلا دیں اور جب تک کہ انہوں نے اُسے یہ یقین نہ دلا دیا کہ وہ قسمت کا مادہ نہ تب جن کر خاک ہو گیا ہے وہاں سے نہ پلا۔

بیگم صاحب کا دوسرا عاشق | چند مدت بعد بیگم صاحب نے ایک اور مشغلہ پیدا کیا۔ جس کا نتیجہ اور انجام بھی ایسا ہی دروناک ظہور میں آیا یعنی آپ نے اپنی خاتونانی کے عہدہ کے واسطے ناظر خاں یا نذر خاں نامی ایک اہل لڑکھان کو جو مشہور و معروف صاحب جمال اور نہایت قابل و الفائدہ ادیب تھے مدد شہداء صاحب حوصلہ امیر تھا۔ اور جس کو تمام اہل مدبار عزیز کہتے تھے پسند فرمایا۔ چونکہ اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں بھی اس کو بہت اچھا اور مستقل شخص سمجھتا تھا اس لئے اس نے جان پر کھیل کر بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ شخص اس قابل ہے کہ بیگم صاحب کا عقد اس سے کیا جائے۔ مگر شائستہ خاں کی اس تجویز کو شاہجہاں نے نہایت ناشائستہ اور ناپسندیدہ سمجھا اور چونکہ وہ پہلے ہی سے کسی قدر کشتا ہوا تھا کہ اس کے اور شاہزادی کے درمیان کسی قسم کا ناجائز تعلق ہے اس سے اس کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ اور یہ سمجھنے ہی بادشاہ نے ہی بے پایاں لڑکھان کو اس دنیا سے چلتا کر کے لئے کسی بڑی تدبیر یا تریا وہ سوچ بچار کی ضرورت نہ تھی اور فوراً اظہارِ مہربانی کے طور پر دربارِ عام میں اپنے ہاتھ سے ایک پان کا بیڑہ اس صاف باطن جوان کو جبر کے دل میں کسی طرح کا شگ و شہد نہ تھا عنایت کیا۔ چونکہ اس سلطنت میں پورے ایک نہایت اعزاز و امتیاز کی ملا مت سے اس لئے وہ اس پان کو بے کرد و مسلم کے موافق چھپائے لگا اور کم بخت نے خدا بھی خیال نہ کیا کہ مجھے اس شہنشاہ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے زہر دیا ہے۔ بلکہ اس خیال باطل میں کہ خاتونِ اب بادشاہ کی نظرِ لطافت سے طلع انگڑی رسم الحکم میں ناظر خاں اور نذر خاں ایک ہی طرح کھاجا ہے مگر ناظر خاں بھی ہو گا کہ نہ ناظر خاں محاورہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس مہمت

سیرے لے رہنا قندوز قریاں ہونے والی ہیں سرور و محظوظ وہ ہارے رخصت ہو کر اپنی پاکی میں سوار ہوا۔ مگر نہر کی تیزی اور سرعت اس درجہ تھی کہ وہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ سرے گھر پہنچ گیا۔

ہندوستان کے لوگ پان میں ایک چیز کے کچھ ہارکے اور نازک سے دیتی اور تھوڑا سا چوند جو کڑیوں سے بننا ہے اور کچھ اور معالحو ملا کر تے ہیں۔ اور پان کھانے سے مزہ مسطر اور خوشبو دار اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔

روشن آرا بیگم | شاہجہاں کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اگرچہ بہن سے حسن و جمال میں کم اور خوش فہمی میں بھی کچھ ایسی مشہور تھیں۔ مگر باوجود اس کے وہی زندہ دلی اس کے مزاج میں بھی موجود اور وہی ہی عیش پسند تھی اور جس قدر بیگم صاحب دارا شکوہ کی طرف مائل تھی۔ اتنی ہی یہ اورنگ زیب کی مخلص جانب دار اور اُن دونوں کی علانیہ دشمن تھی۔ اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس نہ تو اتنی دولت ہی تھی اور نہ اس پر سلطنت ہی میں اُس قدر اختیار اور دخل تھا۔ مگر پھر بھی ہونکہ محل میں بود و باش کی شہرک اور من فریب میں کامل تھی جا سوسن کی صرفت کام کی باتیں اور ضروری خبریں اورنگ زیب کے پاس پہنچاتی رہتی تھی۔

شہزادوں کا دور دراز صوبوں پر تقرر | لڑائی سے چند سال پہلے شاہجہاں کا دل پلٹنے لگا تھا اور اگرچہ وہ چاروں ناقص و باغی اور صاحب اہل و عیال تھے۔ لیکن ہر اودان سلوک اور ایسے مضبوط رشتہ کی رعایت کو بااے طاق رکھ کر سلطنت کی برس میل ایک دوسرے کے باقی دشمن ہو رہے تھے یہاں تک کہ دیار میں اُن کے طرف داروں کے بھی جدا جدا حشرے بندھ گئے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر بادشاہ جوانی سلاطین ہی کے لئے لڑنا کا پتہ دیتا تھا جب ان کی ایسی ناگوار حرکتیں مشاہدہ کرتا راجن کے عیازے آخر کار۔ اُس کو خود اٹھانے پڑے، تو خود کو ایک عجیب طرح کے غلاب میں گرفتار بھکر نہایت آرزو کے ساتھ یہ چاہتا تھا کہ ان کو گوالیار کے قلعہ میں جبراً مضبوط اور مستحکم اور ایک بند اور کڑھ سب پٹان دار پہاڑی پر مٹا ہوا ہے۔ اور جس کا نچ کر کا مشکل ہے۔ اور جس میں بادشاہی خاندان کے سلاطین و فہرہ اکثر مقید اور نظر بند رہا کرتے ہیں تمید کرے

لیکن اس نے سوچے بچے کر آخر کار اپنے دل میں اس بات کو مان لیا تھا کہ حقیقت میں یہ اب ایسے زہد و ست ہر گتے ہیں کہ ان سے اس قسم کا سلوک کرنا ایک سرسری امر نہیں رہا اس کو ان کی طرف سے رات دن یہی تردد اور فکر لاحق رہتا تھا کہ اگر یہ باتم ہونگے تو اپنے لئے عیدہ و عیدہ مستقل سلطنتیں قائم کر لیں گے یا پاتے تخت کو میدان جنگ بنا کر خلق خدا کی غل و غری اور قتل و غارت کے بعد اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اس نے ان پیش آنے والی آفتوں اور فتنوں سے بچنے کے لئے چھ ٹھوڑے نکاتی کو چاروں کو چار وعدہ و نذر صوبوں کی حکومتیں دے کر الگ الگ کر دیا چاہا پس سلطان شاہجہاں کو چنگا لے اور لنگ نریب کو دکن۔ مراد بخش کو گجرات۔ اور دارا شکوہ کو لٹان اور کابل کا حاکم مقرر کیا۔

دارا شکوہ کے ساتھ سب شاہزادے بلا توقف اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے۔ مگر وہاں پہنچتے ہی اپنی مفید جمیعتوں کے بھار نکالنے لگے۔ اور خود مراد شاہوں کی سی حکمرانیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ملک کی آمدنی اپنے ذاتی امداد میں صرف کر نے لگے۔ اور ہر ایک نے بڑی بڑی مہربانوں میں اس بہانہ سے مہر لے کر لیں کہ پاتے تخت کی کمک اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور حدود و ممالک غیر پر رعب و اب کے لئے اس کی ضرورت ہے۔

لیکن دارا شکوہ نے جو سب سے بڑا اور اسی وجہ سے دارا شکوہ دار السلطنت میں تخت نشینی تھا متوقع تھا پاتے تخت کو نہ چھوڑا اور

لے بیرونگی اہل طلبہ و مائل خاں ہمار گئے جبکہ مشہور امیروں میں سے تھا کھنڈہ کے مرسلہ میں جب کابل پہنچا کابل میں مقیم تھا اس سے دوا زنی کی راہ سے ان شاہزادوں کو ان کے ناموں کے ہوتے صوبوں کو بھیجا اور کابل سے چل کر جب شاہجہاں اور ان کے بیٹے کو پہنچا تو دارا شکوہ کے منہ سے بچے کے لئے آہیں میں بیٹہ بڑے حکم مہدیوں کے اور کہا لاگرم! ہم نے دنیا تو دارا شکوہ کے شر سے جو جانے غری کا پلا سا ہے بچے رہی گے اور اس سماج کے مزہ و تہنکام کے لئے شاہجہاں نے اپنی بیٹی لنگ نریب کے بیٹے مراد شاہ سے شریک کی اور لنگ نریب نے اپنی لڑکی کا رشتہ شاہجہاں کے بیٹے سلطان نریب سے کیا۔

تھانہ غازی زبان کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے دارا شکوہ کو حقیقتاً اپنا ویرہہ مقرر کر کے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا تھا۔ اور صاحب برکتا غریب نے فیضیہ قانع مرسلہ لکھا ہے کہ آفرینوں کے سالانہ مہربانوں کے ساتھ ساتھ کہ روپیہ مقرر ہو گیا تھا۔ یعنی تین کروڑ دام۔

شاہجہاں کے ایلام سہری اور مہر لعل نگار

شاہجہاں نے بھی اس کو احکام شاہی کے اجرا کے اختیارات سپرد کر دیئے تھے اور یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ ایک پھولے تخت پر ہر بادشاہی تخت سے نیچا ہو خود بادشاہ کے سامنے دربار میں جلوس کیا کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مساوی الاختیار خاں ردا دربار میں جلوہ گر نظر آئے گئے۔ ان باتوں سے اگرچہ بظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ ہی داماد مشکوہ کی امیوں کی تائید کرتا تھا۔ لیکن اس بات کے بارے میں کیسے کی معلوم وجہ موجود ہے کہ اگرچہ داماد مشکوہ اپنے کے ساتھ ادب و محبت کے طریقوں سے پیش آتا تھا۔ مگر شاہجہاں رباکاری اور دورنگی برتتا تھا۔ اور اس کہیں سال بادشاہ کو برابر یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مجھ کو نذر نہ دیا جائے۔ اور اسی غائب ہے کہ بادشاہ کی پڑ مشیدہ خط و کتابت اور نگ زیب سے جاری رہتی تھی جس کی نسبت اس کو ہمیشہ یہ اعتقاد تھا کہ سلطنت اور ملک داری کے لئے یہ لڑکا بہت اہم و قابل ہے۔

اس کتاب کے ان مطالب کی توضیح و تفسیر کے لئے میں کا ذکر آئندہ آئے والا ہے بطور تہیہ شاہجہاں اور اس کے بیٹوں کی باہمی حالت اور اسی طرح اس کی دو لڑکیوں کا بھی کچھ حال درج کر دینا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ بھی ان دو ناک واقعات میں بڑی مصداق تھیں۔ واضح رہے کہ ہندوستان اور مغلطینہ اور اور ایشیائی ملکوں میں بڑی بڑی سنگین اور اہم روایاتیں اکثر عورتوں کے اختیار و اقتدار کے باعث سرزد ہوتی رہی ہیں۔ اور اکثر لوگ ان کے وقوع کے اصل اسباب سے ناواقف ہوتے ہیں اور ان کا باعث بعض اور باتوں کو بھرا لیا کرتے ہیں۔

اب شاہجہاں کے بیٹوں کے جنگ و جدال کے واقعات کہنے سے پہلے اگر اسی میر جملہ عصر کے حالات اور نگ اور شاہ گوگندہ اور اس کے دربار میر جملہ کے بھی جمل طور پر کہہ دیتے جائیں تو امید ہے کہ ناظرین کو مطالب کتاب کے سمجھنے میں زیادہ آسانی اور فائدہ اس شخص کی چالاکیوں اور فیصلہ فہم کی نسبت جو اس تمام نام کی کاغذ کا رسم اور ہندوستان کا آئندہ بادشاہ ہے ایک بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

میر جملہ نے جن تہ تیروں اور یکسوئی سے شاہجہاں کے حزن و غم کے اقتدار اور سلطنت کی بنیاد قائم کی اس کی تفصیل یہ ہے۔

جس وقت اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ دار ہی سپرد کی گئی تھی پھر حملہ شاہ گورکھ شاہ ۲۰
 دہریہ اور اٹھ کی تمام فوج کا سپہ سالار اور تمام ہندوستان میں ایک مشہور و معروف
 شخص تھا اور اگرچہ خاندانی اور پشتینی امیر نہ تھا۔ لیکن نہایت ہی قابل اور لائق الزام
 تھا اور جیسا کہ سپاہ گری میں کامل تھا ویسا ہی معاملات تہمت کو بھی خوب سمجھتا
 تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی دولت جو بہت زیادہ تھی صرف گورکھ شاہ کی مصلحت کی
 وزارت کے وسیلے سے نہیں بلکہ اپنی وسیع تہمت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں
 جاری تھی اور ہیروں کی کالوں کے ٹھیکوں سے جو اور شخصوں کے ناموں سے لے رکھے
 تھے حاصل کی تھی۔ ان کالوں کی کھدائی اُن شک مصلحت اور سرگرمی سے جاری رہی
 تھی اور ہیروں کی برآ و اس کثرت سے تھی کہ اُس کے ہاں یہ قادیانہ اور مملکت
 اُن کا شمار نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہیروں سے بھری ہوتی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوا لیا جاتا تھا۔

اصل کتاب کے حاشیہ اور بعض نوادہ ایوان کی تاریخوں میں اس نامہ شخص کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ قوم کا
 سنیہ اور ایمانی کا باشندہ تھا اور ہندوستان میں رونما اصطلاحات میں ہے چوہا ہر تھا۔ اس کے واسطے گریہ
 غامضی تھی مگر بہت ہی غریب تھے بہر حال اُس نے کسی طرح کچھ گھنٹا چمکا لیا اور ایک جہری کے پاس
 تہمت کے لئے اکثر گول گنڈا کر آیا کرتا تھا گناشتہ بن گیا۔ بعض کا تو یہ قول ہے کہ دوا کی چھڑک کر گنڈا لکی
 مصلحت میں بطور خودیجہ کرتے تھے۔ کیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ وہ سو گرائی وفات کے وقت اپنا
 سب مال دولت اسی کو دے گیا تھا۔ خواہ کر کے صورت ہو یہ تو جان بہر حال اسی تہمت کے ذریعہ نہایت مالدار
 ہو گیا اور کچھ مدیہ خرچ کر کے سلاطین مصلحت شاہی کے حوالہ میں جو ملک تلنگا زاور گورکھ شاہ کے بیٹے جسکے پوتا
 تھے ایک عہد حاصل کر لیا۔ لہذا اس عہد کے فرائض ایسی غریب سے انجام دینے کہ بادشاہ نے نہایت غرض پرکرتی
 منصب تلنگا نہم نامہ نہاد اُس کو اعلیٰ افسر مقرر کر دیا اور آخر کار سلطان عبداللہ مصلحت شاہ والی گورکھ شاہ
 کا وزیر مقرر ہوا اور مہرہ یعنی سردار گل کا خطاب دیا۔ س۔ م۔ س۔

یہ حشرم انگیزی سے اس مرتبہ بطور حاشیہ لکھا ہے کہ۔ ہیرے زیادہ تر مصلحت گورکھ شاہ بجا ہر عہد
 اور جیسے ورضی و مصلحت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک لاکھ تو مال گنڈا میں ہے جو گول گنڈا سے پانچ
 منزل پر ہے۔ دوسری مقامی میں ہے کہ وہ بھی کہتے ہیں گول گنڈا سے مشرق کی طرف سات منزل پر ہے۔
 جنگل میں فصیح سلیم پور کے نزدیک جو گول گنڈا نامی ایک نڈی ہے اسی کے بہت سے بھی ہیں۔ نکلے ہیں لہذا
 نے سلیم پور کی نگاہ اس کام کو گول گنڈا نامی کہتا ہوں۔ مناسب ہے اور جیسے ورضی میں سکارت نڈی میں سے چرے

اور اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ صرف اپنے بادشاہ کی فوج ہی کا سپہ سالار نہ تھا بلکہ خاص اپنے خرچ سے اپنی ہزار فوج سے ایک سو توپ خانہ کے جس میں اکثر میانائی لوگ کاظم تھے ہمیشہ تیار رکھتا تھا تو سرکوفی سمجھ سکتا ہے کہ اس کا رعب و وہاب اور اختیار و اقتدار کس حد بڑھا ہوا ہوگا۔ اور یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ اس نے ملک کرناٹک کی فتح کا بہاد بنا کر وہاں کے ہندوؤں کے تمام مندروں اور قدیمی عبادت خانوں کو لوٹ لیا تھا۔ اور اس طرح اپنی دولت و شہرت بے قیاس حد کو پہنچائی تھی۔

میر جملہ کی اس طاقت و شوکت کو دیکھ کر شاہ بادشاہ گولکنڈہ سے میر جملہ کی مخالفت | گولکنڈہ کے دل میں رشک و حسد کا بیج بونا ایک طبعی امر تھا چنانچہ اس نے بڑی سرگرمی سے لیکن نہایت خفیہ اور پوشیدہ طریقہ اس کے قتل کرانے یا اپنے ہاں سے نکال دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔ کیونکہ بھاسنے ایک مطلع لڑکر کے وہاب اس کو ایک خطرناک رقیب سمجھنے لگا تھا۔ اور وزیر کے

بقیہ ماشیہ صفحہ - تختہ ہی اور اب سے ایک سو برس پہلے تک بہتر ہندوستان یا اس کے جوہر وہاں کے اور کسی حکمران سے کی کان معلوم نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ایک کان مشہورہ میں ملک برازیل میں برجنی امریکہ میں ہے درانت ہوتی ہے۔ اب اس زمانہ میں ہندوستان کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سوا ہندوستان میں ہر کسی حکمران نہیں ہوتے۔ اور وہاں بھی بہت کم اور بہت چھوٹے چھوٹے تختے ہی اور غیر ملکوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ایک حصہ یعنی کپٹ آف گڈ حوب ہی میں چند سال سے پہلے سے تختے لگے ہیں اور بڑے بڑے اور بہت کثرت سے تختے ہیں۔ مگر رنگت اکثر زردی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی پڑائی کاٹن کے سفید پیروں کے برابر چٹنا اور جلی تھمت نہیں چمکے جاتے اور ڈھانچے میں بھی دیشے سمت نہیں ہیں۔ اور اگرچہ قس طب کی خواہش اور سیاست کی حولی اور فارسی زبان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جزیرہ قبرص دسائیرس اور مقدونیہ میں بھی ہیرا نکلتا تھا مگر مشرقی و وسطی شہر پیرس میں ہیرا کتاب سے جو خاص ہوا ہزارت کے باب میں بہت مہولہ و بیکار تحقیق سے کہی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان اور اس کے قریب کے جزائر صافا اور مدینہ اور ملک برازیل واقع جزیرہ جزیرہ اور جزیرہ واسٹ لیا کے کوہتاں بربال ہی میں نکلتا ہے۔ اور جزیرہ اللہ کے طرف سفید اور بھی نہیں ہوتا بلکہ سبز اور نیلا اور سرخی اعلیٰ اور دماغ دار اور لوہے کے رنگ کا بھورا اور شفاف اور غیر شفاف و دلائی مسرت کا ہوتا ہے۔ سن۔ م۔ سن

تباہ دی۔ اسے نوویں سن تباہ دیں۔ م۔ ا۔ ی۔ و۔ ا۔

غیر خواہ اور جہاں تیار لوگوں کی وجہ سے جو اس کے گرد و پیش موجود رہتے تھے اپنے اسس
 ادارہ کو احتیاطاً بہت غفلی رکھنا تھا۔ لیکن ایک موقع پر جب کہ پہلی دفعہ اس کو یہ غیر
 ملکی کہ میر جملہ اور اس کی والدہ کے درمیان صاحبِ حق و مجال تھی ایک نامتناہی سبب تعلق ہے
 وہ عداوت جو اس کے دل میں پہلے سے تھی پورے مشیدہ ذرہ سکی اور بے اختیار بول اٹھا
 کہ اس زہید ست مجرم سے اس حرکت کا انتقام لینا ضروری ہے۔ میر جملہ اگرچہ اس وقت
 کرانچک میں تھا لیکن اس سبب سے کہ وہ بار کے سب بڑے بڑے عہدہ دار اس کے
 رشتہ دار تھے۔ اس خطرناک واقعہ کی اس کو بہت جلد خبر پہنچ گئی اس نے اس چالاکی
 اور حیل ساز ذہن سے پہلے تو یہ کام کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے محمد اسیر خاں کو جو بادشاہ کی
 خدمت میں حاضر تھا اس مضمون کا خط لکھا کہ میں حیلہ اور بہانہ سے ممکن ہو اس ہمہ میں
 اپنے شریک ہونے کی ضرورت شدید ظاہر کر کے فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ اور جب بادشاہ
 کی سخت نگرانی کی وجہ سے اس کے وہاں سے بچ کر نکل آئے سے مالوس ہو گیا تو خوشامی
 اس کے بے باک ذہن نے وہ تدبیر اختیار کی جس نے شاہ گول کٹھا کو برہادی اور تباہی کے
 کنارے پہنچا دیا۔ قلعہ دہلی نے بھی کہا ہے کہ ”جو بادشاہ اپنے بے حد اور مشورے پر مشیدہ نہیں
 رکھ سکتا وہ اپنی سلطنت کو نہیں بچا سکتا۔“

میر جملہ اور اورنگزیب کا گٹھ جوڑ

طرح یہ بات ہندوستان کی کئی فارسی زبان کی تاریخ میں قائم کی نظر سے نہیں گذری۔ س۔ م۔ س۔
 تھے صحیح نام محمد امین خان ہے اس نے آئندہ اس ترجمہ میں اس کو اسی نام سے لکھا جائے گا۔ س۔ م۔ س۔
 تھے اس کا قدیم نام دیو گڑھ تھا جس کو قطبی سے اکثر سلاطین مصنفوں نے دیو گڑھ لکھا ہے۔ چنانچہ جہانگیر جو
 مورخہ تھیں کے دربار کا ایک مشہور شاعر تھا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے ”خیر تو دیو گڑھ نالہ کی کہ مدت آباد مست و
 کہ پادشاہی داد بہت بہت۔ باب جنان اور میر تقی میر میں لکھا ہے کہ ”اور میر تقی میر کے زمانہ میں اس کا نام دھلا
 نگر تھا بہر حال محمد شاہ تھیں نے پھر دھلا نگر میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا، جب اس کو ہندوں سے فتح
 کیا تو وہ مدتِ آزادانہ رکھ دیا جس کے قریب گوہداری کے کنارے اورنگزیب نے اپنی حکومت دکن کے زمانہ
 اورنگزیب کو دیا اور محمد شاہ اورنگزیب کے نام سے سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا۔ جس سے اس زمانہ اگرچہ ملت کو
 کی خیراتی ہے مگر حکام ہائے محکمہ انتظام اورنگزیب کو یہاں رہا۔ راست جیسا کہ ایک طرف ہے ایک نام سے تعلق دار کے
 لقب سے رہتا ہے۔ س۔ م۔ س۔

شاہجہاں کے اہل بیت کی مدد میں شاہجہاں

گول کنڈا کی جہاز و سوارات انتہام دی ہیں ان کو سامان زاد چاہئے۔ لیکن بچائے اس کے کہ وہ میرا منہن ہوتا میری اور میرے خاندان کی برداری اور سچ کئی کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اس لئے میں آپ کی پناہ لینا اور آپ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اور اس درخواست کی قبولیت کے لشکرانہ میں کہ جس کی پدیرائی کی آپ کی جانب سے کامل اُمید ہے ایک منصوبہ چلی کرنا ہوں کہ جس کے ذریعہ سے آپ آسانی اں بادشاہ کو گرفتار کر کے اُس کے ملک پر قبضہ کر سکیں گے۔ آپ میرے اس وعدہ کی سچائی پر اعتبار کرنا۔ بھر وہ فرمائیں۔ اور یہ ہم انظار اللہ نہ تو کچھ مشکل ہی ہوگی اور نہ کچھ خطرناک ہی۔ آپ پاکی چار ہزار پیچہ سواروں کے ساتھ بہت جلد اور بلا توقف کو پہنچتے ہوئے گول کنڈا کی طرف چلے آئیں جس میں صرف سولہ دن لگیں گے۔ اور یہ مشہور کر دیں کہ شاہجہاں کا سفیر شاہ گول کنڈا سے بعض ضروری مصالحت میں گفتگو کرنے کے لئے بھاگ نکلتا رہا ہے اور یہ فوج اُس کی ادنیٰ میں ہے۔ اور چونکہ وہیں کے قریب سے ہمیشہ ایسے اُمور کی اطلاع بادشاہ کو ہوا کرتی ہے۔ میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اُس پر مجھے کامل بھروسہ ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایسا حکم جاری ہو جائے گا کہ جس کی وجہ سے کوئی شک و شبہ پیدا ہوئے بغیر آپ بھاگ نکلتے اور دواڑہ پہنچ جاتیں گے اور گول کنڈا اداے آپ کو سفیر کے سوا کوئی اور شخص نہ بھیجیں گے۔ پس جب بادشاہ معمول کے مطابق شاہی فرمان کے استقبال کے لئے سفیر کے پاس آئے۔ تو آپ اُس کو آسانی پکڑ کر جو کچھ مناسب جائیں اُس کی نسبت تجویز کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مہم کا کل خرچہ میں آپ کو دوں گا اور

میں صاحب خانہ فرشتہ کے کما حقہ کے سلطان محمد علی قطب شاہ سے جس کے ہاں ایک خزانہ گہیاں تھیں گئے تھے کہ وہ ذکر تھیں تو سر پاس بھری ہے کہ پہلا اپنی مشرتہ بھاگ تھی کے نام پر جو انھیں میں سے ایک پاتر یعنی چند کہیں تھی بھاگ کر آیا دیکھا تھا۔ لیکن پھر کہ پشیمان ہو کر یہ نام بدل دیا اور عید آباد نام رکھ دیا۔ گراب ہمارے اس زمانہ میں وہ پہلا نام بالکل مروج گیا ہے۔ اور صرف عید آباد ہی مشہور ہے اور گول کنڈا کا تلفظ اب تک قاضیہ اور دولوں ریاست عید آباد و گن کے قبضہ میں ہیں جو اس وقت ہندوستان کا مستقل ملک ہے۔ فرار و سلطنت خلیفہ کے طرز نظم نسق اور طرز طریق کا گرا ایک نمونہ ہے اور میں کا قریب کہ جب یہاں سے ظالم سلطان صاحب مروت علی علیہ السلام نے فرار و سلطنت کے طرز نظم نسق کو اپنا لیا تو اس نے فرار و سلطنت کے نام کو اور علی علیہ السلام کے نام کو لے لیا ہے اور وہ شاہ بادشاہ دہلی کے عہدے کو اب نظام الملک آصف جاہ کہا دوسرے ملک کی طرف سے نہیں لیا آئی ہے۔

اس کے اختتام تک یہاں سے ہزار روپیہ روز دیتا رہوں گا :

اورنگ زیب کی گولکنڈہ روانگی | تھا میر جملہ کی استدعا کے موافق فوراً تیاری کر کے گولکنڈہ کی طرف چل کھڑا ہوا اور ایسی ہوشیاری سے اس تدبیر کو بھالایا کہ بھاگ نگر پہنچ گیا اور کسی نے دجانا کہ یہ زبردست فوج سفر کی ہم دکانی کے سوا کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ اس دستور کے موافق ہوا جسے سفیروں کی آمد سے متعلق متعین تھا اس معنوی الجہی کی ملاقات کے واسطے اپنے باغ سے سوار ہو کر روانہ ہوا۔ مگر وہ جب بغیر کسی دوسرے کے اپنے دوخا بازو دشمن کی طرف جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اس تدبیر کے بموجب وہ چپلے سے گامبھی ہوئی تھی اس کو دس بارہ غلام گرفتار کر لیں اور اورنگ زیب کا منصوبہ چل جائے اس کی خوش قسمتی سے ایک امیر نے جو اس راز سے واقف اور اس میں شریک تھا ناگہاں پشیمانی اور ترحم کی وجہ سے ہٹ کر کہہ دیا کہ ”جہاں پناہ جمہت ہٹ نکل جائے ورنہ آپ پھنس جائیں گے یہ اورنگ زیب ہے الجہی نہیں“ اس سوتو بہ بادشاہ کو جو حیرانی اور پریشانی لاحق ہوئی اس کا کیا کہنا! پس وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بگشتِ تلہ گولکنڈہ کی طرف ہوا اس کی معمولی تمام گاہ بھاگ نگر سے صرف ایک فرسنگ کے قریب تھا بھاگ نگر اس میں جا داخل ہوا۔

سلطنتِ مغل خاں سے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جب میر جملہ اپنے آقا کو ناراض دیکھا اورنگ زیب سے مدد چاہا۔ اس نے شاہجہان کو اطلاع دی وہاں سے فرانس سوار ہوا کہ میں طرے ہر کے اس کو عبداللہ قطب شاہ کے ہاتھ سے بچا کر رہا رہے پاس بھیج دو۔ اس حکم کے آتے ہی اورنگ زیب نے اس مضمون کا ایک فتویٰ دیا اس وقت کی اصطلاح میں بادشاہوں کی تکریر کو ”فرمان“ اور شاہزادوں کی تحریر کو ”لٹاں“ کہتے تھے، قطب شاہ کے نام لکھا کہ میر سلطان اپنے چچا شاہ کے پاس آکر یہ گامہ سے بگلا کر کھانا چاہتا ہے دیکھ کر بقرال الخلیف صاحب راستہ کی صورت سے تھی کہ اورنگ زیب آج سے بگلا کر کھلی چن کے پاس اس طرف چکر کھا کر جا رہا تھا کہ گولکنڈہ کے جنگل پہنچیں وہیں حاصل ہو کہ اورنگ زیب کی راہ گولی کٹنے کے واسطے بھاگ نگر سے تھوڑا فاصلہ پر رہ جائی تھی، آپ خاطر برداری سے اپنے ملک سے گذر کر ادیں اب نہ ہر وہ چلے تو اس پیام کو راضی سمجھ کر جہاں داری اور خاطر آزمائش کی تیاری میں مصروف ہوا اور دوسرے میر جملہ کے ساتھ ساتھ ان سے خوب دوست ہو کر کہہ کر کہتا ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے خود حضرت بھی چل کھڑے ہوئے اور قطب الملک کلاس

بڑی مخالفت سے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ اگرچہ توپوں کے نہ ہونے کے سبب سے ناچار تھا مگر تاہم یہی شہان لیا کہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں بادشاہ کو رستہ وغیرہ کے نہ چھیننے کے سبب سے دیر تک بچاؤ کرنا مشکل ہوگا، لیکن محاصرہ سے دو مہینے بعد شاہجہاں کی طرف سے اس ضمنوں کا قطعی حکم پہنچا کہ ہم سے ہاتھ اٹھا کر بلا توقف دکن کو لوٹ جاؤ اس کو بخوبی علم تھا کہ یہ حکم بالمشکوہ اور بگیم صاحب کی تحریک و ترغیب سے صادر ہوا ہے کیونکہ دو مہینہ پیشی اور عاقبت چینی سے اُن کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ اگر اردنگ نریب کو بادشاہ کو گڈٹا کی نسبت اپنے منصوبوں کے عمل میں لانے کی اجازت مل جائے گی تو وہ بہت زبردست ہو جائے گا، اور اس وجہ سے دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا۔ لیکن نہایت درجہ اطاعت دکھانے کی غرض سے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا مگر محاصرہ اٹھا جانے سے پہلے فوج کشی کے اخراجات کا ایک بڑا محاصرہ اور حجازہ شاہ کو گڈٹا سے وصول کیا اور یہ عہدہ پیمان لیا کہ میر جملہ کو اپنے خاندان اور مال و اسباب اور فوج سمیت صحیح سلامت پہنچ جائے گی اجازت دی جائے اور گو گڈٹا کے دو پرہیز شاہجہاں کا سکے لگا کر اس کے علاوہ محمد سلطانی کی خدائی بادشاہ کی بڑی بیٹی سے کرلی سار جبرگ یہ وعدہ بھی لیا کہ شاہزادہ موصوف اب سے سلطنت کو گڈٹا کا ولی مقرر کیا جائے گا اور عزیز میں رام گڈٹا کا قلعہ بھی وعدہ اس کے تمام لواحق اور متعلقات کے لئے لیا۔

قلعہ ہیر کی فتح | اردنگ نریب نے دکن کو واپس جاتے ہوئے میر جملہ کے اتفاق سے قلعہ ہیر کی فتح کی جو اس کی چناؤ میں آچکا تھا اول مہینہ کے قلعہ کو جو بچا پر کے ملک میں ایک مستحکم جگہ ہے گھیر کر فتح کر لیا۔ اور پھر دولوں دولت آباد پہنچ کر اتحاد اور محبت کے ساتھ رہنے اور آئندہ شوکت و عظمت کے لئے بڑے بڑے منصوبے باندھنے لگے چنانچہ ان کے اس اتفاق کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اردنگ نریب کو شہرت و عظمت اور سلطنت جو کچھ حاصل ہوا وہ سب اسی اتفاق کی بدولت تھا۔

۱۔ اصل کتاب میں قطعی سے کہا جاس کہ سلطان محمد گھانا ہے اور صحیح نام محمد سلطان ہے۔ س م ج
 ۲۔ مائل خان اور غانی خان نے اس شرط اور سکے جاری کرنے کی شرط کا ذکر نہیں کیا۔ س م ج
 ۳۔ غازی سلطان میں اکثر اس قلعہ کا نام ہے دروہ ہے نہ لکھا ہے۔ س م ج۔

شاہجہاں کے املا سیری اور مہر اور گنہ گار

دولت آباد پہنچے ہی میر جملہ نے اپنی منہ پیر سے ایسے منصوبے تیار کئے کہ شاہجہاں کی طرف سے حاضر دربار ہر مرنے کے لئے مختار پیغام پہنچے اور آخر کار وہ پائے تختہ آگہ میں جا پہنچا۔ اور پادشاہ کے لئے نہایت عجیب و غریب پیش کش اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ اس کو اُمید تھی کہ اس ذریعہ سے شاہجہاں کو گوگنڈا اور بجا پور اور پرتگیزیوں سے لڑائی شروع کر دینے کی ترغیب دے سکوں گا۔ چنانچہ جب دربار میں حاضر ہوا تو وہ اندامِ نذر کیا جو مقدار اور خوبصورتی میں عموماً بے نظیر سمجھا جاتا ہے اور گوگنڈا کی فتح کے بہت سے فوائد بیان کئے اور عرض کیا کہ گوگنڈا کے جواہرات محمد حار کے پتھروں اور چٹانوں کی بہ نسبت جہاں حضور آج کل ہم روادار کرنا چاہتے ہیں یقیناً زیادہ لحاظ اور شایانہ توجہ کے قابل ہیں۔ اور یہ بھی گزارش کی کہ حضور کو گوگنڈا کی سمت میں اپنی منہ پیر میں اُس وقت تک کہ تمام ملک ماس کمار کی تک فتح نہ ہو جائے برابر جاری رکھنی چاہئیں۔

کچھ بعد نہیں کہ پیروں کے لالچی نے شاہجہاں کے دل پر یہ تاثیر کر دی کہ اُس نے میر جملہ کی تجویزوں کو قبول کر لیا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اصل میں شاہجہاں نے اس مہم میں نئی فوج کی بھرتی کو دانا شکوہ کی روز افزوں بے ادبیوں کی روک تھام کے لئے ایک معقول بہانہ سمجھا اور میر جملہ کی صلاح مان لی تھی۔ بہر حال شاہجہاں کا کچھ ہی مطلب و مدعا ہو گا کہ اُس نے معصوم ارادہ کر لیا کہ دکن کی طرف ایک فوج میر جملہ کی سپہ سالاری میں بھیجی جائے۔

داراشکوہ سے شاہجہاں کی جنگی اسباب
داراشکوہ سے شاہجہاں کے ناراض ہر جانے کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے خود سر اور مختار مطلق بن جائے کے لئے ان دلائل بعض ملائیہ کوششیں کی تھیں بلکہ ایک ایسی حرکت کی تھی کہ جس کے باعث شاہجہاں کو اس سے سخت نفرت اور خوف ہو گیا تھا۔ اور اس کی اس خطا کے صاف کر دینے پر اُنہوں نے اُنہوں کو سدا اللہ خاں کو جے شاہجہاں تمام ممالکِ ایشیا میں ایک بڑی قابل اور دلائل و دلائل بھٹاتا تھا اور جس سے اس قدر اہمیت رکھتا تھا کہ تمام دربار میں اُس کی محبت ضربِ انفل ہو گئی تھی مراد اللہ تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا جرم تھا جس کے سبب سے داراشکوہ نے اُسے واجبِ القتل تصور کیا ماس کا یہ خیال ہو گا کہ شاہجہاں

لشہ گوگنڈا اور بجا پور کے بادشاہوں کا حال اس کتاب کے خاتمہ کے قریب میں اور خاص میں لکھنا چاہتے ہیں

کے گوارہ جانے پر اپنے اقتدار کی وجہ سے یہ امر اس کے اختیار میں ہو گا کہ جسے چاہے تم کو
پر ہٹا دے۔ یا بادشاہت کا بیج سلطان شجاع کے سر پر رکھ دے۔ کیونکہ وہ اس کا بیٹا
اور طرف دار معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے دل میں لوگوں کی بعض افواہوں
نے جو سعد اللہ خاں کے ارادوں کی نہایت خشمزد تھیں اثر کیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر
بھی فور کے قابل ہے سعد اللہ خاں جو قتل کے اعتبار سے ایک ہندی الاصل شخص تھا۔

سعد اللہ خاں کو شاہجہاں کے مورخوں میں سے بعض نے لاہور اور بعض نے چن لٹ کا بیٹہ والا
بیان کیا ہے۔ ہرچہاں کے قتل بھنگ میں ایک پڑانا قصہ ہے۔ لیکن میرے ایک دوست بھنگ
کے اکثر اسسٹنٹ کمشنر ہیں بدھتھن کے کچھ ہی کڑا اصل میں وہ بڑا کیلا بیٹہ والا تھا۔ جو چن لٹ
سے پانچ کڑا کس شمال کی طرف ایک موضع ہے۔ مگر اپنے ایام الماریت میں اس نے چن لٹ کو اپنا وطن بنالیا
تھا۔ اگرچہ اس ملک میں اس کی اولاد میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس کی بیانی ہوئی ایک بہت عالی شان سپہا
اس کے حملوں کے کھنڈر چھوٹے ہیں موجود ہیں۔ اس کے زمانہ کے مورخوں نے اس کی قومیت کا کچھ ذکر
نہیں کیا البتہ خانی خاں نے اس کو شیخ سعد اللہ خاں لکھا ہے جو ہندوستان میں اکثر مسلم لوگوں کو بھی لکھا
ابہر لا جاتا ہے مگر اس کے وطن داروں کا یہ بیان ہے کہ وہ جیم تھا جو ایک ایشی قوم ہے کہ وہاں کی سہلی
اور کھنڈوں کے لٹا اکثر اسی ذات کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ میرے نزدیک تو میں غالب یہی ہے کہ یہ کوئی ہندی نسل
قوم ہے۔ مگر چونکہ اسی کے پڑاؤ ان کے سلسلہ نسب میں کچھ عجیب و غریب نام بیان کر کے پھر اس کو کھنڈی خان
کر ملک عرب لکھ بیٹھا ہے۔ اس لئے میرے ایک اور دوست جو بافضل خاصہ جیمز ٹی کی تصنیف کے سبب
پراسم ہیں اور جنہوں نے براہ ہرانی حلیف و راکریری خواہش کے موافق اس کی تحقیق کی تھی یہ خیال کرتے
ہیں کہ شاید یہ فقط جیم کی خانی ہو جو عرب کے شہر قبیلہ بنی شیم کے نام کا ایک جزیرہ ہے۔ اہل ان گواروں سلطان
جہاں سے بنے ملی کی وجہ سے ان کا نام ان اضلاع میں عورتا ہے بلکہ ان کے نام اس میں سے ایک فقط حذف کر کے
جیم بنالیا ہو۔ سعد اللہ خاں جو ہمد میں تحصیل ملوم کے سبب سے لاسعد اللہ لاہوری کے نام سے معروف
تھا۔ مشعلہ میں شاہجہاں کے جلوس کے چودھوی سال کے شروع میں اسے سرسری خان صدر یعنی وزیر
اتفاق کی سفارش سے بادشاہ کے حضور میں پہنچا تھا۔ مگر طاری برس کے بعد اپنی لیاقت اور کمال کی وجہ سے
ہندوستان کا وزیر اعظم بن گیا۔ اور ساتویں برس ہجرت ہزاری کے منصب پر جس سے بڑا کوئی اس وقت
نیک منصب نہ تھا فائز ہوا اور شاہجہاں کے وزراء میں یہاں تک بڑا پایا اور اعتماد حاصل کیا کہ کوئی چھٹا یا ہوا مسلم
کی لئے بغیر ہوا شمار تھا اور ہر گز ایک ایسی اعتماد اور اقتدار کے ساتھ اپنے عہدہ پر قائم رہا۔

شاہجہاں کے واپس اسیری اور عہد اور نگہب

اُس سے اخلاقی اُٹھو کو بڑا حد رہتا چنانچہ ان افواہوں میں سے جو اُس کی نسبت اُڑادی گئی تھیں ایک افواہ یہ تھی کہ اُس نے یہ منصوبہ باندھ رکھا ہے شاہجہاں کی وفات کے بعد اولاد بصورت کو تخت سے محروم کر کے یا تو چٹا لاش کے شاہی خاندان کو پھر قائم کرے گا یا خود تخت نشین ہو جائے گا یا اپنے بیٹے کو بادشاہ بنائے گا اور اس افواہ کی تائید کے لئے یہ تریخ تھا کہ سدا اللہ شاہ کی بیوی قوم کی پٹھانی تھی اور ایک یہ بات بھی گھڑی گئی تھی کہ اُس نے پٹھانوں کے کئی مستعد دتے اپنے منصوبہ کی تائید کے واسطے حفر ق مقامات میں لٹا رکھے ہیں۔

اور اشکوہ خوب جانتا تھا کہ یہ بڑی فوج جو دکن کو بھیجی جا رہی ہے اس سے اور بگڑی ہوئی ہے اس کی طاقت بڑھ جائے گی۔ اس لئے اُس نے اس معاملہ میں بہت کچھ بحث مباحثہ کیا اور حکمت اور حیلہ سے جو اُس سے ہیں سکا اس منصوبہ کو روکنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھنا ناممکن ہے تو آخر کار کچھ سمجھا سمجھا کر یہ شرطیں مقرر کرا دیں۔

اول یہ کہ اور بگڑی ہوئی اس معرکہ میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔

ملک شہر شاہ کا خاندان مراد ہے جس نے شاہجہاں کے پر وارا چاہوں کو ہندوستان سے الیک نکال دیا تھا اور خود بادشاہ میں چٹھا تھا۔

س م ج

ملک ان افواہوں اور ملکہ اشکوہ کے سدا اللہ شاہ کو مراد ملنے کا فکر اور بگڑی ہوئی کے طرف داروں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا حالانکہ وہ اشکوہ کی کسی گمراہی کا چھپا ناؤں کے دھانکے خلاف تھا بلکہ سب نے سچے اور صاف طے سے اس کا مزاج کے مرض سے بیان کیا ہے جس میں وہ کئی جیسے تک جملہ کے متعلقہ ہیں سینا میں برس کی عمر میں راجا اور حکم ملکہ ملکہ بہت قربت میں شاہجہاں کا عجیب لڑکھن اس کا معالجہ تھا اور کھسا کہ کہ خود بادشاہ کئی بار اس کی عیادت کو گیا تھا۔ اور غافلان نے اگرچہ اُس کی نسبت ملکہ اشکوہ کے نہایت دور جہد شک و عداوت بیان کر کے اور اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ صاف کھسا کہ کہ باوجود قرب و اقربہ میں اور اختیار مطلق کے سدا اللہ شاہ کے سر پرست ملک لڑکھن کی جان یا اور کو مر نہیں پہنچا سکا معلوم ہوتا ہے کہ جس میں اکثر ویشالی اہل و عارک عادت ہے کہ کسی اپنی نامور فرض سے کسی شے آہی کی موت کو اکثر زہر و فہرہ سے خوب کر دیا کرتے ہیں ان کے شہرہ میں گئی ہوگی جس کی مراد لڑکھن ہی ہے اور اس ملک کے لوگوں کی عادت ہے کہ لڑکھن وادف ہونے کے بعد جسے کچھ ہو کر ملکہ اور غافلان ہی وہ ہوگی کہ انھیں سدا ہے اپنے اپنے ہندوستان میں باوریں کہ جاکھا رہی ہوگی آخر کے حال سے اکثر باتیں ہیں کہ اُس کی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ س م ج

دوسرے یہ کہ وہ اپنا تمام بالکل دولت آباد میں رکھے۔

تیسرے یہ کہ جو ملک اس کے سپرد ہے اس کے نظم و نسق کے سوا اورنگ زیب کو اس ہم سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ قوت کی سب سے سالاری و حکومت اور جزو کل کا اختیار صرف میر جملہ کے ہاتھ میں رہے مگر وہ تمام اپنے اہل و عیال کو اپنی و خاواہری کی کفالت کے طور پر و بار میں چھوڑ چلتے۔ یہ پہلی بات اگرچہ میر جملہ کو نہایت ناگوار تھی لیکن شاہجہاں نے یہ سمجھا کر راضی کر دیا کہ یہ صرف دارا لکھنؤ کی خوشی خاطر اور دفع و ماسد کے لئے ہے۔ اور بخوبی مطمئن کرو یا کہ تمہارے اہل و عیال مفقوب تم سے آئیں گے۔ الغرض میر جملہ اس جواز قوت کا سب سے سالار بن کر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں سے بلا توقف کوچ کر کے بیجا پور کے ملک میں جا داخل ہوا۔ اور کلیانی کا محاصرہ شروع کر دیا۔ اور ایک بڑی مضبوط اور مستحکم قلعہ بنایا۔

اس وقت کے داخل خان اور خانی خان نے جس طرح یہ باری کیا ہے اس کا اصل یہ ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب کے پاس پہنچ گیا تو شاہجہاں نے اس کو وہی منظم خان کا خطاب اور بھاری کام منصب اور ایک بڑا بھاری خلعت عطا فرما کر حضور میں طلب فرمایا اور حضور میں یہ مقام شاہجہاں آباد حاضر ہو کر ادا بخشی نے استقبال کیا اور اسے حضور میں لایا اور اس نے ایک عوامی اشرفیوں کا اور دو عوامی ہجرات کے اور اور مہمہ چھوڑی نذر گنوا دی اور یہ تھک سدا اللہ خان کے انھیں دلوں میں انتقال کر جانے کے سبب سے مذمت خالی تھی اس لئے اس مہمہ کا مرتب محمدان چھوڑ دی یہ ہزار ہوا کا منصب اور خلعت خاص و اختیار مرتبہ اور شاہی گھوڑوں اور ہاتھوں سے دو گھوڑے اور ایک ہاتھی اور ایک تھنی سے سونے چاندی کے ساز کے اور پانچ لاکھ روپیہ نہایت ہوا اور تھنی صاحب سیرالشاہین خطاب میں فقط عورتہ الملک بھی بڑھا گیا۔ مگر چونکہ اس نے دکن میں فساد مٹائی تھی اور وہاں کی آب و ہوا کا غرور تھا اور اس کے اور اورنگ زیب کے باجم آئندہ کے منصوبوں کی نسبت بھی کئی طرف کے غلطی مہمہ و بیان تھے۔ اس لئے ہمیشہ واپس جانے کی تہ میں سرچا رہتا تھا۔ اب من اتفاق سے جو بیجا پور کے بادشاہ علی عادل شاہ نے لالہ قضا کی اور اورنگ زیب نے آپ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے سکندرنای ایک بھولی نسب لڑکے کو جس کو عادل شاہ نے فرزند کے طور پر لایا تھا تخت پر بٹھا دیا ہے تو شاہجہاں نے بھی اورنگ زیب کو یہاں پر یہ فوج کشی کا حکم دیدیا اور اس کے ہم سے واپس آنے تک شاہجہاں نے خالی کو وہاں آباد پہنچ کر صوبداری کا کام کر کے کی ہدایت ہوئی میر جملہ نے مہمہ دیکھ کر ایک بڑی بھاری پیش کش اس کی کل قیمت پندرہ لاکھ روپیہ مانگی تھی اور جس میں دیکھ

شاہجہاں کے یام اور سہری اور مہر اور نگ قریب

اس وقت جب کہ سلطنت کا یہ نقشہ تھا اور شاہجہاں کی عمر ستر سے تھماؤں کے چکر میں تھی وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کی حقیقت کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایک ایسی عمر کے آدمی کے لئے یہ بہت نازیباء ہے کہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کرنے کے بجائے اپنی باقی ماندہ طاقت اور توانائی بھی برباد اور تلف کر دے۔

بادشاہ کی اس بیماری سے تمام قلم رو میں ایک سخت پریشانی اور تھکاوٹ پڑ گیا چنانچہ وہ آہی اور آگہ میں جو پائے تخت سلطنت ہیں۔ وراثت کو لئے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور جنگل میں شہنشاہ کے ایسی ہی تیاریاں کیں اور دکن اور گجرات میں اورنگ زیب اور مراد بخش کے ایسی فوجیں بھرتی کیں جن سے خطرہ ہوتا تھا کہ ان کا کیا ارادہ ہے۔ اور چاروں طرف سے اپنے اپنے زمین اور مددگار بلا کر جمع کئے اور دوسرا خطرہ کھینچ بیٹھے اور

بقیہ صفحہ ۶۴۔ دکن اور وہاں کے مولوی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک مہر اور چار شہنشاہ اور ساتھ باطنی سرے کے ساز کے اور شہنشاہ چاندی کے ساز کی قسمن گداری۔ اور مرض کیا کہ بجا پر کیا بلکہ دکن کا تمام ملک آسامی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے اور اس کا وہ یہ لیتا ہوں اور اس طرح مہاراجاں اور راجاں اور شاہزادے اور خانوں کے ساتھ خاں و خیر۔ گنگی اور مہاراجاں کے ہمراہ جلی خور مغل اور رام پتہ فوج کا سپہ سالار ہی کی رخصت ہوا تھا اور نگ زیب کے تخت اس مہم کو سر قیام سے اور دکن میں خاں کو حکم ہوا کہ باپ کی عہد و زاری کا کام با اتفاق مانے راہوں رگستاخ نائب وزیر انجام دیتا ہے۔ میر جملہ اور نگ آباد پہنچا اور وہاں سے مسعود اور نگ زیب کے محل پر کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ اور کلیانی اور دوسرے تھانوں کو جاگیر پر لے لے شہر جم گنڈی کے حاشیہ میں بحوالہ تحریک کر لیں اور صاحب کے محل پر کہ شاہجہاں کی طاقت و قربانی میں لہجہ قزاق وہے ونگام خرق مہاشی کے نہایت غلغلہ آگیا تھا چنانچہ اسی سبب سے شہر میں تھوڑے عرصے کو نگاہیں اسے نالہ ہو گیا اور اس کے ساتھ سوزا کا بھی غلغلہ تھا اور کئی دن تک حاشیہ میں اُس پر تلاری ہی تھی مگر فارسی کھانوں سے نالہ کا ہونا غلط معلوم ہوتا ہے تواری کھانوں میں یوں کہتا ہے کہ شروع ہوا تو اُن کی عقل نہ کہ ہمتا مہدی شہر ستر برس کی عمر میں شاہجہاں کا پیشاب بند ہو گیا اور اعضائے سفلیہ میں دم ہو کر ایک ہفتہ تک نہایت سخت چلا۔ اور کچھ حقیقت ہو گئی تھی کہ اسی حالت میں داراشکوہ اپنے بھائیوں کے منصوبوں کے روئے کھینچنے والی کی نہایت اکر آباد کر ایک بہتر مقام بھکر بیماری کشتی اُس کو وہاں لے گیا۔ اور اگرچہ یہ سفر ایک پختہ ہی ختم ہوا مگر مرض میں بھی بہت کچھ اتفاق ہو گیا۔

بڑے بڑے دے اور عہدہ پیمان کئے اور طرح طرح کی بندشیں اور سزا سنیں کرتی شروع کیں۔

اگرچہ دارا شکوہ نے ان سازشوں کے سختی سے ثبوت باپ کو دکھائے
سازشی خطوط اور بھائیوں کی سخت شکایتیں کیں۔ اور حکیم صاحب نے بھی موقع
دیکھ کر بہت سا گناہ لکھا دیا۔ لیکن بادشاہ کو دارا شکوہ پر بالکل اعتبار نہ تھا یہاں
تک کہ اسے کامل مشہ تھا کہ وہ اسے زہر دلوانے کی فکر ہی ہے اور اس سبب سے کھانے
پینے میں بہت ہی احتیاط برتنا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے اورنگ زیب سے
بھی کچھ خط و کتابت کی تھی جس کی خبر پا کر اورنگ زیب میں آکر دارا شکوہ نے باپ کو بہت دھمکیا
دیا۔

بادشاہ کے انتقال کی خواہ | اس عرصہ میں بادشاہ کی علالت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کے
مرنے کی افواہ اڑ گئی۔ اور تمام دربار و درہم و درہم ہو گیا۔
اور اگرچہ میں یہاں تک طرفِ خطر پہنچا کہ بازاروں میں کئی روز تک بڑبڑائی اور
چاروں شاخڑوں نے ملائیہ کھل کھیلنے لگے۔ اور صاف کہہ دیا کہ اب اس مقدس کا فیصلہ
صرف تلوار ہی سے ہو گا اور واقعی ان کا اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی
تھا کیونکہ فتح پائی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور حکومت کی صورت میں جانی جانے کا
یقین تھی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت اور جس طرح شاہجہاں نے اس نے اپنے
بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر تخت نشین ہوا تھا اسی طرح ان کو یقین دلائل تھا کہ اگر ہم
اسے جب غلطی میں کشیدہ دلیں آتے ہوئے ہمارے ہاتھ کا اچھا لگے اور شاہجہاں حکیم سے ہمارے ہاتھ کے سبب
سلطان خیر باد کہ جس سے اورجہاں کی بیٹی جو اس کے پہلے خاوند سے تھی بیاہی ہوئی تھی اور جہاں
کے سبب سے رخصت کر پہلے ہی لاہور پہنچ گیا تھا سلطنت کے لئے آیا اور لاہور جہاں کے بھائی
آصف خان وزیر کے اپنے داماد شاہجہاں کو قاری نہی اپنے ایک بیٹے محمد ہندوستان کی معرفت
لنگی دھت کی وجہ سے مرشد کی جگہ اپنی مہر والہ کردی تھی نصیب پیغام بھیج کر بلا لاہور اور جہاں کی ساری
کی روک تھام کے لئے شاہجہاں کے کنبے سے آگے میں پہنچے تک جہاں وہ باپ سے باغی نہ ہو رہا تھا ہمارے
کے ہاتھ سلطان داور بخش عرف مرزا باقی خلیف سلطان خسرو کو جہاں لوت خان کے سپرد تھا برائے علم بادشاہ
بنکر لاہور کی طرف کو رہ گیا اور لاہور جہاں کو اپنے فیروزہ لکھتا رہا اور لاہور کی طرف کو رہا تھا

اپنی امیدوں میں ناکام رہیں گے تو غالب اور فتح یاب حریف صدمہ کے مارے ہم کو موزور قتل کرادے گا۔

سلطان شجاع کا آگرہ کی طرف کوچ | پس سب سے پہلے سلطان شجاع راجس نے کچھ تو

لوٹ کھسٹ کر اپنے صندوق بھر لئے تھے اور اس سبب سے ایک فوج کثیر کا جمع کر لینا اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا اس کے علاوہ اپنے ہم مذہب ایرانی امرا نے دربار کی اعانت اور امداد پر بھی اُسے پورا بھروسہ تھا، فوج و لشکر جمع کر کے نہایت سرعت کے ساتھ آگرہ کی طرف چل کھڑا ہوا اور یہ مشہور کیا کہ چونکہ بادشاہ کو دلا شکوہ ہے نہروے کے بار ڈالا ہے اس لئے ہم اس فوج نائن اور حرکت ناشائستہ کا انتقام لین گے اور تخت سلطنت پر جو خالی ہے علیوس کر س گے۔ اگرچہ شاہجہاں نے دارا شکوہ کی صلاح سے بہت جلد ایس افراد کی جو اس کی موت کی نسبت مشہور ہو گئی تھی تروید کی اور صاف کھسا کر علاج و معالجہ سے بیماری کو افادہ ہوتا جاتا ہے اور تاجید حکم دی کہ تم اپنے صوبہ کو فوراً لوٹ جاؤ۔ لیکن اس بنا پر کہ اُس کے ہوا خواہ برابر یہ خبریں پہنچ رہے تھے کہ بادشاہ کی بیماری لا علاج ہے وہ آگرہ کی طرف بدستور بڑھا چلا آیا۔ اور یہ حیلہ بنایا کہ مجھے جندگان والا کی سلامتی کی خبر یہ یقین نہیں آتا۔ اور بالفرض اگر وہ زندہ اور سلامت ہیں تو قدم بڑی مائل کرتی اور ارشاد و احکام سے سر فراز ہونے کی بجھے بڑی تمنا ہے۔ اور نگ زیب نے بھی اسی طرح اپنے اشتہار جاری کئے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور میک انھیں دلوں میں جب کہ سلطان شجاع نے کوچ کیا تھا اُس نے بھی آگرہ کی بقیہ حاشیہ منور گشتہ کی ہوس میں لاسور کے بادشاہی نواز کا پچھڑا کہ روپیہ خراب کر کے پندرہ ہزار روپیہ کی جیسے صف میں لڑائی تک مقابلہ کیلئے آیا تھا کرتا کر کے قتل ہوا اور میں تیکہ دیا اور دواؤں کو تخت پر بٹھایا تو شاہجہاں کا خاص اسی کے ہاتھ کا کھسا ہوا حکم صاف خاں کے پاس پہنچا کہ غنا سب اور معلومت وقت یہ ہے کہ اگر تکس ہر تو دواؤں میں اور اسی کے بھائی کی غنا سب اور مزاد انیاں کے تینوں بیٹوں شہر پار اور پھرت اور ہوشنگ کو ادھاک کر کے چارے پاس سے قدم بڑھا پڑوں کے پانچوں کو چلتا کر۔ تو اصف خاں نے اراوت خاں اور خواجہ ابوالحسن دینو امرا کے اتفاق سے سکھ خطبہ شاہجہاں کے نام کا جاری کر دیا۔ اور ان پچاس پانچوں پگنابوں کو رات کے وقت رہنما سے رخصت کر دیا۔ اور دواؤں انھیں جمادی الثانی مستندہ کو شاہجہاں نے آگرہ پہنچ کر تخت سلطنت پر جلسہ کیا۔

طرف بڑے کاغذ میں کیا اور اگرچہ اس کو بھی دی انتہائی احکام بادشاہ اور دارا شکوہ کی طرف سے پہنچے۔ اور دارا شکوہ نے تو یہاں کھد یا کھتا کہ اگر شرم دکن سے حرکت کر دے گا سزا پادہ گئے۔ مگر شجاع کی طبیعت اس نے بھی وہی جملہ ہنار کا اسی انداز سے جواب روانہ کیا اور چونکہ اس کی آمدنی بہت زیادہ نہ تھی اور فوج بھی بہ نسبت اردہوں کے کم تھی اس لئے اس نے چالاکی سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو صرف اس کی تلوار اور قوت بازو سے غیر ممکن تھی۔ اور چونکہ مراد بخش اور میر علی ہی وہ اپنے غرض تھے جو آسانی کے ساتھ اس کے دم میں آ سکتے تھے۔ اس لئے اس نے مراد بخش کو اس مضمون کا خط لکھا کہ: بھائی تم کو اس آٹھ کے پادشاہ کی کچھ حاجت نہیں کہ امیر سلطنت کی محنت اٹھائی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے اور میں وقت جب کہ دارا شکوہ اور شجاع نہایت سرگرمی سے حصول سلطنت کے لئے کوشش اور سعی کر رہے ہیں تو میں صرف ایک جانی زاری کی حفاظت اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے کی فکر میں ہوں۔ اور سلطنت کے حق حقوق اور دعووں سے میں بالکل دست بردار ہوں۔ تاہم آپ میرے تدبیری اور نہایت گرامی عزیز ہیں غم کو اس رائے اور خیالات سے مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہی نہیں کہ دارا شکوہ فرماں روائی کے اوصاف سے خالی ہے۔ بلکہ لاتمہب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل ناتواں و خست کے لائق نہیں اور بڑے بڑے امراء سلطنت اور ارکان دولت سب اس سے متفر ہیں اور ملی ذالقیاس شجاع بھی سلطنت کے قابل نہیں کہ بعضی مذہب اور ہندوستان کا دشمن ہے۔ پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی کے لائق صرف آپ ہی ہیں۔ اور یہ دے صرف میری ہی نہیں۔ بلکہ اس میں پائے محنت کے مشیر اور امیر ہو آپ کے بے بدل شجاع ہونے کے بدل قائل و معترف ہیں سب شفق المائے اور ہم زبان اور دارالخلافت میں آپ کی رونق بخشی کے منتظر ہیں اور میری بابت تو یہ تصور کر لیجئے کہ اگر آپ کی طرف سے موثقت اور حکم طرہ پر مجھے یہ وعدہ مل جائے گا کہ جب بفضل خدا آپ پادشاہ ہو جائیں گے تو مجھے اپنی قلمرو میں کوئی خلوت کے موقعہ کا گوشہ عافیت باطمینان خاطر عبادت الہی بجالانے کو عنایت فرما دیجئے گا تو میں فوراً آپ کی طرف وادی میں خدمت بجالانے کو آمادہ اور تیار ہوں۔

لے داخل خان سے کہا ہے کہ اس بہت ادنگ نریب کو اس میں خیر و سوار ہوا تھے۔ س م م

شاہجہاں کے اہم قصری اور عمارتیں یہ

اور صلاح و مشورہ سے اپنے دوستوں اور رفیقوں سے اپنی تمام فوج آپ کے حکم کر دینے سے۔ فرض کسی قسم کی دودھینے سے بھی۔ بگے درپٹے نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بفضل آپ کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھیتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ اس کو بطور نذر قبول فرمائیں کہ یہ میری ترقی اخلاق اور خوشی کا باعث ہوگا۔ اور اب ہنر آزمائی اور ہر ہنر خانی کا وقت ہے۔ پس آپ ایک لاکھ بھی ضائع نہ کیجئے اور ساتھ کہ فیض سمجھئے۔ اور جلد ہی سے سہولت کے قلعہ پر جہاں بگے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بادشاہی دفاعی و مواضع، فوج و مخزن ہیں تبصرہ کر لیجئے۔

لے، فاریز ای کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی وقت تھا، جہاں کی بڑی بچی معروف، عظیم صاحب کی جاگیر میں تھی۔

نہ اورنگ زبیں چاہی اور جسکڑوں پر خیال کر کے تو ظاہر انوکڑ برتری کا کھنا بھی پا جا ہوتا
 کہ مراد بخش نے سوچا کیا وہ اورنگ زیب کی تقریب و ترفیب سے کیا گراں وقت کی نسا رہی
 تاریکوں سے بالہ تعلق میں معلوم ہوتا ہے کہ مراد بخش نے جب اپنے سخت بیمار ہونے کی خبر لی تو
 اس کا مراد بخش کے خود بخود سرور کی۔ اور سوچ گھبرات کے بادشاہی دریاں سپہ علی نقی کو برائش
 کی غراہی کی اصلاح کے لئے اور تھا اچھا خواہ جسکڑ جرم و خطا عودا ہے اسے قتل کر ڈالا
 اند بادشاہ بھی کر سخت پر ہیے گیا۔ اور دستور غازیان کے مطابق اپنا شامانہ لقب مروجہ الہی مقرب
 سکے اور غلبہ بھی جاری کر دیا۔ اور مازو مانی کی درستی کے لئے نہ صرف شاہی خوانہ پر تعریف کو لیا بلکہ
 گجرات کے سرداروں اور دولت مندوں سے بھی بہت سامعہ بھر وصول کیا۔ اورنگ زیب ان
 سب حالات کو دیکھ رہا تھا کہ ازراہ احتیاط ایک برس کے قریب تک خاموش رہا۔ مگر جب شجاع نے
 بھی بنگالہ سے کوہ کر دیا تو زیادہ ترقت عظمت نہ دیکھ کر اس نے بھی چڑھائی کہنے کی نشان دہی اور
 بقول ماقبل خان میں کے بیان اکثر ناظرین و ارادہ اور صاف دیا یہ خیال کر کے کہ مراد بخش جو تخت نشین
 ہونے کی بھی حرکت کر چکا ہے ایسے باحوالہ شخص کا دارالحکومت دکن سے آگرہ کی طرف میرے چلے
 جانے کی صورت میں ایسے قریب مقام میں رہنا مناسب نہیں جہاں سے سخت سخت مسوں کے ساتھ
 مراد بخش سے یہ معاہدہ کیا۔ کہ ہم تم شتوں پر آگرہ پر حملہ کریں۔ اور صورت نفع کل مال نیست میں
 سے ایک ٹلٹ تھا دا اور دو ٹلٹ میرے اور سلطنت میں سے لاکھ اور کثیر اور سندھو اور ملک پنجاب
 خضارے تعریف میں آئے گا۔ اور اس میں سکے و غلبہ اور حکومت شاہانہ اختیار رہے گی۔

مراد کی صورت پر فوج کشی | کم تھی بھائی کی اس درخواست سے جس کے ساتھ ایک بڑی رقم بھی آئی تھی بہت ہی خوش ہوا اور اس کی اُمیدوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس اُمید سے کہ جہان اور سپاہی پیشہ لوگ اس کے منصوبوں سے راضی ہو کر فوج میں بھرتی ہونے پر زیادہ راضی اور آمادہ ہوں گے اور اس خبر کو سن کر سوداگر لوگ زیادہ رضا مندی سے بڑی بڑی رقمیں قرض دینے پر راضی ہو جائیں گے۔ جہان سے وہ یہ سفلی طلب کرتا تھا۔ یہ خط چاہتھا دکھا گیا۔ اور اب اس نے بھی نئے سارے کو قرارِ ارشاد و تزک شاہانہ بنانے اور لوگوں کو بڑے بڑے انعام و کرامت کا ستون کیا۔ اور حسن اتفاق سے اسی عہد راقوں میں اس کی تدبیریں اور منصوبہ ایسے بن پڑے کہ بہت جلد ایک خاصی فوج جمع ہو گئی اور مراد نے سب سے پہلے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ زیرِ حکومت شاہ عباس خواجہ سلار پر بٹا دیا اور سپاہی بھی خوش تھا قلعہ سموت کے محاصرے کے لئے بھیج دیا گیا۔

بقیہ ماضیہ صفحہ ۶۶۔ اور میر تقی میر کی روئے کھا ہے کہ سلطان اور مال و دولت کی تقسیم نصف نصف میر تقی میر اور لکھنؤ کا امیر صاحبہ لکھنؤ کے امیر تھانی اپنی کتاب تاریخ ہند میں مکتوبات مالگیری سے اس عہد نامہ کا خلاصہ یہ لکھتے ہیں کہ ہمارا دوست آپ کا دوست اور ہمارا دشمن آپ کا دشمن اور ہمارا انصاف تمام جھگڑوں کے سرکاریات اور کثیر کابل ملتان جیسے بیکر اور تمام اضلاع طبعی مافیہ تک ہم کو دیے جائیں گے۔ گئے داخل خان نے اس خط کا مضامین بیان بھی کیا کہ انھیں صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں خانی خاں کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تھا دائرہ خواہ اور ہمارے مخلص ہوں اور تختِ عظمیٰ ہم کو مبارک ہو اسی پر توجہ اراہ ہے کہ میں کو کہ جاؤں اور کنگز ملت میں ٹھیکہ خدائی یا دکن اور دشا کو چھوڑ دوں اور نصف اس کے لافضیب و لافکر کے مقابلہ پر تھا۔ اساتھی میں ہوں اور اب تک کہ ہمارا باپ بیجا مانا گیا ہے تو ہم کو چاہیے کہ اس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر وہ ہم سے بنانا یہ چاہی آئے تو اس کو اس ناما جب و جب وہاں سے پہنچیں۔ ہمارا شکوہ ہے اس پر مثال لکھا ہے اور اس کی قطع بھی کی معافی چاہی اور اب ای و ص میں بکوبہ مناسبت ہے کہ ہم اپنی نوہیں گنا کر ہی اور کافر مومن سنگہ سے مقابلہ چاہی ہو ہمارے ہاں کے کئے کئے روانہ کیا گیا ہے۔ س م س۔

تہ داخل خان کی تاریخ سے صحیح نام شہباز خان معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ شخص پنج بڑوں کے منصب کا ایک امیر تھا اور آئندہ اس ترجمہ میں شہباز خان ہی لکھا جائے گا۔ س م س

شاہجہاں کے ایام مسیحی اور مہدی حضرت نبی

میر جملہ اورنگ زیب کی قید میں | جب مراد بخش کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اورنگ زیب نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو جس کی شادی شاہ گوکشا کی بیٹی سے ہوئی تھی، میر جملہ کے پاس بھیجا کہ مہرا ہی ضروری کام ہے۔ آپ فوراً یہاں آکر دماغھ سے مل جائیں۔ لیکن میر جملہ اپنی فراست سے اس ضروری کام کو توڑا تاڑ گیا اور جواب دیا کہ کلیاتی کا محاصرہ چھوڑ کر اور غوث سے علیحدہ ہو کر میرا دولت آباد آنا ممکن نہیں اور آپ یقین فرمائیں کہ میں نے آگرہ سے ابھی تازہ خبر پائی ہے کہ شاہجہاں جنوز زندہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے۔ جب تک میرے اہل و عیال و ملک کے قابو میں ہیں میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بلکہ میرا اصل غشا تو یہ ہے کہ میں اس جنگا میں کسی کا بھی طرف دار نہ ہوں۔

جب محمد سلطان نے دیکھا کہ میر جملہ میرے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو وہ نہایت ناراض ہو کر دولت آباد کو چلا گیا۔ لیکن اس ناکامی سے اورنگ زیب کی طرف تاأسیف ہوا اور اپنے دوسرے بیٹے محمد سلطان معظم کو پھرائش کے پاس بھیجا اور اپنی پہلی خواہش کا اعادہ کیا۔ اس شاہزادہ نے اپنے پیام و سلام کو اس غوثی سے ادا کیا اور سابقہ مہبت و اعتماد کو اس قابلیت سے جٹایا کہ میر جملہ اس کی درخواستوں سے انکار نہ کر سکا اور اس نے کلیاتی کے محاصرہ کو اس قدر سخت اور شدید کیا کہ مخالفوں نے ناچار ہو کر آخر کار تلخہ خالی کر دیا۔ اور فتح کے بعد یہ اپنی چھوہ فروغ ساتھ لے کر نہایت مہلت کے ساتھ دولت آباد کو چلا آیا۔ چنانچہ بوقت ملاقات اورنگ زیب نہایت مہربانی اور گرم جوشی سے پیش آیا اور گفتگو میں بابا اور بابا بی و غیرہ مہبت بڑے بڑے تعمیلی الفاظ کے ساتھ اس سے مخاطب ہوا اور اس مبارک مہان کو کئی بار گلے لگا یا اور پھر خلوت میں لے جا کر یہ کہا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ آپ نے محمد سلطان سے انکار کیا تھا وہ مجھ کوئی کے باعث سے تھا اور بے شک میرے سب ہمسیدہ اور دودار اندیش اہل و دیار کی بھی یہی رائے ہے کہ جب تک آپ کے اہل و عیال و دارا شکوہ کے قابو میں ہیں آپ کو ملالہ اور سر ملا کوئی ایسی حرکت ہرگز نہ کرنی چاہئے جو ہمارے حق میں منہ پر نظر آتی ہو۔ لیکن آپ جیسے خیل شخص کو بھڑکانے کی کیا حاجت ہے کہ دنیا میں ہر شکل کام کی آخر ایک تہ میرے۔ چنانچہ ایک منصوبہ میرے خیال میں آیا ہے جس سے بقا ہر اگرچہ آپ حیران ہوں گے لیکن جب

اُس کے نشیب و فراز پر بخوبی غور کریں گے تو بے شبہ آپ کے اہل و عیال کی سلامتی کے لئے ایک یقینی ذریعہ ہو گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ بظاہر قید ہو جائے گا اور اگر لیں اس سے تمام جہان کو میری آپ کی دشمنی کا یقین کامل ہو جائے گا اور اس حکمت سے ہم اپنی تمام خواہشوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی شخص سرگز ایسا گمان بھی نہ کرے گا کہ آپ جیسے رزمہ کا کوئی آدمی اس طرح اپنی خوشی سے قید ہو جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی میں آپ کی فوج کا ایک حصہ میں وضع اور حیثیت سے آپ کو پسند اور مناسب معلوم ہونے پر رکھ لوں گا اور جیسے یہ بھی یقین ہے کہ میں طسریع پہلے آپ بار بار مجھ سے دوسرے کہتے رہے ہیں اس وقت کچھ روپیہ دینے سے بھی انکار نہ کریں گے۔ کیونکہ مجھے روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور آپ کے اس روپیہ اور لشکر سے میں اپنی بخت آزمائی کروں گا پس اجازت ہو تو میں آپ کو اسی وقت قلعہ دولت آباد میں پہنچا دوں۔ اور اس جگہ میرا ایک بیٹا آپ کا گروان حال رہے گا اور اس کے بعد ہم اور آپ اس ہم کو سرانجام دینے کی تہا پر ہر باہم غور و فکر کر سکیں گے اور اس صورت میں سرگز میرے خیال اور قیاس میں نہیں کہ اس کا دارا شکوہ کے دل میں کوئی مشہہ پیدا ہو اور وہ ایسے شخص کے اہل و عیال سے کوئی ہر سلوکی کرے جو بظاہر میرا اس قدر دشمن ہو۔

ہم معتبر سند سے بیان کر سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کی تحریر کا مدعا یہی تھا۔ اور اگرچہ وہ خیالات اور حالات جن کو سوچ بھکر میر محلہ نے ان خواہشوں کا جواب دیا ہوگا سنو فی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اُس نے ان سب باتوں کو قبول کر لیا تھا یعنی وہ اس پر بھی راضی ہو گیا تھا کہ اپنی فوج کو اورنگ زیب کے زیرِ حکومت کر دے۔ اور روپیہ کا دینا بھی قبول کر لیا۔ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اُس کی مرضی کے مطابق صحیح قید ہو کر قلعہ دولت آباد میں چلا گیا!

اب اس معاملہ کی نسبت بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ میر محلہ کو اورنگ زیب نے بھابھا بھجا کرنی الواقع اس بات کا یقین دلایا تھا کہ آپ کے ہر غامندی قید ہو جائے سے بہت فائدہ ہوں گے۔ اور چونکہ پہلے سے آپس میں دوستی اور اتحاد تھا۔ اس وجہ سے اورنگ زیب نے اُسے قید ہو جانے پر خوشی راضی کر لیا تھا۔ اور بعض کی یہ دلتے ہے (جو غالباً زیادہ معقول اور قرین قیاس ہے) کہ اُن نے صرف مور کے مارے ان باتوں

شاہجہاں کے ایام امیری بعد صبر اور نگہ ریب

کو قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے دو جوان بیٹے ایک سلطان مسلم و دوسرا مصلحت اس ملاقات اور سوال و جواب کے وقت سر پہ کھڑے تھے اور اگرچہ سلطان مسلم کا صلح ہونا بھی زبان حال سے گویا بھی کہ رہا تھا کہ انکار کی حالت میں بہت ہی بُرا ہو گا مگر مصلحت سلطان کو بچا ہی نکھارنے ہوئے سوچوں کو اس طرح تاؤ دے رہا تھا کہ بس باری ڈانے گا۔ اور یہ نگر اسی ملاقات کے معاملہ میں میر جملہ کی طرف سے اس کی کافی توہین و تحقیر ہو چکی تھی اور اس کا چھوٹا بھائی اپنی سفارت میں سرخ رو اور کامیاب ہوا تھا۔ اس لئے اُس کو اپنی رنجش پر مشیدہ رکھنے کی کچھ پروا بھی نہ تھی۔

ملکہ فارسی زبان کی تاریخیوں سے اس کی گرفتاری کے واقعہ کی تفصیل و تشریح یوں پائی جاتی ہے کہ جب مہابت خاں و میر جملہ و دیگر بادشاہی امیروں نے جہانگیر کی مہم میں اورنگ زیب کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ اول تلہ ہمدرد (جد) اور پھر کلیان کے بھی شہادت مضبوط اور شکم تلہ کو سخت مقابلہ کے بعد جہانگیروں سے چھین لیا۔ اور شاہجہاں نے اورنگ زیب کی وادعی فتح لا منظور اگر ہمدرد کا مفتوں ملک سے تلہ رام گڑ کا اورنگ زیب کو کسی خدمت کے صلہ میں بخش دیا اور اُس کی تنخواہ بارہ کروڑ دام یعنی ایک کروڑ سا لاکھ ملا وہ اور علیوں کے حقوق کو دی اور مسلم خاں۔ شہنشاہ خاں۔ مہابت خاں۔ شہنشاہ و دیگر امیروں کو بھی جنھوں نے اس مہم میں نمایاں کام کئے تھے اضافہ مناصب اور عطائے خلعت و غیرہ سے سرفراز کیا گیا۔ اور ملاہ شیشی تلہ دار کلیان تلہ چھوڑا کر جب جہانگیر پہنچا۔ اور جہانگیر وطن کو واپس ہو گیا کہ اب بغیر اطاعت کے چارہ نہیں انھوں نے اپنا ایک مستر شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس بھیج کر ایمان مانا۔ اور آخر الامر یہ فیصلہ ہوا کہ ایک ایسی بھاری چٹائی کش داخل کریں جو جہانگیر اور احمی اور نقوی وغیرہ ملا کر ڈھنگ سے کھڑے ہو کر تلہ دار کے قدموں سے کم نہ ہو۔ اور تلہ ہمدرد سے مضامات اور ملک کو کئی کے تمام تلہ اور کچھ اور ملاقاتیں بادشاہی عہدہ داروں کے حوالہ کریں۔ اور جب یہ سب حال اورنگ زیب سے بادشاہ کو کھیا اور اُس نے نکال پھینکا۔ اور رم کے چٹائی کش کی تعداد ہمدرد کا اس لاکھ کی تحفیف کدی اور شاہزادہ کے ہم قرآن کھیا گیا کہ تاضی نغما کو تحصیل چٹائی کش کے لئے مامور کر کے خود دولت آباد کو طلبائے اور مسلم خاں جب ملک مشرق کے حصوں کے قرار دھنی ہندوستان سے فارغ ہو جائے تو قزاقانہ کی چٹائی کش دھنا ضی نغما سے کراتے اُس کو ساتھ لے کر حضور ہی حاضر ہو جائے ابھی ان شرطوں کی تفصیل نہیں ہوئی تھی اور اورنگ زیب تلہ گلبرگ کو گھیرے ہوئے تھا کہ اسی افراط میں بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اور ملاہ شکوہ سے ایسے بڑے امیروں کا اورنگ زیب کے پاس اس وقت ہمدرد ہنا اپنے حق میں بیہوش ہو چکا تھا کہ مہابت خاں

بسطہ سرحد شستہ۔ دو حرمیں، فیروز کے نام بادشاہی فرمایا جاری کروئے کراش کی اجازت اور ہم اجازت کی مطلق ہدایت کر کے بلا توقف آگرہ کو پہنچے آئیں۔ جہانگیر سوائے بھارت خاں اور شاہجہاں خاں اور میر جلال کے سب سے آئے۔ بلکہ میر جلال کو تو ہمدردی سے معزول کر کے حاضر ہار ہوئے کا حکم بھیجا گیا دیکھ کر اننگ نریب کا حرم خاص بھیجا گیا تھا، اور میر جلال خاں کو جو باپ کی جگہ نیا بادشاہت کرتا تھا کام سے بطور کیا گیا اور اسے دلیان دیا اور رگستاخ سرگرم کار کے لئے قائم مقام کے طور پر مامور ہوا۔ دلا شکوہ سے ان امیروں کے واپس بلائے گئے یہ بہاد بنا یا تھا کہ شہانہ سے بگاڑنے پر بارہوا فاسد کو پتہ کر دیا ہے اس نے ان کا سر ان کی فروع کے پاسے تخت میں حاضر ہوا مناسب ہے ان سبیل کے چلے آئے۔ اور اننگ نریب کو نہایت وقت پہنچ آئی۔ کہہ کر اعلیٰ تر بادشاہ کی سخت بیادہی ہی کی خبر کیا سن کر چار پلوں کے دل بہت بڑھ گئے تھے۔ اور اس پر اپنے نام اور صاحب فوج امر کے چلے جاتے سے ان کو اور بھی زیادہ دلیری ہو گئی۔ اور اننگ نریب کے لشکر میں جو ہندو گھبر کر گھرے ہوئے تھا بہت اجڑی اور کھوئی ہوئی ہوئی گئی۔ گروہ سب حملہ اپنی ثابت تھی اسے مستحکم علی سے نہایت متانت اور دھار کے ساتھ میں طرح میں پڑا ہندو مت مناسب کر کے حوت اور نیک نامی کے ساتھ دوسرا آباد میں دلیان بھیجا اور جب اس سے شتا کو میر جلال بھی جو اب تک پٹی کش کی تحصیل اور مغزوہ تھوں کے نعم و نعم سے غارت نہیں ہوا تھا۔ نہایت خاں اور ستر سال کی طرح آگرہ کو جانے والا ہے۔ اس سے خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دولت مند بادشاہ صاحب فوج و لشکر امیر ایسے دولت میں دلا شکوہ کے پاس جا پہنچا تو میری ساری اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی پس اس کے کہاٹنے کے لئے جتنی ہر نکالی کر اس کے پاس پہنچا۔ بھیجا کہ چونکہ ہم آپ کو اپنا بیٹا برا غلام اور غیر اعلیٰ جانتے ہیں اگر آپ ہم سے علی کو اور رخصت ہو کر آگرہ کو جائیں تو مناسب ہے۔ اور جب اس نے آئے سے پہلے ہی کی اور دیکھا کہ میر سے نام نرمان آچکا ہے اس لئے مجھ میں۔ اور اننگ نریب نے اس کے تالو میں دینے کے لئے اس پر تہ اپنے برسے جھٹھ اور سلطان کو بھیجا اور یہ بیٹام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اس لئے میں ضرورتاً اپنی تھلے میں آپ سے کچھ سنی و اہیات سے ہیں اور اس صورت میں آپ کا ہم سے مل کرنا جاری نہایت ہی خوشی کا باعث ہو گا۔ اور سلطان نے باپ کی نہایت کے موافق ایسی چکنی چڑی تیار کیا تھی اور ایسا ملتی کیا کہ وہ باوجود خوش خوش لئے کو چھٹا آیا۔ اب چونکہ یہاں پہلے ہی سے سب تھاری کی ہوئی تھی اور بارگ تھانے کے لئے منتظر تھے ہوں ہی اس نے غلوت خانہ میں تھم دیکھا تھاب امدت آپ فوراً گرفتار کر لے گئے اور اس کے قریب کے لئے گئے تھے اور الہ اسباب اور مال

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور عہدِ اورنگ زیب

اقتصادِ میر جملہ کی گرفتاری کی ضرورت نام ہو گئی تو اس کی فوج کے اس دستے سے جو بھاہر سے اس کے ساتھ آیا تھا بڑے زور سے کہا کہ ہمارے سردار کو چھوڑ دیا جائے اگر اورنگ زیب اپنی حکمتِ علی سے فوراً اُن کی تسلیِ تسخیری ذکر دیتا تو بے شک وہ اپنے سردار کو چھوڑا لیتے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو تو یہ سمجھا کر کہ وہ بالکل اپنی خوشی اور مرضی سے نظر بند ہوا ہے اپنا وفاق بنا لیا۔ اور اُن کے ذہنِ نشین کر دیا کہ یہ محض ایک حکمت اور منصوبہ ہے جو اصل میں ہماری اور امیر کی باہمی صلاحات ہی سے بخوبی ہوا ہے۔ اور سپاہ کو خوب دل کھول کر انعام و اکرام دینے یعنی سرداروں سے تو انہیں ترقی کے صرف بڑے بڑے وعدے ہی کئے مگر سپاہیوں کی تنخواہ حقیقتاً بڑھادی بلکہ بطور ثبوت صداقت اپنے وعدوں اور اظہارِ سیرِ چشمی کے فوراً تین چھینے کی تنخواہ بطور پیشگی دیدی اور اس تدبیر سے میر جملہ کی فوج اس مہم میں شریک ہونے کو راضی ہو گئی جو اورنگ زیب کے نظرِ حتمی اور اب اس کے پاس لڑنے بھرنے کے لائق اچھی خاصی سمجھت ہو گئی۔

اورنگ زیب کی صورتِ روانگی | اس کے بعد اورنگ زیب نے سورت کی طرف کوچ کیا کیونکہ اہلِ تلخہ خلافِ توقع اب تک مرادکش کی فوج سے مطلوب نہ ہونے لگے اور اورنگ زیب کا مدعا یہ تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ تلخہ فتح ہوگا لیکن اس نے کوچ سے چند روز بعد یہ خبر پائی کہ وہ فتح ہو گیا۔ پس اس نے مبارکباد کا خط مرادکش کو تحریر کیا اور اس میں میر جملہ کے ساتھ گندے ہونے واقعاتِ بخیر کئے اور کہا کہ میں نے ایک جہازِ فوج جمع کر لی ہے اور غزا دیکھی بافراط موجود ہے اور مددِ بدامراتے و رہا رہا شاہی سے بھی سب طرحِ بخت و بجز ہر ممکن ہے اور بیستم پور اور آگرہ کی طرف چل پڑنے میں بقیہ حاشیہ منوگذاشتہ = شہرت و حشمت سب قلوب میں کر لیا گیا اور اس کے لاکھ چاکر اور فوج لاکھ روپی گئی اور ان خواہش اور مال اور سپاہ کے انتہا آجاتے سے اورنگ زیب بڑی اس بڑی مہم کا انجام دینے کے قابل ہو گیا۔ اور چونکہ اس نے اب کسی پر وہ نہیں اُٹھا یا تھا اب کہ یہ کھسکا گندی کو منعم خان کے اور شاہِ دلاور سے بد وفاتی اور درگزر کی بر آتی تھی اس لئے میں نے اس کو پکڑ کر قید کر دیا ہے اور اگر ایسا دکرنا تو بے شک وہ بھاگ کر پھر دکن کے سرداروں سے ملتا مددِ غرنازا پھر الشاہِ دلاور و تانچہ مائل خان، س م ج

ملے اصل کتاب میں جاہاں پر درکھا ہے مگر سچ نام برائے ہے اس لئے آئندہ اس ترجمہ میں برائے پر

اب میری طرف سے کچھ در نہیں ہے اور انتہائی کہ آپ کو چاہیے میں وہی نہ کیجئے اور دونوں لشکروں کے مل جانے کے لئے کوئی جگہ قرار دے کر جلد مطلع کیجئے۔

قلعہ سورت کا خزانہ | قلعہ سورت میں خلاف مراد تھوڑا سا خزانہ ملنے سے مراد بخش بہت ناامید ہوا اس کی کاسبب باتو یہ تھا کہ محض سہاقت آمیز افواہوں سے اس کی اس قدر کثرت مشہور ہو گئی تھی یا یہ وجہ تھی وجہاً کہ عمرٹا لوگوں کو شہہ تھا کہ وہاں کے قلعہ دار نے بہت سا خود برد کر لیا تھا بہر حال جو وہاں مراد بخش کے ہاتھ لگا رہا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ اُس سے فقط اُن سپاہیوں کی تنخواہ دے سکا جو اس طبع ہر لوکر رکھ لئے گئے تھے کہ سورت سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آئے گا۔

قلعہ کی فتح کا راز | سورت کے محاصرے اور اُس کے فتح کرنے کی مدھیروں میں مراد بخش کی کوئی جنگی لیاقت ظاہر نہیں ہوئی۔ کونکہ اوصاف اس کے کہ قلعہ کی تفصیلیں جیسی چاہئیں جنگی قاعدہ کے مطابق خوب مستحکم نہ تھیں۔ پھر بھی باوجود سہست ہٹی کر مششوں اور عرق ریزیوں کے اہل قلعہ ایک پہنچے تک ہر ابر لڑا کئے اور جب تک کڑی قوم کے فرنگیوں نے سرنگ لگانے کی حکمت نہ سکھائی محاصرہ و فیروہ سے کچھ فائدہ نہ ہوا البتہ جب ان کی پہنچ ہی پہل کی سکھائی ہوئی تدبیر سے قلعہ کی تفصیل کا ایک بڑا حصہ اڑا دیا گیا تو محصوروں نے متحیر ہو کر اور بعض شرطیں لے کر قلعہ حوالہ کر دیا۔

اس فتح سے مراد بخش کا بڑا نام ہو گیا اور وہ باتیں اُس کے پیش نظر تھیں اب اُن کی درستی میں بڑی آسانی ہو گئی اور چونکہ سرنگ لگانے کی تدبیر سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف نہ تھے اس لئے مراد بخش کی اس نئی حکمت نے لوگوں کے دلوں پر بہت ہی عجیب اثر کیا۔ اس کے علاوہ یہ بات طلی العموم مشہور ہو گئی کہ سورت کا بہت سا وسیعہ مراد بخش کے ہتھ چاٹنے سے گزشتہ، کھسا جائے گا۔ یہ خبر اس وقت صوبہ خاندیں کا دارالحکومت تھا اور دکن کا دروازہ سمجھا جاتا تھا گراں رانہ میں انگریز کی چیف کٹری میں طلی سٹا کے ضلع ایک تحصیل کا مقام ہے یہ دریا سے تلہی کے کنارے آباد ہے۔ اور قریب تیل جڑا کی آبادی ہے۔ س م س۔

لے یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے چھپتی سٹائیں برس پہلے ایک ہزار ہا میں بھری ہوا شاہجہاں کے سرداروں نے ہنگیزوں پر مقام ہو گئی سرنگ ہی اڑا کر نئے پانی تھی جس کا مال ہم آئندہ ایک اور مقام پر کتاب بادشاہ نامہ سے نقل کریں گے۔ س م س

بانتہا گیا ہے۔

لیکن آج وہ اس تمام شہرت اور ناموری کے جو اس فتح
 مراد کو شہباز خواجہ سر کا مشورہ سے حاصل ہوئی تھی اور باد صف اور رنگ زیب کے
 بہت سے خوشامیوزانہ لہر فربہ و مددوں کے شہباز خواجہ سر مراد بخش کو یہی بھاتا رہا کہ
 آپ بھائی صاحب کی فضول باتوں پر ہرگز بھروسہ اور اعتبار نہ کریں اور جلد بازی کر کے
 ان کے قلم میں نہ آجائیں اور اس غیر خواہ خواہ سے صاف کہہ دیا کہ آپ اب بھی میری صلاح
 مان لیں اور اگر آپ کی ایسی ہی مرضی ہے تو میرا رنگ زیب کو چکنی پنڈری باتوں میں بچھلے
 رکھیں لیکن غوث اور لشکر سمیت اُس سے جا کر شامل ہو جائے گا اور ہرگز نہ فرمائیں اور
 بفضل آگہ کی طرف اُس کو اکیلا ہی جاننے دیں رفتہ رفتہ جب ہم کو بادشاہ کی صحت اور مرض
 کی پختہ خبریں اور صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے تو اس وقت یہ مصلحت معلوم ہوگی اُس پر
 عمل کیا جائے گا اور اس عرصہ میں آپ قلعہ سورت کا استحکام کر لیں جو ان اطراف میں سب
 سے زیادہ کارآمد مقام ہے۔ اور اس جگہ کے قابو کر لینے سے ایک وسیع سیر حاصل اور نہ غیر
 ملک کی حکومت آپ کے ہاتھ آجائے گی اور پھر تھوڑی سی عرصہ میں مشہرہ برہان پور بھی
 صوبہ دکن کا دروازہ اور نہایت کارآمد مقام ہے آپ کے قبضہ میں آجائے گا مگر چونکہ
 مراد بخش کے پاس اور رنگ زیب کے خطوط برابر چلے آتے تھے اُس نے اپنا ارادہ ترک نہ کیا
 اور پھر اسے شہباز کی صلاح نہ مانی۔ یہ دانا اور دوراندیش امیر نہایت ہی بے ایمان سمجھے
 آقا کا ولی غیر خواہ تھا۔ میں اس جوان شاہزادہ کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اگر اُس
 کی مستقل صلاح کو مان لیتا۔ لیکن اول تو بادشاہ میں جانے کے بے حد شوق ہی میں
 مراد بخش اندھا ہوا تھا۔ اور اس پر اُس کے مکار بھائی کے خط جو جاں نثانی اور
 ہوا خواہی کے وعدوں کے اظہار میں روز بروز چلے آتے تھے بڑے محرک تھے اس کے
 علاوہ اُس نے یہ بھی سوچا کہ یہ ہم میں بادشاہی اور سلطنت حاصل ہو جانے کی امید
 ہے۔ مجھ سے اکیلے انجام نہ پاسکے گی۔ اس لئے اُس نے احمد آباد سے جہاں وہ ٹھہرے
 ڈاٹے پڑا تھا کو چاکر کر دیا۔ اور ہرات سے روانہ ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں کا سہارا سے
 اختیار کیا تاکہ جلدی سے اس جگہ پہنچ سکے جہاں اور رنگ زیب چند روز پہلے سے اُس کے
 اختیار میں ٹھہرا ہوا تھا۔

دو دن بھائیوں کی ملاقات | انصہ جب دونوں لشکر منتقل کئے تو بڑی خوشیاں اور

حشمن منائے گئے۔ اور اورنگ زیب نے اپنی محبت کے پائدار اور مستحکم اقرار از سر نو تازہ کئے اور اپنی کمال بے غرضی اور بے غشی کا اظہار کیا۔ اور دونوں بھائی کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے اور اورنگ زیب بار بار یہی جتا تا سنا کہ اور شاہی اور سلطنت کی تو بگے ورا بھی ہوس نہیں اور یہ فوج کشتی میں سے صرف اس واسطے کی ہے کہ جس طرح بن پڑے وارا شکوہ سے جو میرا اور آپ کا کھلا دشمن ہے۔ اور ہرگز آپ کو اتنے سلطنت پر غالی پڑے جیسا وہ میں نے اسے میں دونوں زمین تخت کی طرف جاری تھیں۔ اورنگ زیب چند حاضر و غائب خاص و عام کے دو برس میں طرح پرکھیاں کی رہا یا کے لوگ بادشاہ کو حضرت لکھ بڑے ہیں مراد بخش کہ یہی افلا لکھ مراد بکرتا تھا اور ہر مرتبہ پھر ہی تعظیم و تکریم سے پیش آتا تھا۔ اور فی الواقع یہ بات نہایت عجیب ہے کہ مراد بخش نے اورنگ زیب کے خلوص نیت پر کچھ بھی مشہد نہ کیا اور وہ ملائیم و فائز ہی جو کہ گلشا کے معاملہ میں وہ ابھی کر چکا تھا ایسی سرسبز بات سے بھی اُس کے دل پر زرا اثر نہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ یہ شاہزادہ اپنی غیالی سلطنت کی ہوس میں ایسا اندھا ہوا ہوا تھا اور عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اتنی سوتی بات بھی اُس کی سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص کل اس قدر بے ایمانی کے ساتھ ایک سلطنت کے ہمیں لینے کے لئے کوشش کر چکا ہے۔ آج کس طرح ممکن ہے کہ اُس کے خیالات ایسے چل گئے ہوں کہ بھڑا نذرانہ گدوان کرتے کہ اُس کی کم اور آرزو ہی نہیں ہے۔

اب ان مختلف فوجوں نے ایک بڑی شان و شوکت پیدا کی فوجوں کا آگرہ کی طرف کوچ | اور ان کے کوچ کی خبریں سن کر پائے تخت میں ایک

لحہ فارسی زبان کی زبانیں میں لکھا ہے کہ شاہ بہاں کی بیاری کے خروار سے ایک برس بعد کم جمادی الاول سنہ ۱۰۹۱ ہجری میں اورنگ زیب نے آپ کی میادت کے بہانے سے دولت آباد سے برہان پور کی طرف کوچ کیا تھا اور مراد بخش کو ساتھ لینے کی نسبت یہ حملہ بنایا تھا کہ سکا در نعلہ و فیروہ مادی کرنا کی بے ادبی جو اُن سے ہو گئی ہے اس نے اُن کو خطا صاف کرانے کی خاطر اپنے ساتھ لے لیا چاہتا ہوں۔ اور یہ دونوں شاہزادے بہت اہم و مال پر راہیں سے تقریباً بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ملائی ہوئے تھے۔ س م م

تھلک پڑ گیا۔ اور داما شکوہ تو اس قدر شوش اور مضطرب ہوا کہ جس کی انتہا نہیں۔ اور انجامِ کار پر نظر کر کے شاہجہاں بھی ٹوڑ گیا۔ اور اگرچہ اپنے خیال میں اس فساد کے حالیہ نتائج کی نسبت اُس نے کچھ ہی اندازہ کیا ہو۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اورنگ زیب کی قابلیت اور وفائی اور مداخلت کے تہہ اور فحاشیت کے متعلق ہو جانے سے ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو ناممکن الوقوع ہو۔

شاہجہاں نے ہر چند اُن کے پاس تو قاصد یہ قاصد یہ پیغام دے کر روانہ کئے کہ بادشاہ کو اب آرام اور افاقت ہے۔ اور اگر تم اپنے مولیٰ کو لوٹ جاؤ گے تو تمہاری اس حرکت سے چشم پوشی کی جائے گی اور داخلِ نافرمانی نہ سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ سب تھوڑے ہی اور احکام بنے فائدہ تھے اور شہنشاہِ نو میں برابر بڑی سی پٹی آتی تھیں۔ اور چونکہ بادشاہ کی عداوت واقعی مہلک بھی جاتی تھی۔ اس لئے یہ اپنے وہی عذر اور بہانے کئے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خط خطوط مشاہی تمہیں لگ کر آتے ہیں وہ جلی اور بالکل داما شکوہ کی بناوٹ اور ایجاد ہیں۔ اور "حضرت" یا تو سرچکے یا قریب المرگ ہیں۔ اور بالعرض اگر ہماری خوش نصیبی سے وہ زندہ ہیں تو ہم ان کی قدم بوسی کے شقائق ہیں۔ اور داما شکوہ نے جو انہیں ہر طرح سے بے بس اور بے اختیار کر رکھا ہے اس حالت سے بھی ہم اُن کو نکالنا چاہتے ہیں۔

شاہجہاں کی مجبوریاں ان دنوں شاہجہاں کافی الواقع بہت برا حال تھا اور علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً داما شکوہ کے پنجہ سرکشی میں پسنا ہوا تھا۔ اور اوہر تو داما شکوہ کے دل میں قہر و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور لڑائی کے سوا کچھ خیال ہی نہ تھا اور مستعدی کے سامعہ تیاری کر رہا تھا اور ہر شاہجہاں کے دوسرے بیٹے باپ کے تاکید اور متواتر احکام پر مطلقاً نفاذ اور انتقام نہ کر کے برابر آگرہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے اور ایک طرف بیچارے بادشاہ کو یہ فکر تھی کہ اگر میرے بیٹے کئے ہوئے دینے اور خزانے ان لوگوں شاہزادوں کے ہاتھ آجائیں گے تو خدا جائے کس کس طرح اٹا کر ہر بلا و ہتلف کر دیں گے۔

شہارح کی پیش قدمی غرض کہ جب اس بڑے بادشاہ کو کوئی چارہ باقی نہ رہا تو اُس نے مجبور ہو کر اپنے وفادار جنگ آزمودہ اور کار آگاہ سواروں

کو اپنے پاس طلب کیا۔ اگرچہ یہ امر داراشکوہ سے اکثر ناموافق تھے اور بادشاہ کو بھی اُس کی بہ نسبت اپنے تینوں عملاً آور بیٹوں سے زیادہ محبت تھی۔ لیکن مصلحت و وقت کا کچھ اور تقاضہ تھا۔ اس لئے انہیں امیروں کو جو اکثر اُس سے ناراض تھے اپنے باغی بیٹوں کے مقابلہ پر سر لشکر بنا کر بھیجنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس بات کا لحاظ کر کے کہ دوسرے شجاع بڑھا چلا آتا تھا اور سرکارِ زیادہ اندیشہ تھا۔ ایک فوج تو فوراً اُس کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی گئی اور ایک دوسری فوج اس غرض سے تیار اور جمع کی گئی کہ بشرط ضرورت اورنگ زیب اور مراد بخش کی خلف فوج سے جنگ کرے۔ چنانچہ داراشکوہ کا بڑا بیٹا ملیاں شاہ اُس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ شجاع کے مقابلہ کے واسطے بھیجی گئی تھی۔ اس کی عمر فریب بچپن برس تھی اور بڑا خوبصورت اور وجیہ اور بخشنے والا تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے اور تاملت و لیاقت میں بھی بہت خاص تھا۔ شاہجہاں کو بھی اپنے اس بدو سے بہت محبت تھی اور اُس نے کئی بار اس کو بہت سامانِ دولت دیا تھا بلکہ یہ ارادہ تھا کہ داراشکوہ پر اس کو ترجیح دے اور اپنا ولی عہد مقرر کرے۔

شجاع کی شکست بدو شاہجہاں کا اصل مطلب یہ تھا کہ اس غیر ملکی اور ناقص کے سامنے اپنی لاکھوں غزنی دھبے پاتے اس لئے اُس نے ایک مسن راہ کو جس کا نام طعنے سنگ ہے اور جو اس وقت کے راجاؤں میں سب سے زیادہ دولت مند اور غالباً ہندوستانی بھرت میں سب سے زیادہ قابلِ شخص ہے بطور مشیر خاص اپنے بدو سے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اُس کو پوشیدہ طور پر یہ ہدایت کی کہ حتی الامکان جنگ نہ ہونے دینا اور شجاع کو بھارت میں کوئی دقیقہ اعتما نہ رکھنا کہ وہ اپنے متعلقہ صوبہ کو لوٹ جائے بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اس سے کہہ دینا کہ ارشادِ شاہی کے مطابق واپس چلے جانا تم پر صرف فرض و واجب ہی نہیں بلکہ فنِ حکومت و سلطنت کی دوسری بھی یہ امر نہایت ضروری ہے کہ تم سرورست اپنے زور و طاقت کا اظہار نہ کرو اور جب تک کہ ایک ٹھیک اور مناسب شاہِ راجہ سے سنگم کچھا اور تم سے پورے سرواہے میں کو فدا و راجہ کے علاوہ شاہی خاندان کے شاہزادوں کی طرح مرزا کا سرِ خطاب بھی لاہر تھا دماغی ہو کہ چلے۔ کی ریاست ہمارے اس زمانہ میں بھی کچھ اہم قریبی کے راجہ ت خانان تھا۔ تاہم یہ اور خاص آملی اس ریاست کی سوتے جاگیروں اور صانیات کے بیجا لیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اس کی بھی نذر دوسروں کی مانند رہے جس میں تقریباً میں لاکھ آدمی بٹے ہیں۔ س م م

شاہجہاں کے نام امیری اور مہر دے گئے ہیں

موت بعد اس کام کا آجائے یعنی تادیق کے ہماری بیاری شہرہ ہلاکت نہ ہو جائے یا اور نہ
اور مراد بخش کی قسمت نہ ہوں کا کچھ اختتام نہ معلوم ہو چکے ایسی جلد بازی تمہارے لئے
مصلحت نہیں ہے ۔

لیکن بے سنگہ کی کوششیں التماس جنگ کے باب میں سب بے سود رہیں کیونکہ
ادھر تو سلطان شکوہ بلند ہو چکی اور لڑ جانی کے نش میں جنگ جونی کی آہنگ اور
ناموسری کے شوق سے بیجا بے سود رہا تھا۔ اور شجاع کو یہ خیال تھا کہ اگر کوچ میں دیر
کروں گا تو انقلاب ہے کہ اور رنگ زیب وارا شکوہ کو مغلوب کر کے دارا سلطنت آگرہ اور
دہلی پر قابض ہو جائے ہیں ہوں ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کو کھائی دینے لگیں فوراً
دونوں طرف سے داناں گولہ اندازی شروع ہو گئی ۔

لیکن میں اس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس لڑائی کے حالات پر تفصیل بیان
کروں کیونکہ اس دوسری لڑائی کے واقعات جو اس سے زیادہ اہم ہیں بیان کرنے
ہیں اور ناظرین کے لئے یہاں پر صرف اتنا کھدینا کافی ہے کہ دونوں طرف سے بڑی
سختی اور سرگرمی سے ملنے ہوئے اور ایک بڑی کوشش کے بعد سلطان شجاع کو ایسا
مغلوب ہونا پڑا کہ آخر کار سربس ہو کر بھاگ نکلا۔ اسی وقت ہے کہ اگر بے سنگہ اور اس کا
دلی دوست دہر خاں پٹھان ہوشیار ہوا اور سبھی متفقہ طور پر چپے رہتے تو فوج
مخالف بالکل تباہ ہو جاتی بلکہ خود شجاع بھی گرفتار ہو جاتا۔ لیکن راجہ نے ازراہ دانائی
مناسب نہ بانا کہ شاہی خاندان کے شاہزادے اور اپنے آتما کے پیٹے پر ہاتھ ڈالے اور
یہ بھی ہے کہ اس نے شجاع کو بھاگ جانے کی مہلت دینے میں بادشاہ کی ہدایت پر

لے تادیبی زبان کی جارہی تھی بے سنگہ کے ساتھ دوسرے امیر کا نام بہادر خاں لکھا ہے اور دہر خاں کو
مرتضیٰ غلط ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہر خاں کی جگہ غلطی سے دہر خاں چھپ گیا ہے۔ کیونکہ اگر تادیبی
حرف نام ہو ہے کہ شکل خوب تر ہے۔ مرزا محمد کاظم مصنف مالگیر نامہ لکھتا ہے کہ باقی ایک مخالف
بہادر خاں جو دارا شکوہ کے عہد واکروں میں سے تھا اس کو اس ہم میں دارا شکوہ نے سلطان شکوہ کے
ساتھ بطور حلیہ کے بھیجا تھا۔ اور اپنی کل فوج کی سوا ہی بھی اسی کے حوالہ کی تھی۔ اور اسی کتاب سے
معلوم ہوتا ہے کہ دہر خاں بھی ایک امیر خطائی نامہ لکھتا تھا اس میں میں سلطان شکوہ کے ساتھ
بیچے گئے تھے ۔ س م ج

مل کیا۔ اس شکست میں اگرچہ شجاع کا کچھ زیادہ نقصان نہ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ سلیمان شکوہ کے ہاتھ رہا اور چند توہنی بھی اس کے قبضہ میں آگئی تھیں اس لئے دوبارہ شاہی میں یہ خبر عام ہو گئی کہ سلیمان شکوہ نے کامل فتح پائی اور اس سے سلیمان شکوہ کی نیک نامی اور شجاع کی بڑی چٹائی ہوئی اور انہی ایامی امرائے دربار کی سرگرمی اور دل سوزی بد بھی جو شجاع کی طرف ماری کرتے تھے اس پر گئی۔

سلیمان شکوہ کی واپسی | سلیمان شکوہ ابھی شجاع کے تعاقب میں لگا ہوا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگ زیب اور مراد بخش بڑی مستعدی اور استقلال سے آگرہ کی طرف بڑھے آتے ہیں۔ اب چونکہ اس کو اپنے باپ کی عقل و دانش کا اندازہ بخوبی معلوم تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے گرد وہ پیشہ پوشیدہ دشمن جمع ہیں اس لئے کمال دور اندیشی سے آگرہ کو واپس آنے کا مادہ کیا۔ کیونکہ ملن غالب بھی تھا کہ دارالسلطنت کے آس پاس ہی کہیں نہ کہیں دارا شکوہ ان سے لڑے گا۔ سب لوگ شفیق الرائے ہیں کہ سلیمان شکوہ کی یہ تجویز بہت ہی دانائی اور ہوشیاری کی تھی اور اگر یہ لزجوان مشہور اور اپنی فوج سمیت بروقت پہنچ جاتا تو اورنگ زیب ان کی ایسی بڑی فوج سے ٹکر لینے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا بلکہ شاید مقابلہ ہی نہ کرتا۔

شاہی فوج کی زوالگئی | بادشاہ و اس کامیابی کے جو سلیمان شکوہ کی سپاہ کو بمقام

ملے مانگہ تھیں اس واقعہ کو جن کھابہ اور اس وقت کی اور کتاویں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کھدا اور شجاع کے مقابلہ کو جو تھیں سبب اولیٰ سبب دوسری کہ آگرہ سے روانہ ہونے والے انھوں نے کوہ پور میں پہنچ کر جو بنارس سے ڈھائی کوس آگے گئے کہ کنارہ پر ایک گاؤں ہے شجاع کے لشکر سے ٹوڑا کہ کس کے ناسطہ ہو گا کیا تھا وہاں کے لڑائے میں کشتیوں کے ٹیڑھ کو ساتھ لے ہوئے دریا کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا اور فوج کو زرا قوام دے پھسکے بعد دھوکا دینے کی فرض سے یہ مشہور کر کے کہ لشکر کی جانتے تمام بولنا چاہتے ہیں انھوں نے جمادی الاول کو علی الصبح شجاع کے لشکر پر ناگہانی حملہ کر دیا اور چونکہ اس نے غفلت کے سبب سے اپنی فوج کی صف بندی بھی نہ کی تھی غنیمت سے مقابلہ کے بعد ذاتی ہار گیا۔ اور لڑائے میں جھٹک چکے کہ بھاسا اور تمام مال و اسباب کھٹ گیا۔ اور اس کے بعد سلیمان شکوہ نے اول پڑا اور پھر مگر سے نکالا

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اور گئے جب

یہاں آگرہ کی طرف معاملات کی کچھ اور ہی صورت تھی۔ یعنی جب دارالسلطنت میں یہ
عہد پہنچی کہ اورنگ زیب مرہٹوں پر کے پاس دریا کے پار اتر آیا ہے۔ اور ان دشمنان گزار
پہاڑوں کی گھاٹیوں کو بھی ہزموں کر چکا ہے جن پر سرطرح سے مزاحمت اور بھاؤ کا
بہت بڑا بھروسہ تھا تو دربار میں بڑی گھبراہٹ اور حیرانی پیدا ہوئی اور فوج کی تیاریاں
شروع ہوئیں مگر بڑی جلد بازی کے ساتھ سب سے پہلے نوٹا ایک دستہ اس مقصد
سے آجین بھیجا گیا کہ جلدی سے پہنچ کر دریا کے گھاٹ کو روک لیں اور مخالفوں کو پار
اُترنے سے روکیں اور اس پیش رو دستہ کی سرداری کے واسطے دوا میر جو نہایت
با اقتدار اور لائق و فائق تھے انتخاب کئے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام قاسم خاں
تھا جو بڑا ہی مشہور و معروف سپاہی اور شاہجہاں کا ولی غیر خواہ تھا۔ لیکن یہ چونکہ
دارا شکوہ سے متفق اور بغیر تھا اس لئے اُس نے یہ سرداری بخوشی اختیار نہیں کی تھی بلکہ
شاہجہاں کے حکم کی تعمیل تھی۔ دوسرا سردار راجہ جیونت سنگھ تھا جو درجہ اور اقتدار میں
بے سنگھ سے کم نہ تھا۔ یہ راجہ اُس زبردست رانا کا والد تھا جو اکبر کے زمانہ میں سب
راجاؤں کا مہاراجہ گنا جاتا تھا۔ دارا شکوہ نے ان دونوں سرداروں سے نہایت تعلق
اور شہر میں زمانہ سے گفتگو کی اور جب وہ لشکر میں جانے لگے تو بڑے بڑے بھاری
خلعت اُن کو دینے لگا شاہجہاں نے جو ہدایتیں شجاع کے بارہ میں راجہ جیونت سنگھ اور
دلیر خاں کو کی تھیں ویسے ہی احتیاط سے کام کرنے کی ہمت ان کو بھی کہیں۔

اورنگ زیب کے مقابلہ میں شاہجہاں کی کارروائیاں | تاہم وقت ذب ہو رہے تھے اور جنگ

کی طرف مستعدی کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری تھی چنانچہ بادشاہ کی نصیحت اور
چاہت کے مطابق جو قاصد مختار یہ پیام دے کر اُس کے پاس بھیجے جاتے رہے کہ آپ کو

بقیہ حاشیہ مندرگشتہ دارد وہ بھر ہو کر کہنے اصلی مرہٹوں کا لڑاکو چلا گیا۔ اور ہو کر یہ پندنگ دارا شکوہ کا
تقسیم کیا۔ کھساہ کہ ان لڑائیوں میں شجاع کے جوکرہں میں سے ہو کر گئے تھے دارا شکوہ نے اُن کو اگر بھیجنا
والی تھی ورنہ سے بدعت کیا اور بھران کے ہاتھ لے کر لیتے جس کے باعث سے کئی ہی چار ماہ پہلاں بھی ہاتھ نہیں لگا

لے اس د پاسے شہر اندری مراد ہے جس کا اصل شکوت زبان کا نام گھنڈ پیر ہے۔ س م د

تھے اور سے پار کا رانا مراد ہے۔ س م د

دکن کو لوٹ جانا چاہتے تھے اس سے کوئی بھی واپس آئے نہ پایا۔ بلکہ واپسی کے بجائے اُس کی فوج یکا یک ایک بلند ٹیلہ پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ آنسو دار ہوتی۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اور سخت دھوپ پڑتی تھی اور اس وجہ سے دریا پا پایاب ہو رہا تھا۔ قاسم خاں اور جے یہ غالی کر کے کہ اورنگ زیب پانا ترنا چاہتا ہے لڑائی کی تیاری کر دی لیکن واقعہ میں اورنگ زیب کی ہدیہ فوج انہی چھپے چھپے اور اس تھوڑی سی سپاہ کو آگے بھیج دینا بالکل ایک دھوکا تھا کیونکہ اورنگ زیب کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہی فوج وہاں کے پار نہ آ کر آئے جس سے ہمارا پلنا بند ہو جائے اور وہ ہماری لشکر اندی فوج پر حملہ کرے اور اس طرح پر جنگ کا مفید موقع ہمارے ہاتھ سے چلا جا رہے۔ اور اس کا یہ اندیشہ حقیقت میں درست تھا۔ کیونکہ اُس وقت اُس کی فوج مقابلہ کے لائق نہ تھی اور اگر قاسم خاں اور راجہ حملہ کر دیتے تو با ساقی غالب ہو سکتے تھے میں اس موقع پر قیادت خود موجود نہ تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اس لڑائی کو دیکھا ہے ضرور متا وہ فراموشی اسرار اورنگ زیب کے قہرِ خاد میں لازم تھے اُن سب کی بھی راستہ ہے۔ مگر یہ سردار ایسا کس طرح کرتے کیونکہ بادشاہ کے حضیٰ احکام کے باعث صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ وہاں کے مارا ہوا مردہ جہاں میں اور اگر اورنگ زیب وہاں سے بزدل ترنا چاہے تو رکھیں۔

اورنگ زیب کی پہلی فتح | القصر جب اورنگ زیب کی فوج نے دو تین روزوں میں لیا تو وہاں سے بزدل ترنے کی تیاری کر دی۔ چنانچہ پہلے قواش سے اپنا قہر خاد ایک بلند جگہ پر قائم کیا۔ اور پھر فوج کو حکم دیا کہ توپوں کی چٹاہ میں آگے بڑھے۔ مگر ان کی پیش قدمی روکنے کے لئے اس طرف سے بھی توپیں چلنی شروع ہوئیں اور اگرچہ ابتدا میں سخت جوش و خروش اور سرگرمی سے مزاحمت کی گئی مگر جلد ہی نہایت ہی شہامت اور دانا ئی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہر ہر قدم پر روکنا رہا مگر قاسم خاں نے باوجود کہ اُس کی سپاہ گری اور بہادری میں کسی کو کلام نہیں اس موقع پر نہ تو کچھ بہادری ہی دکھائی اور نہ کچھ سپاہیانہ دانا ئی ہی ظاہر کی بلکہ اُس جود قبا زری اور سازش کا شہ پہلے منصف نہ رہا تاہم ہمیں گھبراہٹ مگر ڈر سے ماضی میں دیکھا کہ یہ ہر طرح غلط ہے کہ غلامی کے پاس تو وہی شہر اندی ہے۔ جس کا اندازہ ابھی ایک حاشیہ میں کر چکے ہیں۔ م۔ م۔ م۔

تھ خانی خاں کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ م۔ م۔ م۔

شہا جہاں کے اہام امیری اور عہدہ نگری

ہے۔ کیونکہ اس نے لڑائی سے پہلے ہی رات کے وقت اپنا بہت سا بارہ و گولہ ریت میں چھپا دیا تھا جس کے سبب سے صرف چند باڑیں چلانے کے بعد فوج کے پاس یہاں ذرا۔۔۔ غیر اس کی اصل خواہ کچھ ہی ہو مگر لڑائی بہر حال بہت سخت ہوتی اور گھاٹ کے وہ کٹنے میں سپاہ نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اور مرادنگ زیب کی فوج کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے جو دریا کے پاٹ میں تھے اس کو سخت تکلیف پہنچی اور کناروں کی بنے ٹھوب بلند ی کے باعث سے اوپر چڑھنا سخت مشکل تھا۔ گورکھ کی تیزی اور شجاعت ان سب دشواریوں پر غالب آئی۔ اور وہ اپنی خاص فوج کے ساتھ ددیا کو عبور کرایا اور آخر کار باقی سپاہ بھی پیچھے سے بہت جلد آ پہنچی اس وقت قاسم خاں بڑی بدنامی کے ساتھ میدان سے ہٹا گیا۔ اور جہازت سنگھ کو مرجع جان جو کھوں میں چھوڑ گیا۔ اب اگرچہ اس بہادر راجہ پر چاروں طرف سے دشمن کی فوج ٹوٹ پڑی۔ مگر اس کے فہماج اور بہادر راجہ قریں نے اسے اپنی جانیں لڑا کر بچا لیا۔ اور ایسا جان توڑ کر لڑے کہ آٹھ ہزار میں سے لڑائی کے خاتمہ پر صرف پانچ سو کے قریب باقی رہ گئے۔

اس واقعہ کے بعد راجہ نے اگرچہ جانا سنا سب دھانا اور ان بچے کٹھے و فادار سپاہیوں کے ساتھ سپہ سالاری میں دیا منت کو چلا گیا۔

لے چند دستاویز سرورخوں سے ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ جب مراد بخش کے بادشاہ میں بیٹھے کی خبر آگہ میں پہنچی تو اس کو گہرات کی صوبہ داری سے معقول کئے جانے اور لگ بھگ بار میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا اور غاٹا وہاں کے بھڑانے کی خاطر، جاگیر سے کہ صرف اس پر تہذیب کرتے حکم مارا شکستہ بادشاہ سے دلوا دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی قاسم خاں میر آملی اس کی جگہ گہرات کی صوبہ داری پر نامزد کیا گیا تھا۔ اور چونکہ اوراد کا صوبہ وہ شہنشاہ خاں دوسری بھابی چاندوں شاہنوازوں کا تھیتی ناموں تھا، اورنگ زیب کے ساتھ لڑا وہ مانت رکتا تھا اس کا بھی انہیں میں کی کے راستہ پر رہنا مناسب نہ تھا کہ اس کی جگہ اپنے دلی خیر خواہ جہازت سنگھ راٹھور جو چھوٹا کو اس مراد سے بھجوا دیا تھا کہ اورنگ زیب اس وقت تک بظاہر قاضی تھا اگر دوسری دیکھے کہ دلاشک کو اس سے توجہ تھی، کہ حرکت کیے تو راجہ قاسم خاں کی مدد سے اس کا سدھارہ ہو اور اگر بدستور قاضی رہے تو قاسم خاں مراد بخش کو گہرات سے بھاری طرف نکال دے اور جہازت سنگھ بشرط موت اس کی مدد

راجہوتوں کی سپاہگہری

لفظِ راجہوت کے معنی ہیں راجہ کا بیٹا۔ یہ لوگ پخت اپشت سے سپاہی پیشہ ہیں اور ابتدائے عمر سے ہی تعلیم پاتے ہیں اور ان کے راجہ صاحب کے لئے اس شرفِ پیران کو جاگیریں دیا کرتے ہیں کہ جنگی ضرورت کے وقت اپنے آقا کی خدمت کے لئے حاضر ہو جائیں اور وہ غیرہ سرحدی امور سے ہر گز گستاخ کی طرح ان راجہوت نہا کروں کو بھی اس ملک کے خاندانی سردار کہا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کی جاگیریں ناقابلِ ضبطی اور سرحدی ہوں۔ یہ لوگ ابتدائے عمر سے انہوں کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ پٹنا پنہان کو انہوں کے بڑے بڑے اٹنے کھاتے دیکھ کر بے سخت جہت ہوتی۔ اور لڑائی کے دن تو یہ معمول سے دو گنی انہوں کھا کر ایسے مددِ فوج سے ہو جاتے ہیں کہ بے فکر ماندیشہ اپنے آپ کو ہر ایک جان ہو کھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر کوئی راجہ خود بھی بہادر ہو تو اس کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرنا کہ میرے راجہوت کبھی کسی مشکل میں میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ لڑائی کے وقت یہ لوگ خلیہ اتنی بات کے تو محتاج ہیں کہ کوئی ان کا ہتھیار نہ لٹا دے والا ہو۔ مگر اس میں کچھ ٹھک نہیں کہ وہ اپنے رئیس کے سامنے جان دے دینا اپنا فخر بچتے ہیں اور اس کو دشمن کے ہاتھ میں کبھی نہیں چھوڑ دیتے۔ میدانِ جنگ میں جاتے سے پہلے جب یہ انہوں کے لشکر میں چھوٹے ہوئے مرتد کے یقین سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوا کرتے ہیں تو یہ تماشا عجیب دلچسپ اور قابلِ دید ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں محلِ تعجب نہیں ہے کہ یہ منسل بادشاہ اگرچہ مسلمان اور ہندو ہندوؤں کے مخالف مذہب ہیں۔ لیکن بہت سے راجہاؤں کو ہمیشہ اپنی لازمیت میں اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرتے ہیں جیسے غریب و محتاج۔ بلکہ کھانے کے کچھ ضیف زخمِ قاسم خاں کے بھی آیا۔ گراں سرخوردہ بادشاہ راجہوتوں کی بہادری کی تعریف و توصیف کسے کسے اس شکست گذرِ بادشاہ کی سرتے نہ سہی اور امانیت فوجی جنگ سے مرہب کیا ہے اور کھانے کو اس نے اپنے لشکر کو ایسی اور کدھی ملکہ میں قانع کیا تھا اور ہندی سے کچھ پانی کاٹ کر لشکر کے لوگوں کو پیر کر دی تھی جس سے اس کی سادہ فوج لڑائی کے وقت انہیں طرح کا کام دے سکی۔ خالی خاں نے اس لڑائی کا پورا فیصلہ اپنے ہتھی کے کنا سے بیان کیا ہے اور جزائیر کے نقشوں میں بھی اس ہی نامِ شہید راہی کھیا ہے۔ مگر مانگہر کے خاص مورخ مرزا محمد کاظم نے مانگہر جس میں اس

میں جیسے کہ اپنے سلطان امیروں اور سرداروں کے ساتھ۔ اور سلطان امیروں کی مانند ان کو بھی قوت کی حکومتوں اور سواروں پر مقرر اور امور کرتے ہیں۔

جنونیت سنگ کی رانی کا غیر ملکہ طرز عمل | اس موقع پر جمونیت سنگ کی رانی جس سلوک سے اپنے شوہر کے ساتھ پیش آتی وہ بھی سننے کے لائق ہے یعنی رانی نے جب سنا کہ راجہ پانچ موسپا ہیوں کے ساتھ معرکہ سے جان بچا کر نکل آیا ہے تو اس نے بھلے سے اس کے کہ اس آفت سے بچنے کی مہاراج باوریتی اور تسلی کرتی توڑا حکم دیا۔

• قلعہ کے دو دروازے بند کر دیا جسے بے فہرست نمرود کو میں قلعہ میں ہرگز نہ آنے دوں گی! ایسا شخص اور میل خور میرے باپ کا دانا اور ایسا بے فہرست! میں ہرگز اس کا منہ دیکھنا نہیں چاہتی جو شخص ایسے نامور رانا کا رشتہ دار ہو چاہیے کہ اس کی شہادت اور نیک نامی کی تقلید اور پیروی کرے۔ اور اگر نفع نہ پا سکے تو بہاوری سے جان دیے۔

اور اس سے تھوڑی دیر بعد اس کے دل میں کہہ اور خیالات گنبدے اور کہا کہ میرے لئے ابھی چٹا تیار کر دے دو کاہا۔ میرا خور حقیقت میں مار گیا۔ اور یہی حال ہے پس اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ اور تھوڑے عرصہ بعد پھر نصیبی آکر پرستور میں ملنے لگی اور اسی حالت میں اس کو آٹھ دن گلد گئے اور شوہر کا منہ نہ دیکھا۔ لیکن آخر جب اس کی ماں اس کے پاس آئی تب کہ تسلی بخشی کر کے بھابھا کہ گھبراؤ نہیں۔ راجہ نورام نے کہ اورا زبرد قوت مجھ کر کے اورنگ زب پر پھر مل کرے گا۔ اور اپنی شہادت اور بہادری کے نام کو پرستور قائم رکھے گا۔

اس ملکیت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک کی عورتوں کے دل میں خفا و کینہ و ناموس اور عزت کا کس قدر خیال ہے۔ چنانچہ میں اس قسم کی مثالیں اور بھی بیان کر سکتا ہوں مگر کہ میں نے بہت سی بیویوں کو اپنے غلاموں کی لاش کے ساتھ جلتے ہوئے پھنچم خود دیکھا ہے۔ لیکن ان واقعات کو میں کسی اور مقام پر لکھوں گا یہاں بیان کر رہا کہ انسان کے دل پر اپنی امیدوں اور کثرت راستے اور کسی عام عقیدے اور عزت و حرمت کے خیالات کا کیسا زبردست اور قوی اثر ہوتا ہے۔

شاہجہاں کے نام امیری اور مہمانگیزی

حیرت و شگ و داما شکوہ امین کی اس نامبارک اور فضا کا دار و ات سے مطلع ہوا تو غیظ و غضب کے ایسے اس کی یہ حالت تھی کہ اگر نصیحت اور نہایتی سے شاہجہاں نوراً منشدان کو تا تو خدا جانتا اس رشتہ اور جند بازی میں کیا کر بیٹھا اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر قاسم نعل اس کے قابو میں آجاتا تو اس کا سر ضرور کٹا دیا جاتا اور چونکہ میر جملہ کی نصیحت بھی اُس کو یہ گمان تھا کہ اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دے کر دینی اس سارے فتنہ و فساد کا اصل اصول اور باقی مہائی ہوا ہے اس لئے قریب تھا کہ اُس کے بیٹے محمد امین خاں کو بھی مروا ڈالے اور اُس کی بیوی اور بیٹی کو بانداری عورتوں کے چنگ میں بھیجے دے مگر بادشاہ کی نہایتی بلخی کے باعث آخر کار اُس کا برٹش غضب فرو ہوا اور میر جملہ کے اہل و عیال کی حریت اور جان بچی گئی۔ یہی بادشاہ نے اُس کو بھلا کر یہ امر ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میر جملہ اور گنہگار سے سازش رکھتا ہو اور یہ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا دھماکا پیش اور دانا آدمی ایسے شخص کے فائدہ کے واسطے جس سے وہ کچھ الفت و محبت نہیں رکھتا اپنے اہل و عیال کو ایسے شدید خطرہ میں ڈال دے بلکہ برخلاف اس کے یہ امر ظاہر ہے کہ وہ خود اورنگ زیب کے دام فریب میں پھنسا ہوا ہے۔

اور مرحلہ آدوں کا یہ حال تھا کہ غرق فی کے بارے پھوٹے نہ ساتے تھے اور یہ گھمبٹ

ملہ فارسی تھکن سے ایسا سلوم ہوتا ہے کہ باوجود کہ داما شکوہ میر جملہ کا سخت مخالف تھا مگر شاہجہاں کو اُس کے حال پر کرب تھی چنانچہ پیچھے کھسا ہوا چکا ہے کہ شاہجہاں کے شروع مرض کے دنوں میں جب داما شکوہ نے مہابت خاں اور دادو ستر سال و نیم وافر کو بچا چکی ہم سے آگے میں دلہن لگا کر میر جملہ کو بھی اورنگ زیب کے ساتھ سازش رکھنے کے شبہ میں عہد و نذر سے معزول کر کر دکن سے طلب کیا تھا۔ اور اس کے بیٹے محمد امین خاں کو بھی عاقبت کو ہی قتل کر دیا کی جگہ کام ذکر ہے اور اہل دماغے راہیں راجہ رگناتھ کو تم مقام دین مقرر ہو کر مہاراجا جنر خاں مستقل وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ مگر شاہجہاں سے میر بھی محمد امین خاں کو انصاف خاں کی عہد میں سے میر بخشی کے نہایت بڑے عہد سے انھیں دکن اظیفہ دے دی تھا مقرر کیا تھا اور جب جمہوریت مسکن کی غفلت کی خبر داما شکوہ کو پہنچی تو اُس سے محمد امین خاں کو اپنے مکان پر بلا کر قید کر لیا۔ اور اگرچہ وہ چار روز کے بعد شاہجہاں کے کھانے سے قید سے چھوٹ دیا۔ مگر میر بخشی کے عہد پر نہ رہنے دیا۔ چنانچہ داما شکوہ اور اورنگ زیب کی لڑائی کے وقت بادشاہی فوج کا میر بخشی مرزا ملک خلیل اللہ خاں تھا۔

ہو گیا تھا کہ ہم کسی سے مطلوب نہیں ہو سکتے۔ اور کوئی ایسا مشکل کام نہیں جس کو ہم انجام دے سکیں اور فوج کی جھڑپوں سے بڑھانے کو اور ہنگامی ملائیے کہتا تھا کہ دارا شکوہ کی فوج میں تیس ہزار متعلق ہمارے لئے اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار ہیں۔ اور اُس کی یہ لاف زنی چنداں ہے اصل بھی نہ تھی کیونکہ ناظرین کتاب جلد معلوم کر لیں گے کہ دارا شکوہ سے فی الواقع بعض اُمراء نے دغا بازی کی اب سراپاں اگرچہ تیز مزاجی سے قیام کا متحمل نہ تھا۔ اور اُس کا شوق یہی چاہتا تھا کہ آگے بڑھے۔ لیکن اورنگ زیب نے روکا اور کہا کہ اس غرض خاں اور بادشاہ کے کہنا سے شہر کو زلزلہ مہلکا اور آرام کرنا ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں ہم کو اپنے دوستوں اور غمخواروں سے خط و کتابت کر کے دارا سلطنت کے حالات جاننے اور معلوم کرنے کا موقع ملے گا۔ غرض کہ اب ان کا کوئی آہستہ آہستہ ہوتا تھا۔ اور آگے سے ہر غرض آتی تھیں اُن پر فوراً کے آگے کوڑھتے تھے۔

شاہجہاں کی بھجوری اور دارا شکوہ کی خود رانی | اس وقت شاہجہاں ایک محبوب نامیدی اور فخر میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ دیکھتا تھا

کہ اب یہ دونوں کسی طرح دارا سلطنت میں داخل ہونے بغیر نہ رہیں گے۔ وہ سہری جانب دارا شکوہ کو لڑائی کی بڑی بڑی تہا ریاں کرتے دیکھ کر اُسے سخت اضطراب ہوتا تھا کیونکہ عجب بات تھا کہ جس آفتوں کو وہ طرح طرح کی تدبیروں سے ٹالا جاتا تھا اب اس خاندان پر آئے والی ہیں۔ مگر دارا شکوہ کی خواہشوں کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اہل تو بیماری کی منتیں ہی سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا اس کے علاوہ دارا شکوہ کی مدد دہلوں سے بھرا ہوا فوج اور ملک کے کام سے ہاتھ اٹھنا بیٹھا تھا اور اُمراء اور دنیا کو کہہ چکا تھا کہ اُس کی اطاعت اور فروع بھاری کریں۔ غرض کہ ان دونوں آس کی یہ حالت تھی کہ گویا دارا شکوہ تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ فکرا اور محکوم۔

دارا شکوہ کی فوج | اس لئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ دارا شکوہ نے با سابق اس قدر فوج جسے کرلی جو ہندوستان میں کسی لڑائی کے موقع پر شائد ہی کبھی ہوتی ہرچنانچہ ایک لاکھ تھوڑا اور بیسی ہزار پیدل اور اٹھ تو ہیں اور بے انتہا توکر چاکر اور بچے بچال اور بیڑے

۱۷۰۰ انگریزیوں نے دجاہ کھانہ کے قریب کی غلط معلوم ہوئی ہے جیسا کہ پہلے بھی لکھا ہے۔ س م ۷
۱۷۰۰ خان کھانہ کے قریب جہانگیر آباد تھا۔ ۱۷۰۰ م س م ۷
۱۷۰۰ م س م ۷

شاہجہاں کے لیام اسیری اور بہادری کے یہ

اور محال ہو سدا رہا اور اور اس کا سہل اور فدا متوں کے لئے مسلح ہو یا جنگ ۔ بہر حال دربار
ہوئے ہیں، جمع ہو گئے۔ پس اکثر سرخ ہو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ غلام جگر میں چار لاکھ
آدمی کا لشکر تھا مجھے شک ہے کہ وہ غلطی سے ۔ پیر کے لوگوں کو بھی لڑنے والے سپاہیوں
کے شمار میں داخل کر لیتے ہیں۔

اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ داراشکوہ کی فوج اس قدر زیادہ تھی کہ لہذا ہزار جنگ زیب
کی سنی دوتین نوہوں پر غالب آ سکتی تھی کیونکہ اول تو اس کی سب قسم کی فوج چالیس
ہزار سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ اور پھر تیز دھوپ اور گرمی میں کڑے کڑے کرچے کئے
چلے آئے سے اکثر تسلی باندی تھی، مگر اس پر بھی کسی کو اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا
اس لئے کہ جن سپاہیوں اور سرداروں کی نسبت یہ پھر دوسرے ہو سکتا تھا کہ شک حلال
اور فادار ہیں گے وہ صرف وہ لوگ تھے جو سلطان شکوہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔
اور دربار کے چٹے بڑے بڑے امیر تھے ان کی طرف سے ایسے آثار نظر آ رہے تھے کہ ان کو
نہ تو کچھ اس سے محبت ہی ہے اور نہ کچھ اس کا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔

داراشکوہ کا جنگ کرتے پراصرار | اس لئے اس کے خالص خیر خواہوں نے نہایت سخت
اور سماعت سے یہ صلاح دی کہ آپ اس خطرناک
لڑائی کی سلسلہ جنہائی نہ کریں اور خود شاہجہاں کی بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ ہی ملے
تھی بلکہ باوجود ضعف و نقاہت کے اس نے یہاں تک کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اور جنگ زیب
کے مقابلہ کو بذات خود جاتوں اور فی الواقع یہ میری نہایت ہی عمدہ اور معقول تھی اور ضرور
لڑائی مل جاتی اور اور جنگ زیب جو نہایت ہی مفرد ہوتا تھا اس طریق سے اس کی کامیابی
ہے شک نہ لگ جاتی اور اول تو اور جنگ زیب اور مراد بخش باپ کے ساتھ غالباً مقابلہ سے
پیش ہی نہ آتے۔ اور اگر ایسی حرکت کر بھی بیٹھے تو یقیناً تباہ اور برباد ہو جاتے۔ کیوں کہ
اور جنگ زیب اور مراد بخش کے سب سردار اور اہل فوج بادشاہ کے دل سے گریہ تھے
اور جب اس نے کسی طرح سے بھی ان کی اس صلاح کو نہ مانا تو مجبوراً انہوں نے
یہ سمجھا یا کہ سلطان شکوہ جو آپ کی امداد کے لئے بہت جلد چلا آ رہا ہے اس کے آجائے
تک تو تھک چکے۔ اور فی الواقع یہ بھی ایک اچھی اور مفید صلاح تھی کہ نہ کہ اس کو روانہ
شاہزادہ سے اکثر لوگ راضی تھے اور محبت رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج

لئے آتا تھا جس میں اکثر دارا شکوہ کے ذاتی ملازم تھے اور سلطان شہنشاہ پر ابھی فتح پا چکی تھی۔ لیکن اس کو بھی ڈانٹا کہ نہ اس نے یہی ایک بات نشان لی تھی کہ اپنے اس ارادہ پر قائم رہ کر جس طرح بن پڑے اور رنگ زیب سے بہت لے جانا چاہئے۔ اگر دارا شکوہ غرض نصیب ہوتا اور مہر و شہنائی سے کام کرتا تو ناگہاں بازی لے جاتا۔

جس خیالوں سے اس نے ان تھنڈوں کو نہ مانا اور جلدی سے بھڑ جانا ہی پسند کیا ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ اس نے سوچا کہ اس وقت بادشاہ یہاں تک میرے قلم میں ہے کہ اس کی زلت خاص پر بھی مجھے اختیار ملنی حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ بادشاہی خزانہ سب میرے قبضہ میں ہے۔ تیسرا یہ کہ کل بادشاہی فوج میرے تحت حکم مت ہے۔ چوتھا یہ کہ سلطان شہنشاہ نے ایسی شکست کھائی ہے کہ گویا تباہ ہی ہو چکا ہے اور اورنگ زیب اور مراد بیکل ہوا ایک کمزور اور تھکی ماندی فوج لے کر آئے ہیں گویا۔ یہاں سے خود گھبراہٹ کا مصداق بننے کے لئے آئے ہیں اور اس حالت میں اگر ان کو ایک بار شکست مل جائے گی تو پھر کہیں ان کا شہر ٹھکانا نہ رہے گا اور اس طعنے سے روز بروز کا قصہ ایک ہی دھندہ پاک ہو کر بے شریک و سہم سلطنت کا ایک اور بادشاہ بن جائے گا۔ اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر خود بادشاہ کو مقابلہ کے لئے جانے دوں گا تو ضرور صلح ہو جائے گی اور سب

ملے مائل خاص گشتہ کہ چنگیز دارا شکوہ کو ہاتھ پر کاری کی وجہ سے ذاتی بھڑائی کے کام کی بالکل ممانعت دہی اور اس کی اکثریت یہیں نامناسب اور خلاف عقل ہوتی تھی اس لئے اس خاندان کے غیر خواہوں نے ہر چہ دھڑلے کیا کہ یہ آگ ہو بھڑک ہے آپ تدبیر کے بغیر کبھی مشکل ہے اور حضرت ربادشاہ کو ایک فریق بنانا مناسب نہیں اور رنگ زیب اور مراد بیکل کو لے کر دینا چاہیے اور جب حضرت کے ارشاد سے بادشاہی شہزادوں سے ملنے پر جائیں گے قرآن میں خود ہی مقابلہ کی طاقت درج ہے کہ اور جو کچھ حضور فرمایا ہے اور رنگ زیب کو اس کی مخالفت ناممکن ہوگی۔ مگر جب تک بادشاہی آمرانہ کی زناقت میں رہیں کوئی عہدہ چل نہیں سکتی۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اس راستے کو نہایت پسند کیا۔ گویا شکوہ نے ماہِ رمضان اور رام سکر کے انوار سے غلو دکھا، بلکہ نفاق پر عمل کر کے مٹا دیا کہہ اٹھا کہ "میں معترِف ہوں کہ تو پانچ ہزار دینی خزانہ پانچوں ماہے سلطان محمد کو درجہ و درجہ، ستر سال خاتمِ مدِ ایدہ" ستر سال تک دہناؤں گا، اور اس بات کے غصے سے سب اہل کراچی اور کراچی کے ہر طرف ہائی کے جانب دار ہو گئے۔ س ۱۷

بھائی اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے جائیں گے۔ اور بادشاہ جو پہلے کی بہ نسبت تندرست ہوتا جاتا ہے عثمانی حکومت بھرا اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اور امیر سلطنت میں صورت پر پہلے تھے اسی شکل پر پھر بد جائیں گے اور سلیمان شکوہ کے انتظار کرنے کی نصیحت اس نے یہ سوچا کہ کہیں الہا نہ ہو کہ اُس کے آئے تک بادشاہ میری خسرانی کے لئے کوئی منصوبہ یا تدبیر نہ کرے اور نگ زعب ہی سے کوئی ایسا مہد و پیمان کرے جو میرے حق میں مضر ہو اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر اُس کے آئے تک صبر کیا جائے اور بالآخر اُس کے آئے کے بعد لڑائی میں فتح بھی حاصل ہو جائے تو لوگ اس کو سلیمان شکوہ ہی سے منسوب کریں گے جس کی بہادری کی پہلے ہی بہت کچھ دھماک جٹے گئی ہے اور اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس دل چلے اور دُجوان لڑکے کی طبیعت پر لوگوں کی تعریف و تکریم سے کس قسم کا اثر پیدا ہو گا اور جب کہ خاص واما اور اُمرائے دربار تمہیں دافرخن کریں گے تو کیا معلوم ہے کہ اُس کے خیالات کہاں تک بلند ہو وازی کریں اور باپ کی محبت اور ادب کا کچھ لحاظ باقی رہے یا نہ رہے۔

واما شکوہ میدان جنگ کی طرف | فرض کہ ان تو ہمت سے واما شکوہ بہک گیا۔ اور اپنے غیر خواہوں اور دوستوں کی نیک اور عاقلانہ صلاح بالکل نہ مانی اور توجہ کو لڑائی کے لئے تیار ہو کر کوچ کرنے کا حکم دیا اور رخصت ہونے کو تادم میں بادشاہ کے پاس آیا۔ اور یہ بوڑھا باپ اول تو بیٹے سے بھل گیا۔ جو کہ بے اختیار روئے تھا مگر پھر ذرا سنبھل کر بولا کہ: خیر شیائے اپنی مرضی کا کام کیا۔ خدا ختم کو اس میں سرخ رو اور کامیاب کرے۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر لڑائی گزرتی تو پھر اگر بچے کیا منہ دکھا دے گا اُس نے ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی اور جھٹ پٹ رخصت ہو کر چنبیل کی طرف ہوا گرہ سے قریب جی فرنگ کے ہے کو بچا کر دیا اور اس خیال سے کہ مخالف فوج یہیں سے گذرے گی ورنہ اس کے گھاٹ روک کر مرنے پر آمادہ ہوئے۔

لے واما شکوہ نے اگرچہ اس دیا کے معروف گھاٹ سب ہی روک لئے تھے مگر وصول ہونے کے گھاٹ کو جہاں سے گواہیار اور دکن کا عام راستہ ہے خصوصیت کے ساتھ رکھا تھا۔ یہ مقام اُس زمانہ میں خاص بادشاہی محل داری میں تھا۔ مگر ہمارے اس وقت میں پورہ لیا گوت کے جاٹ قوم کے کئی بھائی کا دارالحکومت ہے جو یہ زمانہ سابقہ کہہ کر مانا کہلاتے تھے۔ اور گواہیار بھی انھیں کی محل داری میں

اورنگ زیب کی فوجی چال

لیکن وہ تیز نظر اور سیاست ماں، نتیجتاً جس نے ہر جگہ جاسوس اور خبر نگار رکھے تھے اس بات کو خوب جگہ پر تھا کہ اس قدر مخالف فوج کی موجودگی میں دریا سے اترتا کس قدر دشوار ہے۔ مگر بہر حال اس نے اپنے ٹوہمے نیچے اٹس پار آن لگائے، اور عرصہ ایسے نزدیک قائم کئے کہ دانا شکوہ اُن کو دیکھ سکے اور اس کے ساتھ ہی یہ تدبیر کی کہ چھپٹ نامی ایک راجہ جسے حاشیہ مغرکلاشتہ تھا۔ مگر مرہٹوں کے زور کے زمانہ میں وہ ریاست ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے عوض سرکار انگریزی کی اعانت سے وصول پور کی نئی ریاست قائم ہو گئی جس کا رتبہ ایک سوانہ میل مرتبہ اور آبادی تریبہ دو لاکھ اور آملی وٹس اور گیارہ لاکھ کے اندر ہے۔ جو برائے دس سال ہمارا دانا نہال سنگھ صاحب بہادر عالی شان خاندان بٹوالہ کے واسطے ہی مادیہ بابت اختیار ریاست ہے اور گرنٹ قیصرہ کی طرف سے رہیں کے لئے چندہ آپ کی ملای مقرر ہے۔ س م م

لے چو کہ شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب ریاست کی سے اپنی نسبت اکثر فقیر کا نظا استعمال کیا کرتا تھا اس لئے معنف کہیں نہیں طرزا اس نظا کا اعادہ کرتا ہے۔ س م م

مے یہ بعد اور کام تھا جو باشندوں کی قوم کے نام کی مناسبت سے اگر کے قریب چنبیل کے دروں طرف کے اُس قطع ملک کو کہتے ہیں جس میں بید در یہ گوت کے راجہ قروں کی آبادی ہے۔ اس خاندان میں ریاست کی صورت کبھی قدرا ب تک بھی قائم ہے اور گرنٹ عالیہ تمہرو کی طرف سے کچھ تو گاؤں معاف ہیں اور کئی خزانہ پیر نقد عنایت ہوتا ہے جو مل جل کر قریب ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی پڑتی ہے۔ اور موضع پکڑا میں کو مونا گھاٹ کا گاؤں کہتے ہیں آج کل ان کا ریاست گاہ ہے جو دریا سے جھنا کے کنارے پر گنہ باد پناہٹ قطع آگہ میں واقع ہے۔ اور اگر یہ اعتبار فرمائے، دوائی حاصل نہیں ہے مگر یہیں کامیاب راجہ کا خطاب ہے اور اس وقت وہ اب بھی بہت خاص ہے۔ چنانچہ ایک بڑے عہد میں جو لائبریری مشہور میں لائبریری صاحب بہادر دایر اسے دکن میں بڑا کٹر ہند نے بنگام آگرہ نہایت شان و شوکت سے کیا تھا اور جس میں خود بھی موجود تھا کامیاب راجہ صاحب کی کسی سند صاف ہے۔ جو دھرم پور بڑے جھکے چ ہیں فرماں دار دکن میں اور یہ مطلب خاندان کے خزانہ میں۔ اور کامیاب دیا گرام ورنس ہے اختیار شطرا حاکم دار میں، اور کامیاب بلرام پور اور کے شطرا حاکم کے بعد تختیوں میں خبر پر اور بہت سے ہے اختیار راجاؤں اور سرداروں سے اہم تھی اورنگ زیب چنبیل کے جس گھاٹ سے پار کیا تھا۔ بلوچو دشمن کے اٹس کا پڑ نہیں گک ساگر حاکم تھا کی تاریخ اور حاکم نیرسار سے معلوم ہوتا ہے کہ بھادو کے راجہ نے ورن گویا اس حاضر ہو کر اس خدمت

کو کچھ اضافہ کر اکر ام اردو حصے و میدوے کر یہ چند دست کر لیا کہ فروغ اس کے علاقہ میں سے گذر کر نوراً اس گھاٹ کو چالے جو پانچ روپ تھا۔ اور اس راجہ نے اس بن اور کوہستان کے مشعل راستہ سے جس کی نسبت دارا شکوہ کو شاید یہ گمان تھا کہ اس طرف سے اورنگزیب نہ آ سکے گا خود ساتھ ہر کہر کر ادینے کا ذمہ لیا۔ اور اس تجویز کے موافق مخالفین کو دھوکا دینے کے لئے ڈوبے نیچے پستور کھڑے چھوڑ دئے اور خود معدن کو تھیل دیا۔ اور دشمن کو خبر ہوئے سے پہلے چنبیل سے آخر آجائے

بقیہ حاشیہ ص ۱۱۱۱۔ کے بہاؤ لے کا زور لیا تھا اور نگہ زیب نے کارخانہ جات طابہ کی کوکری کی سرائے میں چھوڑ کر اسی ملک کے کہیں کہیں کی مسافت کو وہ منزلوں میں طے کر کے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ مشند بھری کو ایک غیر مشہر گھاٹ سے جو گرا لیا رہے وصول ہر کی طرف آئے ہوئے واپس آئے تھا۔ جو کہ کیا تھا۔ ص ۱۱۱

لے اس مرتبہ بیکر صاحب نے یہ خطا اور نگہ زیب کو گھاٹا اس کو خود شاہجہاں کی طرف سے سمجھنا چاہیہ، اور اس کے جواب میں جو عرض اس نے باپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ دلچسپ بھکڑ تاراج مائل غاس سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ لہذا اللہ العزت کہ ذات مقدس شانہ و سعادت بخیرہ و قہدہ میں اعلیٰ حضرت محل سبحانی منظر انظار مناجات۔ باقی صاحب ترازان ایمان از سایہ عواض و امراض جہانی کہ لا زمرہ نفاذ فیض و طبیعت انسانی است فنوہ و مہرست و توجہ عالم آزاد باپ رنا بیت برایا کہ عایدت چاہی الہی امداد فیض ملک ہو و ہر اتم مہدول و یہ مقتضای طبع لغت آگین اشرف بی تیغے رانی پسند نہ کہ معصومہ کے و منظر لرسہ کہ مستلزم ہے جیتی خلق و متخصی ضرر و ضرر طائف امام باشد گرد و خات از غرضان امام دار مایاتے کام کار سیاہی میں ایام کہ خاطر مقدس ہند ارک و ملائی وہیں و خوب کہ لبب پارسی آن بگزنہاں و اتفاق بحال کا نہ بیا یا و عا و ر نا یا راہ یافتہ اتسی ثابت خرم و متعلق است القاب حایر تہ و فساد و اشغال آتش کی و عا و کہ صورت دیان جا و و غازی عا ماست سوا اللہ صوب مزہ آید خاطر جویوں و سبب کثرت مزق و ملائی طبع مقدس خواہ بودہ تخصیص نظر میں لقا۔ نا پسندیدہ و قہدہ این امر مہر و رب انان برادر جو شمرہ جو ر مزکر آ ماست مزلا کے لطیف ملاحظی کریم و صاحب آداب حمید و طبع سلیست است بقا جت زشت و نامیرا۔ لاجم جائز ہر ملی لیں چند طرہ کہ ہر آئینہ متخصی فائدہ غلیظہ و مہر و تخریب و تخریب سامت باطن و تصنیف طریقی سجاد لیس و عاشاک آسودہ و تخریب و خیریں و سبب است حسن ظاہر و تخریب است اگر فرض کن برادر لاکھ گزائی توہ تیج غبار فساد و عا و القاب مزایر عرب و قتال است عواض

بقیہ حاشیہ مکرگلاشت۔ فرماندہ کہ دیراور رش و قہر تحقیق کر رضائے اوسرچ خوشخودی ہذا کے عود علی
ورضامندی رسول اوست۔ جنگ مرہنگ و جہاں و عرب و قتال آراستہ و بر سفک و بانے بے گناہان
ہست گماشتن و بروئے آنحضرت جیو تنگ انداختن بھمائیے ناخاوان است و آخرت آبادین نشانہ جنگی
و در آن نشانہ فرج مرانهای نیست مگر آرائش جنگ مرہنامہ و قتال از مرہشاہ بلند اقبال و درازا شکوہ
است نیز و ناخن دین و خود صواب گزین پسندیدہ تا شد زیرا کہ بہا و بزرگ فرما و در حکم چہ داند و این
سختی را با رضیات خاطر مقدس حضرت علی بن ابی طالب و تنقیات علی و آلہ شہنشاہی سائنیت نامہ ششمن است
بالجملہ انجاءت نبار جہا و ایقار و ابرو و نا و ترتیب اسباب مذم و خوبی و بزی و آسیم و زیست عرب و قنہ انگیزی
ازان بزار ہر قسمہ ملاکہ کہ بہا و دوا و ضار و محاسن اطوار و حکام اخلاق مرعوف و معروف جہاں گشت
پیرست و راست رضائے خاطر اقدس خاقان نجمہ منظوم شایستہ و فرشتہ پیر سکرتشہ و بچہ و جود و بچہ کسی
پسندیدہ نیست چہ تو رفت چہ بدوزہ و دہی و دہے ثبات و قرار و مستلزمات الجہ و جہایم ایی مرتبہ مستعار
کہ با مشہار کتاب جنیں امر و موم و الہام شدہ باشد مرہب لامت نشا الہ و طراز سامت سراسرستہ
معدا است و کن کن کہ کو گہر ان ہمیں گفتند۔ مناسب آنست کہ آن مجاہدانہ دارا یں امور رویت و
افعالی خنید کہ علی سورے خاصت و شمر و خاصت ماقبت ست اجتناب لازم ضرورہ و راست رضائے
خاطر قدس مناصر شایستہ و دہی و دہو خاقان سعادت گستر نامکن و مقصد سی غاید و خوشخودی آنحضرت
و از مہجرات حصول سعادت و این فکر گزانا نامہ م شایستہ حضرت خاتم النبیین و را و مبارک
رمضان محرز اشہاد حکام مرشدہ و انی نہت و دال سلطنت و ایمان دل امثال غایدہ کنی الحقیقت
شعائستہ اولی الامر و شایستہ انشال امر شایستہ حقیقی است و عدم دہا و خلاف غلیظ الہی سپہروی
مخاضت فرمان ایک الملک نمودن است مگر مجلیہ و فرغے فرار یں مرکز خاطر مزید جود باشد۔ پس
پسندیدہ عالم و آنت کہ در مزیدہ کہ مغرب نیمام شدہ باشد تو رفت انفراد نمودہ ہر مجلیہ کہ گزین خاطر
گرای است مرقوم گردانند تا بعضی اقدس و ارفع رسانیدہ مطابق اجنائے خاطر مزید و تمنائے علی گزای
مرہنامہ قاعدہ آید و در اسانفہ و کجاست مقام و ادب آن قرہ با مرہ سلطنت و جہاں بان سنی و اجتہاد
و انی بہ تقدیم رسانیدہ شد

۱۔ رنگ: ریب کے کسی مصلحت سے بھی کوئی اس کا جواب نہ دیکھا اگر غروب کے نام مندرجہ ذیل مرضی حکیم صاحب کے نقلی صمد فاروقی کو جو یہ خط لایا تھا دیدی اور اگر وہ کی جانب کو پتہ کر دیا۔

دیہ جگہاں اُنہی نے اپنے سپہ قسام کیے تھے اگر وہ قریب چند ذرا میل کے ہے اور اس
کام پہلے سو گزہ تھا اور اب اس وجہ سے کہ اورنگ زیب نے یہاں فتح پائی تھی فتح آباد کہا
تھی ماشاء اللہ ہو گئی تھی۔ کثرت گرد و زرد و بل سلطان گزہ سر حال غلغلہ ہی مٹتی۔ کوشش گزہ ان رانہاں
طبع اب ہر وہ چوں کہ غیر خواہ تعلق مسافت نمودہ ہو والی آئین ناگزیر وہ جہیزت سنگہ ہاشمہ شاہزادہ
کلاں باغیا ماکلائی غیر خواہ امور ہر وہ سلسلہ جنباقی جہل و ناماتی سنگ راہ گشت بہ قدم مسافت چٹیا آد
دبے لا خطر آداب و حقوق و لوازم حکم نمود چنداگر مردم ہر شہر و سخن ہی فرستادہ ہزاران مستقبل آن جہل را
بارہ نمودا گئی تھی و تصریح نمود کہ چند سعادت حضور نائنس انورد ہم طرف کہہ آتی ہنگام نزدیک
و دور سے چنانچہ سعادت ہی شروع۔ آن تا طاقت اندیش اصلا بمقتولیت آشنا نشدہ و چلیف جہالت
و فردہ جہیزت و مراتب ضائع و لا ہم چند جہل و چنداگر چہ از گزہ ہر شہر لودہ کرت و علوم جہل و انتہای ہاد
بہا شہر ہر حکم ضرورت ہر وہ بہت حقیقت جہت و احباب گردیدہ اگر فیروز تحصیل سعادت نہیں ہوس
اشرف و اعلیٰ سرے و گیر کہ از خاطر ہی لودہ بر ضمیر نور طبع نمودہ چاہی نہ شہر ہو یا است کہ اسیر کردی اور
و تقاضا کہ نہیں شکست ناسخ یافتہ مال سنگہ سر سیمہ گرد و ای انہر ہم گشتہ ہر وہ چنداں تعدد سے شہر
و اکوئی کہ شاہزادہ کلاں خود با سپہا گران تا دھول پر تشریف آوردہ مبارک جہل و مساک راہ مسعودہ
ساختہ و جا بہا مردم خود گناشتہ با عقاد غرضش راہ ہر وہ سمی غیر از پیش بہت ہر وہ چوں ای مرد را
غیر از اوراک دولت حضور پر لودہ با بچہ کس سر مقابلہ و پیکا دینہ و دو عسک راہ را و بھدا ہر وہ از آب چھیل
ہر وہ نمودہ مانع نہیں ہوس اقدس گشت و چہن سسیدہ ہی شہر کہ آجناب و دادا شکوہ و حراں ای را گزہ
سرشت اخلاص کیشت از سعادت خاک ہوس ہا ہلوی خواستہ تعدد اشتغال تاثرہ قتال چٹیا نہاد بہت
دارند۔ چوں آجناب را با چوں میں مہارادت بہت بہت باقلادہ و مسافت چٹیا آدمی و جنگا ہر وہ ہر
معاذ آرا شہر قتلا و نقلاً سجدہ ہزار استعمای بہت لازم کہ از سلوک مسلک متاد و افسان
اعتراف نمودہ از اتمام ہر اسرہ کہ تیج اشکال احوال خلایق با عقد اجتناب و احتراز نمایند و اگر غبار
نور و لہر فردہ مسکند و نظر ہر کز تیج احوال و ہسارای انصار خواہ ہمزادہ با فروختی آتش کارزار گرم
نمودہ انار پکا بہت گمانہ نمودہ ہی مقصد گشتہ ہر حکم معذرت تیج المعذرات مرزہ خواہ کرد و پیشہ
عالم صواب است کہ زندگی را از فرمودہ ہما عا کردہ نمودہ لودہ و با فضل ہر وہ ولایت پنجاب کہہ جا گھر
آجناب ہر راست خشتا چندہ خدمت حضور ہا ہلوی را ہلوی غیر خواہ سر را عقاد و اگر اند ہزاران
مرد و مرکب مسکند جہاں تا معلوم نمودہ و شرف ہر وہ خواہ یافت۔ س م ج

جاتا ہے، ایسی وہ بھی، محض پٹن کی بیٹی اور اورنگزیب کے لشکر اور آگرہ کے امین جہنا کے کنارے ڈیرے اُن نکالے۔ مگر تین چار روز تک وہ وہاں لشکر آئے ساتھ اسی طرح چپ چاپ پڑے رہے اور اس عرصہ میں اگرچہ شاہجہاں نے خط پر خط بھیجے اور کہیں کہ سلیمان شکوہ قریب پہنچ گیا ہے خبردار سوتے تدبیری سے بے موقعہ جلدی نہ کر بیٹھنا بلکہ مکتاپ یہ ہے کہ آگرہ سے کسی قندار و ترغیب ہو جاوے اور سلیمان شکوہ کے آجانے تک لشکر کو کسی مناسب جگہ ٹھہرا کر اور گو خندق کھدوا کر اور سودھے باندھ لو مگر اُس نے ان کے جواب میں صرف اتنا ہی لکھ بھیجا کہ حضور کچھ اندیشہ نہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ تین دن گزرنے نہ پائیں گے کہ اورنگزیب اور مراد بخش کو ہاتھ پائیں باندھ کر حاضر کر دیں گا اُس وقت حضور کو اختیار ہے کہ جو مناسب ہو ان کو منسوب اور یہ جواب روانہ کر کے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔

دارا شکوہ کی صف آرائی | چنانچہ سب سے آگے تو توپ خانہ قائم کیا اور آہنی زنجیروں سے توپوں کو اس طسرت باہم جکڑ دیا کہ دشمن کے سواروں کو حملہ کر کے گھس آنے کی گنجائش نہ رہی اور اُس کے پیچھے نہ خود قاتل کے رسالوں کا پڑھایا جن کے اونٹوں کی پنجہ پر زبرد کھجوا رہے جہاں ہی جراتوں سے مشاہدہ ہیں کے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ لوگ اُن کو اونٹ پر چڑھے چڑھائے آسانی بھر کر چلا سکتے ہیں اور ان کے پیچھے بہت سی صفیں پھیل جندہ تھپوں کی تھیں اور باقی فوج سواروں کی تھی جن کے پاس یا تو تلواریں اور برچھیاں تھیں یا تلواریں اور نیزکیاں۔ چنانچہ ہر جہیں تو راجپوتوں کا اختیار ہے۔ اور تیرہ دکان مورتا مغلوں کا۔ اور یہ بات میں پہلے لکھ ہی چکا ہوں کہ آج کل ہندوستان میں گورے رنگ کے سب لڑاکو مسلمانوں کو خواہ عرب ہوں خواہ روتھی۔ ایرانی ہوں خواہ تورانی مثل ہی کہتے ہیں۔

اس کے بعد دارا شکوہ نے فوج کے تین حصے قرار دیئے چنانچہ دائیں حصے کا سردار فطیل اللہ خاں کو بنا یا جس کے تحت میں تین ہزار مثل تھے اور بائیں حصے کی سرداری رستم خاں نے شاہجہاں نے جو خلیفہ امکان لڑائی کو روکنا چاہتا تھا باوجود ضعف و نقاہت اس سخت گری کے یہ چاہتا تھا کہ خود جا کر وہیں لشکروں کے امین اُتر پڑے یہاں تک کہ پٹی خیمہ بھی بھیج دیا تھا۔ اور بیاری و تھوڑی کی وجہ سے یہ سرداری کشتی موقعہ صاف پہنچ چاہا تھا۔ مگر اُس وقت کے مرنوں نے لکھا ہے کہ دارا شکوہ نے اس خبر کو اپنے دماغ کے برخلاف سمجھ کر عمل میں ڈالے دیا۔

شاہجہاں کے ایامِ امیری اور عہدِ رنگت

دکھنی کو جو مٹا فہما ہے اور نامہ سردار تھا غفر لیض ہوتی اور اربعہ ستر سال و پانچ ماہ اور نام جنگہ راجہ سردار معروف (روشنی) کو اس کے شامل کر دیا۔ قلیل القوت خاں کو دانشمند خاں کی جنگہ جس کی کہہ دین بعد میں نے ملازمت اختیار کر لی تھی، سواروں کی نوجوان بخشی یعنی سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اس کی یہ وجہ تھی کہ دانشمند خاں کو یہ بات پہنچا کر اس نے تھی کہ کوئی شخص شاہجہاں کے شاہد اختیاراں میں مداخلت کرے اور چونکہ یہ امر دلائی کوہ کی ناما منی کا باعث تھا اس لئے اس نے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تھا۔

اور جنگ نریب اور مراد بخش نے بھی تربٹا اسی مادہ سے اپنی فوج کو میدان میں کھڑا کیا۔ ابتداً یہ بات زیادہ کی کہ اُنہر کی فوجوں میں جو دونوں طرف یعنی دائیں بائیں تھیں کچھ جگہ تکی ہیں پر مشیمہ طو پر لگا دیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حکمت میر جملہ کی بتائی ہوئی تھی جس کا نتیجہ کسی قدر اچھا ہی نکلا۔

ہندوستان کا طریقہ جنگ | مجھے معلوم نہیں کہ اس لڑائی میں کوئی اور جنگی حکمت بھی کی گئی ہو بہتر اس کے کہ مقابل کی صف کے اکثر حصوں سے ایک قسم کے بان دوڑوں طرف کے سواروں پر چلانے جاتے تھے۔ جن سے اکثر گھوڑے بھڑک جاتے تھے اور کبھی کبھی کچھ آدمیوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا۔ مگر میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہاں کے سواروں کی جلد پھرت بہت اچھی ہے اور لڑائی کے وقت گھوڑوں کو بہ آسانی بھراتے اور جھک دیر دیتے ہیں، بہت مشاق ہیں۔ اور تیر اندازی کو ایسی عجیب سرعت کے ساتھ کرتے ہیں کہ چینی دیہ میں ہر تیر انداز وندہ تین چھوڑے سوار چنے تیر چلا سکتا ہے۔ اور نہایت اچھی طرح سے منف بندی قائم رکھتے اور بخوبی سمجھتے رہتے ہیں۔ خصوصاً حملہ کے وقت دشمن پر خوب اکٹھے ہر کر گرتے ہیں۔ مگر اب یہاں ہم میں ان کو لڑائی کے فن میں فرنگستان کی نوج سوار کے مانند قابل اور ہوشیار نہیں سمجھتا۔ اور اس کا سبب اس کتاب کے ایک اور مقام میں بیان کروں گا۔

اب لڑائی کی کیفیت سننے کو جس وقت دونوں طرف بھڑائی سپاہیاں پہنچیں تو یہاں کے دستہ کے مطابق اول گول چلنا شروع ہوا اور پھر تیسری کثرت سے برسنے لگے کہ گول بادل چھا گیا مگر لڑائی کی گنگامری میں یکایک جینے کا ایک ایسا

پھیٹا ہوا کہ لڑائی جو فوج سرگرمی سے ہو رہی تھی مختصری ویہ کے لئے نرا فوجی پڑ گئی ۔
 مگر بادشہ کے رشتے ہی پھر تو ہیں چلتے گئیں اور دارا شکوہ اس وقت سرحدیپ کے ایک
 فوجیہر دست ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا اور سب طرف سے دعوادار کوئے کا حکم دیتا ہوا ہڈات خود
 سواروں کی ایک فوج کے ساتھ دشمن کی توپیں چھین لینے کو چڑی جرأت سے بڑھا۔ مگر
 مخالفوں نے ایسی مستعدی اور استقلال سے مقابلہ کیا کہ دارا شکوہ کے ارد گرد آن کی
 آن میں کشتیوں کے پٹے لگائیتے اور نہ صرف وہ فوج جو اس کے ساتھ تھی بلکہ بہت سی
 اور بھی جو پیچھے سے آن ملی تھی سب تتر بتر کر دی لیکن دارا شکوہ ایک عجیب استقلال
 کے ساتھ میدان میں قائم اور ہاتھی پر بیٹھا چاروں طرف بڑی دلیری اور بے باکی سے
 برابر نظر ڈالتا ہوا لڑائی جھڑپوں میں مصروف تھا چنانچہ اس کی دیکھا دیکھی اہل فوج
 بھی دلیر ہو گئے اور نامستقل مزاج اور فوجوں سے سپاہی جو جگہ جھوڑ گئے تھے دھڑ
 اپنے اپنے موقع پر اُتر آئے اور دارا شکوہ نے اگرچہ پھر کئی سترا تڑپے کئے مگر اور مگر زیب
 تک نہ پہنچے سکا کیونکہ دشمن کے توپ خانے نے اس قدر نقصان پہنچایا اور ایسا زور دیا تھا
 کہ بعض سپاہیوں کے دل جھوٹ گئے بلکہ کچھ بھاگ بھی گئے لیکن دارا شکوہ کی شجاعت
 و دلیری نے ایسا اثر کیا کہ اکثر سپاہیوں نے خدا نہ مڑا خدا اپنے مہارنگ سواروں کی رکتا
 میں اس تیزی سے بڑھے کہ آخر کار توپوں تک نہا ہی پہنچے اور ان کی زنجیریں کھل ڈالیں
 اور دشمن کی فوج کا دھڑا دھڑا گئے اور زہرہ خانہ کے رسالوں اور پیا دوں کی فوج کو مار کر
 بالکل بھگا دیا۔ مگر اس وقت سواروں کی فوجوں کے باہم نہایت ہی زور و شور سے
 لڑائی ہوئی اور اس کثرت سے تیر بڑھے کہ آسمان کا دیکھائی دینا دشوار ہو گیا یہاں تک
 کہ خود دارا شکوہ نے اپنا ترکش خالی کر ڈالا۔ مگر ان تیروں سے فرقی نہیں کاہندان نقصان
 نہیں ہوا کیونکہ دشمن میں سے لا تیر یا تو نشانہ تک پہنچے ہی نہ تھے یا وہ حرا دھڑا جارتے
 تھے جب ترکش خالی ہو چکے تو رسالوں کی لذت آئی اور فریقین اس شدت سے لڑے
 کہ جس قدر سپاہی مارے جاتے تھے اسی قدر ہوش بڑھتا جاتا تھا اور دارا شکوہ بڑی
 شجاعت سے پکار پکار کر اہل فوج کو برابر تسلی اور بڑھادے دیتے تھا اور علم پر چلے گئے
 ہاتھ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار دشمن کے سواروں کو بھی بھگا دیا اور اور مگر زیب سے
 وہ تھی پر سوار اور نزدیک ہی تھا ہر چند سپاہ کے قائم رکھنے میں بہت کوشش کی

فوجاں کے ایام سیری اور صد اور ٹکڑے

لیکن کچھ ناندہ دہوا اور اگرچہ اپنے خاص الخاص سواروں سے بھی چاہا کہ وارا شکوہ کو دیکھیں لیکن اُن کو بھی میدان جنگ سے نہایت اتیری کے ساتھ بھاگنا ہی پڑا۔ گروہ رے اور نگ نہیب تیری ولادری؛ جب دیکھا کہ تمام فوج بھاگ گئی اور ہر لوگ اب تک بھیج و سالم اور حاضر رکاب ہیں وہ بھی ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ (بلکہ میں نے سنا ہے کہ تربیب پانچ سو ہی کے تھے) اور اس حالت پر بھی غور کیا کہ بلا عساکر زمین کی تاداری اور نشیب و فراز کے (رہمد لیں لشکروں میں عامل تھی) وارا شکوہ اب ہماری اس خصوصیت سے باقی ناندہ فوج پر ضرور حملہ کرے گا تو ورا بھی نہیں ڈرا بلکہ اپنے سرداروں کو نام لے لے کر پکارا کہ

وہا اور ضاعہ نظر رکھو؛ بھاگنے سے کیا ہوگا؛ خدا سب جگہ ہے کیا تم نہیں جانتے کہ جنگ دکن کس قدر دور ہے ؟

اور نگ نہیب کی ثابت قدمی | اور اپنا یہ مزم۔ محتاسے کو کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان سے ہرگز نہ ٹلوں گا یہ ہمیشہ حکم دیا کہ - ہمارے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اُن کے حاضر رکاب رفقا اور جان نثار سردار اس نازک وقت میں وفاداری اور ہمت میں کچھ کمی کرتے تو ہاتھی کے پاؤں میں مزید زنجیر ڈال دی جاتی مگر ان لوگوں نے بالاتفاق اپنی جان نثاری اور وفاداری کے مضبوط وعدوں سے اور نگ نہیب کو ایسا ذکر کرتے دیا اور وارا شکوہ نے اگرچہ نہایت کوشش کی کہ بس طرح ممکن ہو اور نگ نہیب کو جاسے۔ لیکن زمین کے نشیب و فراز اور دشمن کے شکست یافتہ سواروں کی وجہ سے جواب تک میدان میں اور ٹیلوں پر اور عراضہ موجود تھے۔ اگرچہ تربیب طرہ پر پھر رہے تھے، اُس تک نہ پہنچ سکے۔ وارا شکوہ کا یہ خیال بے شک بھیج تھا کہ اور نگ نہیب کے مارے یا پکڑے جانے کے بغیر فتح ناقص ہے اور چونکہ انہیں اب مقابلہ کے قابل نہ رہا تھا اس لئے اُن کی رات ہی ایسا ہی کرنا واجب تھا کہ توڑا حملہ کر کے اپنے اس خوفناک تربیب کو یہ آسانی پامال کر دیتا۔ لیکن بعض واقعات کے سبب سے جن کو کہیں ابھی کرتا ہوں وارا شکوہ کا خیال ایک اور طرف دھج ہو گیا اور اور نگ نہیب نے ہندوستان کے بہادر سرداروں کے وقت میں بھاگنے کی نہ نسبت جان دینے کو بہتر سمجھا کر پیش آیا ہی کیا کرتے تھے۔ - س م ج

جو کھیل سے بچ گیا۔ یعنی داماشکوہ کو اس خطرناک موقع پر اپنی فوج کے بائین پرے
 جس بڑی بل چل نظر آئی۔ اور اُس کا ایک مصاحب یہ خبر لایا کہ بستم خاں اور ستر سال
 کام آئے اور رام سنگھ رخصت ہو چکی تھیں۔ ساتھ دھوا کر کے دشمن کی فوج میں
 جا گھسا تھا گھر گیا ہے۔ پس اورنگ زیب پر دھوا کر کے کا ارادہ چھوڑ کر آئے اپنے
 بائیں پر سے کی مدد کو نہایت جلدی کے ساتھ مانا پڑا اور داماشکوہ کے خیانت خود پہنچ جاتے
 کی وجہ سے ایک سخت جھڑپ کے بعد لڑائی کا رنگ پھر چل گیا۔ اور چاروں طرف سے
 فوج مخالف کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ لیکن انھوں نے ابھی ایسی شکست نہیں کھائی تھی کہ
 داماشکوہ کو بالکل بے تکرری ہو جاتی۔ اس بارہا میں رام سنگھ رخصت سے ایک
 بے خبر تھیں۔ ساتھ مراد بخش کو جازمی کیا اور کمال دہری سے اُس کی عاری کے
 چند رشتوں کو کاٹ ڈالا اور ترعب تھا کہ حریف کو باقی سے گرائے۔ مگر مراد بخش کی پھرتی
 اور تھیں۔ ساتھ نام رہا۔ مراد بخش اگرچہ زخمی اور راجہ قوت کے زبرد میں تھا
 لیکن دھماکے سے اپنے ساتھ برس کے بچے کو جو پہلو میں بیٹھا ہوا تھا بھاگے ہوئے پڑے
 اسٹیشن سے دستور لڑا مارا اور تاک کر ایسا تیرا مارا کہ بہادر راجہ وہیں کھینٹ رہا۔
 داماشکوہ کو اگرچہ اس خبر سے بہت رنج ہوا۔ مگر چونکہ اُس نے سنا کہ اپنے مالک
 کے بارے جاننے کی وجہ سے راجہ قوت نے نہایت فیضان غضب کے ساتھ مراد بخش کو
 گھیرا ہوا ہے۔ اس لئے باوجود چند طریق کی مشکلوں کے اُس نے بھی مناسب سمجھا کہ
 مراد بخش سے مل گیا جائے۔ اور اس صورت میں اگرچہ اورنگ زیب گرفتاری سے بچے جاتا تھا
 اور یہ ایک غلطی تھی مگر مراد بخش کے ہاتھ آجائے کہ بھی وہ اورنگ زیب کے پکڑے جانے سے
 رام سنگھ کا مراد بخش پر مل کر اور مراد بخش کے تیرے اُس کا مارا جانا سمجھ جے مگر اُس کے
 باقی کے کچھاد جہ کو کھانے کے لئے کوشش کرنا دست نہیں کہہ سکتا تھی تارینوں سے
 بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دلیرانہ عمل خود اورنگ زیب کے ہاتھ پر ہوا تھا اور جس سزا
 مل گیا تھا وہ چاروں جہوں سے سنگھ ہو سکتا ہے۔ لاجپور بھائی راجہ روپ سنگھ راجہ تھا۔
 اور اورنگ زیب کے منہ کرتے کرتے ہوا اُس کی اس بے مثل بہادری کی وجہ سے اُس کو بھائی پاتا
 تھا لڑائی کے شروع میں اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا۔ اس میں
 تلہ تیروں کے زخم چھڑکے تھے۔ اس میں

کہ کم نہیں، محتاج تھا۔

لیکن خلیل اللہ خاں کے دغا دینے سے بازی بگڑ گئی۔ اور یہ دغا بازی دارا شکوہ کی شکست | ایسی عجیب تھی کہ ایک آن کی آن میں دارا شکوہ کی دانتی برلاؤ

کا سبب ہو گئی۔ یہ شخص دانتیں ہرے کا سرور تھا جس میں تین ہزار مثل تھے۔ اور یہ ایسی اچھی فوج تھی کہ اورنگ زیب کی تمام سپاہ کے شکست دینے کو صرف یہی کافی تھی۔ مگر جب کہ دارا شکوہ بذات خود دانتیں ہرے کی فوج کو بڑی غماصت اور کامیابی سے لڑا اور فنا یہ مطلقاً اس کا شریک نہ ہوا۔ اور یہ دبا نہ بنائے رکھا کہ

”ہماری فوج کے لئے تو یہ حکم ہے کہ بطور کمک اپنی جگہ قائم رہے۔ اور جب تک کوئی شدید حدوت چلی نہ آئے ایک قدم آگے بڑھے اور ایک تیر تک کے چلانے کا حکم نہیں“

مگر اصل یہ ہے کہ اس کا اس طرح پرانگ تھلک رہنا ہرے سرے کی بے ایمانی اور دغا بازی پر مبنی تھا۔ وہ یہ تھی کہ اب سے چند سال پیشتر دارا شکوہ نے اس کی کہ بے وفائی کرنا ہی تھی۔ اور اس کیلئے کی آگ اس کے دل کو جلانے لگتی تھی۔ پہلے اس نے خیال کیا کہ ہرے لینے کا اب وقت ہے مگر دارا شکوہ کا جو نقصان اس نے اپنے آگ رہنے میں سوچا تھا وہ نہ ہوا۔ کیونکہ دانتیں ہرے دالوں کی مدد کے بغیر ہی وہ دشمن پر غالب آگیا تھا۔ مگر اس دغا باز نے اب ایک اور چال چلی یعنی سب کہ دارا شکوہ مر تو کبھی کے دباؤ کو اپنی سپاہ کی امداد کے لئے جارہا تھا یہ مکارہ امداد اپنے چند رفیقوں کے گھوڑا دوڑانے آیا۔ اور درست پکار کر رکھا۔

”مبارک باد حضرت سلامت! الحمد للہ الحمد للہ حضور کو بخیر و سلامتی بادشاہی اور نئے مبارک ہو! لیکن حضور یہ تو فرمائیں کہ اپنے خطرناک مرتد پر جب کہ مرادی کے ساتھ ان سے کئی گویاں اور تیر ہزار ہو چکے ہیں اتنے بڑے ہاتھی ہر کیوں سو رہیں۔ اگر خدا خواستہ ان بے شمار تیروں اور گولیوں میں سے کوئی جسم مقدس کو چھو جائے تو ہم لوگوں کا کہاں ٹھکانا ہے۔ خدا کے واسطے جلد اترے اور گھوڑے پر سوار ہو بیٹے۔ اور اب کیا رہ گیا ہے۔ صرف اتنی ہی بات باقی ہے کہ ان چند بھگوروں کا زیادہ تر چبھتی اور مستعدی سے تعاقب کیا جائے“

اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اب حضور ان کو اس قدر ہلست نہ دیں کہ بھلا کتنے
 اگر داد شکوہ ہاتھی پر سے اترے کو نقصان بھٹتا اور یہ سوچا کہ اس ہاتھی ہی کی بدولت
 آج میں کیسے کیسے کام کر سکا ہوں اور فوج کو میرے دکھائی دیتے رہنے سے کیسا کچھ
 فائدہ ہوا ہے تو وہ اپنی تمام بادشاہت کا مالک ہوتا۔ لیکن زندہ و احتقا اور سادہ شاہزادہ قریب
 میں آگیا۔ لیکن حضور ہی ہی دیر بعد اُس کو شک ہوا۔ اور پوچھا کہ خلیل اللہ خاں کہاں ہے۔
 مگر وہ اب کہاں تھا۔ اور کب اُس کے ہاتھ آتا تھا۔ اور دارا شکوہ اگرچہ اُس کو بہت بُرا
 بھلا کہتا رہا اور یہ بھی کہا کہ میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ لیکن اُس کا یہ غصہ اور وحشیاں
 سب بیکار اور بے فائدہ تھیں۔ کیونکہ سپاہ نے جب دیکھا کہ ہمارا مالک ہاتھی پر نہیں ہے
 تو فوراً اُس کے بارے جاننے کی افواہ اڑ گئی۔ اور تمام فوج اس دعوے میں پڑ کر حواس
 باختہ ہو گئی۔ اور عام شہلک مچ گیا۔ اور سب کہ اورنگ زیب کے قہر و غضب کے اندیشہ سے
 اپنی اپنی جان کی چڑ گئی۔ اور چند لمحہ میں تمام فوج تشریف ہو گئی۔ اور عجب انقلاب ہوا کہ غالب
 مغلوب اور مغلوب غالب ہو گیا۔ اور محبوب ماجرا ہے کہ اورنگ زیب نے صرف پاؤں گھٹنے
 ہاتھی پر سوار رہنے سے یہ نتیجہ پا کر تمام ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا۔ اور دارا شکوہ کو چند
 لمحوں میں از رویت اپنے ہاتھی پر سے اُترنے کا یہ کھل ملا کہ ہاتھی سے کیا اُترا گیا اور ج
 سلطنت سے گر گیا۔ اور یہ تخت بادشاہوں اور شہزادوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔
 دیکھئے انسان کیا کوتاہ اندیش ہے۔ اور ایک چھوٹی سی بات سے اس دنیا میں کیسے کیسے بڑے
 نتیجے پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کی فوجی تنظیم اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لشکروں سے بڑے بڑے
 ہندوستان کی فوجی تنظیم | شاہیاں کام بن پڑتے ہیں۔ لیکن فوج کی کثرت میں یہی غلطی
 ہے کہ ایک بار تیر ہو جاتے تو پھر اس کو عالت ساتھ پرانا مشکل ہو جاتا ہے اور جیسے کوئی بڑا دریا
 اُچھل کر کناروں سے باہر بہہ نکلتا اور اُس کا پانی پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح اجڑی کے بعد بڑے
 لشکروں کو تانہ میں لانا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ میں جب ان بے انتظام فوجوں کو دیکھتا تھا
 تھے ہندوستانی مثل فوج کی تنظیم لازم ترک فوج کی تنظیم کے اصول و قواعد ہی قائم تھے اور یہی وہ فوجی تنظیم
 ہے جس نے مغلطی پر ہدی فوج کے ٹڈی دل کے چھکے پھلا دیتے تھے۔ شہسب فرخی سیاح صلیبی بلوچ
 اور خانی ترکوں کے خلاف کہ بھول گیا ہے۔ زندہ پرش کا مذی اور اہل توحی کا نام جتھم کے شرفا۔

کر ہواؤں کے گھلوں کی مانند چلتی ہی تو ہمیشہ یہ خیال آتا تھا کہ ہمارے صرف پچیس ہزار کارآمد سپاہی زیر حکم پرنس کانڈی یا مارشل تورین ہندوستان کی فوج پر جو کتنی ہی کیوں نہ ہو غالب آسکتے ہیں اور جب یہی کتابوں میں پڑھتا ہوں کہ یونانیوں کی دس ہزار سپاہیں تھے جو سکندر کے ساتھ تھے ایران کے بادشاہ دارا کے چھ سات لاکھ آدمیوں کے لشکر کو شکست دی تھی درہرہ ملکہ یہ بات بھی ہو کہ دارا کی فوج بھیڑ کے سوا فی الواقع اتنی ہی تھی، تو باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجوں کی حالت پر لحاظ کرتے کے بعد مجھے ان روایتوں کی صحت پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ اور میری دانست میں امراسی سپاہ دشمن کے حملے کو اپنے معمولی استقلال سے روک کر کے ہر ایک ہندوستانی فوج کو سخت تہلکہ میں ڈال سکتی یا سکندر کی طرح دشمن کی صف کے ایک خاص حصہ پر اپنا تمام زور ٹال کر باقی سپاہ میں اپنا بخت خوف اور عام بے نظمی اور انتشار پھیل سکتی ہے۔

اورنگ زیب کی شاطراں چالیں | اورنگ زیب جو اپنی مطلب براری کے واسطے ہر شافراں حرکت اور فن و فریب کے لئے ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا یہ غیر مترقب اور خدا دلوں فتح پا کر اور یہ، کھل کر میرے معمولی جھکندوں کے کام میں آئے گا اب موقع ہے اپنی مکاری کی جانوں اور توڑ بھڑ میں معروف ہو گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ناباز غلیل اللہ خاں آن موجود ہوا اور تسلیم بہالا کر عرض کیا کہ بھلا آوری ضیاء کے لئے حاضر ہوں۔ اور جس قدر فوج سروسر اس طرف سے پہنچ کر میرے ساتھ آسکی ہے وہ بھی حاضر ہے۔ چنانچہ شہزادہ اورنگ زیب اپنے بے صدا نگہار مناصت کیا اور ہر شہ برٹسہ دے دے دے دے۔ مگر احتیاطاً سب وعدے مراد بخش کی طرف سے کرتا رہا۔ اور اس کے پاس لے گیا۔ اور موقع وقت کے موافق اس نے بھی بہت ہی کچھ آؤ بھگت اور غاصر عاری کی اور اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو برابر شاہ ہندوستان کہہ کر گھٹکر کرتا رہا اور غلیل اللہ سے کہا کہ

صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لائق ہیں۔ اور یہ فتح محض انھیں کی قابلیت اور شہادت سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر باطن کا یہ حال تھا کہ شب و روز امرائے سلطنت کو تحریریں بھیج بھیج کر چند دن کی اپنی طرف متوجہ اور رجوع کرتا جاتا تھا۔

ان دنوں اورنگ زیب کا ہا میں شانستہ خاں بھی اپنے اس بھائی کے حق میں بہت کچھ کو ثبات تھا۔ اورنگ زیب کی مدت اس کی مدد سے اورنگ زیب کو فائدہ بھی بہت ہی پہنچا۔ کیونکہ شانستہ خاں ایک چست و چالاک اور نہایت مدبر اور ذی اقتدار امیر تھا اور تمام ہندوستان میں اس کے یہاں صاف مشہور تھے کہ جسے تقرر اور غوطہ انشا و تقرر و نصاحت و بیاق اور خیریں زبانی سے بڑے بڑے کام نکال سکتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ کسی حقیقی یا خیالی حقیر کے باعث جو دارا شکوہ کی طرف سے اس کی نسبت بھڑکی آئی تھی یہ اس سے نہایت نفرت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے دارا شکوہ کی برہادی کے لئے اس موقع کو اس نے بھی نیست بھرا لیا تھا۔

باد جو اس لمحے کے حضرت اورنگ زیب بہادر اپنی وہی چال چلے جاتے تھے۔ یعنی بے غرضی اور غلوں نہت کے لباس میں حصول سلطنت کے منصوبہ کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے اور جو کچھ پیام و سلام اور وعدے و وعید اور کاروائیاں کی جاتی تھیں وہ سب مراد بخش کے نام سے ہوتی تھیں۔ اور اسی کو بادشاہ بنا رکھا تھا اور اپنے تئیں صرف اس کا نائب اور ایک فرماں بردار غیر خواہ بیان کرنا اور ایسی باتیں بنانا تھا کہ سلطنت کی شان و شوکت اور کمزور گویا اسے مرغوب ہی نہیں بلکہ فقیرانہ گذراؤ کرنا اور حالت فقیری ہی میں مر جانا اس کی دلی مراد اور یہی تمنا ہے۔

اس وقت دارا شکوہ خوف و خطر کے دریا میں ڈوبا ہوا سخت ناامید و ارا شکوہ کا قرار تھا۔ اگرچہ وہ غوراً آگرہ چلا آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ الفاظ اس کو یاد تھے جو شاہجہاں نے لڑائی پر جاتے وقت کہے تھے۔ اس لئے بادشاہ کے سامنے نہ ہر مساکر شاہجہاں نے ہر حال ایک وفادار خواہ سرکاری زبانی اس پر نصیب مشہور کی تسلی اور تسکین کے لئے یہ کہلا بھیجا کہ

میں اب بھی تم کو دیکھا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس معیبت کا مجھے بہت رنج ہے۔ بلکہ یہ بھی کہلا بھیجا کہ ابھی سلیبی شکوہ کی فوج اور لشکر

سلطنت اورنگ زیب سے سازش رکھنے کے مشہ میں الود کی صوبہ داری سے تو چلے ہی سزول ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ایک ماسخ میں ہم کھ آئے ہیں۔ مگر اس کے بعد جاگیر بھی ضبط ہو گئی تھی۔ بلکہ دو چار روزہ نمید رہے کہ بے وفائی کا بھی سدھ اٹھا چکا تھا۔ سامع

سب صحیح و سلامت ہے تا امید ہوئے کی کوئی بات نہیں۔ اور ہماری صلاحت یہ ہے کہ بالفعل حم دہلی کو چلے جاؤ صوبہ دار کو حکم بھیج دیا گیا ہے وہ تم کو بادشاہی اصطبل میں سے ایک نذرانہ گھوڑا اور خزانہ اور ہاتھی دے گا۔ اور اگر وہ دور نہ جانا چاہے۔ بلکہ ایک ایسے مقول ناصلہ پر نصیرنا مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریروں میں تم کو آسانی ملتی رہیں۔ اور ہم کو اب تک یہ امید ہے کہ ہم اورنگ زیب کو تار میں ڈال سکیں گے بلکہ سزا دے سکیں گے۔

مگر دارا شکوہ ایسا شکستہ خاطرہ اور اس قدر ٹھیکین تھا کہ ان محبت آمیز باتوں کا کچھ جواب دوسے سکا بلکہ مقول طور پر اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ آپ کا پیغام میرے پاس پہنچ گیا۔ اور اس کے بعد بیگم صاحب کے پاس چند پیغام بھیج کر اسی رات کے وقت صدمہ اپنی بیگم اور بیٹوں اور اپنے فرزند سپہر شکوہ اور قریب تین چار سو آدمیوں کے دہلی کی طرف چل دیا۔

سلیمان شکوہ کی صحرائی دہلی | اب ہم دارا شکوہ کے دہلی جانے کے احوال کو کہہ رہے ہیں۔ اس فہم گیتی اور شکستہ دلی سے رواد ہوا یہ ہیں پھوٹے ہیں۔ اور اورنگ زیب کے اس جڑ توڑ کا حال کہتے ہیں جو اس نے بڑی دور اندیشی اور صحتِ تدبیر سے اگر پہنچے کر کئے چنانچہ سب کچھ پہلے یہ سمجھ کر کہ سلیمان شکوہ کے لشکر میں اتنا فانی کا بیج بویا بلکہ مہذب سرداروں کو اپنی طرف کر بھی لیا۔ اور اس تدبیر سے دارا شکوہ کی امیدوں کا بالکل خاتمہ کر دیا یعنی راجہ جے سنگ اور دلیر خاں جو سلیمان شکوہ کے لشکر کے سب سے بڑے سردار تھے۔ ان کو کہا کہ دارا شکوہ بالکل تباہ ہو گیا ہے اور وہ مثالِ لشکر میں پراس کو اس قدر گھمنڈ تھا شکستِ فاش کہا کہ ہمارا ملحق ہو گیا ہے اور وہ ایسی بے سرو سامانی سے بھاگا ہے کہ سرداروں کا ایک رسالہ تک ساتھ نہیں۔ اور امید ہے کہ ہم بہت جلد اس کو گرفتار کر لیں گے۔ اور حضرت شاہجہاں اس قدر طویل ہیں کہ صرف چند روز کے جہان اور چسپانہ صحرای ہیں۔ پس اس حالت میں اگر تم ہم سے مقابلہ کرو گے تو خیرہ بجز خرابی اور ہلاکت کے کچھ نہ ہوگا۔ دارا شکوہ کی اس اہتر حالت میں اس کی طرف داری کرنا نہایت ہی ناواقف ہے۔ اور تمہارے حق میں اب بھی بہتر ہے کہ ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اور سلیمان شکوہ کو ہر آسانی گرفتار ہو سکتا

ہے کہ ذکر ساتھ لیتے آؤ۔

جسے سنگھ اور دلیر خاں اگرچہ چند سے متاثر اور متروک رہے۔ کیونکہ اب تک شاہجہاں اور داماد لشکر سے ڈرتے تھے اور شاہزادہ پر اتنا ڈٹا لٹنے سے بھی اس وجہ سے خوف کھتے تھے کہ ایسی حرکت بافضل یا آئندہ کسی دن جہاز سے فتنے میں مضر اور موجب نرا ہو سکتی ہے۔ اور محب نہیں کہ خود اورنگ زیب ہی کے ہاتھ سے نازل جائے۔ اور یہ بھی خوب معلوم تھا کہ سلیمان مشکوہ کیا عالی و دانش و غیر اور بلند حوصلہ و دلیر شاہزادہ ہے اور جسے ملک جان سے دے گا مگر قید کبھی نہ ہو گا۔ مگر آخر کار دونوں سنے یہ نظریہ ایا کر دیا کہ جسے سنگھ سلیمان مشکوہ کے غم میں جائے اور اورنگ زیب کی تحریریں دکھا کر اپنی رائے سے اس کو مفصل اور پیوست کنندہ مطلق کر دے۔ چنانچہ راجہ نے شاہزادہ سے جا کر کہا کہ میں خطرناک حالت میں آپ پرے سے ہوتے ہی مناسب نہیں کہ میں اس کو آپ سے بچہ مشید رکھوں۔ اور معاملات کی حالت ایسی بدل گئی ہے کہ اب آپ کو ذوق دلیر خاں ہی پر اعتماد کرنا چاہیے اور دواؤ خاں اور اپنی فوج ہی پر۔ اور اگر آپ اپنے باپ کی امداد کے ارادہ سے فوراً بھی آگے بڑھیں گے تو بے شک تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ پس مناسب یہ ہے کہ آپ سری نگر کے پہاڑوں کو چلے جائیں۔ وہاں کا راجہ بیٹھا آپ کو بہت خاطر داری سے رکھے گا اور ملک کے دشوار گزار پورے کے باعث اورنگ زیب سے اس کو کچھ ڈر بھی نہیں ہے۔ اور اس محفوظ جگہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر آپ حالات اور واقعات پر نظر رکھیں اور جب موقع معلوم ہو تو باسانی وہاں سے آکر متقاضی وقت کے موافق عمل کر سکتے ہیں۔

شاہزادہ یہ گفتگو سننے ہی بھ گیا کہ اب نہ تو بے سنگھ ہی اچھا ہے اور نہ لشکر ہی اور سب پر گشتہ ہیں۔ اور یہاں ٹھہرنا جان بوجھ کھوں میں پریشان ہے جس ناچار توجہ و لشکر کو وہیں جموڑ کر اپنے چند ٹک حلال اور خالص زمینوں کے ساتھ بڑا کٹر منصب دار اور دولت کے سپہ ستمی تھے۔ اور جنہوں نے اس کی رفاقت کا ترک کرنا خلاف فریاد تھا کہ ہستان کی طرف چل و یا۔ مگر جسے سنگھ اور دلیر خاں ایسے کہنے چکے کہ کچھ سہا ہی بھیج کر اس پر چارے کا مال و اسباب لوٹ مٹکا یا۔ جس میں اشرافیوں سے لدا ہوا ایک ہاتھی بھی تھا اور ان کی اس نالایق حرکت کے باعث سلیمان مشکوہ کے بہت سے ہمراہی شکست خاطر ہرگز اس سے جدا ہو گئے۔ اور جو باقی رہے ان کو اکثر دیہاتی گزداروں نے لوٹ کھسوٹ

قباہاں کے ایام مہرہ اور مہرہ لگنے پر

کرتا ہ کر دیا بلکہ ان کے ہاتھوں سے بہتر سے اسے بھی لگنے لگا جس طرح بن پڑا یہ
گرتا پڑتا اپنی بیگم اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر سرے لگا کر چاہیگا اور وہاں کارام
اُس کے رُتبہ کے لائق تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور تسلی کی کہ جب تک آپ اس ملک
میں ہیں میری تمام سپاہ آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے اور آپ کو کچھ خوف و خطر
نہیں ہے۔

اسے مانگیز نام میں سلیمان شکوہ کے سرے لگا جانے کے حالات کو بہت طوالت سے لکھا ہے مگر ہم اس
کا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں کہ جب سلیمان شکوہ الہ آباد سے تین منزل اس طرف آ پہنچا۔ تو رات کی
چوتھے دن باپ کی شکست کی خبر ملی۔ اور اس کشمکش کی حالت میں جو راجہ جے سنگھ سے صلح ہو چکی
تو اس نے یہ مشورہ دیا کہ اول تو جس طرح بنے دہلی پہنچ کر اپنے باپ کے ساتھ داخل ہو جائیے۔
اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو رستہ کر لیا جا کر آباد جا کر ٹھہریے اور موقع وقت کا انتظار کیجئے اور جب وہ الہ آباد
جائے گا تو رہا تو رات سے جواب دے دیا۔ بلکہ میں رات کی وقت اپنے دوست دلیہ خان کو بھی
دیکھنے بھیجا کہ ساتھ ساتھ سے روک لیا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر اور سرداروں نے بھی اسی کی
پہروی کی۔ اور اگرچہ مشہور کہ رات کے دہلی پہنچنے کی تھی۔ مگر اس کا اٹالیاں بہادر خاں اُس کو الہ آباد
سے گیا۔ کیونکہ یہاں کا مشہور حکمران دلا شکوہ کے ایک منہ لازم سپہ سالار کا سردار وال کے
قبضہ میں تھا۔ اور چند روز قبل کہ کھنڈ کی راہ سے قصبہ گدیہ کی طرف (جو دلا شکوہ کی مٹی ہے) میری بیگم
صاحب کی جاگیر میں تھا اور اس کو اس کتاب میں بھیج دیا ہے (جہاں ہر گز لکھا ہے) اور وہاں تاکہ لگنا کے
کسی گھاٹ سے اتر کر اور پھر بہارن پور کے قریب جڑے کے گھاٹ سے دوڑا ہے جتنا کہ مورد کر کے
بغاب کو آپ کے پاس چلا جائے۔ مگر جب دشمن کے مقربوں نے ہر دو دن کی مزاحمت کے باعث
اس طرف سے لگنا کو مورد نہ کر سکا تو مراد آباد کے قریب سے ہوتے ہوئے ہر قدر کے قریب وہاں کے رہا
غور شاہ مہرہ لگنے کی مدد سے اس کو دیا سے اترنا چاہا۔ اور اس ارادہ سے بمقام چاندی پہنچ کر وہیں کو
صاحب مانگیز نام سے۔ محاذی ہر دو دن متصل ملاقات سرے لگا۔ لکھا ہے) بمقام داس نامی اپنے دینا
- یہاں تک کہ وہ پہلے بھی دلا شکوہ کا بیجا بہادریاں ہر آیا تھا کہ خلاف سے کہ سرے لگنے کے راجہ کے پاس
کشتیوں کے ہم پہنچانے میں مدد کرنے کے لئے بھیجا۔ گزشتہ میں جو امیراٹ شاہ سے خاں اور فدائی خاں
بہت سی قوت کے ساتھ سامنے آ موجود ہوئے اور بہرہ سرے لگنے کے کچھ چارہ دریا تو چاندی سے اتر کر
بمقام ۱۲۵۴ سال جو سرے لگنے کی مدد میں داخل تھا مہرہ کیا۔ اور یہاں سے راجہ کے اہل کار پہاڑ پر سے لگے اور

شبِ عاشقہ منور گزشتہ - چاند منزلِ راجہ خود آگئے یا در سری مگرے گیا۔ اور کہا کہ آپ مختصر طور پر یہاں تشریف رکھ سکتے ہیں۔ مگر ان ہاتھی گھوڑوں اور نوجوان لشکر کی پیروی اس پہاڑی اور چھوٹے سے ملک میں گنجائش نہیں۔ اب بہادر خاں تو مرضِ موت کے سبب اجازت لے کر شہزادہ سے کیا گیا بلکہ پہاڑ سے اترتے ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ اور باقی ماندہ سرباز جو تائبیدوں کے باعث اور مردِ مہر کھسک جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ کی مرضی اور راجہ کے غلاموں کی رہنمائی کے بغیر اس پہاڑی ملک میں سے نکل نہیں سکتے تھے انہوں نے کہہ چھوٹ جی ہوں کہ اس کو پھر الٹا باد جاتے کے لئے آمادہ کیا تاکہ شہزادے کے ساتھ شامل ہو جائے دیکھو کہ اپنی شکست کے بعد دانا شکوہ نے نہ یہ خط و کتابت معائنہ کر کے اسی کو آگرہ پر حاکم کرنے کی ترغیب دی تھی، امراضِ شہزادہ راجہ کا شکر یہ ادا کر کے اور کہہ تھے محتاط رہو کہ رخصت ہو۔ مگر نگینہ میں وہاں پہنچے ہی یہ واقعہ باز اور محدود غرضِ غیر خواہ اس کو کچھ نہ کر اور فوراً چل دیتے اور یہ ناچاری پھر سری منگڑ کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور اب سوائے سپیادہ کے جس کا بھائی سید قاسم اب تک تلوار اٹھا کر تھا ہے جوئے تھا اور انہی کے کوکے مرزا شاہ اور دوستی اور سربازوں اور چھاری مصیبت زدہ بیگم اور چند اور عورتوں اور شوہر کو چاکر دین اور ہزاروں کے اسی تلم فوج و لشکر میں سے کوئی بھی ساتھ نہ رہا۔ اور چونکہ اس کے پہاڑ سے اترنے کی خبر سن کر ادبِ رنگِ زیب کے بعض سرباز پھر اس کا راستہ روکنے کے لئے آچھپے تھے۔ اس لئے یہ خوف زدہ شہزادہ گھبراہٹ میں جس خود ہواہٹ اور آخر فحاشی ساتھ ساتھ سکائے کر راتوں رات نگینہ سے چل کھڑا ہوا اور خوف کے سبب معمولی راستہ چھوڑ کر راجہ کے آدمیوں کی رہنمائی سے ایک اور راستہ سے سری منگڑ کو چلا گیا جہاں شہر سے چنے آکر راجہ آئے اپنے ہاں لے گیا۔

واقعہ ہو کہ شہرِ سری منگڑ صدائِ پہاڑی طاقتوں کے ایک حصہ کشمیر کے جو اس وقت گلابیوں اور سری منگڑ کے راجہاؤں کی غور و محکومتوں میں تھے۔ اس زمانہ میں گورنمنٹ انگلشیہ کے ماتحت اور کشمیری کامیوں کا جس کا صدر مقام انوڑ ہے ایک جہاد میں کئی پرستانہ نالوں میں سے جو کہ ہستانہ جلا سے نکلنے کے بعد دیئے گئے کہلاتے ہیں انھیں تھانے ایک نالہ کے کنارہ سطحِ سمندر سے سترہ سو انچاس فٹ بلند اور ایک بارہویں اسٹینڈ گنز کا جائے تمام ہے۔ اس پھری صدی کے شروع میں جو کہ ہستانہ نیمال کے رہنے والے گورکھا لوگ ہندوستانی کے مغربی اور شمالی پہاڑوں پر بہت دور تک جا بھی پہنچتے تھے تو انھوں نے یہاں کے راجہ کو اپنی حکومت سے خارج کر دیا تھا مگر یہ مسکرا۔ انگریزی نے ان کو اپنی سب پہاڑوں سے نکال دیا تو سلطانہ میں رہاں کے غارت شدہ و مام خورشید شاہ کو گورنر ہاں کا قریب سے رہائش پر پھر بحال کر دیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ملک میں سے وہ حصہ ہوا کہ خدا اور خدا انکی کے خاتم تھا

قباہیاں کے ایام اسیری اور جہاد تک زیر

اورنگ زیب گرے میں | اب ہم ان واقعات کا ذکر پھر شروع کرتے ہیں جو آگرہ کی طرف وقوع میں آئے سو گز حد کی رسانی کے تین چار روز بعد دواؤں شاہزادوں نے ایک باغ میں جو آگرہ کے سامنے قریب تین میل کے ہے ڈیرے آن لگائے اور ایک خواہر سرا کو جو اورنگ زیب کا نہایت مشہور ملکہ اور چالاک و میدی میں گویا خود اورنگ زیب ہی تھا شاہجہاں کے حضور بھیجا اور اس نے اس نے اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے تسلیات کے بعد اپنے آقا کی طرف سے بے حد ادب و تعظیم اور محبت و فراس برداری کا اظہار کیا اور عرض کی کہ

میں اور یہ کہ جانب شرعی کی طرف تھا مدد و دیہہ دونوں اور ہر گز رام گڑھ کے اپنے ہمراہ رہنے دیا۔ چنانچہ ریاست مذکورہ کا مدد مقام اسپتہری نامے ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو پچیس دسے تیس دس تھے موضع شمالی اور اشتر ہے انھیں دیکھتے طول شرعی پر سند سے دو تیراٹ بلند گنگا کی ایک شاخ جو کہ تھیں تھی کے اسی کنارے سری گر کے سامنے قریب دو منزل کے فاصلہ پر آباد ہے اور رام سورج بھسی راجپوت قاتلان کے قوم ہے۔ اور اسی کے نام کے اخیر میں نیپال کے فرمان روا خاندان کے راجا جی کی طبعیت شاہ کا افتخار لگایا جاتا ہے۔ مثلاً انھیں حال میں کا نام پنجاب شاہ ہے بھوانی شاہ کا بیٹا اور سو در شاہ کا پوتا ہے اور قبل ستر سالہ کے دیر صوفی تاریخ میں میری دہلی واقع یکم ہزاری مستطرد و تہ چار ہزار ایک سو اسی میل سرحد اور آدھلی اسی ہزار اور آبادی ڈیرہ لاکھ تو تھیں کی ہے اس رام کا نام میں نے سلطان شکوہ کو چاہی تھی مگر یہ زبان کی ادبیز میں ہر تھیں سنگ اور تھیں پہ کھا ہے۔ گرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا فقط سلاطین مغلیہ کے ادب کے منافی کھسکا فقط سنگ اور تہ کے ساتھ مانستہ جلد دیا ہے۔ جیسا کہ گنگا اور بھوانی کے بادشاہوں کو کھاتے قلعہ خواہ قلعہ الملک اور کھاتے عادل شاہ عادل خان کہتے تھے۔ اور ناظرین تاریخ کے سنا یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں جو مقامات لیے دشوار گزار اندے کو جب جگے جگے تھے کہ ان کے دشمن اور باغی وہاں کے آزاد وطن ماجاؤں کے پاس ہا کر بہ مختلف چاہ لیتے تھے سرکار مایہ انگریزی کی کوششوں سے وہی مقامات کھسکے تھے یہی بہت آگے اور بعد تک وہ مرکزوں اور جوں کے بن جاتے کی دہ سے اسے سہل اسیر ہو گئے ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ سے سر سال ہزاروں جاتی مرد اور عورت ہندو میں نا اسی و دیہہ تھیں کے دشمن کو جو جا کر کے برنائی اور سر تک پہاڑوں میں راجے ہیں اسی سری گرا و لیڈی کے راستے سے بہت آہم کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ میں ہے

یہ جو کچھ گذرنا شکوہ کی کچی رائے اور بے جا جاہ طلبی کے خیالات کے باعث ہوا۔ اور نگ زرب نے حضور کی خدمت میں حصولِ صحت کی مہارک یا عرض کی ہے۔ اور ان واقعات کے وقوع میں آنے کا اُس کو نہایت ہی رنج و افسوس ہے۔ اور اُس کا اگر وہ آنا محض اس فرض سے ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو وہ بسر و چشم اُس کی تعمیل کرے۔

جس کے جواب میں شاہجہاں نے بھی اپنے نذرانہ سعادت مند کے طرہ و طریق کی نسبت امیں ہی تھاپہ داری اور تعلق کے ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اس کی سعادت مندی اور ایسی نراں برداری سے ہم نہایت راضی اور خوش ہیں۔ اگرچہ شاہجہاں اور نگ زرب کی مکاری اور شوقی جہاں داری سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُس کی ان ظاہری باتوں پر اُس کو بڑا اعتماد نہ تھا۔ مگر باوجود اس کے اُس نے صفائی کے ساتھ معاملہ کر لیا۔ سو نہ کیا یعنی اگرچہ یہ مزدوری تھا کہ وہ بارہی املا اور ارکان دولت کو جمع کر کے خود اُس کے مقابلہ کو نکلتا اور اس طرح خلافت کی نظریں اُس کو علانیہ باغی ثابت کرتا حالانکہ ان اُمور کے لیے اب تک موقع نہ تھا۔ مگر کہ نہ کیا اور اس کے عرض صرف چالاک اور دھم بازی سے اور نگ زرب جیسے شخص پر چھاپی باتوں میں دینا بھرے تیز تھا غالب آنا چاہا۔ پس اُس کا خود اس حال میں بچسب جانا بدھیشے کے لئے بکھلا تھا کچھ نمیب کی بات نہیں اور اس کی تفصیل اس مسموع پر ہے کہ شاہجہاں نے ایک مختصر خراجہ سرکار اور نگ زرب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ

بے شک دانا شکوہ نے جو کچھ کیا وہ سب نامناسب تھا اور اُس کی بے بھی اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا کہ تم پر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پس تم کو ہمارے پاس جلد آنا چاہئے تاکہ تمہارے مشورہ سے ان اُمور کا انتظام کیا جاسکے جو امن اور اتقوی کے باعث خراب اور ابتروٹھے ہوئے ہیں۔

گراں محتاط شہزادہ نے چچا گئی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے قصہ میں چلے جانے کی دلیری دیکھ کر اُسے معلوم تھا کہ بیگز صاحب کسی رحمت بادشاہ سے جہا نہیں ہوتی اور اُس کے مزاج پر اس قدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے۔ اور یہ پیغام اُسی کا ایک حکم ہے۔ اور اُس نے تھلا تھریٹیں سے جو عمل سراہیں جو کی پہلو کے کام پر متعین تھے اصل کتاب میں اتنا ہی مرتب ہے کہ وہ حکم قوم کی عینیں جو عمل کے جو کی پہلو کا کام لگائی

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہر اور نگین

رہی ہیں کچھ قوی سیکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس قصد سے نکلا رکھی ہیں کہ جب وہ قصد میں داخل ہوتی تو فرما اُس پر آن پڑیں۔ اور اگرچہ اُس نے بار بار اپنی حاضری کی تاریخیں اور دن مہینے کیسے لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹالتا ہی رہا۔ اور اور اپنی معمولی کارروائیاں کرتا رہا یہاں تک کہ اکثر بڑے بڑے ذی اقتدار امیروں کا مدعیہ دریافت کر لیا۔ اور جب سب بندوبست ہو گیا تو یکایک اس کا بیٹا محمد سلطان آکر قلعہ پر قابض ہو گیا جس سے سب لوگ ہتکا ہکا رہ گئے۔ اس جاں باز اور مافی ہمت جوان نے کچھ سپاہی پہلے سے قلعہ کے آس پاس نکلا رکھے تھے۔ پس اس بہانہ سے کہ بادشاہ کی خدمت میں کچھ بنیام لے کر جاتا ہے یکایک اُن سپاہیوں پر آ پڑا جو قلعہ کے دروازے پر متعین تھے اور جو سپاہی اور اہل گھات میں لگائے ہوئے تھے حملہ پٹ آپہنچا اور اہل قلعہ کو مغلوب کر کے جی کو اس کا کچھ وہم و گمان بھی نہ تھا قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت شاہجہاں کو جس قدر خوف و اضطراب ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے پس جس شخص کے پکڑ لینے کے لئے وہ اتنے دلوں سے گھاتیں لگا رہا تھا اب خود ہی اُس کا قیدی بن گیا۔

کہتے ہیں کہ اس بادشاہ نے نصیب ناو خاں نے قید ہوتے ہی محمد سلطان کا قلعہ پر قبضہ کر لیا کہ یہ بیچارہ بیچارہ

میں تم سے تفتیش کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور قرآن مجید میرے ہتھارے ہتھارے میں ہے کہ اگر تم اس وقت مجھ سے ایمان داری ہو تو تو میں تمہیں کو بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ اور اس مرتبہ کو نیست جان کر ہاتھ سے دود اور نوراً چلے آؤ اور داد کو تمہارے چہرہ اور یاد رکھو کہ اس سے تم کو ثواب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ایک دائمی نیک نامی حاصل رہے گی۔

لوگوں کا قول ہے کہ اگر محمد سلطان نواب جرات کے شاہجہاں کے کہنے کو مان لینا تو غالباً

عقیدہ حاشیہ ہو گا کہ مشدّد، اُن کو قتل کیا نہ کہتے تھے اس لئے قید میں دینا اختیار کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعاقب میں ایک جلائی ہی قوم ہے۔ س م م

۱۔ اصل کتاب میں تاج کا لفظ ہے جس کی جگہ ہم نے ہندوستان کے محاورہ کے بموجب تاج کا لفظ اختیار کیا ہے کیونکہ ہم کو یہ ہے کہ کوئی کے خاندان شاہی کے اکثر لوگ نہ تھے بلکہ ان میں سے اس خاندان کا نام سلطان ہی ہو سکتا ہے۔ بات پر غصہ ہی کا نام کھا کر تھے تھے حالانکہ وہ کچھ تخت ہی رہا نہ تاج بہ غلبہ کہ تفتیش کی قسم اس خاندان ہی جی جی ہو گا اور مقدس بھی ہائی تھی۔ س م م

وہی سب کچھ ہوجاتا کیونکہ اب تک یہی لوگوں کے دل میں شاہجہاں کا ادب اور محاذ بہت کچھ باقی تھا۔ اور اگر یہ غمزدہ اسے قلعہ سے نکلنے دیتا اور یہ تہہ بادشاہ کچھ فروغ لے کر ذات خود اور نگزرب پر حملہ کرتا تو غالباً کل فروغ اس کی فرائ برداری کرتی اور فی اقتدار امیرنگزرب حلائی اور وفاداری سے پیش آتے۔ اور اس بات پر بھی سب لوگ متفق الماتے ہیں کہ اس موقع پر محمد سلطان سے ویسی ہی غلطی سرزد ہوتی جیسی کہ سوگندہ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں سے ہوتی تھی۔

ابہر حال اس جگہ بادشاہ کی غلطی مائے ۷ پھر ذکر آگیا ہے تو انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی نسبت یہ بھی ظاہر کروں کہ تمام حالات پر نظر کر کے بہت سے ذی رتبہ و ہر لوگوں کی بالاتفاق یہ مائے تھی کہ وارا شکوہ کی شکست کے بعد اس بوڑھے بادشاہ کو قلعہ ہی میں رہنا اور اور نگزرب کو قریب ہی سے گرفتار کرنا مناسب تھا۔ اور ان ۷ قریب تھا کہ خلائی ۷ تا بعد ہی ہے کہ نتیجہ کے ظہور کے بعد کسی تدریج کو تھرا یا بھلا بتلایا کرتے ہیں اور اکثر اوقات جب کہ نہایت ہی کچے عنصر پہ چل جاتے ہیں تو لوگ ان کی بھی تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں۔ یہی شاہجہاں کا الفت و محبت اور صفائی نیست و محبت کہ اور نگزرب کو گرفتار کر لینا کچھ ناممکن نہ تھا اور اس صورت میں اس کے قہم و فراست کی ویسی ہی تعریف اور تائید ہو جاتی جیسے کہ اب سب بڑا کہتے اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ قتل سے خارج بادشاہ ایک ایسی صورت و بیگم صاحب کے کچھ ہر چلنے سے اس حال کو پہنچا ہر صرف کہنا اور عداوت کے جوش سے اندھی ہو ہی تھی اور بے عقلی سے یہ کچے مٹی تھی کہ وہ سب ناکو اور نگزرب قلعہ میں ہم سے لئے کو آئے اور اس حاکم کی طرح ہر عہدہ و پیرہ میں ان پہننے گرفتار ہوجائے گا۔

اب محمد سلطان کی صفیہ اس کی نسبت عموماً اس ملک کے مہر لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاج شاہی اس کو مفت ہاتھ آتا تھا۔ مگر اس سے لیا نہ گیا حالانکہ اس میں کو جب قریب مشہور و چھڑا و ہم قریب سلطنت اور واداکے قید سے چھڑا دینے کی نیک نامی دونوں حاصل ہوتی تھیں۔ پس اگر وہ ایسا کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ دو جوان شہزادہ بجائے اس کے کہ قلعہ کی دیوار میں پھانسی لگی کے دن گنا کر تباہ کل امور سلطنت کا وہی مالک و مختار ہوجاتا۔ اور اگر یہ چند شخص یہ

قلعہ یہ محمد سلطان کے عہد میں تھا ہے ہاں پھر اشارہ ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ س م م

خیال کرتے ہیں کہ اس نے باپ کی اہانت اور حق پرستی پر نظر کر کے بادشاہ کی درخواست کو قبول دیا۔ مگر غیبی غالب یہ ہے کہ اس کو شاہجہاں کے عہد و چاں پر بچائی کا بھروسہ نہ ہوا اور اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسے قلعہ اور شہر شخص سے جیسا کہ اورنگ زیب ہے لڑائی مول لینا محض بے فائدہ اور سراسر خطرناک ہے۔ بہر حال شہزادہ کا خیال خواہ کچھ ہی ہو مگر خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اس پر نصیب بادشاہ کی تجویز نہ مانی بلکہ پاس جانے سے بھی یہ حذر پیش کر کے انکار کر دیا کہ

مجھے اورنگ زیب کی طرف سے حضور میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔
 بلکہ تاکید ہی حکم یہ ہے کہ قلعہ کے کل دواڑوں کی کنجیاں خود اپنی سہولگی میں
 لے کر میں یہاں سے نہایت جلد واپس جاؤں کیونکہ وہ حضور کی قدم لوسی کے
 ازبک مشتاق ہیں اور صرف اتنی ہی دیر ہے کہ اس امر سے الطیمان ہر جگہ
 تو فوراً حاضر ہو جائیں۔

اب دونوں تک تو شاہجہاں کنجیوں کے دینے میں ہچکچاہٹ کرتا رہا۔ لیکن جب اس نے
 دیکھ لیا کہ سب لوگ اسے چھوڑے جاتے ہیں خصوصاً یہ سب کہ اگر تھوڑی سی فوج جو
 خاص کی محافظ تھی وہ بھی چل دی۔ اور اب بچاؤ کی کوئی امید باقی نہیں ناچار قلعہ
 کی کنجیاں حراسے کر دیں اور بتاکید کہلا بھیجا کہ

اورنگ زیب کو اب تو آنا ہی چاہیے۔ اور لاہور مانائی بھی ہے کہ وہ جلد ہم
 سے ملے کر آئے کیونکہ سلطنت کے بعض مزوری اسرار ہم اس کو بھسانا
 چاہتے ہیں۔

شاہجہاں کی گرفتاری | لیکن وہ سیاست دان محض اپنی چال سے جو کئے والا نہ تھا چنانچہ
 بجاتے اس کے کہ اس ارشاد کی تعمیل کرے تو یہ اعتبار خاں نامی اپنے
 ایک مقرب خواجہ سے کہ قلعہ دار مقرر کر دیا جائے

میں نے پہنچے ہی سب جگہوں پر بیگم صاحب اور خود شاہجہاں کو قید کر دیا۔
 بلکہ قلعہ کے اکثر دروازے تک چنوا دیئے۔ اور بادشاہ اور اس کے پیچھے

لے گا لکیر نام سے ظاہر ہے کہ متارفاں اس دست دکن میں تھا۔ اس کو نہیں بلکہ درواغ خاں کو قلعہ
 دار بنایا گیا تھا۔

کے باہم آمد و رفت کو کیسی خط کتابت اور سلام پیام کے تمام ذریعے بھی مسدود کر دیئے۔ اور شاہجہاں کو اتنی بھی اجازت نہ تھی کہ قلعہ دار کی اخلاص کے بغیر اپنے کمرے سے باہر نکل سکے۔

بادشاہ کے نام اور رنگ زیب کا علاج | اب اورنگ زیب نے باپ کو ایک عرصے کوگون کو سنا یا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ ہے ادنیٰ مجھ سے اس لئے سرزد ہوتی ہے کہ حضور نظامِ ہر اسیری نسبتِ انہماکِ الفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم و امثالہ کے طور و طریق سے سخت ناماں ہیں مگر مجھے پہنچنے خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرافیوں سے لے کر ہوتے دو ہاتھی اُس کے پاس بیٹھے ہیں۔ جن سے وہ نئی فوج تیار کرے گا۔ اور اس خوں ریز لڑائی کی طوالت دے گا۔ یہی حضور ہی خود فرمائی کہ یہ حرکتیں جو فرزندوں کے معمول اور طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں مجھ سے ان کے سرزد ہوجانے کا باعث کیا صرف و امثالہ کے خود سری اور غنا و ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرفِ قدم لڑی سے میری محرومی اور حضور کے خلاف تو تجھے فرزندانہ خدمات کی بجا آوری میں اس قدر تاخیر کا باعث محض یہی ہے۔ اور میں حضور سے کہاں مصفت یہ التجا کرتا ہوں کہ میرے اس بظاہر ہر ہمت انگیز طرزِ عمل سے صرف نظر کر کے اس سوالِ آزلوی کو صرف چند روز کے لئے ہے تحمل کے ساتھ گوارا فرمائیے اور جب و امثالہ و امن و امان میں غل اے اے ہوتے اور حضور کو اور محکوم و اذیت دینے کے قابل نہ رہے گا تو میں فوراً قلعہ کی طرف از خود دوڑا چلا آؤں گا اور حاضر ہو کر دست بستہ عرض کروں گا کہ اب کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔

اورنگ زیب کے الزام کی تحقیق | اگرچہ میں نے سنا ہے کہ شاہجہاں نے فی الواقع یہ اشرافیان پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا اور اس کی خبر روشن آنا لگے نے اورنگ زیب کو پہنچائی تھی اور یہ خبر بھی اُس نے دی تھی کہ قلعہ میں آگے تو قلعہ انڈیاں تم پر حملہ کریں گی اور یہ بھی کہتے

ہیں کہ شاہجہاں کے کئی خط جرائس نے داراشکوہ کے نام روانہ کئے تھے اور نگ زیب کے ہاتھ آگئے تھے۔ مگر اکثر دانشمند اور ہمیدہ لوگ ان باتوں کی صحت سے انکار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ کاغذِ سر عام سنا یا گیا تھا محض بے اصل اور صرف لوگوں کے دعو کا دینے اور شاہجہاں کے خیر خواہوں اور طرفداروں کی طفل تملی اور زبانِ جندی کے لئے تھا اور نگ زیب کی اس ناشائستہ حرکت کا چرچا کرتے تھے۔

امرائے سلطنت کی اطاعت | صبر یہ باتیں صحیح ہوں یا غلط، لیکن یہ بات بالکل سچی ہے تمام امراء، نگ زیب اور مراد بخش کے دربار میں تسلیمات کے لئے جا حاضر ہوئے۔ اور جب یہ سوجھتا ہوں کہ اس بھارے ثمرے اور مظلوم بادشاہ کی حمایت میں کسی امیر نے ذرا بھی ہاتھ پاؤں نہ پائے لو کہیں کے پہوڑے منہ سے بات تک بھی نہ نکلی! تو مجھے نہایت ہی رنج ہوتا اور غصہ آتا ہے۔ انوس! یہ لوگ اُن ظالموں کے آگے سر جھکانے کو جاتے تھے جنہوں نے ان کے آقا اور مالک پر ایسی سختی کی۔ حالانکہ ان کے موجودہ مرتبے اور درجہ عہدہ دولت و محنت سب کچھ صرف اُسی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ اور اس دربار کی رسم کے موافق اُس نے اُن کو اوقیٰ اوقیٰ اور جہں سے مراتب اعلیٰ پر پہنچایا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے ان میں سے ایسے تھے جو غلامی کی حالت سے اہلّت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ مگر ہاں چند شخص ایسے بھی تھے۔ مثلاً دانشمند خاں جنہوں نے کسی کی بھی جانب داری اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن ان کے سوا اور سب کا عزمِ ناپاک تھا کہ اب اور نگ زیب ہی کا دم بھرتے تھے مگر اُمرا کی اس حالت پر جب میں غصہ کرتا ہوں تو ان کے اس کفرانِ نعمت اور احسانِ فراموشی کی نسبت لعنِ طعن کرنے کا جوش کچھ شعلہ ہوجاتا ہے۔ یعنی ہندوستان کے امرا چونکہ فرانس و غیرہ ممالک پر اپ کے اُمرا کی طسرت کسی جاں نواز مینداری وغیرہ کے متشل مالک نہیں ہیں۔ اس وجہ سے ان کی آمدنیوں کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جس کو بادشاہ و محنت سے کچھ تعلق نہ ہو۔ بلکہ جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں ان کی آمدنیاں صرف وہ سلطہ داراشکوہ کی مخالفت کے باعث میونٹنی کے عہد سے استفادے کو اس وقت تک ہے۔ دلی ہی میں خاؤدِ نفیس تھا۔ اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں آگے سے دلی کے قریب پہنچا تو یہ نظر آد کے مقام پر دو پانی والے کے پاس تھا، اُس کی محنت میں حاضر ہوا تھا۔ جس میں

مردہ بنے ہوئے ہیں جن کا تعین بعض بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور ان کا جاری رکھنا یا بند کرنا صرف اُن کی اختیار میں ہے اور جب یہ دلائل ناف بند ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ بالکل تباہی میں آ جاتے ہیں یہاں تک کہ حضورؐ سا قرض بھی ان کو کہیں سے نہیں مل سکتا۔

سلطہ آپ بیٹے کی منافقانہ کارروائیاں۔ امرکا اور نگ نریب کے پاس حاضر ہو جانا۔ اور تاجدار شاہجہاں کا قید ہونا۔ ان سب واقعات کو دیکھ کر ناصر خانجہ قاضی خاں۔ علی صالح۔ اور میرا متاخرین میں میں تخیل و ترقیب سے لکھا ہے اُس کا خلاصہ اس خط و کتابت کی مکمل نقل کو وہ آپ سچے کے چھاپہ ہوتی رہی منید اور دھسپ لکھ کر اُنھی ترقیب سے اس جگہ دیکھ کیا جاتا ہے۔ اس خط و کتابت کی نقلیں جو علی صالح اور تاج خاں قاضی خاں میں دو دفعہ ہیں اُن کے الفاظ مختلف اور مطلب واحد ہے۔ مگر داخل خاں جو دہرنگہ نریب کے خاص امیروں میں سے تھا اس کی تحریر وہی کو زیادہ مستند سمجھ کر سب نقلیں اُنھی کتاب سے لی گئی ہیں بجز ایک عرضی کے جو اس کی تصحیح اور مل صالح سے لی گئی۔

اگرچہ اورنگ نریب کی ان تحریر میں کوئی تیز نہ نقل کیا ہے ان دو دفعہ کتابوں میں نہیں ہے مگر عالمگیر ناصر میں دھسپ کے سوا ات عود اور نگ نریب کے لحاظ کے بعد صاف ہوتے تھے اور اس کی ہر سچائی کے منکر و متحکم عاد پر مدح و مہم کو دہرنگہ اور نگ نریب کے تمام کے تذکرہ کے بعد یہ عبارت محمود کی ہے کہ ”میری روزگست سعادت نامہ شکل بر صورت حال۔ واقعات و قوت صف آرائی و قتال کو با صحت برداری آں دل آشکوہ ہے غرض۔ جو۔ و جزو منصب حکم شرف و قوت اسے نقل و ملاحظہ بر آں منصفہ شکایت ملک ادب و انی مانتہ خدمت اعلیٰ حضرت فرستادند“ اور آرائی سے تیسرے وقت شہزادہ کے قریب جب اُن کے درخیزل معارف اُن کے دہرہ میں غور ہوا تو اُس کے اس حضرت ناصر کے جواب میں شاہجہاں نے جو شوق اپنے علم خاص سے لکھا تھا اُس کا خلاصہ بقول قاضی خاں یہ ہے۔

”بقولہ تعالیٰ شریف ہے چوں در میان آں قزو با صرتہ سلطنت و جہاں بان و فرہ نامہ سلطنت و کاروان و شاد و بلند اقبال صحت بہ کدورت و طلال اکامید و آئینہ دہرہ و طیب و کتاب تحفہ مستور پروردگار ہوئے برودت و خاد انان جاگور و قرائی قضا و قدر و ادب خالق فیو شرم و ہجرتے بشر ماہ لعلہ نصرت افلاض میں ایاں از حتمات نظار خود مشناسی و خدا دانی دانستہ با اعتبار سے کہ اکثر انشراح خاطر و ایمان طبع اقدس چاں مشعل و منوط آمدہ بذل تو بہ دلا ناگور شرف و قوت پذیر دست و غرض از تحقیق اری مقول آکر کتا خاںے باطن و قرائے خاطر

ہے تمام آفتابِ جمال تھا کہ فرحتِ انعامی آئی نرنگہ ہو شمعِ بیجارِ عرو کہ چراغِ ضیاءِ بخش و فروغِ
 انوار سے ایسے دو دہانِ دوست و اقرباںِ مست بٹا چکے است کہ حوصلہِ تقریر و بیانِ اندازہ آگیا
 بر تپنا چہ خاصۂ کراں وہ آفتابِ خلافت و دارا کے دشمنِ فریبہ فریختہ نرنگہ کلیلِ فراں شاہ
 ناچارِ ابرار است لم یزل پس از روزگارِ بد و زار دشاں طریلِ باہیں ہر طرفِ مکان و محلِ قریب و گفان
 نزولِ افتادہ و مارا پس اُن آئینِ چہاںِ امراضِ شفا و ہشیدہ کہ رشتہِ امید تو خف و بریں شفا
 اعلیٰ سوزِ عداوت اندر تعلقاً منقود و مشقِ پردہ از شفا خفا نہ عنایتِ حکیم
 علی الاملاق شہوتِ گوارا سے صحت کہ است و مصلِ پذیرفتہ لی التخیف مجاہدِ تازہ و ملک
 دوبارہ عطا کردیہ انتہا بیخِ شرق و قرا بے اشتیاقِ باطنی نہایتِ رسیدہ و یقینی کہ خواہشِ نبی
 و از نہی آئی نرنگہ نیک اغراضِ گہرِ زہریں بابِ اذابِ نلیساں نشانِ رحمت و کنیت
 طلبِ نرنگہ مصرِ طفا سے بزرگ کھنار خواہ بود چوں زیادہ بریں حوصلہِ طاقتِ بارِ اختلا و را
 بر تپنا چہ پسندیدہ عالمِ آسمانِ آفت کہ آن ادبِ دایِ خود و ہم شناسِ مثلِ بد و بی سیر
 تا حرمِ رحمت پر جماعتِ محمد تہادہ خاطرِ اقدس ما بمشاہدہ جمالِ انعامی بہت افزائے
 بود فرمت آگئی دستِ آسودہ سازد

ۛ

”نورِ آدولہ نرنگہ را مونی جہاں باش“

اس شوق کے پیچھے پر اور نگہ زیب کے ملحق کی راہ سے نہایت ہی ادب اور نراں برداری کا اظہار کیا
 اور داخلِ خاں میر سائیں اور صبرِ ہدایت اللہ صدر یعنی عظیم اور تازہ ذکر ہے شوق اور الفت و محبت اور
 اور حقوقِ ذات کے پیغامِ نہ بانی نے کراتے تھے بڑے بھائیِ محنت نہایت کے اور جواب میں یہ عرضِ حوالہ کر کے
 بہت خاطر و وارادت کے ساتھ رخصت کیا۔

• مراسمِ عہد و سلام و لوازمِ تعلیم و تکریم کا آئندہ ہمیشہ ہی رہ ساند کہ قربانِ فرخندہ و عزان
 ششگلِ برکھیت آرزوِ مندی خاطرِ محض منظرِ ہر روز و درسیہ ان میں ہر روزہ غصہ و کج فضا
 ترمیمت ہر ذہنِ بوسِ حضورِ نائنس اللہ شرفِ صدور و پرورد و یافتہ ساز و پالے دستِ مشہور
 اشتیاقِ شوقِ آن عہدہ فیض کہ ہر کلمہ آتشِ سواہ و انوارِ برکات و ہر فقرہ آتشِ پیرایہ
 پیرائے حیات بود و سراسرِ منظرِ خاطرِ شبِ صیبت و طرزِ شگفتگی یافتہ و کشِ نرنگہ رنگین ہمار
 گرہ و فروغِ امی آیتِ رحمت و شمعِ سائے طاقتِ از سرِ لا پر تو یہ جامِ ولایت و داغ

گستردہ سرشار نشہ، مسرت، جلوات، سماعت، ٹھکرائیں، منایات تازہ و مرحمت، بے اندازہ کاز
 طرف طاقت تحریر و تقریر، بیرون است، تو نگلی دست کا، لفظ و معنی چکرتے، ہر تقریر زبان گزرتی
 بیان راستہ آدھڑ ہم مگر لطف شفا پیش منہ گام سے چند - الحمد للہ والہ تعالیٰ کہ خاصیت صدق
 ارادت، مضمر و ظہور، حقیقت کھنکھانہ و خیر و خیر کی حضرت کا نمود کردہ تازگی، فنون، عہدہ رانہاں
 کہہ باطن برہمن کے ہر روز ادا شدہ حلقہ عینا فی اقبال آسانی و فیضی خواہش بھی دعا کی قبول کمال
 مناعت حضرت نعل بھائی رسیدہ گلشن یاسید و مراد انگشت و خندان ساخت اکوں کا رانا ہمار
 مخالف رہی و مراد غلام ہی گوشت بخراہل حقیقت رسیدہ فائزہ افتات معوی ہشام زلفا
 گشت بافت مزہ حیات گمراہ امیدہ راست کہ اسباب مواصلت ایہ و در افتادہ و در وقت
 مسود و سماعت سماعت آلود دست بہم و در و در فیضی قدم پس مہارک ان حضرت کوئی حقیقت
 برکت ہر روز دعا آج رحمت پروردگار ہر روز گاران انظار ایہ وقت و آئندہ سے روزی خودی
 ایں روزنا داشت ہر روز خاطر نمود گشتہ اوتھلی و عیار ناغض الا و اورد روزہ شہر ویدہ را و کش
 و کچھ مشرق ہر روز سازد زیادہ از میں دعا فیضی کوئی اندیشی ہی دانند

اگرچہ اورنگ زیب کے ہمسکندوں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ تین وقت مسود و سماعت جلالت
 آلود کا انہماک و دیر وقت میں اپنے اختلاسات ہر ایک کے لئے محض ایک حیلہ تھا -
 یہ کہ نگراں عرصہ میں بادشاہی سردار اور امیر ہند ہر اس کے پاس حاضر ہوتے جاتے تھے
 اور اس حالت میں بادشاہ کے پاس جاتے سے بجز مقرر کے کوئی فائدہ مستعد نہ تھا بلکہ
 بجز صاحب سیر التاخرین حاضر ہونے کا اور وہ ظاہر کرتے کہ وہ صرف اتنی ہی حق کو لگی
 کی زبانیں صند و را بند رہے۔ مگر مائل اللہ صاحب محل صانع کے بیان سے دیکھ اورنگ زیب
 کے فرشتہ دی مودعہ جہیں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ فی الحقیقت باپ کی خدمت
 میں حاضر ہونے کا تھا۔ مگر فاضل خاں کے چلے جانے کے بعد میں امرائے اُسے غریب کیا
 اور شاہجہاں کے پاس جانے سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ داخل خاں جب اگلے روز اس امید میں
 کہ باپ پہنچے کی ملاقات اب جلد ہونے والی ہے۔ عرش و شہر پہر آئے اور بادشاہ کی طرف سے
 بعد ملاقات اس کی رخصتی اور خوشنودی کے بعض عہدہ حاکم صراحت شہر تھلہ کے جس کا
 نام مانگیر تھا جس کی نسبت سرور نے لکھے ہیں کہ اورنگ زیب اور اس کے رفیقوں نے اسے ایک
 ایسی نال مہارک بھرا تھا کہ آغرا خشت فطیعی کے وقت اس خطا کا اپنے اقباب شاہی کا

اُس نے ایک ہنر چاہا، لایا اگرچہ اورنگزیب نے ادب اور اطاعت کی نگاہ سے بائیں تو اب بھی بہت ہی مباحی گزشتہاں کے پاس حاضر ہونے کی اصل بات چھوڑا۔ جس کو ناسل خان نے بھی تائید اور بادشاہ سے جاکر صاف کہہ دیا۔ تا چار شاہجہاں نے دوسرے روز پھر ایک رتہ کھٹا بلکہ اورنگزیب کی جگہ گائی سنے کرسنے کے خیال سے طلیل اللہ خان کو بھی ناسل خان کے ساتھ بھیجا اور وہ یہ سنا۔ نقل شدہ ثانی۔

بادشاہ و حقوق پرورش نیاز و نیم و ترتیب و تعین و تعلیم و وزارتات، بیگیاں و منایات بنے پائیاں اختصاص بخشیدین و مناصب بلند و مراتب ارجحہ نامزد گردانیدین و پائیاں بہ حقوق العزت و اولوالعمری کرہیزبان شاہنشاہ علی الاطلاق اطاعت و انتقال حکم لازم و واجب است و کلام و کتاب آسانی چاہان طلق اذان مرزہ سعادت متذکرہ کماست حسن اعتقاد و محروم و فاض و خشی خدا و دوست و برہمنہ عمر گزائی و بہرہ خاہی و نیک نامی و حق شناسی و خدا دانی صرف کردہ بسلیہ ہمہ ہی خاہد کہ قدر میرانی و مرتبہ شوق و خواہش خاطر اقدس را بہ دلیلت و چارہ نمرت آثار و عقلی نوازستہ بنابر انما و اضلال صاحب افراض ناسدہ چنیزیت اعد و شرنہر جو انے رستہ باد و شمنہر بہرہ انے رستہ از احوال سعادت حضور اقدس زانیستہ و ہوا سہر ویت کای شتہ ہے مہر چہ طہیت مایا دش کلام بہند و حضرت امام و فرمان فرمایاں جہان و اہل رستہ تجریر کردہ از و خاست حاجت نیندیشد و ہر انے دور و نہ نشدگی ایی سلاکے عاود شرا شرم ساری و نہایت اجد و پیش خدا و رسول بر خود گردا و آسان گیر و نہ ہارے نوزدہ نکارے جرات متذکرہ آخر حج نداشت و پائیالی گہ و دو خدمت سوزندہ۔ ایات

اے خلف از ماہ مخالف تمام	تجلی بیگن کہ منم آفتاب
مرز خود ایی نقش گزشتی بدست	سوتے خدا بین و مشر خود پرست
دزدہ آموڑ مشہ ایی رہ پدید	گشت بہ آموڑ نہاید مشہید
گرچہ کئی و عوی و الفش و نیک	نیک جا شرم کہ نہائی تو نیک
چوں تو شب و روز ادب خوں کئی	بے ادبی یا ہوشے چوں کئی
گرچہ ہمائی عہد فرزانگی است	ایی نہ ہوائی است کہ ہوائی است
اے پسر ادب ہمہ ہی و عوی	نیک کن یا چہ مان سہوی
بر سر بران آے کہ ہم تو مشہ	یا نیک کن کہ ہم تو گشتہ

طرحِ مٹی دلی میں ہر جہت سے مست ہر مشش اس پار کن نہر پر مست

پتا چھ جب سے وہ دون امیر اورنگ زیب کی ٹوڑی پر پہنچے تو صرف خلیل اللہ خاں جو پہلے ہی سے
 اور ملا ہوا تھا اندر بلا گیا گیا جس نے ہمار اورنگ زیب سے کہا کہ آپ ہرگز نہ چاہیے وہاں آپ کی نسبت
 برائے ارادے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اُس نے بادشاہ کو قید کر لینے کی صلاح دی اور رنج و غماہی کے لئے
 خود اپنی درخواست سے پہلا ہر نظر بند ہو کر رہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے فاضل خاں کی زبانی بلاؤ
 کو کہلا لیا کہ مجھے وہاں جانے میں کئی طسوع کا خوف اور اندیشہ ہے اس لئے بالفصل حاضر ہونے سے
 معذور ہوں۔ بادشاہ نے جب فاضل خاں سے یہ سب اجڑا سنا اور دیکھا کہ میرے ہی امرا اُسے بھگاتے
 ہیں تو اس اندیشہ سے کہ ایسا نہ ہو کہ ہلکا یک لمحہ سے کچھ اور ملوک کر بیٹھیں قلعہ کے دروازے بند کرادیے
 جس کی خبر پہنچے ہی ذوالفقار خاں اور بہادر خاں اورنگ زیب کے سرداروں نے آجی کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا
 اگرچہ انھوں نے رات کو قلعہ کی فیصل کے نزدیک پہنچ کر قبولِ قاتل خاں بہت سا کدو فر دیکھا یا مگر یہ
 قلعہ ایسا نہ تھا کہ وہ ایسی آسانی سے اُس پر قابض ہو جاتے اس باعث سے اورنگ زیب کے سردار اور
 سپاہی قلعہ کے نزدیک کے سکالوں اور درختوں اور دیواروں کی آڑ میں آ کر بڑے اور دھڑلے طرف سے
 قریب اور بندوٹی کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اگرچہ بادشاہ کی طرف سے بعض چھوٹے سردار اور ہندو بھی
 پیادے ٹھک حلائی اور بہادر ہی سے بخوبی مقابلہ اور مدافعت کرتے رہے۔ مگر اکثر بڑے املا و منصب
 پہلے ہی روز ہی ہلاک ہو چکے تھے کہ وہ بھگت کے دستانہ سے پانی لاتے والوں کی مدد کو جاتے ہیں۔
 چو کہ اگر مارو کی صحتِ خندقی کی وجہ سے اس قلعہ میں ذوقِ سرنگ ہی لگ سکتی تھی اور دیکھ ہی چکا
 تھا۔ اس لئے اہل قلعہ کو ہراساں کر مظلوم کرنے کے قصد سے دوسرے ہی اورنگ زیب کے لوگ خدا
 برأت کے مضر و سدا زہنگ جا پہنچے اور قلعہ میں پانی پہنچنے کا راستہ بند کر دیا۔ وہ تو کا موسم اور اگر
 کی سخت گرمی ہے چارے اہل قلعہ کا چار ہو گئے۔ پس اس بیمار اور بڑے سے بادشاہ نے یہ عا ذ دیکھ کر
 بہر طیر مضر و اطلاعات کے دھس کوان غار میں تاریکوں میں۔ مسالمت لکھا ہے، اور کوئی صورت نہ دیکھی
 اور پھر اپنے اسی ولی خیر خواہ بھلے سے فاضل خاں کو نر زہ بند اقبال کی خدمت میں ایک اور تقریر کیے تاکہ کیا
 جس کا مضمون یہ تھا۔

۔ ایک املاکِ تمنا کی شانہ کو ملکیت از تغیر و احوال مضمری است کہ کوکب اقبال فرزندِ بہند

قوی طالعِ لاچوں کو کب جہاں فرزندِ فروغ بخش شہنشاہِ دولت و دنیا افزائے مساحتِ مہلی

دور۔ از کہمازی پسرِ نرنگ ساز دنا سازی روزگار شمعہ از امر کہ اصلِ محیط تصور و حیر

تسلل دینی آمد بین ایتھن مشاہدہ فتاد۔ آن نر نر اقبال مدد ملے بلند یک بارگی مہر
 فرد ندی بریدہ ہوا شوق کو دیکھا کلاں دروں اندر سمس التہاب پنج نہ نہ ٹھکے ٹھکند و
 چلنا و حق لڑت و تہمت مرے پر خبیہ ارادہ من کام پسندیدہ و انجا ماندارا مارا کہ موجب
 جہان و دنیا و دولت نا کاکی تھی سست سہل راسان انگا شست اندر بریں روز شمار غافل و بے خبر
 افتادہ اندر یوم یقزم الحساب ازہی جرات وار شکاب حق شکنی چہ جواب خواہ داد۔ نظم

پیشی کہ گویم رغبت شرم باد کز چہ غوی خود اندر دستاد
 بندہ کہ با شاہ بود کیست ہو خلق حبہ گوئند تو ہم خود کو
 روز تو در طلب من آمد غبار ہم تو شری در رخ خود مشہور ساز
 با شخص بکام کہ بکام تو ام زندہ و نازندہ بنا ہم تو ام
 بہر خدا صورت خویشم نہا روئے گردان و تیرس از خدا

آئی آنت کہ آن تو اسرود دولت دہار کے برصفت شکنی و کشور کشائی خود منور ہندو پاک
 و اقتاد بر سازگار ہی نہاد و رفاقت روزگار کنند کہ لہی چرخ پر خیزنگ و جہاں روزگار
 اصلا تھا و مال شاہ و ازہی جہاں شکن چہ عہد قطعاً رفا تھا چہ وہیں صورت شاستہ خود
 آنت کہ کامے کہ موجب مدین و متوزاں و دربان عالی شان گردانار شکاب آن اجتناب
 واجب شمرود و خطا تا سرحدی ملتحت ہندی سالک تاکہ طلعہ عظمت و شکوہ کنت و اقتاد
 ایں دولت در ساحت نہیں و دہاں پچھوہ و سائر ترزاں و مالوں روستے نہیں لڑاں غماہے
 بری گزشتہ کہ مشہور آکھ لاف زبناں غافل تو قی با شہد چہ لہر آد کہ نام نیک کہ بہت مالیت
 آن تو بادہ گلشن جاہ جلال و صیغہ روزگار و صوفیہ لیل و نہار ثابت و پائیدار ماندہ
 جس کے جواب میں اورنگ زیب نے یہ فریاد لکھا۔

فقد الحمد والمنة کہ ایں نیما ز مند و نگاہ شاہنشاہ بے مثل و مانند از چہ و اجہ از و حاجت مکل و
 تمیز الی آقاں باندازہ اسکان بشری و طاقت انسانی در تہیہ تو امدادات و اعتقاد و تفسیر
 مہاں صفت و سدا و غم و مقصر شاختہ و در ضبط سریشہ شاستہ خاستہ خاطر ہا یوں کو مشہور
 از صراط مستقیم مہریت و جاں نثانی اخلاف جا نوزدنا شستہ دینی وادہ و در ماہ جنگی ہشتیت
 ثابت و راسخ است۔ لیکن از خمر غم ہا یں مقدمات کہ بنا برادات ازلی و شہیت لم یزل و یج
 آمدہ بہت خفاے طبیعت بشری مغلوب و اہم و ہلر گشتہ جرات آں خاندہ کہ باہمینی

قلب و جمیعت باطن عازم اعلاز سعادت حضور پر نور کو نازد مشہدِ عالم از روئے خاطرِ تزلزل
 مستند سرِ پا اناوت و اخلاص پہنل دومت استقام صدرہ سپہر انقیام زیادہ انداخت کھول
 ترقی و تخیل آس ما برتا جہد بان از شکر منایات سرشار و مرام و اشتقاق ہے شمار اقدس نامو
 اگر آئین سرہ لاری سری فرسہ حکم والا بشرِ خداور سائند کہ جیسے از مردہاں مرغیخت
 جلتہ بارِ اُفت بجلستہ جیسے از لہ زان سرکار عالم جا کہ بہ محامدیت مائل و مختار و امور بند
 ترو گریہ و زچہی کا و عنایت ضرورتی بمراسم ابواب کھلا تیار و اختصاص یا چنداں ترو
 جاں سپار خاطرِ جمیع و سکون باطن و اطمینان دل بکھوہ اقدس رسیدہ سعادت زریں چہ
 اشرف حاصل شاہد و زبانِ عقیدت بیان بندر تعمیرِ احکما و نایت مرید لاری خواہ ہر

شاہجہاں

اس کا اندک پہنچے پر شاہجہاں نے ناچار حکم دے گا کہ سب بادشاہی ملازم تھکے سے باہر چلے جائیں
 اور تھکے کے بدلے کھول دیئے اور شاہجہاں کو سلطان معین و انقارِ خاں اور شیخ میر اور بہادر خاں اور
 اسلام خاں کے روز جمعہ گیا رحیمی رمضانِ مشہد کو داخلِ قلعہ ہو گئے۔ اور جب سب جگہ
 اپنا بند و بست کر چکے اس وقت مور سلطان اسلام خاں کے ساتھ کونسل کے لئے دادا جہاں کی خدمت
 میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اب بیچارہ بادشاہ قلعہ بھی حوالہ کر چکا۔ مگر جب اس پر بھی حضرت اورنگ زیب
 ملاقات کو نہ آئے تو اگلے روز شاہجہاں کی بڑی بی بی معروف بیگم صاحب باپ کی طرف سے ملاقات وغیرہ
 کے پیغام لے کر اورنگ زیب کے لشکر کو فرو گئی۔ مگر اس طرف سے اس کے اور اور اقوام کے متروہ و متروہ
 کے برخلاف اس کا استقبال وغیرہ دیکھا گیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ آپ محلِ سرا میں چلیں۔ میں اور جی ۲۲ ہوں۔
 اور جب وہ محلِ سرا میں پہنچ گئی تو اورنگ زیب نے کسی تدبیر و تدابیرِ کرام سے ملاقات کی بیگم صاحب سے
 پہلے تو آپ کی طرف سے اپنے تختِ منہ بھائی کی منہت اظہار عنایت اور شوق و پیار بیان کیا۔ بعد اس کے
 یہ بے مروتہ پیغام دیا کہ حضرت غلّ سیمائی کی شاہد مرضی اس طرح ہے کہ ایک پنجاب سے اس طرف کے
 اور اضلاع کے والا شکوہ کو منایت فرمائیں اور گجرات پر مراد بخش اور بنگالہ پر شجاع کا یہ دستور تصرف رہے
 اور ملک و کن مور سلطان کو عطا ہوا بدشاہ بلند اتہال کا خطاب اور باقی کل مالک محمود کی ملی مہدی کا
 منصب عالی آپ کو سہارک ہو۔ پس آپ قبول کیجئے۔ اور غرض منہ لوگوں کی باتوں پر نہ جا ہے۔ بیوقوف
 اور دھواں کے حضرت کی خدمت میں چل کر اپنے دیر سے اُن کی خاطر مشتاقی کو مسرور کیجئے اور گنج
 سے اس کے جواب میں والا شکوہ کی خدمت کی خدمت شکایتیں کر کے ان باتوں کی توبہ سے غکار کیا
 اور صاف کہہ دیا کہ والا شکوہ کا معاملہ کب ختم ہوئے ملک حضور میں حاضر ہوئے کی حجت نہیں کر سکتا۔

شاہجہاں کے ابا بام سیرجی اور جہاںگیر

بیگم صاحبہ چاہے کہ نہایت مہنہ و محنت کے ساتھ ماہی ہوئی۔ اور سب اندہ ہتاک ماہر بادشاہ سے عرض کیا۔ اس کے بعد پھر انہی عسرت پیام و سلام ہوتے رہے اور جب آخر کار دہشت کی گفتنیہ ضیہ کے بعد اور نگ زیب تیسرے دن شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے کا ارادہ کیا کہ اپنے نور منزل سے سوار ہو کر محل بڑا تو یکایک شامستہ خاں اور شیخ میرے سامنے سے آکر عرض کیا کہ حضور کہاں جاتے ہیں؟ یہ ارادہ عقل اور دراندیشی کے برخلاف ہے۔ خدا کے واسطے اس سے اجازت فرمائیے۔ اور جب خدا کے فضل سے حضور میں حضور کامل و دخل خاطر خواہ ہو چکا ہے اور اعلیٰ حضرت کا اختیار و اقتدار کچھ بھی نہیں رہا تو بلا معذرت اندیشہ اور خطر کی نگہ میں جاتے سے اب کیا حاصل؟

ان باتوں سے اور نگ زیب کی طبیعت میں پھر ایک مذہب سلوید ہو گیا اور وہ اپنے لئے سے روپئے آیا۔ اور بادشاہ کے پاس جاتے نہ جانے کی نسبت ابھی گفتگو میں درمیان ہی تھیں کہ اس کی شاہی تاہر دل نائی ایک پہلے نے شاہجہاں کا ایک شہدہ جہاں سے دارا شکوہ کے نام اپنے اہل بیت سے کھسکر شہے اعتنا دار اور اعتلا سے اس کو سپہو کے ہم آیت کی تھی کہ نہایت جلد وہی پہنچے کہ اس کا جواب لائے۔ چلی گیا۔ غلام اس کا تذکارا مل خاں نے یہ لکھا ہے کہ

مولا شکوہ در شاہجہاں آواذ شہادت قدم در درو۔ کی مولا درو شکوہ را بجا نیست۔ نہ بہا دان بجا
چیز گزند و کامہ دولت در بی جا ہم را نصیب ہی فرما تم :

اس آخر فقرہ کا پڑھنا تھا کہ اور نگ زیب کو اپنے خیر خواہی کی باتوں کا نہیں ہو گیا اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا اور چونکہ بیگم صاحبہ کے آگے کے بعد جہنم فرماؤں۔ بیگم تہرب خاں اور تہرب و منظر سے ہی ورنہ سے کم نہ تھا اور اس کے مایہ ناز و راجہ رکھنا خود ہی ان سلطنت کی موزوں و رفیع و فاخر ہو چکے تھے اب ہزاروں گنہگاروں کے مافیہ ہستہ ہستہ کے سب اہل اور منصب داروں کی تہریں و شہادت و طہریں تھیں اور بعد ازاں بڑے طعنا و اوراق اور کدو فر کے ساتھ یہ سواری نہیں تھو کے دروازے کے آگے سے گذر کر دارا شکوہ کی حویلی میں جا ٹوڑ دیا اور محمد سلطان نے اس کے حکم سے تمام بادشاہی خزانوں کا خزانہ کوٹہ خاں کو ضبط کر کے سرکچر کر دیا۔ اور ایک سو بی و مضان سترہ گندہ سے شاہجہاں ابھی سخت تہید میں رہا کہ حرم سرا سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ بلکہ قبول معذرت عمل صالحہ مت تکبیر چند خادمہ و عورتوں کے کوئی خدمت گار تک پاس پہنچنے دیا نہ تھا۔

نہایت غافل اگر کہ قصہ دار اور شاہجہاں کا محافظ مقرب ہوا اسلام خاں کو آگہ کی صوبہ دار بنی

گئی۔ اور آپ ہر فرستین روز دانا شکوہ کی محفل میں شہید کر دی کہ کوہِ کرم دیا اور اگرچہ سیاحِ مصلحتوں کے لہذا سے اپنی طبیعت میں مہرِ سلطان کو بھی اگرچہ رہنے کا حکم دیا مگر ذرا اُن کی فوج وغیرہ پر اختیار رکھی ہی دیا نہ تھوہ میں رہنے کی اجازت دی بلکہ اسلام خاں کو اس پر اطمینان مقرر کر کے یہ حکم دیا کہ دانا شکوہ کی محفل میں قیام رکھے۔ اور اگرچہ بادشاہ کے تہذیب اور بے یمنی کرینے کے لئے ایک طرف تو شکوہ بالا اہتمام و انتظام تھے مگر ظاہر داری سے اسی حرکتوں پہ پہ وہ ٹالنے اور لوگوں کی عین و تشفی سے بچنے کی خاطر سر دلی کو کوہِ کرم سے پہلے فاضل خاں میرسا مان کو بادشاہ کی خدمت گزاری اور پرمانت مہات پریشا و انتظام کا دانا ذات خاصہ شریفہ کے لئے دوا کر دیا ہے، مقرر کیا۔ اور قریب خاں کو چڑھا ہمدانی کا مہاراجہ دانی معائنہ تھا۔ رہے چھ اسواض کے علاج کے لئے مقرر کر کے تین ہزارا شریفوں کے انتظام اور عنایت۔ خلعت خاص و جمہ ہر صبح اہل قلم و مراد یہ سے سران کیا۔ اور جب اگرچہ سے چل کر پہلے توبہ بہاد پر رہی ہر اترا پنے فرزند اہل قلم کو بھی سلام کے لئے روانہ کیا میں نے عہدِ احمد کو پانی سو نہیں اور چار ہزار روپے نقد نقد کیا اور بادشاہ نے بھی تعلق اور ظاہری پیار بہمت کے بعد بہت کچھ دے دیا کہ نصرت کیا۔ شاہ بہان کی قید کے پڑ بہرت واقعہ کا اہل تاریخ جو نہایت ہی حسب حال ہے داخل خاں نے یہ لکھا ہے۔ داھتھروا یا او طیا الیہ صا۔ س م ع

مراد بخش کی گرفتاری | القصد دواں شامزادوں سے باپ کے سالہ سے فارغ ہو کر امرا کی تدریس میں اور اپنے احوال خاندان کو اگرچہ کا صوبہ دار بنا کر اور خزانہ شاہی سے اخراجات ضروری کا انتظام کر کے دانا شکوہ کے تعاقب میں کوہِ کرم گیا۔ اور جب فوج اگرچہ سے کوہِ کرم سے والی تھیں تو مراد بخش کے تعلق ہوا خواہوں خصوصاً شہباز خاں مراد سے اُن کی بہت بھائی کر

آپ کو مراد اپنے لشکر کے اگرچہ یاد دہانی سے دور جانا نہیں چاہیے اور غایت وجہ کا ادب و آداب اور بے حد شہی باتیں جو اور ہنگ زریں کر رہے فریب اور دغا بازی کا نشان ہیں۔ اور جب کہ خاص و عام بلکہ عہدہ بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اب بادشاہ آپ ہی تو میری کیرن کر مناسب ہے کہ آپ اگرچہ اور دہلی کے نزدیک نہ رہیں اور کہیں دور چلے جائیں میں آپ اُسی کو دانا شکوہ کے

لئے کچھلے ماشہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اس وقت اسلام خاں کو اگرچہ کا صوبہ دار بنا دیا گیا تھا البتہ خاندانِ ہمدانی بھی اگرچہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا مگر اس سے کچھ عرصہ بعد۔ س م ع

تغائب میں جاتے دیکھتے :

چنانچہ میری دانست میں اگر وہ یہ مقولہ صلاح مان لینا تو اورنگ زیب بڑی مشکل میں پڑ پاتا لیکن اُس نے ایک ذہنی اور مہمانی کے ساتھ دہلی کو چل کھڑا تھا کیونکہ اُس کے موکہ اور مستحکم وعدوں اور اُن بیہودہ قسموں پر جو بارہا قرآن و دہمیان رکھ کر کھائی ہوئی تھیں اُس کو چڑا بھر دس تھا۔ لیکن جب وہ لڑاؤں نے متحرک کیجئے کر مقام کیا جو اگر وہ سے قریب تین چار منزل کے ہے تو مراد بخش کے خیر خواہوں نے جو اس عرصہ میں بہت کچھ دیکھ اور سن چکے تھے ناچار ہو کر آپس میں یہ صلاح کی کہ ایک دفعہ تو اس کو پھر سمجھانا چاہیے آگے وہ جاتے۔ مانتے یا نہ مانتے۔ چنانچہ انھوں نے اُس سے کہا کہ :

ہم کو متعدد ذرائع سے پہنچے خبریں ملی ہیں کہ اورنگ زیب آپ کا کچھ بُرا ارادہ ہے اور کسی خوفناک منصوبہ کے لئے بہت کچھ بندشیں ہو چکی ہیں اس واسطے اُس کی ملاقات کر خاص اُن کے لشکر میں آپ کا جانا مناسب نہیں اور زیادہ نہیں تو اُن کی رات تو ہرگز نہ چاہیے۔ اور اس آفت کے ٹال دینے کی بہت آسان سیل یہ ہے کہ سازشی طبیعت کا بہادری کر لیجئے اور وہاں نہ چاہیے :

یہی کو چھلکا رسول ہے اورنگ زیب خود ہی چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آجائے گا۔

لیکن نہ تو ان تقریروں اور دلیلوں ہی نے کچھ اثر کیا اور نہ منت و مباحث ہی کچھ کارگر ہوئی۔ کہہ نہ کہ وہ ایک ایسی حالت میں تھا کہ کسی نے اُس پر حاوی کیا ہوا ہے چنانچہ اورنگ زیب کی ظاہری اطاعت اور دکھاوے کی محبت سے نرجب میں آکر اپنے رفیقوں اور خیر خواہوں کی محافظت کے باوجود اورنگ زیب کے لشکر میں جہاں میرزاں اپنے تین چار محرم راز مساجدوں کے مشورہ سے گھات میں لگا ہوا اس کے آنے کا منتظر تھا۔ فیاضیت کھانے چلا گیا۔ اور جب یہ سادہ لوح مشہزادہ وہاں پہنچا تو اورنگ زیب نے رسول سے زیادہ بڑھ چڑھ کر تعظیم و تکریم کی اور اس قدر خوشی کا اظہار کیا کہ آنکھوں سے چند آنسو بھی نکال دیتے اور خاص اپنے اہل سے مراد بخش کے چہرہ کی گرد صاف کی اور پسینہ پونچھا اور جب کھانا کھانے کو بیٹھے تو نہایت ہی گرم خوشی دکھائی اور اظہار مسرت کے لئے ہنسی اور مذاق کی جے صد باتیں بنائیں اور کھانے سے فارغ ہوتے کے بعد جب عمدہ کاغذی اور شیرازی شرب میں ہوتی تو آہستہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر ہلا۔

حضرت کو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہبی خیالات کے باعث اس محبت پیش و
نظا میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں اگرچہ میں رخصت ہوتا ہوں لیکن یہ سب
لوگ جو اس پر لطف جلسہ کے شریک ہیں اور میرزاخان اور میرے مصاحب آپ
کی خدمت گزاری کے لئے حاضر ہیں۔

پس مراد بخش شراب دوست تو تھا ہی اُس دیر یہ طرہ کہ ایسی عہد صحت اور ایسی لطیف
شرابیں غرض خوب ہی اور یہاں تک پانی کہ بالکل سرشار ہو گیا اور اور نگ زیب کا ہویہ دھا
تھا کہ وہ مدہوش ہو کر سو جاتے پورا ہو گیا۔ پس اول تو مراد بخش کے لاکڑوں کو اس جیلہ سے
رخصت کر دیا گیا کہ اُس کے خواب راحت میں خلل نہ آئے۔ اور اس کے بعد میرزاخان نے
اُس کی تلوار اور جہیز کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد اور نگ زیب اُس کو
اس نازیا خواب سے جگماٹنے کے بہانہ سے غصہ میں آیا اور اس تمام مضبوطی ادب و لحاظ
کو خیر باد کہہ کر اس خشت بخت کے اول تو چند ٹھوکریں لادی اور جب اُس نے خود آنکھیں کھولیں
تو یہ دونوں اُلامت کی راہ سے بولاکو بڑی شرم کی بات ہے کہ

”حم باد شاہ ہو کر اسے غافل اور بے خبر ہو جاؤ۔ بھلا دنیا کے لوگ تم کو بلکہ
مجھ کو بھی کیا کہیں گے۔ اور لوگوں کو اٹاؤ گا کہا کہ اس بدست و نمود کے ہاتھ
پاؤں باہر کر غلوت خدا میں لے جاؤ کہ نشہ کے اثر سے تک اس بے شرمی کا سونا
وہاں سوتے۔“

پس تفصیل حکم میں کیا دیر تھی تو پانچ چھ مسلحہ شخصوں نے اُن وہاں اور مراد بخش ہر چند
چلاتا اور زور کرتا رہا۔ لیکن اس کے پاؤں میں ٹیری اور ہاتھوں میں جھکڑی ڈال دی گئی
تو یہی بنا کہ ایک بلعدہ جگہ میں ڈال دیا۔

یہ سختی اور بدسلوکی خواہ کیسی ہی سختی طرہ پر کی گئی تھی مگر مراد بخش کے اُن لازموں
پر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو باہر پہنچے دیکھ گئے تھے پس جب انہوں نے اس کی کھینک
سختی تو کسی قدر شور و غوغا مچا یا اور چاہا کہ بزدلانہ گس آئیں لیکن مراد بخش کے میر آتش علی قلی
نے جس کو اور نگ زیب نے کچھ دے کر پہلے سے کاٹھا ہوا تھا سمجھا اور دھمکا کر خاموش

لے لیجے میر اور سید میر دوں۔ سمجائی تھے ان میں سے سید میر اور نگ زیب کا بے کف مصاحب
تھا اور غائب تھا اس جگہ وہی مراد ہے۔ - س م ع

شاہجہاں کے ایام اسیری اور صہاؤ نگینہ

کرا دیا۔ اسی طے سے اُس کے لشکر میں بھی اگرچہ کچھ شور و فطرت شروع ہو گیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بیکام چڑھ نہ آئے لیکن رات ہی کو کچھ لوگ بھیجے گئے جنہوں نے جا کر یہ مشہور کر دیا کہ اورنگ زیب کے ڈیرہ میں ہوا ہوا گندا ہے وہ کچھ بڑی بات نہیں ہے کیونکہ ہم بھی وہیں تھے اور بات صرف اس قدر ہے کہ مراد بخش شراب قور زیادہ پی گیا تھا اور یہاں تک نہ کلامی کرتے تھے کہ کیا تھا کہ اورنگ زیب کو کوئی کیا خود اورنگ زیب کو بھی منگھلات گالیاں دیں اور ایسا اور ہم بچا یا کہ ناچار غلوت خانہ میں بند کرنے کی ضرورت پڑی۔۔۔ بہر حال تشریف کی کوئی بات نہیں ہے صبح کو جب نشہ اتر جائے گا تو وہ صحیح و سلامت اپنے لشکر میں آجائے گا۔

اب اور مر تو اہل سپاہ کو یہ دم دے کر چپ کرایا گیا اور اُنہو راتوں رات بڑی بڑی رختیں اور بڑے بڑے وعدے دے کر لشکر کے بڑے سرداروں کو اک گانٹھ لیا گیا اور مشاقم نوح کی تنخواہ بڑھادی گئی فرض کہ وہ شور و فطرت اور ہنگامہ جو ہوا تھا صبح ہوتے اُس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے جو یہ نہ سمجھتے ہوں کہ مراد بخش کسی لڑائی میں پیسنے والا ہے وہ نہ اُس کے سب سردار اور سپاہی ہی اس بات کو بخوبی جانتے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ ضرور پھنس جائے گا۔

جب یہ سب بندوبست ہو چکا اور اطمینان ہو گیا کہ اب کچھ اندیشے کا مقام نہیں ہے تو اس ناسرا کو ایک زنانی عاری میں بند کر کے دہلی کو چلتا کیا اور قلعہ سلیم گڑھ میں جو جہاں بنا ہوا ہے قید کیا گیا۔

قلعہ مشر اورنگ برہاک صاحب اصل کتاب کے مترجم انگریزی نے کرنل فورڈ صاحب کی تاریخ ہندوستان سے اس موقع پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

قولہ جب مراد بخش کسپ میں ہر متحرک کے قریب تھا آپہنچا تو اُس سے اگلے دن سلطان مراد بخش نے اورنگ زیب کو ضمانت کا پیغام بھیجا اور چونکہ وہ طبیب کا وہ مزاج اور نگینہ طبع شخص تھا اس وجہ سے اورنگ زیب نے بغیر کسی طرح کے شک و شبہ کے اُس کی دعوت کو قبول کر لیا جب دو دن بھائی دسترخوان پر بیٹھے اور مشہا از نے ہر رو بخش کے محلات کا ناظر اور اس دعوت کے اصلی مقصد کا اذکار تھا ایک کان میں آکر کہا کہ ”میرا پر خفاک میں چاک کرنے کا اب وقت ہے یعنی لوگوں کی یہاں سے یہیں بھجھ لینا چاہیے تو اورنگ زیب جو لوگوں کی صورتوں اور چہروں سے دونوں کے بھید سمجھ لیتا

تھا اس سرگرمی اور بھائی کی جادوئی نگہوں سے جوش و کھار اٹھا اصل معاکرنا ہو گیا۔ مگر حمل اور عذات کی راہ سے خاموش ہو رہا اور جب مراد بخش نے سمجھا کر شہزادہ کو رخصت کر دیا کہ ظاہر سلامت اور خارش کا خطر ہے تو اورنگ زیب نے یہ سمجھ کر کہ اس رخصت میرے قتل کا منصوبہ ہے لہذا ایک یہ ظاہر کیا کہ میرے ہمیشہ میں صحت رہ رہے اور مجلس سے اٹھ کر صحت پٹ باہر چلا آیا اور اپنے اہلی مرانی اور ہم رباب سہا ہیوں کے پاس جو ٹیوٹ می پور حاضر تھے آ پہنچا اور وہاں سے سب سے جا اپنے لشکر میں آ گیا۔ اور اس تمارض کی چال کو ایسی خوبصورتی سے چلا کر مراد بخش یہی خیال کرتا رہا کہ وہ فی الواقع بیمار ہے اور اُس کو گمان بھی نہ ہوا کہ وہ اس منصوبہ کو سمجھ گیا ہے۔ چنانچہ آخر میں مراد کے بعد جب اورنگ زیب کا معزنی صد حکم جانا رہا تو مراد بخش نے بہت قورمیاں منائیں اور بیٹے تپاک سے مہار کیا وہی اور اس سے اگلے دن اورنگ زیب نے دعوت کی تیاری کی اور پیغام دیا کہ آپ کی تفریح طبع کے لئے ایسی عینیں و جمیل ارباب نشاط بلائی گئی ہیں جو اپنے حسن و جمال اور لطافت و نزاکت اور گانے بجانے کے فن میں ایسی بے نظیر ہیں کہ آپ سے کمالات کی رشداں اس سے پہلے کبھی ہندوستان بھر میں نہیں دیکھی گئی ہیں۔ اور اس معزنی کو ایسی آب و تاب سے بیان کیا گیا کہ مراد بخش جو بالطبع بیش و مشرت کھٹلا اور رنگ و رنگ کا شہنشاہ تھا خوار خان سے اُن کا مشتاق ہو گیا اور اپنے تمام غیر خواہیں میں سے کسی کی بھی دشمنی اور اپنے مکار بھائی کے خیمہ گاہ میں چلا ہی گیا۔ چنانچہ جب بادشاہ سلامت و صفا کو اورنگ زیب اس کے جو خوف بنائے کہ کہا کرتا تھا خیمہ گاہ میں داخل ہوتے تو وہ ناہنچیں اُس کو ایک اور اندر کے خیمہ میں لے گئیں اور یہ مطلوب انفس مشہور وہ اُن کے حیرت افزا حسن و جمال کو دیکھ کر جو فی الواقع بے مثال تھا بالکل لٹ ہو گیا۔ الفرض ناچ رنگ خرم ہوا اور پیش و نشاط کا وہ ساں خدعا کہ مراد بخش نے فرے میں آ کر خراب شیرازی سنگی۔

اب درجہ چل رہا ہے اور بادشاہ سلامت پھر ان کے گھماٹے میں مایوس اور رہنے چکے ہیں اور اورنگ زیب بھی اپنے معمولی تفریح و لطافت سے باخبر و حواس اس بزم خراب میں شریک ہے۔ آخر جب حضرت کے جوش و جاس و رخصت ہونے لگے تو اورنگ زیب نے خیر زنگی نسام خراب کی جگہ تیر خراب کے بیابانوں کی اور بھی بھرنا شروع کر دی۔ جس سے وہ تھوڑی سی حد میں بھڑک ہو کر ایک نازنین کی شکل میں سرسے کر سو گیا۔ اور پھر کہ اورنگ زیب نے اپنے سواروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہمارا دھرم و مراد بخش کے ساتھ آئے ہیں اُن کی قراحت بھی اسی

مختلف سے کی جائے اس لئے اس کے باڈی گارڈ کے لوگوں تک کو بھی خرابی پلا پلا کر ہوش کدیا گیا اور اس تدبیر سے وہ جنتِ مشہور اور بائبل سے مخالفت نہ کیا اور اورنگ زیب نے سوتے پا کر غصہ جنگ اور تین اور امیروں کو حکم دیا کہ میری جا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لیں۔ چنانچہ وہ عورت قرآن کو آتے دیکھ کر کسک گئی اور انھوں نے آکر سروائش کو جھپٹنگ پر پٹا بٹھا دیا اور جس کے جھپٹار تلوار اور خنجر وغیرہ اورنگ زیب نے چاٹا کی سے پہلے ہی انھوں نے تھے آن گھیرا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ باندھنے شروع کر دیئے۔ پس اس حرکت سے سروائش چونک پڑا اور جھپٹا کر ہاتھ سے ہاتھوں کے کچے لالچیں وغیرہ مارنے لگا۔ جس سے وہ ڈرا دھمکے اور مشہور زادہ پکار پکار کر اپنی تلوار اٹھنے لگا۔ آپ اورنگ زیب نے جو اس کا ردِ دھاتی کے وقت خیر کے دروازے پر کھڑا تھا چوہ کے پیچے سے سر نکالا اور اپنے امیروں کو خوب ڈانٹ کر کہا کہ اگر یہ کچے ہاتھ پاؤں لائے تو ابھی تمکل کر مٹا دو۔ جس کو سن کر ملو بھلی نے کچے برا بھلا تو کہا۔ مگر افسوس کہ ہاتھ پاؤں بندھا لئے۔ اور ناظر مشہور ہوا اس کا دلی رنج اور خیر عباد اور عہد مشہور ہوا اس کو بھی اسی وقت اس طرح سے قید کر لیا گیا۔ کہ وہ شامیانہ جو میر بخش کے قید خانے کے آگے لگا ہوا اور وہ اس کے قیم بیٹھا ہوا تھا اٹھنا ہوتے ہی اس کی چاروں پہلوں کی ٹٹا ہی ایک لخت کاٹ کر گرا دیا۔ اور محل اس کے کہ وہ اس ناگہانی الجھڑ سے اپنے حقیقی نکال کے پڑ گیا تھا۔ اور باقی اثر کو سلیخ آدمیوں نے گھیر لیا۔ اور اورنگ زیب کے حضور میں حاضر کئے گئے جنھوں نے فرمائش کی قبول کر لی۔

اس واقعہ سے اگرچہ خفیہ سا چرچا سروائش کے لشکر میں پھیلا مگر اس سے کوئی ضرر پیدا نہیں ہوا۔ اور اہلِ نوبتِ تہذیبیہ کے بعد اس طرح سے چپ چاپ ہو گئے جیسے کوئی شخص خواب پریشان سے نورا ہو تک کر پھر سوجا آئے۔

جب سلطان سروائش کو قید کیا گیا تھا۔ اس وقت کچھ زیادہ رات نہیں گئی تھی اور وہی محلے سے پہلے ہی اس کو اور اس کے رفیق کو ایک انجمن پر زنائی عمارت میں بند کر کے بھناٹا کاٹ کاٹ لے کر وادہ کر دیا گیا تھا۔ راجستھان سلامت،

مگر واقعات کی قریب اور ان چالوں اور منصوبوں کی تفصیل جو وادہ شکوہ پر رنج پانے سے سروائش کے عہد ہوئے اور اس کے سلیم گڑھ میں بھیج دینے اورنگ زیب اپنے اس سادہ لوح بھائی کی نصیحت محل میں اتار دیا جس طبع سے پر کتاب عالمگیر نامہ۔ محل صانع۔ اور سیر التاریخ

میں بھلے بھلے اور عاتل خان کی تاریخ میں منسلک ہے اور خود صاحب کی تحریر سے قیادہ
 افتاد کے لائق ہے، ظاہر اس کا یہ ہے کہ جب اورنگ زیب دارا شکوہ پر بیج پا چکا تو مراد بخش
 کے ساتھ بہت ہی چرب زبانی اور ملاحت سے پیش آیا اور چونکہ اس لڑائی میں اس نے زخم
 کھائے تھے اس لئے - اہل لڑائی عاتق و جلا جان ابہر اس کے علاج کے واسطے حاضر کئے اور
 جب دواؤں بھائی اگرہ کے توبہ پہنچ کر باغ نور منتظر میں ٹھہر کر چکے تو اب اورنگ زیب نے
 چاہا کہ بغیر مراد بخش کی شرکت کے شہر اگرہ یعنی دارا سلطنت اور خاص اپنا قبضہ کرے اس
 لئے اس بہانہ سے کہ اہل شہر اس جنگ مراد اور خود شہر کے باعث بہت خوف زدہ ہو رہے ہیں لہذا
 مراد بخش کی سپاہ کے لوگ اپنے آقا کی بے پروائی کے سبب سے براہ خود سری حکم کے خلاف
 مشہر میں داخل ہو کر دست و پاؤں اور بے اعتدالیاں کرتے ہیں رعایا کی قسلی اور امتحان کا
 میلہ بنا کر اپنے بیٹے محمد سلطان کو مع انہی سپاہ کے شہر میں بھیج کر اپنا عمل و دخل کر دیا
 اور جب بادشاہ کے ہمہ گیرنے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں خود داخل ہوا تو اس
 راز بھی مراد بخش کو اس میلہ سے کہ آپ کے زخم ابھی کچے ہیں! سواری وغیرہ کی حرکت مناسب
 نہیں۔ رہی باغ نور منتظر میں پڑا رہنے دیا! اور خود دارا شکوہ کی محفل میں دوا دلی و جلا جلا
 اور دلی بادشاہت کی محفل تھی، گزیرہ کیا۔ مگر سیاں مراد بخش باوجود ان تمام حالتوں کے
 اپنے خیال میں بہستور بادشاہ جنے ہرے تھے اور تخت و چہرہ فیروز سلطنت کا سارا سراپا
 گہرات سے سے کہ اب تک اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

تذکرہ بلاد عربوں کا قتل ہے کہ اب اس کے دل میں اورنگ زیب کا یہ عروج دیکھ کر کچھ خود
 ہی حسد ہوتا تھا کہ اس کے سردار اور راہبر خواہ اوراد و غیر خواہی خواہ ازاد و خود غرضی اس کو
 بھاتے تھے کہ اورنگ زیب کے قول و قسم اور عہد و پیمان پر بھروسہ نہ کر کے اپنا بند و بست
 کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ نئے سپاہی بھی بھرتی کئے جاتے تھے اور سپاہیوں اور امیروں کو بھی فتنوں
 رعایتیں دے کر انہی طرف لائے گئے کہ شہر میں کی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ قریب میں نیر سردار
 کے مراد بخش کے لشکر میں بھیہ ہو گئے۔ بلکہ بعض سردار اور سپاہی مالگیر سے بھی مہاجر ہو کر اس
 کے لشکر میں جا شامل ہوئے۔

جب اورنگ زیب نے اگرہ سے باخبر میں رمضان سنہ ۱۰۰۰ کو کوچ کر کے پہلاؤ پر پہنچا
 وہاں سے چھ سو سو کو ساں گھاٹ پہنچ کر وہاں بھی دو روزہ مقام کیا تو اس کو خبر

۔ اس محض دایرہ است کہ بر طبیعت قضا غالب گشتہ و با وجود ہندوستان مرکزہ
ظلالہ ایمان انان حضرت زاد رنگ زریب ارض و اہم ہارا بخا طرہ اوان از طریقہ
سلاطین شاہانہ

نقشہ
شاہجہاں
کے
ایام
سمرقند
اور
ہندوستان

مقرر ہے کہ وہ دن بکریوں ہی گند گیا۔ اور اورنگ زریب سے اس معاملہ کو ادھر دھرا پھوڑ کر آگے کو
کوپت کرنا کسی طسرج سے مناسب نہ جاتا۔ اور ہر روز کئی کئی دفعہ یہ کہہ کر بیٹھا رہا کہ چھوٹے بیٹے بیٹے
معالمت در پیش ہیں اور بغیر آپ کی صلاح و مشورہ کے کنگے کو کوپت نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ کے
تشریف لائے کا اشتہار جس سے زیادہ گزر گیا ہے پس اگر تشریف لائیں تو طاقتات کی خوشی کے
علاوہ پیش نظر ہم ہر شہرہ بھی ہر جائے مربوط بخش سلاطین سے اس کے ان نفروں کو مدح
مان کر طاقتات کہتے ہیں رضا مند تو ہر ہی گیا تھا اس سر یہ واقعہ پیش آیا کہ علی الصبح وہ سیر دساکہ کے
امادہ سے جب باہر گیا تو ماہیں آئے ہوئے نور الدین نامی اسی کا ایک ملازم خاص ہوا رنگ زریب
سے ملا ہوا تھا۔ سامنے سے گھوڑا دوڑاتے آیا۔ اور عرض کیا کہ

اورنگ زریب کچھ بیٹ میں بکا یک سخت درد پہنچا ہو گیا ہے اور دوسرے پرچا لوٹ
رہا ہے۔ اور صحت کے سبب سے باہر آپ کیا دکر تلبہ۔ پس دینی حالت برکت
خدا اس کے پاس تشریف لے جاتا ہی مناسب ہے؟

مردو بخش جو بیچارہ ایک سید صاحب سادہ اور کمرہ فریب سے محض نا آشنا تھا اس کے قول
کو ہی سمجھ کر وہی سے اورنگ زریب کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ اور صرف چند خدمت گاروں اور
خاص خاص لوگوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے پہنچے خود گھر آکر کا مصداق ہی گیا۔ اور اورنگ زریب
کے چلاک ملازم جو منصوبے سے واقف تھے نہایت اچھی طسرج استقبال کر کے اس کے عیام
خاص میں دھوئی توڑ پھیر کے اندر محل مرا کے قریب جوار کا بہاد بنائے پڑا تھا اے گئے۔
اور جگہ کی تنگی کے حذر سے اس کے ملازموں کو باہر نہیں لایا۔ اور بعد پہنچنے پر خود اورنگ زریب نہایت
ہی شوق و اشتیاق اور تعظیم و احترام سے پیش آیا۔ اور جس سے مرست اور خوش دلی کا اظہار
کیا۔ کیونکہ سرگزشت کی لڑائی کے بعد اس تمام عرصہ میں مراد بخش کا اس کے پاس آنا نہیں ہوا تھا۔
فرض کہ بہت سے تعلقات کے بعد اپنی خلوت گاہ خاص میں اور بھی امداد لے گیا۔ اور کہا کہ اب تو
حاضری حوالہ فرمائے گا دمت ہو گیا ہے لول کہ حاضر دوش نماز کو راقم قلم اور استراحت فرما چکا
تھوڑے سے تاریخ ہو کہ معاملات سلطنت میں فراغ خاطر سے گنگو اور مشورہ کیا جاتے گا۔ چنانچہ مردو بخش

قہار جہاں کے امام اسیری اور عہد اور نگینوں

کہہ کھا دکھا کر چنگ پہ لٹ گیا اور اورنگ زیب بھی اب یہ دیکھ کر کہ سب کام ٹھیک ہو گیا۔
استقامت کے بہانے سے حرم سرا کو چلا گیا۔ اور اورنگ زیب کے خدمت گار مراد بخش کی چچی وغیرہ
کے کرتے گئے۔ اور اورنگ زیب کا ہر اس تمام تہہ پر سے یہ دعا تھا کہ مراد بخش اپنے ہتھیار کھول ڈالے وہ
پورا ہو گیا۔ یعنی اس پر خوف نے نہایت بے عقلی سے ہتھیار بھی کھول کر رکھ دیئے اور اپنے نصیب
کی طرہ سر گیا۔ جو اسی مراد بخش کی ذرا آنکھ لگی اورنگ زیب کے اشارے سے خدمت گار۔ قراہر چلے
گئے۔ اور ایک اونڈی اندر سے آکر اس کی تلوار اور ہتھیار اٹھا کر لے گئی۔ اور شیخ میر اور بعض اور لوگ
جو اسی امر کے خسر تھے فوراً خواب کا وہیں آن گئے۔ ان کے پاؤں کی آہٹ اور شیخ میر کی توسل
کے اتفاقاً کفر تک جانے کی آواز سے جوتا کھ کھلی تو مجیب صحت دیکھی۔ تیسرے جکڑا کھ کھڑا ہوا۔ اور
جب ہتھیاروں کا پتہ ڈالا تو اب بھسا کہ مالا کیا ہے۔ پس نا امید ہی سے ٹھنڈی سامنی بھر کر لوٹا
آخر بارگوشے دست افشاں صاف باطن جنیں کرید۔ دھن عہد و جان دست

کہ قہر آن ہمید ضامن طرینوں اور چنین بجا اور دید

میں کو حضرت اورنگ زیب نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ

مراد عزیز جو کہ تم سے ان دلوں میں کہ ایسی باتیں سرزد ہوئیں جن سے غمزد و فساد
اور خلقت اور ملک کی بربادی کا گمان ہوتا تھا اور ہذا امن اور ضرر و لوگوں کے پریشانی
سے جو تمہارے گرد و پیش جمع تھے تمہارے دماغ میں کہ اب اس فرد اور خیرت مآلی
حق کی قلعندہ اور محمد لوگوں کو ملک کے امن و امان میں غلط پڑے اور سلطنت
کے اختلاف میں خوراجا جائے کا یقین ہو گیا اس لئے تمہارے مزاح کی اصلاح اور ملک
و سلطنت کی مصالحت کے لئے کہہ دلوں تم کو گستاخانہت میں ملتا اور ناساکی کشش
سے ملحدہ رکھنا لازم ہوا و خدا خواستہ کوئی ایسا امر کہ آپ کی پیاری جان کے
اور لڑنے کا باعث ہو جائے دل میں نہیں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس عہد و جان میں جو
آپ کے ساتھ کیا گیا ہے کسی طرح کا غلط و غمزد نہیں آیا۔ اور تمہاری جان عزیز خدا
کے خلق و حمایت میں ہے یہی مقتضائے قتل ہی ہے کہ اس کو اپنے لئے سرحد بھری
بم کہ حزن و ملال کو طبیعت میں جگہ نہ دینے۔ مگر در وقت ہر چہ جی ساکت نہ زیارت

عرض کہ یہ بچارہ سید صاحبان شہزادہ شہزادوں کی پرستی مسئلہ کو اپنے پُرکار بھائی کے
دام ترویج میں پس گیا۔ اور اسی وقت ولیر خان اور شیخ میر کی حفاظت میں دھن پہنچا کر اسی جہاں

داراشکوہ کا تعاقب | اب بھیر مشہد نواب مرہٹوں کے ساتھ اورنگ زیب کو کسی قدر
وقت اٹھانی پڑی مرہٹوں کے ہمراہوں میں سے کوئی بھی ایسا
نہیں تھا جس نے اورنگ زیب کی لازمت اور اطاعت قبول نہ کی۔ ہمیں اس کی فوج
کو بھی اپنی سپاہ میں شامل کر کے داراشکوہ کے تعاقب میں ہر نہایت تیزی کے ساتھ
لاہور کو بھاگنا جاری اختیار دیا۔ ہر ایک کو کہہ دیا کہ داراشکوہ کا یہ ارادہ تھا کہ اس مشہد کی مسجد پر
بندوبست کر کے اپنے رفیقوں اور پیروں کو وہاں جمع کرے۔ لیکن اس کا یہ مشہد دشمن اپنی
چستی سے پیچھے ہٹا چلا آتا تھا کہ اس کے مستحکم کرنے کی جہت نہ ملی اور اس نے وہاں
سے لٹان کا راستہ لیا۔ مگر اورنگ زیب کے مشہد کا تعاقب نے وہاں بھی پاؤں جھنے
نہ دیے۔ اورنگ زیب میں چستی اور چالاک سے اس میں کام کرتا تھا اس کی کچھ
تقریف نہیں ہو سکتی۔ یعنی موسم اگرچہ نہایت گرم تھا۔ لیکن اس کی فوج رات دن برابر
کوچ کرتی تھی اور وہ خود سپاہ کی برأت اور ہمت بڑھانے کے لئے صرف چند آدمیوں کے
ساتھ اکثر چار چار کو کس فوج سے آگے رہتا تھا اور ایک اونٹنی سپاہی کی مانند بٹے
بچھلے پانی اور دو کھجوریں روٹی پر قناعت کر کے رات کو پٹنگ اور امیرانہ فرش فروش
کے بغیر صرف زمین پر بستر بجا کر لیٹ رہتا تھا۔

داراشکوہ پناہ کی تلاش میں | ہندوستان کے دانا لوگوں کی یہ رائے ہے کہ داراشکوہ کے
نے لاہور سے کابل چلنا مناسب تھا۔ اس کے پیروں میں

بقیہ ماضیہ صفحہ گذشتہ کو ایسی جلدی اور سرعت کے ساتھ چلنا کیا کہ اس کی فوج کو ہر طرف ہر
سوار جلد کے تھی اس روز مطلقاً خبر نہ ہوئی۔ اور صرف اس وقت معلوم ہوا کہ جب موتے ہاتھ
سے جاتا رہا۔ اور یہ قصد مشہد عام ہو گیا۔ پس بنا چاری فوج نے بھی اورنگ زیب کی اطاعت اور
ذکر قبول کر لی اور اس کے بعض لازم ہو ساتھ آنے سے مثل مشہد زخان نواب مرہٹوں کے ہمراہ ہزاری
کا منصب رکھتا تھا۔ اور دین اور سردار وہ بھی اسی وقت گرفتار کر لئے گئے۔ نقطہ

کرنل آرمسٹرونگ کی مشغول بالا تھوڑے میں اکثر تھیں تو مرتما غلط ہی مگر کہا ہے کہ وقت جلد داخل
کرنا کے لئے شراب پلانے اور خواب گاہ میں کسی حدت کے بغیر پناہ کا مضمون خواہ وہ بڑی ہو یا
لوڈی قریب التماس اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شراب کے بغیر اس کو جلد داخل ہونا مشکل تھا۔
کسی صورت کے بغیر اس کے مصائب اور خدمت گارہ اور پٹہ پر گمانی انگ کر کے باہر نہیں بھیجا جکتے۔
۱۳۵

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور مہاراجہ گنیش

نے بھی ہر چند اٹس کو وہاں جانے کے لئے کہا مگر یہ مہم کسی پر نہ کھلا کہ اس نے ایسی
دافعتیہ صلاح کیوں نہ مانی۔ مگر نہ مہارتِ خاں جو امرائے ہندوستان میں ایک بڑا چٹانہ
زبردست امیر تھا اور جس کی اورنگ زیب کے ساتھ ہمیشہ سے آن بن چلی آتی تھی وہاں کا
صوبہ دار تھا۔ اور افتخاراں اور آؤ بکوں اور ایرایوں کے مقابلہ کے لئے دس ہزار سے زیادہ
فوج موجود تھی۔ اور چونکہ اُس کے پاس روپیہ بھی کافی تھا۔ یہ تمام فوج اور خود مہاراجہ
ہر خوشی مدد دینے کو تیار ہو جاتا اور ان فوائد کے علاوہ سرحد ایران اور ملکِ ترک سے بھی
نزدیک ہو جاتا۔ اور اغلب تھا کہ وہاں کے فرمان روا بہت کچھ مدد سے کئے اور اُس کو
یاد کرنا چاہئے تھا کہ ہمارے نے خیر خاں سے شکست کھانے کے بعد جو چٹان قوم کا بارشاہ
تھا۔ اور جس نے اُسے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ ایرانیوں ہی کی مدد سے پھر اپنی مملکت
حاصل کر لی تھی۔ لیکن یہ نصیب دلرا شکوہ کی قسمت میں ہمیشہ ہی لکھا ہوا تھا کہ غراہ
کبھی ہی نیک صلاح اٹس کو دی جاتی وہ اس پر اتفاقات ہی ذکر کرتا تھا۔ چنانچہ اب بھی اُس
نے ایسا ہی کیا کہ کابل کے عوض سندھ چلا گیا اور تلخہ مشہر میں جا کر چٹان کی مدد پائے
سندھ کے وسط میں ایک مشہور مستحکم مقام ہے۔

جب اورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ دارا شکوہ کا ارادہ کابل جانے کا نہیں ہے اور
الطینان ہو گیا کہ اب معاملہ چنداں مشکل نہیں تو خود اٹس کے تعاقب میں جانا غیر ضروری
خیال کیا اور سات آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے کو میرزا غنی میر کو دارا شکوہ کی نقل
و حرکت کی دیکھ بھال کے لئے مامور کر دیا اور اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم پہنچ کر کیا کیا فتنہ بپا
ہو جائیں ویسی ہی ہلدی سے جیسی کہ دارا شکوہ کے تعاقب میں کی تھی اگر وہ کوثر آباد

سے خیر شاہ سے جاوے گا شکستیں کھا کر چند سے ایمان پاتا اور شاہِ مہاراجہ سب صفوی فرار و فرار
ایران کی امداد سے پھر چند کر آتا۔ اور دوبارہ تسلط ہونا نہایت مشہور واقعہ ہے۔ -
میں مہاراجہ ای واقعات کو جس طرح عالمگیر نے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے
رعادہ ہونے سے پہلے فطیل اللہ خاں اور بہادر خاں کو دارا شکوہ کے تعاقب میں روانہ کیا تھا۔ بعد
اول میں خیر شاہ سے دہلی پہنچ کر باغِ احرار آباد متسل مشہر ولی سے ذقعدہ کی سالاری متسلطہ کو مفتاح بن
خیر حوس مراد بن ہادیوں کے پنجاب کو خود روانہ ہوا۔ دارا شکوہ نے کراٹال انبالہ کے سمولی راستہ سے
توں کے گھاٹ عباس زاد میں پہلے کی طرح سٹیج کا مشہور گھاٹ خیر حوس کے تعاقب کرنے والوں کے

اس کو یہ خدمتہ تھا کہ مہاراجہ جیو سنگھ یا بے سنگھ ساکونی زبردست راجہ شاہجہاں کو قید سے بچاؤ اور یاسری نگر کے راجہ کی مدد سے سلطان لشکر سیلاب کی طرف پہاڑوں سے ایک ایک اتر آتے یا مرقعہ دیکھ کر سلطان فوج ہی پھر آگرہ کی طرف پڑھائی کر دے۔

اورنگزیب کا استقلال و حسن تدبیر | اسی سفر میں چن آ یا تھا ذکر کرتا ہوں جس سے اس کتاب کے پڑھنے والے یہ اندازہ کر سکیں گے کہ وہ کسی ناگہانی مشکل کے پیش آ جانے پر کیسی چستی سے اس کا فی الفور انتظام کر لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لڑائیوں سے واپسی کے وقت جب کہ وہ حسب معمول سورت کے ساتھ کوچ کرتا چلا آتا تھا راجہ بے سنگھ کو چار اپنی ہزار ہزار دامادوں کے ساتھ آتا دیکھ کر حیرت میں آ گیا۔ یہ اس وقت حسب معمول تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے آگے تھا اور راجہ شاہجہاں کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا وہ اس سے مخفی نہ تھا۔ پس با سانی خیال میں آ سکتا ہے کہ اس نے خود کو سخت خطرے کی جہم حاشیہ منظر کشی، روکنے کے لئے یہ بندوبست کر دیا تھا کہ اس کا نامی سردار اور وفادار سپاہیوں کے آں پار اور اسی طریقہ سپہر لشکر، یا اس کے دوسرے کتا جسے وہ منجھک ٹھہر کر اور کشتیوں کو جلا کر اور فوج کو اکرا کر ہار کر اس سے مل جائیں۔ اس لئے جب اورنگزیب کو کرنال میں غلیل افشاں کی مرضی سے یہ حال معلوم ہوا تو وہاں سے دوپٹہ کو ہویا اور کشتیوں کی تخت کی وجہ سے کئی دن میں لشکر کو شلیج سے پار ہمارا کرنا بھی واڑہ۔ راہوں۔ گڑھ خشک کر ہوتا ہوا گریہ و زاری کے گھاٹ دوسرے پلوں سے بھی پار ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ ڈی الجھ کو قلعہ چاہ پینچا۔ چونکہ دلا شکوہ لاہور سے ختان کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہ سردار جو مقامات میں امور تھے کچھ سستی کرنے لگے تھے۔ اس لئے۔ لیڈر کے لئے یہ نہایت تیزی کے ساتھ بلا توقف کوئی کرنا ہوا لڑائی کو روکا ہوا اور ساتویں محرم کو جب کہ دلا شکوہ ختان سے سندھ کی طرف بھاگ چکا تھا۔ لڑائی چاہ پینچا اور اس جگہ سے ازل صف شکن طوں کو مدد چھ اور سرداروں کے اور بعد ازاں اس خیال سے کہ اب بھی دلا شکوہ کے پاس بارہ چھوڑو سردار ایک بھائی کو فدا دلا دھت سال دلا دھت ہر وہ تھا شیخ میر کو بھی اور اورنگزیب کے حمایت میں اعتماد ہونے کے علاوہ راجہ صاحب تدبیر اور فوجی امور سمجھتا تھا اور اس کو بھی لڑ میرا یا کھتا بعد اذکر کے خود واپس ہو چلا۔ اور معمولی فوجیں کرتا ہوا چھوٹی رینج الاہل قتلہ کو دی بھیج گیا جس میں نیز معمولی چھ اور کئی کی نہ پھرے تعریف کی جہاں اس معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لیڈر سے ملوہ ہے وہ اس نے تصور کی تھی۔ سمجھ

شاہیہاں کے امام احمدی اور مجددانگہ رب

حالت میں پایا اور لبثا اسی کو بھی اندیشہ ہونا چاہیے تھا کہ بے سنگہ اپنے محرم آقا کو اس قید
ہے ہاکی تکلیف سے جھٹ پٹ چھڑا دینے اور ایسے بلے رحم اور نا علف فرزند کو سزا دینے کے
اس عمدہ موثرہ کو جس کے ہاتھ سے اُس پر بلا وجہ ظلم و ستم ہوا مرکز ضائع نہیں کرے گا اور
قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الواقع راجہ کا آنا صرف اسی ارادہ سے تھا کہ اورنگ زیب کو گرفتار
کرے اور اس رات کے قرار دینے جاتے کی وجہ یہ تھی کہ اورنگ زیب کو تھوڑی ہی دیر پہلے
خبر لگ چکی تھی اور وہ یقین کئے ہوئے تھا کہ راجہ دہلی میں ہے مگر اُس نے ایسی عجیب سرعت
سے ایسی بعید مسافت طے کی کہ لاہور اور ملتان کے راستہ میں آلا۔ لیکن اورنگ زیب
کی ہوشیاری اور متانت نے اسے اس بڑی جرحوں سے بچالیا۔ چنانچہ اُس نے مطلق کچھ
خوف و اضطراب ظاہر نہ کیا بلکہ یہ دکھانے کو کہ اُس کا آنا اس کی بڑی ہی خوشی کا باعث
ہے گھوڑا دوڑا کر نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ہاتھ سے جلد آئے جلد آئے کا اشارہ کرتا
ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا۔

سلامت باشعیدہ راجہ بھی! سلامت باشعیدہ بابا بھی! اور جب دونوں دورا
نزدیک پہنچے تو پھر کہا خوش آمدید۔ خوش آمدید۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ بچے
آپ کے آئے کا کس قدر انتظار تھا۔ بہت ہی خوب ہوا کہ آپ آگئے مگر طاقی
ختم ہو گئی اور دانا مشکوہ تیار دیا وفاق جھانک پھرتا ہے اور میں نے میرا ہا کہ
اُس کے پیچھے پیچ دیا ہے اور اغلب ہے کہ جلد گرفتار ہو جائے گا۔ اور نہایت
مہربانی اور انتفاع کے اظہار کی فرض سے مریوں کی آواز چننے ہوتے تھا
اُنار کر رام کے گلے میں ڈال دی اور کہا کہ ہماری فرح بہت تسکین ہوئی ہے
اس نے آپ کو بہت جلد لاہور پہنچ جانا چاہیے۔ مبادا وہاں کچھ بے احتیاطی
اور شورش ہو جائے اور میں آپ کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کرتا ہوں اور کل اختیار
نظم و نسق دیتا ہوں اور میں بھی جلد آپ کے پاس پہنچتا ہوں لیکن رنجست
کونے سے پہلے میرے لئے ضروری ہے کہ سلیمان شکوہ کے معاملہ میں جو آپ
نے کارگزاری دکھائی ہے اُس کا شکریہ ادا کروں۔ مگر آپ نے دلیرانہ کو کہاں
پھرڑا؟ میں اُس کو خوب سزا دوں گا۔ آپ جلدی لاہور ٹرنے جاتے فراموش

مٹے خدا جلتے معاف نہ کیا ہے سہ پا قدر کھنڈ ہے کہیر مکہ مانگر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کی

داراشکوہ گجرات میں | جب داراشکوہ ششہ میں پہنچا تو اُس نے ایک خواجہ سزا کو جو افشری اور شجاعت میں اور دلاں میں مشہور تھا رولان کا قلعہ وار بنایا اور بہت

سے چھان اور پے گنہ زور انگنہ زور فراستیں لکھ لکھ جرمی کے رہنے والے فرنگی کو پ خانہ میں لاکر رکھ لئے اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر ہم بادشاہ ہرجاہیں گے تو تم کو امارت کے درجے دیتے جائیں گے۔ اور اس طسرت پر قلعہ کا بند و بست کر کے اپنا خزانہ و دلاں چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب تک اُس کے پاس افشری اور روپیہ بہت تھا اور تین خزانہ سہا ہیوں کے ساتھ وہ اپنے منہ سے کنارے کنارے شان و شوکت سے کوچ کرتا تھا راجہ کچھ کی علمداری سے گذر کر گجرات میں پہنچ گیا اور احمد آباد کے باہر جا ڈیرہ کیا۔ یہاں کا صوبہ دار شاہ لوازخان ہمدرد نگ زیب کا خسر تھا اگرچہ مستط کے سلاطین سابق کے خاندان سے تھا اور بہت مہذب اور نہایت ذی لیاقت شخص تھا اگر سہا ہی غش نہ تھا بلکہ عیش و وسعت تھا اگرچہ اس میں شاہی فوج بہ تعداد کثیر مریں تھیں اور خوب مقابلہ کر سکتی تھیں لیکن اس کی کم ہمتی یا داراشکوہ کے ناگہاں آ پہنچنے سے خسر کے دروازے کھول دیے گئے اور شاہ لوازخان بڑی تعظیم و تکریم اور نہایت ادب سے پیش آیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اُس کی اس قدر خاطر داری اور تعظیم بقدر ما مشہور گزشتہ ۔ کی رفاقت چھوڑ کر اول دلیہ خاں شہر کے قریب بمقام سلیم پور اور پھر چار باغک دوز ہمدانہ ہے مگر خاص متعلیٰ میں اور نگ زیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ تلخ سے محروم کر ملے کے بعد وہ دونوں سوار ہمدان خاں اور ذلیل اللہ خاں کی مدد کے لئے ہمدرد نگ زیب کی سپاہ خاص کے آگے آگے داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور کو جاتے تھے پیچھے گئے تھے ۔ س م ح

ملہ شاہ لوازخان میں کا نام میرزا علی الزاں تھا ایان کے بادشاہ شاہ سلیمان صفوی کی اولاد سے تھا اور اُس کا باپ مرزا رستم بہ بہت غریب ملہ اور شام و خیرا وہ تہذہ عار سے تکر شاہجہاں کا ملازم ہو گیا تھا۔ اور فراست اور علم خاندان کی وجہ سے شاہجہاں نے اپنے بیٹے سلطان شجاع کی شادکی اس کی بیٹی اور اور نگ زیب اور مرزا غش کی شادی اُس کی دو بیٹیوں یعنی شاہ لوازخان کی بیٹیوں سے کر دی چنانچہ اور نگ زیب کا تہذہ ایشیا صفا معلوم شدہ مصروف بیٹی رباب الفنا بیگم اسی بیگم سے تھی جس کا نام دلہن باؤ بیگم تھا جس مصنف کی یہ نقلی ہے کہ اس کو سلاطین مستط کے خاندان میں سے بتا دیا ہے۔ کیونکہ خاندان صفوی کا مستط سے کچھ تعلق نہ تھا بلکہ اُس کا نفوذ خاندان دلی سے تھا جو ملک ایمان کا ایک مشہور شہر ہے اور اپنے بزرگ شاہ صفی کے نام کی متابعت سے برقوم کا سید اور صفی شہر

دیگر ہم کی کہ اس نے اس کو اپنا خیر خواہ اور طرف دار بن کر لیا اور اگر وہ لوگوں نے اس کو اس کی
 خیانت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن شہنشاہ نے دھوکہ میں آکر بے احتیاطی سے بھر دیا اور
 اپنے تمام منصوبے اور ارادے اور راڈ اس پہنچا ہر کوئی اور جھوٹ سنگ اور دوسرے خیر خواہ
 لوگ جو سپاہ جمع کر کے مدد کی تمنا میں کر رہے تھے ان کے خط و فہم سب اس کو دکھا دیئے
 اور نگ نے یہاں اور سلطان شجاع کا مقابلہ | اور نگ نے یہاں کو جب یہ خبر سنی کہ داراشکوہ نے اسکو

جاتا تھا کہ داراشکوہ کے پاس مدد یہاں پہنچا بھی بہت ہے اور اگر وہاں اس کے قدم جم گئے
 تو نہ صرف اس کے متوسل اور خیر خواہ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی سبب سے مجھے ناراضا نہ ہیں
 سب کے سب ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آکر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ وہ
 بھائی جاتا تھا کہ داراشکوہ کو زیر کرنے کے لئے اس کا بذات خود جانا نہایت ضروری ہے لیکن
 اس نے سوچا کہ شاہجہاں کو اگر وہاں پیچھے چھوڑ کر اس قدم در در چلے جانا اور اپنے لشکر کو ایسے
 صوبہ دریا چھوڑنا نہیں ہے لے جانا جہاں بے سنگ اور جھوٹ سنگ جیسے بڑے بڑے راجاؤں
 کے ملاتے ہیں خطرناک اور خلاف مصلحت ہے اس کے علاوہ شجاع کی طرف سے بھی جو ایک
 بڑی فوج ساتھ لے جھوٹے تیزی سے بڑھا چلا آ رہا تھا اس کو سخت تردد تھا اور سلطان شجاع
 کی طرف سے بھی کشاکش تھا جو مہمیں گھر کے راجہ کے تعاون اور مدد سے فوج کشی کی تیاریاں
 کر رہا تھا۔ فرض کہ وہ اس وقت چندہ چند شکلات اور نظرات میں گھرا ہوا تھا۔ لیکن اس
 نے سوچ بھوکسی لے کیا کہ سردست داراشکوہ اور شاہ تازغان کے مسائل کو چھوڑ کر
 شجاع کی خبر لیجی چاہیے ہر الہ آباد کی طرف دیا نے گنگا کے پار آؤ آیا تھا۔ سلطان شجاع

تیرے حاشیہ منور گوشہ۔ تھا ملواری خمد ہما۔ اس وقت کی تاریکیوں میں اس کے ملائکہ نے
 مل جانے کی اصل وجہ یہ کہی ہے کہ جب اورنگ زیب دکن سے پرمغانی کے برہان پور سے آگے کی طرف چلے
 تھا تو شاہ تازغان یہ خیال کر کے کہ مل جانے انہیں اس ہم کا کیا ہر اس کی طاقت سے بچنا چاہتا تھا اس
 سے اور نگ نے نا ارض ہو کر تلوار برہان پور میں اس کو تیرہ دیا تھا اگر جب سرگودھ کی طرف سے داراشکوہ
 پر نرج پانی تو تیرہ سے چھوڑ کر گولڑ کا صوبہ ملا سکدیا۔ مگر وہ اپنی اس بے عزتی کو نہ بھولا تھی تھا اس لیے وہ
 ملا نہ بھلا تھا کہ تیرہ بھی اس کے پاس کچھ زیادہ نہ تھی کہ جس سے داراشکوہ کا مقابلہ کر سکتا۔ س م

نے اپنا کسبِ موقع کچھ نہیں ہو ایک بڑے طالب کے کنارے نہایت عرصہ مقصر رہتا تھا تاہم کیا اور اس بات کو مناسب سمجھا کہ یہیں ٹھہر کر اورنگ زیب کے حملے کا انتظار کیا جائے۔ اورنگ زیب نے اگر اپنا لشکر دریائے شاعر کے ایک کنارے مخافِ فرس سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قائم کیا۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک بہت وسیع میدان تھا جس میں دونوں طرف کی فوجیں لڑائی کے وقت بخوبی دھڑ دھوپ کر سکتی تھیں۔ اور چونکہ اورنگ زیب یہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اس لئے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی بار بار دستوں کو دریائے اسی کنارے چھڑ کر خود حملہ کے ارادہ سے اس پر جانتا دوسرے ہی دن لڑائی شروع ہو رہے تھے پہلے صبح کے وقت ٹھہر جملہ بھی دولت آباد سے آکر خیال ہو گیا تھا۔ دلا لشکر کے بھاگ جانے کے بعد اس کے اہل و عیال قید سے رہائی پا ہی چکے تھے اور اورنگ زیب کی مسطوروں کے لحاظ سے بھی اس کا مزید قید میں رہنا ضروری نہیں رہا تھا لڑائی بڑے عرصے و غور میں سے شروع ہوئی اورنگ زیب کی فوج نے بے حد شہامت اور سرکشی سے حملے کئے لیکن شہنشاہ اپنے مورچوں سے ہرگز آگے نہ بڑھا اور اپنی ہی جگہ قائم رہ کر حملہ آوروں کو بڑے نقصان کے ساتھ پسپا کرتا رہا اس کی اس تدبیر نے اورنگ زیب کو نہایت ہی پریشان کیا۔

فوجاء کی اس تدبیر کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر ہم دستور اپنے مورچوں میں قائم نہ کر دیتے جاتیں گے تو گرگی کے مارے تمھوڑی دین کے بعد اورنگ زیب خود ہی دریائے کی طرف ہٹنے لے گا قاریاں یہی میں اس جگہ کا نام کچھ کاغذ لکھ لیا ہے جو تھپ کٹھا اور جہاں آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر طلحہ خیمہ و دست اندار آباد ہیں ہے۔ یہاں جتنا اورنگ زیب کا ایک بہت ہی تنگ دو آب ہے اور یہ سب مقامات اسی میں ہیں۔ س م ح

شہ دلا لشکر کی شکست کے چند روز بعد مورچہ کو اورنگ زیب کے احکام کے بموجب سلطانِ عظم نے ہر آب کی ضیعت میں دکن کا حکم تھا رہا کر دیا اور تمام مال و متاع واپس دے دیا تھا اور اس وقت وہ خانقاہ کی صوبہ دار کی عہدہ پر برہان پور میں تھا اور حسبِ طلب وہیں سے آ کر اس لڑائی میں جو دلا لشکر کی شکست سے آشوب پہنچے ہوئی تھی شامل ہوا تھا۔ س م ح

میں پانچویں جنوری ۱۶۵۷ء کو یہ لڑائی ہوئی تھی جو مٹن جالے کا موسم تھا۔ پھر معلوم نہیں ہر آب کا کھسٹ نے گری کا ذکر کون کیا ہے۔ شاید یہ وہ ہر آب لڑائی لڑانے والوں کو پانچ کی صورت ہر آب میں ہوئی ہے س م ح

ہر مجبور ہو گا اور اُس وقت ہم کو اُس کی فوج کے پچھلے حصے پر حملہ کرنے کا موقع ملے گا۔ اورنگ زیب بھی بھائی کی اس حکمت کو خوب سمجھ رہے تھے اور اس لئے وہ ہمارے آگے ٹھہر جاتے پر زور دے رہا تھا۔ لیکن ایسے نازک وقت میں یہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ راجہ جہرمت سنگھ نے ہر بظاہر بڑے خلوص کے ساتھ اُس سے آقے تھے اُس کی پچھلی فوج پر کاٹیک ایسا حملہ کر دیا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ گئی اور اُس نے تمام غزا اور اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ یہ خیر بہت جلد تمام لشکر میں پھیل گئی اس لئے ایضاً بی فوجوں کے دستور کے مطابق اورنگ زیب کی سپاہ بہت ہی ہراساں اور بے دل ہو گئی۔ اس ناگہانی حملہ سے اورنگ زیب کے خطرات اور بڑھ گئے۔ لیکن اُس کی مستقل مزاجی میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ خوب ہاتھ تھکا کر اگرچہ چھوٹا تو سب اُمیدیں خاک میں مل جاتیں گی اس لئے اُس نے جس طرح کی دباؤ شکنہ کے مقابلہ میں یہ ضمانت لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہوسیدان جنگ میں قائم رہ کر خیر کو دیکھنا چاہیے اُسی طرح اب بھی بھرے کا پکا اداہ کر لیا اور اگرچہ اُس کی فوج میں دم چم پریشانی مٹھتی جاتی تھی اور ضمانت سے اس حالت کو نیست بھجھ کر ایک بڑا سخت حملہ کیا اور اتنا تھا ایک تیر لاکھ کہ عداوت کے لئے جانے سے اورنگ زیب کا ہاتھ اٹھتا ہے تاہم ہو گیا کہ وہ گھبرا کر اس سے اترنا چاہتا تھا مگر میر جملہ سے ہر طرف تھا اور میں کی جرات اور بہادریوں کو دیکھ کر سب اہل فوج دنگ بھدھے تھے پکار کر کہا: "دکن کو دکن کر!" یعنی خیال کرو کہ دکن کہاں ہے اور کیا غضب کرتے ہو کیا اب بھاگ کر دکن جاؤ گے؟ اور اس بہادری و بصیرت سے اُس کو تہاہہرتے سے بچا لیا۔

اگرچہ اورنگ زیب کی تباہی میں اس وقت کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور اُس کی شکست کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ اب کوئی دم میں دشمن کے ہنر میں پھنس جائے گا۔ اگر قسمت کا پھر بھی ایک عجیب چیز ہے کہ اس فکر و تدبیر کے باوجود انتہیاب ہو گیا اور میں طرح سو گڑبگ کی لڑائی میں ایک اونٹنے حرکت کے باعث دباؤ شکنہ کو اپنی جان بچا کر میدان سے بھاگنا پڑا تھا۔ ضمانت کو بھی وہی حادثہ پیش آیا یعنی وہ بھی اورنگ زیب کی بھاگی ہوئی فوج پر زیادہ چستی کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے اتر پڑا اور اگرچہ یہ یقین نہیں ہے کہ اس کو بھی یہ صلاح پہنچی سے وہی گئی تھی یا غیر غرای سے۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اگر وہ دی خاں نے جو اس کا ایک بڑا سردار تھا اس وقت

بڑی ہی اچھا سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جلیے اور جو فضل خلیل اللہ خاں نے سو گڑھ کی توانائی میں کہے تھے اس کے خلاف بھی بعینہ ویسے ہی تھے یعنی دست بستہ ہو کر بڑی خدمت سے یہ کہا کہ حضور! اس بٹے ہاتھی پر اسیں جان جو کھولیں کھولیں بیٹھے ہیں کیا ملاحظہ نہیں فرماتے کہ دشمن بھاگے جاتے ہیں اور اب جیسی سے ان کا تعاقب نہ کرنا سخت غلطی ہے پس جلدی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا پیچھا کیجئے مادہ پھر دیکھ لیجئے کہ ہندوستان کتنے آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور آپ ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔

چنانچہ اس حرکت سے جو حادثہ حالاً شکوہ کو پیش آیا تھا وہی شجاع کو پیش آیا یعنی ہوں ہی وہ نوح کی نظر سے غائب ہوا سب کے دل میں مشبہ گند گیا کہ اترا دگیا یا کہیں فریب سے پکڑا گیا اور اس کی نوح ایسی بے انتظام اور متوجہ ہو گئی کہ دوبارہ جمع کرنا ممکن نہیں رہا۔

ملے شاہجہاں کی بیماری کی خبر کا کہب شجاع نے بنگالہ سے فرات گلی کی خلی اس وقت اور وہی تھا مہاراجا سرودار تھا۔ جب شجاع چند پہنچا اس نے لڑے بھڑے بغیر ہی اس کی اطاعت کر لی اور اس وقت سے یہ اس کے پاس بحیثیت مذہب کے تھا اور وہ اس کی اس تعویذ کرتا تھا کہ بیڑہ اس کو خان بھائی کہتا تھا خانگیز میں کھلبے کہ سفر باری اس کا بڑا خفا کہہ کی شکست کے بعد شجاع سے جدا ہو کر اورنگزیب کے پاس حاضر ہو گیا تھا۔ اور جب ان واقعات کے بعد شجاع نے بیربلہ اور نمودر سلطان کے قریب پہنچے ہاتھ کی وجہ سے مونگیر سے پیچھے رہ جانے کی طرف کوئی کر دیا تو اور وہی خان نوح مخالف میں آنے کی نیت سے مونگیر میں ٹھہر گیا۔ اور بعض اور دندے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ چونکہ ایسے بڑے سردار کے پیغمبر ہو جاتے سے نہایت اندیشہ تھا۔ اس نے شجاع واپس آکر مونگیر کے اہل اپنے ہاتھ میں آکر ٹھہرا اور چند چند سردار باد کہ سہاہ اور وہی خان کو حاضر کرنے کے لئے ہر مقابلہ پدا مادہ ہر بیٹھا تھا اور کچھ ہڑ مادہ مسکا کر اس کو پکڑا لے اور شجاع نے اس کو اور اس کے بیٹے سیف اللہ کو تو تھ کر لیا۔

پس ان حالات پر خیال کرنے سے قہقہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے بھی ہاتھی سے آخر پڑنے کی صلاح خیانت ہی سے دی ہو۔

آگرہ میں اورنگ زیب کی شکست کی افواہ | قزلباش کا مال سیٹ کرنی انقدر اس بارہ سے
 آگرہ کو چل دیا کہ وہاں سے اپنے وطن کو چلا جائے اور چونکہ آگرہ میں یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ
 اورنگ زیب شکست کھا کر قید ہو گیا ہے اور شجاع بہادری فوج لے ہوئے آگرہ کو آ رہا
 ہے۔ یہ افواہ یہاں تک پھیل گئی تھی کہ شاعروں نے بھی اس کو ہی جان لیا چنانچہ یہ
 سن کر کہ جہنم سنگھ جس کی دغا بازیوں سے وہ خوب رات دن شاہی شہر کے قریب پہنچ گیا ہے
 ایسا مایوس ہوا کہ نہ تو کایا لہ پڑ کر مر جائے نہ آگرہ ہو گیا اور بے شک لہ ہی لینا اگر اس کی
 مستورہ اس پر نہ آگرتیں اور پیالہ چھین کر نہ پھینک دیتیں۔ لڑائی کے اصل حال سے آگرہ
 والے دودھائی تک اس قدر بے خبر تھے کہ اگر جہنم سنگھ نہا جرات کر کے لوگوں کو دھمکا تا
 دھون اور ترغیبوں سے کام لینا تو بے شبہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا لیتا۔ لیکن حقیقت حال اس
 پر روشن تھی اس لئے آگرہ میں زیادہ ٹھہرنا یا ان کبھیروں میں پڑنا اس سے مناسب نہ تھا
 اور صرف شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے ملک کو چلا گیا۔

اب جب اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو مغلوب کر کے شاہجہاں کو قادیان میں کر لیا تو سب سے پہلے
 اس نے یہ کام کیا کہ شجاع کے ساتھ لینا تدبیر میں سلوک جتانے کے لئے بادشاہ سے بڑے
 اصرار کے ساتھ اس مضمون کا فرمان حاصل کیا کہ صوبہ بنگالہ کے علاوہ صوبہ بہار بھی میں کا
 سلطان شجاع شہید خواہش نہ تھا اور سلطان شکوہ سے شکست کھانے کے بعد دارا شکوہ سے
 بادشاہ سے اپنے نام کرا لیا تھا شجاع کو دیا جائے اور اس کو اپنے ایک نہایت پرتیاک اور بہت
 آمیز قطعیں العرف کر کے اس کے پاس بھیجا جس میں دارا شکوہ کی شکست اور تباہی اور اپنے تدبیر
 اتحاد کی داد دہانی کے علاوہ یہ چلتا ہوا فقرہ بھی درج تھا کہ ائی اہمال آپ اس طعنے پر اپنے اس
 نقصان کا تدارک کیجئے جو سلطان شکوہ کے مقابلہ میں اٹھا چکے ہیں۔ اور جب دارا شکوہ کے معاملہ سے
 فارغ ہو کر میں پنجاب سے واپس آؤں گا تو ملک اور مال دونوں میں آپ کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھا
 جائے گا۔ اس خط کو پا کر وہ بہت ہی شکر گزار ہوا۔ مگر پتہ میں اگر جب اس نے دیکھا کہ اورنگ زیب
 دارا شکوہ کے پیچھے پنجاب کی طرف بہت دور نکل گیا ہے تو آگرہ پہنچے اور سلطنت ہندیا لینے کے بعد
 سے واپس اور مال آباد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چونکہ دارا شکوہ نے پنجاب بھاگنے سے پہلے
 نہ یہ خط لکھا تھا نہ صلح کر لی تھی۔ اور اورنگ زیب کی حال بگاڑنے کے لئے پتہ سے

جبے چاشنی منگوا کر شہتہ، الدنیا کو اپنے تمام خلیفہ اول کے نام اس کی اطاعت کرنے کے احکام بھیج دیتے تھے۔ اس سبب سے وہ پامناست الدنیا پر قابض ہو گیا، اور درنگ زیب کا یہ حال تھا کہ وہ دوطرفہ لڑائی سے بچنے کے لئے یہ چاہتا تھا کہ کسی عسکر شجاع لڑے بھڑے بغیر ہی واپس چلا جائے اور آگے نہ بڑھے۔ اس لئے چنگاہ سے جلد دلی پہنچ کر اول شاہزادہ محمد سلطان کو اگر وہ سے جواب تک وہیں امر تھا اس کی راہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ اور بعد ازاں سرتیس قریب رہنے کی خاطر لشکر کھینچنے کا میل کر کے خود بھی "سواروں" میں جوا لہ آباد کے رخ گنگا کے کنارے ایک جگہ پہنچا۔ اور اس عرصہ میں شجاع کے پاس کچھ اہل فصاحت آمیز خط اور پیغام بھیجے۔ مگر وہ اس لئے نہ آیا اور نہ آواز سے بھی کچھ جواب نہ دیا تو ستر میں رہنے والوں کے سامنے مطالبہ تھری جہزی حلقہ کو محمد سلطان کے لشکر سے کوزہ میں جاتا۔ و شجاع کے لشکر سے قریب چار کوس کے تھا۔ اور امیری سے پہلے اول کریم گاہ اور کارخانہ جات شاہی کو اسی جگہ جمع کر کے خزانہ سواروں کے ساتھ لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ اگرچہ طرفین سے لڑائی پہلی رہی لیکن وہ دودھ سے صرف لڑائی کی طرف ہی تھی۔ جب شلم کو لڑائی بند ہوئی تو شجاع نے یہ غلطی کی کہ اس کا قریب غار جواہری جگہ پر تھا اور اس وجہ سے اچھا کام دینا ہوا تھا اپنے لشکر گاہ کے قریب لایا اور میر جہزی سے متعلقہ اس کی جگہ اپنی تو بھی مانتا تھا۔ اور چونکہ شجاع کی سپاہ اور قریب غار کے پیچھے ہٹ جاتے تھے اس طرف والوں کو شب خون کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اورنگ زیب پہلے ہیٹ کر اپنے لشکر گاہ کو لگیا بلکہ اس کی کل فوج اور تمام امیر میں ترقیب سے میدان جنگ میں قائم تھے وہی آخر ہنسے۔ اور حکم دیا گیا کہ گھمڑوں کے زین اور سپاہیوں کی گھڑیاں انہی طریقہ سے بند کر دیں۔ علاوہ یہی ہوشیار اور خبردار رہنے کے لئے میر جہزی امرا اور سواروں کو بہت تاکیدیں کرتا پھرا۔ اور بعد غار شجاع اورنگ زیب اپنے مختصر سے غم گاہ میں جو میدان جنگ ہی میں لگا دیا گیا تھا جا کر سوار۔ تو آخر شب کو ایک لمحہ بنگا نہ رہا تھا جس سے اس کے لشکر کو بڑا نقصان پہنچا۔ یعنی ہمارا جو جہز سست سنگھ میں کی تعمیر معاف کر کے اورنگ زیب دلی سے اپنے ہمراہ لے آیا تھا اور اس وقت وہ اس کے لشکر کے دائیں بازو کا سردار تھا شجاع کو یہ خبر پہنچ کر کہ وہ صبح میں فساد اور شور و غصہ پکڑا پکڑا دھر سے آپ آئیں اور اس طرح اورنگ زیب کو تنہا کر دیں۔ بڑے بڑے ناچیت امیروں کو جو اس کی کان میں تھے ہمراہ لے کر میدان جنگ پہنچنے کی طرف سے کل بھاگا اور اول محمد سلطان کے کھمپ کو جو سردار تھا۔ اور بعد ازاں اور امیروں اور نوادرنگ زیب کے

تھا جہاں کے ایام میری اور مہمانگیر

محمد سلطان اور میر جلیل شجاع کے تعاقب میں | اورنگ زیب کو جس وقت ملنے کے کڑوؤں کا بڑا
 کھانا تھا اور خیال تھا کہ اگر سے شورش کی
 کوئی نہ کوئی خبر آئے گی اس نے شجاع کا زیادہ پیچھا نہیں کیا اور تمام لشکر کے کرتیزی سے
 دارالسلطنت کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر اس کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ غنیم کے لشکر کا اس لڑائی میں
 کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ شجاع کی دولت مندی اور نیا ضی کی شہرت کے باعث وہ
 قبیلہ ماشہ منگولہ شد۔ لشکر گاہ اور کارخانہ جات شاہی کو بے تحسک لڑتا ہوا چلا گیا اس حادثہ
 سے ایک عجیب پریشانی اور ابتری پھیل گئی۔ اور بہت سے لوگ ملت ہی کو شجاع سے جانے
 گرا بھی تھماتے باقی تھی کہ اورنگ زیب اس حال کی خبر پا کر سخت رواں پر سوار ہو کر کمال
 استقلال سے اپنے خیمہ کے باہر آن کھڑا ہوا۔ اور جس جس کو اپنے رفیقوں اور امیروں کو اس طرح
 قسلی دیتا رہا۔ کہ خوب ہوا کہ جہاں لشکر مٹا نفوں کے جس دغا خاک سے پاک ہو گیا۔ اگرچہ اس
 داگہائی نے اس کے سب سے نصف فوج رو گئی تھی۔ مگر بڑے استقلال سے باقی ماندہ سپاہ کو
 اندر لے جاتا جگہ جگہ ترتیب سے پھر جمع کیا۔ اور اس فوج سے کہ فوج اس کو اور یہ فوج کو دیکھتا
 رہتا اپنے اصول کے موافق سچے کو ایک بڑے ہاتھ پر سوار ہو کر ابد شہزادہ مہر افغان کو ساتھ بٹھا کر
 لڑائی کے لئے نکلا۔ چنانچہ اول توپوں اور بانوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ پھر دونوں لشکر دست
 بہ دست لگنے لگے۔ شجاع کے لشکر نے اس کی فوج کے دائیں بازو کو شکست دے کر تھام دیا۔ جس
 سے نہ ہی پریشانی ہوئی۔ اور بہت سے سہیلی دشمنوں سے جانے اور ہزاروں انصاف نے فوج کے
 قلب کو جہاں اورنگ زیب خود موجود تھا خوب دبا دیا اور کئی دفعہ اس کی جان پر ہی گئی۔ چنانچہ ایک
 جنگی آدمی تو اس کے اس قدر خوب پہنچ گیا کہ کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ مگر اورنگ زیب کا ایک ہندو
 وراثت کے انصاف کے ایک ہودے میں بیٹھا ہوا تھا اس کے نیلہاں کو گولی سے نہ آیا وقتاً توڑا جاتے
 اورنگ زیب پر کیا گزرتی فوج اورنگ زیب اچھا استقلال سے ہر خطرہ کا مرتد بہ قابلاً اور دشمنوں
 کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایک سرحد تو یہی اور بہت سے ہاتھ اٹھانے اور ناکب کچھ پر جہاں شجاع
 کا لشکر مقیم تھا جا کر ٹوٹ کر کیا اور اسی روز محمد سلطان کو شجاع کے تعاقب میں دعا دیا اور پھر جیل کو
 بہت شہزادی بہت غراہ و کھنعب دے کر اس کی مدد کو بھیجا اور خود اگرچہ ہوتا ہوا امیر کو چلا گیا۔
 کہ نہ دلا لشکر کمر بستہ سے اور جہاں جو نہ ملتا ہے وہیں خود سے اتفاق امیر پر چڑھ کر آتے
 والے تھے۔ اور غراہ و کھنعب نامہ (غیب)

سب راجے جن کی ریاستیں گنگا کے دونوں کناروں پر ہیں اس کی مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں اور اس کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ اور یہ بھی اطلاع پہنچی ہے کہ وہ آٹھ ماہ میں پانچ لاکھ سپاہی جمع کر چکا ہے تاکہ گنگا کے اس مشہور گھاٹ کو حقیقت میں صوبہ بنگالہ کا داروانہ بنائے۔ اس سے نہ جانے کس لئے اس نے سوچا کہ صرف دو شخص اس قابل ہیں جو ان مشکلات میں بچے دو دن کے لئے ہیں ایک مہاراجہ سلطان و مہاراجہ جملہ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فکر بھی تھی کہ جو شخص بھی کوئی خدایاں خدمت بخالائے کہ تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غمہ اس کو کیسا ہی جلد کیوں نہ دیا جائے وہ اسے اپنی خدمت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھتا تھا کہ مہاراجہ سلطان کو مہری اطاعت بھی سے ناگوار ہے۔ اور قلعہ آگرہ پر قابض ہو چکے ہیں اور شاہجہاں کو قید کر لینے کی وجہ سے بڑی دون کی لیتا ہے۔ اب راجہ مہاراجہ۔ اگرچہ وہ اس کی کمال داناہی، عقیدگی اور دلاوری کا قائل تھا لیکن اس کے انہیں اوصاف سے ڈرتا بھی تھا۔ کیونکہ ایک تر اس کی دو خدمتوں کا بڑا شہرہ تھا اس کے علاوہ خام ہندوستان میں ایک ایسا مانا اور مصاند نہیں کہ کامل وزیر سمجھا جاتا تھا کہ مشکل سے مشکل معاملات کو اپنے من سے بڑے بھاری سولہ جام دے سکتا ہے ان وجوہ سے اور گنبد اس کی جڑ تک شخصیت کو بھی اس کی حوصلہ آرازی اور جاہ طلبی کی وجہ سے مہاراجہ سلطان سے کچھ کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔ یہ خطیں ایسی تھیں جو ایک معمولی عقل کے آدمی کو ضرر و نقصان میں پھنسا دیتیں۔ لیکن اور گنبد نے ایسی حکمت اور ہوشیاری سے کام لیا کہ دونوں دارالسلطنت سے چلتا بھی کر دیا اور دونوں میں سے کوئی شاک بھی نہ ہونے پڑا۔ یعنی ایک بڑی فرح سہوار کے ان کو شجاع کے مقابلہ پر روا ذکر دیا اور رخصت کے وقت مہاراجہ کو یہ سمجھا کر ماضی کر دیا کہ نیک کے بعد بنگالہ کے وزیر خیر صوبہ کی حکومت مدتِ عمر کے لئے آپ ہی کے واسطے ہے بلکہ آپ کے بعد آپ کا بیٹا بھی اس صوبہ داری کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اور اگرچہ آپ کی خدمات بہت سی منافعوں کے قابل ہی گرائیں ہیں یہ فی الحال یہ ایک ہے۔ اور جب آپ شجاع پر نفع پائیں گے تو امیرِ اہل اسلام کا خطاب ہو ہندوستان میں سب سے بڑا خطاب ہے آپ کو عطا کیا جائے گا اور مہاراجہ سلطان سے یہ کہا کہ ہمیشہ ملے گا وہی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجاع کی برادری کے بعد مہاراجہ کے لئے خاندانِ مہاراجہ کا خطاب سمجھا جاتا تھا اور مہاراجہ کا خطاب نہایت خاں گنبد کا گیا تھا۔ س م س

شہزادہاں کے ایام امیری اور عبادت گزشتہ

خیال کرو کہ میری اولاد میں تم سب سے بڑے ہوا اور اپنے ہی کام میں مہارت سے ہوا اور بے شک
 تم نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ مگر سچی پوجہ تو ابھی کچھ بھی نہیں کیا کیونکہ تا وقتیکہ شہزادہ
 کو جو ہمارے مخالفوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے شکست دے کر کچھ نہ لاد سارے ہی کام
 ادا ہوئے ہیں۔ اس نہایت کثرت کے بعد اور جنگ نریب نے دونوں کو حسب معمول بڑے تیسری
 - سراج - یعنی خلعت دیئے۔ اور چند گھوڑے اور ہاتھی عمدہ ساز و سامان سمیت مٹا دیے
 کئے۔ اور جس طرح سے ہر کام میں سلطان کی ہیکم اور میر جلد کے چٹے عوامی کو ان کے
 ساتھ نہ جانے دیا یعنی محمد سلطان کی ہیکم کو تو جو خواہ گو لکھنؤ کی چٹی تھی اس جیل سے
 شہر الیا کا ایسی عالی خاندان مشہر ہادی کا لڑائی کے وقت لشکر کے ساتھ جانا کسی طرح
 نریب اور مٹا سب نہیں۔ اور عوامین خاں کو اس بہانہ سے روک لیا کہ ابھی یہ بہت
 کم ہیں ہے اور ارادہ و شفقت ہم چاہتے ہیں کہ خاص اچھے ذریعہ نظر رکھ کر اس کو تعلیم و
 تربیت دیں۔ لیکن دراصل ان دونوں کو ہر حال بنا رکھا تھا تاکہ شہزادے اور میر جلد سے
 کسی بے وفائی کا اندیشہ نہ رہے

شہزادہ کی جنگ لڑائی اب شہزادہ کا حال سنئے کہ چونکہ اس کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا
 کہ مہاراجا زریں جنگ لڑ کے رہا ہو جو میری پھینکا بھیجیوں اور
 زیادتیوں سے دل میں ناخوشی میں کسی کے ہکا سے سے پیچھے نہ آ کر پیشیں اس وجہ سے
 جب اور جنگ لڑی کی ان کارروائیوں سے مطلع ہوا تو فوراً الہ آباد سے تیرہ ڈاکٹرا اٹھا بناریں
 اور چنڈ کی طرف کوچ کر گیا۔ کچھ لگا آئے یہ اندیشہ تھا کہ غالباً میر جلد بھاگے الہ آباد کے گئی
 اور گھاٹ سے گنگا عبور کر کے جنگ لڑی واپسی راستہ کو روکنا چاہے گا۔ چنانچہ انہیں اندیشوں
 سے بنارس اور چنڈ سے بھی پیچھے مرگیکر چلا گیا وہ گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر چھوڑ
 ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جنگل اور دریائے ہونے کی وجہ سے ایک محفوظ مقام اور
 جنگ لڑا اور مارہا کھا گیا تاکہ - یہاں پہنچ کر اس نے مورچہ بندی کرنی اور شہر اور دریائے
 کنارے سے سے کرپاؤ تک ایک بڑی گہری خندق کھدوائی۔ چنانچہ اس واقعہ کے کئی سال
 پہلے عالمگیر تاسیس کیا ہے کہ مرگیکر کے ایک طرف جو حدودی پہاڑ اور دوسری جانب ہائے گنگا ہے ان دونوں
 نے اپنی حکومت کے زمانہ میں چارے لیکر ایک سا کوں ہی دیوار کھنڈ کر اس کے مقابل کی سمت میں خندق
 کھدوائی تھی۔ شہزادہ نے اپنی مہاراجا کے دلائل میں اس دیوار کی مرمت کر کر نہیں گزرا۔ ایک ایک بچہ بڑا
 تھا اور خندق کو لایک کر لڑا تھا۔ س م ج

بعد اس خندق کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ فرض اس مستحکم مقام میں گنگا کے گھاٹ کی روکے جوتے وہ قریب مخالف کے حمل کا خطر تھا کہ یکا یک اُسے یہ انوس ٹاک خبر کی کہ ناشر جو چند یک دریا کے کنارے کنارے بڑھا آتا تھا صرف دھوکا دینے کی فرض سے تھا اور میر جملہ اس میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُن راجاؤں کو میں کی ریاستیں دریا کے دائیں کنارے کو ہستان میں ہیں اپنا معاویہ بنا چکا ہے اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا سید سلطان اور اپنی حمید و منتخب سپاہ کو لئے جوتے راج محل کی طرف اس فرض سے جامہ لے کر ہمارے چھپے چھپے کا راستہ روک کر ہم کو بنگالہ کے اندر جانے دے۔ چنانچہ یہ خندق اور مورچے جرات سے انجام سے تیار ہوئے تھے یوں ہی چھوڑ دیتے پڑے۔ مگر راج محل کے درمیان گنگا اس طرح جاتی ہے کہ کئی چکر اور پھر گنگا گزرتی ہے اس سبب سے اسے جو سیٹھیں اُٹھاتی پڑیں مگر پھر بھی میر جملہ سے کئی روز پہلے راج محل میں جا پہنچا بلکہ کچھ سوچے بانہہ لینے کی بھی فرصت مل گئی کہ چونکہ میر جملہ اور سید سلطان یہ دیکھ کر کہ اس کو اب راج محل پہنچنے سے روکنا ناممکن ہے اپنے باتیں بانہہ بعض مہارت و شہرہ گزار امتوں سے گذرتے ہوئے اس فرض سے گنگا کے رخ ہونگے کہ اپنے بھاری توپ خانہ اور جیون اور بارود و دستوں کو ہر دیا کے راستہ سے آہستہ سے آہستہ ساتھ شامل کر لیں اور جب ان کا یہ مدعا حاصل ہو گیا تو راج محل پہنچ کر لڑائی شروع کر دی راج روڈ تک شہنشاہ خوب ہم کر لڑا مگر جب دیکھا کہ میر جملہ کے توپ خانہ کی متواتر ضرب میرے مورچوں کو درختوں کی شاخوں اور ٹکڑیوں سے تیرج کی صورت میں مٹی اور رویت بھڑکھڑاتا لے گئے تھے مگر باوجود کئے جاتی ہے۔ اور اس خیال سے بھی کہ ہر سات کا موسم قریب آگیا ہے اُس وقت اُن کو ابھی راجہ نقصان پہنچو گا قانون مات و پاں سے نکل گیا مگر وہ تو چیں جو بہت بھاری تھیں یہیں چھوڑ گیا۔ اور میر جملہ اس خوف سے اُس کا بچھاؤ کر سکا کہ شب خون کے اڑنے سے کہیں وہ ہماری گھاٹ میں نہ جا ہوا۔ اور شہنشاہ کی خوش نصیبی سے سچ ہوئے سے پہلے اس نو راجاؤں کے ساتھ اُس کے ساتھ قریب کے لئے راج محل سے کوچ کرنا ناممکن۔

لہذا جلال الدین محمد اکبر کے لئے سب سے پہلے وہاں اکثر گنگا تھے جس کے سبب تمام انسانی سہولتیں گنگا کے تھے۔ بنگالہ میں گنگا کا لڑا سبب وار ہوا اس لئے اپنے رہنے کے لئے وہاں ٹیٹ مٹی سے ایک حکم صاف کیا کہ گنگا کا پانی نہ مل سکے۔ لہذا شاہی اور شاہی انگریزوں میں اگر گنگا کا پانی نہ مل سکے۔ لہذا شاہی اور شاہی انگریزوں میں اگر گنگا کا پانی نہ مل سکے۔

شاہجہاں کے قیام اسیری اور مہاراجہ گنیش

ہو گیا۔ بادشاہ نہایت ہی شدید اور برسات کا آغاز تھی جو جنگ لڑیں جو لانی سے اکثر جنگ بہت ہی کثرت سے ہوا کرتی ہے۔ اور راتے ایسے غراب ہر جاتے ہیں کہ کسی حملہ آور فوج کے سفر کے قابل نہیں رہتے۔ پس میر جملہ کے لئے ناگزیر ہو گیا کہ وہ برسات کے ختم ہونے تک راج محل میں ٹھہر کر اپنی فوج کو شجاع کی سپاہ کے مکانات میں آرام لینے دے۔

شجاع کی ازسرنو تیاریاں | برسات کی وجہ سے شجاع کو بڑی مہلت مل گئی کہ جس جگہ مناسب بھاد ہاں ٹھہر کر اپنے حسب حال تدبیریں کرتا رہا۔ اور بہت سی نئی فوج لوکر رکھی۔ جس میں بہت سے پرتگیز بھی تھے جو چند گروہوں کے بجگا لے کے ان ضلعوں سے آگئے تھے جو نیچے کی طرف ہیں۔ واضح رہے کہ ملک کی انتہائی زرخیزی کے باعث اکثر اہل زرنگ اس نزاع میں بے ہوتے ہیں۔ اس آڑے وقت میں فی الحقیقت یہ شجاع کی غرض تدبیریں اور ممانعت تھی کہ اُس نے ان اجنبی لوگوں کی جست افزائی اور غلط داری کی اور ان کو اپنی سپاہ میں بھرتی کر لیا۔ کیونکہ پرتگیز اصل اور مدد ملنے سب لاکر اس وقت کم سے کم دوس ہزار یہاں موجود تھے۔ اور فی الواقع اُس کو بڑی مدد مل سکتے تھے۔ اُس نے اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ ان کے پادریوں کی بہت دل داری اور تالیفِ عداوت کی اور انعام و اکرام کے وعدوں کے علاوہ یہ وعدہ بھی کیا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہو اپنے گرجا بنا لینا۔

محمد سلطان کی بغاوت | اس عرصہ میں میر جملہ کے لشکر میں نہایت پریشان کن حالات پیدا ہو گئے کیونکہ اُس میں اور محمد سلطان میں سخت نا اتفاق ہو گئی جس کی وجہ سے محمد سلطان کی یاد دہنی کہ کل لشکر کی حکمرانی میرے اختیار میں ہو۔ دوسرے وہ میر جملہ کے ساتھ تو ہیں و تھیں سے پیش آتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات باپ کی نہایت بھی کچھ ایسے الفاظ کہ بیشک تھا جو نہ زنا نہ اہانت اور اب ہی کے شایاں تھے اور نہ باپ کے شاداد منصب ہی کے، غلامیہ کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر وہ کی تفسیر میں جس دن وہ کام کئے ہیں کہ حضرت کے لئے مزدوری ہے کہ لہجہ کا سیانی کے لئے میرے منہ ہوں۔ (ای حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے باپ کو سخت ناراض کر لیا اور جب اُس کی ناراضگی کی غرض سے تواس اور کے بارے کہ مہاراجہ میر جملہ کے پاس میری گرفتاری کا حکم آجائے

اور وہ مجھے قید کر کے صرف گنتی کے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے چل پڑا اور سلطان شجاع کی خدمت میں احاطت خواہ کر کے بجا آوری خدمات کے لئے اپنی آلودگی ظاہر کر لی۔ شجاع کو ان باتوں پر کچھ یقین نہ آیا بلکہ یہ مشہور بنا رہا کہ شاید ادھنگ زہب اور میر جملہ نے مجھے جو خوف بنانے کے لئے کوئی چال چلی ہو چنانچہ اس کے بڑے بڑے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کیا اور ذہنی فوج کا کوئی ٹرافیکو اسے سپرد کیا بلکہ ہمیشہ اس پر نگہ رانی قائم رکھی۔ اس طرز سلوک کا انجام یہ ہوا کہ وہ تھوٹے ہی دنوں میں شجاع سے بھی متنفر ہو گیا۔ آخر کار چند مہینوں کے بعد نا اُمید ہو کر پھر میر جملہ کے پاس چلا آیا اور میر جملہ نے خاطر داری اور کسی قدر اعزاز و اکرام کے ساتھ اسے لشکر میں اتار لیا۔ سامد کہا کہ اگرچہ آپ نے بہت بڑا قصور کیا ہے مگر خیر میں بادشاہ سے سفارش کر کے معافی کی وہ درخواست کروں گا۔

میں نے بہت لوگوں سے سنا ہے کہ یہ عجیب حرکت جو محمد سلطان سے ظہور میں آئی تھی حقیقت میں اورنگ زیب کا ایک منصوبہ تھا جو یہ چاہتا تھا کہ میرا شہزادہ اپنے آپ کو کسی خطرناک کام ہی میں کیوں ڈھال دے مگر سلطان شجاع تباہ ہو جائے۔ بھولان اسل حقیقت خواہ کچھ ہی ہو مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ راج محل کو لوٹ آیا ہے تو موقعہ دیکھ کر کہ اب محمد سلطان کو بھی کسی حراست کی جگہ بھیج دینے کا خاص سہا نہ ہوتا آگیا ہے واپسی یا بناوٹی غفلت کے ساتھ اس کو ایک تائیدی فرمان بھیجا کہ فوراً بذاتوقت دہلی کو چلا آئے۔ اب یہ نصیب شاہزادہ قیصر حکم سے سزائی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ پس ہوں ہی گنگا کے اس پار اتر لوگوں کے ایک مسلح گروہ نے گرفتار کر لیا اور بددستی ایک

شہید عجیب اتفاق تھا کہ آئندہ میں رمضان مقلد کو دھڑک رہے تھے اور وہ باغی ہوا اور مراد ماسکو

اور پھر شکریہ نصیب اسی تاجی میں ملک بہمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ تمام
 ملے خارجی تاجیوں سے مور سلطان کی بغاوت کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو خیر لوگ اور بیانات کا
 خواہی اس پر ہر ملک کی آغوش اور پاکیزہ اور کرتہ ایشی معاہدوں کی ترغیبیں اور سلطان شہنشاہ کے دم جھانے اور
 اچھا دیکھنے سے شادی کر کے کارہ میں کا کوئی بھی ایک فیہ میں رکھا جاتا ہے سبب اس حرکت کا اس پر ہے تھے چنانچہ
 جب شہنشاہ کے پاس پہنچا تو بتایا کہ جہاں ترک لوگ اور ان کے مل کے ہیں وہاں کے یہ شہنشاہ نے جہات کا رسم لیا اور انھیں
 ملک سے اس کی شادی کر دی اور اس کے درمیں آئے کا جب شہنشاہ کی سرور میں تھی بلکہ دیکھ کر نگاہوں سے جہاں
 دیکھ لیا کہ شہنشاہ کی بہرہ کی کوئی امید نہیں ہے کہ اگر اس نام ہو کہ آٹھ بیٹے کے لیے زیادہ ایک پاس ہو کہ وہ چاہا گیا
 تمام

سلطان محمد معظم کو اورنگ زیب کی نصیحت | اس طسرت بھا اپنے بیٹے کا فرشتہ شاہ

ایسا نہ ہو کہ کہیں حم بھی بھائی کی تقلید کر بیٹھو اور وہی معاملہ تم کو بھی پیش آئے جو اس کو پیش آیا ہے۔ یاد رکھو کہ جہاں باپنی ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ بادشاہوں کو اپنے سایہ سے بھی مسدود گمانی ہو جاتی ہے یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اورنگ زیب بھی بیڑوں کے ماتھے سے دیکھ دیکھ سکتا ہے جو جھانکے سے شاہجہاں کے ہاتھوں دیکھا تھا۔ جس طرح شاہجہاں نے تخت و تاج کو دیا اورنگ زیب بھی اسی طرح کھو سکتا ہے۔

لیکن سلطان محمد معظم کے طور طریق پر نظر کرتے ہوئے میری تو یہ رائے ہے کہ اورنگ زیب کا اس کی طرف سے کئی بڑے ارادہ کا شہہ کرنا بے وجہ ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک ادنیٰ غلام سے بھی زیادہ فراں برداری کرتا ہے اور سطح سے سطح شخص سے بھی یہ ممکن نہیں کہ غیر مٹائی اور عجیب طبیعت کے جوڑی و دلوں پر اپنے اقوال و افعال سے پردہ ڈال رکھے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب بھی حصول اختیار و اقتدار کے معاملہ میں کبھی اس قدر چلے ہوا نہیں نظر آیا۔ اور نہ خیرات اور عبادات ہی میں اتنا صرف دکھائی دیا۔ مگر باہیں ہم اکثر ہوشیار لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہمت نشا سے راکھ لائی بیڑائی پیشہ اس کی بناوٹ ہے اور حصول سلطنت کے خیالات اسی طرح دل میں چھپائے ہوئے ہے جس طرح اس کا باپ بھپائے ہوئے تھا۔

جبہ ماتھے پر مغل گوشہ۔

اولیں نمونہ دو مان محمد احسان پادشاہ نواز محمد سلطان ولایت انبیاں اولیں نواب باقی چہام مضامین مشعلہ و توہینت بشر انصاف و لب و لہجہ اس اوصاف مختلف و مختلف کلام محمد اکبر کمال و خاندان و خوشن عین و تازی و ترکی پہلو دان و شہنہ دور کار باقی کراخصیت را چینی از مجلس با عاری دولت اتفاق افتاد و مصدر تر دولت خزانہ شدہ و ادب شہا عت و دلیری دادہ

و در سنہ ہست یک مجلس حضرت اعلیٰ خاقانی بمیرہ را من آخرت رفعتہ۔

شاہجہاںگیر سے شاہجہاں کی اکثر باتیں ہی دیکھی تھیں اور جب وہ مر رہا تھا تو یہ دکن میں ملازم باقی تھا۔ اس سے شاہ محمد معظم دو دن ایک ہی ماں سے تھے اور محمد معظم ترقی چار سال کے اس سے چھوٹا تھا اورنگ زیب کے بعد ہی بادشاہ ہوا تھا۔ اور اپنی چند سال بادشاہی کے مختصر راند میں ایک نیک سیرت

اس عرصہ میں اورنگ زیب آگہ کے قلعے میں قیام تھا۔ مگر فرکار بہ مراد بخش کو قلعہ گریار میں بھیج
چکا تو وہی جا کر ان سب دھوکے کی ٹیوں کو جو اب بنگہ لوگوں کو قریب دینے کے لئے بن رکھی تھیں اٹھا
لوا اور تخت سلطنت پر جلوس کر کے بادشاہی بیٹھایا۔

اب اورنگ زیب کی تمام آرزو داراشکوہ کو گجرات سے نکالنے
اور اشکوہ لاہور کے میدان جنگ میں اس کی تیاریوں پر مبنی ہوئی تھی لیکن ان وجوہ سے جو پہلے
کی جابجائی ہیں اس دلی دعا کا حاصل ہونا آسان نہ تھا مگر آخر کار اس کی محیب و غریب ہنرمند
لے داراشکوہ کے قیام میں پنجاب کو جاتے ہوئے اگرچہ سرسری طور پر تخت نشینی کی رسم بتمام بارغ
آباد ہر شاہجہاں آباد کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا پہلی و قیودہ مستندہ کو مل گیا چکی تھی۔
مگر اتنا مدد جلوس اس وقت کیا گیا تھا جب کہ شہر کے مقام کچھہ شکست دینے کے بعد مراد بخش
کو قلعہ گریار میں بھیج دیا گیا۔ اور داراشکوہ کو بمقام امیر انصاری جمادی الاخریٰ ۱۰۲۷ھ کو دوبارہ
شکست ہوئی اور وہ اپنے پاؤں امراء کی طرف نہایت صدمہ و سوائے کے ساتھ بھاگ گیا اس
وقت نشینی کو معین نے داراشکوہ کی شکست کے واقعے پہلے خدائے کس طرح کھدایا ہے اور یہ چلی
جو میری و صفائی سستہ کو کو قلعہ شاہجہاں آباد میں دھن میں اب بنگہ کے داخل نہیں ہوا تھا، ہندو اور
مسلمان بھڑیوں کے ہاتھ موت کے موافق جب کہ شخصی حساب سے اس کو اکالیہوں پر اس تمام صوبے کا قلعہ
کے ساتھ کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنا قلعہ شہر ذیل قرار دیا۔

”اور انظر علی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی“ اور بے اولیٰ کے خیال سے سکے
میں کلمہ طیب اور خلیفہ نے ارچہ کے اسم کی جگہ سر اور چاندی کی مناسبت سے باحکاف لفظ صریحہ
پر بیت تحریر ہوئی۔

سکے زود و جہاں پر ہر شیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر
اور اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں نہیں دیکھا گیا مگر مشہور ہے کہ جب علیپ ہستور کے موافق اس کے
بزرگوں کو کسی کو حجت اشفاق دہلوی کو قلعہ مکان و غیرہ وغیرہ کہہ کر گئے تھے اور جہاں گھر کے نام پر پہنچا
تو اورنگ زیب نے فرستے معلوم کیا کہ یہ اس امر میں میرا ہے کہ جیتے جاگتے شاہجہاں کا کیا
کہہ کر نام ہے۔ تو شاہ اس کی طرف خطاب ہو کر قیدی آپ کے ہے یہ صبح حال اور نصف شب بفرز
کہہ کر اور کہا کہ قیام بگو تا کہ تابع وہیم ثانی سلطان ابراہیم شاہاب الدین میر شاہجہاں بادشاہ
غازی صاحبزادہ ثانی، س م ع

نہاں کے ایام اسوی اور جدو سنگ زب

دو ذافروں خوش اقبالی سب شکلوں پر غالب آگئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر وقت سنگ نے گھر پہنچتے ہی اس مال دولت سے جو کچھ سے لوٹ کر لایا تھا ایک مضبوط فریٹ بھر کر کفن خرچ کر دی اور دارا شکوہ کو کھڑا کر کے آپ پر قوت آگرہ چلے آئے۔ میں اپنی تمام فوج کے ساتھ اس میں آن میں گا۔ اب چونکہ شہزادہ تہی ایک فوج کثیر بیج کر لی تھی اگرچہ بہت عمدہ نہ تھی پس اس اُمید پر کہ حب میں ایسے نامی راجہ کو ساتھ لے کرے دارا سلطنت کے قریب پہنچ باقی گا تو میرے منتشر شدہ براغواہوں کو بھی میرے نشان کے نیچے آکر جمع ہو جانے کی حرات پہلے گی۔ چنانچہ اس نے احمد آباد سے کوپے کر دیا اور بہت سُرست کے ساتھ اجمیر میں آ پہنچا جو اگر وہ سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ پر ہے لیکن جس وقت سنگ اپنے عہد پر قائم دریا۔ وجہ یہ ہوئی کہ راجہ بے سنگ نے یہ خیال کر کے کہ لڑائی کے تمام گنگ ڈونگ سے اور نگ زب ہی کے طلب کی امید ہوتی ہے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ہر وقت سنگ کو دارا شکوہ کی طرف داری چھوڑ دینے کا مشورہ قرین مصلحت جان کر اس کو کہا کہ

تم نے اس میں ایسا کیا فائدہ سوچا ہے کہ وہ مجھے سے ماضی بنے ہو اور اگر تم ایسا بات نہ سناؤ تو وہ مجھے ترس کا کچھ فائدہ ہو تا تو معلوم ہر گاہ میں اس تھا دارا خاندان اور تم بے شک برباد ہو جاؤ گے۔ اور اور گنگ زب تم کو کہیں صاف نہ کہے گا۔ اور چونکہ میں بھی لالچوت راجہ ہوں اس سے بہت القاس کرتا ہوں کہ بیچارے راجہ کو کاغذ کرانے سے باز آؤ اور اس گمنام میں نہ ہو کہ اور راجہ بھی تمہارے شریک ہو جائیں گے کیونکہ یہ میں کہی نہ ہوئے دن کا۔ اور چونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہر ایک ہندو کی سہ سخی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے آپ کو ایسی آگ کے پھر چٹا کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے جو تمام ملک میں پھیل جائے اور پھر کبھی کسی کو نہ بھایا نہ جاسکے اور اگر تم دارا شکوہ کو بحال خود چھوڑ دو گے تو دارا رنگ زب تمہاری پھیل خطا میں سب صاف کر دے گا۔ اور اس شہابی خواہ کا بھی مطالبہ نہ کرے گا جو تم نے کچھ کی لڑائی میں لوٹ لیا تھا۔ بلکہ نورا گھوڑت کی سرور جاری پر

خدا کا شکر ہے کہ کجرات میں دارا شکوہ کے پاس ایسی ہزار سوار ایک چھاتر تھا تو پھر خدا مرید ہوا تھا کہ کچھ کی لڑائی میں ہر وقت سنگ کی ہمارت سے براغواہی اڑی تھیں ان کو کس کی جلد بازی سے ہر وقت سنگ کی مرضوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اجمیر کو چل پڑا تھا۔ م۔ م۔

مہارنگ نے جاؤ گے اور اپنے مورے کی حکمت میں جو آپ کے طاقت سے حاصل ہے جو فوائد ہیں وہ آپ بخشنی بھی سکتے ہیں۔ اور وہاں آپ بغیر کسی عسر و محنت کے خوف و خطر کے نہایت آرام سے رہیں گے اور ان وعدوں کا کامل طور سے پورا کرانا میرے ذمہ ہے۔

ظاہر کلام یہ کہ صورت شکستہ اس امر پر مائل ہو گیا کہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے اور اندر ہی اندر اپنی تمام فوج و لشکر کے اجماع میں دلاوا شکوہ کی فوج کے سامنے آن موہو ہوا۔ اب ایسا کن شخص ہر گاہ اس تاریخ کو پڑھے گا اور اس بات پر افسوس ذکر کرے گا کہ بد نصیب دارا شکوہ کو لوگوں نے کیسی کیسی آلتی معذریں بتائیں اور آخر کار وہ ناکامی صورت شکستہ کی جرحہ ہی کا حال اگرچہ دلاوا شکوہ پر مکمل کیا مگر اس کے ہر ناکامیوں کا اب کیا علاج تھا وہ ہے شک اپنی فوج کو اس حد تک بے ہوش کر دیا کہ اس کی شہادت اور پانی کے قتل کی وجہ سے جو اس موسم میں راجہ تاند میں ہو جاتا ہے اسے سخت و ثمر لڑنا تھا کہ پنجپتیوں و دھنک ان راہاؤں کے ملک میں سفر کرے وہ صورت شکستہ کے رفیق اور دوست ہوں اور اس پر طرہ یہ ہو کہ اورنگ زیب سامنے دشن ایسی بڑی اور تازہ دم فوج کے ساتھ نہایت سرگرمی سے اس کا پیچھا کرے۔ اس نے اس نے سپاہ بیادہ موت سے مرجانا ہی بہتر سمجھا اور اگرچہ جانا تھا کہ دارا کی لڑائی نہیں ہے مگر تاہم یہی شہنشاہ کی کہ لاؤ دشمن کو مار لیا یا آپ مر گئے مگر اب تک اس کو اپنی مصیبت کی انتہا معلوم نہ تھی کیونکہ وہی لوگوں پر خیانت اور دغا بازی کا کچھ بھی شک و شبہ نہ تھا سب کچھ وہی کرتے کہ موجود اور گھات میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بد ذات شاہجہاں جہاں میں پر دلاوا شکوہ کامل مہر دے گئے ہوئے تھا اس کی خط و کتابت اورنگ زیب سے برابر جاری تھی اور وہ اس کے سبب مضربوں سے اس کو مغلطی کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بے ایمانی کی سزا اس نے جلد ہی پالی یعنی اس لڑائی میں تلواریں قتل کیا گیا۔ چنانچہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ خود دارا شکوہ کے اپنے سے قتل ہوا مگر حقیقت غالب یہ ہے دارا شکوہ کے ان مخفی طرفداروں نے ہ اورنگ زیب کے لشکر میں تھے اس خوف سے اسے مار دیا کہ اگر یہ زندہ رہا تو ہم سب کا لے مار لیکر تار میں گھاہ ہے کہ جسے گھر سے اورنگ زیب کی خواہش کے موافق اپنے خط کے ساتھ اسی مضمون کا پودنا ہی نراناں میں اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ صورت شکستہ کے پاس بھیجا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ وہ جو چہرے سے سوار ہوا تھا مگر راستہ سے اٹھا ہوا گیا۔ سامع

شاہجہاں کے امام اسھی اور عیلاہ نگے یہ

بیمہ کول دے گا۔ اور اُن سب مرضوں کا حال اُس سے کہہ دے گا جو ہم داراشکوہ کی خدمت میں بھیجے رہے ہیں۔ لیکن اس دغا بازی کی مرمت سے اب کیا فائدہ تھا کیونکہ داراشکوہ کو لام تو یہ تھا کہ جس روز سے اُس نے احمد آباد کو لیا تھا اُسی روز سے اس کے بارے میں اس نے غیر خواہشوں کی دانفمنداد صلاح مٹا اور وہ جس بے اعتباری اور بے عزتی کے لائق تھا اُس سے اُسی طرح پیش آتا ان مرض قریب پہر دن چڑھے لڑائی شروع ہوتی اور داراشکوہ کے قریب فساد سے جو راز انہی اور مناسب جگہ پر قائم تھا اگرچہ خالی آواز میں تو بڑے زور شور کی سنائی دیں مگر کہتے ہیں کہ دغا بازی کا جال یہاں تک پسلا ہوا تھا کہ توپوں کی تحمیلوں میں گولے نہیں تھے وہ صرف بادو سے بھری ہوئی تھیں۔ اس لڑائی کی۔ بشرطیکہ اس کو لڑائی کہا جائے تفصیل کھنی بے فائدہ ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ پہلے گولے کے پٹنے ہی بے سنگہ ایک ایسے مقام پر آکر اُترا جہاں سے داراشکوہ اُس کو دیکھ سکے اور اپنے ایک سردار کو یہ پیغام دے کر داراشکوہ کے پاس بھیجا کہ - اگر گرفتاری سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً میدان جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ :-

اس پیغام سے اس بیمار سے شہزادہ پر ایسا ناگہانی خوف طاری ہوا اور ایسی ہمت چھانگی کہ فوراً اُس کی صلاحات مان لی اور ایسا سرسبز ہو کر سبھا گیا کہ لڑی غمگاہ اور بار بار عداوت کے شعلے بھی کرتی حکم نہیں دیا اور فی الواقع اس وقت وہ ایسی ہی آفت میں مبتلا تھا کہ اُس سے اتنی ہی ہمت کو نیست جانا کہ اپنے اہل و عیال کو اس تہلکے سے نکال دے جائے۔ کیونکہ لڑا مشہد وہ اُس وقت سے سنگہ کے قریب میں آچکا تھا اور راجہ کے اس اغماض کا سبب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ یہ سمجھ کر کہ کسی فسادخیزانہ سے جو ملو کی کرنا کسی دشمنی دن سخت خطرہ کا باعث ہے شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ بہت ادب اور لحاظ سے پیش آتا تھا لیکن

اس لڑائی کا حال عالمگیر نامہ میں یوں لکھا ہے کہ قس امیر میں جو چاڑیاں ہیں چونکہ اُن کی سب گھانیاں سوک کر مچھ جندی اچھے طرز سے کی گئی تھیں اور داراشکوہ کا توپ فاد بھی مناسب جگہ قائم کیا گیا تھا اس لئے اور جنگ قریب کے امیروں کا معاملہ جس پڑنا تھا کہ حملہ کریں یہاں تک کہ تین دنوں ہی گزر گئے اور صرف توپ بندو سے دھڑلے کی لڑائی ہوئی اور غلاموں تک قریب سے بھید ہو کر ان کو قریب ہی دلائیں اور دلا دھکا لایا بھی اور انعام و اکرام کے وعدہ بھی کئے مگر بھیر ہی حالت چلتی رہی۔ اتفاق سے راجہ دلا دھکا دوپ جوں دالے کے کو ہتائی سما ہی کر کہ پہاڑی کے

پہلے ایک ایسی جگہ دیکھ آئے کہ وہاں سے چارہ سپاہی پڑ کر مخالف کے مورچے پر حملہ کر چکے تھے
 راجہ نے اورنگزیب کو اس حال کی اطلاع کر کے کہ اپنے سپاہی اس پہاڑی کو روانہ کئے اور
 خود بھی اپنی ذاتی امداد لے کر اُن کی مدد اور نگہبانی کے طور پر مخالف کے مورچوں کی طرف چلا
 گیا۔ چونکہ اتفاقاً اس وقت اورنگزیب کے قہر خانہ سے توپیں چلنی بند ہو گئیں تھیں اس باعث
 سے دواؤں پر جو کدلا لشکر کی فوج میں سے کوئی ایک ہزار سوار راجہ راجدپ پر حملہ کرنے کو
 اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے۔ اس چارہنگ زیب کے مسلمان امیروں میں سے اول دلیہاں
 اور پھر شیخ میر نے اپنی اپنی فوجیں ساتھ لے کر ایسے فوج سے چلے گئے کہ اُن کے مورچوں تک
 جا پہنچے۔ اس طرح ہر ایک ایسی لڑائی ہو پڑی جس میں شیخ میر جو تھی بہرہ رارا اپنی سپاہ کو
 لڑا تھا ہندو کی گولی سے مارا گیا۔ مگر اُس کا ایک ہم قوم سید جو پہلے بیٹھا ہوا تھا اُس نے
 ہر ضیاری سے اُس کی لاش کو اس طرح تھا سے رکھا جس سے دشمن کو تکہ خود اُس کی سپاہ کو لڑائی کے
 فائدہ تک اُس کے ہونے کا علم نہ ہوا اور دلیہاں تو جرات کر کے دواؤں کے مورچوں تک جا گیا
 اُس کے ایک سوار کو خاص اپنے تھوڑے چاک کدیا اور خود بھی زمینی ہوا ان حملوں میں اُس طرف
 سے شاہزادہاں کو کئی اور شاہی سوار بھی اسے گئے۔ اتنے میں رات سوپ کے کوہستانی پہلوں سے
 کر کہ پہاڑی پر اپنا فوجی جاگنا اور راجہ جے سنگھ بھی اپنی فوج کے گراں سب سرداروں کی مدد کا
 پہنچا۔ دواؤں کے سپاہ راجدپ اور دلیہاں کی جرات اور دلیہاں سے پہلے بھاگتے ہوئے چلے گئے اور خود
 دواؤں کے قریب حال تھا کہ اُس نے اسی کے لئے اپنی بیگمات کو اہل ہوا اُتھیں پر سوار کر کے
 اور دلیہاں ال داساب اور دوپیشا شرن اور نرمل اور غریبوں پر لدا کر آنا ساگر تالاب کے کنارے پہنچا
 جنگ سے کہ نہ صلہ پر خمیر دیا تھا۔ مگر رات ہو گئی تو ساری امیدیں تلوں کے اس قدر سیر
 ہو کر بھاگ کر اپنی بیگم کو ساتھ لیتا تو دکن مان کو اپنے بھائی کی نگرانی کے ساتھ۔ اور بھی کو اُس کا
 ایک مشر خواجہ سزا پہاں سے لدا کر دوسرے دن بھٹل اس سے مل سکا۔ اور ساتے فوجیوں میراتی کے
 اور کئی رفیق نے اُس کا ساتھ دیا یہاں تک کہ جو راجہ سے اُس کے مال و دولت کے حصے ہوئے اور نرمل
 اور غریبوں کے محافظ تھے اور بھی پر اُس کو نہ داری کا بہت بڑا سہوہ تھا وہی اُن کو ایک کر اپنے اپنے
 گھروں کو لے گئے۔ اس طرح لڑائی سے جسے دن اور دواؤں تک زیب کے فوجی کم تھے جس کو مانگے نام
 میں خصل کھا ہے اس کو اپنے نیر میں چھپے تھے۔ اور عادی القریبہ کو ایسی فوج حاصل ہو گئی کہ
 جس سے وہ اب بے شک باوجود ہو گیا۔ اگرچہ اور امیر بھی شمل شالستہ خان و جوش دہقان وغیرہ

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہدِ بدنگی میں

آفت رسیدہ اور ہر بادِ شکرہ دارا شکوہ جس کی جاں بھری حرف
اور اشکوہ پناہ کی تلاش میں احمد آباد و دہرہ پارہ قبضہ حاصل کرنے میں مختصر تھی ایسے دورِ دارا

ملک میں سے گزرتے پر مجبور تھا جو تقریباً سب کا سب مخالفِ دارا جاؤں کے قبضہ میں تھا اور
ایسی بے سوسامانی تھی کہ خیمہ تک پاس نہ تھا اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار آدمی ہمارے پیچھے گری
بہت سخت پڑتی تھی اور اس پر ہے ایک اور آفت تھی کہ کوئی لوگ رات دن بچھا نہ چھوڑتے
تھے اور اس کے سہا ہوں کو اس قدر لڑنا اور تھک کر مرنا کہ صرف چند قدم پیچھے رہ جانا بھی
مناہیتِ خطرناک تھا۔ یہ کوئی اس ملک کے کسان ہیں اور بیٹے ہی بیٹے اور ہندوستان
بھر میں ایک ہی جزا تھی۔ پس اگرچہ ان سب خشکوں اور آغزوں سے بچی کر دارا شکوہ
ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہاں سے احمد آباد صرف ایک منزل تھا اور اسے اب بے امید
تھی کہ اس کو احمد آباد میں جا داخل ہوں گا اور پھر ایک فوج بھرتی کروں گا۔ لیکن یہ نصیب
اور شکستِ خندہ لوگوں کی اُمید میں کبھی سر نہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ اُس شخص نے جس کو دارا شکوہ
احمد آباد میں قلعہ دار اور حاکم بنا کر چھوڑا تھا ہے بے وفائی اور باغی بن گیا کہ اورنگ زیب
کے دھمکانے یا اُمید دیکھنے کے باعث اپنے آقا سے پھر گیا اور یہ کچھ بھیجا کہ غمہ کے نزدیک
دعا ہے دو دانے ہندو لوگ مقابلہ کے لئے مسلح اور تیار ہیں۔

اور اشکوہ کی رفاقت میں ایک لڑاکا نفر اس وقت میں بھی تین دن سے دارا شکوہ کی ہمدردی

اتفاق تھا کہ میں اسے راستہ میں مل گیا اور کسی طعین کے ہمارے ذہن سے اُس نے
جز مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ احمد آباد کے حاکم کے کانڈ کے پہنچنے سے ایک دن پہلے کاڈ کہے
کہ دارا شکوہ نے مجھ سے فرمایا کہ سہا دتھیں کوئی لڑو لائیں اور اس لئے ہمارے ہمارے کو اس کاڈ اور
میں نے گیا جہاں غرہ شہر ہوا تھا اور اب اس کا یہ حال تھا کہ خیمہ تک اس کے پاس نہ تھا اور
اُس کی بجگہ اور اور حور تیں صرف ایک قنات کی آڑ میں تھیں جس کی رسیاں میری سواری
کی پہلی کے پیوں سے جس میں آرام کرتا تھا بانڈھی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اس امر سے واقف
ہیں کہ ہندوستانی اُمرا اپنی مستورات کے پردے کے معاملہ میں کس قدر محتاط کرتے ہیں۔ وہ

بقیہ طالعِ غرہ گذشتہ ما اپنی زہنی نویسی ساتھ لے کر پڑے کر گئے تھے کہ ان کی ہمدردی میں اس شخص کو صرف واجبِ راجہ
شیخ میزبان و قاتل اور راجہ سے سنگری کی کارگذاری سے منسوب کیا گیا ہے۔ م۔ م۔

میرے اس بیان پر اعتبار نہ کریں گے۔ مگر میں نے یہ بات اُس دردناک حالت کے ثبوت میں لکھا ہے جس میں یہ شہزادہ اس وقت مبتلا تھا۔

اسی شب کو بچہ پھنسنے کے قریب احمد آباد کے حاکم کا جب مذکورہ بالا پیغام آیا تو مستورات کی گریہ و زاری نے ہم سب کو رٹا دیا۔ اس وقت ایک عیب پریشانی اور ایسی چھار ہی تھی اور ہر کوئی طرف سے خاموش ایک دوسرے کا ٹکٹا تھا اور کوئی دم نہ دیتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ دم بھر میں کیا ہو جائے گا۔ دارا شکوہ زنا میں سے باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ مردہ کی سی حالت تھی اور کبھی اس سے اور کبھی اُس سے کچھ کہتا۔ اور ایک اونٹنی سپاہی کے پاس بھی کھڑا ہو کر پچھتا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ سے خوف کے آثار نمایاں ہیں تو یقین ہو گیا کہ فائدا میں سے ایک بھی میرا ساتھ نہ دے گا اور نہایت حیران تھا کہ اب کیا ہو اور مجھے کہہ کر جانا چاہیے۔ اور توقف کی حالت میں تو سرسری بادی ہی بربادی نظر آتی تھی۔

اس تین دن کے عرصہ میں جب کہ میں اس شاہزادہ کے ہمراہ تحارات دن بلا توقف ہم کو کو پتہ کرنا پڑا اور گری اس شدت کی تھی اور اس قدر غم و غبار اڑتا تھا کہ دم گھٹنا جاتا تھا اور میری پہلی کے تین عہدہ اور قد آور گجراتی بیلوں میں سے ایک مر چکا تھا اور ایک قریب مرگ تھا اور ایک اس قدر جھک گیا تھا کہ پلٹنے سے مجبور تھا اور اگرچہ دارا شکوہ بہت چاہتا تھا کہ میں اُس کے ہمراہ رہوں مگر شاہ اس وجہ سے کہ اُس کی ایک بلیک کی ٹانگ میں ایک بہت بڑی طرح کا زخم تھا لیکن وہ ایسی لا چاری کی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ دھمکاتے اور منت سماجت کرتے پر بھی کسی نے اُس کو مہر و ساری کے لئے کوئی گھوڑا یا بیل یا اونٹ نہ دیا۔ اور جب کوئی ساری بسر نہ آئی تو پنا چاری میں چھو رہ گیا۔ اور چارپائی سو سواروں کے ساتھ آسے جاتے دیکھ کر گھٹنے گھٹنے اب صرف اسی قدر گھٹنے تھے ہیں بے اختیار دو ہڈیاں گلاب تک بھی دو ہڈیاں کے ساتھ تھے اور لوگ کہتے تھے کہ اُن پر روپے اور اشرفیاں لدی ہوئی ہیں اور اس وقت میں سمجھتا تھا کہ وہ شمشک کی طرف جائے گا اور حالات موجودہ کے لحاظ سے یہ بخیر شاید بڑی بھی نہ تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اوپر بھی مصیبت تھی اور دوسری

اور جے ہرگز یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اُس ریگستان سے بڑھتا ہوا باد اور ٹھنڈے کے پہنچ میں ہے سلامت گذر جائے گا۔ چنانچہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ اُس کے ہوا میں سے اگرچہ عورتیں بھی بہت سی سرگیش مگر مردوں پر تو یہ مصیبت گزری کہ بھوک پیاس۔ اور بے رحم کوہلوں کے ساتھ سے کوئی زندہ بچا ہو تو بچا ہو۔ کاش اس پُر آفت سفر میں اگر دانا شکوہ خود بھی مرجاتا تو میں اُس کو بڑا ہی خوش نصیب کہتا۔ لیکن وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتا مرنے کا رُکھ کے ملا تہ میں جا پہنچا اور کچھ کاما جہ اُس سے بڑی نہاں نوازی سے پیش آیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کریں تو میری تمام فوج آپ کی مدد کو حاضر ہے۔ لیکن میں طرح سے سکہ کا شتر جو سب سے پہلے نکلا پراثر کر گیا تھا وہاں ہی اس پر بھی چل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُس کے تہوہ بے ہوئے نظر آنے لگے اور دانا شکوہ کو بعض مستول وجہ سے جب یہ اندیشہ ہوا کہ یہ وحشی میری جان ہی لینے کی فکر میں ہے تو فوراً ٹھنڈے کی طرف چل گیا۔

جان بچی لاکھوں پائے | اب اگر میں اپنا کل اجماع میرے اور اُن جذبات کوہلوں کے باہم گذرا اور جس ٹونگ سے میں نے اُن کو اپنی نہبت مہربان بنایا اور تھوڑا سا دیر پہلے میرے پاس تھا بھایا بیان کروں تو قافا اس کتاب کے پڑھنے والے دق ہو جائیں گے پس مختصر یہ ہے کہ میں نے اپنی طبابت کی بڑی تعریفیں کیں اور میرے دو دوا کروں سے بھی جو اُسی خوف میں مبتلا تھے جس میں میں تھا اُن کو یہی بتایا کہ ہمارے آقا کی برابر کوئی حکیم دنیا میں نہیں ہے اور دانا شکوہ کے سپاہیوں نے اس کو ایسا ستایا ہے کہ جو کچھ قیمتی مال و اسباب اس کے پاس تھا وہ سب چھینے گئے ہیں۔ قصہ مختصر ہماری بڑی ہی خوش نصیبی تھی کہ ہمارے اس کہنے سننے سے اُن کے دل کسی قدر بھیج گئے اور ہم کو سات آٹھ روز تک روکے رکھنے کے بعد آخر کار ایک بیل ہماری گاڑی میں جوت کر ہم کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سے امرا باد کے مروج نظر آتے تھے اور اس شہر میں میری ایک امیر سے ملاقات ہو گئی جو دہلی کو جاتا تھا اور میں اُس کی پناہ میں یہاں تک چلا آیا۔ اور راستہ میں آدھوں ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور بیلوں کی لاشیں ہم کو ملنا بھی پڑی ہوئی نظر آئیں جو دانا شکوہ کی تباہ شدہ فوج کی مصیبتوں کا قصہ گویا زبان

حال سے سنار ہی تھیں۔

سلیمان شکوہ کی طرف سے اندیشے | جس زمانہ میں داراشکوہ شخصہ کے پڑوسیہت سفر میں مصروف تھا جنگال میں لڑائی پرستہ جاری تھی اور سلطان شجاع اپنے دشمنوں کی اُمید سے بہت شرمدر کہت اور کوشش دکھا رہا تھا۔ لیکن اورنگ زیب کو دوسرے معاملات کا چنداں اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ میر جملہ کی دانشمندی اور خوش تدبیری اُس کو بخوبی معلوم تھی اور جنگال اور آگرہ کے بعد مسافت کی وجہ سے بھی یہ معاملہ سبب سے زیادہ اہم نہ تھا البتہ جس بات کا اسے نہایت کشتا تھا وہ یہ تھی کہ سلیمان شکوہ نزدیک تھا اور یہ چرچا پھیلا ہوا تھا کہ سری نگر سے جہاں سے آگرہ آٹھ روز سے بھی کم کا راستہ ہے وہ اور راجہ فرخ سمیت اُترنے والے ہیں اور اورنگ زیب ایسا غافل نہ تھا کہ ایسے دشمن کو حقیر سمجھتا۔ اُس کو اب زیادہ تر اسی بات کی فکر تھی کہ کسی طرح سے سلیمان شکوہ کو اپنے قابو میں لائے۔ پس سب سے بہتر تدبیر اس نے یہ خیال کی کہ راجہ جے سنگھ جی کی معرفت اس راجہ سے بھی کچھ ہندو بہت کیا جائے۔ چنانچہ جے سنگھ نے اُس کو اس مضمون کے خط پر غلط کھے کہ اگر آپ سلیمان شکوہ کو پکڑ کر بھیج دیں تو بڑے بڑے انعام ملیں گے ورنہ آپ کے حق میں بہت ہی بُرا ہوگا۔ مگر اُس نے ان کا یہی جواب دیا کہ خواہ میرا تمام ملک چھین جائے مگر میں کبھی ایسی بے وفائی اور نامردی کی حرکت کا مرتکب نہ ہوں گا۔ پس جب اورنگ زیب نے دیکھ لیا کہ خواہ دمکایا جائے یا لالچ دیا جائے یہ کسی طرح بھی اپنے اس عزم سے پھرنے والا نہیں تو اپنی فرج کو دامن کر کے کی طرف روانہ کیا اور بے شمار پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ ہموار اور فراخ کرنے کے لئے لوگوں کو مامور کیا۔ لیکن راجہ مخالفوں کی ان بیہودہ کوششوں کو جو اُس کے ملک میں داخل ہونے کے لئے کی جا رہی تھیں جھٹ اور بچوں کا کھیل سمجھ کر ہنستا تھا اور فی الواقع اُس کا ہنسا بجا تھا۔ کیونکہ اگر اورنگ زیب جیسے چار بادشاہ بھی جمع ہو کر اُس کو ہستان پر چڑھائی کرتے تو ان دشوار گزار پہاڑوں میں رسائی ناممکن تھی۔ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ لا حاصل غصہ دکھانے کے بعد فرج واپس ہلائی گئی۔

اس عرصہ میں داراشکوہ شخصہ کے نزدیک جا پہنچا تھا اور صرف وہی تین منزلیں باقی رہ گئی تھیں اور پھر کو اُن فرانسسیسیوں اور کئی اور اہل فرنگ کی زبانوں سے اس قلعہ

کی فوج میں نئے معلوم ہوا کہ یہاں پہنچ کر دارا شکوہ کو یہ خبر ملی کہ میرا باپ نے جو مدت سے قلعہ کو گھیرے ہوئے تھا محصوروں کو یہاں تک تنگ کر دیا ہے کہ آدمہ سیر گشت یا چاول ڈھائی روپیہ سے زیادہ میں فروخت ہوتے ہیں اور باقی اجناس کی بھی سخت گرانے ہے۔ لیکن بہادر قلعہ دارا اب تک بہت باہر سے مقابلہ پر مجبور ہے۔ بلکہ اکثر اوقات قلعہ سے باہر نکل کر دشمنوں پر اچھے خانے حملے کر جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے دانائی شہادت شکہ طائی اور ہٹ کے ساتھ میرا باپ کے سخت حملوں کو رد کرتا ہے اور اورنگ زیب کی دھمکیوں اور وعدوں کو خسی میں ادا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے اس قابل تعریف کام کی ان بہت سے اہل فرنگ نے بھی جو اس کی فوج میں نئے تصدیق کی۔ اور مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب اس کو دارا شکوہ کے قریب پہنچ جائے کی خبر ملی تو زیادہ دادرش کرتے نکلا اور اس طرح پر سپاہیوں کا دل ایسا ہاتریں کر لیا کہ تمام اہل قلعہ محاصرین کو ہٹا کر دارا شکوہ کے قلعہ میں لے آئے کے واسطے بخوشی اپنی جانیں لڑا دیں کہ تیار تھے۔

اس کے علاوہ اس نوی ہوش سردار نے کئی طرح کی عمدہ تدبیروں سے بہت ہوشیار جا سوں کو میرا باپ کے لشکر میں بھیجی کہ محاصرین کو یہ یقین دلادیا کہ دارا شکوہ ایک جہاد فوج ساتھ لے ہوئے محاصرہ اٹھا دینے کے ارادہ سے جلد پیچھے والا ہے اور اس میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ہم دارا شکوہ اور اس کی فوج کو پچھم خود دیکھ کر کہے ہیں۔ چنانچہ یہ چال ایسی کارگر ہوئی کہ دشمنوں کے چپکے چھوٹ گئے اور کچھ شک نہیں کہ اگر دارا شکوہ اس وقت آپہنچا تو میرا باپ کا لشکر ضرور ترقی ہو جاتا۔ بلکہ ان میں سے بعض لوگ اس سے آن لے۔ لیکن اس کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا کہ کسی ہم میں بھی سرسبز نہ ہو پس یہ سمجھ کر ان چند آدمیوں کے ساتھ محاصرہ کا اٹھا دینا ناممکن ہے۔ پہلے تو اس کا یہ ارادہ ہوا کہ وہ اپنے سندھ سے آ کر لڑائی کو چلا جائے۔ اگرچہ اس تجویز کا عمل میں آنا بھی بہت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ پنجابوں اور بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ملک میں سے جانا پڑتا ہو دایران ہی کے صلیب ہیں اور ہندوستان ہی کے اور پنج میں ایسا یا ان مائل تھا کہ میں میں پانی بھرنا بھی مشکل تھا۔ لیکن ابن امروہے قلعہ نظر اس کی حکیم نے ایک ضیف اور دہیات سی بات لکھوائی کہ یہ ارادہ ترک

کر دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ اگر آپ ایران کا قصد کریں گے تو خوب مجھ سے ملنے کو مجھ کو اور میری بیٹی دونوں کو شاہ ایران کی لونڈیاں بننا پڑے گا: اور یہ ایک ایسی بے عزتی ہے کہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی گوارا نہ ہوگی۔ اور اس بات کو حکیم اور داراشکوہ دونوں پہل گئے کہ چاروں جب ایسی ہی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر ایران گیا تھا اور اس کی حکیم بھی ساتھ تھی تو کوئی نازیبا سلوک اس سے نہ ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی تعظیم و تکریم اور احترامات ہوتی تھی۔ انصاف و لاشکوہ کو اس شش و پنج اور تذبذب کی حالت میں یہ خیال آیا کہ جیون خاں پٹھان کے پاس جانا بہتر ہے جو کسی قدر ذی شہرت اور با وقعت سردار ہے۔ اور اس کا ملا توجہ نہ تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے شاہجہاں نے دو مرتبہ اس کو باغی کے پاؤں سے کھلاڑا جانے کا حکم دیا تھا۔ اور دونوں ہی دفعہ صرف داراشکوہ کی سفارش سے جان بچی تھی اور اس کے پاس جانے سے مقصد یہ تھا کہ کچھ فوج کی مدد لے کر میرا باؤ کو قلعہ شمشہ سے ہٹائے اور وہ خزانہ جو وہاں کے قلعہ دار کی تحویل میں تھا اس کو لے کر قلعہ حار جلا جائے اور وہاں سے یہ آسانی کا بل پہنچ جائے اور اس کو یقین تھا کہ میرے وہاں پہنچ جاتے پر مہابت خاں صوبہ دار کا بل (جو ایک بڑا مقتدر امیر تھا اور کاہل دے اس سے بہت بالا اس تھے) بلا تا مل اور بڑی سرگرمی سے میری رفاقت اختیار کرے گا۔ اور چونکہ کاہل کی صوبہ داری اس کو اسی کی دسالت سے ملی تھی۔ اس لئے یہ توقع کچھ بے وجہ بھی نہ تھی کہ وہ خلوص اور صداقت سے پیش آئے گا۔ لیکن داراشکوہ کی مستورات اس کے عزم سے بہت ہی مضطرب اور فکر مند ہوئیں اور انھوں نے ہر ذرا صحت و داری اس کو بھایا کہ لکھنؤ کے ہاں جانا مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ حکیم اور اس کی بیٹی اور بچے سپہر شکوہ سے پاؤں پر گر کر اور دو رو کر اس ارادہ سے باز آنے کے لئے اتھاکی۔ اور کہا کہ یہ ٹھکان ایک شہر سرکش اور لٹیلا ہے اپنے شخص پر بھروسہ کرنا اپنی موت آپ خریدنا ہے اور یہ بھی بھایا کہ شمشہ کا سامرا اٹھانا کچھ ایسا مزوری نہیں ہے۔ اس مہم کی جو کموں میں پڑے بغیر بھی آپ کاہل کی راہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ یقین ہے کہ میرا شمشہ کا سامرا چھوڑ کر آپ کا دستہ روکنے نہ آئے گا۔ لیکن داراشکوہ کی اٹنی کچھ بیشہ سی دی راہ سے اس کو ہٹا دیجی تھی یہ مقبول بات باطل اس کی سمجھ نہ آئی اور ہلا کہ کاہل کا سفر نہایت خطرناک اور مشکل ہے یعنی الٹا چلنا تھا، اور کہا کہ میں شخص کی جان میں

تے اس طرح سے بچائی نہ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی خیانت کرے؟ پس بارہو
 اُن کی اس قدر اہم اور منت وزاری کے اُس کے ہاں چلا ہی گیا! اور یہ بات بہت
 جلد ثابت ہو گئی کہ بد ذات آدمی اپنی غرض کے لئے کسی جہ نامی کی مطلق پروا نہ کر کے
 اپنے مصلحتوں اور خیر خواہیوں کی جان لینے کے لئے کس طرح بلاورینہ تیار ہو جاتے ہیں۔
 چنانچہ یہ چٹمان جب تک یہ بھتا رہا کہ دادا شکوہ کے ساتھ ایک بڑا لشکر لے کر گواہس
 وقت تک تو بظاہر تنظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور شاہزادہ کے ہمراہی سپاہیوں کو
 لوگوں کے مکانوں میں آخر ماویا۔ اور بہت تاکید کی کہ جو کچھ ان کو کارہر حاضر کریں
 اور ہر اور اذہ اور دستا نہ سلوک سے پیش آئیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دین سو
 آدمی سے زیادہ ساتھ نہیں ہیں تو فوراً آنکھیں چل لیں۔ اور یہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ
 یہ حرکت اورنگ زیب کی ترغیب سے کی یا خود ہی اس منت خیانت کا مرتکب ہوا۔ مگر
 ظن غالب یہ ہے کہ اشرافیوں سے لڑی ہوئی چند فوجیں بھر قزاقوں کی روزمرہ کی لوٹ
 مار سے اب تک بھی ہوئی تھیں اُن کو دیکھ کر اُسے لاکھ آگیا۔ بہر حال اُس نے یہ بد ذاتی
 کی کہ رات کے وقت بہت سے ہتھیار بند آدمی جمع کر کے اول سب روپیہ پیر مشورت
 کے نیکو اور عوامرات سمیت چھپیں کر قابو کر لیا۔ اور پھر دادا شکوہ اور سپہر شکوہ پر حملہ
 کیا۔ اور جن لوگوں نے اُن کو بچانا چاہا اُنہیں قتل کر ڈالا۔ اور دادا شکوہ کو باندھ کر ہاتھی
 پر چڑھا دیا اور ایک جلا داد اس غرض سے پیچھے بٹھا دیا کہ اگر وہ یا اس کا کوئی طرف دار
 قدامت بھی ہاتھ پاؤں جلائے۔ تو فوراً شاہزادہ کا سر ڈال دے۔ اور ایسی بے عزتی کے ساتھ
 میر بابا کے لشکر میں جو شخصہ کو گھیرے ہوئے تھا لا کر اُس کے سپرد کر دیا۔ میر بابا نے حکم
 دیا کہ اُس کو لاہور کے راستہ دہلی لے جایا جائے۔

بد نصیب دادا شکوہ دہلی میں | الغرض جب بد نصیب دادا شکوہ دہلی کے قریب پہنچا تو

شاہ دادا شکوہ کو جب لاہور میں تک جہون کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو اس کا بڑا سبب ایک
 یہ بھی تھا کہ جب دادا شکوہ اس مقام پر پہنچا تو تک جہون کی اکثر عرضیاں اس کے پاس ہانپا
 ہمدانری و شہق جان کش کی یاد دہانی کے سلسلے میں آئی تھیں۔ س م ۷

تھا اس سے پہلے ماشہ میں کھسا جا چکا ہے کہ شہجی میرا باجی کو معنف جا بجا میرا اکھٹا ہے ورنہ
 کے مقابلہ میں بمقام امیر اس سے پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ س م ۷

اور نگ نذیب نے اپنے اہل و بار سے اس امر میں مشورہ کیا کہ تلخ گویا میں کیجئے سے پہلے اُسے تشہیر کرنا چاہئے یا نہیں؟ میں بعض کی تدارنے یہ تھی کہ ایسی حرکت مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو ایسا سرخاندانِ شاہی کی عزت کے برخلاف ہے۔ دوسرے اس میں شہودش اور نسا دے ہو جانے کا احتمال ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ لوگ اُسے چھڑائیں۔ لیکن اکثر شکی یہ رائے ہوتی کہ نہیں ضرور تشہیر کرنا چاہئے تاکہ لوگوں کو خوف اور مہرت ہو اور اُن کے دل پر بادشاہ کی شوکت اور وہ بے کاقتل ثابت ہو جائے۔ اور بعض اُمرا اور اولاد لوگوں کو بھڑاس کے گرفتار ہو جانے کے باب میں اب تک مشبہ ہے وہ رفع ہو جاتے اور اُن کے منہی جانب واسطی کی امیدیں بھی ٹوٹ جاتیں۔ چنانچہ اورنگ نذیب نے بھی اسی رائے کو مناسب جانا اور تشہیر کا حکم دیا پس یہ چہ نصیب تیدی اور اُس کا بیٹا سپہر شکوہ و دلہا ایک ہی ہاتھی پر برابر بٹھائے گئے اور جلاوکی حکم بہا اور خاں کو بھیجے بٹھایا گیا اور تشہیر کر گیا۔

لے عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ اشکوہ نے گجرات کو جاتے ہوئے ابھی کوئی مہتری کی تھیں کہ آٹھ دن کے عرصہ میں اسماعیل بادشاہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ مگر چونکہ اُس کی شکست کی خبر سن لینے کی وجہ سے سردار خاں نامی ایک منصب دار نے اُس کے مقصد کے ہونے حاکم سپاہِ مہتری کو گرفتار کر لیا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو بیٹھا تو اُس کو جانا چاہی کہ تہہ ہی نامی کوئی سے جو بقول صاحب میرالتماس خیرین رنڈوں کا سرخند اور اسماعیل بادشاہ کے نزدیک ہی کاربے والا تھا تھی جو ناپوش۔ اور اُس نے چار دھیت کی کہ ساتھ ہو کر کچے کے دھکے لگ میں پہنچا دیا۔ گروہاں کے واسطے جو پہلے اس قدر اہت سے چلی آیا تھا کہ اپنی لڑکی بھی سپہر شکوہ سے منسوب کر دی تھی ایسی لڑکیاں دیکھائی کہ ملاقات تک کو نہ کیا اور نیرودخان بیوا کی بھی کسک کہ اورنگ نذیب کے پاس چل دیا تو وہ صرف دودھ و دہان خیر کر بھسک کی طرف چلا گیا اور دہانے کے بعد وہ سے آخر کر ایک مرحویہ تھیں کے ملاقات میں جس کو عالمگیر نامہ کے مؤلف ملہرہ کلکتہ میں ملی اختلاف نسخہ واریت چاند خاں یا چاندیوں لکھا ہے چاہیچا ہاں کے لوگوں نے اس کو خوب لڑا کھڑا اور پکڑ لینے کے وجہ سے ہوئے لیکن ابھی اس کے پاس کچھ جمعیت باقی تھی اس نے لڑتا ہوا ایک اور مرحویہ نیرودخان کے ملاقات میں جس کو ولایت لکھیاں کے نام سے لکھا ہے جہاں سے تنگ دس بارہ منزل تھا داخل ہوا۔ اور نیرودخان نے کسی۔ دہان کاربھیں استقبال کر کے اپنے ہاں لے گیا۔ اور بہت خاطر ماری کی۔ بعد ساتھ ہو کر تھہر چکا پہنچا دینے کا دوسرا ہوا۔ گروہاں شکوہ نے چہ تھیں سے ملک چینی تھیں داور کو رہ چکے۔ بادشاہ کی چھاؤنی سے یہ مقام سبھی کے نزدیک دروہان کے راستہ پر

مگر یہ وہ سراندرپہ لاپیچہ کا ہاتھی نہ تھا جس پر بادشاہ کو ایک نہایت عمدہ اور رقی صوق ماری میں سواری کیا کرتا تھا اور اس پر ندین جھول اور سونے کا ساز بجا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ ایک نہایت ہی شریل اور میلہ کھلا جادو تھا اور خود اس کے گلے میں بھی اب نہ وہ بڑے بڑے موتوں کی لٹا ہی تھی جو ہندوستان کے بادشاہ اور شاہزادے پہنا کرتے ہیں اور وہ مختلف اور عمدہ پگڑی اور تہائے تربت ہی۔ بلکہ آپ ٹیبا دوتوں میں اور موٹے کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ اور ایک کشمیری ادنیٰ کپڑے کا بہت خیر سا عمامہ ہر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے پہننے میں آتا ہے سر پر تھا۔ نرنگہ اس حال سے تمام شہر اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ اور بار بار مجھ کو یہیم ہوتا تھا کہ غائب اب یہاں کچھ کشت و خون ہو جاتے گا۔ اور سخت متعجب تھا کہ ایسے شاہزادے کے لئے جس کو تمام الناس نہایت عزیز جانتے ہیں ایسی بے عزتی تجویز کرنے کی تجرات اہلی و بار کو کریں کر ہوئی۔ اور حفاظت کے لئے کچھ مسلح فوج ساتھ نہ دیکھ کر اور بھی تعجب ہوتا تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ اورنگ زیب کی ناشائستہ اور خلاف انصاف حرکتوں سے سب لوگ کچھ عرصہ سے بالکل ناراض تھے۔ یعنی اول آپ اور بیٹے (محمد سلطان) اور پھر بھائی (میراج بخش) کو قید کر لینے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نہایت نفرت اور بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔

یہ نامستول تھا کہ دیکھنے کے لئے ایک بیڑہ جمع ہو گئی تھی اور لوگ جا بجا رو رہے تھے

بقیہ حاشیہ منور گوشت۔ واقع ہے، جان بخشی کے احوال کا مسنون اور غیر خواہ سمجھ کر گھر بھیجا تھا کہ میں چند روز قریب ان شہر کو آرام لوں گا اس لئے اس نے الوب نای اپنے ایک ستر کو اس کے لینے کو سر پر پہنچ دیا۔ اور ایک کوس تک غورا استقبال کر کے اپنے ہاں لے گیا۔ چنانچہ یہ اپنی بیگم کی فعل ساتھ لے ہوئے جہل کی بیاری سے گر گئی تھی۔ اس کے گھر بھیجا اور یہ نکلا اس نے وصیت کی تھی کہ کچھ مہیاں بہ خشکی کے مزار واقع لاہور میں کھودا اٹھکھ اپنا پریم تھا خواتین کو دے۔ ملک جہون کی مفاداری کے ہر دس پر لپٹے ہار اور نثار و جواں سردار ملک عمار و ستوئی می خواہے مراد ان ستر مان نثار واری کو تمام فوج اب صرف وہی باقی رہ گئے تھے سلیم کی فعل کے ساتھ لاہور کو بھیج دیا۔ اور آپ صرف چند خدمت گاروں اور غریبوں کو پاس رکھ کر قندھار جا چکے اور وہ سے وہاں نہیں گیا۔ مگر ملک جہون نے یہ باقی چھوڑ کر ان کا اختیار یہ بیٹا لے لیا کہ قندھار کی راہیں گھیر کر گرفتار کر لیا اور آرتھان فوج دار کھرا اور بہادر خاں اور جے خٹک کو جاس کے تعاقب میں پھر کے تھوڑے پہنچ گئے تھے کہ بھیجا اور بہادر خاں نے ملک سندھ کی گری اور باصرہ کے بار جو ایفا کرتے تھے وہ بھیج کر اسے ان کی کرل لیا۔ یہاں پہنچے اور بے شک کے خلوس جواس دقت پہلے کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ سے ایک سہ ماہ

اور دارا شکوہ کی بد قسمتی پر ترس کھار ہے تھے چنانچہ میں بھی شہر کے سب سے بڑے
بزار میں ایک اپنے موٹر پر سوار اپنے دو رفیقوں اور دو خدمت گاروں کے ہمراہ گھوڑے
پر چڑھا کھڑا تھا۔ اور ہر طرف سے روئے اور چلائے کی آواز آ رہی تھی۔ اور عورتیں
اور مرد اور بچے اس طسرج چلا چلا کر دور سے گئے کہ گویا اُن پر کوئی بڑی ہی مصیبت
پڑی ہے۔ اور عیون خاں گھوڑے پر سوار بہ نصیب دارا شکوہ کے ہمراہ جاتا تھا اور
چاروں طرف سے اس پر گالیوں اور لعن طعن کی بوچھاڑیں پڑ رہی تھیں بلکہ کئی ایک
تغیروں اور غریب آدمیوں نے تو اس پاہی پٹھان پر چھر بھی پھینکے۔ لیکن پیارے اور عزیز
شاہزادے کے چمڑا لینے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

دارا شکوہ کا قتل اُسی کے ایک باغ میں جس کا نام حیدر آباد ہے قید کیا گیا۔
مگر اُس کی تشہیر کی ناشائستہ حرکت کا جو اثر عام خلافت کے دل پر ہوا اور لوگ جو خیال
پر جس قدر غضبناک ہوئے۔ اور اُس کو پتھر مار کر مار ڈالنا چاہا۔ اور شورش اور
بلوائے عام ہو جانے کا اندیشہ ہمارے اور ملک زریب نے جلد سن لیا۔ اور اس لئے پھر
ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اور اس امر میں مشورہ ہوا کہ پہلی بھینٹ کے موافق گوالیار بھیج
دینا چاہیے یا فوراً قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ پس بعض کی رائے تو تھی کہ قتل کی کوئی ایسی
ضرورت نہیں۔ اور گوالیار بھیج دینے میں بشرطیکہ مخالفت کے لئے کافی جمعیت ساتھ
ہو کوئی اندیشہ نہیں۔ چنانچہ دانشمند خاں نے باوجود اس نا اتفاقی کے جو دارا شکوہ کے ساتھ
چلی آتی تھی بڑے اصرار اور محنت سے دلائل کے ساتھ اُس کے گوالیار بھیج دینے ہی پر
زور دیا مگر آخر کار اتفاق رائے اسی پر ہوا کہ اس کو قتل کیا جائے اور سپہر شکوہ کو گوالیار
لے صحیح نام قضا آباد ہے۔ یہ حکم دہلی انداکرہ کی حد میاں قی شاہراہ پر واقع تھی۔ کتاب آثار العنابد
مستفہ سید احمد خاں بہادر سی۔ الہی۔ آئی اور آرمی لائی آف دہلی مستفہ مشر مارٹین صاحب
بہادر سے پُر اُس کے بعد کئی گئی ہے اصلیت اس کی یہ معلوم ہوئی ہے کہ غفر خاں سیہ بادشاہ
دہلی نے جو خاندان سلطنت تک بادشاہ راجا اُس ملک سے جہاں ہندوؤں کا جبر ہے۔ قریب دہلی
جنوب مشرق کی طرف جہان کے کنارے اس نام کا ایک شہر آباد کرنا چاہا تھا۔ مگر اس کا کوئی نفاذ ہی
ایک نوے نوے عہد کے عوام میں نہ ہو سکی تھی۔ اس نام سے شہر ہے باقی نہیں ہے۔ سام

بیچ دیا جائے۔ اس موقع پر روشن آواز بج گئے تھے بھی وہ دلی عداوت جو اس کو اپنے
 اس بے بس بھائی تھی۔ نہایت شدت سے ظاہر کی۔ چنانچہ دانشمندان کی رائے
 کو براہِ رو کر دیا اور اورنگ زیب کو اس بے رحمانہ اور خلاف انصاف قتل کے لئے
 ابھارتی رہی اور غلیل الشہاں اور شائستہ خاں جو دونوں مارا شکوہ کے قیدی تھے
 یہ بھی اسی کی رائے کی تائید کرتے تھے اور قریب خاں جس کا نام حکیم داؤد تھا اور کسی
 الزام کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر یہاں آ گیا تھا۔ اور جو ابتدا میں صرف ایک طبیب
 تھا اور امراء کے دستِ غزالوں پر غرضامدی ٹکڑے کھایا کرتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں
 سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا پوری طرح ان کا ہم داستان تھا۔ چنانچہ اس نے
 اس مجلس میں سب سے بڑے حرکت زبانی کی اور بڑے دعوے کے ساتھ یہ الفاظ
 منہ سے نکالے کہ

مارا شکوہ کو زندہ چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اور سلطنت کی سلامتی اور
 حفاظت اسی میں ہے کہ فوراً گردن مار دی جائے اور مجھے تو اس کے قتل
 کی صلاح دینے میں ذرا بھی تاثر نہیں کیونکہ وہ ملایہ بے دین اور کافر
 اور مرتد ہے۔ اور اگر آپ شخص کے قتل سے کچھ گناہ عائد ہو تو میری گردن پڑے
 چنانچہ انتقامِ الہی کا حلقہ کھینچ کر ہمیں اس کے منہ سے نکلا تھائی الوائج و سیاہی
 ہوا یعنی یہ خون ناحق اسی کے سرِ شہاں اور حلقہ بے عزت اور ذلیل ہو کر آخر کار بڑے عذاب
 سے مارا گیا ہے۔

الغرض اس ناخوشانہ اور نہایت بے رحمانہ قتل کے لئے نذیر نامی ایک غلام جو
 ملے کتاب محل صالح میں کھایا کہ حکیم داؤد ابی حکیم منابت الشہاں عباس صفوی بادشاہ ایران
 کا طبیب خاص اور اس کا مقرب تھا۔ مگر جب شاہ کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں خادفین وہ کر کہ منصف
 اور دینہ منورہ کو ہلا گیا اور پھر وہاں سے لاہری ہندو واقعہ ملک سندھ کی راہ سے شاہجہاں کے شرمی
 سال جلوس مطابق صفحہ بھری میں یہاں چلا آیا۔ فن طبابت میں کامل ہونے کی وجہ سے نذیر نامی
 حکیم قریب حاصل کیا کہ کچھ بیماری کا منصب اور قریب خاں کا خطاب پایا۔ مگر اس کے بے عزت اور ذلیل ہو کر
 قتل ہونے کا حال یہاں کہ منصف نے حق میں کھایا کہ بار صفت تلاش ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملے۔ اس م
 شہ ناری کتابوں میں نذیر نامی چلی کھا ہے۔ اور واضح ہو کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں کئی ہزار

شاہجہاں کا پروردہ اور کسی بدسلوکی کے باعث داراشکوہ سے رنجیدہ تھا مقرر ہوا
 چنانچہ زہر پیسنے کے اندیشے سے وہ اور سپہر شکوہ اپنے ہاتھ سے بیٹے وال بکا رہے
 تھے کہ یکایک یہ چار اور بد ذاتوں کو ساتھ لئے ہوئے پہنچا جنہیں دیکھکر داراشکوہ نے
 سپہر شکوہ کو پکار کر کہا کہ "لو بیٹا! چارے قاتل آپہنچے" اور یہ کہہ کر اُس سے باورچی خانے
 کی ایک چھوٹی سی چھری اٹھائی کیونکہ کوئی اور تمبیہ پاس نہ تھا۔ مگر ان جلاوطنوں میں
 سے ایک نے تو سپہر شکوہ کو تالو کر لیا اور باقی اس کو لپٹ گئے اور زمین پر گر کر تین سے
 پکڑے رکھا اور نذرے سے سر کاٹ لیا! اور فوراً اورنگ زیب کے پاس لے گیا! اور اُس
 نے ایک ٹشٹ میں رکھوا کر چہرہ کا خون دھلوا یا! اور جب دیکھ لیا کہ حقیقت میں اُسی
 کا سر ہے تو آنکھوں سے آنسو نکال کر ہلا "اے بد بخت" اور پھر کہا کہ اچھا اس درد انگیز
 صحت کو میرے سامنے سے جلد بے جا کر ہائیوں کے مقبروں میں دفن کر دو۔ اب داراشکوہ
 کے کنبہ کا حال سننے کو اس کی بیٹی تو اسی رات کو محل میں بیچ دی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد
 شاہجہاں اور بیگم صاحبہ کی انتہا سے اُن کے سپرد کر دی گئی۔ اور اُس کی بیگم نے
 پہلے ہی یہ سوچ کر کہ ہم پر کبھی آنیتیں پڑنے والی ہیں راستہ ہی میں ہتھام لاہور
 اپنی زندگی کا آخرتہ زہر سے کر لیا تھا! اور سپہر شکوہ سو اُسے گواہیہار کے قلعہ میں
 بھیج دیا گیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ غلام کو جن کو "ہندہ" پادشاہی "کہا جاتا تھا قاتلوں کے قتل کا لقب
 دیدیا تھا اور اُس کا قول تھا کہ خدا کے ہندوں کو اپنا ہندہ کہنا مناسب و شایاں نہیں ہے۔ اور غالباً غلام نے
 اس نے اختیار کر لیا ہوگا اس زمانہ میں ان بادشاہوں کو حمیرہ و تقریباً اکثر یہودی مشد کہ جانتا ہوں
 لے دلا شکوہ کی بیگم کا دار کے قریب پہنچ کر سل کی جاری ہے۔ مرنے پہلے کہا گیا ہے کہ زہر کھانکھڑا بھی نہیں
 اور اب داراشکوہ کی تشہیر اور قتل کا حال جس طرح مانگیر نامہ اور سیر التاخری میں لکھا ہے اُس کا اس
 جگہ حمیرہ کیا جا تا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مانگیر نامہ کا بیان اس واقعہ کے محتاجات اور اورنگ زیب
 کے دلی خیالات کی نسبت کسی قدر کمزور ہے اس لئے سیر التاخری کی عبارت جو واضح تر ہے اور جس کا اثر
 نافذ تاریخ غافل خان اور تاریخ مرآۃ العلم ہے، جو اورنگ زیب کے ایک بیٹے صفدر خواہ سر بختاورد خان کی
 تصنیف ہے یہاں بعینہ نقل کی جاتی زیادہ مناسب معلوم ہوئی ہے وہ یہ تھا۔ "ہند میں ایام بہادر خان کے
 داراشکوہ و سپہر شکوہ اور اختیار خان و ملک جیوں اگر تیرے قصیدہ بے مثل کہتے ہاں سب الامرا نامی آئے ہاں

نماہوں کے لایا ہو سکی اور عبادت گاہیں

جتنے عاشق منور گزشتہ دور کا خلا در سید تاج بیگ چلیے انفرط غوشی صبیح شد کہ چش رفتہ دارا شکوہ و صبر کی
 مانگی کی فراست دیدہ بنایا۔ خاندان و ہم نوا کی چلیے مذکور گزشتہ دولت دریں دوس حدیقت و حقیقت
 حال کن بیچارہ باز نمود، پیر سرس شد و سر شنبہ بنت و دم غمی ای کی کم فرمود کہ دارا شکوہ و مسلسل با پسر کی
 در عرضت سرکشند و بر او میل نشانید، بمانند و تیر بیگ چلیے در عقب میل تخلصت با خود و بیچارہ خان افغان
 بر او گزشتہ داخل خیمہ سازند و در میان خیمہ و بازار یہ دلی کہند، خضر اورد و ساقی و در جائے مغفرت و در عمارت
 خاص پیرد آں کہ کپڑے بود و غش قرار یافت لگا و اندود و جو چپ حکم بہ مل آد۔ و روز دوم کہ بختیار خان
 داخل مشہر شد بچیتہ از نوکراں شاہجہاں آں تیر کار را دیدہ ان خود در نقد و با ناساں خیمہ نیز از محل
 او لغزت نمودہ بشوریدہ و دے اختیار پیر مراد و افاقہ ہریش ریختہ نیز چپ و سنگ گرفتہ تا آنکہ چند
 کس از ان سیاہ و دیان انپائے در آغوش و برے جمہورت و دست و سر و گردن شکستہ گفتند و نزدیک
 بود کہ غنہ عطشی بلند خود کو قوال خیمہ را محبت خود رسیدہ آشوب را و غنہ امداد اختیار را با ہر میانش
 بہ قلندر ساعد پادشاہ حق پرست: مہدات کش: از طبلے ذہب غریب غزنی حلبیہ ملماے سر حکم
 نزد کہ غری پیشی حکم کہ در در محل نوشتہ خود کفر و اسلام را برادر قوام خواندہ و گفتہ است: کفر و اسلام
 در دین پرہیزان و وحدۃ الشریک کہ گویاں ہو کہسانیکہ غریب اور مختلف رخائے تخلیف خواہند و دست است
 پادشاہ دین پرور: حق شناس: استکلام اساس سلطنت خود و تمل آں بیچارہ سر اسراں و دہ حکم بقتل
 او و دست دار افش کہ ہر سر بختیار خان ریختہ بودند و او دارا شکوہ آفرود و چار شنبہ بست و یکم ذی الحجہ
 مطابق شروہم مطہر بود و سموت: مقتول گشت و لاش او را بعد تشریف و مقبرہ بجاویں دفن کردند و سپہر
 حکمہ را برودہ و قلندر گویا ہر محوس داشتند و بچیتہ انا حد یان پادشاہی کہ ہادی نقشہ و خورش بر تختیاہن
 شدہ بودند و در پیش گاہ و حکمت رسیدہ حسب الامر ملماے و چندرا از قید و نیائے ناپا نمودہ و آئی با تخلص
 او مانگیہ نامی بہ عبارت یاد گھی ہے: آفرود و چار شنبہ بست و یکم ذی الحجہ مطابق شروہم شہر
 بود کہ جہاں روز قضیے او با خان خیمہ بود و اوہ بود و نرانی ہر این جلال صادر شد کہ آن نیم انا سمیت۔
 و دارا شکوہ و او خضر اورد از قید و تہی برآرند و با تمام سیف خان و تہذیب جنگ چلیے و یکم ذی الحجہ چلیے
 مستعد و ایل شہب بچیتہ بقتل جبری چرانے زندگیا و خاموشی شدہ بہ نہاں غائے ہم خشتہ و ایشاۃ
 مسلما چیکہ نقشہ سر شہسب بہ خورش و شرف را بمقبرہ حضرت جنت آشنائی جاہوں پادشاہ نقل کردہ و در قناد
 کو زیر گنبد مرتد آفت حضرت است و شاہزادہ و انا و دشاہ مراد پسر این حضرت عرش آشنائی جلال الدین
 صبرا کہرا کہا دین اند و دین نمودند۔ و در نو دیگر دین جہاں مطاف بقناد پرست کہ سیف خان سپہ نگہ

جسکا اثر سفر گذشتہء داہلہ گواہی دے سانیہ بہار ساری آن حصی عالی اساس سپاہ و مستقر ملک فتنہ
 لکھنؤ آباد مسافرت نمودہ ہے موجودی آنجا از تفرغ مخلص غلام کہ جنگا لڑتین یافتہ بود تمام غایب است ہمہ نا
 ہے مگر کہ از بہار بغان در عقب ماندہ بود و ہر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہٹائی کے مرتعد سے حالت بیکار
 تھا، ہوا سے تہہ پیرا مانگت و ملک بھی کہ قبل از نقاب غباری دو صد سوار و نقاب پینا لڑائی
 کامیاب عظمت شدہ بود باغداد صد سوار و سرحت غفلت و خنجر ریت و اسب عربی ازین دساز مطلق
 زنجیر نیل با ساز جنا مار شہولی مرا ہم گناگون گردیدہ چون حکم طبل القضا زنجی گاہ وحدت ہے تحقیق منتظر
 قضیہ شعور انگیزی او با شہان شہر کہ نسبت با قضا ئاں اور دے خود سادہ شدہ بود بعد از تحقیق و تفحص ہے
 ثمرت چیرست کہ نسبت نام فتنہ ہر گنا از نیل احمدیانی پادشا ہی وارے ایں حرکت و حرکت سلسلہ
 سادہ بودہ است لہذا فتنہ شہر اور اگر فتنہ ہے چنی گناہ عدالت حاضر ساختہ و ازین جست کہ فتنائے ایں قسم
 جہا رتے شدہ باعث ہلاک جمعی از مسلمانان گشتہ بود سو وہ ظہار تہرہ و نقاب پادشا ہند گردیدہ حکم شد
 کہ اورا بیجا سار ساندہ

صاحب مالگیر ہمارے دادا شکوہ کی تشہیر کی وجہ تو اگرچہ صاف صاف کہہ دی ہے کہ تا بھی غلامی
 آن رمیہ کلت دے شائد شک و شبہ برای امین شادہ غایب دوسرے بدتر اثر غایب ازین گرد و فتنہ
 طلبان فتنہ ہر جا ہے سنان لاطائل و مہال تصورات باطل فتنہ و وعدہ و اطراف حکومت
 او با شہان مہمان و مہمان و مستادین خود ایں ہم زبند و ہو جب حکم جلالت اثر آن سپہ روز
 ہر گشتہ اختر ما بالہر ایں بر یک حوض نیل نشا تہیہ آشتا کا ہوا با زار داخل شہر گردند و از
 پائے تختہ مبارکہ گذرا نیہہ بنوسے کہ ہر کس دے نہ واحد سے مارد و ہو ہے مہمان و شک و
 شبہ نہانہ لشہر کہند ہر نہ

مگر اس کتاب میں اسی پر مثال کہ اس کی فتنہ کی تشہیر کا ذکر جس کو صاحب سیر المتاخرین
 نے بہت وضاحت سے اور پیکار کیا ہے تجرید نہیں کیا۔ اور تاریخ محل صالح میں لکھا ہے کہ
 - دادا شکوہ کو نیلا لباس پہنا کر دلی میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اسی لباس سے
 دفن کیا گیا۔

پھر اس ضابطہ کے چیدان میں مستندہ کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پینا میں ہیں
 کی مرضی قتل کیا گیا۔

ان دردناک واقعات کے بعد جیون خاں فوراً حضور میں حاضر ہو گیا۔
جیون خاں کا قتل اور اسے اغوا کر دے کر دہلی سے رخصت کیا گیا۔ لیکن شخص
 بھی اپنی ہمدردی کا نتیجہ پا کر بغیر نہ رہا۔ یعنی جب کہ وہ دہلی سے واپس ہو کر
 ایسی جگہ پہنچ گیا تھا کہ جہاں سے اُس کا علاقہ دس بارہ ہی کوس کے فاصلہ پر تھا
 تو چند آدمیوں نے جو پہلے سے ایک جنگل کے اندر گھات میں لگے ہوئے تھے اُسے
 مار ڈالا۔

انہوں نے اس جنگلی شخص سے یہ نہ سوچا کہ اگرچہ ظالم لوگ اپنی مطلب برادری کے
 لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی نسبت بھی بظاہر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا کرتے
 ہیں۔ لیکن دل میں اُس کے عمل میں لانے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور جب
 مطلب عمل آتا ہے تو ان کے اعمال کی مزا دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کیا کرتے۔

داراشکوہ کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے اُس سے اس بہادر اور وفادار خواجہ سرا
 کے نام عباس کی طرف سے خطبہ میں پڑھ کر اُس کا ایک حکم نامہ حاصل
 کر لیا گیا تھا کہ فوراً قلعہ حوالہ کر دے۔ لیکن اس نے کچھ جلدی نہ کی بلکہ اس بات پر اڑا
 کہ اگر قلعہ کے خانی کرنے سے پہلے حفظ عزت و فیروہ کی چند مشقوں ختم نہیں دی جائیں۔

جن کو میرا ہستہ و قابازی اور بے ایمانی سے بلا قصد ایذا بہت خوشی سے قبول کر لیا اور
 مشعر میں داخل ہو گیا مگر جب اپنے تھوڑے سے بہادر رفیقوں کے ساتھ یہ شک حلال
 شخص لاہور میں آیا تو غلیل اللہ خاں نے جو اس وقت یہاں کا صوبہ دار تھا نہایت بُری
 طرح سے سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس ظالمانہ فعل کا سبب یہ تھا کہ اگرچہ بظاہر یہی کہتا
 تھا کہ ہم یہاں سے دہلی کو جائیں گے ورنہ اگر اورنگ زیب اس کی شجاعت اور بہادری
 کی وجہ سے اُسے دیکھنا چاہتا تھا، لیکن اصلی ارادہ یہ تھا کہ ہزاروں سمیت سری نگر
 پہنچ کر سلیمان شکوہ سے جانے۔ اس کے رفیقوں میں بہت سے اہل فرنگ بھی تھے جن
 کو مدد اپنے اور رفقاء کے اُس لئے بہت سے اقسام و اگرام دیئے تھے۔

سلیمان شکوہ کی گرفتار **سلیمان شکوہ** کے خاندان میں اب صرف سلیمان شکوہ باقی رہ گیا
 تھا اور اگر راجہ کو اپنے دفاعی عہد اور ایمان داری کا خیال
 ہوتا تو اُس کا سری نگر سے بھاگنا آسان نہ تھا۔ لیکن بے سنگ کے منصوبوں اور امانتداری

کے دھندوں اور دھمکیوں اور دارا شکوہ کے قتل۔ اور ترب و جوار کے راجاؤں کی جنگی تیاریوں نے اس چھوٹے ملک کے راجہ کو آخر کار مورا دل چنانچہ جب سلیمان شکوہ یہ دیکھ کر کہ یہاں اب کچھ بھروسہ نہیں ہے بارہوہ اس کے کرباں سے ایک ایسے بے ٹوہ صاحب اور بے مروت ملک میں تھا جہاں سوائے دیران پہاڑوں کے کچھ نہ تھا تو تہمت کی طرف چلے جائے کے قصد سے نکل بھاگا لیکن راجہ کے بیٹے نے دیکھا کہ آں لیا اور زخمی کر کے گرفتار کر لیا۔ بعد میں اسے دہلی پہنچا دیا گیا۔ اور قلعہ سلیم گڑھ میں جہاں پہلے سے مراد بخش حید تھا قید کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے تصدیق کی غرض سے جس طرح دربار میں دارا شکوہ کا سر منگوایا تھا اسی طرح اور اسی غرض سے سلیمان شکوہ کے لئے حکم دیا کہ دربار کے وقت خلم اس کی موجودگی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ میں بھی اس بازو یا تاشے کے دیکھنے کو گیا تھا اور جس شوق اور تعجب سے میں نے اسے دیکھا اس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ یعنی دربار میں لائے سے پہلے بڑی تو کمال دی گئی تھی لیکن ہتھکڑی جس پر سنہری طبع کیا ہوا تھا بدستہ موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس مردِ تہذیب اور نہایت سپین و جلیل جوان کو دیکھ کر اکثر اہل دربار کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور وہ دیکھیں بھی جن کو دیوار کی چالوں میں سے دیکھ لینے کی اجازت دی گئی تھی

نے مانگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ سلیمان شکوہ کا قاتل میں آجانا بحسب ظاہر ایک امر منکر تھا۔ لیکن بادشاہ کی خوش اقبال سے یہ مشکل میں حل ہو گئی کہ سری نگر کا راجہ اپنے ملک کی تباہی کے اندیشے سے کیونکر ترب خاں۔ رہبر اعجاز خاں وغیرہ کو امیر اس کی فتنہ کے لئے مامور تھے راجہ نے سنگ کی معرفت سلیمان شکوہ کے سپرد کر دیئے کہ اس کے معافی کا خواست گارہ اس پر بادشاہ نے سلیمان شکوہ کے لئے کہ ہے سنگ کے بیٹے کو رام سنگ کو سری نگر روانہ کر دیا۔ چنانچہ اس سے رام سنگ کے پہنچنے کی خبر سن کر سلیمان شکوہ کو گرفتار کر لینے کے لئے جہاں وہ تھا تھا ایسے نو ہی بھیجے گئے۔ شاہزادہ مقابلے سے بچ گیا اور اس کا کمرہ بادشاہ و جس کا نام بعض نسخوں میں مرادشاہ اور بعض میں مرادشاہ کریم ہے اور کئی اور نسخے میں بہادر شاہ ہے لکھا ہے۔ اور وہ خود گرفتار ہو گیا۔ اور پانچویں جولائی ۱۶۵۷ء کو رام سنگ کے ساتھ رام سنگ اور ترب خاں اور مرادشاہ کے پاس پہاڑ سے نیچے بھیج دیا اس خبر کے آتے ہی دربار میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور راجہ نے سنگ کا بہت اعزاز و کرامت اور بہت دیکھ بارہ اور اس کو دہلی میں لے کر آئے تو شاہزادہ مرادشاہ کے پاس قلعہ سلیم گڑھ میں قید کیا گیا۔

تھی بہت ہی ممکن ہوتی۔ بلکہ اور تک زریب نے بھی سبب کی بدبختی پر مافوس کیا۔ اور غلاہر شہقت سے بولا کہ

”خدا پر نظر رکھو اور مطمئن رہو کہ جنگیہ ضرور پہنچے گا اور مہرانی کی جائے گی۔ اور حصارا باپ تو صرف اس وجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور فاضل ہے۔“
اس پر شاہزادہ نے تسلیات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق امانے شکر کی علامت کے طور پر تاج مقدس جھک کر اپنے دولاں ہاتھ سر تک لایا۔ اور اس کے بعد بڑے استقلال سے یہ عرض کیا کہ

”اگر حضور کا یہ نسا ہو کہ مجھے پوست پلائے جایا کریں تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کر دیا جاتاں؟“

میں کے جواب میں اور تک زریب نے بطور مستحکم مددہ کے پکار کر کہا کہ۔
”نہیں تم کو پوست ہرگز نہیں پلائے جائیں گے بالکل اطمینان رکھو۔“

میں پر اہل دربار کے کہنے سے اُس نے دوبارہ تسلیات کی۔ اور اس کے بعد جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں بدھولی گئیں جس پر اشرمیاں لدی ہوئی تھیں اور سری نگر جانے کے وقت اُس سے چمن گیا تھا تو اس کو دلچسپ نام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا۔

پوست پلائے بھکارا | ”پوست“ سے میں کا ذکر میں نے ابھی کیا یہ مراد ہے کہ خوشام
ایک جلاسا ہمالہ بھر کر ہر روز نہار منہ اُن خیرادوں کو پلا دیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ سے
گوالیار کے قلعہ میں قید کئے جاتے ہیں کہ اُن کا مٹانے سرکش اور شاہ خلاف مصلحت
جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مادہ متحکہ اُسے نہ پلائی میں اُن کو کھانا نہیں دیا جاتا چنانچہ
یہ بچتوں کا عرق این بھارے قسمت کے لیے منظر میں گرفتار رہتے بالکل بھڑو ڈالتا
اور عقل و توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخر کار گئے گھرے اور حاس باختہ ہو کر
زندگی سے اخصو بیٹھے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پلا دی سے سپر شکوہ
اور مراد بخش کے پوتے اور سلیمان شکوہ کو موت کا گڑھا گھونٹ پلا دیا گیا تھا۔

یہ کتاب مل صاحب میں بھی سلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون میں مذکور ہے کہ نایاب پائانی

مراد بخش کا قتل | مراد بخش اگرچہ قیدی تھا لیکن لوگوں کو اُس سے اب بھی بہت ہمت تھی۔ اور اُس کی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا

اکثر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے اس لئے اورنگ زیب کی مصلحت ملکی کا یہ امتضا ہوا کہ اس کی بھی علی الاعلان گردن ماری جائے تاکہ اُس کے کسی طرف دبا کے دل میں یہ اُمید باقی نہ رہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ اور چونکہ پلہ دست پلا کر مخفی طور پر جان بچانے سے یہ دعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کر کے اُس کی سزا کے طور پر علانیہ قتل کرا دیا جائے۔ اور یہ امر کچھ مشکل ہی نہ تھا کہ اس پر نصیب فحاشی اور وہ کی نسبت کوئی الزام پیدا کر لیا یا گھڑ لیا جائے۔ چنانچہ ایک سیدی کے لڑکے رجن کے باپ کو اُس کے مال و دولت کے لالچی میں مراد نے احمق آباد میں اس وقت سر داؤا لایا تھا جب کہ اس لڑائی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا، دربار میں اس وقت مرہو ہوئے جو پکار پکار کر اور گوانی دے دے کہ انصاف مانگتے اور یہ عرض کرتے تھے کہ تمہاں کے طور پر اُس کا سر لانا چاہئے۔ اور کسی امیر میں یہ جرأت کہاں تھی کہ ان فریادوں کو ہٹا سکے۔ کیونکہ ایک تودہ بے گناہ مقتول سید اولاد رسول تھا جن کی لوگ بہت تعظیم کرتے رہے۔ وہ سرے ہر کسی کو معلوم تھا کہ انصاف کے پردہ میں رقیب کی ہلاکت کے لئے یہ ایک بادشاہی منصوبہ ہے۔ پس مقتول سیدی کے بیٹوں کا دعویٰ سموع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی کارروائی اور ضابطہ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ تمہاں میں قاتل کا

جسے عاشقہ مہر کہتے ہیں، جس کی بیگم دارمہات امیریوں ہے کہ وہ شیر خوار مشہورہ درجہ کی ساقی سلطان سلطانی شکوہ خیر بھی ممانعت از مطہرہ و زنا و بخل لائے، عالم ہذا استقلال بخودہ و باطل بھی و گذشتہ متصل شاہیہ مراد بخش و فوق شہزادہ اثر مالگیری میں ذیل واقعات مشتبہ مطابق سنہ چندہ جلوس مالگیری سلطان مراد بخش کے پیشانی کی نسبت کہا ہے کہ گوانیہ سے لہوا کر اورنگ زیب نے اپنی بی بی مرادشاہیکہ کے ساتھ اُس کا عقد کیا اور جو سلطان اور پھر شکوہ کو کہہ دیا وہاں سے بلائے گئے تھے سلیم گڑھ میں رکھے کا حکم ہوا اور لکھنوی مرادشاہی کا مراد بخش کی بی بی درست و لدا اورنگ زیب اور پھر شکوہ کا عقد اورنگ زیب کی بی بی ہڈلشاہیکہ سے نکاح کیا گیا اور مرادشاہی کا بارہ بیٹا اور پھر شکوہ کا چھ بیٹا اور ان کے بیٹوں کا چار بیٹا اور وہ بیٹا گناہ و مقرر ہوا پس جب کہ مراد بخش کے بیٹے کی جان بخشی ہو کر خود اورنگ زیب کی بی بی سے اُس کا عقد ہو چکا تھا تو بے کی نسبت کسی زیادہ چلو کی گواہیوں کے بغیر نہ کیا گیا درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گذرا ہے کہ لدا کا اپنی طبیعت سے مرادشاہی سے صحیح

سرکاماجائے اور مستطیث یہ حکم لے کر گوالیار چلتے ہوئے لیے

سلطان شجاع کا فرار | شاہی میں سے اب صرف سلطان شجاع ہی ایک ایسا شخص باقی رہ گیا تھا جو اورنگ زیب کو دہشت اور ٹکر میں ڈالے رکھتا تھا۔ اور اب تک بڑی ہمت اور جواں مردی دکھانا نہ تھا۔ مگر اب اُس نے بھی دیکھ لیا کہ اورنگ زیب کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میر جملہ کے پاس براہِ ورنگ کنگ پنجپتی رہتی تھی اور اُس کی فرجوں نے شجاع کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پس جان بچانے کی خاطر ٹوٹا کہ کر بھاگ گیا جو سمندر کے کنارے چنگال کا سب سے اخیر شہر ہے۔ اب یہاں اُس کے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی تھا کہ سمندر پار چلا جائے اور نہ یہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کس طرف جائے۔ اس نے اُس نے اپنے بڑے بیٹے سلطان باقی علی ملک اراکان دے دیے

یہ کتاب علی صالح میں لکھا ہے کہ بہران علی نقی ماکہ مدنی خدی چہل دوند ہوا خواہ بیلہول ہوا گیا از سرستانہ اسر مردہ کو بہادرت شہر شری مران بخش را قہصا صرماخذ۔ چون دعیاں واکنا رسیدہ بحضور قاضی گوالیار انگلو آقا زہاوند شازادہ وحبیب گشت ہر زبان آوید کہ اگر حضرت غلامت تربت پاس ہمد و دغاے مرحد و لغو شہ از فوق اس مدوی گزشتہ نقصانے جدالت و سلطنت و الا داشت۔ اگر خوارخواہ توجہ اشرف معروف بر جہت کہ وہود چہلی امین صیف و دیاں نہا شدہ سماجہ باہم قسم مومکم باہم بلف جہدہر چہ ہی خواہند بہ کشتہ آنگاہا قاضی اخروند چہار شہید بہت و کیم رہی اثاثی شہتہ۔ دو نفر چلیہ ہوندم شہر آں شازادہ رنجیہ ایشان را از کشتائے ساختہ زندان سخت وادہ جمدن را قلعہ گوالیار بکاگ سپہوندہ واضحہ ہر کہ سید علی نقی دیا گجرات کے قتل کا حال ہم ایک حاشیہ میں متصل لکھ آئے ہیں۔

یہ سیر التاخیر میں اس کے بیٹوں کے نام زین الدین ولبدا خروند ہیں اصاح میں لکھے ہیں۔ ثانیاً یہ نام اُس کے بڑے بیٹے زین الدین کا اسم مالانی یعنی عرف ہوا۔ کیونکہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہے کہ شازادہ زین الدین ان کے اراکان کے سامنے پناہ لینے کا جہد بہت کیا تھا۔ اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس تہجی سے لکھا ہے اس کو باوقافی پڑھ سکتے ہیں یا ان کے اہل کچے تعجب نہیں ہے کہ وہ سلطان باقی کے دامادیہ نام یا مرزا ہانگے کے لائے نسب سے مشہور ہو۔ س م ج

محلہ چونکہ فارسی میں ان کے نام ازنگ لکھا ہے اور انگریز اراکان کہتے ہیں اس وجہ سے یہ بات تحقیق طلب تھی کہ ان اراکان کو بجاؤ کر انھوں نے ازنگ کہا تھا یا انگریزوں نے ازنگ کہ اراکان بنلوا

جسے حاشیہ منقولہ شدت ۱۰ اس نے صاحب کشتی را کا ہی صاس کے صحیح کر دینے کی استدعا کی گئی تھی۔ ہم نہایت ممنون ہیں مشرقی ڈوی بریں صاحب کشتی را کا ہی کے کئی انھوں نے بعض بہاؤ اخلاق و علم دوستی نہایت ہی عمدہ اور متفاد جواب بھیجا ہے میں کا خلاصہ یہ ہے کہ

اس ملک کا نام اراکانیوں کے تلفظ کے موافق دراصل راکینگ ہے اور یہ جہاں اس کو حرف دے کی جگہ ہے کے ساتھ راکینگ کہتے ہیں۔ اور لفظ اراکان انگریزوں کا اختراع ہے۔ اور سرکار تحریک نے اپنے مسودہ تاریخ اراکان مطبوعہ کلکتہ میں اور اپنی تاریخ ہند مطبوعہ کلکتہ کے پانچویں باب میں لفظ راکینگ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ راکینگ یعنی راکھس کا گڑھا ہوا مظلوم ہوتا ہے جو پانی زراں کے لفظ یا کھاسے نکلا ہے جس کے معنی ایسے آدم خوروں کے ہیں جو نصف حیران اور نصف انسان مولود میں زمانہ میں بد مذہب کے حافظ ہندوستان سے اس ملک میں پہنچے تو انھوں نے اس ملک کا نام یا کھوچہ رکھ دیا۔ پھر انھوں نے یہ کہہ دیا۔ یا تو اس وجہ سے کہ انھوں نے وہاں پہنچ کر یہ روایتیں سنی ہیں کہ تو ہم زمانہ میں ایسے دیوانہ لوگ رہا کرتے تھے جو ملک کو تیرا اور یہ یاد کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ انھوں نے میام اقوم کے لوگوں کو بدعنوان اور دیہوں کی پرستش کرتے دیکھا ہو گا۔ ایسی بھی ممکن ہے کہ آدم خور دیہوں کے وجہ کی نسبت یہ روایتیں اس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ جب میام اقوم کے لوگ اراکان میں پہلے پہل داخل ہوئے تو اس وقت اس ملک کے وحشی نصاب باشندوں کی بدعنوانی کی نسبت انھوں نے مباغہ آمیز باتیں سنی ہوں۔ سرکار تحریک صاحب کے ان احوال کو نقل کر کے مشرق ہند میں بطور اپنی رائے کے یہ لکھتے ہیں کہ اس ملک کے نام راکینگ کو لفظ راکھش یا راکھش سے مشتق سمجھنا ایک تباہی بات ہے۔ اور اراکان کے باشندوں سے جو تحقیق کیا گیا تو کوئی شخص قابل اطمینان جواب نہیں دے سکا اور حقیقت یہ ہے کہ مرد زمانہ کے باعث اس کے اشتقاق کی اصلیت کما اور فراموش ہو گئی ہے۔

پس ظاہر ہے کہ لفظ رنگ بدست اور اصلیت کے قریب تھا اور جس طرح انگریزوں نے اس کے ہمسایہ ملک کا نام صحیح لفظ میام یا مرم کی جگہ برتا دیا تھا۔ اسی طرح کا یہ بھی ایک تعریف ہے جو رنگ کے لوگ اکثر کر لیا کرتے ہیں۔ بہر تقدیر یہ ملک خششاؤں کا نمودار ہے آزاد تھا۔ مگر سنہ مذکور میں برتا والوں (یعنی گدا اور چیکو کے بادشاہ) نے اس کو فتح کر کے اپنی تلخ دھن شامل کر لیا تھا۔ اور اس طرح خششاؤں میں سرکار انگریز نے ہر برتا والوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر ان پر پہلی دفعہ فوج کشی کی تو چوبیسویں فروری

شاہجہاں کے اہل سیر اور عہد اورنگزیب

بت پرستوں کا ملک بھی کہتے ہیں، اس درخواست سے وہ انہیں کہہ کر اگر تم چند روز میں چاہو
وہ سکو تو ہم تمہارے پاس آجائیں۔ اور جب ہوائے موافق کے چلنے کا موسم آجائے تو
مخالف پہنچ جاتے کے لئے ایک جہاز ہم پہنچا دو تاکہ ہم اول کہ اور پھر وہاں سے دوم یا
ابراہن کو چلے جائیں۔ راجہ نے یہ درخواست قبول کی اور بہت مہربانی سے پیش آیا چنانچہ
سلطان باقی بہت سی کشتیاں جن کے طالع اہل فرنگ یعنی گوارہ و فیروہ سے بھاگے ہوئے
وہ پرگیز اور اور آواز گروہ صاف تھے جنہوں نے اس راجہ کی نوکری کر لی تھی اور جن کا بڑا پیشہ
بجگالہ کے آن مسکوں کو نوٹے دینا تھا بڑو تھا کہ اور ارکان کی جانب سے مدد کے قریب ہیں،
ساتھ لے کر واپس آیا۔ اور شجاع اپنی بیگم اور بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ ان پر سوار ہو کر
ارکان کو چلا گیا۔ اور راجہ نے اگرچہ اس کی خاطر قوافض کچھ بہت بڑے کر توڑ دیں مگر ضرورت
کی معمولی چیزیں ہیاد و موجود کر دیں۔

جبہ ماضیہ منور گذشتہ، غلطی کے صلے نامہ کی رو سے سرکار ممدوں کے تھنڈی آگیا۔ اور اب کو نہ
صرف ارکان بلکہ اس سے آگے شاہ مرہا کا بھی کل ملک جو بادشاہوں کی اوضاع و اطوار اور آب و
ہوا کی خاصیت کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی طرح کی سرزمین ہے۔ دوسرے ملک مشرق سابق و مغربہ حال حال
عقل و چہنہ کی حد تک گورنٹ انگریزی کی حکومت میں صاحب چیف کسٹمر ہوا کے ماتحت ہے
سلطنت منلیہ کے مدعوں نے ارکان کو ذیل ترین سمورہ لئے عالم اور ایک قلعہ جنم کھا ہے اور
وہاں کے لوگوں کو نہایت ہی دشمنی اور بددلی سے جہازہ ملک کو ممکن و مددہ بتایا ہے اور اس کے راستہ
میں ان کے نزدیک امن جہازاتی کی نامائیت کے باعث جو ہائے خوفناک مائل تھے مگر انگریزوں کی قتل وائل
اور من انعام سے وہی دشمنی انہی اپنے جاتے ہیں۔ اور وہی قلعہ جنم ایک سرسبز اور شاداب اور بہت زرخیز
ملاقہ ہے۔ اور اس شہر میں کتاب و دیوہ بعض مقامات نہایت عمدہ تھیں۔ گاہ ہیں۔ سامع

ملہ مانگیر نامہ اور اثر مانگیر و فیروہ سے قلعہ کی بیگم یا بیٹیوں کا ساتھ با نامائیت نہیں ہوتا بلکہ نام طور پر یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ انہوں نے بھاگنے کے وقت جس کو راجہ مل کے بعد ان سے اپنا جائے قیام بتایا تھا اس کے
عمل کی صورت اور مستراح وہیں رہ گئی تھیں۔ جن کو میر جلدے بڑی اشتیاق اور اخراج کے ساتھ لہجہ کے
خزانہ اور جو اہر فادہ والی و اسباب سمیت اخلاص خاں نامی ایک سوار کی حفاظت میں اورنگ زیب
کے پاس بھیج دیا تھا۔ لیکن تب نہیں کہ اپنی خاص بیگم اور بیٹیوں کو وہ ساتھ لے گیا اور وہ محل میں ان کا
ذکر کتب مذکور میں کیا گیا ہے اس کی نوا میں و فیروہ ہیں۔ سامع

شجاع کا حشر تناک انجام | اب یہاں اگرچہ کئی چھپے گدرے اور ہوائے موافق کا موسم
 بھی آگیا مگر مخا جانے کے لئے جہاز ہم پہنچا دینے کا کسی نے
 کو ترک نہ کیا۔ حالانکہ شجاع صرف اتنی بات کا خواست گا دتھا کہ ایک جہاز گریہ پر مل جلے
 کیونکہ اُس کے پاس زردہراہر کا پی موجود تھے۔ بلکہ غالباً اُس کی کمکت کا بڑا سامٹ یہ دتھا
 ہی ہوتی۔

اصل یہ ہے کہ یہ وحشی بادشاہ اور راجہ کی مروت اور فیاضی کو جانتے ہی نہیں اور
 اپنے وعدوں کی پابندی اور ایفاد کا شرافت و نادر ہی خیال کرتے ہیں بلکہ انہی فرض کو مقدم
 سمجھ کر کسی کے پیچھے ہر پرتے ہیں۔ اور اس خبیثت اور قیادت کے نتیجوں کی طرف سے جو
 اکثر خدا نہیں کر سکتے پڑتے ہیں مطلقاً بے پروا نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ سے
 یا تو غلبہ ہی بچا سکتی ہے۔ یا اس قدر زور و اثر اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔

فرض شجاع کی طرف سے مخا جانے کے لئے بڑی اکتھا نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جنگی راجہ
 قطعاً منتقد نہ ہوا بلکہ یہاں تک بے مروت اور گستاخ ہو گیا کہ شہزادہ کی نسبت قیاب
 ظاہر کیا کہ اب تک ہم سے لئے کو کہیں نہیں آیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شجاع نے کس رخاں کے
 خیال سے اس بت پرست سے ملاقات نہیں کی تھی یا اس خوف سے اُس کے مکان پہنچیں
 کیا تھا کہ مہاراجہ گرفتار کرے اور سب مال و اسباب لوٹ لے۔ اسی اثنا میں راجہ کو میر جمل نے
 بھی شجاع کے پکڑ کر حوالہ کر دینے کی شرط پر اورنگ زیب کی طرف سے بہت سے فائدوں
 اور زرخیز کے حاصل ہونے کی طمع و لالچی تھی۔ بہر حال راجہ کی ننگی رنج کرنے کو اگرچہ
 سلطان شجاع خود اب بھی اُس کے مکان پر نہ گیا۔ مگر سلطان باقی کو بھیج دیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہ شہزادہ راجہ کے محل کے قریب پہنچا تو ساری پر سے غریب غربا کی
 طرف بہت سے روپے اور اشرفیاں پھینکیں۔ اور جب راجہ کے پاس پہنچا تو بہت سے زرخیز
 غلاب سے پچاس برس پہلے تک ہندوستان میں یہ عورتاں دتھا کہ امر کی مہادی کے دتھا روپہ لٹری فیوٹا
 کرتے تھے اور اس رسم کا یہاں تک رواج تھا کہ وہ نرائشی امر جیاب سے اتنی برس پہلے مرنوں کی طرف سے
 ہمارے اس ملک میں براہ خلق آئے تھے اقلد الدت و شان و شوکت کے وہ بھی اپنے ہاتھ پر سے کہہ
 اشری اور مرنے کی نہیں شاتے تھے بلکہ ریاست حیدر آباد کن میں ہی ہندوستانی عبادوں کی پڑائی تھیں
 اب تک بھی بہت کہ زندہ ہیں بلکہ وہی ساریوں کے مرقہ پدماں اب بھی یہ کم کہہ کہہ جاتی ہے۔ سامان

دفعہ کے متعلق اور مرتب زمینیں پیش کش کئے اور اپنے باپ کے قیات خود حاضر نہ ہونے کی نصیحت یہ عذر کیا کہ وہ علیل ہیں۔ اور بڑی التجا سے درخواست کی کہ وہ جہاز میں کے ہم پہنچا دینے کے لئے اپنے دلوں سے وعدے ہوتے رہے ہیں بہت جلد عینیت ہو۔ مگر اس ملاقات سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور پہلی درخواستوں کی طرح یہ درخواست بھی بیکار لگی اور اس وحشی نے اپنا وعدہ مطلق و فائدہ کیا بلکہ اُس مالی منزلت پناہ گزین کی پریشانی اور رنج بڑھانے کے لئے اس سے پانچ ہی چھ روز بعد صاف صاف یہ پیغام بھیجا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہم سے کر دو۔ اور شجاع کے اس سے انکار کرتے پر ایسا غضب ناک ہوا کہ شاہزادہ کی حالت نہایت بُرے ہو گئی۔ اب ہاتھ پاؤں دوسرے نیچے رہنا لگا گیا بلکہ کتھن رہنا تھا اور مفر کا موسم گندا جانا تھا اس لئے کوئی دیکھتی بات قرار دینی ضروری تھی پس اُس نے ایک ایسی تدبیر سوچی جس سے فضول شرکونی حرکت نہ تھی اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی نا اُمیدی کس حالت کو پہنچ گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اراکان کا راجہ نہایت بدست ہے لیکن مسلمان بھی وہاں بہتیرے ہیں جو تو بکوشی آں پئے ہیں یا وہ پرنسپل جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جو سمندر کے کناروں کے ضلعوں میں لوٹ مار کیا کرتے ہیں اُن کو کچھ کر اور غلام بن کر یہاں سے آئے ہیں۔ یہیں شجاع نے اُن کو گانٹھ لیا اور اُن کو اپنے دو تین شہر آدمیوں کو جو ہنگامہ سے ساتھ آئے تھے لاکر اس شہر ہی ہی سمیت کے ساتھ یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ یکایک راجہ کے محل پر حملہ کر کے اُس کو اور اُس کے خاندان کو تہ تیغ کر دے اور خود فرمانِ خدا میں جائے۔ یہ جبارت اگرچہ احتیاط کے خلاف اور ایک مشہورانہ حرکت تھی۔ لیکن میں نے بعض پرنسپلز اور مسلمانوں اور یوں سے جو خاص وہاں موجود تھے سنا ہے کہ اس تدبیر کی کامیابی چنداں محال اور امکان سے خالی نہ تھی مگر اس منصوبہ کے عمل میں لانے کے لئے جو دن مقرر ہوا تھا اُس سے ایک روز پہلے یہ ساز افشا ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے رہے جہے کام ہی نہیں پکڑے

طے عالمگیر نامہ اور اثر عالمگیری اور سہر القیاس میں سے تو باتفاق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سمیت کے وقت میں اُس کے رفیقوں اور لاکھوں میں سے سوائے سید عالم بابہ اول اور سید علی اُنک کے جن کے ساتھ مادات بابہ میں سے شہزادی دس سید اور بابہ مثل تھے اور چند اور سپاہیوں اور خدمت گاروں وغیرہ کے سبے چالیس آدمی بھی جنگالہ سے اُس کے ہمراہ نہ آئے تھے۔ - س م ح۔

بلکہ سارا کنبہ ہی لاک ہو گیا۔ چنانچہ اس راز کے کھل جانے پر اُس نے چاہا کہ پیکی کو بھاگ جاتے لیکن اس ارادہ کا عمل میں لایا جانا محروم ناممکن تھا کیونکہ راہ میں اچھے سخت پہاڑ اور خسار گذار جنگل اور بے حائل تھے کہ اُن میں سے ہر کر کوئی ایسا راستہ بھی ہوا ہی نہیں جس سے مسافر آتے جاتے رہے ہوں غرض کہ تعاقب کیا گیا اور بھاگنے سے آٹھ پہر بعد لوگوں نے اُسے جالیا اور جی کہ اس اسمِ ہاسٹی شجاع شاہزادہ سے توقع ہوتی چاہیے یہ ویسی ہی شجاعت سے نوازا اور بہت سے وحشی غاص اُس کی تلوار سے قتل ہوئے۔ مگر آخر کار دشمنوں کے جہوم سے جو پیچھے سے لگا مار آتے جاتے تھے مستلزم ہو کر ایسی لڑائی سے جو کسی طرح بھی برابری کی نہ تھی دست بردار ہو گیا۔

سلطان باقی جو باپ سے دوا پیچھے رہ گیا تھا وہ بھی ویسا ہی لڑا جیسے کہ پہاڑ لڑا کرتے ہی لیکن دشمنوں نے چاروں طرف سے اس قدر پتھر مارے کہ تمام بدن چور چور اور لہو لہان ہو گیا۔ اور آخر یہ جنگلی اُسے اور اُس کی والدہ اور ودلاں چھوڑنے بسائیوں اور سبھوں کو پکڑ کر لے گئے۔

شجاع کی موتِ جیات کی نسبت مختلف ہیں | اب اس سے آگے اُس کی بات کوئی ایسی شہیک بات جو زیادہ بھروسہ کے لائق ہو معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے نکل کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا پڑھا تھا اور اُس کے ہمراہ ایک خواہم سرا اور ایک عورت اور دو شخص اور تھے۔ اور سر میں پتھر کا ایک ایسا زخم لگا ہوا تھا کہ وہاں پہنچ کر گر پڑا مگر جب اس زخم کو اُس خواہم سرا نے اپنی پکڑی سے باندھ دیا تو اُنھیں جنگل میں جا گھسا۔

اس کے علاوہ چار روایتیں ادھنی ہیں اور اگرچہ اُن لوگوں کی زبان ہی جو میں موقع پر موجود تھے۔ مگر باوجود اس کے ایک دوسری سب سے نہیں ملتی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہے اس امر کا یقین دلیا کہ اُس کی لاش سردوں میں ملی تھی۔ لیکن صورتِ پہچاننی مشکل تھی اور نوچوں کے کارخانے کے ایک انسر اعلیٰ کی چٹنی میں نے۔ کچھ خود دیکھی ہے اُس میں بھی یوں ہی گھسا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہتے یقینی بات کوئی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے دہلی میں کئی بار ایسی افواہیں اُڑتی رہی کہ جن سے خواہ مخواہ لوگوں

کے کان کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ایک بار تو یہ نل ہوا کہ شجاع پھلی پنہنچ گیا ہے اور گوگنڈا اور بجا پور کے بادشاہوں نے اُس سے یہ عہدہ اقرار کر لیا ہے کہ اپنی اپنی تمام فوج سے آپ کی مدد کریں گے اور پھر بڑے دُلق سے یہ خبر شہر پہنچی کہ وہ دو جہاز پر جن پر مرنے نشان چڑھے ہوئے تھے سورت کے سامنے سے ہو کر گذرا ہے اور یہ جہاز اُس کو شہر پہنچا یا شہر تسلیم نے دیئے ہیں۔ پھر ایک یہ چرچا ہوا کہ وہ ایمان پنہنچ گیا ہے اور شیراز میں لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور کچھ دنوں بعد ان افراد اڑانے والوں نے اُسے قنبر پہنچا دیا اور شہر کر دیا کہ وہاں سے کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا کہ شجاع تو آخر حاجی ہو گیا۔ یعنی مکر چاہیچا۔ مگر اُس کا یہ کہنا غالباً غرارت کے طور پر تھا۔ اور اب تک بہتر سے آدمی اس بات پر یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ استنبول میں کچھ عرصہ رہ کر اور وہاں سے بہت سامان و دولت کے ایران میں آ گیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب افواہیں محض بے بنیاد ہیں۔ اور وہ چھٹی قابل اعتماد ہے جو وچوں کے کارخانہ تجارت کے امیر اعلیٰ کی طرف سے تھی اور جس میں یہ لکھا تھا کہ شجاع لڑکان سے بھاگنے کی حالت میں لہا گیا۔ چنانچہ اُس کے ایک خواجہ سرا نے جس کے ساتھ میں بھاگ کر سے پھلی پنہنچ گیا تھا اور ایک اور شخص نے ہوائس کے توپ خانہ کا سردار تھا اور اب شہر گوگنڈا کا ملازم ہے بعد سے کہا کہ فی الحقیقت ہمارا آقا مہر چکا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل مجھ سے بیان کرنی نہیں چاہی۔ اور بعض فرانسیسی سوداگروں سے جو سیدھے اصفہان سے آئے تھے۔ دہلی میں میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ایران میں ہم نے کبھی اُس کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس کے سوا اُس کے زندہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شکست کے ساتھ ہی اُس کی تلوار اور خنجر شدہ آتش مالگیری میں جھنڈا پیسے شدہ طرس مالگیری مطابق منسلک ہو کر کھڑا ہے۔ مالگیری کے حضور میں یہ خبر پہنچی کہ مورنگ میں یعنی آسام اور کوچ بھار کے ابھی ایک مغربی شجاع نے خود شہر پاک ہے جس پر نہایت تاکید کے ساتھ وہاں کے حکام اور اہم خاں اور فدائی خاں کے نام فرمان جاری ہوئے کہ اگر وہ کسی طرف سر نہکے تو سرکاش کر حاضر کرو۔ جس سے ثابت ہے کہ فی الواقع اُس کی تباہی سے نو برس بعد تک بھی لوگوں کو اس کی موت و حیات میں شک ہی تھا۔ س م ج

شہ اصفہان اُس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ س م ج

پڑا ہوا ملا تھا اور اگر وہ واقعی جنگل میں بھاگ گیا ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا ادعا ہے تو اس صورت میں بھی جاں بڑھنے کی بہت کم امید ہے۔ کیونکہ وہاں پانچویںوں اور دہریوں وغیرہ نے قطعاً بند ڈالا ہو گا یا شیر اور ہاتھی وغیرہ جیسے دہندہ جانوروں نے جو وہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں پھیر پھاڑ ڈالا ہو گا۔

شاہجہاں کے اہل و عیال | پھر حال سلطان شاہجہاں کی موت و حیات کی نسبت عوام کچھ ہی شکوک اور اختلافات ہیں۔ لیکن اُس کے کنبہ کے لوگوں پر یہ

ہر آفتیں اور مصیبتیں پڑیں اُن کے متعلق روایتوں کی صورت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے چنانچہ ان بیچاروں کی مصیبتوں کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب ان کو قید کر کے واپس لانے کو کہا، کیا عورتیں کیا بچے سب کے سب قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ اور نہایت ہی بے رحمی اور سختی کی گئی۔ مگر کچھ مدت بعد اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ اور کسی قدر مہربانی کی گئی۔ شاہجہاں کی بڑی بیٹی سے راجہ نے شادی کر لی اور اُس کی ماں سلطان بائی سے خود اپنا عقد کر لینے کی بڑی خواہشمند تھی کہ اتنے میں سلطان بائی کے چند نوکر انھیں مسلمان لوگوں سے مل کر جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے پھر اُسی قسم کے منصوبہ کی فکر میں پڑ گئے۔ لیکن اُن میں کا ایک بے احتیاط اور جلد باز شخص جو غالباً شراب پی کر اور بھی زیادہ بے عقل ہو گیا تھا لشکر کی تنگ میں اس راز کو نہ مخفی نہ رکھ سکا اور بین حملہ کے روز اُس سے چھپ کر بھاگ گیا۔ اور اگرچہ اس قصہ کی نسبت بھی ہزاروں روایتیں سننے میں آتی ہیں۔ لیکن جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس حرکت سے راجہ ایسا برہم اور غضب ناک ہوا کہ شاہجہاں کے تمام کنبہ کے قتل کا حکم دے دیا یہاں تک کہ وہ شہزادی جس سے اُس نے عقد کر لیا تھا باوجودیکہ حاملہ تھی اس کے وحشیانہ حکم سے وہ بھی قتل کی گئی اور سلطان بائی اور اُس کے بھائیوں کے سر کند کھپاڑی سے کاٹے گئے اور اس بد بخت کنبہ کی باقی ماندہ عورتیں اپنے اپنے مکانات میں ایسی سختی سے قید کی گئیں کہ قاتلوں کے اسے وہیں ہلاک ہو گئیں۔

انفرنس نے لڑائی کی آگ جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر چاندوں بھلائیوں کے اہم بھڑکی تھی پانچ یا چھ سال کے بعد یعنی تقریباً ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۶۵۸ء تک کے اخیر میں شاہجہاں سخت بیمار ہوا تھا۔ اور اُس کی چارہ کی خبر پا کر سب

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اور گنجینہ

مختصر یا اکسٹریکٹ اس طرح خاتمہ کو پہنچی اور رنگ زیب اس عظیم الشان سلطنت کا اکیلا ہی الگ بن گیا ہے

یہی حاشیہ منور گوشتہ بہشتی سے پہلے مراد بخش نے گہرے میں بغاوت کی تھی اور آخر کار شہنشاہ کے ارکان میں چلے جانے کے بعد سلیمان شکوہ سری نگر سے تہہ بہ گردانی میں پھر یہیں جمادی الاولیٰ حشمہ مری کو پہنچا تھا۔ اس حساب سے یہ لڑائی بھڑائی تین برس سے زیادہ چلی رہی۔ گرا یا معلوم ہوتا ہے کہ مسقف نے اس تصرف کا شروع اُس وقت سے لیا ہے جب کہ شاہجہاں نے فساد کے اندیشہ سے شہزادوں کو بطورہ غنیمت مصلوبہ دے کر کابل سے روانہ کیا تھا۔ س م ح

یہ شہنشاہ کی شکستوں اور ارکان کو جانے کا حال جس طرح ہوا اختلاف مانگیر نامہ اور آقا علی گری اور سیر افشاخوئی میں کھلا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مرگیر سے بھاگنے کے بعد اُس نے "لاڈھ کو پناہ مل و مرکز قرار دیا اور بہت سی باتیں بسر کی اور جب یہ ملک کی آمد سے دور کر دیا تو بھی شکاک ناز دیکھا تو اپنے دولاں جھٹے بیٹوں اور قریب تین سو روکوں چاکروں کے دلکشیوں میں ہنجر ماراج محل کو بھاگ گیا جہاں پہلے سے اُس کا بڑا بیٹا راج الدین اس غرض سے گیا ہوا تھا کہ وہاں کے حاکم رشید خان نامی نے جو ملک حاشی کر کے ہر محل سے سازشیں کرتی تھیں اور اس کی تحریک سے راج محل کے رئیس معمر خان کے بیٹے منور خان نے کسی قدر عداوت پر پا کر رکھا تھا اُس کو فرو کرے۔ چنانچہ رشید خان کو تو اُس نے جانتے ہی جب کہ وہ اسلام کو حاضر ہوا ہیں دربار میں قتل کروا دیا تھا۔ اور بلافاصلہ اپنی تنگ حالت کے ارکان کے راج سے پیغام و سلام کو لے کر اور تلخے تحائف بھیج کر منور خان کی سرکوبی کے لئے اُس کی بہت سی جستجوئی کشتیاں منگالی تھیں اور انہوں نے اُس کے ساتھ ہر کمزور خان کو شکست دینے میں اپنی مارت کے ساتھ راج محل کی رحمت کو بھی بہت تباہ کیا اور اکثر لوگوں کو بین میں بہت سے مسلمان بھی تلخے قید کر کے ساتھ لے گئے اور راج الدین نے اس حد کے صلہ میں اُن کو بہت سائنقہ و جنس دے کر رخصت کیا اور راج سے یہ نیرایا کہ اگر شہنشاہ کو مجھ سے ارکان میں آنا پڑے تو اُس کی کہہ تو راج محل میں آکر اُس کو دربار میں لے جائے۔ چنانچہ راجہ نے اپنے رشتہ دار چانگام کے حاکم کو جو اُس وقت تک یہ مقام ملک ارکان میں داخل تھا یہ حکم بھیج دیا تھا کہ جب شہنشاہ طلب کرے تو کہہ تو راج اُس کی مدد کو بھیج دے۔ پس جب شہنشاہ راج محل میں بکھرا تو ناچار اپنے چند معتد شخصوں کو فرج لائے کہ بھیجا تاکہ ساتھ ہر کس کو لڑا لے جاتے اور ایک چھینے تک اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن چونکہ میر محلہ بار اُس کے تعاقب میں چلا آتا تھا اس لئے اپنے بیٹوں بیٹوں اور دو چار سرداروں اور چند سپاہیوں اور خواجہ سراؤں وغیرہ کے ساتھ

ہوا ب کا اظہار چھوڑ کر کشتیوں میں بیٹھے وہاں چل دیا۔ راج محل چھوڑنے کے تیسرے دن وہ لوگ واپس آئے۔ اب سے تین چھپے پہلے راجہ اور چانگام کے حاکم کے پاس روانہ کئے تھے معاہدہ کارن اراکانی اور نرگستان کی کشتیوں کے جو صلح اور سازد سامان سے بخوبی درست تھیں اور جن کو چانگام کے حاکم لدا کے خٹا کے مرائن روانہ کیا تھا۔ راجہ اور چانگام کے حاکم کی حضور واد کے ساتھ ہیں رہ رہی کی حالت میں آئے۔ اگر اراکانی سرداروں نے یہ کہا کہ اگرچہ ہم آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں اور راجہ کا خود بھی ارادہ تھا کہ لنگ کے لئے چانگام میں آکر ٹھہرے اور پیچھے سے جنگی کشتیوں کا اور بھی زیادہ مضبوط لاڑوہ یعنی بیڑہ روانہ کرے اور جنگی کی راہ سے بھی کہہ دے پیچھے لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں تھا کہ آپ راج محل میں اپنے ملک میں ٹھہر کر ہر حملہ کے مقابلہ کا سامان کر رہے اور آپ کے اراکان میں لے جائے گا کہ ہم کو حکم نہیں ہے۔ اب چونکہ یہاں سے قریب ہی موضع بہلوہ میں روٹا تھا وہی مقام ہے جس کو حال کے انگریزوں نے قلعوں میں بھلایا تھا ہے۔ اور وہاں سے نیچے تقریباً ڈھاکہ اور چانگام کے وسط میں دریا کے کنارے ہے۔ انجیا سرحد پر بادشاہی قلعہ اور تھا نہ تھا اس لئے شہزاد کا ارادہ ہوا کہ اس پر قبضہ کرے اور وہاں ٹھہر کر اراکانیوں کی مدد سے آئندہ کے لئے کچھ بندوبست کرے۔ مگر جب قلعہ پر تصرف ہو سکا تو شہزاد نے اراکانی والوں سے خشکی ہوا اور قلعہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معمول کے برخلاف ہے۔ البتہ پانی پر قبضہ کر کو آپ ہمدردی سے آگے برساتے کو ہم حاضر ہیں۔ اور شہزاد کے اصرار سے ناراض ہو کر آخر کار روکے پیچھے بن گئے۔ اور صاف کہہ دیا کہ اگر قلعہ آپ کی کوشش سے ہاتھ آجاتا تو مضائقہ نہ تھا کہ ہم آپ کو اس میں بٹھا کر آپ کے ایک لڑکے کو اراکان لے جاتے اور دباہ آئندہ کے لئے جو حکم دیتا وہ کرتے۔ لیکن اب تو یہی بہتر ہے کہ آپ غمہ اراکان کو تشریف لے جائیں۔ چنانچہ وہ اس پر ماضی ہو گیا اور چھٹی رمضان شمس کو وہاں چلا گیا۔ اور سوائے اُن چالیس رفیقوں کے جن کا حال پیچھے ایک عاشق میں کھاجا چکا ہے اس آفت میں اور کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور جس وقت سے وہ وطن پہنچا اور جو مصیبتیں وہاں پیش آئیں اُن کی نسبت صاحب عالمگیر نامہ سے بخلا لیں کھاجا کہ

بعد از قلعہ مرامی اداوار دے لہو اپنے خونخوردہ چہرہ زخمش کا اذلال مسمومہ بائے عالم ہو سکے
کفر و فسادات شیعہ است مسمومہ از تیر و کشتی و جزو طامی باعدہ نام آں سرزمین بشارت شد و دو غامت
حال مسمومے آمل با عفت ہرست بگلستان شد و صلا بجام کا آئین جفا ثبت بعد از وصول آں راج
فلاست نیما دلا حاجت با سرگرد و آں قوم نہ ظنا کہ بہلوان ہزار ہر ملہ از شہرستانی کہ بیت
و کشمرا انسانیت و دما ز طبع دین و دانش و شہا پر مروت و سروری بھر و نہ بعد از دین و ملی طور بشر

شاہجہاں کے اہل ام سہری اور عہد اور نگہ نب

ازبک کے سفیروں کی آمد | لڑائی کے ختم ہونے ہی ازبک قوم کے ساتاریوں نے بڑی مہلت کے ساتھ اپنے سفیر اور نگہ نب کے پاس بھیجے۔ جس زمانہ میں شاہجہاں نے اُس کو اپنی فرج کا سب سے سادہ و سادہ سفیر مقرر کیا۔ دو سو خانہ خانہ سے لڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی بہادری اور جنگی لیاقتیں دیکھ چکے تھے اور اس سبب سے مرنے والے تھے کہ بہادری اُس کو اُن کی وہ دغا بازی یاد بغیر حاشیہ منور شدہ ۱۰ و ذکر خواہ شدہ ۲

گواس، مصنف نے اپنے اس دور کے سوانح کو فیصلی حال اس در منصب کا آگے کہیں بیان نہیں کیا۔ اور کسی اور کتاب میں سہری نظر سے گذرا۔ س م ح
لے امام علی خاں اور نذر محمد خاں ازبک قوم کے دو بادشاہ اور نگہ نب کے بھائی تھے اور ان کے باہم ملک میں طرح پر تقسیم تھا کہ سرحد اور تاجا امام علی خاں اور علی ویدہ نشان نذر محمد خاں کے پاس تھا۔ لیکن جب امام علی خاں زوال و بے بساری کی وجہ سے کہ مغل کو ہجرت کر گیا تو سرحد اور تاجا بھی نذر محمد خاں کے قبضہ میں آ گیا۔ گواس کی سخت گیری اور محنت سے سہری سے اُمرا نہایت تنگ آ گئے اور انہوں نے اس کے بڑے بیٹے عہد الغریز خاں کو بخارا اور سرحد کا بطور بادشاہ بنایا اور صرف وہی علی خاں اور جہان خاں اس کے پاس رہ گیا۔ لیکن چونکہ وہاں بھی بے انتظامی اور اتہری پھیل گئی تو مجبور ہو کر اُس نے یہ طاقت کی کر شاہجہاں سے امداد کا مطالبہ کیا اور علی ویدہ نشان و سرحد و بخارا کا پناہ ملک سرحد و تاجا بھگوا اُس کو اپنے قبضہ میں لائے۔ کاشانیہ آؤ نذر محمد خاں اور اس کی اُس حرکت کو بھی نہ بھولا تھا جو اس نے جہانگیر کا مرزا مٹھنے کا بل کر آن گئے تھا پس اُس نے سرحد کو نیست بھگوا کہ شہزادہ ملو و بخش اور میرا لار علی موافق خاں کو امداد کے سبب سے علی کو روانہ کیا اور خود بھی لاہور سے کابل کو کوچ کر دیا۔ چنانچہ جب علی سے ایک منزل پر نذر محمد خاں نے اپنے دو بیٹوں بہرام اور سبحان علی کو شہزادہ کے استقبال کے لئے بھیجا تو بہت سی خاطر و داریات کے بعد اُن کو یہ پیغام دے کر واپس بھیج دیا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ہم بے شمار لشکر کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ مگر جب اگلے روز علی پہنچا تو امداد کی جگہ غصہ پر تامل ہو جانا پایا اور یہ دیکھ کر نذر محمد خاں صراحتاً اپنے ایک بیٹے کے مجبوراً امداد کو بھیجا گیا اور انہوں نے بادشاہ کو مدد میں اور جڑا نادر علی چہیزوں اور دھاتی ہزار گھوڑوں اور تین سواروں پر جو قلعہ میں تھے قبضہ کر لیا اور اس کے دو بیٹے اور تین لڑکیوں کو شاہجہاں کے پاس کابل بھیج دیا۔ اُن میں سے بہرام کو مغل پانچ ہزاری کا منصب ملا اور عہد الغریز کو تربیت کے لئے دارا شکرہ کے سپرد

ہو کہ جب وہ دشمن کے تحت گماہ لٹجے پر قبضہ کر لینے کو تھا تو انہوں نے باہم صلح کر کے اس کی سپاہ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کے لئے اس وجہ سے بالاتفاق کوہشیش کی تحفیں کر کہیں۔ روزوں ہی کا ملک اس طرح دھپن جاتے ہیں طرح اکبر کے کشمیر و چین لیا تھا یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیا گیا اور تو کیوں کو پاؤ شاہ کی بڑی بیٹی معروف سلیم صاحبہ بہت اعزاز سے اپنے پاس رکھا مگر جب مراد بخش چند مرضیاں بھیج کر پاؤ شاہ حکم کے ماہیں چلا آیا۔ اور سعد اللہ خان مذہب سے بھی وہاں کا بھڑی نظم و ضبط دھڑک کر شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بھیجا جو جلد ہی الاولیٰ مقلدہ جہی کی پہلی صاحبہ کو وہاں پہنچ گیا اور مذہب مراد بخش کے بیٹے عبدالعزیز خان والی تھانہ و سرحد اور انکے سرداروں سے جو نہایت جہم کئے ہوئے تھے خوب ملائیاں ہوئیں اور اورنگ زیب نے وہ جیتی و چالاکی اور براں مروی دکھائی کہ دشمن بھی رنگ ہر گئے چنانچہ ایک روز جب کہ انہوں نے اپنی زبردست کمانوں سے تیروں کا تیرہ برس رکھا تھا قریب کا دل بڑھا لیا اور اپنی نرہ و آٹا رٹوالی اور ڈھال کھول کر یہ تک دی اور کہا آج اس طعنہ افروز کے لئے ایک اور لڑائی میں جب کہ مخالفوں نے نہایت بھانہ کر رکھا تھا سواری سے اتر کر اسی پہنچ کر ادا علیہ کے ساتھ ناز و غرور با جماعت ادا کی کہ جس کی کیفیت سننے سے عبدالعزیز خان کو اس کئے گئے سوچا کہ اور شاہجہاں کے حضور میں حاضر ہو جائی پڑا اور مذہب خان نے بھی اورنگ زیب کی خدمت میں اپنا خط متعلق اطاعت و اخلاص بھیج کر اس کے مورخہ سے اس اور صلح کی درخواست کی جس کو شاہجہاں نے نہایت مقلدہ کی کہ اس وجہ سے قبول کر لیا کہ چار سو روپیہ ایک غریب ہو چکا تھا اور تادمہ کچھ بھی نہ تھا۔ اور اورنگ زیب اسی طرح ملک کو غالی کر کے واپس چلا آیا۔

سلطہ مقلدہ میں ایک شخص ساہوکار بن گیا جو اپنے کو گر شاہ سپہ کی منزل سے یعنی ایرانی نژاد لکھتا تھا، راجہ سہیل فرماں روا کے کشمیر کا جس کو بعض کتابوں میں خاں رسم لفظ کی غلطی سے سہیل لکھا و لا و راجہ میں پڑے سے کہا ہے، ظاہر ہو کر مودہ خدمتوں کے باعث رفتہ رفتہ نہایت صاحب اختیار ہو گیا تھا چنانچہ سلطہ میں جب سہیل کا بیٹا جو برائے نام راجہ تھا مر گیا تو اس کا مقتدر اور مقلدہ وزیر شاہ سہیل جو اس ساہوکار بیٹا تھا سلطان شمس الدین قصب مقرر کر کے خود ہی راجہ بن بیٹھا۔

اس طرح پر چند راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اور دوسرے تیرہ برس تک شمس الدین کی اولاد کے لوگ شہر مکرانی کرتے رہے۔ مگر جب اس سلسلہ کا اخیر بادشاہ حبیب شاہ ابن نازک شاہ کو رو سہیل کے بیٹے کی طرح صرف برائے نام بادشاہ تھا، مقلدہ میں اس کے کشمیری وزیر غازی خان

چک سے بے دخل کر دیا تو سلطنت چکوں کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور فانی خاں کی وفات کے بعد
 براس کے بھائی مبین شاہ اور علی شاہ لاہور میں بیٹ ہوئے۔ شاہجہاں نے ان کو شہنشاہ جلال الدین
 مہاراجہ کی خدمت میں تھمے تھانے بھیج کر انہما را طاعت کرتا رہا اور علی شاہ نے تو یہاں تک تاجپوری انجیل
 کی کہ اکبر کا خط لہور تک بھی جاری کر لیا اور شاہجہاں نے سلیم راجا گیارہ کے لئے اپنی بیٹی کا نور بھی روانہ کیا۔
 جس واقعہ کا ذکر برہنہ شاہ رو کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سید مہاراجہ خاں علی ایک کشمیری
 سردار نے علی شاہ کے بیٹے یوسف شاہ کو کشمیر سے خارج کر دیا اور وہ مرزا سید یوسف خاں مشہدی مرزا
 دہلی خاں کے دربار سے استمداد کے لئے بمقام پنچورہ سکری اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے مرزا
 فاکر اور دامہاں سنگھ دہلی ہر دو کے واسطے روکے تھے تاہم مرزا اور مشہدی میں خلیف مقابلہ کے
 بعد کشمیر پھر اس کے قبضہ میں آ گیا۔ مشہدی میں اکبر نے کابل سے آئے ہوئے جلال آباد سے ایک اچھی مو
 فرمان کے روانہ کیا اس نے فرماں کا استقبال کیا اور جید خاں عرف یعقوب اپنے بیٹے کو بہت سے
 تحفہ تحائف کے ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیج دیا یہ شہزادہ ایک برس تک حاضر رہا اور دہلی گئے پھر آئی کسی
 باعث سے گھبرا کر باہر نکلتے ہوئے چلا گیا۔ اب اکبر کو ملک پر قبضہ کرنے کے لئے غامد بہادر مل گیا اور
 یوسف شاہ کے نام ایک دست فرماں جاری ہوا کہ خود حاضر ہو کر اپنے بیٹے کو حاضر کرے۔ مگر جب قبیل
 میں رجسٹری کہ پہلے ہی سے توقع تھی پہلے بہانے ہوئے تو کشمیر کو فتح بھی دی گئی۔ اور جب
 یوسف شاہ مدد اپنے بیٹے کے براہ میں مصیبت کا باعث ہوا تھا مرزا شاہ رخ اور دامہاں سنگھ
 ان کے شاہی امور ہم کے لشکر میں حاضر ہو گیا تو کشمیریوں نے وہاں ہی آزادی کو قائم رکھنا چاہتے تھے
 اس سے ناواض ہو کر میں چک کو اپنا حاکم بنا کر مقابلہ کی تیاری کر دی۔ مگر یعقوب باپ کو چھوڑ کر
 پھر کشمیر کو بھاگ گیا اور کشمیریوں نے اسے شاہ اسماعیل کا لقب دے کر بادشاہ بنالیا۔ لیکن ایک
 سخت لڑائی کے بعد کشمیری سردار مغلوب ہو کر حاضر ہو گئے اور مشہدی میں اکبر کا سکھ خطبہ پھر جاری
 ہو گیا۔ اور زعفران اور دہلیم اور شکاری ہر سے بطور خراج مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد اگرچہ یوسف
 بادشاہ کی خدمت میں غارت خود حاضر تھا مگر یعقوب اب بھی جی چاہتے الامت نہیں کرنا تھا اس نے
 پھر نوٹ کشی ہوئی وہ اور جس چک کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتے رہے مگر آخر کار جس چک وغیرہ کشمیری
 سردار سب حاضر ہو گئے اور ملک کشمیر ضمیمہ سلطنت مندرجہ مرزا یوسف خاں مشہدی ہو لیا۔ اتنے اور
 دانشمندی میں مشہدی شخص خاصہ دہلی مقرب ہو گیا۔ اور اب کشمیری ایسے مغلوب ہو گئے اور ان کا یہ کوتاہ
 اندیش بادشاہ یعقوب اس حالت کو پہنچ گیا کہ مشہدی میں جب شہنشاہ کشمیر کی سہر کر گیا تو وہاں

چونکہ یہ اُن تمام واقعات سے جو ہندوستان میں گذرے تھے اور اورنگ زیب کی فتوحات اور سلطنت کے دوسرے دعوے داروں کی کامل برابری اور موت سے خوب واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگرچہ شاہجہاں زندہ ہے مگر فی الواقع اُس کے بیٹے کے بادشاہ ہونے کو سب نے مان لیا ہے اس لئے انتقام کے خوف یا جلی طبع اور طبی لالچی کی تحریک سے اس اُمید پر کہ شہنشاہ ہندوستان کے ہاں سے عہدہ ہند تختہ ہاتھ آئیں گے مہار کیا دیکھنے اور خدمت کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کرتے کو اُنہوں نے اپنے اپنے ایچکی روانہ کئے مگر جمع کے بعد یہ پیغام جس قدر کے قابل تھے اورنگ زیب اُس سے بخوبی واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ صرف منزل کے خوف یا مال کی طمع سے ان کو بھجایا ہے۔ لیکن تاہم مناسب طوع پر اُن کا استقبال اور خاطر تواضع عمل میں آئی اور چونکہ اُس روز دار میں نیا خدات خود موجود تھا اس لئے ہر ایک بات کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہوں۔ چنانچہ میں سننے دیکھنا کہ انہوں نے ویرا ہندوستان کی رسم ادب کے موافق کسی قدر فاصلہ سے بادشاہ کو سلام کیا۔ یعنی سر جھکا کر اور تین دفعہ اپنے ہاتھ زمین تک لے جا کر اور پھر بخیاتی تک لا کر تین بار سلام کیا اور اس کے بعد اگرچہ وہ اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ اورنگ زیب خود اُن کے ہاتھ سے فریٹے لے سکتا تھا۔ لیکن یہ رسم ایک امیر کی معریت ادا ہوتی۔ یعنی اُس نے ان سے لے کر کھوئے اور پھر بادشاہ کو دینے۔ اور اُس نے بڑی متانت اور وقار سے پڑھ کر حکم دیا کہ ہر ایک سفیر کو "سراپا" (جس کے معنی ہیں سر سے پاؤں تک کا لباس) عطایت ہو۔ چنانچہ نہ بفت کی ایک ایک تبا اور ایک ایک پٹری اور ایک ایک زدی کا ریشمی پتک عطا ہوا اور اس کے بعد ہر محتلف وہ اپنے اپنے "خان" کی طرف سے لائے تھے پیش ہوئے۔ یعنی نہایت عہد لا جود لٹو کے جتنے سودے کئی صند تھے اور لمبے لمبے بالوں والے کئی اونٹ اور چند نہایت قیمتی حاشے منور گشت۔ یہاں اُن کے "زندہ ناپوسف خان" کی سفارش سے حوائس کی تصویر صاف ہوئی تو انہوں نے بکاتے تھے کنبلی کے اُس کو اپنی پاپوش عطا کی جس کو وہ اپنی پٹری پر باوجود بار میں حاضر ہوا

واما خواز سیر التاخرین و الخوار کثیر و زیور س م س

ملہ کتاب منزل الادویہ میں لکھا ہے کہ کاشغہ واقع ترکستان کا سنگ لاہور و سب سے بہتر ہوتا ہے۔ س م س

شاہجہاں کے لایم اسیری اور عہدہ نگاری

موصورت ترکی گھوڑے اگرچہ وہاں کے گھوڑوں کی زیادہ تعریف اسامت ہی کی ہے، اور کئی اونٹوں کے بوجھ کی مقدار میں تازہ میوے مثل سیب، ناشپاتی، انگور اور سرود وغیرہ ہودی میں اکٹھا اسی ملک سے آئے اور جاڑے بھر بکا کرتے ہیں اور اسی قدر خشک میوے مثل آلو بخارا، خربانی اور کشمش اور دو قسم کے سفید اور سیاہ انگور جو بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ تھے جن کو ملاحظہ فرما کر اور رنگ زیب نے سفیدوں سے فرمایا کہ خان صاحبوں کے ان عقافت سے ہم بہت خوش ہوئے۔ اور میوؤں کی خوبی اور اونٹوں اور گھوڑوں کی عودگی کی بڑے مبالغے سے تعریف کی۔ پھر اُن کے ملک کی نہ خیزی کا کچھ ذکر کر کے سر قند کے در سنا غنم کی بابت چند باتیں پوچھ کر کہا کہ اچھا اب آرام کیجئے۔ اور گاہ گاہ دربار میں آتے رہئے۔ ہم آپ کی ملاقات سے خوش ہوں گے۔ چنانچہ جس طرح ان ایلیچوں کا استقبال وغیرہ ہوا اُس سے یہ بہت خوش اور رضا مند و بار سے رخصت ہوئے اور ہندوستان کے طرز سلام سے ہونی الواقع ایک ذات ہے کچھ رنجیدہ نہ تھے۔ اور اس سے کچھ ناراض تھے کہ خود بادشاہ نے ہمارے ہاتھ سے خریدے کیوں نہ لے اور مجھے یقین تھا کہ اگر اُن سے آنا زمین پوش بھالانے یا اس سے بھی زیادہ کسی اور رسم انکسار کے ادا کرنے کی خواہش کی جاتی تو یہ اُس کو ہمیں بلا غد قبول کر لیتے لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر یہ اپنے ملک کے دستور کے موافق سلام کرنے یا بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے خریدے دینے کی استعداد رکھتے تو یہ منظور بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ رعایتیں صرف ایران ہی کے سفیروں کے ساتھ ملحوظ رہتی تھیں۔

شہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے جس نے لباس اور رسوم و ریاہ وغیرہ میں تالیف مطلب کے لئے بہت کچھ ہندو راجاؤں کا طرز اختیار کر لیا تھا لوگ جس طرح راجاؤں کو نذرت کرتے تھے وہاں کے وقت بھائے سلام کے بادشاہ کو سوجھ کیا جاتا تھا مگر شاہجہاں نے تخت پر بیٹھنے ہی اس کی مانیت کی اور اسے خلی سہ سالہ لڑکے سے اُس کی عوض آداب زمین دوس مقدر ہوا۔ یعنی جب کوئی سلام کو حاضر ہو تو چاہیے کہ بادشاہ کے سامنے دو ہاتھوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اُن کی پشت کو چوم لیا کرے اور سلامت اور عطا اور شاد بخ اور دہ لٹوں کو حکم ہوا کہ صرف سلام کر لیا کریں اور رخصت کے وقت ہاتھ پڑھا دیا کریں مگر چونکہ اس میں بھی سوجھ کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت تھی چند سال بعد اس کو بھی موقوف کر دیا اور اس کے عوض چوتھی فعلیات مقدر کر دی جو ایک مقام خاص سے جن کو آداب کہا جاتا تھا لوگ بلانے تھے۔

ہیں۔ بلکہ اُن کو بھی ہزاروں قسٹ سے اجازت ملتی ہے۔

یہ لوگ چار مہینے سے زیادہ دلہنی میں رہے۔ اور اگرچہ کئی بار چاہا مگر رخصت نہ ملی اور اتنے دنوں تک یہاں رہنا ان کی تھک سستی کے لئے ایسا مضر ہوا کہ یہ اور ان کے اکثر ہمراہی طویل ہو گئے۔ بلکہ کئی شخص قہر بھی گئے۔ مگر بے مشبہت کہ ان کو گری کے باعث جس کے یہ مادی نہ تھے یہ تکلیف ہوئی یا کہ جسم اور لباس کی کثافت اور غوماک کی لذت کے سبب سے کیونکہ اُن تک غالباً تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھ کر نصیب اور خلیل اور کثیف رہنے والے ہیں۔ چنانچہ ہر لوگ اس سفارت میں آئے تھے سب کے سب جو روپیہ خرچہ کے طور پر اور تک زیب کی طرف سے اُن کو ملتا تھا برابر جمع کئے جاتے تھے اور ایسی خست سے گزران کرتے تھے جو کئی طرح بھی اُن کے مناسب حال نہ تھی۔ مگر بایں ہمہ ان کی رخصت کے وقت بڑی دھوم دھام اور دم رسوم کا مل رہا۔ اور جو ایسی ایک ایسے دربار میں تمام اسرار حاضر تھے دونوں لہجوں کو بڑے جلی قیامت سرا پا ملتا ہوا اور حکم ہوا کہ دونوں کے ڈیسے پانچ آٹھ ہزار روپیہ نقد بھی بھیجا جائے اور ان کے آقاؤں کے لئے بھی بہت گراں بہا سراپا یعنی بہت سے عمدہ تھان و زینت کے اور کتنے ہی تھان و زیب اور ملل کے اور چند لالچی ہو ایک ایسا کپڑا ہوتا ہے جو سنہری رو پہلی زری اور شمش لاکر جانا جاتا ہے اور چند قالین اور بڑا تو قبضہ کے دو منجبر انہیں حوالہ کئے گئے۔

لے نا لکیر نامہ اور آثار عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سفر ایک ہی وقت میں نہیں گئے تھے۔ بلکہ پہلے تھان و خان خلع و دربار والی ملے تھے تا مگر چھبیسویں جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۰ کو حاضر ہوا اور شاہی مہر ترک شہر سے باہر استقبال کر کے اُس کو درباری لایا اور خلعت کے علاوہ مرغی اور چند ہزار روپیہ نقد ملتا ہوا تھا اور چکر و دوسرے جہاز اور ناقہ اور نصف کی حالت میں یہاں پہنچا تھا اس لئے جو تھی جو رجب سنہ ۱۰۷۰ کو ایک مرتبہ چھری ہوئے تھے امیروں کو اوزار اس فرض سے ملتا ہوتی تھی کہ اس کے سہارے سے وہاں میں کمرے دہا کر دیں ملتا ہوں اور وہ سونہر کی ایک اشرافی اور اسی وزی کا ایک روپیہ منایت ہوا مگر وہ چند روز بعد یہیں مر گیا۔ اور اُس کے ہمراہیوں کو آٹھ ہزار روپیہ نقد دے کر رخصت کیا گیا تھا اور محلہ غریز خان کا سپہ سالار میں آیا تھا اور اس کا اہل ہمدرد ہوا تھا کہ بادشاہ نے ایک سرواڑا اس کی خاطر فراموش اور مہاں داری کے لئے روانہ کیا تھا اور جب وہ چوتھی رات ہی الثانی سنہ ۱۰۷۰ کو شاہجہاں آباد کے قریب

سفیروں سے میری ملاقات ان کے تیار دہلی کے زمانہ میں میری تین ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور مجھے میرے ایک دوست نے جس کا باپ

ملک اُڈک سے دربار ضلیہ میں اگر بہت دولت مند ہو گیا تھا یہ کہہ کر کہ یہ ایک طیب ہیں ان سے ملا دیا تھا۔ ان ملاقاتوں سے میرا یہ مدعا تھا کہ حتی الامکان اُن کے ملک کے کچھ حالات دریافت کروں مگر وہ اس قدر بے علم اور جاہل نکلے کہ جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا یہاں تک کہ اپنے ملک کی حدود سے بھی واقف نہ تھے اور جن آثار یوں نے چند ہی سال گذرے ملک چین پر غلبہ حاصل کیا تھا اُن کا کچھ بھی حال نہ جانتا تھا۔ غلام یہ کہ اُن سے ایک بھی نئی بات معلوم نہ ہو سکی ایک دفعہ مجھے یہ شوق ہوا کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور چونکہ یہ رسوم مختلف سے چنداں آشنا نہ تھے اس لئے اُن کے شریک طعام ہو جائے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مگر اُن کا کھانا بہت ہی عجیب و غریب نظر آیا یعنی بہتر گھوڑے کے گوشت کے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ مگر بہر حال میں نے اپنے کھانے کا کچھ ڈھنگ نکال لیا۔ کیونکہ دسترخوان ہر ایک تاب میں کچھ گوشت ایسی بکریٹ سے پکا ہوا بھی تھا کہ جس کو میں نے کھانے کے قابل سمجھا اور آداب مجلس کے لحاظ سے اُس کی تعریف بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وہ نہایت ہی خوش ذائقہ غذا تھی۔ کھانا کھاتے میں ایک حرف بھی کسی کے منہ سے نہیں نکالتا تھا اور صبر میرے یہ لطیف مزاج! میزبان جس قدر منہ میں سما سکتا تھا !! ہاتھ سے گھوڑے کا۔

بقیہ ماشاء اللہ گذشتہ۔ پہنچا تھا وہ دوڑے امیر استقبال کر کے دربار میں لائے تھے اور یہ ترکی گھوڑوں اور اونٹوں اور نور چیزوں کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ کی قیمت کا ایک اصل بھی ہمیں لایا تھا اور چونکہ یہ بھی بیارہی آیا تھا اس لئے خلعت اور مرغ خیبر اور آٹھ ہزار روپیہ نقد کے علاوہ ایک مرغ بھی اس کو بھی منایت ہوئی تھی اور رخصت کے روز پھر خلعت اور مرغ مرغ اور تین ہزار روپیہ نقد کے مرمت ہوا تھا اور آٹھ کے دن سے رخصت کے روز تک کل ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اس کو دیا گیا تھا جس معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر میر نے غالباً اپنی یاد کی غلطی سے ان عدول سفیروں کے آئے کہ ڈاکٹر گھبراہ ہے۔ س م م

اسلے اصل کتاب میں لفظ لاکھ لکھا ہے جو زرنگستان میں ایسے سالن کو کہتے ہیں جو کئی قسم کے گوشت کی برٹیاں اور مصالحے لاکھ مختلف تیار کیا جاتا ہے۔ راکٹ،

گوشت شہر سے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ چمپے سے کھانا بالکل جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن اس لطیف غذا سے جب خوب پیٹ بھر گیا تب تو اُن کی زبان کھلی اور خوش اخلاقی طرز پر ہم سے ہدایت لے گئے کہ ازبک سب لوگوں سے زیادہ قوی ہیکل ہیں۔ اور تیر اندازی میں دنیا کی کوئی قوم اُن کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہہ کر اپنے تیر انداز کما میں سنگا یحییٰ عوفی الواقع ہندوستان کی کمانوں اور تیروں کی بہ نسبت بہت لمبی تھیں اور کہا کہ ہم شرط لگاتے ہیں کہ اپنا تیر گھوڑے یا بیل کے جسم سے پار کر سکتے ہیں۔ اور پھر اپنی دیہاتی عورتوں کی خاموشی اور بہادری کی اس قدر تعریف کرنی شروع

کہ افغانستان اور ترکستان کے لوگ چھوٹے چھوٹے واسے بنا کر کھالے کو ایک دہا دیں بچتے ہیں اور چینیوں کے سامان کے کھانا کھالے کا لڑا اہل یورپ سے بہت کچھ مشابہ ہے چھری کاٹنے اور چمپے سے کھانا کھالے کا رمان مہاکب ایسا ہی کبھی نہیں دیکھا اور اب تک بھی اس نے کبھی زیادہ رمان نہیں پایا۔ اور کھالے کے وقت کم نہ لانا آداب طعام میں سمجھا جاتا ہے اور ترکستان میں گھوڑے کے گوشت کا نام رمان ہے۔ چنانچہ میرے دوست مولوی محمد حسین صاحب آغا جنہوں نے ترکستان کی خوب سیر کی ہے اپنے ایک خط میں یوں اقام فرماتے ہیں گھوڑے کا گوشت اس ملک میں عام ہے۔ بالند کے قصائی میں جو بڑا عریض اور لمبی بازار ہوتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ گوشت کی دکانیں اور چمپے دکانوں پر اور دکانوں کے آگے جو گھوڑے ہوتے ہوتے ہیں ان پر چلتے ہوئے ہیں۔ جس گھوڑے پر گھوڑے کی دم چلتی ہے وہ گویا لوند لگا ہوا ہے کیونکہ گھوڑے کا گوشت ہے اور میں نے گائے کی دم چلتی ہے کہ جاز کو گائے کا گوشت ہے جس پر دانت کی دم چلتی ہے پر دانت کا گوشت ہے۔ جب ہم کابل سے بلخ کو روانہ ہوئے تو کئی دکانیں سے ڈالنے والے تھے۔ قاضی سالار کا گھوڑا لکڑی اور انڑی میں بیل بھر سکے تھے ایسے مقاموں میں اگر گھوڑے یا دانت کا بھجنا تو ممکن ہی نہیں گھوڑا چر رہا ہو گیا۔ سامنے بچا ایک گاڑی تھا لوگ وہاں کے تختے ہی چمپے سے گھوڑے اور کچھ دانت کر کے لے گئے اور اپنی انڑیاں جاگرم کیں کیا قب کی بات ہے کہ جس قوم کا ایک صنف گھوڑے کے گوشت کھالے پر ان کی شہی آتا ہے اُن کی قوم کے لوگ جب منقطع کی لڑائی میں سپاہ جرنی نے اُن کے تختگاہ میں کو گھیر لیا اور اہل شہر گھوڑے و لڑائی کے گوشت کھالے پر سمجھ ہوئے تو صلح ہو جاتے کہ اس کی کچھ عرصہ تک بڑے شوق اور مختلف سے گھوڑوں کی لڑائی کے کباب اپنی میزوں پر لگاتے اور اور اتنا عام یورپ کی انہی اور خدائی کی کچھ پر مان نہیں کرتے تھے۔ س م ت

کی کہ گویا میریوں کو بھی اُن کے مقابلہ میں بہت نازک اہام اور ٹرپوک سمجھنا چاہیے۔ اور اُن کی بہادری و فیروہ کے بہت سے نمونے سُنائے۔ چنانچہ خاص طور پر ایک قصہ نے تو ہم کو بھی قہقہے میں ڈال دیا۔ گرافوس ہے کہ میں اُس کو اس آب و تاب کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ میں کے ساتھ آئندوں نے بیان کیا تھا۔ یعنی میں زمانہ میں مانگنے پر اُن لوگوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا اتفاقاً جیپسین تین سو اڑھائی گروہ جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں جاگسا اور گھروں کو لٹنے اور غلام بنانے کے لئے لوگوں کو کھڑے ہاندے لگا کر ایک بڑھیا نے اُن سے کہا کہ بیٹا میری صلاح ازادان حرکتوں سے باز آؤ اور اپنی حیوت چاہتے ہو تو جلد یہاں سے نکل جاؤ وہ میری بیٹی جو باہر گئی ہوئی ہے اور جلد آیا چاہتی ہے۔ تم پر اُن پڑے گی تو تمہارا کیا اور کیا سب باہر ہو جائے گا۔ لیکن اُنھوں نے اُس بھاری نیک دل بڑھیا کی بات یوں ہی نمٹے میں آزادی اور بہت سارے گھروں کو لٹنے اور لوگوں کو کھڑے ہاندے رہے مگر جب لوٹ کے مال سے اپنے گھوڑے اور ٹیڑھا دے دئے اور گاؤں کے بہت سے باشندوں اور خود اس بھاری بڑھیا کو بھی قید کر کے لے چلے تو کوس ٹوڑے کو کس بھی دنگے ہوں گے کہ یہ بڑھیا جو باہر پیچے کو مڑ کر دیکھتی جاتی تھی۔ غرضی سے چلا کر ملی۔ میری بیٹی، میری بیٹی۔ اور اگرچہ وہ ابھی نظر سے اوجھل تھی مگر معمول سے زیادہ

لے لیٹن اس کا اشتقاقی بے ناقی ظہر اس سے ہے جس کے معنی پھٹان کے ہیں اور جس طرح قدیم فارسی اور سنسکرت میں اسم کے پہلے الف لگاتے جاتے اس کے معنی نفی کے ہوتا ہے اس کی طرف اس کے لئے سے ہر بنزلف الف کے ہے اس کے معنی بن چھاتی دانی صورت کے ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یورپ کے شرق میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنی دانتی چھاتی اس فرض سے کاٹ ڈالتی تھیں کہ تیرا عازمی اور نیرہ بازی کر سکتے ہیں کچھ الجھاؤ درجہ اور مردوں کو اپنی صورت میں داخل دوتی تھیں۔ اور اسی قوی اور جنگ ہر تھیں کہ ہمارے کے ساحل مصروف بے گزین ہر ایضاً نے کو چمک میں سرسڑن ندی کے کنارے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور بہت مراد اور قوت و لیلاد سے قرب و جوار کی قوموں کو مسخر اور مغلوب کر رکھا تھا۔ مگر بعض مورخین ان روایتوں کو صرف افسانہ خیال کرتے ہیں۔ بہر حال اس روایت کی وجہ سے فرنگستان میں بہادر اور مردانہ دشمن عورتوں کے لئے یہ لفظ ایک اصطلاح بن گیا ہے۔ جس میں

گردا گردی دیکھ کر گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سن کر اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میری بہادر بی بی بچے اور میرے رفیقوں کو بے رحم دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا لینے کے لئے آپہنچی ہے اور وہ یہ الفاظ کہہ کر چلی تھی کہ وہ لڑکی ایک بہت ہی گھوڑے پر سوار تھی میں کمان ڈالے اور کمر سے ترکش باندھ کر دیکھائی دی اور وہ ہی سے ٹکرائی اگر کمر سب مال دیکھ دو اور قیدیوں کو چھوڑ کر چمکے اپنے مکان کو چلے جاؤ تو میں اب بھی تمہاری جان بخشی کرتی ہوں! گمراہوں نے جس طرح بھاری بڑھیا کی منت و وساعت پر کچھ خیال نہ کیا تھا اُسی طرح اس کی بات پر بھی کچھ توجہ نہ کی۔ لیکن جب اُس نے آن کی آن میں تین چار تیر مار کر اتنے ہی سسپاہیوں کو زمین پر گرا دیا تب تو وہ سخت حیران ہوئے! اور فوراً اپنی کمانیں سنبھال لیں۔ لیکن لڑکی اُن کی زد سے بہت دور تھی اور ہنستی تھی کہ کیا خوب! یہ نامروا اب اپنے رفیقوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ الغرض وہ اس زد سے پہلے ہی اور ایسا شہید نشا نہ لگاتی تھی کہ بچے دیکھ کر یہ خوف زدہ ہندوستانی سوار ہکا بکا رہ گئے اور اس نے آدھے تو قہروں سے مار لئے اور باقی ماندہ پر تلوار پڑ کر اُن پر پی اور سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اورنگ زیب کی علالت | ابھی یہ ہاتھری سفر واپس ہی میں تھے کہ اورنگ زیب ایک ہڈیاں ہوتا تھا۔ اور زبان ایسی اینٹ لگتی تھی کہ بات مشکل سے منہ سے نکلتی تھی طیب نامہ میں جو لکھے تھے اور عموماً یہاں لکھا تھا کہ بادشاہ مر گیا ہے۔ اگر مہیشن آرا بیکم کسی فرض سے اس بات کو چھپانے ہوئے تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ راجہ جیوت سنگھ صوبہ دار گجرات شاہجہاں کو قید سے چھڑانے کے لئے چلا آتا ہے اور اسی ارادہ سے مہا بہت خاں صوبہ دار کابل بھی (جس نے آخر کار اورنگ زیب کی اطاعت قبول کر لی تھی) تین چار ہزار سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا آتا ہے۔ بلکہ ہمد سے بھی آگے نکل آیا ہے۔ اور یہ بھی شہرت تھی کہ اعتبار خاں خواجہ سرا۔ شاہجہاں جس کی حراست میں تھا نہایت جلد قزاقی سے چاہتا ہے کہ اس بڑے بادشاہ کو رہائی دینے کی ناموری بچے حاصل ہو۔

اور سر سلطان محمد معظم کا یہ حال تھا کہ امیروں کو وہ سے دھمکا اور رشوتیں دے کر

شاہجہاں کے اہل ہسٹری اور صدائے گنجینہ

انہی طرف وار پٹانے کے لئے کوشش کر رہا تھا یہاں تک کہ ایک روز رات کو کچھیں بدل کر راجہ جے سنگھ کے مکان پر پہنچی گیا اور نہایت منت و ساجت کے ساتھ اس سے کہا کہ آپ طانیہ طوبہ پر میری جانب وارد ہن جائے اودھر روشن آؤنگیم نے کئی ایک امیروں کے اتفاق سے جن میں رتوپ خاؤ کا افسر اعلیٰ، ندائی خان میراقل بھی تھا یہ بندہ بہت کر رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے دیر سے بیٹے سلطان اکبر کو جس کی عرابھی سات آخری ہریں کی تھی خنت نشیں کرے۔ ہر دونوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہمارا اصل مدعا شاہجہاں کا قید سے چھڑا دینا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف عوام الناس کی تالیف طلوب کے لئے ایک بہانہ تھا اور یہ بھی مرض تھی کہ اگر بالفرض اعتبار خاں یا اور امیروں کی شخصی سازش سے وہ چھوٹ جائے تو لوگوں کی نظریں ہمارى بات نہی رہے حالانکہ جتنے ذی رحمہ اور مقتدر لوگ تھے۔ شاہجہاں کا دوبارہ خنت نشیں ہو ناول سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ بجز موت سنگھ اور جاہت خاں اور بعض اور امیروں کے جو طانیہ شاہجہاں کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہوئے تھے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اس بے چارے حق دار بادشاہ کو چھوڑ کر تنگ عرابی سے کھلم کھلا اور گتے بکا سا تھی زمین گیا ہو اس لئے یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ اس کا قید سے نکل جانا گویا ایک۔ بھڑے جوئے شیر کا پھوٹ جانا ہے۔ اور اس کی رہائی کے اندیشے سے تمام اہل دربار ہل سائیں ہو رہے تھے اور سب سے زیادہ اعتبار خاں اور رہا تھا جو اس بیچارے پر نصیب قیدی بادشاہ سے بے وجہ بڑی سختیوں اور گستاخیوں سے پیش آتا رہا تھا۔ لیکن اورنگ زیب اور جو دشمنی مرض کے باپ کی نگہبانی اور سلطنت کے کام کی طرف سے غافل نہ تھا۔ اور اگرچہ سلطان معظم کو اس کی تاکیدی ہایت اور نصیحت بھی تھی کہ اگر میں مرحلوں تو شاہجہاں کو قید سے چھڑو دینا مگر اشار خاں کو جو فرمان پر فرمان کھواتا رہا اُن میں برابر یہ تاکید تھی کہ خوبوار اپنے کام میں سختی اور غفلت نہ کرنا اور بیمار ہونے سے پانچویں روز صہب کہ مرض نہایت شدت پر تھا اس نے کہا کہ ہم کو دربار میں لے چلو جس سے یہ مرض تھی کہ بعض لوگوں کو جو اس کے سر جانے کا گمان ہو گیا تھا وہ جاتا رہے اور کوئی عام شورش یا ایما و اتدہ جس سے شاہجہاں قید سے نکل جائے ہوئے نہ پائے۔ چنانچہ انھیں خیالات سے ساتویں اور نویں اور دسویں دن بھی دربار میں آتا رہا اور نہایت قہمب کی بات تو یہ ہے کہ تیرہویں روز اگرچہ

اتنی دیر تک فٹش میں رہا کہ موتا اُس کا مرعہ نامشہور ہو گیا مگر تاہم ہوں ہی دوا اخاذ ہوا تو باہر آ یا اور راجہ جے سنگھ اور دو جن اور بڑے بڑے امیروں کو بلا بھیجا تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ وہ زندہ اور سلامت ہے اور خدمت گاروں سے فرما کر ہم کو پٹنگ پر نوا ہٹھاؤ اور اقبال خاں کے نام کچھ کھینے کے لئے کاغذ اور قلم دان سنگا یا اور سلطنت کی بڑی مہر جو ایک چھوٹی سی تھیلی میں جس پر بادشاہ کی دستخطی مہر لگی ہوتی روشن آما بیگم کے سپرد راجہ تھی ایک خاص آدمی کے ہاتھ سنگھار بھی جس سے یہ امتحان منظور تھا کہ بیگم نے اپنی کسی ناجائز غرض کے لئے اُسے استعمال تو نہیں کیا۔ چنانچہ جس وقت میرے آٹالے یہ سب خبریں سنیں تو میں نے دیکھا کہ اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

”واہ واہ کیا استقلال! طبع اور کیا حوصلہ ہے اورنگ زیب خدا تجھے سلامت

رکھے تجھے ابھی بڑے بڑے کام کر لئے ہیں۔ اور یقیناً ابھی تیری زندگی باقی ہے۔“

اور نئی الحقیقت اس حالت کے بعد اُس کی صحت میں رفتہ رفتہ ترقی ہونے لگی۔

داراشکوہ کی بیٹی سے سلطان اکبر کے شہسوار کی تحویز | اب چونکہ اورنگ زیب کی طبیعت روز بروز امتثال پر آتی جاتی تھی

اُس کی یہ مرضی ہوئی کہ داراشکوہ کی بیٹی کو شاہجہاں اور بیگم صاحب کے پاس سے بلوا کر سلطان اکبر سے جس کی نسبت ولی عہد بنائے جائے گا احتمال ہے اُس کی شادی کیسے جس سے اُس کی ولی عہدی کو تقویت ہونے کی امید تھی۔ کیونکہ یہ شاہزادہ اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن بہت سے مقتدا مرا اُس کے قرائقی ہیں اور نواز خاں دشا ہنواز خاں صفی کے نواسہ ہونے کی وجہ سے ایسے خاندان سے ملا تو رکشا ہے جو کسی زمانہ میں سقوط کے بادشاہ تھے۔ اور محمد سلطان اور محمد معظم کی ماتحتی صرف راجاؤں کی بیٹیاں ہیں۔

اگرچہ بادشاہان ہندوستان ہیں مگر ہندوؤں کے اس شادی کر لینے میں ان کو کچھ حائل نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ کوئی ایسا رشتہ اور سلطنت کے لئے مفید معلوم ہو اور خواہجہوت ہو ہی بھی ہاتھ آئے۔ لیکن درنگ یہ کیا یہ منصوبہ چل نہ سکا کیونکہ شاہجہاں اور بیگم صاحب نے بڑی نفرت کے ساتھ اس سے انکار کیا بلکہ خود اس کو عرشہزادی نے بھی

لے لیجئے کھنا جا چکا ہے کہ ان دونوں کی مائیں بطورہ طائفہ نہ تھیں بلکہ ایک ہی راقی یعنی نواب کی بیٹی تھیں اور محمد اکبر کی خیمیاں کا اٹالہ اس مسئلہ کی مثل سے ہر نا بھی جیسا کہ ہم پہلے ایک طائفہ میں کہنے میں بھی نہیں جس میں

شاہجہاں کے الام امیری اور عہدہ نگاری

منہایت بیزارمی ظاہر کی اور بھاری مدت تک اس خیال سے کہ کہیں اُسے زبردستی نہ ملے
جائیں منہایت تردد اور بے قراری کی حالت میں رہی اور علانیہ کتنی رہی کہ
"جان دیدوں گی! مگر اُس شخص کے بیٹے سے خدایٰ ذکر دل گی جس نے میرے
باپ کو مارا ہے۔"

اورنگ زیب کی شاہجہاں سے بغض جو اہل بیت کی طلبی اور اُس کا سختی سے انکار
اسی طرح اورنگ زیب شاہجہاں سے بغض
خاص جو اہل بیت کے حاصل کرہے ہیں بھی
کا سیاب نہ ہوا جن کو وہ اُس مشہور و معروف
(حضرت طائوس) میں لگانا چاہتا تھا جس کو دیکھ کر ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے۔ قیدی
بادشاہ نے منہایت فخر سے یہ کہلا بھیجا کہ اورنگ زیب وانا فی ادا انصاف سے سلطنت
کا کام کرتا رہے مگر حضرت کے معاملہ میں دخل نہ دے۔ اور جو اہل بیت کی بات اگر مجھے پھر
ستائیں گے تو خروار ان پتھروں کو کوٹ کر چھڑا کر دوں گا۔

ڈچوں کے سفیر کی بار بار اپنی آفر کارڈوں نے بھی اورنگ زیب کو حضرت نشینی کی مبارکباد
دینے میں پیچھے رہنا نہ چاہا اور سفیر بھیجے کا امداد کیا اور
اس کام کے لئے اپنے ریکن کو تھوڑا کیا۔ جو اُن کی سورت کی کوٹھی کا کار چھوڑا اور اعلیٰ اور بہت
متنوع اور ذی لیاقت اور سلیم الرائے شخص تھا۔ اور چونکہ اُس کی یہ عادت تھی کہ
تہرہ کار لوگوں کی ساتھی اور خدمت پر چلنے میں اُس کو کبھی انکار نہ ہوتا تھا اس لئے یہ کچھ
تعب کی بات نہیں ہے کہ اُس نے اس کام کو اپنے ہم وطنوں کے قابل انجام دلیہ اور گمنام
اگرچہ وہ بار کے ضابطوں اور دستور میں ہیں ہمیشہ بڑی کروڑاہ شان و شوکت دکھاتا ہے۔
اور اپنی دینی داری کا اظہار بھی بہت کرتا ہے اور اس نے عساکروں کو دوا مختارہ کی نظر
سے دیکھا ہے تاہم اس سفیر کے ساتھ وہ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آیا۔ بلکہ یہ
فرمایا کہ ہماری زوجہ بھی ہے کہ مشراٹھ ریکن اول ہندوستان کے دستور کے موافق آداب
بجلائے یعنی آداب گاہ پوٹیلیات ادا کرے اور پھر نزد یک آکر خاص اپنے ملک کی رسم
کے موافق سلام کرے اور اگرچہ سچ ہے کہ جو شرائط مشراٹھ ریکن نے کرنا مزہا تھا اورنگ زیب
نے وہ ایک امیر کی وساطت سے لیا تھا اس کو کچھ توہن کی علامت سمجھنا نہیں چاہیے۔

کے نگر ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوا تھا۔ ان اجنبی کی رسوم کے طے ہونے کے بعد سترائے دکن کو اپنے تحائف پیش کرنے کا حکم ہوا اور اس کو اور اس کے چند بچے رچن ہراجاں کو زبردستی کے "سراپا" پہناے گئے۔ چنانچہ جملہ اُن تحائف کے کچھ تو سُرخ اور سبز رنگ کی عمدہ بانسات کے تھان تھے اور کچھ بڑے بڑے آئینے اور کچھ ہین اور جاپان کی بنی ہوئی عمدہ چیزیں جن میں ایک لاکھ اور تخت، دایاں نہایت ہی فراموش رفت تھا جو بہت ہی پسند کیا گیا۔

شاہانِ مغلیہ کی یہ عادت ہے کہ فیروں کے سفیروں کو جہاں تک ممکن ہوتا ہے اس فرض سے ٹھیرائے رکھتے ہیں کہ اُن کا دربار میں حاضر رہنا اور آداب و تعلیم بجالانا سلطنت کی شان و شوکت کا باعث ہے۔ پس انڈیئین بھی جس جلدی کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا وہ سکا۔ اگرچہ تاجپوری سفیروں کی نسبت اُس کو بہت جلد رخصت حاصل ہو گئی یعنی وہ اُس کا سرکاری دلی ہی میں چل بسا اور کئی اور شخص بھی ہمارے ہو گئے تو اورنگ زیب نے اُس کو رخصت کر دیا اور زبردستی کا ایک "سراپا" اُس کو اور اُس سے بھی زیادہ قیمت کا "سراپا" اور جڑاؤ خضر اور مہربانی آمیز ایک شہد چھوڑ دیا۔ گورنر کے لئے منایت ہوا۔

سفیر کے بیٹے ڈچل کی اصل فرض یہ تھی کہ دربار میں رسائی پیدا کر کے بادشاہ کا انتظام حاصل کریں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے حال سے اُس کو کسی قدر مطلع کریں

لے ظاہر یہ صرف مصنف کا قیاس معلوم ہوتا ہے ورنہ شاہِ ایشیا کی دم کے موافق جان کا زیادہ وہ تکثیر انانوشی غلطی کی نظر سے ہوتا ہے۔ س م ح

لے بیڑا ملکِ ایلینڈ کا قدیم نام ہے اور لفظ لٹی سے مشتق ہے جو ایک چھوٹی سی قوم تھی جو برصغیر کے اُن ضلعوں میں رہتی تھی جو زمانہ حال میں اس کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قوم سندھو سے ایک سو برس پہلے وہاں سے اٹھ کر ایلینڈ میں آئی تھی اور اس کی وجہ سے پہلے زمانہ میں ایلینڈ کا نام بیڑا مشہور ہو گیا تھا۔ مگر جس بیڑا کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ جزیرہ حارہ میں کوئی پچاس ہزار آدمی کی آبادی کا ایک مشہور اور بڑوں کے عقیدہ سے کامدار حکومت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے ملک کی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھ دیا ہے۔ انظر از جام جم۔ س م ح

شاہجہاں کے ایام امیری اور عہد اوزنگنہ

بعد کا پہلا اور دوسرا مقامات کے حاکموں اور عاملوں کے دل پر جہاں اُن کی تہذیبی کو شہسباز
تھیں اُن کے بارے میں اچھا اثر پیدا ہوا اور اُن کو امید تھی کہ یہ لوگ یہ معلوم کر کے کہ وہ بھی
ایک زبردست سلطنت کی رعایا ہیں اور بادشاہ تک رسائی رکھتے اور خود اُس کی خدمت میں
اپنا مرض حال کر کے انصاف حاصل کر سکتے ہیں ہماری عقائد مذکور کیا کریں گے اور تجارت
میں غفلت انداز ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں سے اہل دربار کو اس بات کے یقین دلانے میں کہ
ہمارے تہذیب سے ہندوستان کو بہت بڑا فائدہ ہے بہت کوشش کی اور بہت سی ضحییٰ
ہو وہ یہاں سے ہریہ تے تھے اُن کی ایک بڑی بی بی چڑھی نہرست اس مرض سے دکھلاتے
تھے کہ اُن کے نوین نشین ہر جانے کہ اُن حضوں کے خریدنے کے لئے وہ بہت سا سامان جاری
اپنے ملک سے یہاں لاتے ہیں۔ مگر اس بات کو ظاہر کیا نہیں جانتے تھے کہ سال بہ سال
ٹانبا۔ سیبا۔ دارچینی۔ لونگ۔ جابلعل۔ کالی مرچیں۔ عود اور دانی وغیرہ بیچ کر کس قدر دولت
کینچے جاتے ہیں۔

اصولِ جہانِ نبانی پر اوزنگنہ کی تقریر انھیں دہوں ایک بڑے امیر نے اوزنگنہ کی

صفت فرماتے ہیں اس سے اندیشہ ہے کہ صحتِ جہانی بلکہ توانے دماغی کو ضعف پہنچے
جس کو سن کر بادشاہ نے اس مقلندہ تاجدار کی طرف سے تو منہ پھیر لیا گویا سنا ہی
نہیں اور فوراً ٹھیکر کر ایک اور بہت بڑے امیر کی طرف جو نہایت دانا اور ذی علم تھا
متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس کی یہ تقریر غلط اس امیر کے بیٹے نے جو ایک نوجوان حبیب
اور میراثی دوست تھا مجھ سے نقل کی تھی کہ آپ تمام اہل علم اس باب میں متعلق
الرائے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانے میں بادشاہ کو جان پرکھوں میں پڑ جانا اور
مزدوریت کے وقت رعایا کی ہتھیری کے لئے جو خدا نے اُس کے سپرد کی ہے تلوار پکڑ کر میدان
جنگ میں جان دے دینا فرضِ دوا ہے۔ مگر اس کے برعکس یہ نیک اور با شہر شخص
ہے چاہتا ہے کہ رعایا کے آرام و آسائش کے لئے مجھے ذرا بھی تکلیف ڈالنا چاہیے
اور بغیر اس کے کہ اُن کی دماغ و دلالت کی تدبیروں کے سوچنے میں مجھے ایک رات
بھی بے آرام رہنا پڑے یا ایک دن بھی بے یقینی و مشرت اور لہو و لب کے ہسر ہو یہ
دعاویوں ہی حاصل ہو جائے اور اس کی یہ داسے ہے کہ میں صرف اپنی تندرستی کو

مقدم جائز اور زیادہ ترقیش و عشرت اور آرام و آسائش میں مصروف رہوں اور اس کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے سپرد نہ کر دوں۔
 بیٹوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے شاہی خاندان میں پیدا کر کے حونت پر بٹھایا ہے تو دنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں، بلکہ اہلِ اہل کے آرام کے لئے محنت کوٹا مجھ پر نازل کیا گیا ہے پس میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسائش کی فکر کروں البتہ انھیں کے رفاد کی غرض سے جس قدر آرام لینا ضروری ہے اس کا مضائقہ نہیں اور سمجھنا اس حالت کے کہ انصاف و عدالت اس کی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قائم رکھنے یا ملک کی حفاظت کے لئے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسائش کا نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے اور رعیت کی آسائش و بہبود ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی نگہ بھری جانی چاہیے۔
 مگر یہ شخص اس بات کی وجہ کو نہیں پہنچا کہ اس آرام سے جو یہ میرے لئے تجویز کرتا ہے کیا کیا قربانیاں پیدا ہوں گی اور یہ بھی اس کو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دینا کبھی بھری بات ہے۔ اور سعدی نے بھی یہ کہا ہے کہ

پادشاہوں کو چاہیے کہ ذاتِ خود کار و بار سلطنت کا بوجھ اپنے اوپر

لیں ورنہ بہتر ہے کہ پادشاہ کہلانا چھوڑ دیں۔

تو کیا اس بزرگ کا یہ قول لغو ہے؟ لیکن اپنے اس دوست سے کہہ دیجئے کہ اگر ہم سے تحقیق و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر کام اس کے سپرد ہے اس کو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے شہنے کے لائق نہیں ہے پھر کبھی نہ دے اور انھیں ہے کہ تن پروری اور آرامِ ظہری اور ایسے خیالات سے جو دوسروں کے صلاح و بہبود کے ٹکڑے و ترو و دیں آدمی کو گھٹا ڈالتے ہیں۔ بچنے کی خواہش انسان کی طبیعت اور جبلتی کمزوری ہے لیکن ایسے نفع و صلاح کاروں کی ہم کو حاجت نہیں بیش و آرام کے مشورے تو جاری بلکیں بھی دے سکتی ہیں۔

انہیں دلائل میں ایک ایسا انصاف مناک و تعدیلی
 ایک خواجہ سرا کے عشق کا واقعہ میں ہوا کہ جس کا تمام شہر اور ہاں نصرتِ شاہی
 محل سرا میں بہت ہر چاہتا تھا اور جس سے میری اور لوگوں کی اس رائے کی کہ جو شخص

روحیت سے محروم کر دیا جائے اُس کو تعلق نہیں ہو سکتا۔ ناطقیت ثابت ہو گئی۔ یعنی پیدا ہونے والی ایک ذی رحم خواجہ سرا نے ایک مکان بنایا تھا جہاں تفریح خاطر کے لئے کبھی کبھی جاتا اور بعض اوقات رات کو وہیں سو بھی رہتا تھا اور اُس کے ہمسایہ میں ایک ہندو کا گھر تھا جو ورائیٹری وغیرہ کام کیا کرتا تھا۔ یہ خواجہ سرا اس کی بہن پر جو بہت غرضیت تھی عاشق ہو گیا اور اگرچہ کچھ عرصہ تک ان کا باہم ناجائز تعلق رہا مگر کسی کو کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ یہ خواجہ سرا اور زنانہ میں آنے جانے سے غوروں کو کوئی بھی نہیں روکتا۔ مگر آخر کار ان کا تعلق پہلوں تک بڑھ گیا کہ اُس ہندو کو بھی اس قسم کی خبریں پہنچ گئیں کہ لوگ اُس کی بہن کی پاک دامنی کی مذمت کرتے ہیں اور اُس نے غصہ میں آکر اپنے دل میں یہ نشان لپی کر اگر یہ سچ ہے تو دونوں کو لڑواؤں گا چنانچہ کچھ زیادہ عرصہ نہ لگا کہ ایک رات کو یہ دونوں اکٹھے سوتے دیکھ لئے گئے۔ پس اس نے دیکھا رخاں کو تو چھاتی میں خمیرا کر مار ڈالا اور بہن کو بھی ایسا زخمی کیا کہ اُس کی دانت میں مری چکی تھی اور اس واردات سے محل سرا نے شاہی میں نہایت جھک کر اور شورو شرع مچا ہوا۔ اور خواجہ سراؤں اور محل کی عورتوں نے باہم ایک کر لیا کہ جس طرح نے اس شخص کو قتل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اور گنگ زہب جو اس ہندو کے مسلمان ہو جائے کہ اس کے اس گناہ کا کافی کفارہ خیال کرتا تھا اگر خواجہ سراؤں کے پیشروہ خود شہ پر ناراض نہ ہو جاتا تو اس کا بہنا مشکل تھا مگر اس پر بھی لوگوں کی رائے ممبرا یہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی عداوت اور ان کے زور و اثر کی وجہ سے یہ بے پاک شخص سلامت ذرہ بچ گیا۔

ہندوستانوں کا یہ خیال ہے کہ اگرچہ نصی کر دینے سے جائز فریب اور سیدھا ہو جاتا ہے مگر آدمی پراس محل کا اثر برعکس ہوتا ہے اور ان کا قول ہے کہ کیا کوئی خواجہ سرا ایسا بھی ہے جو شہرہ اور مغرور اور بے رحم نہ ہو؟ حالانکہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں بہت سے دغا دار اور فحاش اور شجاعت بھی ہوتے ہیں۔ انہیں دونوں اور گنگ زہب کو روشن آراہنگ پر دونا محرم شخصوں کو محل میں بلانے لئے معتمد یا مددگار اس قدر قابلیت کے خدا جانتے ہیں کہ کھیلے۔ حالانکہ سیدھی راستہ ہے کہ اس کے خوب بنائے میں کوئی کسر نہ گنتی ہوگی۔ س م ت

کا شہر ہوا اور وہ بہت ناماں ہوا مگر چونکہ شہر ہی تھا اس لئے بھارتی بہن میں جلد صفائی چڑھ گئی اور اورنگ زیب ان دولاں آدمیوں کے ساتھ اس بے رحمی سے بھی پیش نہیں آیا جو شاہجہاں نے اس مہجنت گرفتار مشن سے برہنہ تھی جو مقام کی دنگ میں جا چھپا تھا میں اس قصہ کو ٹھیک اسی طرح ہر کہ جس طرح ایک دو تلی پڑتگین بڑھیا لے جو بہت دے سے لوندلیوں کے طور پر عمل میں خدمت کرتی اور باہر آئے جاتے کی بھی مجاز تھی جیسے سنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

روشن آدابیک نے ان میں سے اول تو ایک بھان کو کئی دن تک اپنے پاس چھپاتے رکھ کر حفظ صحت حاصل کیا۔ اور بعد ازاں بعض اپنی خدمت نگار عورتوں کو جنہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم رات کی تاریکی میں اس کو قتل سے باہر کر دیں گے سپرد کر دیا۔ مگر باقران عورتوں کو ایسا کرنے پر تے کسی نے دیکھ لیا بارہ خود ہی انڈائے ماز کے اندیشے ڈر گئیں یا کچھ اور سبب ہوا۔ لیکن غلام یہ ہے کہ وہ تو اس کو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اور یہ خوف زدہ و جوان عمل کے باقران میں اکیلا اور حیران بھرتا ہوا پکڑا گیا اور عمل کے پاس بان وغیرہ اس کو کشاں کشاں اور نگ زیب کے مقصود میں لے گئے چونکہ بادشاہ بہت ہی پریش اور تفتیش کے اس نے کسی جرم کے ارتکاب کا اقرار نہ کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں پلار ہم سے کوہرا امد آ گیا تھا اس لئے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہ شخص یہاں تک آیا ہے اس کو چاہیے کہ اسی طرح سے باہر نکل جائے۔ لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے حکم سے غالباً خفا و زکر کے اس کو دہار سے نیچے گرا دیا اور وہ سرانض میں اسی طرح باغ میں اور حراؤں میں بھرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اس نے ظاہر کیا کہ میں دروازے کے راستے سے آیا ہوں جس پر بادشاہ نے اس کو تو اسی راستے سے باہر نکلوا دیا مگر خواجہ سراؤں کو میراثا سخت سزا دینے کا سہم ارادہ کیا کیونکہ نہ صرف خطی ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت کے لئے بھی عمل سرا کی موہڑی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا۔

اس واقعہ سے چند ہی دن بعد قرمٹا ایک ہی دستہ مکہ میں بصرہ اور حبش کے المچیل کی آمد میں پانچ الچی دلی میں آئے۔ چنانچہ ان میں سے ہر سب سے پہلے آیا وہ شریف مکہ کی طرف سے تھا اور دھرتانف وہ لایا تھا ان میں

چند عربی گھوڑے اور ایک بھارو تھی جو اُس مسجد کے بھاڑنے، بہانے کے کام میں آچسکی تھی جو اُس مشہور و معروف مسجد کے وسط میں بنا ہوا ہے جو کہ میں ہے اور جس کی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور اُس کو بیت اللہ یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ سب سے پہلا مکان ہے جو خدا نے برحق کی عبادت کے واسطے مخصوص کیا گیا تھا اور اس کو حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا۔ دوسرا ایلمپی بادشاہ یمن نے بھیجا تھا۔ اور تیسرا بصرہ کے پرنس نے اور یہ دونوں بطور تحفہ عربی گھوڑے لائے تھے اور باقی دو سفیر شاہ خور پادشہ کے تھے۔ ان میں سے پہلے تین سفیروں کی خاطر تواضع اس قدر کم ہوئی جو بہتر نہ دے سکے تھی۔ کیونکہ اُن کا ساز و سامان ایسا حقیر تھا کہ ہر ایک شخص یہ خیال کرتا تھا کہ اُن کا آقا صرف اس فرض سے ہے کہ جو تحفے وہ لائے تھے اُن کی اور نیز اُن بہت سے گھوڑوں اور تہذیبی خصلتوں کی عوض جو اپنا ذاتی اسباب بنا کر بلا ادائے محصول ساتھ لے آئے تھے بہت مال روپیہ کما کئے جاتیں۔ چنانچہ فی الواقع جو وہ یہ اُن کے تحائف کی عوض میں اور سوداگری مال و اسباب کے فروخت سے حاصل ہوا تھا اُس سے انھوں نے یہاں کی تجارتی مصلحتیں خریدیں اور بلا ادائے محصول اُن کو اپنے ساتھ لے جائے گا استعناقی ظاہر کیا۔ مگر شاہ حبشی کی طرف سے جو ایلمپی آئے تھے اُن کا حال کسی قدر توجہ طلب ہے۔ ان سفیروں کے آنے کا یہ سبب تھا کہ جو انقلاب سلطنت یہاں قدح میں آیا تھا شاہ حبشی کو اُس کی تفصیلی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اُس کو یہ خواہش ہوئی کہ اپنے اقتدار اور شان و عظمت کے موافق سفارت بھیج کر اس وسیع سلطنت میں اپنی ناموری کی دھاک بٹھائے۔ لیکن بد گمان لوگوں کا یہ قول تھا اور فی الواقع سچ بھی تھا کہ سفیروں کے بھیجنے سے صرف وہ قیمتی تحائف اس حبشی کے مد نظر تھے جن کے

لے عالمگیر نامہ میں اس کا نام حسین پاشا لکھا ہے جو اول ترکی کی طرف سے بعروہ حاکم تھا اور پھر سلطان کی نادرنگی کی وجہ سے اورنگ زیب کا آن کر دکر بھجوا گیا تھا۔ ص۔ م۔ ۱۷۵۰

اورنگ زیب کے نیا ضابطوں سے حاصل ہونے کی قطعی امید تھی۔ اور جو ایسی اس نے
 بیجے تھے فی الواقع اس کے وہ بامیں بہت معزز و ممتاز اور ان بڑے بڑے مقامات کے
 حاصل کرنے کے قابل تھے جو اس کے مد نظر تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک ایسی تو ایک
 مسلمان سوداگر تھا جو چند سال ہوئے جب کہ میں بکرا احمد کے راستے سے ہندوستان میں
 آیا تھا وہاں بمسکو ملا تھا اور اس کے عظیم الشان آقا تھے۔ بہت سے غلام دے کر
 اس غرض سے بھیجا تھا کہ ان کو بچ کر اس روپیہ سے جو ہاتھ آئے ہندوستانی مال و
 اسباب خرید لائے۔ واہ عیسائی ہو کر یہ نامور افریقی بادشاہ کیا معرہ تجارت کرتا ہے۔
 اور دو سال ایک عیسائی ازمنی سوداگر تھا جو حلب میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے شادی
 بھی کر لی تھی اور اتھوڑ گیا میں اس کا نام مراد مشہور تھا۔ اور تھا میں اس سے بھی سپہری
 ملاقات ہوئی تھی اور اس نے نہ صرف اپنا نصف مکان میرے لئے خالی کر دیا تھا بلکہ وہ
 صلاح بھی اسی لئے دی تھی جس کی بنا پر میں نے حبش کو جانا تھوڑی کر دیا تھا جس کا ذکر
 میں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور یہ بھی اسی مذکورہ بالا غرض سے
 وہاں بھیجا ہوا آیا تھا۔ یہ شخص ہر سال تھا میں شاہ اتھوڑ کی طرف سے انگریزوں اور چوں
 کی کنبہوں کے لئے جو ہندوستان میں تجارت کرتی ہیں تحفہ چیزیں لاتا اور ان کی دہی
 ہوتی اسٹیل۔ اپنے بادشاہ کے لئے گزٹلے جاتا ہے۔ چونکہ یہ بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ
 اس کے سفیر ایسی خان و شوکت کے ساتھ جائیں جو اس موقع کے لائق ہو۔ پس
 اس نے ان کے اخراجات کے لئے بڑی ہی نیا ضعی خواہ رکھی۔ یعنی دو وزن کو جس میں
 ہوان لونڈیاں اور غلام معایت کئے کہ ان کو نمایاں پہنچ کر ہو وہ یہ اس مبارک تدبیر
 سے ہاتھ آئے اس کو معاملات سفارت میں خرچ کریں۔ واہ واہ کتنی بڑی نیا ضعی ہے
 کیوں کہ نمایاں ہوان لونڈی غلام بمساب او سٹل بکھیں یا تیں کراؤن قیمت پاتا ہے۔ ان
 کے علاوہ نہایت ہی چھانٹ کر بکھیں غلام خاص اورنگ زیب کے لئے بھیجے تھے جن میں
 لے اس کو ہم عالمگیر امر میں مدد کی گئی تھی اور دوسرے شخص اس کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ م م م
 تھے چونکہ ایک کراؤن پانچ شلنگ کا رہتا ہے جو انگلستان کا ایک چاندی کا سکہ اور ہندوستان کی
 اس رت کی اشٹل کے برابر ہے۔ میں اس حساب سے ان غلاموں کو قریب دو سو تھوڑے تھوڑے قیمت
 کا سمجھنا چاہئے۔ م م م

شاہجہاں کے انعام امیری اور عبادت گاہوں

لایا دس بہت کم بہن اور خوج بنانے کے قابل تھے۔ وہ کیا کہنا ہے ایک عیسائی بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کے لئے کیا ہی مناسب تحفہ بھیجا تھا؛ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گڑا تھو پیا میں مذہب عیسوی کی کیا حالت ہے۔ ان کے علاوہ شہنشاہ محل کے لئے چندہ جیٹی گھوڑے جو عربی گھوڑوں کے برابر رکھے جاتے ہیں اور چھوٹی قسم کا ایک ٹخمر جس کی کھال میں نے بھی دیکھی تھی جو ایسی خوبصورت تھی کہ کسی مشر کے بھی ایسے خط وخال نہیں ہوتے اور نہ ہندوستان کے کسی الہ پتھر میں جو ایک قسم کا دیشی کپڑا ہوتا ہے ایسی خوش نما اور طرح طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور ہاتھی کے دو دانت جو معمول سے زیادہ اچھے ہوتے اور بھاری تھے کہ ایک مضبوط شخص اُن میں سے ایک کو زمین سے بمشکل اٹھا سکتا تھا اور بیل کا ایک بہت بڑا سینک جس میں سیٹھیٹ بھری ہوئی تھی اور جس کا قطر منہ کی طرف سے نصف فٹ فرانیسی سے زیادہ میرے ناپنے میں آیا تھا ان سفیروں کو سپرد ہوئے تھے۔

یہ دوڑوں ایلچی جب اپنے شام نہ اور نیا ضاد طود پر ساندہ سامان سے وُرمست کئے جا کر گونڈا رے ہو ملک حبش کا پائے تخت اور صوبہ دیہیا میں ہے سواد کئے گئے تو اُن کو ایک دیران ملک میں سے گذرنا پڑا۔ اور پہلوں تک پہنچنے میں جو باب المندب کے قریب تھا کے مقابل ایک فیر آباد بندر گاہ ہے دو پہنچنے لگے۔ ان لوگوں کے کاروں کے مقرب راستے سے جو چالیس روزیں با ساقی لے ہو جاتا ہے آرکیکو کو جاتے کی جرات د کرنے کا یہ باعث تھا کہ آرکیکو سے جزیرہ مصر کو جانا پڑتا ہے۔ جہاں سلطنت ترکی کی کچھ فوج رہتی ہے۔ جب کہ یہ لوگ بھرا مرسے عبور کرنے کی خاطر تھا کہ جانے والے جہاز کے انتظار میں پہلوں میں ٹھہرے ہوئے تھے اشیائے مایحتاج کے موجود نہ ہونے سے بہت تکلیف میں رہے اور کئی غلام مر گئے اور اس کے سوا تھا میں پہنچنے پر یہ معلوم ہوا کہ اب کی دفعہ محروسے بہت کثرت سے آتے ہیں اور اس لئے جو لوٹیاں لے جانے زبردست راہ ہے جو چھوٹے ٹر جیسا ہوتا ہے اور جس کی کمال نہایت خوبصورت دھاری دار ہوتی ہے موٹا اترتے سے سادہ کیا جاتا ہے۔

لے سو جہت مشک وغیرہ خوشبودار عراقی مادوں کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر محروسے کے ساتھ اس خوشبودار مادہ ملازمی چیز کہتے ہیں جو مشک بالائی دھک کے نیچے ایک تھیلی میں چڑی کے طہ کی ہوتی ہے راجہ اناراد گونڈر و کٹوری

نظام باقی رہ گئے تھے وہ بھی کم قیمت پر بیچے پڑے۔ بہر حال جب لٹری نظام کب چکے تو انہوں نے اپنا سفر شروع کیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہو کر جو سورت کو آتا تھا۔ یہاں سے وہیں کے عربوں میں جو اس سفر کے لئے چنداں زیادہ دیتا خزانہ تصور ہو رہا تھا۔ مگر بہت سے گھوڑے اور کئی ایک نظام خاں کافی غوراکھ دہلے سے مر گئے۔ کیونکہ قمار ہے کہ اس با شان و شوکت سفارت کے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا جو خرچہ کے لئے کفایتی ہوتا۔ اور جہاز ہی میں وہ بے چارہ خیر بھی مر گیا۔ لیکن یہ اس کی کمال خالکت سے لینے آئے جس کو میں نے بھی دلی میں دیکھا تھا۔

ان کو سورت میں پہنچے ہوئے چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ جہاز کے ایک مشہور بانی نے جس کا نام سیوا جی ہے شہر کو آ کر لوٹ لیا اور آگ لگا دی اور اس عام آتش زدگی میں اگرچہ وہ مکان بھی جہاں یہ ٹھہرے ہوئے تھے جل گیا مگر آگ اور دھن دھن کے ہاتھ سے جس طرح بن پڑاؤں کی سفارت کی سندیں اور وہ چند نظام جو کسی وجہ سے قاتر سیوا جی کے ہتے نہ چڑھے یا جن کو بیمار دیکھ کر اس نے خود ہی چھوڑ دیا اور ان سفیروں کے جیٹی لباس جو اس کو پسند نہ آئے اور وہ خیر کا ہنرہ جس کی اس نے کچھ ہرمانہ کی اور وہ بیل کا سینک جس کو سپرٹ سے پہلے ہی خالی کر چکے تھے۔ بک رہے۔

ان عالی شان سفیروں نے اپنے ٹٹ جانے کی حسرت بڑے بڑے مہانے کئے مگر جہاں ہندوستانی جنہوں نے ان کو جہاز سے اترتے وقت اس حالت میں دیکھا تھا کہ تو اچھا لباس دلچسپ شک ہی تھی اور نہ روپیہ یا کسی مہاجن کے نام کی ہندی ہی پاس تھی بلکہ تاقوں کے اسے نیم مردہ ہو رہے تھے یہ کہتے تھے کہ انی لواتی یہ توان کی خوش نصیبی تھی۔ کہ سورت کے لئے اور چلائے جانے کے باعث یہ اس دولت سے بک گئے جو ان کو اپنے ذلیل اور ناچیز مخالف کے دہلی تک لانے میں اُٹھانی پڑی۔ اور سیوا جی کی بدولت ان کو سورت کے صوبہ دار کے سامنے تقررہ حالت میں جانے اور دارالسلطنت تک پہنچنے کے لئے خرچہ ساری مانگنے کا ایک عمدہ بہانہ ہاتھ آ گیا اور نظام اور سپرٹ بچ کر کہا جاسکے کہ الزام سے بھی بری ہے۔

لے سورت کی سفارت ممکن ہے ایسی شاندار دہر جیسی دوسری سفارتیں لیکن برصغیر کا اس سفارت کے ساتھ خزانہ اس کے اصل سبب دی مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب ہے۔ جو دس کیسٹریک گرجا کا صلیب

میرے لائق دوست بھوپن کے کارخانہ کے مختار مشرانڈرکین نے مراد کو میرے نام کی ایک سفارشی چٹھی دی تھی جو اُس نے دہلی میں آکر مجھے دی اور یہ محبوب اتفاق ہے کہ اُنکی چھ برس بعد اُس سے اس طرح پھر ملاقات ہوئی۔ وہ اس بات کو بالکل بھول گیا تھا کہ میں غلامی میں اُسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔ میں اپنے پرانے دوست سے بغل گیر ہوا اور وعدہ کیا کہ حتی الوسع میں تمہاری مدد کروں گا۔ اگرچہ اہل دربار میں میری بہت کچھ رسائی اور ملاقات تھی مگر ان ہی دوست بھوپن کی امداد ایک مشکل کام تھا۔ کیونکہ بجز خیر کے اُس چمڑے اور بیل کے اُس سینگ کے جس میں اُنھوں نے اپنے پیسے کے لئے قندی شراب جو اُن کو بہت مرغوب ہے بھر رکھی تھی اور کچھ باقی نہ تھا اور بیش قیمت تحائف کے موجود نہ ہونے سے لوگوں کی نظروں میں جو اُن کی حقارت تھی اُس کو اُن کی ظاہری ذلیل حالت نے اور بھی بڑھا دیا تھا اور وہ بدوں کا سالہاس پچھ ہونے لگی کے بغیر اپنا وہ شہر میں پھرا کرتے تھے اور سات آٹھ غلام سرو پا بربند پیچھے پیچھے ہوتے تھے جن کے پاس سوائے ایک مکروہ چھوٹے سے تہجد اور ایک پٹنی پُرانی چادر کے جسے ہاتھی کا نہ سے پر مال کر دیا ہے بازو کے نیچے سے نکالے ہوئے ہوتے تھے کوئی پوٹھاک اور لباس نہ تھا اور بجز ایک ٹوٹی پھوٹی کراہ کی بھلی اور ایک گھوڑے کے جو ہمارے پادری صاحب کا تھا اور کوئی گھوڑا بھی ان کے پاس نہ تھا۔ یا کبھی کبھی میرا گھوڑا آنگ پیتے تھے جس کو اُنھوں نے سواری سے لے کر قریب لڑک کر دیا تھا۔ پس ہر چند میں نے ان ذلیل اور حقیر سفیروں کے لئے بہت کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ لوگ اُن کو فقیر سمجھ کر کچھ لگت نہ ہوتے تھے۔ لیکن بہر حال ایک مذہب کے ہیں اپنے آقا و انشد غاں کے پاس رحم سناںک غیر کے معاملات کا دیر ہے، خلوت میں بیٹھا تھا میں نے شاہ اتھو پلا کی شان و عظمت کا ذکر ایسی آب و تاب سے کیا کہ اورنگ زیب ان کو اپنے حضور میں بلائے اور غریب کے تبدیل کرنے پر راضی ہو گیا۔ اور جب یہ حاضر ہوتے تو دو وزن کو زینت کا ایک ایک سراپا اور پیشی زری کار پہنا اور منہ بیل عزایت کی اور مراسم مہمان داری کے لئے بھی حکم ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد جب رخصت کئے گئے تو پھر ایک ایک سراپا، مدھو شراب روپیہ نقد کے مرحمت ہوا مگر یہ روپیہ مساوی طور پر دیا گیا تھا بلکہ مسلمان کو چاند ہزار اور مراد کو بیسائی ہونے کی بغیر مائیں غور گزشتہ پہلے اور جہاں کہ نہ خود آغا کتاب میں ذکر آیا ہے صوبے اس میرا کی ترقی کرنا لیا گیا تھا۔

وجہ سے صرف دو ہزار ملا۔

اور ان کے آقا کے لئے بطور تحفہ ایک نہایت بھاری "سدا پا" اور چاندی کے بھینے کی دو مشہا نیاں اور دو چاندی کے نقارے اور یاقوت کے چٹاؤ قبضہ کا ایک خنجر اور بیس ہزار روپیہ نقد عنایت ہوا۔ اور چونکہ ملک حبش میں سکے کا چلن نہیں ہے اس لئے اورنگ زیب نے براہِ ہر پاتی یہ فرمایا کہ امید ہے یہ نقد تحفہ خصوصیت کے ساتھ قبولیت کے لائق ہوگا۔ اور ایک الجوبہ پیر چھال گیا جائے گا۔ مگر شہنشاہ منغل خوب عباتا تھا کہ ان میں سے ایک روپیہ بھی ہندوستان سے باہر نہ جائے گا اور یہ لوگ اُس سے کارآمد نہیں فریادیں گے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا اور انھوں نے اس روپیہ سے کچھ تو گرم مصالحے بے لئے اور کچھ حبش میں سوئی کپڑے کے خلائق پادشاہ اور ملکہ اور ولی جہ کے پہاڑیوں کے لئے اور الایچے ہر ایک رشتہی و عساری دار کپڑا ہے اور خنجر کی بارود پہلی زری ملا کر چٹا ہوتا ہے تباہ اور پادشاہ بنانے کی خاطر خرید لئے۔ اور بادشاہ کی دو عبادتوں کے لئے جو عہلوں کا ایک لہاں ہے سرخ اور ہنرنگ کی انگریزی بات اور ان کے سوا بہت سا کپڑا اگر نونا کم قیمت محل سلو کی مسزہ عورتوں اور ان کے بال بچوں کے لئے خریدے۔ اور سفارت کی وجہ سے اس تمام اسباب کا محصول تو معاف ہی تھا۔

اگرچہ مراد میرا بہت دوست تھا مگر تین باتوں کی وجہ سے مجھے اُس کے حق میں کوشش کرنے سے پیشانیائی ہوئی۔ ایک یہ کہ اُس نے باوجود وعدہ کئے کہ "میں اپنے بیٹے کو تمہارے ہاتھ پر پاس روپیہ میں بیچ ڈالوں گا۔ کہلا بھیجا کہ تین سو روپے سے کم کو نہیں دوں گا۔ اور میں اس پر بھی راضی تھا کہ تین سو ہی دے کر خرید لوں مگر یہ کہنے کی گنجائش رہے کہ ایک شخص نے خاص اپنا بیٹا میرے پاس بیچ ڈالا تھا۔ یہ لڑکا خوب تازہ قرارا اور مڈول بدن کا تھا اور رنگ بھی خوب صاف سیاہ تھا۔ اور جیشیں کی طرح ناک بھی چمکی نہ تھی اور نہ ہونٹ ہی سرخ تھے۔ مگر چونکہ اُس کے باپ نے وعدہ خلافی کر کے مجھے نہ دیا تو اس سے میں بہت ہی ناخوش ہوا۔

دوسری یہ کہ اُس نے اور اس کے مسلمان رفیق نے اورنگ زیب سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ کم اپنے پادشاہ سے اُس مسجد کی مرمت کی باغزوہ اجازت لے دیں گے جو پُر مغیزوں کے دوست سے وہاں اور کشدر پڑی تھی۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُس کی مرمت کے لئے بھی

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہاراجگی میں

وہ خزانہ روپے ان کو عطا کیا۔ یہ سب ایک سطح یا درویش کے مقبرے کے طور پر بنائی گئی تھی جو کہ سے ملک حبش میں صرف اس غرض سے چلا گیا تھا کہ وہاں وہیں اسلام پھیلے اور یہ ان پرتگیزیوں نے مسافر کر دی تھی جو گرا سے نوح لے کر اس دی حق بادشاہ کی مدد کو آ گئے تھے جو عیسائی ہو گیا تھا اور جس کو خارج کر کے ایک مسلمان خانزادہ تخت پر بٹھایا تھا۔

دوسری یہ کہ اس نے شاہ حبش کی طرف سے اورنگ زیب سے یہ درخواست کی کہ ایک قرآن اور آٹھ ادب کتابیں رحمن کے نام سے بھی میں واقف ہوں اور جو ان کتابوں میں اول درجہ کی مشہور ہیں جو مذہب اسلام کی تائید میں تصنیف ہوئی ہیں / عنایت ہوں اور میری مائے میں ایک عیسائی بادشاہ کے ایک عیسائی سفیر کا ایسا کرنا ایک نہایت ہی ذلیل اور مسیوب امر تھا۔ اور نمایاں جو کہ میں نے سنا تھا کہ حبش میں وہیں مسیحی کی کسی مقبیل حالت ہے اس سے اس کی بخوبی تصدیق ہو گئی۔

بے مشہور بادشاہ کی حکمرانی کے تمام طوطوں اور رعیت کے اوضاع و اطوار سے اسلام کی برآئی ہے اور بے شک جب سے وہ بادشاہ مر گیا ہے جس کو پرتگیزیوں نے اپنی نوح کی مدد سے تخت پر بٹھایا تھا جو لوگ کہ صرف نام کے عیسائی ہیں ان کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس بادشاہ کے مرنے ہی اس کی ماں کی نندہ ہرنانی سے پرتگیزیوں کو اسے گئے اور کچھ نکال دینے گئے اور فرقہ جیسوئٹس کے پیری آکر بھی بڑے پادری کہ جسے اس کے ہم وطن پرتگیزیوں کو اسے لائے تھے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

دریائے نیل کا دہانہ | جس زمانہ میں یہ سفیر ملی میں تھے میرے آغا دانشمند خاں جو نئی معلومات کا ہمیشہ سے خلائق ہے ان کو اکثر اپنے ہاں بلو کر ان کے ملک اور وطن حکمرانی کی بہت سی باتیں پوچھتا رہتا تھا۔ لیکن اس کا اصل مدعا یہ تھا کہ دریائے نیل کا منہ معلوم کرے۔ یہ لوگ دریائے نیل کو ابابیل کہتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ اس کا منہ کھنی معلوم ہے چنانچہ مراد اور ایک منہ ہے جو اس کا ہم سفر تھا بالاتفاق بیان کیا کہ ہم نے اس مقام کو دیکھا ہے اور انہوں نے جو کہ کہا وہ حسینہ وہی تھا جس نے منہ میں سنا تھا۔ یعنی یہ کہ اس کا منہ سج ملک اگوس میں ہے اور وہ قریب قریب درویشی مارنے والے چٹے ہیں جو باہم مل کر تیس یا چالیس قدم کے طول کی ایک چھوٹی سی جمیل بی

جاتے ہیں۔ اور جہاں اس جیل سے نکلتا ہے اگرچہ وہ خود بھی ایک ایسے خاصے دریا کے موافق ہے۔ مگر آئندہ چھوٹے چھوٹے بہت سے نہری نالوں سے جو قدم قدم پر اُس سے آکر ملتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ دریا اس طرح ہر چکر کھا کر مہا ہے کہ بیچ میں ایک بڑا جزیرہ بن گیا ہے۔ اور کئی ایک مسیدی پٹاڑوں پر جن سے ہیں اور گھڑیاں بھی کثرت سے ہیں۔ اور بشرطیکہ بیچ ہر ایک اور جانور اُس میں بنایا جو بہت ہی اچھے ہیں۔ یعنی ایک دریا کی بھڑا جس کے منہ کے ساتھ فصل کے غار بن گئے ہیں اور غنیمت ہی نہیں ہے۔ اور یہ جیل وں سپاہ کے ملک میں گزرتا ہے جس مختصر منزلوں اور نخل کے بیچ سے چار یا پانچ دن کے سفر کے فاصلہ پر جاتا اور کہا کہ جب یہ دریا اس جیل سے نکل کر آگے کو بڑھتا ہے تو بہت سے دریاؤں اور بہاؤں کی نالوں کی وجہ سے جو اس جیل میں آکر گرتے ہیں اس کا پاؤں بہت بڑھ جاتا ہے غصہ شاہ رسات میں جو ہندوستان کی طرح یہاں بھی ایک مسین موسم ہے اور تقریباً جولائی کے اخیر سے شروع ہوتا ہے۔

میرے نزدیک یہ آخری بات ایک طرح سے اہم اور قابلِ لحاظ ہے۔ کیونکہ اس سے اس دریا کی طبیعیاتی کی وہ معلوم ہوتی ہے اور انھوں نے کہا کہ دریا اس جیل سے نکل کر جس کا ابھی ذکر ہوا شہر کے ناز کی طرف جاتا ہے جو فنہی کا پاؤں کے تحت ہے جو شاہِ اختر پیا کا ایک باغ گزار ملک ہے اور اسی طرح آگے کو بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر کار مصر کے میدانوں میں جا پہنچتا ہے۔ ان سفروں نے اپنے بادشاہ کی شان و شوکت اور فوجی قوت کا حال اس قدر بڑھا کر بیان کیا کہ مجھے اور دانشمند خان و وزیر کو نا پسند ہوا۔ مگر ان کا وہی رفیق سفر نخل اس طرح سرائی میں شریک نہ تھا۔ اور ان کی نصیحتیں اُس نے ہم سے کھدی کہ میں نے دو دفعہ وہاں کی فوج کو بین میدان اور ایسے وقت میں دیکھا ہے جب کہ خود بادشاہ اُس سے کام لے رہا تھا اور میرے خیال میں کسی فوج کی اُس سے زیادہ شکستہ حالی اور بے انتظامی ممکن نہیں اور ایسے ہی اور بہت حالات اُس ملک کے ہم کو سنائے جو سب میرے روز نامے میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور امید ہے کہ کسی دن لوگوں کی اطلاع کے لئے میں اُن کو چھپا سکوں گا۔ اور بفضل میں صرف تین چار ہی باتوں کے کہنے پر جو مراد

کی طسرت باعث امتیاز سمجھ کر غرضی غرضی امت میں لئے پھرا کرتے ہیں۔

میرے آغا کی طرح اور نگ زیب نے بھی دو دو خداں سفیروں کو اس اُمید سے پائے حضور میں بلایا کہ ان سے ان کے ملک کے کچھ حالات معلوم ہوں۔ مگر اُس کی زیادہ تر غرض یہ معلوم کرنا تھا کہ وہیں اسلام کی وہاں کیا حالت ہے۔ اور وہ فہم کی کمال بھی سمجھتا کہ وہ بھی جو وہ معلوم کس طرح قلعہ ہی میں بادشاہی عہدہ داروں کے پاس رہ گئی اور مجھے اُس کے حاصل ہونے کا ارمان ہی رہ گیا۔ کیونکہ اُنہوں نے میری کارگزاری کے صلہ میں اُس کے دے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں یہ خیال کر کے کہ کسی دن اپنے ملک میں پہنچ کر جمیہ چیزوں کے کسی شوچین شخص کی تذر کر سکوں گا۔ وہی ہی دل میں بہت غرض ہوتا تھا۔ اور میں نے ان سفیروں کو بہت تاکید سے یہ بھی کہا تھا کہ اس کمال کے ساتھ بادشاہ کو وہ سینگ بھی ضرور دکھانا کہ انہوں نے اس خوف سے اُس کو پیش نہ کیا کہ مبادا میں سے پوچھا جائے کہ سورت کی لٹ میں جب یہ بچ رہا تو اس کے اندر کی خوشنودار چیز کہاں گئی اور پھر ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔

شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ | شاہ شمس کے سفیر ابھی وہی ہی میں تھے کہ اورنگزیب نے اپنے دربار کے خاص خاص امرا اور علما کو اس مشورے کے لئے بھیجے کیا کہ اپنے پسرے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لئے جس کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا ایک اٹالین تجویز کرے۔ اور اُن سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت ایسی کی جائے کہ میں سے کامل تر قیاس اس امر کی چھٹکے کہ ہر طسرت کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہ لڑکا مشہور آفاق ہو۔ چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ اس امر سے واقف نہیں کہ شاہزادوں میں ہر ایک طرح کے مہر اور مفید علوم کا موجود ہونا ضروری اور واجب ہے۔ کیونکہ ان کے آئندہ عمر میں روادار حکم کرنے کی قریح رہی ہے۔ اُس کا قول ہے کہ میں طرح سے باعتبار اپنے مرتبہ اور اختیار کے ان کو اور لوگوں پر نفیست ہے۔ اُن کی طرح لازم ہے کہ مائاتی اور صفات حمیدہ میں بھی اُن سے افضل ہوں۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیائی میں جو آفتیں اور مصیبتیں بقیہ حاشیہ صلوٰۃ علیہ وسلم نے شاہی کہا جاتا اور تحت و تاج و فیروز کی طرح ایک

سلطنتوں پر چڑھ کر تھی ہیں اور وہ بد عملی اور بد اخلاقی میں سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اس کا باعث اگر کوئی مٹا جائے تو ہمیشہ یہی نکلے گا کہ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت نامالی اور مجرے طور پر ہوتی ہے کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں جو ملک و دس اور سرگوشیا اور منورستان اور گرجستانی اور حبش سے آتے ہیں اور کثرتِ غلامی کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے قتل و قہر خراب اور یہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زبردستوں کے سامنے بہت ہی غمزہ اور فروتنی سے پیش آتے اور کمزوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زبرد و زیادتی جتاتے ہیں۔ پس یہ شاہزادے جب حلوں میں سے نکل کر تخت نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالما زاد اور خراب عادتیں جو سلطنتیں ہوتی ہوتی ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور ان غرائض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو ان کی اس نئی حالت کے لئے لازمی ہیں اور اپنی زندگی کے اس تماشا گاہ میں اس طرح غلامی کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اور ہی دنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے سمجھتے ہیں اور حیران کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اور صبری کو ٹھری یا تر غامض میں سے آئے ہیں پہلے پہل نکلے ہیں۔ اور یا تو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین کر لیتے یا ہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ٹھیلے اور بے پردہ اور احمق ہوتے ہیں کہ مقولہ صلاح اور مشورہ کی بات کو سنتے ہی نہیں اور کیا ہی خراب کام کیوں نہ ہو اس کے کرہ پیچھے میں خود بھی پس و پیش نہیں کرتے اور تخت پر بیٹھ کر یا تو اپنی جہلی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا ان خیالات کی وجہ سے جو پہلے سے ان کے دل میں جا نہیں ہو جاتے ہیں ایک مضموی وقار اور سنگت دکھاتے ہیں مگر ہر کسی کو باسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل بنیاد کی اور وقار ان میں نام کو بھی نہیں اور یہ ظاہر داری صرف کسی بڑی سکھاؤ کا اثر ہے جس کو بھلائے مناسبت اور بنیاد کی کے ایک جوانیت اور بیہوشی وہ خائش کہنا چاہیے۔ اور یا یہ تکلف ایک ایسی غرض خلقی اختیار کرتے ہیں جو بادشاہوں کی شان کے ہرگز لائق نہیں ہوتی اور بتاؤنی ہونے کی وجہ سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جو مہنگ ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اس بیان کی صحت سے براہِ شکیانی شاہزادوں کی حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا مہنگ ایشیا کے بادشاہ آئندہ جیسے جند کے خدایوں کی سی بے رحمتیاں نہیں کرتے رہے۔

اور ان کی بے رحمی کیا کبھی کسی معین طریقہ پر ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً نامنصفانہ نہ تھی۔ اور کیا وہ بے شراب خواری کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طسوع کی شرم کے میاضی و شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں رہیں اور حرموں کی صحبت میں اپنی تندرستی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے۔ اور کیا انہوں نے سلطنت کے کاروبار کے عوض اپنا تمام وقت سپوشکار ہی میں نہیں گزاریا؟ اور اگر یہ ان کے لیے درد بادشاہوں کو اپنے لشکاری کھڑوں سے بہت محبت ہوتی ہے اور ان کی غور و پرداخت کا بہت خیال کرتے ہیں مگر ان بے چارے غریب لوگوں کی مصیبتوں کی جو فکارتیں ساتھ جاتے کے لئے بیگار میں پکڑے جاتے اور گرمی اور سردی کی شدت اٹھاتے اور بھوک اور تھکان سے مر جاتے ہیں ان کو مطلقاً پروا بھی نہیں ہوتی۔

الفرض المصلحتی بادشاہ نہایت ہی ہولناک و عادتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان کی یہ خراب عادتیں اقارب و اقوام کی ہوتی ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب یا تو ان کا طبعی میلان ہوتا ہے یا وہ خیالات ان کا باعث ہوتے ہیں جو ابتدائے عمر سے ان کی طبیعت میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور خانوادہ نامہ ہی کوئی بادشاہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کے اندرونی اور بیرونی احوال سے بے خبر نہ رہتا اور وقف نہیں وہ اپنی سلطنت کی باگ اکثر کسی درجہ کے ماتحت میں دیکھتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خود مختار نہ اور بلاسوک ٹوک اور بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے حکومت کر سکیں کی غرض سے حقیر اشتغال میں اپنے آقا کے جملہ رہنے کی اور بھی تائید کر کے اس کی طبیعت کو اس سلطنت کی واقعیت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر وزیر اعظم امور سلطنت کو مضبوطی سے اپنے ماتحت میں نہیں رکھتا تو بادشاہ کی ماں جو اصل میں کوئی لڑائی باندی ہوتی ہے۔ اور کچھ خواجہ سرا ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ جن کی تہہ پریں وسیع اور آزاد خیالات پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ بے رحمانہ جڑوڑ میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے ہم جنسوں میں سے کسی کو بھانسی دیں اور کسی کو تمیہ یا جلا وطن کر دیں۔ اور ہم جنسوں پر ہی کیا منحصر ہے۔ یہی سلوک وہ اکثر اوقات بڑے بڑے امرا بلکہ غور و زبیروں کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع ان کے تسلط کے زمانہ میں جو سلطنت کے لئے شرم کا موجب ہوتا ہے کسی شخص کی زندگی جو کہ بھی مال و دولت رکھتا ہو ایک دن کے لئے بھی محفوظ نہیں ہوتی۔

شاہیوں کے ایام سہری اور عید اور گنبد

اور نگ زیب کے حضور میں مذکورہ بالا ملکوں کے سفیر و جب
شاہ ایران کے سفیر کی آمد حاضر ہو چکے تو آخر کار وہ بادشاہی میں یہ خبر پہنچی کہ ایران
 کا سفیر بھی سرحد پہ پہنچ گیا ہے اور یہاں کے ایرانی امرا اور اہل ایران نے یہ مشہور کر دیا
 کہ نہایت ہی اہم معاملات اس کے آنے کے باعث ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ دیر لوگوں نے
 اس پر بالکل یقین نہیں کیا کیونکہ اہم معاملات کا وقت گذر چکا تھا۔ اور یہ بات ظاہر تھی
 کہ ان لوگوں کے ایسا مشہور کرنے کا سبب بجز اس بیہودہ خواہش کے کہ اپنے ملک کی حکومت
 و اقتدار کا اظہار کریں اور کچھ نہ تھا۔ ان کا یہ بھی ادعا تھا کہ جو امیر اس کا استقبال اور تواضع
 و تکریم کے واسطے آمادہ ہوا ہے اس کو بتا کہ یہ نہایت ہوتی ہے کہ جس طرح ممکن ہو
 دہلی پہنچنے سے پہلے سفیر کے آنے کا اصل مدعا دریافت کرے۔ اور اس کو یہ بھی ہدایت
 ہوتی ہے کہ اس مدعیہ سفیر کو زبردستی اس امر پر مائل کر دے کہ وہ دہلی میں ہندوستان
 کے تادمہ کے موافق رسم تعلیمات بجا لائے اور اس کو یہ بھی سمجھا دے کہ قدیم سے یہ دستور
 ہے کہ شاہ ایران کا نامر بلا واسطہ کسی امیر کے خود بادشاہ کو نہیں دینا چاہیے۔ لیکن جو کچھ
 میں نے دیکھا اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ سب لغو کھانیاں تھیں۔ اور جو مرتبہ خدائے اور گنبد
 کو بخشا ہے وہ ایسی باتوں کا محتاج نہیں ہے۔

جب یہ سفیر اور اسلطنت دہلی میں پہنچا تو اس کی تعظیم و تکریم کا اظہار مناسب طور پر
 کیا گیا یعنی جن بازاروں میں سے وہ ہو کر گذرا ان پر سفیدی و فیروزہ از سر نو کرائی گئی اور تین
 میل کے قریب دوسرے سواریوں کی قوت صف بستہ کھڑی کی گئی اور بہت سے امرا و مدد اپنے
 اپنے بابے گاؤں کے اس کی سواری کے ساتھ تھے۔ اور تلمذ خواہی کے دروازہ میں پہنچتے
 ہی توپ خانہ سے سلامی ہوتی۔ اور اورنگ زیب اس سے نہایت اخلاق اور مہربانی سے
 پیش آیا اور اہل ایران کے طور پر اس کے سلام کرنے سے ناخوش نہیں ہوا اور اس کے ہاتھ
 سے خواہ کا خرطیہ بھی لے کر دے لیا بلکہ بطور تعظیم اس کو اپنے تاج کے قریب تک لے گیا۔
 اور پھر ایک خواجہ سرا سے اس کی مہر کھلا کر نہایت خشاعت کے ساتھ ملاحظہ کیا اور حکم
 دیا کہ سفیر کو سرا پا پہنایا جائے۔ چنانچہ قبا کے زربفت اور منڈیل اور لٹشیں ندی کا رنگ
 عنایت ہوا۔ اور اس رسم کے بعد سفیر کو تحائف پیش کر کے کا اٹھارہ ہوا۔ چنانچہ کپڑے ایسے
 خوبصورت گولڈ سے عیش نے کبھی نہیں دیکھے تھے معندہ دوزی اور زربفت کی گریزوں

کے۔ اور میں نہایت اعلیٰ منزل کے ایسے قوی اور تندرست آدمی بن کر ہاتھی کے پاسٹھے کھنڈا نہ جا رہا تھا۔ بہت سے صندوق عمدہ گلاب اور ایک اور عرق کے جس کو بید مشک کہتے ہیں اور جو نہایت مغرب سمجھا جاتا ہے اور گلاب چیز ہے۔ صاف پانچ چھ بڑے بڑے اور خوبصورت قالین اور کئی بہت ہی بڑے صاف تھان زربنت کے جن پر نہایت ادا رنگ گلاب کی ہوئی تھیں اور ایسے سبک اور پاکیزہ وضع کے تھے کہ مجھے شک ہے کہ کبھی کوئی ایسی نہیں چیز یورپ میں دکھائی دی ہو۔ اور چلاؤ تھنڈے کے چار دھشتی خیر اور چار مرغیش تبیں اور پانچ یا سبھ گھوڑوں کے بہت ہی خوبصورت ساز جن کو سب لوگوں نے خصوصیت سے پسند کیا۔ اس واقع میں بہت ہی خوش نما اور قیمتی تھے۔ اور جن پر چھوٹے چھوٹے نمونے اور چرائی کان کے نمونوں سے نہایت ہی اعلیٰ قسم کی مرغیش کاری کی ہوئی تھی جیسا کہتے اور رنگ زربنت سب چیزوں کو بڑے عمدے ملاحظہ کیا اور حاضریں دہار کر اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان عمدہ تحائف سے بہت ہی زیادہ بلکہ معمول سے بڑا عکس خوش ہو رہا ہے۔ اُس نے ان چیزوں کی خوبی اور نفاست اور گلابی اور شاہ کی اس مہربانی اور کشادہ دلی کی کہ کچھ کچھ پیش کیا تھے جیسے ہیں بار بار تعریف کی۔ اور سفر کو بڑے ذی رتبہ امرا میں جگہ دی اور اُس کے دروازہ سفر کا ذکر کر کے اس مغز اور عالی مرتبہ مہمان سے فرمایا کہ اس وقت آپ آرام کریں اور ہم آپ کو ملاقات کے لئے ہر روز بلا پائیں گے۔

یہ سفر چار پانچ جینے دلی میں رہا اور اُس کے سب اخراجات بہت تکلف کے ساتھ خزانہ شاہی سے ادا ہوتے رہے۔ اور امرا نے دربار سے لڑتے بہت بڑی بڑی ضیافتیں کیں۔ اور بوقت رخصت بادشاہ نے ایک اور بھاری سراپا عمدہ کئی بیش بہا چیزوں کے عنایت کیا۔ اور شاہ ایران کے لئے تحائف بھیجے جانے کی نسبت یہ تجویز شیری کہ پیچھے سے اپنے سفر کی معرفت بھیجے جائیں گے۔ چنانچہ اس سفارت کے لئے ایک امیر مقرر بھی کیا گیا۔

اگرچہ بہت اور سفروں کے جو پہلے آچکے تھے اور رنگ زربنت نے اس سفر کا بہت ہی اجازت کیا اور دل سے خاطر مدارات کی۔ مگر اس پر بھی اُن ایرانیوں نے جو دلی میں تھے یہ بات مشہور کر دی کہ شاہ نے اپنے نام میں اور رنگ زربنت کو دانا شکوہ کے

نکل اور شاہجہاں کی قید کی بابت بہت ہی غصہ کی ہے اور لکھا ہے کہ جو سلوک تم نے
 ان سے کیا ہے کوئی بھائی بھائی کے ساتھ اور کوئی بیٹا باپ کے ساتھ نہیں کر سکتا اور
 کسی ایمان دار مسلمان سے ہرگز ایسی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ
 اپنا لقب عالمگیر کیوں مقرر کیا ہے اور اُس کو سکے پر کیوں نقش کرایا ہے۔ اور اس بات
 کو انہوں نے یہاں تک بڑھایا کہ خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آپ عالمگیر ہیں تو یہ
 گھوڑے اور یہ تلوار حاضر ہے۔ بسم اللہ آئیے اور مرے ہم بھی آتے ہیں میرے نزدیک
 اگر یہ بات ہے تو شاہ ایران کی طرف سے گویا پیغام جنگ تھا۔ لیکن میں نے جیسا
 سنا دیا کھدایا ہے۔ اور اس کو میں غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ مگر چاس دربار کا راز ہر کسی
 کو معلوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبان سے واقفیت اور چند شخصوں سے ملاقات رکھتا ہو
 اور میری طلب رجحان بابتوں کے دریافت کرنے میں دل کھول کر وہ یہ فریب کرنے کی بھی
 کچھ ہوا ذکر کرنا ہو لیکن میں تو ساری ساری بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ شاہ ایران نے ایسے
 الفاظ اپنے خط میں لکھے ہوں کیونکہ گو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایرانیوں کی بیعت
 ہے کہ جب کسی کو اپنا اور دھانت جمانا چاہتے ہیں تو ایسی ہی تسلی کی لیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے
 فطوں سے تو صحت عمل اور یقینی بھی نہیں دھکی کی رہی آتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اکثر باخبر لوگوں کی یہ رائے ہے اور خود میرا بھی خیال یہی ہے کہ ایران
 میں یہ طاقت اتنی کہاں ہے کہ ہندوستان جیسی سلطنت پر حملہ کرے اور اُس کو توڑ بیٹھت
 ہے کہ قندھار جو ایران کی محل داری میں ہندوستان کی طرف سرحد پر ہے اُس کے تہذ
 میں رہے یا یہ کہ اپنے ملک کو محدود سلطنت و دم کی جانب سالم اور محفوظ رکھ سکے ایران کی
 سپاہ و دولت کا حال متبران سلطنت ہند کو خوب معلوم ہے اور وہ واقف ہیں کہ وہاں
 کے تخت پر بیٹہ شاہ عباس ہی نہیں ہے جو ایک نامور اور دیر بادشاہ اور اس قابل تھا کہ
 جو معاملہ پیش آئے اُس کو اپنے ہی مدعا کے موافق بنا لے اور بڑے بڑے منصوبے۔ تھوڑے
 سے سالانہ سے انجام دے لے۔ اور اگر ایران کا ارادہ اس سلطنت پر کوئی جھم کرنے کا ہے اور
 حالیہ وار و اقوں کی وجہ سے اُس کو اور گنگ ریب کی نسبت اس قدر تضرع پیدا ہوا ہے تو وہ کیوں
 ان جان کا وہ واقعات کو خاموشی اور بے غرضی کی نگاہ سے دیکھتا رہا جو ان حالات میں پیش آئے
 لے شاہ عباس باغی سے مل رہا ہے جو اگر کرا سکتا تھا اور شاہجہاں کے روادیک فرماں لئے ایران رہا۔ سم

ہر ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور بادجو دیکر داراشکوہ اور شاہجہاں اور سلطان شجاع اور شاہ صمد ہار کا بل بھی اُس سے امداد کے لئے لیتی ہوئے۔ مگر اُس کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا کہ وہ تھوڑی سی فوج سے ہندوستان کے ایک نہایت عرصہ صدر پر یعنی کابل سے لے کر دریائے سندھ کے کنارے بلکہ اُس سے آگے تک قبضہ کر سکتا تھا اور اس طرح یہاں کے ہر ایک جھگڑے میں پیشہ کے لئے اپنے آپ کو ٹالٹ بنا سکتا تھا۔

یاد شاہ ابراہان کے خط ہی میں کوئی نا ملائم فقرہ تھا یا اورنگ زیب خود اس سفیر ہکا کی کسی حرکت یا کسی گفتگو سے ناراض ہو گیا تھا جو اُس کے دلی سے رخصت ہوئے کے دو یا تین ہی روز بعد اُس نے اس امر کی شکایت کی کہ جو گھوڑے خواہ ایران کی طرف سے آئے ہیں سفیر نے اُن کے پچھلے پاؤں کی تسلیں ٹھوڑی تھیں اور حکم دیا کہ اُس کو مروہ پر روک لیا جائے۔ اور تمام ہندوستانی لڑائی غلام جو وہ یہاں سے لے گیا ہے یہیں لئے جائیں جن کی تعداد بلاشبہ بہت ہی زیادہ تھی اور قحط کی وجہ سے بہت ہی سستے اُس کے ہاتھ آگئے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کے نوکر چاکر بہت سے بچوں کو چڑا کر بھی لے گئے تھے۔

۱۔ اصلی لکڑی میں لفظ ہم شرک ہے۔
۲۔ مہی کے معنی بوجب فی تشریح
۳۔ اصطلاح طبی رباط کے ہیں۔ ص ۷

۴۔ اس سفیر اورنگ زیب کے ناراض ہو جانے کا ذکر کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا مگر ادعا ہے سندھ میں کی تشریح اُس وقت کی فارسی کتابوں سے یوں پائی جاتی ہے۔ جب سے شاہجہاں کے عہد سلطنت میں شاہ عباس ثانی نے قندھار، مغل پور، بھری میں حال دولت ہندوستان سے دوبارہ ہمیں لیا تھا دو حوں سلطنتوں کے باہم دوستانہ ماہور ہم جند تھی۔ مگر جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو شاہ صمد نے ایلچی بھیجے میں بہت کر کے اس ماہور ہم کو پھر تازہ کیا۔ چنانچہ صاحب مانگیر ہمارے اس حال کو مغل پور کے واقعات میں (جو اورنگ زیب کے تیسرے اور چوتھے سال جلوس کے مطابق تھا)۔ بہت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ اُس سے سفر کی مرآت کا طور و طریق صمد اور بہت سی دہادیوں نے دیکھا ہے اہل کے زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے اس لئے اُس کا پورا ترجمہ کچھ چنانچہ مناسب معلوم ہوا۔ دوسرے ان ایام میں وقایع صمد لقاں سے دریافت ہو کر دلا جاتی ہے بھی بہت قدامت و طاقت رہا اتحاد کے تازہ کرتے کے سے لودان بیگ لکھنوی آقا سی دینی بند و دیہوں کی فوج کے صواب کر جو اُس کے

شاہجہاں کے کاظم امیری اور مہمان گنجی

بقیہ حاشیہ مندر گذشتہ امرائے دربار میں سے تھا۔ سہ ترخانہ و ناصر و مستاد خٹن سہارکباہ تخت لعلی، رمانہ کیا ہے اور وہ قندھار سے گذر کر ملتان کے راستے ول کو آتا ہے۔ اس نے اورنگ زیب نے اہل بلجک نامی اپنے ایک مقرب ملازم کو مامور کیا کہ استقبال اور مہمان داری کے لئے ملتان جگ جائے چنانچہ اس شخص کو حسب معمول خلعت رخصت دے کر جب کی پہلی تاریخ روانہ کیا گیا اور اسی کے ہاتھ بلجک کے لئے بھی ایک خلعت پہنایا گیا اور تربیت خان حاکم ملتان اور خلیل اللہ خاں صوبہ دار دلا سلطنت لاہور اور اثنائے راہ کے سب حاکموں کو احکام بھیجے گئے کہ ملازم ضیانت و مہمان داری بجا لکرا اپنے اپنے مقام کے معائنہ نقد و خس سے بھی تراضی کریں۔ تیسری شہبان کو بوداقی بیگ کے بھیجے ہوئے - فرخندہ نے اپنے کارخیز اور کچھ اور میرے باہر شاہ کے حضور میں پیش ہوئے اور انہوں نے ملوک کو خلعت کے علاوہ ڈھائی ہزار روپے انعام مرحمت ہوا۔

مہلازمینا خیرآئی کو بوداقی بیگ آخر تاریخ شہبان کو ملتان پہنچ گیا اور تربیت خان نے ضیانت کے بعد پانچ ہزار روپے نقد اور ہندوستان کی ساخت کے ۷ پارچے ہلور خدائش کو پیشہ اور چھلہ پہنچا کر خلیل اللہ خاں نے شہبانیت مہمہ ضیانت کی جس میں بڑے تکلف سے چار سو تالیں ابرار و اتسام کے کھاتوں کی اور سات سو تالیں سرمہ قلم کے کھاتوں اور عطریات کے پہنچ گئے اور یہی ہزار روپے نقد اور ایک ہزار ایک سو تالیں جن کے سازینا کار تھے اور سات کشتیاں ہندوستان کے پہنچے ہوئے نفیس کپڑوں کی تراضی کیں۔

اشعار شہری و رمضان کو بوداقی بیگ کا ایک عزیز لاہور سے اپنی ماں کی اطلاع کے لئے پہنچا اور چمکداس نے عزیز کے ساتھ ہجرت اور شاہین و قیرو کچھ شکاری جانور بھی بھیجے تھے اس لئے لالہ والوں کو خلعت عطا ہوئے۔

اشعار شہری و رمضان کو جب بوداقی بیگ باغ ابرار آباد کے نزدیک پہنچا سرانے بولی پہنچ کر ٹھہر گیا تو بادشاہ نے ہنرمند امہار عنایت اس کے لئے ۱۲ لاکھ خاص بھیجا بلکہ دربار میں حاضر ہونے کے لئے شوال کی تیسری کو ایک سامیت نیک مقرر ہوئی چنانچہ اس مہورت کے موافق جب یہ ہنرمند شہر کے قریب پہنچا تو اسد خانہ سیف خان اور شہنشاہ خان میر ترک تین بڑے ہنرمند شہر کے باہر نیک استقبال کر دیا ان خاص و عام میں جہاں بادشاہ سالانہ جلی کے دربار میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا لالہ اس نے داخل صاحب عالمگیر نامہ جس کے بیان کو اس امر خاص میں ڈاکٹر برنیئر کی بے غرضانہ اور چشم دید شہادت کے مقابلہ میں صحیح نہیں سمجھا جاسکتا، اسی طرز و تالیوں سے جو اس سلطنت کا معمول تھا۔ آدھ کو داخل و تسلیم کیا لاکر شاہ ایران کا نامہ پیش کیا اور بادشاہ نے۔ مہلا نے خلعت نافذ و جمید خیر مرستہ دار گورنری یا

پہلے دواخانہ طلا و پانی یا پانڈان و خانِ طلا میں مجلسِ خیر میں متنازعہ فرمایا۔ اور دوبارہ فراغت ہونے کے بعد رستم خان کی مرضی میں انہیں منہ کے کنارے ایک عہدہ مکان تھا اور منیر کی خاطر سرکاری نذرین و نذرین سے آراستہ کیا گیا تھا انکار کیا اور میر عزیز بخش جو ایک تجدد اور معقول شخص تھا جان مار مقبول ہوا اور شاہ سے دوسرے دن منیر کو کچھ حصہ میں طلب کیا اور ایک خوشتر اساز سرسبز، عنایت کی اور اس کے ہمراہیوں میں سے تندرستی نامی سرنگات کے گھوڑوں کے ساتھ خود راہِ عمارت میں اور محمد حسین توپل دار و خانہ اور احمد بیگ لکھی کے ساتھ اور اس کے ملازمین علی العابدین کو خلعت عنایت کئے اور چوکیدار کے ساتھ منہ میں بادشاہی خزانوں کے کاپیہ خزانوں اور شاہی امیروں کے کتھام سے شہنشاہ کے سموری تہذیب کے موافق کشتیوں پر نہایت تکلف سے چاروں کی پوششی کی گئی تھی اس سے بادشاہ نے فضل خان کے دوبارہ خاص میں سفر کو بھی سراسر اس کے ہمراہیوں کے طلب کر کے اس تماشے کے لفظ میں شریک کیا اور ساتویں شوال کو سفر سے حسبِ اطلب حاضر ہو کر بادشاہ ایران کے تحائف جن میں چھپاٹہ علاقہ گمشدہ نہایت ہی قابلِ تحریف تھے اور ایک بہت بڑا تاب مسوقی جو وزن میں سینتین فیڑا اور بیسی ایک سو گیارہ رتی یا ایک کی کم ہوں تھے، تھا اور اس کی قیمت بادشاہی جوہر میں سے ساٹھ ہزار روپیہ آگئی تھی موداد حصہ کے جن کی قیمت سو گھنٹیوں اور اس مسوقی کے چار لاکھ تھیں ہزار روپیہ گھنٹی تھی پیش کئے اور سفر سے اپنی طرف سے بھی کچھ عراقی گھوڑے اور خوشتر یعنی "ریشی" دو کوہان ملے اونٹ، اور ایران کی اور انیس چوبیس پیش کئے۔ جن کو اورنگ زیب سے قبول فرما کر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور چاندی کے ہونے اور نہایت کی بھول کے ساتھ ایک چھٹی عطا کیا اور محمد حسین تحفہ اور تحائف کو پانچ ہزار روپیہ نقد اور ملازمین علی العابدین کو تین تین ہزار روپیہ اور ابلیجی کے ساتھ احمد بیگ کو دو ہزار روپیہ عنایت کئے۔ اور مجدد میں سالگرہ میل و عجم بحسابِ قمری، منیر کو پھر پانچ ہزار روپے نقد اور سرسبز چینی اور خلعت، ایرانی اور پانڈان یا خراخرا طلا اور ایک سہرا اساز سرسبز اور ایک صندوق خاص۔

اور محمد حسین کو تین ہزار روپیہ نقد اور علی اکبر کو ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور اس کے کئی نو چھین و سلطان اور ہزار ہزار کو تیرہ ہزار روپیہ سرسبز فرمائے۔ اور میری نو کچھ کو تین اشرفیاں جو وزن میں کل سات سو نو لکھ تھیں اور پانچ سو نو لکھ تین روپے عطا ہوئے۔

اور عہدِ عہدہ دواخانہ بوداق بیگ کو رخصت کر کے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خلعت، ناغہ و منہ نذرین، باطلاق مردانہ اور ایک گھڑا باہن و نظام طلا اور "پانچ ہزار روپیہ طلا و مساو نفزہ و کل زینت اور ایک نیل روپائی جس کی شکل و صورت، و منہاں مساحہ مالگیر نامہ" خالی از معرکگی و فراغت و محمد حسین اور ایک

پاکستان سرسبز سامانِ مطلق اور نام کے جواب کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ ایک نمیدہ اور نمیدہ بڑے امیر کے ہاتھ ہندوستان کے میں عہدہ تھوڑے کے ساتھ چھپے سے بچھا جائے گا۔ غلامی کے اندھی کو اول سے آخر تک پانچ لاکھ روپے اور اس کے ہزاروں کو بیست تیس ہزار روپے عطا ہوا اور غلامی صادق بے غشکی کو ملتان تک مشابہت کے لئے نام کیا گیا۔ انتہا۔

واقع ہو کہ عالمگیر نام سے جو نیل دریائی کا ذکر ہے آخر عالمگیری میں بھی نیل دریائی ہی کھلے کوئی خیالی جانور نہیں ہے۔ اس کو اگر غریب میں ہر پڑا اس کہتے ہیں جس کا غلط ترجمہ ہے اس پر دریائی۔ مگر اس کو گھڑے سے کہے مشابہت نہیں البتہ گھڑے سے بہت مشابہہ اور اگر سرزد اور چوڑے کان بھی ہوتے تو پہلے ہاتھی ہی ہوتا۔ جس طرح جانوروں کی نوع میں سے ہے اور خلق اقسام کا ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا نام کی طرف سے لے کر سبک شروٹ کا لہا ہوتا ہے۔ اکثر مسائل درپے ہوا اور بعض جگہ دریائے نیل میں بھی پاؤں کا ہے۔ اگرچہ اکثر پانی میں خوش رہتا ہے مگر دیکھ کے کہتے نہایت چکر زندگی بسر کرتا ہے۔

ارشاد عباس کا نام جو عالمی لا تھا اور جس کے مضمون کی نسبت مولانا ابوالفتح اسے بعض اوقات نقل کر کے اپنے تھامس سے ان کی تردید کی ہے الفاظ کے علاوہ معنی میں ہوا عباس کا نہایت مقرب اور مجلسِ فریض خاص تھا ایک رقم یعنی زمانِ موسومہ لفظی مذکورہ میں کہ اس کے صحیح نام اور خطاب بوداق سلطان کی جگہ صاحبِ عالمگیر نام و لہو شاہی مورخوں نے اپنے ہاں کے شاہزادوں کا لقب سلطان ہونے کے لحاظ سے خواہ مخواہ بوداق بیگ بنا دیا ہے، لیکن موجود ہے۔ اس کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں اس نام سے کوئی بھی ایسا فقرہ نہ تھا عہدہ نگار یہ جیسے مالی منتزات پر شاہ کی شان کے برخلاف ہو بلکہ یہ اس کے تمام الفاظ اور طرزِ تحریر نہایت حسبِ حال اور مستقر اور عجب ہے اور اگرچہ اس میں اورنگ زیب کو اصل نام سے خطاب کیا ہے بلقبِ عالمگیر نہیں لکھا مگر یہ بات کہ اس کی توہنی کے ارادے نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نام کی طرزِ عبارت کے علاوہ بوداق بیگ کے نام کے فرمان سے ہے شب اور صاف طرز پر شاہ عباس کا یہ خیال پاؤں کا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے ساتھ دوسری اور اتحاد پیدا کرنے کا بہت خواہشمند تھا۔ چنانچہ نامہ فرمان کے بعض فقرات ناچکرم اس عاصیہ کے معاذ سے ملتا نہیں رکھتے حذف کر کے بھینے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

قباہیں کلام اسمہی اور عبادہ رنگینیب

خلایق اسید کا مشغول خوشنودی از لطاف بادشاہ والا جاہ گردوں بارگاہ ستارہ سپاہ فرستادہ بود در
 جنگا سیکہ گھمبہا کے امجدی و کامرانی دروستان ہے نواں صاحب قزاقی برنیش صاحب شایستہ سبیلان
 فکستہ و گرد و غبار عوالم و دایہ عیش و عشرت بناسیم الطاف الہی رفتہ و لایح اطراف درویدار جلال شہ
 آستان و سلاطین با شکستیں در محل بہشت مشاکل مانند ساغر بندہ دست درویدان بودند ہر نظر کیمیا اثر
 صیغہ برگ پان کہ چغلت ارمال یافتہ بود بہ تنہیں بار جاہ لاہوری یعنی لاہور کی بھی ہری وہ
 بروی لاگوں میں ہیں پان کیسے تھے، جوئے تو بہار و الا فخر نزم ارم لعل سر سبز دیان دارو گرد و چنار مناج
 شاد و مبارکہ اس غلام زادہ خلافت پر شیعہ و محبوب نصرت و معالی بناء مہربانیک غلام خاصہ شریف
 فرستادہ شد معروض داشتہ بود کہ اعلیٰ حضرت بادشاہ والا جاہ کامیاب مالک و قاب بنا بر مراعات
 یک جہتی و یکا گئی مقرر فرمودہ اند کہ بہ تمام برگ سبز پان ہستان یا داری شگفتہ و غنڈاں باشد
 ایسی معنی مہربان ہزارا از اہل دروستان سراے خاطر جانوں شد چوں نظر نہیں بیا کی کتا علی سہد و اہواب
 منا فرستہ و یکا گئی بانگہ قدس است انجی ادا شمار ملا و شہ ملازمتھہ این دیار مرقوب خاطر والا ستان پان
 ہم اعتبار عدالت شعرا رہند و ہ اعتبار بودہ باشد معروض خواہ داشت کہ خدگان دگا و گردوں پیش گاہ
 بار سال آن ماحود گردند و درویدہ غلظہ انہار میلان خاطر نور رشید آقا علی حضرت بادشاہ گردوں
 بارگاہ و بار سال صحت الا فاضل والا مشابہ بر ان الدین خولعی ایلایہ شوکت چنا و فاضل خان شدہ
 بود بر آن غلام زادہ لڑا جی ظاہر ست کہ در مینیکہ جان خاطر فاضل ہر ہم حمایت بدگا و خلائق چنا و آقا
 از ملا سفاکے کہ بعض آن ماحود شدہ اسد فائے نصرت مجھے از مرحل این دیار بود و چوں در آن وقت
 تراکم فہار تقار مانع و غول شاہ متول بجلہ اجابت قبول بود و پیرایہ حصول دل پر شیعہ و دین و ست کہ
 بعد اللہ تعالیٰ کی فہار از گرد گھنڈ خاطر رفتہ گھمبہا کے یک جہتی بر شاخسار مروت شگفتہ ز جہۃ اقران موسیٰ الہیا
 عرض فرمودہ انتقام سفاکے لازم الاطاعت باسم بیگلر بیگیان غلام و امرائے کرام وہندائے قوی الا قرا
 مالک معروض شرف صدور یافت کہ مانع و ظرم مشارع شدہ اند کہ کمال دغاہ حال و فراغ ہال
 ہنر و بان و متعلقان ماحال مافعال ردانہ ٹانجہ و علی آلی بیگلر مشمول مانیات غلامانہ مافا است خور
 شد چوں خاطر والا دلچ اندس و علی متوجہ رسیدن اغیار صحت آثار و است خود صفات کامل
 الہمیا ت اعلیٰ حضرت بادشاہ والا جاہ ستارہ سپاہ می باخدا مآل غلام زادہ خیر متیست کہ از شرف دگا
 خلائق چنا و درہ از شرف جنگا مجبور شدہ در بین دودہ دم اشرف نصرت انفراد حاصل نمودہ ہا و شہ
 و ہر جہات شاد و ستال باشد نقطہ

جب تک یہ سفیر دہلی میں رہا اور تکِ نرب اپنی تمام حرکات و سکنات میں سخت احتیاط کا پابند رہا ہر خلاف شاہجہاں کے جس سے نامور شاہ عباس کے سفیر کو کبھی تو بے مروتہ حرکت دیکھ کر ناراض کر لیا اور کبھی ایسی بے تکلفی اختیار کی جو اس کی شان کے لائق نہ تھی۔

سفیر ایران اور شاہجہاں کے بیٹے | جب کوئی ایرانی ہندوستان کی کسی آڈاٹا چاہتا ہے تو ہندوستان میں داخل ہوتا ہے۔ اہل یہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران ہندوستان کے درباری نامہ کے موافق رسمِ قیامات جس سے اس کو انکار تھا بھالائے تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ عام و خاص کے دروازے کا بھانگ کر بند کر دیا اور صرف کمر کی کھلی رہنے دی جس میں سے بغیر سر بھگائے گذر نہیں ہو سکتا تھا شاہجہاں کو امید تھی کہ اس تدبیر سے ہم کو اس بات کے کہنے کا مروتہ ملے گا کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے بھی زیادہ سر بھگنا پڑا۔ لیکن یہ سرکش اور چالاک ایرانی نوازنا ڈگایا اور شاہجہاں کی طرف پیادہ کر کے کھڑکی میں داخل ہوا شاہجہاں جب حاشیہ صغیر گذشتہ اور مصنف نے ایرانی کی کزوری کے ثبوت میں یہ لکھا ہے کہ باہی عباس کے دربار میں دارا شکوہ شاہجہاں سلطانِ خجرات اور شاہی صوبہ دار کابل نے بھی اس سے مدد مانگی تھی مگر اوروں نے اسے مروتہ ماعت کے وہ کچھ بھی ذکر کئے اس کے شعلی کتابِ طاہرہ میں اگرچہ شاہجہاں نے اوروں سے ہایت خواں صوبہ دار کابل کے نام کی تذکرہ نہیں کی۔ مگر شاہ عباس کی طرف سے اور کھلی دارا شکوہ لکھا ہے کہ شاہجہاں اور دروگھڑا کے نام کے نام سے بے شک موجود ہیں۔ میں سے بایا جا چکے کہ اور کھلی کو خالی دوسے تو بہت شے فکروں میں دیکھ گئے تھے مگر اخیر میں ایمانے دوسے میں است و لعل اور سرد فرزا کر دینے کے لئے تمنا کیا پیش کر لی گئی تھی۔ اور دارا شکوہ کو جو ذاتِ سیدہ میں پہنچ کر غالب ادا ہوا تھا وہاں دے کر لیں مالہ! انتہا کہ آپ اپنے دادا چاروں کی طرف اہل چارے پاس راغبی میں تشریف لے گئے پھر سب طرف سے مدد است ہو جائے گا۔

اور چاروں دروگھڑا والوں کو درخشاں صفوں کے ہم غریب تھے شاہانِ مغلیہ کا سنی المذہب ہونا بہت خدوہ سے جتا کر اگرچہ یہ صلاحات تو دی گئی تھی کہ اس وقت چاہنے والی فسادوں میں مبتلا ہیں ہم وہ ملکین و کرائی کی بیچ مکی میں کوشش کر دیا اپنی فرج و غیرہ کیجئے گا کوئی دوسرہ دھوارہ تھا۔

ان حالات پر غور کرتے سے خبر کی کہ اسے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل ایران ظاہری تعلق کے لئے خالی تھیں بہت گھبراتے تھے مگر اپنی غارت کا اعانہ اپنے دل میں خوب کچھ برتنے تھے۔ میں اس

شاہجاہ کا نام امیری اور مہاراجہ گنپت

یہ دیکھ کر کہ اس چال میں بھی وہی غائب رہا بہت الجھلا یا اور سیز کو حقارت سے مخاطب کر کے بولا ۔

”اے بد بخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طوطہ بھکر اس میں داخل ہوا ہے؟“

اُس نے کہا بے شک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گذر کرتے ہوئے کون شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ گدھوں سے لٹنے کے سوا وہ کسی اور جگہ جا رہا ہے ۔

دوسرا یہ کہ شاہجاہ سے سفر اِیراں کے کسی بے اوبانہ اور کشت جراب سے ناراض ہو کر

”اے بد بخت شاہ عباس کے صبار میں کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھے

خود مانع کو میرے پاس بھیجا ہے“

اُس نے کہا کہیں نہیں بہت سے صہب اور لائق لوگ موجود ہیں مگر وہ ہر ایک کی دیانت

کے موافق سفر بھیجا کرتا ہے ۔

تیسرا یہ کہ ایک دن شاہجاہ سے سفر اِیران کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا اور حسبِ معمول

اُس کے چہرے کے لئے مرتد دیکھتا رہا۔ پس جب سفر نے قلاب میں سے ٹوٹو نہ کر دیں

نکالیں اور چوڑی شروع کیں تو بادشاہ نے چپکے سے کہا ”اسپی ہی کتے کیا کھاتے گے؟“

اُس نے کہا ”کچھڑی“ جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے۔ کچھڑی

ایک کھانا ہے جو حادول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکایا جاتا ہے اور جس کو عموماً

ہندوستان کے قریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دہلی کو۔

رہو اُس وقت غیاثیاد ہو رہا تھا، اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو؟ سفر نے

لبند آواز سے جواب دیا کہ ”واللہ باللہ اصفہان تو آپ کے خیمہ کی گرد کو بھی نہیں پہنچا۔“

بادشاہ نے اسے تعریف جانا۔ لیکن سفر نے جو بیج کی تھی۔ کیونکہ شاہجاہ آباد کا گرد

غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے ۔

ایک قصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہجاہ نے سفر کو اس امر پر مجبور کیا کہ

شمیک طور پر جانے کہ ایران اور ہندوستان کی سلطنت کی قوت میں کس قدر فرق

ہے تو اُس نے عرض کیا کہ ہندوستان چودھویں رات کے پانچ گھنٹے پہلے اِیراں

میں دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاہجاہ اپنی عظمت کی بات

سمجھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اس نو معنی جواب کا اصل مطلب خیال میں آیا جو

یہ تھا کہ سلطنت چند احوال کے قریب تھی اور ایران ایک بڑھتی ہوئی دولت بت قبول
ہی دل میں بہت پہچ رہا تھا۔ الغرض ہندوستان میں چلائی جاتی رہتے ہیں وہ
اپنی زبان اور عارضہ جہاں کی نسبت اسی طرح کی شہنشاہیاں بکھا کر تے ہیں اور
اپنے تھے بیان کرتے ہوئے کبھی سیری نہیں ہوتے۔ مگر سیری رائے میں یہ نسبت
تعلقی اور تہذیب اور طرز و اسما کے سفیروں کے لئے زیادہ طریق ہے کہ وہ ممانعت اور وقار
اور ادب کو ملحوظ رکھیں۔

شاہ عباس کا یہ سفیر اگرچہ ان پسندیدہ اوصاف سے تو معزای تھا۔ مگر تعجب تو
اس بات کا ہے کہ اس کو اتنا معمولی شعور بھی نہ تھا کہ اپنی جان اور آمد کو کھانے رکھا
اور عوام و خواہ ایک عوام و خواہ کو اپنی نسبت غضبناک نہ کر لیتا۔ چنانچہ ایک واقعہ سے
میں میں اس کی جان جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس سے کہ اس نے
ایسی ہی تاریکی کی باتوں سے شاہجہاں کو اپنے سر کر لیا تھا یعنی اس پادشاہ کو اس سے
ایسی دلی بخشش ہو گئی تھی کہ اس سے بات چیت کرنے میں عمارت امیر القضاۃ
کہہ دیتا تھا بلکہ غلطی طور پر یہ حکم دیدیا تھا کہ جب وہ دربار کو آئے تو عام و خاص کے
راستہ میں (جو مثل ایک لمبے اور تنگ کو چہ کے ہے) ایک خرقہ لٹھی اس پر چھڑوایا
جاسے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگر یہ شخص چالاک اور دلیر نہ ہوتا تو ضرور مارا جاتا۔ لیکن
وہ اپنی پاکی سے نہایت پھرتی کے ساتھ کہہ گیا اور اس نے اور اس کے ہمراہوں
نے ایسے تیرہ تیرہ بارے کہ اسکی بھاگ گیا اور اس کی جان بچ گئی۔

اورنگ زیب کا اپنے استاد کے ساتھ سلوک | جس سے سفیر ایران اپنے ملک کو واپس
گیا ملا مارنے کی وجہ سے بڑی آواز ہو گئی
ہوئی۔ یہ بڑا عالمگیر کا استاد تھا اور ایک مدت سے اپنی جاگیر میں جو شاہجہاں نے
لے شاہجہاں کا سرور خاص ملا عبدالحق احمدی پادشاہ نامہ کے دو رسالہ ازل کے خاص میں جو
مستطاب بھری کے مشعل تھا اور ایشا بھائی کے طراز و نقل کی نمرست میں اورنگ زیب کے استاد
کی نسبت یہ مبادت لکھا ہے۔ میر محمد اشم معروف بہ حکیم اشم خاں میر محمد قاسم گیلانی متعادل
سال و درجہ میں فیضیہ بودہ منقولات و از نسخہ محمد علی محمد خاں شریف عبدالحق حلاق و ملا علی میرزا
ع مصام الدین شہید و منقولات ملا میر نصیر الدین میں پسرانہ میر فیاض الدین منصور و میرزا میرزا

اُسے دسہ رکھی تھی رہتا تھا جب اُس نے سنا کہ شاہزادوں کی باہمی لڑائیاں ختم ہو گئیں اور اُس کے شاہکرنے اپنے اولوالعزمہ منصوبوں میں پوری کامیابی حاصل کرنی تو فوراً دہلی آیا۔ اور اُس کو پوری امید تھی کہ اب امارت کا وہ بہت جلد حاصل ہو جائے گا چنانچہ جو لوگ دربار میں نوی وجاہت تھے سب کو اُس نے اپنا جانب دار بنالیا یہاں تک کہ کئی شخصوں بلکہ روشن آرا بیگم نے بھی اورنگ زیب کو یاد دلایا کہ آپ کا قابلِ تسلیم اور کامل الاخلاص استاد عزت و اکرام کا یقیناً مستحق ہے۔ مگر تین بیٹے تک تو اُس نے یہ بھی جاننا چاہا کہ وہ دربار میں آتا بھی ہے یا نہیں۔ لیکن آخر کار جب بقیہ جاشے مفرگڈنٹ۔ جلالی فراگڈنٹ بہندوستان آئے وہ طب وریاضی نزد سرکار طبائے حکیم علی گیلانی دندیدہ چند سے دوا معما باد کجرات چندریں مشعل نور چوں دانائی اور دوزخ و قضا علیٰ خصوصاً طب ہریضی اقدس رسپیہ حکم شد کہ وہ جاں بندہ خدمتِ صدارت و طبابت پر وادار۔ پس از انقطاع دستے ملتزم جودیت مدہ سید گشتہ با سرخانانی شرف تعلیم اختر برج سعادت باد شاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت و اکٹوں در ملازمت آں والا گورہ کا سیلاب است بر تفسیر مینادی عاشقے نگاشستہ بنام نای حضرت شاہنشاہی مطر زگردانیدہ است۔ فقط چونکہ اورنگ زیب کی ولایت چند حصوں پر تعدد مستند بھری کی تھی۔ اس صاحب سے ظاہر ہے کہ مشعل میں اُس کی ہیں برس کی عمر تک اس کا بھی استاد اُس کے پاس تھا اور اُس وقت کے نامور عالموں کی مذکورہ بالا فہرست میں صالح نامی کسی شخص کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ صاحب علی صالح نے شاہجہاں کے عہد کے خوشنویسوں کے ذکر میں میر عبد اللہ خلکیں رقم کے بیٹوں میر محمد صالح و میر محمد موسیٰ کے نام لکھ کر اُن کی خوشنویسی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ علاوہ خوشنویسی کے یہ دونوں بھائی ہندوستان کے فن موسیقی میں بھی نہایت کامل گویتے تھے اور مشاعر بھی تھے۔ چنانچہ میر صالح اشعار فارسی میں کثرتی اور ہندی اشعار میں سبب اپنا خلص کر رہا تھا اور یہ دونوں اپنے اشعار زیادہ تر اہل بیت اہلار سلام اللہ علیہم کے مناقب میں لکھتے اور اہل تصرف سے بہت رابا و غلط رکھتے تھے۔ اور منصب داروں کی فہرست میں اس میر صالح کو تھوڑی صدور کا منصب دار لکھا ہے مگر اورنگ زیب کا استاد ہونا کہیں نہیں لکھا فقط

اُس کو دیکھتے دیکھتے تنگ آ گیا تو حکم دیا کہ لما خلوت کے دربار میں حاضر ہو۔ جہاں صفِ حکیم الملک دانشمند خاں اور تین چار اور امیر جو علم و فضل میں شہور ہیں موجود تھے۔ اگرچہ میں اس موقع پر حاضر تھا اور ہوتا بھی تو ناممکن تھا کہ اُس طولِ طویل گفتگو کو یاد رکھتا ہوں اور نگز یہ نے کُما سے کی تھی۔ مگر ہر کچھ اچھے آفاقی زبانی میں سے سنا ہے کچھ شک نہیں کہ اُس کا مطلب حسبِ ذیل تھا۔ یعنی اورنگزبب نے فرمایا۔

لہٰذا ہی! براہِ مہربانی یہ تو فرمائیے کہ آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں؟ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم آپ کو دوبار کے اول درجہ کے گمراہ میں داخل کر لیں؟ لیکن اس سے پہلے اس بات کا ثابت کرنا ضروری ہے کہ آپ کسی نشانِ عزت کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ اگر آپ چاری تعلیم و تربیت شائستہ طور پر کرتے تو ضرور ایسی ہی عزت کے مستحق ہوتے آپ ہم کو ایک تربیت یافتہ لڑکا یا شخص بنائیے تاکہ ہم بتا دیں کہ اُس کی تعلیم و تربیت کی بابت شک و گمان کا زیادہ مستحق اُس کا اُستاد ہے یا اُس کا باپ۔ فرمائیے تو سہی کہ آپ کی تعلیم سے کون سی واقفیت بچے حاصل ہوئی ہے کیونکہ آپ نے تو ہم کو یہ بتایا تھا کہ تمام فرنگستان ایک چھوٹے سے جزیرہ سے زیادہ نہیں ہے جس میں سب سے بڑا بادشاہ اولِ سلاطینِ عالم تھا۔ پھر بادشاہِ ہالینڈ ہوا۔ اور اُن کے بعد شاہِ انگلستان اور فرنگستان کے اور بادشاہوں مثلاً فرانس اور اُنڈلس کی بابت آپ یہ بتایا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے ہاں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے مرافق ہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں صرف ہمایوں اکبرؒ جہانگیرؒ اور شاہجہاںؒ ہی ایسے شاہنشاہ ہوتے ہیں۔ جن کے آگے تمام دنیا کے بادشاہوں کی شان و شوکت۔ صم ہے۔ اور یہ کہ ایران۔ اُزبک۔ کاشغر۔ بلخار۔ چکوتو۔ سیام۔ چین۔ اور اسپین کے بادشاہ سلاطینِ ہند کے نام سے کہانتے ہیں سبحان اللہ آپ کی اس جغرافیہ دانی اور کمالِ علمِ تاریخی کا کیا کہنا ہے۔ کیا مجھے جیسے شخص کے اُستاد کو لازم تھا کہ دنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے مجھے مطلع کیا مثلاً اُن کی توت جنگلی سے؟ اُن کے وسائلِ آمدنی اور طرزِ جنگ سے اُن کے

رسم و رواج اور ذہاب اور طرزِ حکمرانی سے 'اٹاکن خاص خاص' امور سے
 جن کو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہیں تفصیل مجھ کو آگاہ کرتا اور
 علم تاریخ مجھے ایسا سلسلہ وار پڑھاتا کہ میں ہر ایک سلطنت کی جڑ بنیاد اور
 اسبابِ ترقی و تزلزل اور اُن حادثات و واقعات اور غلطیوں سے واقف ہو جاتا
 جن کے باعث سے اُن میں ایسے بڑے بڑے انقلابات ظہور میں آتے رہے
 ہیں اور قطع نظر اس سے کہ آپ مجھ کو بنی آدم کی وسیع اور کامل تاریخ سے
 آگاہ کرتے آپ نے تو چارے اُن مشہور و معروف ہندوگوں کے نام بھی اچھی
 طرح نہیں بتائے جو چارہی سلطنت کے بانی تھے۔ اور اُن کی سوانحِ عمری
 اور اُن کی خصوصی قابلیتوں سے بھی آگاہ نہیں کیا۔ جن کے باعث وہ بڑی
 بڑی فتوحات کر کے قابلِ ہونے اور اُن فتوحات سے پہلے جو واقعات
 ظہور میں آئے اُن سے بھی ناواقف رکھا۔ اور بادِ مہر کی بادشاہ کو اپنی ہمایہ
 قوموں کی نوابوں سے واقف ہونا ضروری ہے بھائی اُن کے آپ نے مجھ کو
 عربی کھانا پڑھنا سکھایا۔ اگرچہ اس زبان کے سیکھنے میں میری عمر کا ایک
 بڑا حصہ ضائع ہوا۔ مگر بے شک آپ نے یہ سمجھا تھا کہ آپ مجھ پر ایسا ہی
 زبان کے سکھانے سے جو دس بارہ برس برابر محنت کئے بغیر حاصل نہیں
 ہو سکتی ایک دلی احسان کر رہے ہیں۔ آپ نے بغیر اس کے کہ یہ سچ ہے
 کہ ایک شاہزادہ کو زیادہ تر کین کن علوم کے پڑھانے کی ضرورت ہے صرف
 صرف دیکھو اور ایسے فنون کی تعلیم کو جو ایک فاضل کے لئے ضروری ہیں مقدم
 جاننا اور چارہی بھائی کے ایام کو بے فائدہ اور لفظی بحثوں کے پڑھنے پڑھانے
 میں ضائع کیا۔

یہ الفاظ تھے جن میں اورنگ زیب نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن بعض ٹپے
 کئے آدمی یا تو بادشاہ کی خوشامد اور اُس کے کلام کی قوت دکھانے کو یا ملا صاحب کے
 حمد کے بارے یوں کہتے ہیں کہ بادشاہ کا لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ
 دیر بوجھ اور دھڑکی باتیں کر کے دوبارہ جاکو کیا۔

کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ جیشہن میں مہب کی قوت حائل تو یہ ہوتی ہے

ہزاروں مقتول باتیں ذہن نشین ہو سکتی ہیں اور آسانی کے ساتھ انسان ایسی مفید تعلیمات حاصل کر سکتا ہے کہ جن سے دل میں نہایت اعلیٰ خیال پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان بڑے بڑے نمایاں کاموں کے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ کیا خازنِ صرفِ عربی زبان ہی کے ذریعہ سے لدا ہو سکتی ہے اور ہماری اصلی زبان میں اسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور تحصیلِ مسائلِ شرعیہ کیا زبانِ عربی ہی پر موقوف ہے۔ آپ نے ہمارے والد ماجد کو تو یہ سمجھا دیا کہ ہم اسے فلسفہ پڑھاتے ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ آٹھ برسوں تک ایسے یہود اور انہو مسائل سے میرے دماغ کو پریشان رکھا جن کے حل ہو جانے کے بعد بھی کچھ اطمینانِ خاطر حاصل نہیں ہوتا۔ اور جو معاملات دنیاوی میں کبھی کارآمد نہیں ہوتے۔ اور صرف ایسے فرسین اور فضول خیالات اور کوجات ہیں جو کچھ میں تو بڑی مشکل سے آتے ہیں مگر بہت ہی جلد ذہن سے اتر جاتے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ دماغ پریشان اور عقل بخل ہو کر آدمی ایسا منہ زور اور ہیشلا ہو جائے کہ لوگ اُس سے وق ہو جائیں۔ بے شک آپ نے میرے اوقاتِ گراں ماہ کے کئی سال ایسے مسائلِ مفروضہ کی تعلیم میں جو آپ کو مرغوب تھے صرف کرانے گزرے ہیں آپ کی تعلیم سے علیحدہ ہوا تو کسی بڑے علم کے جانتے کا فخر نہیں کر سکتا تھا بجز اس کے کہ ایسی چند عجیب اور غیر معروف اصطلاحوں سے واقف تھا۔ جو ایک عرصہ مجھ کے لاجواں شخص کی ہمت کو شکست دماغ کو خصل نا اور طبیعت کو حیران کر دیتی ہیں۔ اور وہ میانِ فلسفہ کے جھوٹے دعووں اور حقائق کے چھپانے کی خاطر جو آپ کی مانند لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ وہ عقل و دانش میں سب سے بڑے ہونے ہیں اور یہ کہ ان کی تادیک اور مشتبہ المفہوم ہونے جتنی حق میں ایسے بہت سے دقائق ہیں جو بجز ان کے اور کسی کو معلوم نہیں گھڑائے گئے ہیں اگر آپ مجھ کو وہ فلسفہ سکھاتے جس سے ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ بغیرِ دماغ اور دلیل صحیح کے کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ یا آپ مجھ کو ایسا سبق پڑھاتے

جس سے انسان کے نفس کو ایسا شرف اور علو حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور ترقی و تخیل کی حالت میں ایک ہی سا رہتا ہے۔ یا تم مجھے انسان کے لوازم نظرت اور مقتضیات طبیعت سے واقف کرتے۔ یا مجھے ایسے طریق استدلال کا عادی بناتے کہ تصورات و تخیلات کو چھوڑ کر ہیشیا مول سا وقت ہدیہ کی طرف رجوع کیا کرتا اور عالم و مافیہا کی حقائق واقف اور اس کے کون و نماد کی ترتیب و نظام کے معارف یقینیہ سے مجھے مطلع کرتے اور جو فلسفہ آپ نے مجھے تعلیم کیا ہے وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہوتا۔ تو میں اس سے بھی زیادہ آپ کا احسان ماننا چاہتا کہ ممکن نہ ہو اس طرح کا ماننا تھا۔ اور اس طرح سے بھی زیادہ آپ کو انعام عطا کرتا۔ غلامی شاہدانی کا جو کلام لازم خواہ مخواہ بھڑپوڑ لگا جائے۔ کیا تم یہ دجانتے تھے کہ شاہزادوں کو اتنی بات لازم و رہی سکھائی چاہیے کہ اُن کو سلاطین سے اور رعایا کو اُن کے ساتھ کسی طرح برتاؤ کرنا لازم ہے۔ اور کیا تم کو اول ہی یہ خیال کر لینا ضروری نہ تھا کہ میں کسی وقت تخت و تاج کی خاطر بلکہ اپنی جان بچانے کے لئے تلوار پکڑ کر اپنے بھائیوں سے لڑنے پر مجبور ہوں گا۔ کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ سلاطین ہند کی اولاد کو ہیشہ بہی معائے پیش آئے رہتے ہیں۔ پس تم نے کبھی دہلی کا فن یا کسی قہر کا معاشرہ کرنا یا فوج کی صف آرائی کا طریقہ مجھے سکھایا تھا۔ مگر میری فوج غلامی تھی کہ میں نے ان معاملات میں ایسے لوگوں سے کچھ سیکھ لیا تھا جو تم سے زیادہ فطن نہ تھے۔ پس اپنے گاؤں کو چلے جاتے اور آج کے بعد کوئی نہ جانے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا حال ہے۔

لہ اس ساری فقرہ کو پڑھنے کے بعد تو کچھ ایسا شبہ ہوتا ہے جیسے برہنہ نظم و تربیت کے موضوع پر اپنے خیالات اور نگاہیں کے منہ سے کہلوانا چاہتا ہے جس کا مقصد بعض مشرقی علوم کی تحسیر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اس زمانہ میں روس کی تحسیر گرجا کی جو تعلیمات اور فلسفے پر مشتمل ہیں رائج تھے وہ بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب اور حقائق سے دور تھے۔ ایک میں یقین اور یقین میں ایک کی تجسیم و تشکیل کے بنیادی نظریے نے ان کے سارے علوم کو ایک عجیب گرد گرد و حصار کا رکھا تھا۔

انہیں دلوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ انہوں
 بادشاہی منہم کی ناگہانی موت

لوگ اکثر احکام بزم کے ایسے متقدم ہیں کہ ان کے نزدیک دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں
 ہے جو کراکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہ ہو اور اس لئے وہ ہر ایک کام میں خود
 سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین لڑائی کے وقت جب کہ دونوں طرف
 صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منہم سے سامت صلواتے بغیر لڑائی نہیں
 نہیں کرتا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی نامبارک گن میں لڑائی شروع کر دی جائے بلکہ
 جنہوں سے پہلے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر امر بھی نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا اقیاس
 بغیر ان کی اجازت کے نہ شادی بیاہ ہو سکتا ہے نہ کہیں سفر کیا جاتا ہے۔ بلکہ دربار
 میں باتیں بھی ان سے پہلے بغیر نہیں کی جاتیں۔ مثلاً کسی لونڈی غلام کا خریدنا یا بیچنا
 پہننا۔ اور اس اعتماد و توجہ نے خلائی کو عورتوں کی دولت میں خال رکھا ہے۔ اور اس
 سے ایسے اہم اور نامرغوب نتیجے پیدا ہوتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ اس قدر
 مدت سے یہ اعتقاد کیوں کو قائم چلا آتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک تجویز سے خواہ وہ کسی سرکاری
 کام کے متعلق ہو یا نجی کے۔ اور ہر ایک معاملہ سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی نجی کو
 واقف کرنا ضروریات سے ہے۔

وہ واقعہ جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاص بادشاہی منہم کسی اتفاق
 سے پانی میں گر پڑا اور ڈوب کر مر گیا اس انوس ناک واقعہ سے دربار میں بڑی حیرت
 پیدا ہوئی۔ اور ان تجویزوں کی شہرت کو جو اسرار فیضی کے جاننے والے گئے جاتے ہیں
 نے آخر مالگیری اور میرا خاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جیس کے اٹھا دیوں
 سال (میں نے خبری) میں تمام جنہوں کو جو بادشاہ اور شاہزادوں اور صوبہ داروں کے پاس ملازم
 رہتے تھے موقوف کر دیا تھا بلکہ اس حکم کی تعمیل اس سختی سے کی گئی تھی کہ اس کے مقرر غلام بختا
 خاں نے ان سے ہچکے کھولتے تھے کہ آئندہ تقویم رجسٹری ایک بھی نہ بنایا کریں اور بادجو کچھ عیال
 کی صحت کے لئے سرکاری دفتروں میں جنرلوں کا موجودہ خاکہ فروغی امر تھا۔ اور خوب کی رو سے کہ
 ضیع بھی نہ تھا گر اچھا کارکنانہ دیکھنا بھی موقوف کیا گیا۔ اور بہت تھکا کر سفر کرنے کی جگہ یہ دستور مقرر
 کیا گیا کہ وہ شہنہ اور چٹھہ روپہ ہمارے - س م

شہا بہاؤ کے ایام اسیری اور مہمان گاہے یہ

بڑا مہر پہنچا۔ چونکہ یہ شخص ہمیشہ بادشاہ اور امرا کے لئے ساتتیں نکالا کرتا تھا اس لئے لوگوں کو اس کے اس طہریت جان دینے سے قدرتی طور پر نہایت تعجب ہوا کیونکہ ایک ایسا مشاق بخوی جو عرصوں تک اوروں کے لئے مبارک اور عرش آئینہ باتوں کی چٹیں گوئی کرتا رہا جو اس آفت سے جو خود اس پر آئے دانی تھی واقف نہ ہو سکا۔ اور لوگ یہ کہنے لگ گئے کہ فرنگستان میں جہاں علم کا بڑا چرچا ہے مذہبوں کو دہاؤں کے لوگ مثل فرجیہوں اور شہید بازوں کے گنتے ہیں اور اس علم کو عمدہ اور صحیح اصول پر مبنی نہیں سمجھتے بلکہ یہ جانتے ہیں کہ مکار لوگوں نے جیسے آدمیوں کے دراصل میں رسائی پیدا کر لئے اور ان کو اپنا محتاج ثابت کرنے کا ایک ذریعہ بنا کر دکھا ہے۔

ایران کے بخوی کا لطیفہ | ان فرض لوگوں کے ان خیالات اور طعنات مخصوص مصدر جو ذیل واقعہ سے جس کا عموماً بڑا چرچا تھا ختم بہت ناخوش ہوئے۔ اور وہ یہ

ہے کہ ایران کے نامور بادشاہ شاہ عباس نے کہیں اپنے محل میں پانچ باغ لگانے کا حکم دیا تھا اور اس کام کے لئے دن بھی مختار ہو چکا تھا۔ اور باغبان شاہی نے بیوہ کے چند درختوں کے لئے ایک مناسب موقع بھی تجویز کر دیا تھا۔ مگر بادشاہی خیم نے باغ بہوں چڑھا کر کہہ دیا کہ اگر سامت دریا مت کئے بغیر درخت لگائے جائیں گے تو ہرگز سرسبز نہ ہوں گے۔ شاہ عباس نے اس کی بات مان کر سامت کٹھڑ کرنے کو کہا

تو اس نے کچھ پاشا و شائمال اور لہنجی کتاب کے ورق آٹھ پٹ اور حساب لگا کر عرض کیا کہ ستاروں کے خلاف، خلاف مقام پر ہونے کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گھڑی کے گندھ لے سے پہلے درخت لگادیئے جائیں شاہی باغبان جو بخویوں سے جو چھ گھڑی کرنے کو ایک لامصل بات خیال کرنا تھا۔ اس حکیمانہ تدبیر کے وقت حاضر تھا جس بغیر اس کے کو اس کے آئے کا اظہار کیا جائے گز سے کھدوائے گئے اور بادشاہ نے خاص اپنے ہاتھ سے درختوں کو جا بجا لگا دیا تاکہ یادگار کے طور پر کہا جائے کہ وہ خود شاہ عباس کے لگاتے ہوئے ہیں۔ مگر باغبان جب اپنے معمولی وقت پر سر پہر کو آیا تو درختوں کو لگا ہوا دیکھ کر بہت حیر ہوا۔ اور یہ خیال کر کے

ملے اب چاہے لوگوں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو برہنہ کو تو ضرب کی برتری ظاہر کر کے لے لے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ حالانکہ یہ پلے تو صدیق بعد پاکر حقیقت پرندہ کا رس یکساں اور اسلام نے آغاز ہی سے کہا تھا اور آئینکے ہاتھ پر حقیقت کی اور عقابین پر علم کی نیلہ درگاہ۔

کو اس قریب سے نہیں دکھاتے تھے جو اس نے بخون کر رکھا تھا شفا سیب کی جگہ نرودا اور بادام کی جگہ ناشپاتی دکھاتے ہوئے تھے تو ان کو اکھاڑ کر اور جڑوں پر کچھ شیشی ڈال کر رکھ دیا۔ اور رات بھر اسی طرح ڈالے رکھے بنجم کو بھی تو کسی نے جاگایا اور اس نے بھی نریشی شاہجہاں کے پاس جا کر باغبان کی اس حرکت کی سخت شکایت کی۔ پس یہ گڑبگڑ باغبان اسی وقت طلب ہوا اور بادشاہ نے خدایت مضناک ہو کر کہا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی کہ میں درختوں کو ہر نیک سامت نکلو کر خود اپنے ہاتھ سے لگا یا تھا ان کو اکھاڑ ڈالا۔ اور اب کیا امید ہے کہ اس بارگاہ کوئی درخت پہل لائے گا۔ کچھ نکرہ سامت نیک نشی وہ گذر گئی اور پھر کہاں سکتی ہے۔ یہ صاف باطن اور سادہ لڑت و پٹائی ہو اس وقت شیرازی خراب کا ایک درخت بھی چٹہے ہوئے تھا بخون کی طرف ترجیح نظر سے دیکھ کر ملا۔ دانشدہ بالقدح بھ ہی ساعت نکالی۔ اسے بکھٹ چنگوئی ذرا خیال کر کر کہ اس بھی خرابی ہو کہ جو درخت تھوڑے کھٹے سے دوپہر کو لگاتے تھے وہ خام سے پہلے ہی اکھڑ گئے شاہ عباس یہ بے ساختہ دھڑلے دار لطیف سن کر بے اختیار ہنسا کہ خوش چلا اور بخون کی طرف پیچہ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

اب وہ قصہ میں اور بیان کرتا ہوں جو اگرچہ شاہجہاں کے ضابطی جائداد سے متعلق لطیفے | رازد کے ہیں مگر ان کے بیان سے اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس ملک میں یہ کسی ظالماد بھائی رسم چلی آتی ہے کہ جب کوئی شاہی ملازم مرنا ہے تو اس کی جائداد بھتی سرکار ضبط ہو جاتی ہے۔ پس ان میں سے ایک قصہ تو یہ ہے کہ امرائے دربار میں نیک نام خاں نامی ایک نامور امیر تھا جس نے چالیس پچاس برس کے عمر میں بڑے بڑے عہدوں پر اسودہ کر بہت مال و دولت جمع کر رکھا تھا یہ شخص اس ظالماد اور کدوہ رسم کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ کچھ نکاس کے باوجود بڑے بڑے امیروں کی بکلیں بیکار ایک ایسی محتاج اور فقیر ہو جاتی ہیں کہ بادشاہ سے ان کو اپنی تھوڑی سی معاش کے واسطے التماس کرنی پڑتی ہے اور ان کے بیٹے کسی امیر کے ماتحت عام سپاہیوں میں فزکری کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں پس اس کا اخیر وقت جب ترمب ان پہنچا تو اس نے غصی طور پر اپنا تمام خزانہ تو مصیبت زدہ بیواؤں اور ایسے غریب امیر زادوں کو جو بیچارے ساروں میں توڑ کر کر کے لبراد مات کرتے تھے تقسیم کر دیا اور خالی صندوقوں کو لوہے کے ٹکڑوں، پٹیوں، پڑائی جوتوں اور پچھے پڑنے لکڑوں سے بھر کر خوب طرح سے ٹھہریں لگا دیں اور وصیت

فما جہاں کے امام امیری اور عہدہ ہو گئے ہیں

کی کہ ان میں ہوال واسباب بند ہے وہ خاص اعلیٰ حضرت کے لئے ہے۔ میرے مرنے کے بعد باقی تمام حضور میں پہنچا دیا جائے۔

پس نیک نام خاں کے انتقال کے بعد جب یہ صندوق سرکار میں آئے تو آغا خاں بادشاہ دربار میں بیٹھا تھا۔ اُن کو دیکھ کر اُس کا دل ایسا ٹپکا یا کہ سرور بار اُن کے کھوے جانے کا حکم دیا۔ مگر اُن کے کھٹے ہی ہوا فضاں اور مایوسی اُس کو ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس قدر فرسندہ ہوا کہ نوٹا دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ نیک نام خاں کے مرنے کے چند سال بعد ایک دولت مند بنیا ہر چیز سے پاوشاہی لازم تھا۔ ادا بنے ملک کے دستور کے موافق بڑا بیاج خور تھا مگر کیا تو اُس کے بیٹے نے اپنی ماں سے کچھ روپیہ لینے کے واسطے لڑنا ہنگامہ شروع کیا مگر اُس نے اُس کی عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے دینے سے انکار کیا تو اس احمق نے شاہ جہاں کے پاس جا کر کہہ دیا کہ اُس کا باپ دو لاکھ روپے دینا چاہیے لاکھ روپیہ چھوڑ مزاجے اس پر بادشاہ نے نوٹا اس بیوہ صاحبہ کو دربار میں بلا کر یہ حکم دیا کہ ایک لاکھ روپہ تو غزوہ شاہی میں بھیج دے۔ اور باقی میں سے پچاس ہزار روپیہ اپنے بیٹے کو دے۔ اور حکم مطلق دے کر جب دایوں سے کہا کہ اُس بڑھیا کو دربار سے نکال دو۔ یہ سن کر اگرچہ یہ بیچارہ بہت متحیر ہوئی اور اُس کو اس بات کا بھی پڑا رنج ہوا کہ بلا سماعت اس کے خد کے دربار سے نکالے جائے گا حکم ہوا لیکن تاہم یہ باہمت بڑھیا گہرائی نہیں اور جب دایوں کو جھڑک کر بولی کہ شہزاد میں ابھی بادشاہ سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں اس پٹیا جہاں لے : لایا اچھا ہو کہنا چاہتی ہے کہنے دو ہیں اُس نے عرض کیا کہ حضرت بی بی بیٹا ہوا اپنے باپ کے مال کا دعویٰ کرتا ہے کچھ چاہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جہاں بیٹا اور ہمارا وارث ہے۔ مگر میں ہاتھ ہڑ کر عرض کرتی ہوں کہ سرکار کا میرے خاندان کے ساتھ کیا رشتہ ہے، جو حضور ایک لاکھ روپیہ مانگتے ہیں۔ شاہ جہاں یہ مختصر اور بے ساختہ سوال سنی کہ بہت غصہ ہوا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ہند ہو کر ایک نئے کارشتہ دار کہلائے اُس کو بڑی ہنسی آئی اور کئی بار تہقیر مانا اور حکم دیا کہ اچھا اسے جانے دو اور اس کے مال و دولت سے کوئی متعرض نہ ہو۔ شاہزادوں کی باہمی لڑائی تو توڑا استغناء میں جب ختم ہو چکی اُس وقت سے لے کر کئی چھ برس بعد تک جب کہ میں ہندوستان سے رخصت ہوا جو عداوت قابل غور پیش کرتے

رہے اب میں اُن سب کو کھٹانا نہیں چاہتا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ اُن میں سے بعض کے کھمہ دینے سے فیملی پر ماکر مغلوں اور چند دستاویزوں کے طبع و طریق اور زمین و مکان کا مطالعہ کی کتاب پر واضح ہو جائے بہت کچھ پورا ہو جاتا اس کی فرو گشت کی وجہ سے جگہ وہ واقعات تمام و کمال کہیں پھر کھینچے نہیں گئے۔ لیکن سہروردت میں صرف انہیں خاص خاص لوگوں کے بعض اہم حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کرتا ہوں جن کے نام سے ناظرین واقف ہو چکے ہیں اور اس بیان کو شاہجہاں کے حال سے شروع کرتا ہوں۔

شاہجہاں کے ساتھ اورنگ زیب کا سلوک | اگرچہ اورنگ زیب نے شاہجہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کر رکھا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کی جاتی تھی جس سے اُس کے محل بھاگنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اور سب طرح نہایت ادب اور ملامت کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اور اُن شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دینے کی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔ اور اُس کی بیٹی سمروں بیگم صاحب سے ملنے کی بھی اجازت تھی۔ اور محل کی شکل متعلقہ دور میں مثلاً محل بادشاہی فاؤنڈیشن اور ناچنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر رہتی تھیں۔ اور ایسے معاملات میں اُس کی کوئی خواہش رد نہیں کی جاتی تھی اور اب جو یہ ٹیپا حاکم و زمام بن گیا تھا بعض ملاوٹ کو بھی اُس کے پاس جا کر سلامت قرآن کی پدا لگی تھی اور خاصے گھوڑوں اور ہاتھ پرے وغیرہ شکاری جانوروں کے شکار لینے اور ہرنوں اور مینڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے کی بھی اجازت تھی غرض کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہجہاں کے ساتھ بہر باقی اور ادب سے طاقی نہ تھا اور حتی الامکان وہ اپنے بڑے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور مملکت کے بڑے بڑے معاملات میں اُس کی رائے اور مشورہ کو شکل ایک ہیرو سرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا۔ اور اُس کے عزیزوں سے جو اکثر گفتار ہوتا تھا ادب اور نرمی داری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح سے شاہجہاں کی گردن کشی اور اُس کا منہ آخراں یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات مملکت کے بارے میں بیٹے کو کھینچے پڑھنے لگا۔ اور دادا شکوہ کی جلی کو بھی اُس کے پاس بھیج دیا۔ اور وہ بیش بہا ہواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر انکو گے تو کوٹ کر چوڑا کر ڈالوں گا اگر دوں گا نہیں اُن میں سے بھی بیٹے جو اہر اورنگ زیب کے پاس از خود

شاہجہاں کے الیم امیری اور عبدالعزیز

بیچ دینے بلکہ اپنے باپنی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے اُس کے حق میں دھماکے نہیں بھی کر دی۔

حالانکہ اورنگ زیب بڑی لمبا جوت سے بارہ معافی مانگ چکا تھا اور شاہجہاں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر میرے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شاہجہاں کی ہر ایک بات باغذرت تسلیم کرنی جاتی تھی۔ کیونکہ مجھے اورنگ زیب کے ایک ولی عہد کی طرز و تحریر سے معلوم ہوا کہ جب کبھی یہ بڑے بادشاہ محکم کے طور پر اُس کو کہہ سکتا تھا تو یہ اُس کے جواب میں جرأت کے ساتھ اپنی ہی بات پر قائم رہنے کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کے چند فقرے پڑھے ہیں جن کا مضمون یہ تھا۔

”کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ میں سختی کے ساتھ پُرانی رسموں کا پابند رہوں؟ اور جو کوئی جہاد کو ترک کر جائے اُس کی جائداد ضبط کر لوں، اگرچہ شاہجہاں مغلیہ کا بدستور بادشاہ کہ اپنے کسی امیر کو کسی دولت مند مہاجن کے مرنے کے بعد بلکہ بعض اوقات قروم نکل جانے سے بھی پہلے ہی اُس کے تمام مال و اسباب کا تعلقہ کراتے تھے اور جب تک اُس کے نوکر چاکر جزو کل مال و دولت بلکہ ادنیٰ ادنیٰ زکوٰۃ بھی نہ جلا دیں اُن پر مار پٹ اور قید و بند کا تشدد کیا جاتا تھا اور یہ دستور بے شک فائدہ مند بھی ہے۔ لیکن جو انصافی اور دینے دہی اُس میں ہے؟ اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور اگر ہر ایک امیر نیک نام خاں کا سامنا کرے یا کوئی عورت اُس سے بڑھ مہاجن کی طرف اپنے مال کو بے تحشیدہ کرے تو اس میں وہ حق بجانب ہے یا نہیں؟

حضور کی عقل سے بہت فوٹا ہوں اور اس امر کا تحمل نہیں کر سکتا کہ حضور میرے طور طریق کی نسبت غلط فہمی فرمائیں۔ اور جیسا کہ حضور خیال فرماتے ہیں تخت نشین ہونے سے مجھے خود رائے اور مفرد نہیں بنایا۔ چالیس برس سے زیادہ کے تجربہ سے حضور خود بھی خیال فرما سکتے ہیں کہ آج شاہجہاں کس قدر گراں چہرہ ہے۔ اور بادشاہ جب وہاں سے اُٹھتا ہے تو کس قدر انکار اُس کے دل کو تمکین اور دود مند بنانے ہوتے ہیں۔ ہمارے مشہور و معروف جہاد مجاہد جلال الدین محمد اکبر نے اسی غرض سے کہ اُن کی اولاد دہانائی اور دہلی اور ممبئی

کے ساتھ سلطنت کرے اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امیر تیمور گورگان کا ایک نوکر بطور متوہ کھسکار اپنی اولاد کو اس کی طرف توجہ دلاتی ہے چنانچہ کھساہے کہ جب بائزید یلدرم گرفتار ہو کر امیر تیمور کے حضور میں لایا گیا اور امیر تیمور کے ساتھ اس مفرد قیدی کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔ تو بائزید نے اس حرکت سے ناراض ہو کر امیر کو کہا کہ تم کو اپنی فتح مندی پر اس قدر اترانا چاہئے عزت و عظمت منہا خد اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تم آج فتح یاب ہوئے ہو کل مہری طرح پکڑے جاؤ۔ امیر نے جواب دیا کہ میں دنیا اور اس کے جاہ و دولت کی بے شباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا ذکر سے کہ میں اپنے کسی مطلوب دشمن کی جھٹک کروں۔ اور مہری نہیں کا سبب یہ نہ تھا کہ تمہارا دل دکھاؤں بلکہ مجھے تمہیں دیکھ کر اپنی اور تمہاری بد صورتی کے خیال سے بے اختیار ہنسنا پڑا کیونکہ تم کو کاٹنے ہوا اور میں لنگڑا ہوں۔ اور یہ بات میرے دل میں گندی کر تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے جس کو پاکر بادشاہ اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں حالانکہ خدا نے تعالیٰ اس کو اپنے اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے جو کالے اور لنگڑے ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہ خیال فرماتے ہیں کہ مہری معروفت بہ نسبت اُن اسود کے جن کو میں نکم و لائق ملک داری اور سلطنت کے اندر مدنی استقام کے لئے نہایت ضروری جانتا ہوں نئی نئی فتوحات اور ملک گیری کی جانب زیادہ ہوتی چاہئے۔ اس امر سے میں ہرگز انکار نہیں کر سکتا کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد و دولت نئی نئی فتوحات کی وجہ سے مزید اور متنازع ہونا لازم ہے اور اگر میں ایسا نہ کروں تو گویا اپنے نامور بزرگ امیر تیمور گورگان کی نسل کو دوسرے لگاؤں کا۔ مگر بہر حال یہ بات قرین انصاف نہیں ہے کہ مجھے کابلی اور خاموش بیٹھے رہنے کا الزام دیا جائے۔ کیونکہ ہنگالہ اور وکن میں مہری فوجوں کی مصروفیت کو تو حضور بھی مٹے خیال نہیں فرما سکتے۔ اور میں

لے سلطان بائزید یلدرم کے مطلوب اور تمہارے ہونے کے نوکر ہیں یہ روایت د تیمور نامہ میں ملتی ہے نہ اکبر نامہ میں۔

حضور کو یہ بھی یاد دلانا ہوں کہ پڑے سے بڑا ملک گیر بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دنیا کے اکثر حصے بالکل جوش اور ناتربیت یا نئے قروں نے فتح کر لئے ہیں اور نہایت وسیع سلطنتیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں۔ پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور بدل و انصاف ہی کو اپنا حاصل عمر جانتے۔

اس عرصہ کے باقی حصہ کے پڑنے کا بچے نو قہ نہیں دیا گیا۔

میر جملہ کی کارگزاریاں مہم آسام اور اُس کی موت

اب میں چند کلمے اس مشہور شخص کے باب میں کہنے چاہتا ہوں جن کو میر جملہ کہتے ہیں اور کن معاملات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے شاہزادوں کی باہمی لڑائی کے بعد اُس کا تعلق رہا۔ یہ کہ اس نامہ شخص کا خاتمہ کس طور پر ہوا۔

بچکانہ پر قبضہ حاصل کر لے میں اُس نے سلطان شجاع کے ساتھ دہلی میں رہی اور بے ایمانی نہیں کی جو بیرون خاں نے دلا شکوہ سے اور سری نگر کے راجہ نے سلیمان شکرہ سے کی تھی۔ بلکہ اس نے ایک ہنرمند سپہ سالار کی طرح ملک پر قبضہ حاصل کیا اور بغیر اس کے کہ کسی دغا اور فریب سے سلطان شجاع کو گرفتار کرے صرف اس پر ممانعت کی کہ سلطنت کے چھوڑ دینے اور سجدہ کی طرف بھاگ جائے ہر مجبور کیا۔ سلطان شجاع کی مہم کے خاتمہ کے بعد میر جملہ نے ایک عوامی سرا کو مرضی دے کر اورنگ زیب کے حصہ میں بھیجا اور اٹھاس کی گزیرے اہل و عیال کو اس کے ساتھ بنگالہ چلے آئے کی اجازت بخشی جائے اور کھسا کہ لڑائی، بھگروئی، صغیر ہو گئی۔ اور چونکہ میں ضعیف اور بڑھاپا ہو گیا ہوں حضور کی ملازمت سے مجھے اُمید ہے کہ اس سے زیادہ اہل و عیال سے میری مددائی کو پسند نہ فرمایا جائے گا۔ لیکن اورنگ زیب اس چالاک دیر کے مطلب کو فوراً سمجھ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس کے بچے محمد امین خاں کو بنگالہ بھیج دیا جائے گا تو میر جملہ یقیناً بنگالہ کا خود سر بادشاہ بنے گا اور وہ کہے گا اور شاید کہ یہ عجیب شخص اس پر بھی تلافی دے کہ میر جملہ ہمارے مفرا دلوا لیا۔ شجاع اور دولت مند جرنی کے علاوہ اس وقت ایک خیماب نوٹ کا سپہ سالار تھا۔ اور اُس سے اہل سپاہ کو صمت بھی

تھی۔ اور اس کا رعب بھی مانتے تھے۔ اور ہندوستان کا سب سے مہم صوبہ اُس کے قبضہ میں تھا۔ اور گو گنگڑ سے میں جو معاملات پیش آتے تھے اُن سے ثابت ہو چکا تھا کہ میر جملہ کیسا ایک بے سہارہ بے لاک طبیعت کا انسان ہے۔ پس اپنے شخص کی درخواست کو نظر انداز کر دیا بالخصوص خطرناک نتائج کا باعث ہوتا۔ مگر اور گنگ زیب نے اس موقع پر بھی اپنی مخصوص احتیاط اور دانائی سے کام لیا۔ یعنی میر جملہ کی بیوی اور پوتے پوتوں کو بنگالہ روانہ کر دیا۔ اور امیر لاکھنؤ کا خطاب عنایت کیا جو ایک ایسا خطاب ہے جس سے بڑھ کر شہنشاہ ہند کوئی خطاب نہیں دے سکتا اور اُس کے بیٹے عمرا بن خاں کو میر جملہ کا منصب عطا کیا جو سلطنت کے منصبوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ کا منصب ہے مگر اس منصب و لاکھ ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے اُس کا صلہ ہر سال ملتا ہے۔ اس کے علاوہ میر جملہ کو بنگالہ کی مستقل صوبہ داری بھی عنایت فرمائی۔

میر جملہ جب اپنی مراد میں کامیاب نہ ہوا تو اُس نے سوچا کہ اگر بیٹے کے بدلنے کی کر دہ درخواست کروں گا تو یہ امر یقیناً بادشاہ کے خلاف کا باعث ہو گا اس لئے اُس نے بھی اسی کو بہتر مانا کہ ان انعامات شاہی کا شکریہ بھلائے اور خاموش ہو رہے لیکن ساتھ ہی جب کہ ایک سال کے قریب گنگ چکا نواہ گنگ زیب نے صحیح طور پر یہ خیال کر کے کہ ایک اور العزم سبب اب زیادہ عرصہ تک بیٹلا نہیں چلے سکتا۔ اور اگر اُس کو لڑائی سہڑائی میں مشغول نہ رکھا جائے تو خود اپنی ہی سلطنت کے اندر کوئی کبھی اُٹھ کر نہ دے گا۔ میر جملہ کو آسام کے راجہ پر فوج کشی کی تیاری کا حکم دیا ہوا ایک مذہب دوست اور دیندار راجہ ہے اور میں کا ملک دُعا کر کے شمال میں خلیج بنگالہ کے کنارے ہے۔

اُدھر میر جملہ خود بھی اس ہم کی فکر میں تھا کہ نہ کہ اُس کو اس طرح پروردہ چین تک ملک فتح کر کے ایک دائمی شہرت حاصل کروں گا۔ نیز کہ اور گنگ زیب کے پیغام رساں نے میر جملہ کو اس مہم پر پہلے ہی سے آمادہ پایا اور فوراً ایک سپاہ جوار لُوحا کے کشتیوں میں اُس کو دیا کہ راستہ روانہ ہوئی جو آسام سے نکلتا ہے اور گڑ شمال و مشرق

ملے ایک ماخیز میں کھانا چکا ہے کہ اس کو خالی خاں پہنچا کر کھانا چکا تھا۔ امیر لاکھ

خطاب شمس خان کا تھا۔ س. م. ج.

سے چل کر ایک قلعہ پہنچیں کوآند کہتے ہیں اور جو لوہا کہ سے قریب بین سویل کے ہے اور جس کو آسام کے راجہ نے جنگل کے ایک صوبہ دار سے سابق میں چھین لیا تھا جا پٹنہ۔ اور دس بارہ دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہو گیا۔ اور میر جملہ جہانگیر کی طرف جو آسام کا دروازہ کھلا جاتا ہے بڑھا اور اٹھائیں دن کے بے سفر کے بعد وہاں جا پہنچا۔ اور یہاں ایک لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھا کر گڑگڑائی کی طرف جو آسام کی راجہ دھانی اور جہانگیر کے ایک سو میں چل گئے قلعہ پر بے بہاگ گیا۔ لیکن میر جملہ کے پھل اور چست تعاقب نے وہاں بھی دم لینے دیا۔ اور بغیر اس کے کہ کچھ مورچہ ہندی وغیرہ کے مجبوراً پیچھے کو ہٹتا ہٹتا ملک لاساکے کو ہستان میں جا گسا اور جہانگیر اور گہڑوں لوٹ لئے گئے۔ خصوصاً گڑگڑائی سے بہت مال و دولت فوج کے ہاتھ آیا اگر سلاخوں ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے اور تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں کی عورتوں کا حسن مشہور ہے اگر کثرتِ بارش کی وجہ سے جو موسم سے زراہلہ شروع ہو گئی تھی سپاہ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اس ملک میں اس قدر مینہ برستا ہے کہ کھجور گاؤں کی آبادیوں کے جو چھانٹ کر اونچی اونچی زمینوں پر لٹاتے جاتے سب جگہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اور راجہ نے مرنے پا کر لشکر کے اس پاس کے ملک کو مویشی اور ہرنم کے ایکٹان سے خالی کر ڈالا۔ اور اگرچہ فوج نے بہت سال و دولت جمع کر لیا تھا۔ مگر قبل اس کے کہ برسات ختم ہو۔ رسم کی طرف سے نہایت دولت اور تکلیف میں پڑ گئی۔ میر جملہ نے آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا کہ نہ سامنے جو پہاڑ تھے اور نہایت ہی غرار و گلاب تھے اور نہ پیچھے ہٹنا اس نے مشکل تھا کیونکہ اس کے دل کی کثرت کے علاوہ دھبے تھے شہنشاہی کر کے وہ ہشت بھی تڑاؤ لگاتا جس پر سے چھلکا کا راستہ تھا جس برسات بھر مجھتا وہیں شہر پڑتا مگر خشک موسم کے لئے ایک ملٹن کی تکلیفوں اور رسم کے شے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہو گئی کہ میر جملہ کو آسام کی فتح کا اعادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگرچہ فوج کسی اور کم لیاقت سردار کے ماتحت ہوتی تو جنگ لڑ کو داپس آنا مشکل تھا۔ کیونکہ رسم بہت مشکل سے ہم پہنچی تھی۔ اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کو پچ نہیں کر سکتی تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میر جملہ اپنی معمولی ہوشیاری سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے بٹا لایا کہ اس کے حشی تہ ہر کی اور بھی دھوم مچ گئی اور مال و دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور داپس آئے

جو نئے قلعہ آندہ کو خوب مستحکم کر کے ایک ہزار سپاہ وہاں اس فرض سے چھوڑا یا کہ اگلے برس کے شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کی ہائے۔ لیکن یہ نای سرمدار مرض بھیجش سے جو اُس کے لشکر میں بنگالہ پہنچنے ہی پہیل گیا تھا سر گیا۔ اور جیسا کہ ہونا چاہیے تھا اس کی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ مگر بہت سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے کہ حقیقت میں اورنگ زیب بنگالہ کا بادشاہ ابھی سما ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب میر جملہ کی خدمات کا مستزف اور شکر گزار تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مر جانے سے جس کا اقتدار اور فائزندی اُس کو عیش و عشرت رکھتی تھی ممکن نہیں ہوا۔ چنانچہ سرمد ہار مہمان خاں سے کہا۔

”انہوں میں ہے کہ تمہارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت قوی اور نہایت خوفناک دوست چل رہا ہے۔“

مگر مہر جال اورنگ زیب نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ ممد امین خاں سے پیش آیا۔ اور اس کو یقین دلا یا کہ اپنے باپ کی جگہ اب ہم کو بھرو۔ اور بجاتے اس کے کہ اُس کی تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میر جملہ کے مال و دولت کو ضبط کرے ممد امین خاں کو میر جملہ کی عہدہ پر منتقل کر دیا۔ بلکہ تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ اضافہ کر دیا۔ اور اُس کے باپ کے کل مال و دولت سے بھی کچھ قرض نہیں کیا۔

اب میں تصوراً سا حال اورنگ زیب کے ساموں
شائستہ خاں الاکان کی ہم پیر شائستہ خاں کا جس کا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے

اور جس کی موثر تقریریں اور چڑتوڑ اس کے بھانجے کے لئے ایسے فطیم الشان مرتبہ پہنچنے کا باعث ہوئے۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ کعبہ کی لڑائی سے ملہ میر جملہ کا ایک خلیفہ بادشاہ پر اسام سے واپس آنا جیسا کہ معنف نے کہا ہے درست نہیں ہے اور اسی کے علاوہ اور بھی فطیلیاں ہیں۔ اور اس ہم کا بیچ اور مصلح حال جو کہ ہمارا واسطہ دو لڑوں میں ایک ہیں و قتل میں کی گئی تھی مانگیر ناصر اس خوبی سے کہا ہے کہ اُس وقت کی خارجی جارجوں میں ایسے عہدہ کا ہواں شاہ و نادر ہی یا یا جانا ہے اور اگرچہ وہ تفصیل اور جزئیات سب کے سب نہایت ہی دلچسپ اور قابل دید ہیں، لیکن اگر ان کو پڑا تو نکل گیا جاتا تو بھلائے خود ایک چھوٹی سی کتاب میں جاتی اس لئے کہ اس کا نظارہ کھمکھو بدیدہ ایک حاشیہ کی اس جگہ کے خاتمہ میں دیا جائے گا کہ اس کو خدا کا ہاتھ ہے

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہارنگنے بہ

پہلے مہارنگ اورنگ دار الخلافہ سے شجاع کے مقابلہ کو گیا تھا شہنشاہ غلام آفریں کا
صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور وہاں کی سب چالاک
بھی اسی کو تنویض کی گئی۔ اور اب میر جملہ کی وفات کے باعث بنگالہ کا صوبہ دار اور
وہاں کی فوج کا سپہ سالار بھی مقرر ہوا۔ اور امیر الامرا کا خطاب بھی اُس کو دیا گیا۔ شہنشاہ
خان کی ناموری کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنگالہ پہنچے ہی وہ ہم ظفر اُس سے
اپنے نومرئی تھی۔ اُس کا بیان کیا جائے۔ اور جب یہ خیال ہوتا ہے کہ خدا جائے کس ہٹ
سے اُس کے نامور جانشین سلاطین (میر جملہ) نے اُس کو اختیار نہیں کیا تھا تو یہ ہم اور
بھی زیادہ توجہ کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور میرے اس بیان سے مملکت بنگالہ اور اراکان
کی گذشتہ اور موجودہ حالت ہر اب تک لوگوں کو چنانچہ معلوم نہیں ہے منکشف ہوگی۔
اور کچھ اور حالات بھی جو توجہ کے لائق ہیں ظاہر ہوں گے مگر اس ہم کی کیفیت معلوم ہونے
اور اُن واقعات کے کھولی سمجھنے کے لئے جو علی بنگالہ میں واقع ہوتے ہیں ان کا تذکرہ
ہے کہ اراکان میں ہے کہ لوگوں کا ملک بھی کہتے ہیں برسوں سے بہت سے لڑاؤ ہو گئے
اور صیاتی قلام اور دو نئے پرنسز اور اہل فرنگ جو ادھر ادھر کے ملکوں سے اُن کو جمع ہونے
تھے رہتے تھے اور یہ ریاست اُن بد چلن لوگوں کے لئے چلنے پناہ تھی جو گواسیلان۔
کوچین۔ ملاکا اور ہندوستان کے اور مقامات سے جو قبل از میں پرنسزوں کے قبضہ میں
تھے یہاں پہلے آتے تھے۔ اور جو معاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑ آتے تھے یا ہر اہلکار
لوگ معین ہو کر اسے شادی کر کے یا کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر بھاگ آتے تھے
یہاں اُن کی بڑی آؤ بسکت ہوتی تھی۔ یہ صرف نام کے صیاتی تھے۔ اور اراکان میں
ان کا طرز معاشرت نہایت قابل نفرت تھا۔ چنانچہ بے دھرمک ایک دوسرے کو قتل کرتے
یا زہر دیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے ماٹا پادریوں کو بھی ہتھ پڑھو تو وہ بھی ان
سے کچھ کم دتے مار ڈالتے تھے۔ اور اراکان کے راجہ نے جو چند سلاطین مغلیہ سے
خائف رہتا تھا۔ اپنے ملک کی سرحد پر اُن کے وجود کو ہنزلہ ایک جنگی چوکی کے کارآمد
کھنکر جاٹ گام کی بند گاہ اور بہت سی زمینیں آبادی کے لئے اُن کو دے رکھی تھیں۔
اور چونکہ وہ اُن لوگوں سے کسی طرح کی مزاحمت اور باز پرس نہیں کرتا تھا۔ تو یہ کچھ تعجب
کی بات نہیں ہے کہ ان بد معاش اور بے گام لوگوں کا پیشہ لوث کھوٹ اور سمندری

خارٹ گری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چڑھ کر اندر اور سرسبز
 میں گشت لگاتے اور لنگڑاکی بے شمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھسے۔ اور زمین جنگل
 کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے۔ اور اکثر سوٹوڑ سو میل تک ملک کے اندر چلے آتے
 تھے اور جہاں کہیں بازار دکھایا ہوتا یا کوئی شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی وہاں بچا یک
 جا ہڑتے اور تمام لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے۔ اور یہ نصیب قیدیوں کو غلام بناتے۔ اور جو چہر
 اٹھائی نہ جاتی اس کو جلا جلاتے تھے۔ اور یہ اس جہیز کی لوٹ ماری کا نتیجہ ہے کہ ہم لنگڑا
 کے وادہ پر اپنے عہد و جزیروں کو جو کسی وقت خوب آباد اور سمور تھے۔ ویران اور مسلمان پڑا
 ہوا دیکھتے ہیں۔ اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اور
 ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بے رحمی اور بے سلوکی سے چلی آتے تھے اور ان کو یہاں
 تک جرات ہو گئی تھی کہ بڑے آدمیوں کو نکلے اور بیکار جان کر انھیں مقامات میں بیٹھ
 کرے جاتے تھے جہاں سے ان کو پکڑ کر لاتے تھے اور اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ جوان شخص
 جو کل اٹھائی بساگ کران کے ہاتھ سے بک گئے تھے آج اپنے بڑے باپ کو خرید کر ان کے
 پنجہ سے چمڑے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جو ان قیدیوں کا یہ حال تھا کہ یا تو ان کو
 عراقی سکھاتے تھے یہاں تک کہ وہ خود قتل و غارت کے شاہین بن جاتے تھے۔ یا ان کو
 گوا۔ سپان۔ اور سین طاس کے پتنگیزوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ بلکہ خاص جنگل
 میں ہنگلی کے رہنے والے پتنگیز بھی ان بیچاروں کے طریقے لینے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے
 اور یہ ہولناک تجارت گالیس تک بھی ہوتی تھی جو اسٹاس ہال اس کے قریب ایک
 جزیرہ ہے۔ ان قزاقوں کا یہ معمول تھا کہ فروخت طلب غلاموں کو کشتیوں میں بھر کر مقبوضہ
 مقامات پر لے جاتے اور باہمی قرارداد کے مطابق پتنگیزوں کے آگے کے منتظر رہتے تھے۔
 اور وہ ان سب کو نہایت ہی ارزاں قیمت پر خرید لے جاتے تھے اور نہایت انوس
 ہے کہ پتنگیزوں کے زوال قوت کے بعد فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چانگام کے ان
 قزاقوں کے ساتھ جو یہ شیخی بگھا رہتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر اس قدر ہندوں کو خرید
 خالیے ہیں جو پوری روک تمام ہندوستان میں دس برس میں بھی نہیں بنا سکتے اس نہ موم چمک
 لے اس ٹاس ہال اس۔ انگریز کے اس غصیلے معاملے کے نزدیک واقع ہے جس کو
 انگریز ہی کو لڑا کو سٹ وین معاملہ مذہب، کہتے ہیں اور جہاز سبھی طاس اور گالیس بھی انہی

شاہجہاں کے ایام سیری اور عہد اور نگینہ

کو چاری رکھا۔ سبحان اللہ۔ عیسائی مذہب کے پاک اداکار اس طرح سے خواہ مخواہ اور اُس کے لواہی کی تحقیر کر کے طائفہ اُس کے برخلاف مل کر نکال گیا جیسا کہ ہماری طرف سے دینی مقدس کے پھیلائے کا ان گنتوں نے نکالا ہے۔

جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں | یہ لوگ پہلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے
 جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہ کرتا۔ اور ان کی تجارت
 سے فوائد کثیر حاصل کرنے کی اُمید رکھتا تھا۔ علاوہ

میں ان لوگوں نے اُس سے یہ عہد بھی کیا تھا کہ ہم طائفہ جہانگیر کی مہربانی سے
 محفوظ رکھیں گے مگر شاہجہاں نے جو آپ کی یہ نسبت مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا ان
 کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے حلقوں کو جرات دلاتے تھے۔
 بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رحمت تھے اپنے پاس رکھ کر ان کے آزاد کرنے
 سے انکار کرتے تھے۔ پس اُس نے اول تو وہ صدمہ کراد دیا کہ بہت سارے یہ وصول کیا مگر
 جب بادشاہ کے احکام کے موافق جن جن باتوں کی تعمیل مطلوب تھی نہیں ہوتی تو انکار
 ہمارا کر کے شہر بدتمیز کر دیا گیا اور عموماً سب کو غلام بنا کر آگے بھیج دیا۔ زنا و قریب کی
 تاریخوں میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی۔ بلکہ وہ اس گروہ نبی
 اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بیت المقدس سے قید کئے جا کر سب اہل
 کو بھیج دیئے گئے تھے۔ کیونکہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل سے ذکوئی بچے ہی مشنئی رام ذکوئی
 بقیہ ماٹھے منو گڈنٹ۔ کے نزدیک ہیں۔ یہ سب مقام نند سلطنت میں پرتگیزیوں کے تحت حکومت تھے۔

اور چونکہ سینے طاس ایک جگہ اس کے قریب بھی پرتگیزیوں کے قبضہ میں تھی۔ اس لئے سلطان کام
 سے ایسا معلوم ہوا چکا اس جگہ وہ الہیہ کا سینے طاس مراد نہیں ہے۔ س م م

لے یہ ماجراجی اسرائیل کے قصص تاریخی سے متعلق ہے اور مختصر بیان اس کا اس طرح ہے کہ ایمانیم
 ابن یوشیا بیت المقدس میں آل یہود میں یعقوب علیہ السلام کا شاہنشاہ ہیرولی میں جس کو اب دمشق
 اور دمشق ہے وہ وزیر چھ سو ستادین برس کا غورہ گویا۔ اس طرح پر بادشاہ ہوا تھا کہ مصر کے
 بہت پرست بادشاہوں میں سے جو فرعون کہلاتے تھے اُس کے ایک ہم عصر فرعون نے اس کے بھائی
 یوحنا کو مغلوب اور قید کر کے ایمانیم کو بلو اپنے خراج گند کے اور ایمانیم نام رکھ کر نبی یوحنا کا بادشاہ
 بنا دیا تھا۔ یہ بادشاہ بہت ظالم تھا اور جیسا کہ اور غی اس وقت بھی بعض اوقات کرتے رہتے تھے

ہوئے حادثے مندرگوشہ۔ اس نے فریخت مرسوی کے برخلاف بت پرستی اختیار کر کے اس طریق کو ترجیح دینا شروع کیا تھا۔ شاہجہان تک کہ حضرت اور یابی کو جو حضرت پر میا نبی کی طرف سے شرع مرسوی کے مخالف بنی اسرائیل کو گراہیں اور جو بدعتا اور سنت ہر مقلد اور عاملی قبیحہ اور بت پرستی سے منع کرتے اور قرآنی کے نازل ہونے سے ٹوٹتے تھے ناراض ہو کر اس بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور آخر کار مصر سے کہ جہاں وہ بھاگ کر پہلے گئے تھے وہیں داکر اور اپنے مرنے والوں کی معرفت پکڑے گئے کہ بیت المقدس میں قتل کرا دیا۔ بطور انتقام الہی ان سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا۔

کو کچھ تفرقہ دانی سپرب پسر کھانہوں کے بت پرست بادشاہ نے جس کے خاندان کی سلطنت عراق میں تھی اور دریا کے زرات کے نزدیک شہر نے لڑا اور بابل و کرمان کے مقلد اور بغداد کے قریب ان کے دارالحکومت تھے مشفقہ ہر ملی میں بادشاہ ہو کر اول قرآن قیام کو ہر ملک غلطیوں میں رہتے تھے ملک بابل کا کمرہ ملیج کیا۔ اور بعد ازاں یو یاتیم کے گیا رہی سال جلوس میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اپنے دارالملک نے لڑا سے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یو یاتیم عباس کے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھا بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھ کر مسروران آل یہود حاضر ہو گیا چنانچہ کچھ تفرقہ نہ بلکہ مقابلہ و فراموشی مشہور میں داخل ہو کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور جب کل بددلیت حسب دل خواہ کر چکا تو یاتیم کو پا پر و پھیر کر کے عباس کی ماں اور ملک اور بیٹوں اور دس غلام اور یہودیوں کے کہیں میں سے ایک نواز قبیلہ سے اور سردار اور حویل اور سات ہزار سپاہی تھے اور دھڑا اور تمام انعام اور عین میں حضرت رانہاں پینیر سپر ملہ حایل یاتیم کے بیٹے بھی بارہ برس کی عمر میں مسرور اور صلحائے قوم کے تھے سب کو قید کر کے بابل کو بھیج دیا اور اپنے سب سالار و جزو دان کو حکم دے کر بیت المقدس کو جلا کر خاک سپاہ اور بے نشان کر ڈالا۔ اور بے شمار باشندگان ملک کو قتل کرایا۔ اور ہر مال و دولت کو مسجد اقصیٰ اور خزانہ مشاہی اور دریا کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر اور ترغیر ہو چکے مگر بغیر کو چھلا آیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے وہاں کا حاکم بنا کر یہود بن یعقوب کے خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ نہ کہ بیت المقدس کی خسروانی مہری گیا رہی جیسے آب کی قس تاریخ کو ہوتی تھی اس لئے بنی اسرائیل اب تک سرگ ستاتے ہیں۔ - س م م

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد شکنی

ماغظ اور دکنی درویش - چنانچہ مسیح اور خوبصورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لوندیاں بنا کر محل سراے شاہی میں بھیج دی گئیں۔ اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا ان کی شکل اچھی نہ تھی اسوروں کو تقسیم کی گئیں۔ اور کم سن لڑکے خنڈ کئے جا کر غلام بنائے گئے۔ اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی امید پر یا انھیں کے پاؤں سے کھلائے جانے کی متواتر حکیموں سے مسلمان ہو گئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے اور فرقہ جیسویٹ کے مسلمانوں اور پادریوں کی ہیر پائی سے جنھوں نے اس آفت کے راز میں بھی آگرہ کا رہنا ترک نہ کیا اور بہت سارے پیر خراب کر کے اور دوستوں سے سخی سفارش کر کر اپنے فیاضہ دارانہ میں کامیاب ہوئے گرا اور اور مقامات مشہور ضابطہ پر نکال کر بھیجے گئے مگر مگلی کے حادثے سے پہلے یہ پادری بھی شاہجہاں کے خطاب سے بچے تھے۔ چنانچہ اس نے آگرہ کا عالی شان اور خوبصورت گرجا جو ہم انگیر کے عہد میں مسدود کر جا کے ہوا پور میں بنایا گیا تھا مسافر کرادیا تھا۔ اس گرجا کے بیٹا پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جس کی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی۔

شاہجہاں کے سرخ غاس مہدالہ پوری سے بھلی کے پریکیزوں کے اس ماتھ کو بادشاہ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ "بگالیوں کے عہد میں اپنی ہاؤں اور اکبر کے ناندے سے پہلے جو بھک بنالہ میں تھے وہ خاندان کی حکومت دیتی، فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو مسافر پ رنک، کے رہنے والے تھے۔ سات گاؤں (چاٹ کام) میں آمد و رفت رکھنا خان لوگوں نے سات گاؤں سے آگے بڑھ کر کھاڑی کے کنارے (جس کو مہدالہ) خود کھتا ہے، اس بہاد سے کہ خرید و فروخت کے لئے کوئی جگہ چاہیے بگالیوں کی اجازت سے جہاں اب شہر مگلی آباد ہے اول چند گھر بنائے۔ اور پھر مقام مقام بنگالہ کی چلے شہری اور لاہوری سے اس نئی آبادی میں بہت سے فرنگی مسے ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے یہ کام کیا کہ ایک طرف تو دیار موجود تھا باقی تینوں طرف مبینہ خلق کھد ماکر اور پانی سے بھر کر اس مقام کو ایک جزیرہ کی شکل بنا لیا۔ اور اس کے اندر مضبوط اور عالی شان عمارتیں بنا کر توپ بندوق اور سان جگ سے خوب مستحکم کر لیا۔ اور یہ آبادی ایسی تھی کہ چند سات گاؤں کا بازار ہو گیا۔ اور مہانات فرنگ کی آمد و خداد خرید و فروخت اسی جگہ متروک ہو گئی۔ اور یہ مقام اب بٹا شہر میں کہند مگلی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے جو مگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف ہو چکے تھے تھوڑے تھوڑے مسلمانوں کو بھی اجازت دے دئے اور وہ ان کی رعایا کو نہر کستی اور طبع و دھن طور سے کر پھن بنا بنا کر فرنگستان کی کوسوں شہر

بقیہ حاشیہ مغرور گشت کیا۔ اور اگرچہ دیت کے کم ہو جانے سے اجارہ کا رویہ گروہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ اس نعل کو موجب ثواب سمجھ کر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پیدا کرتے تھے ادا خراکاران کی یہ کارروائی شمال اجارہ کے دیہات پر ہی محدود رہی تھی بلکہ دریا کنارہ کا ہر کوئی آدمی تالا چڑھ جاتا اس کو بھی پکڑ کر اسی طرح مل کرتے تھے۔ شاہجہاں کو چاہیے باپ کے مہر میں جنگالہ جانے کا اتفاق ہوا تو بادشاہی رعایا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا پلرز سلوک بہت ناگوار گذرا اور اس وقت سے ان کی بیٹی کئی کا خیال اس کے دل میں ایسا جما کر جب وہ بادشاہ ہوا۔ اور قاسم خاں کو جنگالہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا تو اس نے عقدہ دشوار کشا کے کھولنے کو خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں اس کو اپنی زبان خاص سے سمجھائی جس کے موافق خان غدوہ نے صوبہ کے اور ضروری اختلاصوں سے غامض ہو کر سرحدی کے انھیں بھاہ شہبان سنن ایک خیر رکھتا میں بجری الیاد خاں نامی ایک سردار کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی اور سرداروں اور امیروں کے ہمراہ سمائی کی اولاد بردار ہا کر مقرر کیا۔ اور پچیسے ہوگی کے یہ شہر کو بھی کہ بردار کی طرف مقام چٹائی کی تخت و تاراج کے لئے پہنچ آتی ہے۔ اور بہادر نامی ایک سردار کو جو اس کا ذاتی ملازم اور نہایت مل اعتماد تھا مخصوص آباد (برشد آباد) کے محال خالص کے بندرست کے مہاد سے اس کو یہ سمجھا کر روانہ کیا کہ ضرورت کے وقت اللہ یرغاں اور عنایت اللہ کے پاس پہنچ کر شامل ہو جانا اور یہ سب احتیاط اس اندیشے تھیں کہ کہیں اس آبادہ کی خبر پا کر پرنگیز لوگ مال و ممال کوئے کراچی کشیتوں میں نہ جا پڑیں۔ علاوہ بریں یہ تدبیر کی گئی کہ چند سواروں نے سری پور بندر سے نواہ میں چیکر اہل کھاڑی کے دہانہ کو جارہا اور بعد ازاں الیاد خاں اور مہادیت اللہ بردار سے دھنک کو چن کر کے ایک جگہ سات گاؤں اور جگلی کے پہنچے ہیں آؤ لے کیا۔ اور بہادر نے پانچ سو سواروں اور پیادوں کی جمیعت کثیرے مخصوص آباد سے آکر اور تمام شیر و فرخ کے ساتھ جرنالہ میں سری پور سے آئے تھے شامل ہو کر جگلی کی کھاڑی میں ایک تنگ جگہ کشیتوں سے پہلے باندھ کر ان کے سمندر میں بھاگ جانے کا رستہ بند کر دیا اور بعد اس کے دوسری ذی الحجہ ملاحظہ ہو کر کھاڑی اور خشکی دونوں طرف سے آگے کو بڑھے۔ اور نصب ہائی میں پہنچ کر جو یہ سستی بھی خندوں سے اس طرف پر گھنٹوں ہی کے حلقوں میں ان کے ایک گروہ کو تھک گیا۔ اور وہ کچھ ملاوٹ لیا۔ اور کچھ سپاہ نے کھاڑی کے دونوں طرف ان کے اجارے کے پہاڑوں میں داخل ہو کر نظرائی اجارہ والوں کو قتل و تمہیک کیا اور سب سے زیادہ کار آمد تدبیر کی کہ ان کے لواؤں کے ملازموں کے ممال کو بھی جو سب بنگالی تھے

میر جاشیہ منوگد خشت۔ پڑھائے جس کے باعث ایسی ضرورت کے وقت چاندنہر صلاح میں کی ہو کر
چھوڑ کر بادشاہی لشکر میں حاضر ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہی سرداروں نے خاص جگہ کو جا گھیرا۔
اور ایامِ محارہ میں ساڑھے تین چھینے تک ان کی یہ حالت رہی کہ کبھی تو ڈائی لاتے تھے اور کبھی صلح
کے پیغام و سلام بھیجتے تھے اور اس کی دوا دروہن سے اصل مقصد یہ تھا کہ درگشتان سے ملک آئے کے
خاطر تھے۔ چنانچہ اسی پیغام و سلام میں اگرچہ بطور تہنید صلح اور عذو و عدوت کے ایک لاکھ سو پچاس
نقد بھی نذر کر دیا مگر دوا دروہن کے تقریباً سات تھلے بندوچی ہو جانے کے بعد وہ ان کے پاس موجود
تھے ان کو روکنے کے لئے بھی امور کے رکھا۔ اور میں اپنے میں بادشاہی سپاہ آتری ہوئی تھی اس کے
دور محنت کو بھی چھوڑ دیا تاکہ بندوچوں کی نذر سے پناہ نہ مل سکے۔ آخر کار بادشاہی سرداروں نے
(دوا دروہن) لڑائی میں عمر لا چار تھے۔ یہ سہرہ کی کہ بیل دلا دلا کر گر جانے کی طرف کی تھوڑی سی دھن کا
رض اور صحت کم تھا، چھوٹی چھوٹی ٹالیاں کھدوا کر اس کو پانی سے خالی کر ڈالا اور اپنے سر چلے گیا
سے تین ستر گیس لگا تھا میں سے دو کو تو غیر پا کر انھوں نے خراب کر دیا مگر تیسری ستر گیس ٹھیک اس
مکان تک جا پہنچی جو سب میں اونچا اور زیادہ مضبوط تھا اور میں میں بہت سے فرنگی بھی رہتے
تھے۔ اور جب اس ستر گیس میں بادو دھیر دی گئی تو چودھویں ربیع الاول کو اسی مکان کے سامنے
مضبوط لشکر آراستہ کی گئی تاکہ لڑائی کا اور اسی طرف بھٹکے وہ سب اور میری آن کر میں ہو جائیں۔
اور جب ایسا ہی ہوا تو اول توپ اور ہندو ق سے لڑائی شروع کر کے آخر کار ستر گیس کو آگ دینی
جس سے وہ مکان اور بہت سے فرنگی و دھوپ کی طرح اڑ گئے۔ اور باقی اندھ ہو اپنی کشتیوں میں
جا چڑھنے کو کہا گئے تو مارے گھبراہٹ کے اکثر تو لڑائی میں ڈوب گئے۔ اور جو لوگ ڈوبتے اُپھلتے
کشتیوں تک جا بھی پہنچے ان کو بادشاہی لڑائی کی فوج نے ہالیا یہاں تک کہ پچھترہویں نے اپنی
خوابی کو یقینی جان کر اپنے ایک بڑے جہاز کو جس میں قریب دو سو لاکھ مرد و عورت اور بہت سا مال و سامان
اور بارود کا ذخیرہ تھا اس خیال سے کہ غنیم کے ہاتھ نہ پڑے بادو میں آگ دے کر ان کو خود جلا دیا۔ اور
اسی طرح جو لوگ چھوٹی کشتیوں میں چڑھ گئے تھے انھوں نے بھی اپنے آپ کو جلا کر ہلاک کر ڈالا
فرنگی جو شہر سے دو گوں اور ستادین غراب اور قدس علیوں میں سے صرف ایک خراب اور دو جلیے
تو بعض اس وجہ سے کہ بددش کے وقت چند تیل کی شاہی کشتیوں میں آگ لگ کر کچھ راستہ گھل گیا
تھا، یہی کر عمل گئے مگر اس کے ساتھ کہ آگ اور پانی سے بچا سب بادشاہی جھکے کے باہر میں آگیا اور
ضرورت جنگ سے اس وقت تک اگرچہ لشکر شاہی میں سے تو صرف ایک ہی ہزار آدمی مارے گئے۔

ہنگلی کے چمن جانے سے پہلے ہب کہ باشبیاں کان ساوا لاکان کے قزاقوں کا سر فرست
تھا اور ایسا ہی اور زیر دست شخص ہو گیا تھا کہ شاہ لاکان کی بیٹی سے اُس نے شادی کر لی
تھی ان عزاقوں نے گوا کے والیس رائے کی خدمت میں باقاعدہ طور پر یہ درخواست پیش کی تھی -
کہ اگر آپ چاہیں تو تھم ملک لاکان ہرم آپ کا قبضہ کر سکتے ہیں - یہ انگیزوں کی اس وضع
اور رویہ کے پیش نظر ہر شخص نے جاپان - ہکیو - اتھو ہیا اور دوسرے ملکوں میں اختیار کر رکھا تھا
اس نکتہ کو قبول کر لینا خلاف توقع نہ ہوتا - مگر کہتے ہیں کہ ولیس رائے گوانے غرور اور حسد کے دہسے
اس کو منظور نہ کیا - اور اُس کو یہ امر تازیبا معلوم ہوا کہ شاہِ ہندوستان ایک ایسے بڑے معاملہ
میں ایک ایسے پھرے اندک عمل شخص کا احسان اُٹھائے -

بقیہ ماضیہ ستر گزشتہ - گراس آفٹ نیز ہوائی میں مصروفوں کے عہدت سرور کا یہاں دہلی نذر کے
قریب فاصلے پر کے اور ابھی - نغرائی سرور و عہدت - چار ہزار چار سو قید ہوئے - اور رعایا سے بادشاہی میں
سے جو دس ہزار دی کے قریب ہی کی قید میں تھے ان کو رہائی دی گئی اور عہدِ عمر میں نہ رہ کر تمام خاں کے
بچے مطابق اللہ ذکر سے بنگلہ سے آکر چھوٹے بڑے چار سو مرد و عورت - امیرانِ فرنگہ لایا اگر چہا پہ
کچھ غلطی ہو گئی ہو تو وہی چار ہزار چار سو مسلمان کے جن کے دھور دھن کی تھک میا بیوں کے گرجاؤں میں
اکثر رہا کرتے ہیں - بادشاہ کی نعرے گدازے میں سے ان کی نہایت حکم دیا کہ لٹھ کے ساتھ قید کے جائیں
اور جو کوئی مسلمان ہو جو سے اُس کا گڑھ متروک کیا جائے - اور مسلمان خود ہوا قید ہے - چنانچہ جیسے تو
مسلمان ہر کروردہ عطاات ہو گئے اور بیچہ قید ہی سر گئے اور ان کے جن میں سے جو مسیحی کو بعض یہودیوں
کی تھیں ان کو تو اسب کے خیال سے دہلی کے جہان میں نروا دیا اور باقی کو توڑ ڈاٹا -

صاحبِ میرا تافریں نے قادیالہ صید کی طرح اُن کو شخص سرزمینِ بے فرنگی نہیں بنایا بلکہ جیسا کہ پہلے
نظا ہ تھیں تو یہ - پرتکیں - لکھا ہے - اور اس مسیبت کا باعث اُن کا - مرد اور
بنوات - اور قیدیوں کی تعداد چار ہزار چار سو زین و مرد و کھی ہے - اور چ نکہ سرنگ اڑنے
کے بعد بادشاہ ہتا میں بھی اتنے ہی آدمیوں کا قید ہوتا لکھا ہے اس لئے اغلب
ہے کہ یہی شمار میچ ہو گراں یہ بھی ممکن ہے کہ چار ہزار چار سو نغرائی قیدیوں میں
سے چند دستاویں نغرائیوں کو ہجوڑ کر ہرف چار سو گدے سے چنے نغرائی مردوں اور عورتوں
کی کو چھانت کر غلامی کے لئے حاضر کیا گیا ہو - ۱۰

شاہجہاں کے امام احمدی اور عبدالغنی

پرتگیزیوں کی بڑا عالمی | امر دانتی یہ ہے کہ ہندوستان میں پرتگیزیوں کے زوالی حاتمہ کا باعث ان کی بڑا عالمی ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود بھی قبول کرتے ہیں اس کو غضب الہی کا ایک نظیان سمجھنا چاہیے۔ اگلے زاد کے پرتگیزیوں کا ہندوستان میں بڑا نام تھا۔ اور تمام ہندوستانی رتو ساکن کی دوستی کے خواہاں تھے۔ اور وہ ہجرات دینداری دولت مندی اور بڑی بڑی منظم امان ہوں کے سر کرنے میں مشہور تھے۔ اور وہ ایسے نہ تھے جیسے کہ آج کل کے پرتگیزی ہیں جو ہر ایک میسرپ نعل کے عادی ہیں اور جن کا ہر ایک ذلیل اور بڑا جیاد کلام میں دل گتا ہے۔

اسی زاد کے قریب جس کا میں ذکر کر رہا ہوں جزیرہ سوندریپٹہ کراچی دریائی تھڑوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو گنگا کے داد کی ناکہ بندی کسے ایک اہم اور کاما درنا کا تھا اور وہ نامیہ معاشی فلہوان ہوا گشتا میں فرقہ کے درویشوں میں سے تھا نہ معلوم کس نے دغریب سے وہاں کے حاکم کو نکال کر ایک مدت تک اس جزیرہ کا چھوٹا سا ماحہ بنا رہا اور یہ وہی تھاق تھے جن کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے کہ اپنی گیلی آس قسم کی کشتیوں میں ٹہ اس کتاب کے خرم انگریزی مراد رنگ ہر گتے پرتگیزیوں کے ہندوستان میں آئے انہی کے عودت وصال کا حال ایک حافی میں بہت تفصیل سے لکھا تھا۔ چونکہ وہ دلچسپ سفر میں کسی حد درجہ کی ہے اس لئے خیف کی چٹی کے ساتھ ہم نے اس جلد کے ظاہر میں لگا دیا ہے۔ س م س

ٹہ ۲ چھوٹا سا جزیرہ، نیلی بنگا میں چاٹ گام کے نزدیک ہے۔ س م س۔

ٹہ اہل رنگ گئے لی اور گئی آس صدر درجہ ذیل خٹل کی ایسی کشتیوں کو کہتے ہیں جیسی کہ اکثر بڑا اور ہندوستان کے بعض بڑے دریائوں میں ہوتی ہیں چڑوں سے کہتی ہوتی ہیں۔ عورت کے وقت انہی پانچ میں چڑھا سکتے ہیں۔ ایک مختصر سا کروہی ایک سرچہ پر بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور گئی لی اور گیلی آس میں صرف اتنا فرق ہے کہ گیلی آس آس سے زیادہ اونچی ہوتی ہے۔ اور باقی ترکیب اور وضع سب وہی ہے اس وقت کی تاریخی تاریخوں میں بنگا کہ ان دریائی تھڑوں کے ذکر میں بھی تم کی کشتیاں کہیں ہیں۔

۱۱) غلاب یعنی ٹوونگ ۱۲) موونگ کلاں ۱۳) جلیہ فسونگی۔ یہیں معلوم ہوتا ہے ٹوونگ کلاں کو گیلی سے مراد ہے۔ اور جلیہ رنگی گیلی آس سے اور ان پر قرہوں کے چڑھانے کی بھی گنجائش ہوتی تھی۔ س م س

جیسے کہ سلطان شجاع کے پاس دوا کہ میں اس فرض سے آئے تھے کہ اُس کو ایمان لے جائیں۔ اُس مرتبہ پر بھی ان بد معاشوں نے ایک عجیب چال کی کہ جھگڑا کسی طرح اس کے اسباب کے مند توں میں سے بہت سے جواہرات نکال لئے تھے اور اداکان پہنچ کر ہندی تخت پر غصہ غصہ بیچتے بھرتے تھے جن میں سے ڈچوں اور اور فرنگیوں نے اکثر بھرتے یہ دم دے کر کہ یہ بچے ہیں ان بد توں سے تھوڑی سی قیمت پر آوا لئے تھے۔

شائستہ خاں کی پرتگیزی ترقیوں پر پڑھائی | میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس امر کے اندازہ کرنے کے لئے

کافی ہے کہ سلطانین خلیفہ کو کس قدر ذمت اور فخر یہ ان نظام اور زبردست لٹروں کے سبب سے اٹھانے کا تھا۔ اور اُن کے ہنگامہ میں کس آنے کے خوف سے جیسے نوج اور گیلی اُس قسم کی کشتیوں کے بیڑے بالوں کے روکنے کے لئے تیار رکھتے پڑتے تھے۔ اور اس پر بھی ان کے ہاتھ سے ملک بھر تھا وہ دیر باد ہوتا تھا مثلاً اور یہ ترقی اس قدر دیر اور لمبے فن میں ایسے شاق ہر گئے تھے کہ صرف چار پانچ گیلی اُس کشتیوں میں جیسے کہ پڑے آتے تھے اور موٹا چودہ پندرہ گیلی غم کی بادشاہی کشتیوں کو گرتا کر لیتے یا تباہ کر دیتے تھے۔ اس لئے شائستہ خاں نے ہنگامہ کا صوبہ دار مقرر ہر کہ ان کی بچہ لکی کی شائستہ خاں اس میں اُس کے دو مطلب تھے کہ سرورست کران بے رحم و مہتی ترقیوں کے متواتر اور دیر باد کن حملوں سے اپنے صوبہ کی حفاظت اور آخر کار اداکان کے سامنے پڑھائی۔ اور اُس ہے رنجی کا انتقام جو اُس نے سلطان شجاع اور اُس کے اہل و عیال کے ساتھ کی تھی کیونکہ اندنگ زیب کا مستقل بارادہ تھا کہ ان عالی منزلت لوگوں کے خون کا انتقام لے اور اس مثال سے قرب جوار کے تمام زمینوں کو یہ سبق دے کہ خاندان شاہی کے رگ خوار کسی حالت میں کیوں نہ ہوں انسانیت اور ادب کے ساتھ سلوک کئے جانے کے مستحق ہیں چنانچہ شائستہ خاں نے اپنی تحریض کے ابتدائی امور کو انتہائی ہوشیاری کے ساتھ پورا کیا۔ اور چونکہ وہ یادوں اور نئی باتوں کی وجہ سے جواہرست میں پڑتے ہیں خشکی کی ماہ سے اداکان میں نوج کا لے جانا بہت مشکل تھا اور اس فوجیت کے باعث ہوا تھری ترقیوں کو جہازی طاقی میں حاصل تھی سمندر کے راستہ سے نوج کٹی کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار تھا اس لئے اُس نے ڈچ لوگوں سے مدد لینا مناسب سمجھا اور جن طسرت پر شاہ عباس بادشاہ ایران نے انگریزوں

کے اتفاق سے جب وہ ہر طرح پر قبضہ کر لیا تھا اسی طرح اس نے بھی ڈچوں کی اداوے سے امکان پر قبضہ کر لینا چاہا۔ اور جبریا کے گورنر کے پاس اپنے ایلچی کو چند خاص شرطوں کے ساتھ عہدہ پٹان کے لئے بھیجا۔ اور یہ پیغام دیا کہ آؤ ہم تم مل کر اراکان پر مشترکہ قبضہ کر لیں۔ جبریا کا گورنر اس تجویز کے قبول کر لینے پر اس وجہ سے آسانی کے ساتھ مائل ہو گیا کہ اس کے نزدیک سے اُن کو ہندوستان کے معاملات میں پرتگیزیوں کی مداخلت کے کم کرنے کا وجہ سے فوج کی کٹوتی کا بہت فائدہ تھا، زیادہ سرتھہ ہاتھ آتا تھا۔ اور اُس نے اپنے دو جنگی جہاز جنگلہ کو ملے اس مقام کو پرتگیزیوں سے لڑائیوں سے چھینا ہوا تھا۔ مگر سولہ سو بائیس عیسوی میں لڑائیوں نے انگریزوں کی مدد سے پھر واپس لے لیا اور دیکھ ہندو فوجی وکلاء اٹھیں

ملے ہندوستان کی دولت ہندی کی شہرت نے دونوں سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس ملک کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے جہیں کر رکھا تھا۔ مگر جنگی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب اجاد تھے لیکن پرتگیزیوں کے بادشاہ ان دنوں کے عہد میں اُس کا اولو العزم امیر البحر واسکو ڈی گاما اپنے ادا دہانی جہازوں کے نذرانے سے ایک پیرس اور خطرناک اور طوفانی سفر طے کر کے ماہ جولائی ۱۴۹۸ء میں ساحل ملابار پر پہنچا جس کا متصل حال اُس حاشیہ میں درج ہے جو اس جلد کے خاتمہ میں لگا ہوا ہے، تو اُس وقت سے سیرس کے حوض تک تر مشرقی سمندوں کا دور جہازوں اور ساحل ہندوستان میں انہیں کا طلب اور دور دورہ رہا۔ گو جب متعلقہ میں ڈچ لوگ بھیں کی حکومت سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے بھی ہندوستان کی تجارت کے لئے کھنیاں بنائیں اور ایسے جڑے کہ بحر ہند میں خط استوا کے قریب جزیرہ جاوا وغیرہ پر جہاں اب تک شہر ممبئی یا آن کی حکومت کا مسد تمام ہے تاہم ہر گئے بار پھر جہاں کہیں قائلہ آیا۔ پرتگیزیوں کو بھی پس پا کرنا ضرور کیا یہاں تک کہ مشہور مورخ ہرنیز جیوہ لٹکا بھی جواب گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ہے ڈچوں نے پرتگیزیوں سے چھین لیا۔ اور اس بعد ترقی پائی کہ پرتگیز بہت ہو گئے اور خاص ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں بھی آخر کار انہیں کا غلبہ ہو گیا۔ اسی زمانہ کے قریب یعنی ۱۵۱۹ء میں انگریزوں نے بھی اپنی نامور ملکہ کوئین الیزبتھ کی امداد سے ہندوستان کی سوداگری شروع کی اور ان کے سولہ سو نوٹارک والوں نے یورپ کی ایک چھوٹی سی قوم ہے اور جن کو ڈیوئیر کہتے ہیں اول وداں کی طرف سمندر کے کنارے ترنگی پس جس کا صحیح نام شکم بائی معلوم ہوتا ہے، ہر تھور کے راجہ سے خرید لیا تھا۔ اور پھر کلکتہ کے قریب سیرم پور علی گڑھ کو ضلع

بھیج دیئے تاکہ شاستہ خاں کی فوج کو آسانی کے ساتھ چانگنام میں پہنچا دیں چونکہ اس عرصہ میں شاستہ خاں نے بھی گیلی آس وغیرہ قسم کی بڑی بڑی کشتیاں جیت کر لی تھیں۔ پس اس نے ان قزاقوں کا اس طرح پر دھمکا یا کہ - اگر توڑا اطلاعات قبول نہ کرو گے تو نیست و نابود کر دیئے جائے گے کیونکہ اورنگ زیب نے اناکان کے راجہ کی سزا دہی کا ارادہ سمجھ کر لیا ہے اور ٹوچوں کے جنگی جہازوں کا ایک طاقتور بیڑا بھی جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے بہت جلد آئے والا ہے۔ پس اگر تم کو کچھ عقل ہے - سادہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خیریت چاہتے ہو تو راجہ کی نوکری چھوڑ کر شاہی ملازمت اختیار کر لو اور جس قدر تم کو ضرورت ہو پنگلاہ میں زمین عطا کی جائے گی اور راجہ کے ہاں سے جتنی تنخواہ ملتی ہے اُس سے دو چند دی جائے گی۔ اتفاقاً انھیں ایام میں ان قزاقوں نے راجہ اناکان کے ایک بڑے عہدہ دار کو مار ڈالا تھا۔ اب اگرچہ یہ بات تو ٹھیک معلوم نہیں کہ راجہ کی سزا دہی کے اندر لپٹے انھیں مارا یا قریب قتل

ہو یا حاشیہ صوفی کو شہید کر کے اس پر سب سے آفریں علیحدہ میں مراسم کے قابل و لائق دیر گول برٹ نے بھی رجسٹرڈ اکثر منیر نے اپنا خط جو اس جلد کے خاتمہ میں ہے تذکرہ کیا تھا، حجاز کی کپتانی کھڑی کی اور فرخچوں نے قصبہ چندرنگر معروف چو فرامن ڈانگا کے علاوہ ہر کلکتہ کے پاس ہے دھاس کے قریب پانڈے چری کو اپنا صدر مقام قرار دے کر اپنے زور و خیر سے قدم جما رہے تھے کہ گویا ہندوستان کے ملک ہی ہو چکے تھے۔ مگر اتفاقات و قسمت سے ان سب قوموں کا فروغ یکے بعد دیگرے گھٹتا گیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے صرف انگریزوں کو جو ان سب میں مدد و جبرہ کے رہنے والے اور تعلق میں جا رہے تھے چار کوڑے زیادہ دتے اور صاف و اقبال خدا داد کی وجہ سے اس ملک کا ختم ہوا اور یہاں کے پچیس سستانیں کر ڈیڑ باشندوں کا خطہ مطلق بنادیا۔ منہلہ ان پانچوں قوموں کے ہندوستان میں اور ٹوٹنا رک والوں کی حکومت کسی جگہ نہیں ہے۔ البتہ گورنمنٹ انگریزی کی رعایت اور اُس ہانگی لحاظ و ملاحظہ سے جو ان سلطنتوں کے باہم یورپ میں ہے فرخچوں کی حکومت پانڈے چری میں بعد اُس کے علاقہ متعلقہ کے اور نیز قصبہ چندرنگر میں جلی آتی ہے اور پانچیزوں کی حکومت بھی گواہیں اور نیز جبرہ و مل متعلقہ کاٹھیا واڑ میں باقی ہے گرنی رانا یہ وہاں کے حکمران ہیں ہندوستان کے عام نظم و نسق کے اعتبار سے ایسی غیر محسوس اور بے وقعت ہیں کہ یہاں کے امور کو ٹھیک پر اُن کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ س م م

۱۰ صاحب عام جہاں نام اس کا صحیح نام پنجہری بتاتے ہیں۔ س م م

کی دھمکیوں اور وعدہ و وعید نے ان پر اثر کیا۔ مگر یہ امر متفق ہے کہ ایک دن ان ملائق پر انگیزوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ ایک نعت جالیوں پہچاس گالیاسوں میں بیٹھ کر جنگ لڑ کر چل پڑے۔ اور ایسے اضطراب سے روانہ ہوئے کہ اس ہڑڑا ہٹ میں جو دو بچے امداد اسباب بھی سمجھل ساتھ لائے شاید شاہان ان نئے ملاقاتوں سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملا اور بہت سارے یہ ان کو دیا اور شہر ٹھاکہ میں ان کے اہل و عیال کے رہنے کے لئے عمدہ بندوبست کر دیا اور اس طرح پر ان کو اس کے عشی سلوک پر ایسا اعتماد ہو گیا کہ از خود بادشاہی لشکر کے ساتھ ہم چہ جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ اور جبرہ سرندیپ پر چڑھائی کرنے اور فتح کر لینے میں (و کچھ دلوں سے راجہ اداکان کے تہذیب میں چلا گیا تھا) شریک ہوئے اور پھر یہاں سے بادشاہی فوج کے ساتھ چانگام کو گئے۔ اب اگرچہ ٹوچوں کے وہ دونوں جنگی جہاز بھی آپہنچے مگر شائستہ شاہان نے ان کے سرداروں کی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے یہ کہلا بھیجا کہ اب آپ کے تحلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی۔

جنگ لڑ میں یہ جہاز میں نے بھی دیکھے تھے اور ان کے عمدہ داروں سے ملاقات بھی ہوئی تھی اس بات کے شاکی تھے کہ اس ہندوستانی سردار نے محض زبانی مجمع شریک اور خشک لشکر یہ بدہی ان کو ملا اور شرائط مقررہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

شائستہ شاہان کا برتاؤ ان پر انگیزوں کے ساتھ اگرچہ دلیا نہیں ہے جیسا کہ شاید علماء ان کی خدمات کے ہونا چاہیے تھا مگر ہاں وہ ان سے اس سلوک سے چنی آتا ہے جس کے کہ وہ واقع میں لائق ہیں۔ اس نے چانگام سے تو ان کو اکٹھا ہی دیا ہے اور وہ اب اپنے اہل و عیال سمیت اسی کے قابو میں ہیں۔ اور ان کی احاد کی بھی کچھ حاجت نہیں رہی اس لئے اس نے بھلایا ہے کہ جو وہ ان سے کئے گئے تھے ان میں سے اب کسی کے بھی ایذا کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کئی کئی جینے گند جاتے ہیں کہ تنخواہ کی بابت پھوٹی کوڑی تک نہیں ملتی۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا ہے کہ یہ ایسے دغا باز اور نالائق ہیں کہ جس راجہ نے ان سے اس قدر سلوک کئے تھے یہ پائی اسی کے ساتھ بے ایمانی سے ہنس آئے۔ اس لئے ان پر بھروسہ کرنا نادانی ہے۔ اور اس طرح سے اس نے چانگام میں ان پر انگیزوں کی طاقت کے چراغ کو بجھا دیا جنہوں نے جنگ لڑ کے زیریں علاقہ میں اس قدر اندھیر پھا کر تمام ملک کو دیران اور بے چراغ کر دیا تھا۔ اور یہ امر زائد کے گذرنے

ہر معلوم ہوا کہ آیا شہزادہ خاں کو ایسی ہی کامیابی ملا کہ ان کی ہمیں بھی ہوئی ہے یا نہیں؟
 یہ جاننا ہم کے ہرگز نہیں ہے کہ وہاں کی فادہ گری اور رعایا نے بادشاہی کو لوٹ لینے اور پکڑے جانے کے
 الزام کے متعلق جس تفصیل و توضیح سے معذرت کیا ہے نیز اس سبب سے بھی کہ اس کی یہ تحقیقات
 ایک دور ہیں قوم کے حالات سے متعلق ہے ہمارے نزدیک یہی بہ نسبت کسی فارسی مورخ کی تحریر
 کے یہی بیان زیادہ ترافادہ سند کے لائق ہے۔ مگر صاحب مالگیر نامہ نے جس طرح ہراس ہم کے
 واقعات کو کھسا ہے وہ یوں ہے کہ اس نے چاٹ کام کے چنگیزوں کی نسبت کوئی الزام نہیں لگایا۔
 اور ہواں میں جو مہاراجہ گنیش کے بیان کے قریب قریب ہے اس کی کل حرکتیں کا لازم خود ادا کیوں کو بتایا
 ہے اور وہاں کی لڑائی اور فوج کشی رانی میں جو نوعیت اس نے ہرگز نہیں سے منسوب کی ہے صاحب
 مالگیر نامہ نے اس کو بھی ادا کیوں ہی سے منسوب کیا ہے۔ بلکہ بلحاظ فرقہ وادہ چاندی اپنے بادشاہ
 یا کام سلطنت اس امر کو صاف صاف کھدیا ہے کہ بہ نسبت بادشاہی لڑائی کے اپنے خون میں یہ لوگ
 مشاق بھی زیادہ تھے۔ اور ان کی جنگی کشتیاں سامان کرپ خاد اور مضبوطی اور استحکام میں بھی پادشاہی
 کشتیوں سے بہت بڑھ کر اور زیادہ عمدہ تھیں اور وہ وہ فوج کشی کے متعلق شہزادہ کے واقعہ کا کوئی
 افادہ نہیں صرف اتنا ہی کھسا ہے کہ لوگ اپنی کشتیوں کے ذریعہ چاٹ کام کے بہت سے صوبے
 بنگالہ میں داخل ہو کر مذکورہ بالا حاکم کے ترکب ہوئے تھے اس نے شہزادہ خاں نے ملکہ خدایا
 بیوہ کی بھری اور گشت کے اپنے سرحدی مقاموں واکھائی اور حکام گذرہ اور جہلہ وچوڑ حکم کیا اور
 خود چاٹ کام کو چھین لینا بھی مناسب جانا۔ اور اس اور وہ کی تکمیل کے لئے اہل توجہ و سونہرپ
 کو ہر چاٹ کام کے قریب واکھائی کے محاذ ہی ہے۔ ملکہ نامی وہاں کے راجہ راجہ بیٹی راجہ سے
 ہر شہزادہ خاں کے زہرستادہ سواروں کے ساتھ ایک دو لڑائیوں کو چلا تھا چھین میا۔ اور اس کو
 اور شہزادہ نامی اس کے چنے کو ہر لڑائی میں زخمی ہو گیا سواروں و سواروں کے تیر کیا۔ یہ کہ یہ شخص ظاہر
 میں سلطنت اور باطن میں ادا کیوں کا مددگار تھا۔ اور ہر چاٹ کام کے خاتمہ خود حاضر ہو کھسا اور لدا
 دینے کے وعدہ کر چکا تھا۔ مگر اس ہم میں شریک خدمت نہ ہوا تھا پھر اس کے کھسا ہے کہ ان۔
 - فرنگیوں کی استقامت ہر چاٹ کام میں رہتے تھے اور راجہ لداکان سے موافقت رکھتے تھے اس ہم کے
 سرنام دینے کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اس نے لداکان لداکان - فرنگیوں کو جو اس کے ماتحت
 بنگالہ کی اور ہندو گاہوں میں رہتے تھے بہت سے وعدہ آئینہ فلوڈ کھکان کی معذرت چاٹ کام کے
 فرنگیوں کے پاس دیا۔ اتنا تھا ان میں سے بعض فلوڈ کھکان کی بہن نام ایک لداکانی سواروں نے

تسا جہاں کے اراکین اسیری اور عہد اور گنت یہ

بقیہ حاضرین کو گڑھ دیا۔ راجہ نے اپنے معمول کے موافق دریائی خزانی کے لئے سورہ پ کی طرف بھیجا
 ہوا تھا پکڑ لئے اور راجہ کے پاس بھیج دینے۔ اس سے چاٹ گام کے فرنگیوں سے راجہ بچن ہو گیا۔ اور
 گام کہہ کر کوٹھا کو حمان سب کو صدان کے حلقوں کے اراکان کو بھیج دوں تیرا اس حکم کا یہ ہوا کہ اراکان
 سے فرنگی لڑے اور ان کی کچھ کشتیوں کو جلا پھونک کر صد اپنے حلقوں اور تہسلیوں کے پھاٹ
 جلیوں میں جو سامان جنگ اور توپ بندی سے بھری تھی۔ چاٹ گام۔ سے بھلو کے تھانیا
 فراد خاں کے پاس لڑا کھائی میں چلے آئے اور اس نے ان کے بعض سرگردوں کو امیر لہار کے
 پاس بھیج کر ان کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ امیر لہار نے ان کی بہت خاطر کی اور ان کے ساتھ کئی ٹہن
 کی رعایتیں کیں۔ فرخ شاہ چاٹ گام کی فتح کے لئے جب یہ اجتہادی بندوبست پورے ہو چکے تو امیر لہار
 نے اپنے بیٹے بزرگ امید خاں کو چند مسلمان اور ہندو امرا اور منصب داروں کے ہمراہ جنگی کے راستہ
 سے اور فراد خاں کو اور ابن حسین دارو فراد خاں کو دیا گیا کوئی عیب تھا اور میر تقی دامد فہ
 توپ خاں کو کچان سورہ سرگرد فرنگیان چاٹ گام ملان کے وہ سرے سرداروں کے ساتھ روانہ کیا
 اور ان کو انعام باکریم وغیرہ سے پوری طور پر خوش کر دیا ان کے بیڑہ کے ساتھ ہی بیڑہ بھی دریا
 کے راستہ سے روانہ کیا۔ چونکہ بزرگ امید خاں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں حلقوں کو کٹا کر
 اور نہ لیں اور دریا کی کو بہرہ کے بڑی حلقوں سے کوپے کرنا پڑتا تھا اس لئے بادشاہی بیڑہ پہرہ
 جنگی کی نوع سے کسی قدر آگے بڑھ گیا تھا اراکانوں کے بیڑہ سے حملہ کیا۔ اور جانہیں سے توپ
 بندی اور تیروں سے ایک دریا کی لڑائی ہوئی جس میں اراکانی مطلوب ہو گئے اور دشمن غراب
 اور تین جلیے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چونکہ ابھی چھپے سے بڑی بڑی بادشاہی کشتیاں نہیں پہنچ سکتی
 تھیں اس لئے ابن حسین نے زیادہ تعاقب نہ کیا اور اپنے بیڑہ کو ان کے بیڑہ سے کسی قدر فاصلہ
 پر روک لیا۔ جب بزرگ امید خاں اس کامیابی کے حال سے مطلع ہوا تو اس سے میر تقی اور
 فراد خاں کو تاکید سے حکم بھیجا کہ جنگ وغیرہ کو کٹا کر اور راستہ نہ کر کے کشتیاں تو چھوڑ دیا اور
 جس طور پر بن بیڑے ابن حسین کی مدد کو جائیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ بھی ابن حسین کے کھڑے
 کے پاس پہنچ گئے تو ابن حسین نے دریا سے کٹ کر بھری میں جہاں اراکانوں کا بیڑہ ٹھہرا
 ہوا تھا پہنچ کر حملہ کر دیا اور جانہیں سے چھ گھنٹہ تک سخت دریائی لڑائی ہوئی جس میں بہت سے
 اراکانی مارے گئے۔ بہت سے لوہے گئے۔ بہت سے کپڑے گئے اور ابن حسین نے فتحیاب ہو کر اپنے
 بیڑے کو حملہ چاٹ گام کے نیچے جا کھڑا کیا اور اس لڑائی میں کچان سورہ کو دے بھی نہایت عمدہ شخص

اورنگ زیب کے بیٹوں کا حال

محمد سلطان نواب تک قلعہ گوالیار میں قید ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اب اُس کو حسب قاعدہ پوسٹ کا قدر چھوٹا ملا جائے گا۔ اور محمد مظہر ہستور اپنی ہوشیاری اور سلامت روی کی چال پر چلے جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ شاید بادشاہ اُس سے کچھ ناراض تھا۔ اور اس کا بارشگی کا سبب باقویہ ہو گا کہ اپنے باپ کی شہرت مرض کے زمانہ میں کوئی خطبہ کار واتی کی ہوگی یا کوئی اور نا معلوم سبب ہو گا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی خفیہ رنجش کے مرض اُس کی نبیأت اور اطاعت کا امتحان ہی منظور ہو۔ مگر بہر حال اورنگ زیب نے ایک روز بھرے دربار میں اُس کو یہ حکم دیا کہ ایک شیر پر پہاڑ سے اُتر آیا ہے اور گردن واز کے لوگوں کو تکلیف بقیہ خاشیہ منور گھوڑا چھوڑیں اور وہ فرنگی چاٹ کام میں اب تک کسی قدر موجود تھے اور اراکان سے ان کی دہ کو آئے تھے سب ابن حسین کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور اس سے دوسرے دن جنگی کے راستے سے فوج کے ہزارگامید خاں بھی آئے پہنچا اور قلعہ چاکام پر دیا اور جنگی دولاں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے اگرچہ کچھ ویرانیک بہت اختیار پاؤں مگر اُتران چاہی اور مانگیہ کے انھوں سال جلوس میں آخر جب چھتہ کہ چاکام کا مشہور و مستحکم قلعہ اور چند گاؤں پر قبضہ صاحب مانگیہ پادشاہ سے پہلے کسی سلطان بادشاہ کا تسلط نہ تھا اسے ولایت چاکام اور توپ خانہ اور بیو کے حوالہ کر کے چاکام کا حاکم ہوا اور اراکان کے چاکا کا بیٹا تھا اپنے بیٹے اور چند رشتہ داروں اور کئی مسافر ہالی موالی کے ساتھ قید ہو گیا۔ اور ایک سو بیس جنگی کشتیاں اور ایک ہزار چھبیس مکی اودا اپنی توپیں اور بہت سی بندو قیں اور ہتھیار اور سکودا اور بے شمار مسالو توپ خانہ اور چند ہاتھی قبضہ میں آئے اور جنگا لڑ کر رہا یا میں سے ہر ایک خلق کثیر دلوں سے ان کی قید میں تھی انھوں نے رہائی دینی اگر اس کے بعد جنگا لڑنے کے حکم سے میر تقی نے قلعہ بند ہو کر بھی ہر چاکام سے چار ہزار آگے چاکام اور اراکان کے درمیان تھا اور اس میں دھواں گدا رنگل اور دہلی لائے اور یہاں واقع تھے اہم اراکان کے بھائی سے جنگت خیال کے بعد چھبیس لاکھ گرچہ کہ ایام برسات میں چاکام اور دہلی کے دہلی پانی ہی پانی ہر جا ہے اور گئے جنگوں اور دہلیوں والوں اور پہاڑوں کے علاوہ دہلی سے دہلی بھی کہ جن کو بغیر کشش کے ہور نہیں کیا جاسکتا اس لئے قرب برسات کے اندر بیٹھے اور قلت رسد کے خیال سے بیچ کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور مانگیہ نامہ میں جو تفصیلات ہیں ان کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ہم میں دس ہزار سے کم فوج مامور تھی۔

مقا ہے اس کو جا کر مار آئے : اور اگرچہ بادشاہی سرشار سے دوا جہات کر کے عرض کیا کہ جہاں چاہ وہ بڑے بڑے ہال بھی تو ساتھ لے جانا مناسب ہے جو اس خطرناک شکار کے واسطے مخصوص ہیں۔ لیکن بادشاہ نے نہایت بے پروائی سے کہا کہ نہیں۔ ان کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ ایام شہزادگی میں ہم نے تو کبھی اس قسم کی احتیاطوں کا خیال بھی نہیں کیا۔ اور یہ حکم اپنے قطعی طور پر دیا کہ شہزادہ کو بجا ضد جانا ہی چاہیے۔ اور اگرچہ اس سرکہ میں دو تین آدمی کام آئے اور کچھ گھوڑے بھی زخمی ہوئے اور شیر زخم کھا کر اور جھٹ کر کے شاہزادہ کے ہاتھی کے سر پر بھی آن پڑا مگر مار لیا گیا۔ اور جنب سے یہ جہات اور لاہری شاہزادہ سے ظہور میں آئی ہے بادشاہ اس سے بڑی جھٹ سے چٹا آتا ہے۔ اور یہاں تک اس کا رتبہ بڑھایا ہے کہ دکن کی صوبہ داری بھی وہی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے امتیازات خصوصاً رتبی معاملات میں ایسے محدود ہیں کہ اس سے کسی تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں چھٹکتا۔

مہابت خاں صوبہ دار کابل کی طاعت | اس میں مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر کرتا ہوں کہ اس نے بھی آخر کار کابل کی حکومت

سے دست بردار ہو کر حاضر ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی اتراء عالی حتی اس کا تصور معاف کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے سپاہی کی جان بہت قیمتی ہے اور پہنچے آتا شاہجہاں کے ساتھ اس کی وفاداری قریف کے لائق ہے۔ بلکہ معفو تصور کے علاوہ نام جہت حکم کی جگہ جو شائستہ خاں کی مدد کے لئے شجاعی سر پہ کی بچ کئی کے لئے دکن کو بھیجا گیا تھا، گہرات کا صوبہ دار بھی مقرر کر دیا۔ مگر اس جگہ یہ بات بھی بتا دینے کے قابل ہے کہ علاوہ ان مخالف کے جو اس نے روشن آؤ ہمیں کو دیکھتے تھے چند تھوڑے تھوڑے اشراف اور بہت سے ایوانی اونٹ اور گھوڑے خود بادشاہ کی نقد کئے۔ پس تعجب نہیں ہے کہ ان مخالف ہی نے بادشاہ کے دل کو نرم کر دیا ہو۔

قندھار پر ایران و ہندوستان کی فرائیاں | مہابت خاں کے ساتھ جو نکہ کابل کا ذکر آ گیا ہے۔ تو اس وجہ سے اس کے ہمایہ صوبہ

قندھار کا خیال بھی میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اس لئے لازم ہے کہ اس کے بیاں میں بھی وہ ایک صفحہ کے ذراں۔ یہ صوبہ نئی زاد سلطنت ایران کا باج گزار ہے۔ اس کے حالات اور خصوصاً وہ پوشیل صوبہ اور مخالفت ہر اس ملک کے بادشاہ ایران اور ہندوستان کے

پادشاہوں کے درمیان چیا ہوتی رہتی ہے لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ ملک اور اس کا دار الحکومت جو اس زرخیز اور خوش خاصہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندہار کہتے ہیں۔ اور اُس پر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے درمیان ایک مدت سے بہا بنوں و دیگر لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اس کو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اس کے عہد تک برابر اُس پر قبضہ رہا مگر شاہ عباس نے اُس کے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مراد خان کی نمک حرامی سے جہاں کا حاکم تھا اور شاہجہاں سے سازش کر کے قندہار اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور اس کا باعث یہ تھا کہ وہ بارہ ایران میں علی مراد خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر اُن فراروں کی تعمیل کروں گا جو سوہا کا حساب بھانسنے کے بارہ میں حاضر ہو رہے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔

اس کے بعد شاہ عباس کے بیٹے نے محاصرہ کر کے اس کو پھر بچ کر لیا اور اگرچہ شاہجہاں نے دو بار قلعہ بھی گروہوں و قندہار نام ہی رہا۔ چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامی کا سبب تو اُن ایرانی لشکر کی نمک حرامی تھی جو شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑے گزنی اقتدار تھے اور اُن میں اپنے ملک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنہوں نے اس محاصرہ میں شرمناک حد تک پہنچتی کی اور دلوں و دلوں کو جس نے اپنا نشان اُس دلیار پر جا گاڑا تھا ہر سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی مدد دی۔ اور دوسری بار ناکام رہنے کا باعث اور نگ نریب کا رشک و حسد تھا جس نے اُس دستہ سے جو اگر قندہار پہنچ گئے ہوں اور فرانسیموں کی قوتوں نے دوبار قلعہ کو قندہار کے قائل بنا دیا تھا حاصل کر کے داخل ہی ہونا چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز داراشکوہ نے کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ اس تاہل قندہار میں کامیاب ہونے کی ناموری داراشکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہجہاں نے شاہزادوں کی باہمی جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندہار کا محاصرہ کرنا چاہا تھا لیکن یہ جملہ نے اس مہم سے روک دیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے کچھ چکا ہوں اس کے عوض دکن پر فوج کئی کرنے کی صلاح دی اور علی مراد خان نے بڑے زور سے اُس کے دلائل کی تائید کی تھی اور یہ عجیب لفظ کہتے تھے کہ حضور قندہار کو کبھی فتح نہ کر سکیں گے جب تک کہ کوئی مہم سا ہی نمک حرام اُس کا بھائی نگ و کھول دے یا حضور تمام ایرانیوں کو جو

شاہجہاں کے اہم امیری اور عہد اور نگینہ

سپاہ میں ہیں معاملہ کرنے والی فوج سے بالکل خارج نہ کر دیں۔ اور اس مضمون کا اشتہار جاری نہ کرادیں کہ انہی لوگوں سے جو فوج کے لئے رسد لائیں کسی طرح کا محصول نہ لیا جائے گا۔

چند سال ہونے کے اورنگ زیب نے بھی اپنے بزرگوں کی تقلید میں اپنی اس خط کی وجہ سے جو شاہ ایران نے کھا تھا یا اس کم اتفاق کے سبب جو اس کے سفر تربیت خاں کی تعظیم و تکریم کے بارے میں وہ پار ایران کی طرف سے ہوئی تھی ناراض ہو کر قندھار پر ہم کی تیاری کی لیکن شاہ ایران کے انتقال کی خبر سن کر اسے فتویٰ کر دیا اور یہ بات بتائی کہ ہمارا دل گوارا نہیں کرتا کہ ایک لڑکے پر جو ابھی تخت نشین ہوا ہے چڑھائی کریں۔ حالانکہ جیسے قیاس میں شاہ سلیمان کی عمر جو باپ کی جگہ تخت نشین ہوا ہے کم نہیں۔

اب میں اورنگ زیب کے سرگرم رفیقوں کا جن میں سے اکثر کو بڑے بڑے مخلص رفقا منصب در عہدے دینے کے لئے ذکر کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ اورنگ زیب کا ناموں شائستہ خاں تو جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے دکن کا صوبہ دار بنایا گیا اور جو فوج وہاں مقرر تھی اس کی سپہ سالاری بھی اسی کو دی گئی اور آخر کار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرفراز ہوا۔ اور امیر خاں کو کابل، خلیل اللہ خاں کو لاہور، میرا بابا کو لاہور لشکر خاں کو پٹنہ اور الدیر دی خاں کے بیٹے کو جس کے باپ کی صلاح سے سلطان شجاع نے کبجہ کے مقام پر شکست کھائی تھی سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فاضل خاں کو جس کی عقلیت اور دانشندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خاندانی کا عہدہ لاہور کی صوبہ داری و افشندہ خاں کو منایت ہوتی اور اس رسم قدیم کے بجا لانے سے کہ ہر ایک امیر کو صحیح و شام قیامات کے واسطے وہ بارہا میں حاضر ہونا لازم ہے اور اگر اس میں کبھی نرم گدائیت ہو جائے تو جرم نہ بھرنے لگتا ہے، خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے معاف کیا گیا کہ میر کتب اور مطالعہ کا اس کو نہایت شوق ہے۔ اور اس کے علاوہ صفہ و دل خارجیہ کے متعلق کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ و یا نہ خاں کو کشمیر کی صوبہ داری مطاہرتی۔ ہر اگرچہ خوار گندار اور مختصر سالک ہے۔ مگر ایسا پُر فضا قلعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جس کو اگر بے ایک حیلہ سے بیخ کر لیا تھا۔ اور اس بات کا خیر اس کو حاصل ہے کہ اس کی صحیح تاریخ خود وہی کی زبان میں موجود ہے جس میں خاں سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دلچسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام

ہندوستان کو لٹکا لٹک کر لیا تھا۔ ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کر دیا تھا جس کی ایک نقل میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس موقع پر یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ اورنگ زیب نے بجاہت خاں کو جس نے سون گڑھ اور کجورہ کے معرکوں میں بڑی شہادت دکھلائی تھی اُس کے منصب سے گرا دیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے عزتی اُس کو اس لئے نصیب ہوئی تھی کہ اُس نے اپنی خدمت میں بار بار جھلے کی تھیں۔

سیوا جی مرہٹہ | زوجہ کی کو شمش کروں گا۔ واضح ہو کہ بیجا پور میں ایک ہندو نے بغاوت کر کے کئی بڑے بڑے قلعوں اور چند گاہوں پر چڑھ کر بیجا پور کی عمارتوں میں سے قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس قسمت آزمائی کرنے والے ٹڈے شخص کا نام سیوا جی ہے جو ایک بڑا ہوشیار صاحب دامن اور ایسا خشنود آدمی ہے کہ اپنے مرنے جینے کی اُس کو پروا ہی نہیں ہے چنانچہ جس زمانہ میں کہ شائستہ خاں دکن کا صوبہ دار تھا وہ اس کو شہادت بیجا پور کی تمام سپاہ اور ان راجاؤں کی متفقہ قوت کی بہ نسبت ہر کسی مشترکہ دشمن کے مقابلہ میں اس کے ساتھ شامل ہو جانا کہتے ہی زیادہ خوفناک سمجھتا تھا۔

اس شخص کی جرأت و جہارت کو اسی پر تمنا کر لینا چاہیے کہ باوجودیکہ شائستہ خاں کی سپاہ چپے پر پھیلی ہوئی تھی اور شہر اورنگ آباد نصیل سے بھی محصور تھا مگر اس پر بھی ایک رات صرف چند سپاہیوں کے ساتھ شائستہ خاں کے مکان کے اندر اس ارادہ سے جا گھا کہ شائستہ خاں کو پکڑ کر اُس کے تمام مال و دولت پر قابض ہو جائے اور اگر سخت زنی دیر اور خیر نہ ہوتی تو کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اپنے منصوبہ میں منور کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ شائستہ خاں اس موقع پر سخت زخمی ہوا۔ اور اُس کا بیٹا میاں سے ہر طور نکلتے ہوئے مارا گیا۔

سیوا جی کی بندرگاہ صورت میں غارت گری | اس سے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے ایسا ہی ایک اور چھاپا مارا جس میں زیادہ کامیابی ہوئی یعنی چپکے سے دہلیں ہزار حیدر سپاہی ساتھ لے کر اپنے لشکر گاہ سے نکل کھڑا ہوا اور یہ مشہور کیا کہ ایک مہاجر بادشاہ کے سلام کو دینی جاتا ہے اور جب شہر صورت کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اُس کو بلا کر اسے یہ دم دے دیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر جاؤں گا حالانکہ اس منصوبہ کا اصل مدعا اسی مشہور اور دولت مند بندرگاہ کو لوٹنا تھا

خدا جہاں کے لاکھ آدمی ہری اور بھد اور گنت ہیں

چھانچھ مشیر کیف مشیریں آگستا اور تین دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دیکر خوب تنگ کیا اور کئی لینے دو پیسے سونے۔ چاندی اور موتیوں اور دھنی کپڑوں اور عمدہ مٹلوں اور بخاری مال و اسباب سے اپنی سواریاں لا کر رخصت ہو گیا۔ اور جو چیز اٹھا نہ سکا اُس کو چلا کر خاک سپرد کر گیا۔

چونکہ اس موقع پر کسی جگہ اس سے اتنا بھی نہ مل چکا کہ تیرے منہ کے دانت میں اس درجہ سے یہ مشہ ہوا ہو گیا کہ اس کے اور راجہ جو موت ملنے کے باہم خفیہ سازش ہے۔ خزانہ خاں پر حملہ کرتا اور صورت کو لونا سب اس کے علم و اشارہ سے ہوا ہے۔ اس نے راجہ دکن سے واپس لے لیا گیا۔ مگر وہ دلی آئے کے بجائے اپنی ریاست کو چلا گیا۔

لڑا یہ کہنا تو بین بھول ہی گیا کہ سیوا جی۔ نہیں نہیں۔ دوسرے آتما سیدی صاحب نے صورت کو لوتے وقت دیر چنڈا وادی میر وڈ کے مکان کو جو فرقہ کے پویشین تھے میں سے ایک شہزی تھے اتنا تک نہیں لگا یا کہ کہا کہ فرنگیوں کے پارسی نیک شخص ہیں ان کو مستانا نہیں چاہیے اسی طرح ایک ہندو کے مکان کو بھی (جو فریج سرکاروں کی وادی کا کام کرتا تھا) اس نے ڈھچکڑا کر وہ بہت سختی اور جی مان میں مشہد تھا اگر بڑے دل اور ٹوچوں کے مکانات بھی بچے رہتے لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ سیوا جی ان کا کچھ لحاظ کرتا تھا لہذا انہوں نے اپنی بہت امداد لیری سے اچھا آپ کو بچا لیا۔ اگر بھندوں نے تو اپنے جہاد کے خلاف بیوں وغیرہ کی مدد سے کمال ہی کر دکھا لیا اور نہ صرف اپنے ہی مکانات بچائے بلکہ پڑوسیوں تک کے مکانات پر بھی آٹھ نہ آئے دی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے رہنے والے ایک یہودی نے عجیب بہت دکھلائی جس سے لوگ حیران رہ گئے۔ سیوا جی نے یہ سن کر کہ اُس کے پاس نہایت قیمتی یا تبت ہیں رجن کو وہ بیچنے کے لئے اور تک زیور کے پاس لے جانا چاہتا ہے) اُس کو تین دھند گھنٹوں بٹھلا کر اور ننگی تلواریں تول تول کر ہر چند ڈرایا۔ مگر اُس نے ہرگز نہ ہٹا یا نہ ہیرہ دیوں کی اس عادت کو کہ دہریہ کو جان سے نلوا دے عرصہ جانتے ہیں خوب ناپا۔

صورت کے واقعہ کے بعد اور رنگ زیور نے بے شک کو فروج نامہ و دکن کی سرمداری قبول کر کے بد رضا مند کیا اور سلطان محمد معظم کو بھی اُس کے ساتھ بھیجا۔ مگر شاہزادہ کو کسی قسم سے ایک ٹھیک دس لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے۔

تہ کے پویشین عورتوں کی طرح برقعہ پہننے والے عورتوں کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ سمج

کا اختیار نہیں دیا۔ راجہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سیوا جی کے سب سے بڑے قلعہ پر زور شہر سے ملنے کے لئے شروع کر دیئے۔ مگر اس کے ساتھ سب معمولی اپنے اپنے قلعے کے مطابق جوڑ توڑ اور داد و دہدہ دینے سے بھی کام لیتا رہا جس کا سب دل خواہ یہ نتیجہ ہوا کہ قبل اس کے کہ اصل قلعہ نہایت لاجپور ہو کر مغلوب ہوتے سیوا جی نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور یہ شرط بھی قبول کر لی کہ اگر بجال پر پیر فوج کشی جائے تو بادشاہی فوج کا ساتھ دوں گا۔ اور نگینہ نے باطناف شامیہ اس کو راجہ کا خطاب مناجت کیا اور اس کے بیٹے کو امر کے ذیل میں داخل کر کے شل اورا بیروں کے وظیفہ مقرر کر دیا۔

سیوا جی کی دہلی میں حاضری | اس سے کچھ دنوں بعد جواہر ان پر چڑھائی کا ارادہ ہوا تھا تو اورنگ زیب نے سیوا جی کو نہایت عنایت آمیز اور خوش آئند الفاظ میں فرمان کھیا اور اس کی نعم و نراست اور سخاوت و سخاوت و غیرہ کی بہت تعریف کی اور راجہ جے سنگھ بھی جان اور کامرواری حفاظت کا خاص بننا اس لئے سیوا جی بھی مطمئن ہو کر دہلی میں حاضر ہو گیا تھا مگر اتفاقاً وقت سے شائستہ خاں کی بیوی بھی اس وقت دہلی میں موجود تھی اور بلاواسطہ اس امر پر مصر تھی کہ ایسا شخص جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا۔ اور خصوصاً گزنی کیا۔ اور چند رسم و رواج کو لوٹا ہے۔ مزید گرفتار اور قید ہونا چاہیے۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ سیوا جی یہ دیکھ کر کہ تین چار افراد اس کے خیون کی ہتھی گزانی کرتے رہتے ہیں ایک رات بھیس بدل کر بھاگ گیا اور اس کے قابوئے نکل جانے پر شاہی محل میں گینا کو بہت رنج اور افسوس ہوا اور جے سنگھ کے بیٹے بیٹے پر قوی شہ ہوا کہ اس نے سیوا جی کو مدد سے کر بھاگ دیا ہے۔ اس کو دہلی میں حاضر ہونے کی ممانعت کی گئی۔

جے سنگھ کی وفات | خواہ وہ بھگواہ محض ظاہری طور پر ناراض معلوم ہوتا تھا جے سنگھ اورنگ زیب راجہ جے سنگھ اور اس کے بیٹے دونوں ہی سے

راجہ جے سنگھ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اورنگ زیب اس حملے سے میری ریاست ہی ضبط نہ کرے۔ پس نہایت محبت کے ساتھ اپنا ملک بچانے کے لئے دکن سے واپس آیا۔ لیکن راستہ ہی میں برہان پور پہنچ کر مر گیا۔

یہ نہر سنگھ جے سنگھ کے بیٹے کے ساتھ اورنگ زیب نے جو اظہار عنایت کیا اور اس کی اس مصیبت پر اپنا دلی افسوس ظاہر فرمایا اور اس کے باپ کے منصب اور جاگرو و غیرہ پر

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہاراجہ کی

اُس کو بحال کر دیا۔ تو اس سے بہت لوگوں کی یہ مانے ہو گئی کہ سیوا جی کا بھاگ جانا غرور اور تکبر کی ہی چشم پوشی اور اغراض سے ہوا ہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ چونکہ بیگمات کو سیوا جی سے نہایت ہی نفرت تھی اور اُن کے دربار میں اتنی ہی دشمنی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ وہ ایک ایسا خبیث ہے کہ جس نے اُن کے عزیزوں اور قرابت داروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ اس لئے اور تکبر سے بھی دربار میں اُس کی موجودگی سے دق ہو گیا ہو گا۔

اب میں دکن کے واقعات پر ایک بھل نظر ڈالتا چاہتا ہوں جو ایک ایسا ملک ہے کہ چالیس برس سے زیادہ عرصہ سے برادر لڑائیوں، لڑائیوں کا گھر ہے۔ اور جس کے واسطے سلاطین مغلیہ شاہان کو لکھنؤ اور بجا پور اور ان سے کم درجہ کے راجوں کے ساتھ اکثر اُبھے ہی رہتے ہیں تا وقتیکہ اُس کے فرماں رواؤں کی حالت اور اُن بڑے بڑے واقعات سے جو اس ملک میں ہوتے رہتے ہیں بخوبی واقفیت نہ ہو۔ ان لڑائی جھگڑوں کی حقیقت ابھی طبعاً مجھ میں آتی ناسکھ ہے۔

ملک دکن کی وسعت | تاریخ جو کہ قریب دو سو برس سے ملک ہند کا یہ قطعاً بڑا ملک کی طرف تخیل کہہ سکتے ہیں شروع ہو کر مشرق کی جانب ملتا ہے۔ اس کے قریب خلیج بنگالہ تک اور مغرب میں دکن کی ساری تک پہنچا ہوا ہے۔ اور جو اہل یورپ کے جزائر کی اصطلاح میں گرت و پھرت چین شلا کے نام سے معروف ہے یا ستھار چند پہاڑی ضلعوں کے تمام کا تمام ایک خود مختار خاندان کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔ مگر راجہ رام راج کی نالہیت سے جو اُسی خاندان میں سب سے اخیر راجہ تھا۔ بڑی سلطنت کر کے ٹکڑے ہو گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب یہ ملک مختلف مذہب کے کئی فرماں رواؤں کے زیر حکومت نظر آتا ہے۔

گو لکنڈا اور بجا پور کے فرماں روا | بات یہ ہے کہ دکن راج کے پاس گرجستان کے رہنے والے تین غلام تھے جن کو اُس نے چھوٹی چھوٹی بات سے متاثر کر رکھا تھا یہاں تک کہ آخر کار ان کو تین بڑے بڑے صوبوں کا حاکم بنایا۔ چنانچہ ایک تو تقریباً اُن تمام اضلاع کا جو باغعل سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں ہیں حاکم مقرر ہوا۔

اور یہ صوبہ مشہور جہاد اور پرچند اور مورت سے لے کر دیاتے نزدیک پھیلا ہوا تھا اور دولت آباد اس کا دار الحکومت تھا۔ دوسرا اس ملک کا حاکم بنایا گیا جو سلطنت بجا پور کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیسرے کو وہ ملک سپرد ہوا جس کو گوگنڈا کی سلطنت کہتے ہیں۔ نظام یہ کہ یہ تینوں نظام نہایت ہی دولت مند اور طاقتور ہو گئے۔ اور چونکہ ان تینوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا جو اہل ایران کا عام مذہب ہے۔ اس لئے رام راج کے دربار کے امرا انی اسرا سے اُن کو بہت مدد ملتی تھی۔ کوئی یہ نہ کہہ کہ یہ ہندو کیوں مذہب لگے اس لئے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ کوئی غیر شخص اُن کے مذہبی اسرار سے متنبہ ہو۔ پس اگر وہ چاہتے تب بھی ہندو نہیں بن سکتے تھے۔ البتہ ان تینوں نے متفق ہو کر عداوت کی جس کا انجام یہ ہوا کہ رام راج ابرا گیا۔ اور پاپنے اپنے صوبوں میں واپس آکر بادشاہ بن بیٹھے۔ اور چونکہ رام راج کی اولاد میں کوئی ایسا شخص موجود تھا جو ان کا مقابلہ کر سکتا اس لئے وہ صرف اُس ملک میں چپ چاپ بیٹھے رہے ہو کر نانگ کے نام سے مشہور رہا اور جس کو چار سے جہاز رانی کے مختصر نقشوں میں راجن کو چارٹ کہتے ہیں۔ پس نظر رکھا جاتا ہے اور جہاں اُس کی اولاد اب تک راج کرتی ہے۔ اور اس میں چندہ نا کے باقی قطعات اسی دقت سے اُن تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئے جو اب تک قائم ہیں اور جن کے رئیس ماحہ یا نانگ کہلاتے ہیں۔ ان تینوں غاصبوں کی اولاد میں جب تک اتفاق رہا اُن پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکا اور سلاطین مغلیہ کا اثر کمزور رہا کرتے رہے لیکن جب سے باہمی رشک و حسد سے مکہ پائی اور انہوں نے یہ چاہا کہ ایک دوسرے کی مدد کے بغیر خود سر ہو کر رہیں تب سے وہ اتفاق کے خوناک خمیاڑے اٹھا رہے ہیں۔ اور غیبتیں کیا چالیں برس ہوئے کہ شہنشاہ مغل نے یہ دیکھا کہ اُن میں اتفاق نہیں ہے نظام شاہ کی سلطنت پر جو باقی ریاست سے پانچویں یا چھٹی پشت میں تھا پڑسا کی کر کے اس کو جج کر لیا۔ اور نادر ہوا کہ نظام شاہ اپنے سابقہ دار الحکومت و دولت آباد ہی میں قید رہ کر قید زندگی سے بھی چھوٹ چکا ہے۔

گوگنڈا کے سلطان مغلیہ سے تعلقات | البتہ شاہان گوگنڈا اب تک حملہ سے محفوظ رہے ہیں۔ لیکن اُن کا پیر ہنا اُن کی زور و قوت کے

سبب سے نہیں ہے بلکہ صرف اس وجہ سے کہ شہنشاہ مغل کو اول آس کی دولوں میں جنس نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذاق بیکہ لڑکی خرابی ہے جو راج رام راج کا دار الحکومت تھا۔ اس م

اور ہمسایہ ریاستوں پر ہم کرنے اور اُن کے مستحکم مقامات امیر پر چڑھا۔ اور ہندو کے لیے کی زیادہ عزت تھی تاکہ اس کے بعد گوگنڈا پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہو جاتے اور اُن کی یہ دانائی اور حسن تدبیر بھی کچھ اُن کے بھپاؤ کا باعث تھی کہ اپنی بے شمار دولت میں سے مخفی طور پر شاہِ بجا پور کو ہمیشہ مدد بھیجتے رہتے تھے۔ اور جب کبھی بجا پور پر حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو یہ اپنی فوج بھی سرحد پر بھیج دیا کرتے تھے تاکہ شہنشاہِ مغل کو یہ بات بتلائی جائے کہ گوگنڈا دُشمنِ اہلِ بھپاؤ کے لئے مستعد ہے بلکہ اگر بجا پور سخت وقتِ آن پڑے گا تو ہم اس کے بھی آڑے آنے کو تیار ہیں۔ علاوہ یہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل سپہ سالاروں کو بہت کچھ رشوتیں بھی دی جا یا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ

گوگنڈا کے عوض بجا پور پر ہم کرنے کی رائے کو ہمیشہ اس دلیل سے ترجیح دیتے رہتے ہیں کہ وہ دولتِ آباد سے زیادہ قریب ہے۔ اور جب سے اورنگ زیب اور گوگنڈا کے موجودہ بادشاہ کے درمیان ایک عہد نامہ ہو چکا ہے تب سے تو اورنگ زیب کا بھی اس پڑھائی کرنے کی طرف میلان نہیں معلوم ہوتا۔ اور اُس روز سے غالباً وہ اُسے اپنا ہی سمجھتا ہے اور چونکہ وہ دلت سے تاج گزار ہے۔ اور بہت سارے مرہٹے اور دہاں کی لٹی ہوئی تھامیت عہدہ عہدہ چیزیں اور چنگی اور سرانید پ اور سیام کے باقی سال بسال خراج کے طور پر بھیجتا رہتا ہے اور اب گوگنڈا اور دولتِ آباد کے امین کوئی ایسا قلعہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی مخالف کے قبضہ میں ہو اس لئے اورنگ زیب کو یقین ہے کہ ایک ہی دفعہ کی پڑھائی اس ملک کی فتح کے لئے کافی ہوگی۔ لیکن مسیری راستے میں اورنگ زیب کو گوگنڈا کی فتح سے بھر اس کے اور کسی بات نے نہیں روکا کہ سہا دشاہ بجا پور اپنے اس اندیشہ سے کرکل کر رہی دن اُس کے لئے بھی پیش آئے گا ہے کہیں غزوہ سوہاہن کی تاخیر و تاواناج شروع ذکر سے۔ متذکرہ بیان سے امید ہے کہ ناظرین تصور کر سکیں گے کہ سلطنتِ مغلیہ اور گوگنڈا کے باہم کس قسم کے تعلقات ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ گوگنڈا کے قیام و بقا کی حالت بالکل غیر متعین ہے۔

اور جب سے کہ وہ ناخوش گوار معاملہ پیش آ چکا ہے جو میر جلد کی تحریز کے موافق اورنگ زیب سے ہوتا تھا۔ خواہ گول کنڈا کے قرائے واقعی میں بھی بالکل متہد آگیا ہے۔ اور سلطنت کی باگ اُس نے نہایت ذریعہ چھوڑ دی ہے۔ اور ہم ملک کے موافق دیکھی

دربار میں اگر بیٹتا ہے اور ذالصاب و عدالت کرتا ہے۔ بلکہ اتنی بہت بھی نہیں رہی کہ کبھی قلعہ کی دیوار سے باہر نکلے جس کا طبیعی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں اشری اور جلعظائی پھیل رہی ہے۔ اور آراء و حکام جو ذاب بادشاہ کا کچھ حکم ہی مانتے ہیں اور وہ اس سے کچھ بہت ہی رکھتے ہیں بے حد غلام کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اگر کبھی موقعہ ہوا تو رعایا جو اس غلام دستم سے تنگ آ رہی ہے بہت جلد اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرے گی جس کی حکومت کو گھنڈا کی بہ نسبت بہتر اور منصفانہ ہے۔

اب میں چند باتیں وہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے اس پر بہت بادشاہ کی بمثل حالت کا خوبت ملتا ہے۔ ایک تو یہ کہ **خشتہ ۶** میں جب کہ میں گول گنڈا میں تھا اورنگ زیب کی طرف سے ایک سفیر خاص یہ پیام لے کر آیا کہ یا تو دس ہزار سوار بجا پور کی ہم کے لئے حاضر کرو۔ یا تم بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس سے فرح کا بیٹا تو بول نہ کیا۔ لیکن اُس وقت وہ میرے پاس دس ہزار سواروں کی تحفہ کے لئے کھڑا ہے۔ اور جس سے اورنگ زیب اور بھی زیادہ خوش ہوا یہ یا اور سفیر کی بہت ہی آذہمگت کی اور بہت سے گراں بہا تحائف خود اُس کو دیتے اور ایک بڑا بھاری چٹا کش اورنگ زیب کے لئے روانہ کیا۔

دوسرے یہ کہ اورنگ زیب کا معمولی سفیر جو گول گنڈا میں متعین رہتا ہے احکام جاری کرتا ہے۔ ماہ داری کے پروانے دیتا ہے اور لوگوں کو دھمکاتا اور بدسلوکی کرتا ہے تو ملکہ اُس کی گفتار اور رفتار ایسے مطلق العنان حاکم کی ہے کہ گویا بجائے خود ایک بادشاہ ہے۔ قصہ یہ کہ میر جملہ کا بیٹا صدامین خاں جس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اورنگ زیب کے دربار کا صرف ایک امیر ہے گول گنڈا میں اُس کا اس قدر ادب کیا جاتا ہے کہ اسکا "چٹا بیٹی دلال یا گناشتہ جو پھیلی ٹپن میں رہتا ہے۔ بندرگاہ کے حاکم کا سا اختیار رکھتا ہے تمام تجارتی جنسیں خریدتا ہے۔ بیچتا ہے۔ جہازوں پر مال چڑھاتا ہے۔ اُتارتا ہے۔ مگر حصول کی ایک کوڑی تک نہیں دیتا اور نہ اُس کے کام میں کوئی دخل دے سکتا ہے۔ جب بات ہے میر جملہ کا وہ اب اس ملک میں اس درجہ تنگ تھا کہ اُس کے سرے کے بعد گویا وہ بھی وراثت میں صدامین خاں کو مل گیا ہے۔

جو تھے یہ کبھی کسی نہ چہ لوگ گول گنڈا کے سوداگوں کے تمام جہازوں کو پھیلی ٹپن کی بندرگاہ میں روکے رکھتے ہیں۔ اور جب تک یہ بادشاہ ان کی بات نہیں مان لیتا ان کو باہر نہیں

جائے دیتے اور خود میں لے لے اس بادشاہ پر ان کو یہ بہتہ اعتراض کرتے دیکھا ہے کہ
 - پچھلی بین کے حاکم نے ہم کو انگریزوں کے ایک جہاز پر جبراً قید کر لینے سے کیوں
 مدد کیا۔ اور لوگوں کو ہمارے مقابلہ کے لئے ہتھیار دے کر ہمارے اس ارادہ میں کیوں
 مزاحم ہوا اور ہم کو یہ دشمنی کیوں دی کہ تمہاری کوششی کو جلا دوں گا اور تم پر دہلی
 چھ مسافروں کو قتل کر ڈالوں گا :

پانچویں علامت اس سلطنت کے زوال کی یہ ہے کہ یہاں کے راجے کی قیمت اہل
 ہی گر چکی ہے جو اس ملک کی خرابی کے حق میں نہایت مضرب ہے ۔

چھٹے یہ کہ یہاں تک تو لاپتہ پنہی ہوئی ہے کہ پرگیزہ بھی باوجود اپنی شکست حالی اور غلامی
 اور معیر حالت کے اس کو لڑائی کی رخصتی دینے میں تردد نہ پ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر مقام
 سین طاس راجہ چند سال ہوتے انھوں نے خود ہی شاہ کو لکھنا کو اس خیال سے دیکھا یا
 تھا کہ وہ اس سے طاقت میں زیادہ ہیں ان کو اس کے معاملہ کر دینے کی نوبت انسانی
 نہ پڑے ہم کو نہ یہ دے گے تو ہم بھی چین اور دوسرے مقامات پر قبضہ کر لیں گے اور لوٹ
 لیں گے ۔ کہ باوجود ان سب باتوں کے کہ لکھنا ہی میں چند ہی فہم لوگ مجھ سے یوں بھی کہتے
 تھے کہ بادشاہ کے فہم و فراست میں کچھ بھی فرق نہیں اور اس سے نصیب اتنی اور ناقص نظر آتی
 اور سلطنت کے معاملات سے بے پروائی کی یہ حالت صرف اپنے دشمنوں کے دھوکہ دینے کو
 بنا رکھی ہے اور اس کے ایک ایسا جری بیٹا بھی ہے جو نہایت تنویر مزاج بلند خیال و گویا ایک
 پرکار آتش شہنشاہ ہے ۔ جس کو مصلحتاً عوام کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اور کبھی موقعاً اس کو سخت
 پریشانہ دے گا اور جہاد و بیان اور تک زب سے کہ لکھا ہے اس کو بالائے طاق رکھ دے گا ۔

اب میں ان داریوں کی غلطی اور صحت کے فیصلہ کو آئندہ زمانہ پر چھوڑ کر چند
 ریاست بجا پور | الفاظ بجا پور کی اہمیت کہنا چاہتا ہوں ۔ اگرچہ شہنشاہ منیل کی طرف سے
 اس سلطنت کے ساتھ اکثر لڑائی بھڑائی رہتی ہے مگر اب تک یہ خود سلاو و آوار کھلاتی ہے
 لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو سچا سلاو بجا پور کی مہم پر مامور ہوتے ہیں ان سرداروں کی
 طرح جو ایسی ہی اور مہموں پر بھیجے جاتے ہیں سچے سالار بنے رہنے کے شوق میں اس امر
 کو غیبت جانتے ہیں کہ دربار سے دور رہ کر فوج پر شامادہ طور سے حکومت کرتے رہیں ۔ اور
 اس سے اپنے کام میں نال مشغول کرتے اور طرح طرح کے حیلوں اور ہمتوں سے لڑائی

کو جو کن کے احزانِ اکرام کے طارہ اُن کی آمدنی کا بھی ذریعہ ہے خواہ مخواہ غول دیتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ بات ہندوستان میں ایک ضربِ فضل ہو گئی ہے کہ ملک دکن تو ہندوستانی سپاہی کی روٹی اور گزارہ ہے۔

طارہ میں سلطنت بجا پور میں پہاڑیوں کے اندر شہر گزار مقاموں میں اس قدر قلعے اور گڑھیاں ہیں کہ جن کا فتح کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جو طاقِ سلطنت مغلیہ سے متصل ہے وہ خصوصیت کے ساتھ چارے اور پانی کے سرحد نہ ہونے کے باعث دشوار گزار ہے۔ غرض شہر پائے تخت ایک نہایت بڑے آب و گیاہ زمین پر واقع ہونے کی وجہ سے نہایت ہی مستحکم مقام ہے یہاں تک کہ پیٹے کے قابلِ پانی صرف شہر ہی کے اندر ملتا ہے۔ مگر ایسے ہر اس سلطنت کو بھی چلانے سے ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ شہنشاہِ مغل نے قلعہ پر بننا پر مجباً اس ملک کا دارخانہ سمجھنا چاہیے اور عہد پر جو ایک مستحکم اور خوبصورت شہر ہے اور دوسرے بڑے مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہاں سے کہ بادشاہِ لالہ مر گیا ہے اُس کی بیگم نے جو خواہ گو کھڑا کی بہن ہے ایک لڑکے کو جو اپنا شہلی بنا کر پرورش کیا تھا اُس نے اُس کا یہ اجر دیا ہے کہ ابھی چند روز ہوئے یہ خانہ بدوی جگہ کے واپس آئی تو اُس سے سو دہری اور عقادت کے ساتھ پیش آیا۔ اور یہ بہانہ بنایا کہ وہ چوں کے بھار میں رہیں پر وہ سوار ہو کر مٹا کر گئی تھی، اُس کا رویہ اُس کے رتبہ اور مستورات کی حالت کے مناسب نہ تھا بلکہ یہاں تک کہا کہ دو تین جہازوں سے لے کر اپنے جہاز سے علیحدہ ہو کر کہ تک اُس کے ساتھ گئے تھے، نا جائز تعلق رکھتی تھی۔

لے کہ کھڑا اور بجا پور کے بادشاہوں کا سب و نسب جس طرح پر ہمیشہ جہاں کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ بادشاہِ ماجھام راج کے نظام نہ تھے بلکہ بہینہ خاندان کے بادشاہوں کے نظام تھے۔ چونکہ بہینہ خاندان کا ذکر کئی بیڑیہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا اس سے پہلے ہم کہہ اسی کا حال کہیں گے اور عہدِ ان کا۔

پس واضح ہو کہ سلطنتِ بہینہ کا بانی من نامی ابتدا میں ایک گنام اور ایسا مغل شخص تھا جو غواہ دین ہونا مشہور ہو سلطانِ شاہِ مغل بادشاہِ دہلی کے ایک تجوی بہین کے پاس کہیں سے اگر ہو کر ہو گیا تھا۔ اور دہلی کے پاس جو کہ اُس کی زمین تھی اُس میں کاشت کاری کیا کرتا تھا اس جو ٹوٹی کا نام ملتی مرشد میں آکر کہیں تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے زمانہِ مسلمان صحیح لفظ کان کی

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب

بیتہ حادثہ ہو گئی تھی۔ رہیں کی حکمران کو لاکھ نہیں کہتے ہوں گے۔ اتفاقاً من مذکور کو اپنے ایک کی اس زمین میں مل چلا تے ہوئے کچھ دیکھنے مل گیا جو اس نے اپنے آقا کی خدمت میں بے کم و کاست حاضر کر دیا۔ اس ایمان داری کے باعث سے وہ جو تثنیٰ اس کو اس تدریجاً نے لگا کر تعریف و توصیف کر کے محمد شاہ کی سرکار میں لے کر کرادیا اب من نے یہ ایک اور حق شناسی کی کہ بادشاہ کا لازم ہو کر جو کبھی تہذیب و ادب پاتا تو ٹھہرے اچانام ہی من کا کو نہیں کندہ کرالیا۔ جب محمد شاہ تعلق نے دلی گزرا وہ واقعہ دکن کا نام دولت آباد رکھ کر اس کو ہندوستان کا دارالسلطنت بنا ڈالا جو اس شخص بھی شغل اور راحت سرحدوں کے قلعے خان اور ملک لاجپت اس کے ناموں کے پاس دیر گڑھ میں تھا اور جہاں بادشاہ کی خطبہ یاد اور خاندان حرکتوں سے سلطنت میں غلط پیدا ہوا اور دکن میں بنات ہو گئی اور ملک لاجپت مار گیا۔ اور تعلقوں کی حکومت جاتی رہی تو اتفاقات وقت سے مشغولہ میں یہ شخص دکن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور اپنے پہلے نام اور لقب پر علاء الدین کا لقب بڑھا کر ملاو الدین من کا کو نہیں کہلاتے تھے۔ حسن آباد گھر کر لیا اور محمد آباد و پیدلہ جس اس خاندان کے دارالحکومت تھے۔ اور اس گھر کے سستہ بادشاہ ایک ٹائٹلسٹ برس تک ماک و دکن کے فرماں روا رہے۔ گول کنڈا اور جیجا پور کے سوا ملک بہادر خان دکن و غیرہ بھی اسی سلطنت میں داخل تھے۔

نظام شاہ بہمنی بارہویں بادشاہ سے لے کر اس خاندان کے اخیر شخص ولی اللہ شاہ بہمنی تک بادشاہی کا تو ایک نام ہی نام تھا۔ کیونکہ ہر نئے سلطنت اپنے اپنے متعلقہ سرحدوں میں خود مختار باد حکومتیں کرتے تھے۔ مگر آخر کار ۱۶۵۷ء میں انھوں نے اس نام کو بھی مٹا ڈالا۔ اور جیجا پور۔ گول کنڈا۔ بہار۔ خاندان و غیرہ میں خود اپنے اپنے نام سے جدا جدا بادشاہتیں قائم کر لیں۔ چونکہ اکبر کے وقت سے شاہجہاں کے زمانہ تک خاندان و غیرہ کی حکومتیں سب دلی کی مشہد شاہی میں جذب ہو چکی تھیں۔ اس لئے ہم ان کا ذکر تلم انداز کرتے ہیں اور خاندان گول کنڈا اور جیجا پور کا حال دیکھتے ہیں۔

گول کنڈا کے خاندان کا بانی سلطان تلی نامی جو دکن کا رجنے والا ایک ترک اور محمد شاہ بہمنی کا غلام تھا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بڑھا کہ اس سلطنت کا وزیر ہو گیا قطب الملک کا خطاب ملا۔ گول کنڈا کا طرف دار یعنی صوبہ دار بنا اور آخر کار دھیماکر اور بیان ہو چکا ہے) ۱۶۵۷ء میں خود اپنے ہی نام سے سکھ و غلبہ جاری کر کے قطب شاہ بن بیٹھا۔ اس کی نسل کے چار بادشاہ ایک سو چھ برس تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب اس خاندان کا اخیر فرماں روا عہد ۱۶۵۷ء

تعلب شاہ ساتھ برس بادشاہت کر کے مر گیا تو اس کا داماد مسیحا الرحمن معروف بانا شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ ڈاکٹر برنیئر اپنے بیان متعدد متن میں غلط اور سستی کا اشارہ اسی کی طرف کرتا ہے۔ اور فی الواقع یہ بادشاہ اپنے وقت کا راجہ اندرا گویا پیش و پشت کا پتلا تھا۔ جس کے پیش و نشاط اور لطافت و نفاست مزاج کے فائدے اب تک زبانِ دروخت لُحْن اور ضربِ افعل چلے آتے ہیں چونکہ یہ اس قدر مست اور کاہل مزاج تھا کہ اپنی پندرہ برس کی حکومت کے زمانہ میں شہر حیدر آباد اور قلعہ گونڈا اپنے باغ میں جانے آئے کے سوا اس سے اپنے ملک کو کبھی بیرو شکار کی خاطر بھی جا کر نہ دیکھا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھ ہم جنوں کی طرح آخر یہ بادشاہی بھی دہلی کی اعلیٰ سلطنت کا ایک جزو ہو گئی۔ یعنی جاکش اور اولوالعزم شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنی عمر کے بہتر ورس سال مطابق ۱۶۵۷ء میں شہر حیدر آباد کو اور بعد ازاں مشعلہ میں قلعہ گونڈا کو دت کے محاصرے اور سخت حملوں کے بعد بانا شاہ سے چھین لیا۔ اور اس کی پکاس ہزار روپے سالانہ پیش منقولہ کر کے قلعہ دولت آباد میں نظر بند کر دیا۔

اسی طرح بیجا پور کی سلطنت کا بانی گرجستان کا رہنے والا محمد یوسف نام ایک دور سرا غلام تھا جس کو بعض خوشامدوں مورخوں نے سلاطین آل عثمان یعنی دم کے ترک بادشاہوں کی فصل میں جا لایا ہے اس کو شہاب الدین محمود یعنی نے خریدا تھا جو غرض قسمتی سے رفتہ رفتہ بیجا پور کا طرف دار اور آخر کار خود سر ہو کر عادل خاں سے عادل شاہ بن گیا۔ اسی کے پوتے ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس پر ملا نور الدین ظہیر علی ترشیزی نے اپنی وہ فصیح و لایق نشریں جو غولہ و لغامبِ انشا کی دم سے ایران و ہندوستان میں اب تک متداول و مشہور اور منظرِ نموداری کے نام سے معروف ہیں کبھی نہیں۔ یہ سلطنت بھی مشعلہ میں اورنگ زیب نے چھین لی۔ اور مکملہ عادل شاہ کو جو ایک لڑکا تھا اپنے امیروں کے ذیل میں داخل کر کے اور خاں کا خطاب دے کر لاکھ روپے سالانہ گزارہ منقولہ کر دیا۔ اگرچہ یہ دواں گھڑنے اخیر تک بادشاہ کہلاتے اور اپنے آپ کو خود مختار سمجھتے تھے۔ مگر سلاطین منلیہ نے ان کو خود مختار ہی مانتے تھے۔ اور دکن کے عقبہ شاہان کو یہ تسلیم کرتے تھے اور جیش کشوں اور غلامانوں کے محتاجی و طلب کا ذوق و رغبت کے دعوے کو سختی سے جھڑپا کر دیا۔

حیلہ سے ان کو مال کرنے کے لئے آوارہ اور تیار رہتے تھے۔ اور خط و کتابت میں ان کے ہی اصلی خطاب قطب الملک اور عادل خاں اور اقلانہ انقاب اپنے نوکروں اور مہم جو داروں کی طرح کیا کرتے تھے چنانچہ ان دواں کے انباروں کے جوئے ہیں۔

شاہجہاں کے امام اسیہی اور مہارنگ نے یہ

فرمان از طرف شاہجہاں بنام طلب شاہ مختصر

۱۰ ایالت و امانت چٹاہ اراوت و قحطیت و مسنگاہ ممدہا اجدگام سلاذ الام مقام نقادہ خاندان
مزد علا عضادہ وودانی محمد وائلزودہ مہکمان صلاح اندیش خللہ متفقہاں سعادت کش سورالخان
شاہنشاہی مصدر آیات خیرخواہی جوہر مرآتہ صفا و صفت فروغ نامیہ دولت و نعمت سرور و امانت
بیکران انصاف بنایت الملک امان طلب الملک مشمول عنایات بادشاہ اندرودہ جانندہ

ایضا بنام عادل شاہ ہند نذکر

۱۱ ایالت و شوکت چٹاہ دولت و انصاف دست گاہ زبذہ اباب دول متہ اصحاب ال غلام
مرجان عادل خان برقرار عنایات بادشاہان مقتدر و متظہر بودہ جانندہ

بہینہ خاندان کے قلام اور قمر سل بادشاہ و جیسا کہ برسر نے لکھا ہے سب شیعہ دتھے۔ مگر پاں
گو گنڈا اور جہا پور دے مزد شیعہ تھے۔ چنانچہ سلاطین مغلیہ ان سے کاوش کرنے کے لئے کبھی کبھی کسی
نذہبی بحث کو بھی حیلہ بنا لیتے تھے مگر آخری وجہ گو گنڈا اور جہا پور کی سر بادی کے لئے یہ تھی کہ لوگ
سیاہی کے بچے سنبھالی کو مدد دیتے تھے۔ اور اورنگ زیب نے بذات خود دکن میں پہنچ کر گو گنڈا
جہا پور۔ اور سنبھالی تینوں پر ایک ہی زانہ میں نوک کشی شروع کی تھی۔

راجہ رام راج کا ذکر جس طرح پرانا لکڑی پر لکھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے بلکہ بقول
سرورث الفنسٹن صاحب صحیح حال اس کا یوں ہے کہ وہ خاص دکن میں یعنی مداس کی طرف ہمشہر
ہے مگر میں ایک بہت ٹھانڈا دوست راجہ تھا۔ بہینہ خاندان کے سب غلام بادشاہوں سے جی کا ذکر لوہر
و چکا سے متعلق ہو کر اس کا ایک چھینے کا مادہ کیا اور پچیسویں صدی عیسوی میں سلطان محمد علی شاہ
شاہنشاہی کو دہانے کر شاہ کے کتابے تالی کوٹ کے قریب جانیوں سے بڑے احترام اور جوش و
خروش کے ساتھ ایک نہایت خوب مزے لڑائی ہوئی۔ جس میں یہ ضیف امراء بہا و راجہ مغلوب ہو کر پکلا اور
اڑا گیا۔ مگر اصل مطلب کے لحاظ سے نتیجہ اس کا چندوں کے حق میں چنداں مفید نہ ہوا کیونکہ ملک متحد
کی تنظیم پر اب ہم جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اور اس وجہ سے اس راجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وہاں کے پانچواں
یعنی راجہ جی اپنے اپنے علاقوں میں راجہ بن گئے۔ اور رام راج کے بھائی نے بچے مگر سے اپنی مالک
کو مشرق کی جانب منتقل کیا۔ اور آخر چند گڑھی کو اپنی ریاست گاہ بنایا۔ جو مداس سے شمال
مغرب کی طرف سترہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور یہی مادہ مطلع ہوا گڑھیوں نے اپنے کاوغاد کے لئے پہلے پہل مداس میں سے کر آفرار

سیوا جی کی خودکشی | سیوا جی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اس سلسلے کی یہ حالت کبھی بہت سے تعلقوں پر جو اکثر پہاڑوں کے اندر ہیں غالباً ہو گیا ہے۔ اور خود سرادشاہ کی طرح جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور شہنشاہِ غفل اور شاہِ بیچارہ جو کبھی اُس کو دیکھتے ہیں تو اُن کی باتوں پر نہیں دیتا ہے۔ اور صورت سے بے کرگاہ کے دروازے تک تک ناخست و تاراج کرتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ دیکھا فرشتا بیچارہ کی رہا ست کو سیوا جی بڑے بڑے صدمے پہنچاتا رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ جی غرض میں وقت پر اس کے کام بھی آجاتا ہے کیونکہ اورنگ زیب کو جیسے اسی کی ناخست و تاراج کی فکر ہے۔ اور اس کی فوجیں بیخدا اس کے پیچھے لگی رہتی ہیں۔ اور اس طسرت بیجاں رکاوٹ بھی مہر تار رہتا ہے۔ اور سب سے مقدم کام بھی سمجھا جاتا ہے کہ سیوا جی کی جڑ کی طسرت اکھاڑی جائے سیوا جی کو سوت میں جو کامیابی ہوتی ناظرین اُس کو بڑے چمکے ہیں۔ اس کے بعد اس نے جسٹس باؤنیز پر ہر گاہ کے نزدیک پرتگیزیوں کی ایک بستی ہے۔ تھبڑ کر دیا ہے۔

جیہ حاشیہ منور گزشتہ

تقد میں جاریہ قصہ کیا اسی شخص کی اولاد کے ایک نامہ سے مستفاد می پایا تھا۔ س م س
 راجہ راجہ سدرتِ فرشتہ۔ مانگیٹ۔ آخر مانگیٹ۔ سمر لٹا فوجیں۔ تاریخ۔ الفتنی۔ تاریخ فانی
 (۱۷۵۸ء)

یہ سیوا جی کا مختصر حال جو اکثر برہمن نے لکھا ہے اس کو بڑے حکمران خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب حاشیہ سیوا جی، شخص کا سبب و نسب کیا تھا۔ اور اس نے اس قدر اقتدار کس طسرت پایا۔ اور اس کے متعلق یہ واقعات برہمن نے لکھے ہیں اُن کی منقول اور صحیح روایہ کیا تھی۔ پس واضح ہو کہ انشا نگہ پٹیا یا برہمن ہیں اس کو غیر صحیح القاب اور بے لکھ کے مانا کی نفل سے۔

دینی چھتری آکھا ہے۔ مگر سرسوت الفتنی صاحب سائن گورڈینی جی کی تحقیق اور کئی قوموں وغیرہ کے بارہ میں زیادہ ممبروں کے قابل ہے اپنی مشہور تاریخ ہندوستانی میں سیوا جی کے اُن تمام ہم قوم لکھا کہ جو متبع ناظرین کی سکونت کے باعث مرثیہ کہلائے مرنما شہد بتاتے ہیں۔ اور سیوا جی کے سبب

تھ ہندو کی حکومت کے تہیم زیادہ میں ہا مانشر کا ملاق تک کے اُن وسیع قلعہ پر جوتا تھا بعد آج
 نجا کے جنوب کی طرف قی زمانہ چنپ کشتی ناگپور اور ریاست حیدر آباد کن اور پرتگیزی۔ سیوا جی کی
 مخالف حکومتوں میں ختم ہے۔ چنانچہ خانہ میں۔ بڑا کو کن وغیرہ کے ملاتے جو علیٰ القریب مذکورہ
 والا حکومتوں میں دانتے ہیں۔ ہمارا قشر کے عام قلعہ میں داخل تھے۔ س م س

قیحہ حاشیہ سہراوی

و نسب کی تحقیق کو اس طوائفِ تہذیب سے بیان کرتے ہیں کہ گو کلڈاسیجا پور دار احمد نگر کے سلطانِ ہند کے وقت میں مرچوں کو غلوں وغیرہ کے پھل سپا بیوں میں دوکر پائے لاکرتی تھیں۔ مگر جب معلوم ہوا کہ جنگی سواروں میں بھی ابھی خدمت دے سکتے ہیں تو سالوں میں بھرتی ہوسنے لگے اور ان میں سے ایسے لوگ جو چاہے ملک کے دیہات میں جو حری اور منبردار وغیرہ کہلاتے ہیں اور اس ملک میں اُن کے لقبِ ٹیپل اور دیس کہہ دہیں کہہ دہیں ہوتے تھے سرورٹی عزت کے باعث سے رسالہ لاریں اور معیارِ پلا کے عہدوں تک ناصر ہو جاتے تھے منظرِ اسی کے اگرچہ بعضوں نے قصدِ منزلت بڑھانے کو راج پوت ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر القش صاحب کی تحقیق میں تو یہیت کی حیثیت سے سارے ہی ٹھوکر تھے اور سولہویں صدی عیسوی سے پہلے ذاتِ مرہٹہ بعد ایک قوم ہی کے مشہور تھے اور ذان میں کوئی ایسا سوار تھا جو پلٹیکل لحاظ سے نامور اور ذی اقتدار گناہاتا ہو۔ مگر اس صدی کے آغاز میں اُن کے اقبال کا زمانہ اس طرح شروع ہوا۔ کہ ملک منہرے اور دار احمد نگر والوں کے ہاں ایک شہور اور نہایت زبردست امیر تھا، مرچوں کو اپنے سواروں میں زیادہ بھرتی کیا۔ چنانچہ اُس کی فوج میں کبھی باہی ایک سوار نے اُس کی بطورِ اعزازی لقب کے جاوداد کہتے تھے، ایسی ترقی پائی کہ دس ہزار اور سواروں کی سرداری کے منصب پر سرفراز ہو گیا اور یہاں تک اقتدار حاصل کیا کہ شاہجہاں اور اورنگز مالوں کی لڑائی کے زمانہ میں جب اس نے شاہجہاں سے سازش اور موافقت کر لی تو ملک منہر کی تقویٰ اُٹ گئی اور لڑائی ہار گیا، القش صاحب خیال کرتے ہیں کہ مرچوں میں اگر کسی کو راجہت ہونے کا دعویٰ پہنچتا ہو تو العجب یہ دعویٰ اسی کے گھرنے کو شاید دیا جاسکتا تھا۔

کیونکہ وہ گدھوں و دولت آباد کا دار احمد جو دکنی ماحادوں میں سب سے بڑا تھا۔ اور جس سے مسلمانوں نے ملک دکن کو فتح کیا تھا۔ جاودہ نہیں ہی کہلاتا تھا اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ شخص ذاتی دار گدھ کے کسی قریبِ خلیفے کا رہی کہ اور جاودہ نہیں راجپوتوں کی نسل سے ہونے کے باعث جاودہ کہلاتا ہو گا۔ اقتصرِ الہی بہرِ سلا سید الہی کا تھا اس کے حواریوں میں ایک ایسا شخص تھا جو اگرچہ کسی قدر ظاندانی اور ذی عزت گناہاتا تھا مگر حیثیت اُس کی اس سے زیادہ دھنچی کہ چند خدا سپہ سواروں سمیت اس کے ہاتھوں میں تھا۔ تنہا کے کردار ایک دغا ایسا اتفاق ہوا کہ جاوداد کے یہاں کسی قہار وغیرہ کی تعریف میں بہت سے لوگ جیسے ہوئے۔ میں ہی مالوی بھی اپنے پانچ برس کے بیٹے ساہوکر ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس منسل میں جہاں سب معمول نہیں فوجی کی بائیں ہڈ پر ہی تھیں اتفاقاً جاوداد اور

تجیہ حاشیہ سید اعلیٰ .

نے ساہوچی اور اپنی سرسار لڑکی دولہاں کو راز پر شہکار نہیں اور پہلے کے طور پر کہیں یہ بات کہہ دی کہ یہ دولہاں ایک تو جانشی بنانے کے قابل ہیں ۔ جلد دو دکایہ کہنا تھا کہ لالہ فریادیں اٹھا کھڑی سبھاگوا رہے میرے بچے کا رشتہ جلد رازدہی کی لڑکی سے ہو گیا ؛ اگرچہ جلد دواؤ اپنے خاندان و منصب کے فرد کے باعث لالہ کی اس بڑے بول سے ایسا ناواضہ ہوا کہ دولہاں کے اہم جزئی ہو گئی کہ لالہ کی برابر اس سنگاتی کا دھڑی کئے جاتا تھا ۔ اور چونکہ قہر سے ہی حور میں خوش قسمتی سے یہ بھی ایسا بڑھا کہ اسی ریاست میں پانچ ہزار سواروں کی رسالہ داری کے منصب پر سروراز اور صاحب صیبت ہو گیا ۔ اور مضامین ملک کو کئی میں بتھام پڑا ۔ درجواب پیر پٹنئی کہتی میں ایک شہر شہرے اس کو ایک بڑی سی جاگیر مل گئی جس میں چاکند اور سوہا کے دو قلعے بھی شامل تھے تو خدا کا کھڑی جلد دواؤ کہیں یہ خواہ مخواہ کی سنگاتی کا دھڑی ماننا ہی پڑا ۔ اور ساہوچی کی خاوی اس کی شہی سے ہو گئی ۔

جس سے وہ بیٹے پیدا ہوئے ۔ ایک دھکا ہی دوسرا سید اعلیٰ ہوا وہ شہی مشغول میں پیدا ہوا ۔ جب شاہجہاں نے والی جہا پور کے اتفاق سے احمد نگر کی حکومت کو ہال کر کے ملک کو اس میں داخل کیا اور منہ اس کے کو کئی کا ملاوہ جہا پور کے حصہ میں آیا تو ساہوچی نے والی جہا پور کی نوکری اختیار کر لی ۔ اور اس کی جاگیر واقع ہونا بھی ہو جہا پور کے حصہ میں آگئی تھی ۔ دستور اس کے قبضہ میں رہی اور وہ جہا پور کی طرف سے کرناٹک میں ملک گیری کرتا رہا جس کے باعث سے بیسویں صدی تک بھی اس کو ایک بہت بڑی جاگیر حاصل ہوئی جس میں ہنگوہ و قیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے ۔

العرض دھکا ہی تو اپنے آپ کے ساتھ کرناٹک میں رہتا تھا ۔ اور خود سال سید اعلیٰ پڑا ۔

اس زمانہ میں مرہٹے سردار خود تو ناغولندہ ہوتے تھے ۔ اور ان کے کاروبار کا

انتظام ان اہل قلم بہمنوں کے اختیار میں ہوتا تھا ۔ جو دکن کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں پہلے بٹے کا مآد عہدوں پر احمد ہمارے تھے ۔ چنانچہ ساہوچی کی اس جاگیر کا انتظام اور سید اعلیٰ کی سرپرستی دھکا ہی کشو نامی ایک بہمن کو سپرد تھی ۔ اس وقت کے نوجوان مرہٹوں کو شہسوار شہار ہادی ۔ اور نیزہ بازی و قیرہ سپاہیانہ ریاضوں کے کچھے کا شوق ہوتا تھا ۔ اور چونکہ پڑا ایسی جگہ ہے کہ وہاں میدان اور پہاڑی ملک آپس میں ملتے ہیں تو ان سپاہیانہ شوق اور شہسوار کے سپاہوں کے باعث سے سید اعلیٰ کے بٹے نہیں جیتا ہی سے ایسے لوگ ہوتے جو یا تو اس کے آپ کے سواروں میں بھرتی تھے یا گھاٹوں و بھٹی کو ہتھان سپاہی کے مسلحوں کے پاس پڑوس

قبیلہ حاشمہ بیہواہی

کے رہنے والے ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ بعض ڈکیتی کی وارداتوں میں مغنی طور سے یہ اُن کا شریک بھی ہو بلکہ غرضکہ ان جھاکشی اور مضبوط آدمیوں کی بہت سے اور اُنی دیہاتی راگڑوں (یعنی ساکھوں) کے سینے سے جن میں اس ملک کے بعض سرورِ بالوگوں کی کہانیاں محاتی ماتی تھیں اُس کی طبیعت میں بڑے بڑے خیال پیدا ہوتے۔ اور جب یہ آفت کا ہر سال سولہ برس کی عمر کو پہنچتا تو اپنے اہالیق و اداہی کے قاری سے بھی بھل گیا اور باپ کی جاگیر کے کامواری میں خواہ مخواہ دخل دینے لگا۔ اور جب تھوڑے عرصہ بعد وہ برہمن بھی مر گیا۔ تو قلعہ چاکندہ پر قلعہ دار سے مل کر قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ سرپاکو چھاپے مار کر چھین لیا۔ اور وہ جھاکشی پٹے جو پونا کی سمت مغربی کے اُچاڑ علاقہ کے رہنے والے اور ایک پڑائے قصبہ بھول شمل شولا پور کے قریب وچور کی سکونت کی خاصیت سے، اُچوٹی کہلاتے تھے۔ اور بھیل اور گول اور راموی وغیرہ لٹیرے لوگوں کو جو پونا کے پاس ملک کوکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بٹے اور مثل اُس کے سب بچا پور کی رہا یا تھے جیسے کہ کے اُس پاس کے ملک کو کہ جہاں کے حالات سے سیر و شکار اور چرواہوں و ڈکیتوں کی شرکت اور اُن لٹیروں کی رہنمائی سے یہ نمونی وائف ہو چکا تھا لڑنا شروع کیا اور کہیں لڑو سے کہیں تابعداری سے اور کہیں قریب اور مکاری سے محمد عادل شاہ نراں رسوائے بچا پور کی حکومت کے اخیر زمانہ میں بہبہ جاکوں کی غفلت و ضعف وغیرہ کے علاوہ کوکن کے بہت سے تلوں پر اپنا دخل کر لیا۔ اور چند انھیں حرکتوں کے ایک حرکت پر بھی تھی کہ اپنے مقاصد کا مخالف سمجھ کر ایک راجہ کو جو پونا کے جنوب میں اکثر یہاڑی علاقوں پر حکومت رکھتا تھا کسی حکمت سے قتل کر دیا یا قتل کر دیا اور ملکی عادل شاہ کے ایامِ خود سالی میں باد و دیکھیں کا پ اور بڑا بھائی اُن کے فکر تھے اور اُس کو ان حرکتوں سے بہت منع کرتے تھے تاہم باغی ہو کر بہبہ وادوں کیلئے کہ مشہور میں افضل ظاں نامی اُن کے ایک بہت بڑے سردار کی نصیحت میں جو اس کی سزا دہی کے لئے فوج لے کر آیا تھا اور جس کی شجاعت اور زور و قوت سے نیا تحقیقت یہ خافت تھا۔ یہ درخواست پیش کی کہ اگر ظاں صاحب میرے حال پر ترس کھائیں تو میرا بی نراں میرا خوف اور اندیشہ دھکے دے کے لئے ایک جگہ لشکر سے اکیلے ہو کر تشریف لے آئیں اور اسی طرح میں بھی اکیلے ہی حاضر ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری معروضات سن کر تسلیم و قشعی فرمادیں گے تو فراموش واری اور اطاعت سے مجھے کچھ غدر نہیں۔ چنانچہ جب اس قرارداد کے موافق خانصاحب

بقیر عاشقہ سیرابی وہ

ایک عمل کا جامہ پہنے ہوئے۔ اور صرف شان و زیبائش کے لئے ایک سیف ہاتھ میں اٹھائے اور بعض ایک خدمت گار ساتھ لئے ہوئے خراماں خراماں آگے کو بڑھے تو سبواہی بھی تعلق بہ تائب گڑھ سے بھی صورت ہاتھ لڑنا کا پتہا سا سننے سے صرف ایک ہمراہی سمیت نکلے۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی ہتھیار اُس کے پاس موجود نہ تھا۔ مگر دوائی کے دنگ کے نیچے زہ پہنے اور ایک کبدر تیز چھپاتے ہوئے اور انگلیوں پر نولادی کاٹنے میں کو گہرہ لڑہ یعنی ناخن فیر کھینچتے تھے چڑھاتے ہوئے تھا۔ افضل خاں نے اُس کو خوف زدہ دیکھ کر انہار عنایت کے لئے بغل گہرے کو ہوں ہی ہاتھ پھیلائے تو اُن سے چپ سے نولادی پنجہ کو جو آستین میں چھپا ہوا تھا بڑے زور سے اُس کے پیٹ میں گڑ دیا۔ اور ہنوز وہ اس حرکت بچا کے تعجب سے فارغ نہ ہوا تھا کہ بغل سے تیر نکال کر کام تمام کیا۔ اور خاں صاحب نے جو پنجہ کھاکر سیف کا وار کیا تھا وہ اس کی زہ کے باعث سے کارگردہاں اس کا سبائی کے بعد اور اس دشوار گزار پہاڑی ملک میں اس کی حد سمندر تک پہنچی ہوئی سجدہ ایسا زبردست شخص ہو گیا کہ ^{۱۶۷۷} تک اُس کے پاس سات ہزار سوار اور پہاڑیوں کی جمیت ہو گئی تھی جن کی معاش کا مدار پنہت مقررہ تنخواہ کے زیادہ تر لوٹ کھسوٹ پر تھا۔ اور سمندر کے کنارہ تک سو چند ہندو گاہوں کے اپنی حکومت کو دست دے کر کچھ کچھ مغلیہ سلطنت کے ملازموں واقعہ دکن میں بھی مالدگری اور دست درازی شروع کر دی تھی اس لئے امیر قمر شاہ خاں صوبہ دکنے عالمگیر کے دہتر سال جہلوں میں دولت آباد سے فوج کشی کر کے تعصب پرانا اور چاکن کے مضبوط قلعہ کو سبواہی سے چھین لیا۔ مگر اس کے ناہوار اور پہاڑی ملک کی دشوار گزار دی اور مرہٹوں کی سخت جنگی کی عادت سے قسارت خاں کو حسب دل خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ سبواہی کے اس ابتدائی زمانہ میں اُس کے گردہ کے لوگ اور بھی زیادہ جنگش ہوں گے مگر اس کے مرجعہ کے بعد بھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ جب اورنگ زیب اپنے بڑے حاپے کے دلاں میں گر گنشا اور بیجاپور کو نیست نابود کر کے مرہٹوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہا تھا تو انہیں صاحب نے اس عالی ہمت بڑے بادشاہ کی ناکامی کی وجہات کے ذکر میں مرہٹوں کی عادت جنگش کا بیان اس طرح پرکھا ہے کہ اُن کی سواری میں چاکل اور دودم گھڑے ہوتے تھے جن پر کھائے زہن کے کھل کے تھوہر پر صرف ایک گدی سی گسیٹتے تھے اور تھوہرہ در ہندوق اور ڈھال تھوہر کے

جیہ حادثہ سیراجی :-

علامہ مڑا ایک لہا برہما رکھتے تھے خوراک دہاس میں اسی بدقتاعت تھی کہ جوار کی ٹکیہ اند
کچی پٹارائن کی معمولی غذا تھی اور دہاس میں ایک گڑھی چست جاگتہ اند ایک چھوٹی سی کمری!
میراتے مردوروں کے غمہ کسی کے پاس نہ ہوتا تھا اور لڑائی کھڑائی کے موقعوں میں سر شہسوار
اپنے ہر چہوں اور بہانوں کو زمین میں گاڑ کر گھوڑوں کی نگاہ میں اپنے اپنے بازو سے باندھ کر
زمین پر پڑا کرتے تھے۔ غرض کہ اس شعر کے مصداق تھے۔ شعر :-

” لنگے زیر لنگے بالا نے جنم مذولے جنم ۷۲ -

ایک لنگی نیچے ایک لنگی اوپر نہ چر کا تم داسباب کی فکر نہ بار سرداری کی عزت
دکسریٹ کی حاجت۔ ادا ان کے مقابلہ میں غلیب فوج کی یہ صورت تھی کہ اگرچہ بہادری اور
سپاہگری کی تو ان میں بھی کچھ کمی دتھی مگر عموماً یہ خزانہ پھیلی ہوئی تھی کہ امیر سے لے کر
سپاہی تک ساز دسا مان بہت رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے لشکروں میں اہل خدمت
اور اہل بازو وغیرہ کی یہ بھی بھڑاڑ ہوتی تھی کہ بحیر کے لوگ سپاہیوں سے دشمن لگتے ہر جلتے
تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسد اور بار سرداری دولوں کی نہایت ہی غیر ضروری احتیاج تھا
تھی اور اس کے باعث سے کوچ و مقام میں دھجستی و چالاک اور مرثیوں جیسے جفاکش اور
شک بار و دشمنوں کے منقلب کو بھیجے ضرورتاً ایسے پہاڑی ملک میں مزدوری تھی۔ ان سے
نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ جہاں کہیں ان کا لشکر جا کر ٹھہرتا تھا رسد بار سرداری کی ضرورتوں کی وجہ
سے وہاں کے باشندوں پر ایک تباہی آن پڑتی تھی۔

غرض کہ جب شائستہ خاں کو کامیابی نہ ہوئی تو مہاراجہ جیوت سنگھ کا محمود صوبہ دار گجرات
کو بھی سواش کی کل فوج کے مدد کے لئے بھیجا گیا۔ اگرچہ یہ بھی مدت تک امور سدھار کر گیا
اس نے بھی غمزدگی میں نہ آیا۔ بلکہ اورنگ زیب کے جلوس کے پچیس سال سنہ ۱۰۷۰ میں جب کہ
شائستہ خاں پرانا میں آٹرا ہوا تھا سیراجی نے یہاں تک جھارت کی کہ ایک روز سر شام اپنے
پہاڑی قلعہ سنگم نیر سے جو پڑنا سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ اسی راستہ میں تھوڑے
تھوڑے سپاہی اس خیال سے چھوڑا گیا کہ اگر ضرورت پڑے تو کام آئیں اور خود صرف کچھ
ماہولی مرثیوں کو ساتھ لے کر ایک مدت میں جو حسب اتفاق پونا کو جاتی تھی مل کر شہر میں داخل
ہو گیا اور اس طسرت پر شائستہ خاں کے چوکی بہروں کی مزاحمت سے بچ گیا۔ چہ کہ شائستہ خاں

بقیہ حاشیہ سیوا ہی ۔

اسی مکان میں رہتا تھا جس میں سیوا جی نے پرورش پائی تھی ۔ اور اس وجہ سے اُس کو اُس مکان کی کل حالت بخوبی معلوم تھی اس لئے اس کے ایک دھارہ سے جو پشت مکان کی طرف تھا ۔ چلکے سے شائستہ خاں کی خوب گاہ میں جاگسا اور کیا ایک اس طرح سے حملہ کیا کہ اس شہر آشوب میں ایک کفر کی کے راستہ پیچے کے مکان کی طرف کود کر بھاگتے ہوئے شائستہ خاں کی تو ایک انگلی کٹ گئی اور ابوا فتح اُس کا بیٹا مقابلہ میں مارا گیا ۔ چونکہ سیوا جی اپنے ارادہ کے موافق شائستہ خاں کو قتل یا گرفتار نہ کر سکا تو قبل اُس کے کہ باہر کے پہرہ داروں نے اسے اس حادثہ سے خبردار ہوں پھرتی سے باہر نکل آیا ۔ اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا تو وہ لوگ جو راستہ میں بٹھائے ہوئے تھے ساتھ ملنے گئے اور صحیح و سلاست اپنے قلعہ میں جا داخل ہوا اور اس کا سیوا جی کی اس قدر خوشی مٹائی گئی کہ چراغوں اور شعلوں کی روشنی پادشاہی فوج کو پہنچا دی کہ وہ اپنی دکان کی دہلیز میں سیوا جی کے اس کارنامہ سے اُس کے اور اُس کی قوم کے حق میں ایک نہایت ہی مفید اثر پیدا ہوا ۔ بادشاہ نے اس حادثہ کو امیرالامرا کی غفلت پر محمول کیا اور میر جملہ کی وفات کے باعث سے بچا کہ اس کی صوبہ داری پر بدل دیا اور اس کی بجائے شائستہ خاں کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے راجہ ہے سنگھ کو چھوڑ دیا کہ جو لیاقت اور دانائی میں مشہور اور ایک ہزار کن سلطنت تھا راجہ جرنے سنگھ کی جگہ جس کی نسبت سیوا جی کے ساتھ سازش رکھنے کا شبہ تھا اپنے غلوں کے ساتھیوں سال غلطیہ میں مدد دلیر خاں و راجہ رائے سنگھ سوہیہ اور اندویش بادہ ہند اور سلطان بڑے بڑے سرداروں کے جوہر خیر و مرادوں کی صحبت سے رونا دھنا کیا ۔ خلاصہ یہ کہ راجہ ہے سنگھ نے اندویش کا د پینچے گراول شائستہ خاں سے ملازمت حاصل کی ۔ اور بعد ازاں پرتا میں جا کر راجہ جوہر سنگھ سے ہم کا چارج لیا اور قلعہ مدور مال و غیرہ خصوصاً سیوا جی کے کلاں تر قلعہ پر دن دھن کو جس میں اُس کا بہت سا سادہ سامان اور چار ہزار لاکھ سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت اور بعض خیر و خیر اور کھتے ہی کارا آدم و افسر موجود تھے وہ شر سے دلیر خاں اور کیرت سنگھ نے گھیر لیا سیوا جی جو اُس وقت قلعہ راج گڑھ میں محاصرہ میں تھا خود بہت جنگ سے توجہ ہی تھا حملہ آوروں کی شہادت دلیا قلعہ کے باعث پر دن دھن کے بجائے سے ناپوش ہو گیا اور مجبور ہو کر ہندوستان کا افسر شرور کیا جس کے جواب میں راجہ نے یہ کہتا سمجھا کہ اگر مجھ میں کی طرح ہتھیار کھول کر حاضر ہوجاؤ تو اس کی اطاعت قبول کی جائے گی فرض کہ جب وہ مشنٹہ مانگیر کے آٹھویں سال غلوں میں

بقیہ حاشیہ سیواہی ۔

اس طرح حاضر ہو گیا تو راجہ نے اُس کی بہت خاطرگی اور اول تعلقہ پورن دھڑ کو جترے جتے ہو گیا تھا مدکل سامان جنگ وغیرہ اُس سے لے کر آخری مشروطہ پہنچنے کرنی کہ ملک لوگوں کے پیشینہ قتلوں میں سے جو اس وقت اُس کے قبضہ میں تھے تینیں تھیں مدھند جہول لوطا قہات جہی دس لاکھ پٹے کے سرکار پا دشاہی میں آ گئے ۔ اور باقی ماندہ بارہ قلعے مدھند جہول ایک لاکھ بن سیواہی کے پاس چھوڑے گئے اور اُس کے ہشت سالہ بیٹے سنبھاہی کے ہم نچ پٹو پنچ ہزار سوار کا منصب عطا ہو گیا اور سیواہی نے یہ بھی قبول کر لیا کہ اس دراج میں اگر کوئی ہم پیش آئے گی تو بذات خود پا دشاہی فوج میں شامل ہو کر خدمت کروں گا ۔ غرض کہ جب شرطیں طے ہو چکیں اور سنبھاہی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچ گیا تو سیواہی کو ہر بغیر تیار ماند سے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ بے سنگے نے اپنے سامنے تیار بندھوا دئے اور خلعت دئے کہ عزت کے ساتھ رخصت کر دیا ۔ اور چونکہ راجہ کو اسی حکم سے پہچان پر فوج کشی کرنے کا حکم آیا تھا ۔ اس نے سیواہی ثبات خود مدھند سوساروں اور سات ہزار پادوں کے اس ہم میں کام دیتا رہا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اُس نے اول سنبھاہی کو مالگیر کے دربار میں بھیج دیا اور

لفظ بن پر حاشیہ در حاشیہ ۔ شاہ ہندوستان کے ساحل مغربی دجنوبی پر ملک کا وہ تنگ اور طوائف قطعہ جس کو کنیر کہا جاتا ہے اور خیال کی طرف علاقہ لوگوں سے شروع ہو کر جنوب کی سمت مسیور کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنیر ہی کہتے ہیں یا ہر لوسو نے کو کہتے ہیں اور اس جگہ اس سے سونے کا سکہ مراد ہے ۔ اور تعجب نہیں ہے کہ فارسی اور بھاشا میں جو سینج اور ہندو ہند کہیں رشل آما سینج واما سینج سواہ واس ۔ وقہ دوس باہر دوسرے دوسرے دیو دیواس دیواہ وغیرہ ، باہم بدل جایا کرتے ہیں اسی طرح اس لفظ میں سونے کا سین ہولہ کی جگہ سے بدل گیا ہو ۔ اگرچہ یہ امر تحقیق تفسیر کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک وکن میں سکے رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا ۔ لیکن ٹھیک قند پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بہت مدت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے اُن سکوں کا عام نام کیا تھا ۔ مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں اُس خاندان کے راجاؤں نے جن کو گواکٹر مینی صاحب چلو کہہ کھتے ہیں جب اور مدھ سے جا کر وکن میں اپنی پا دشاہی قائم کی تو منہل اُن علاقوں کے جو بطور اپنے نشان کے وہ سکوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر ڈھونڈت میں سور

ضیہ عاصیہ بیواہی :-

جسوت مسلک کی معرفت جان و عزت کی حفاظت اور حسن سلوک کا وعدہ کر اور اپنی عہد فوج کی سرداری پر اپنے حامد کو راجہ کے پاس چھوڑ کر دوبارہ جن سالہ کے موقع پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے بطور جریہ اکبر آباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہ وارڈت ہوئی کہ کنور رام سنگھ پسر راجہ ہے سنگھ اور غلط ظاں نامی ایک اور امیر اس کو استقبال کر کے دوبارہ جن میں لاتے اور بادشاہ کے حضور میں اس کے کھڑے ہونے کو بقول صاحب مانگیر نامہ جگہ بھی ایسی مشق دی گئی کہ جو امیر اسے خاص کے لئے تھی اور اس دن کچھ اور اعزاز و اکرام بھی ہونے والے تھے اور یہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر و بار رکھ کر عزت و توقیر کے ساتھ رخصت کر دیا جائے گا۔ مگر اس اکثر مزاج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ جو بعض مردوں کے نزدیک تیسرے درجہ کے امیروں یعنی پنج خزاری کے منصب والوں کے لئے مقرر تھی اور دوسرے درجہ کے امیروں کی جگہ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوتی کہ اس نے کنور رام سنگھ کو علیحدہ سے جا کر اسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب مانگیر نامہ جو - "تو قہا ہے جا و مقام صد درازا و خیال کے ظلم" پکارتے ہوئے تھے۔ نہایت رنجیدگی سے ان کا اظہار کیا۔ اگرچہ بعض مرنوں نے گھساہے کو اس کو اسے رنج و دہشت کے دربار میں غشی ہو گئی تھی۔ مگر یہ قول کچھ مستہ نہیں معلوم

بقیہ عاصیہ دعا شیہ لفظ حسن - کو کہتے ہیں غراء و براہ اور تار کی مناسبت سے یا کسی اور وجہ سے ہلن کے سک پر شمش ہوا کرتی تھی۔ چونکہ اس خاندان کی شاہد حکومت در اس - حیدر آباد وکن - اور - بیٹی کے ایک بہت بڑے حصہ پر تقریباً آٹھ سو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے قائم رہی تو اس وجہ سے اس ملک میں ان کا سکہ مٹا دیا اباشہور تھا۔ اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۵۰۰ء میں جاتی رہی تھی مگر اس ملک کے سونے کے سک پر لفظ دیرا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی نے جولائی صدی ہجری مطابق ۱۵۰۰ء میں سلطان شاہ رستم غلامان کی طرف سے راجہ و دیوانے کے پاس و جس کو چلو کہ غلامان سے کچھ تعلق نہ تھا اس کی درگاہ میں مگر جس سفادت پر آیا تھا اپنی کتاب مطلع السعدین و مجمع البحرین میں وجہ مگر کے عظیم الشان راجہ کے سک کا نام دیا ہے کہ اس کا ایک شقال یعنی ساڑھے چار مارا شہ تھا۔ اظہر ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت وکن و در اس میں قائم ہوئی تو دوبارہ وکن کے لفظ کو کہہ سکھ اس سک کو اس کی جنس کے نام سے کہا دے دیا کہ اس کی کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ

جیسے عاصیہ میرا تھی :-

ہوتا کہ نہ صاحب عالمگیر نام کو اس کے چھپانے کی بحسب تھا ہر کچھ ضرورت نہ تھی۔ المختصر شاہ
نے اس حرکت سے ناواض ہو کر نیرنگی میں مراسم اوزار و عنایات کے جو اس کے لئے تمیز ہوئے تھے
حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور گورداس سنگھ کو جو اس کے معاملات میں متوسط تھا یہ ارشاد ہوا
کہ اس کو اپنے ڈیرے کے پاس رہو پھر سے باہر تھا، آج کل کرنگرائی کرتا رہے۔ اور اس کے بیٹے
سنبھائی کو جو منصب پنچ خزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا ہے اور
اس کے بھاگ جانے کے اندیشہ سے غلہ خاں کو تول کو حکم ہوا کہ اس کے ڈیرہ کے ارد گرد چہرے
لگا دے۔ اور راجہ بے سنگھ کو جس کی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اس کے معاملہ
میں جو مناسب جائے راپورٹ کرے۔ اس عرصہ میں اگرچہ سنبھائی دربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا
مگر سیوا جی کو ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اس کے داغ سے نکل گئی اور امر کے پاس
جا کر گڑ گڑانے لگا۔ اسی اثنا میں راجہ بے سنگھ کا جواب بھی آ گیا کہ چرکے میں اس کے ساتھ
عہد کر چکا ہوں اور خود بیجا پور کی مہم میں مشغول ہوں اگر گذر کی جائے تو اس میں سیری بھی
سدرت روئی ہے۔ اور کاہنوں پر ہم کے لئے بھی یہ امر مناسب اور قرین مصلحت ہے۔ اس پر
بادشاہ نے اس کی خطا معاف کر دی۔ اور پھر سے اٹھ اوجھتہ اور سنبھائی پر بھی کچھ اور
زیادہ اظہار عنایات ہوئے لگا۔ اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اس کو بھی حاضر فرما دے۔ جو نے کی

تجربہ عاصیہ در عاصیہ لفظ ہیں۔ زمانہ بنگالہ کے سونے کے سکے کو صحت طلبا کہتے ہیں۔ نو سکے دن میں زیادہ
دراز سے ہندوؤں کے مختلف اصنامت سونے کے سکوں کا نام ہیں۔ مگر اقوام یورپ اور اہل اسلام
کے سکوں کی طرح ان پر صاحب سکے کا نام اور سال و مقام ضرب نہیں ہوتا اس لئے ان سے
طرح تاریخ کے لئے چندان فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور اگرچہ ان سکوں کا مقدار دن کسی قدر مختلف رہا ہے
اور ایک بڑے مقدار کا سکے نام کے نام سے بھی معزوب ہو چکا ہے۔ مگر اکثر یہ وزن اس سے
کا قریب ایک ٹنٹ مردھ اشرفی کے رہا۔ چنانچہ ایک ٹن جو چار سے کم مر ماسولوی چار ملخاں
صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام نے مد بعض کرائف تاریخی متعلقہ سکے ٹن کے حصہ آباد کن
سے سمجھا ہے۔ اس کا وزن ساڑھے تین ماڑھ ہے اس کی دو طرف تین ہندوئی سونے میں جن
میں سے ایک بچ کی ٹری اور دوس پاس کی چھوٹی چھوٹی ہیں اور پشت کی جانب صرف ایک
باریک داسنے یا نقشے سے ہیں اور اس کا نظر انگریزی دوائی سے کچھ کم ہے اور اسی طرف سے یہ کسی

تیر ماشہ سیراجی ۔

اجازت دے کر با حرا ذرا کرام و خدمت کر دیا جائے گا۔ مگر سیراجی کو اپنی سابقہ حالت پر مکتون کے باعث اور بادشاہ کے "تہر و غضب" کے اندیشہ سے ایسی بے قراری تھی کہ جب اُس نے دیکھا کہ پہرے آٹھ گئے اور کنویرام سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگراںی میں کوتاہی کی تو ستائیسویں مئی سنہ ۱۶۵۷ء مطابق سال نہم جلوس مانگییری کو بیس چل کر آگرہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی تالوں میں نہ آیا۔ اور جب آٹھ لڑ چھینے کے بعد خدا جانے کون کنی حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بچے کی تلاش اور تعاقب کرنے والوں سے جان بچا کر ماہ دسمبر سنہ ۱۶۵۷ء میں راج گڑھ واپس جا پہنچا۔ تو اُس کے معاملات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُس نے تیرہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۶۵۸ء میں نہ صرف ہندو سورت کو ہی لوٹا اور چلایا بلکہ اکثر قلعے وغیرہ بھی جو اُس سے چھینے گئے تھے اُن پر بھی پھر قابض ہو گیا۔ اور چنگدہ کسی طرح بادشاہی فوجوں کے قلمرو میں نہ آتا تھا اور نگ زریب نے حق ہو کر اس مناسبت سے کہ اُس ملک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چوہے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اُس کا نام "موش کو بی" رکھ دیا تھا۔

اُس نے مانگییری کے جلوس کے تیسویں سال میں چوبیسویں مئی سنہ ۱۶۵۸ء کو حسب قول مصنف "آخر مانگییری" اور قول الفنسٹن صاحب "نیم اپریل سنہ ۱۶۵۸ء کو تیرہویں برس کی عمر میں راج گڑھ میں جو اُس کا دارالریاست تھا انتقال کیا۔ اُس کی موت کا باعث آخر مانگییری میں یہ کھاسبہ کہ کہیں سواری سے آکر شدت گرمی سے دودھ خون کی تے کی اور مر گیا۔ اور نسا نکلو پٹیا میں اُس کا سر ذات الصدقہ کی چھڑی میں اور مٹیوں کی تار میں سے مرنے سے پہلے وضع انتقال خیر ماشہ و ماشہ لفظ ہیں۔ خود مصنف بھی کچھ اٹھرا ہوا ہے اور ایک اور بین جو چارے کہ صرفاً کرنل سی ایچ۔ ٹی۔ مارشل صاحب بہادر نے حیدر آباد ہی سے سمجھا ہے اُس سے چھوٹا ہے۔ اور اس کے نقوش بھی اُس سے مختلف ہیں۔ یعنی روکی طرف گڑھ پرندہ (نیل کشہ) بنا یا ہوئے اور اُس کی دونوں طرف چوٹیں اور دونوں پنجوں میں ہاتھی لگتے ہیں۔ اور پشت کی جانب منسکرت کے کچھ حروف ہیں اور کتب ظاہر اس کی شکل اُس نقشہ کے مطابق پائی جاتی ہے جو ڈاکٹر میٹھی نے راجہ دلہرا کے دے گروالے کے ایک سکھ کا اپنے مضمون کے خاتمہ میں چھاپا ہے۔ جب بدنگیزوں نے چوں "انگریزوں نے ہندوستان کے جنوبی و مغربی حصوں پر ابتداء داخل پا یا تو

جیو جاسٹس بھائی ۔

یا انقرس کے باعث سے گھٹنوں کے دروازہ تپ میں اُس کا جھٹکا ہونا کھسا ہے ۔

استمال کے وقت اُس کی حکومت چار سو میل طول اور ایک سو بیس میل عرض کے قلعہ میں پر پھیلی ہوئی تھی ۔ اور راج ملک کی رسم یا تادہ اور آزادانہ طور پر بڑی شان و شوکت سے ادا کر کے خود سر راجہ بن چکا تھا ۔ جس کو چھٹی جون ۱۸۵۷ء کو ایٹ انڈیا کمپنی انگریزوں کے کاخاد بہنی کے ایک ایجنٹ نے جو مبارکباد دینے کے لئے ایچی بن کر گیا تھا ، بہتم خود دیکھا تھا اور اُس نے ایک ایسی مستقل اور دیر پا حکومت قائم کر لی تھی اور اپنی قابلیت اور تدبیروں سے پورٹریٹل انراض کو مذہبی تعصبات کا رنگ چڑھا کر اور سادہ لوح لوگوں کو ایسے اخبارے اور کرشمے دکھا کر جس سے معلوم ہو کر اُس کے حال پر دلیری دیوتاؤں کی طرف سے بھی دیا کی نگہ ہے ۔ جیسا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں ہوتا رہا ہے اپنے ملک کے بہو کے اور جاہل دانشمندیوں سے ۔

سپاہیاد آنگ اور مذہبی جوش پیدا کر دیا اور اپنے ملک کے گم نام باشندوں کا ہمیشہ مدینہ کو آئی کو بہادر اور ادب جنگ جو قوم مرہٹہ کے نام سے ہندوستان کی تاریخ میں نامور اور مشہور کر دیا ۔ اور ایک ایسی بنیاد ڈال گیا جو اُس کے پیچھے آنے والوں کے لئے مفید سلطنت کے ضعف کے زمانہ میں ملک و حکومت حاصل کرنے میں بہت ہی کارآمد ہوئی ۔

نبیہ عاشقہ در حافیہ لفظ تھیں ۔ بعض راجاؤں کے ہوں پر مصدقہ صورت معزوب دیکھ کر انھوں نے بھائے پہلے ناموں دیا یا یا تھیں کے عمرزا اس کا نام چنگیز ڈار کہلوا ۔ جس کو بعض انگریزی و آخر پور میں نقد بہت کمہ کی خرابی تھا یا ہے ۔ لیکن ہڑال ہونا ہی ایک یورپی تھیں سیار نے جو مدیس میں مشہور سے لے کر مشہور تک رہا تھا اُس کی اصل یہ تھائی ہے کہ بعض پڑ بھگتی یا بھگتی اور پوری کی تصویر ہوئی تھی ۔ اس وجہ سے اُس کو بھگتی یا بھگتی کہتے تھے تو ان کو دارہ فرنگیوں نے اس کو چنگیز ڈار بنا لیا ۔ بہر حال عیدنا یک اور اُس کے بیٹے سلطان پور کے زمانہ میں بھی اُن معزوب ہوتے تھے جو بہاؤی اور سلطانی تھیں کہلوا تھے اور ایٹ انڈیا کمپنی کی دکن کی گھسالیوں میں بھی بہادر مظاہر تک چلے ڈا معزوب ہوتے رہے ۔ اٹا نیملو پیٹ یا میں کھسا ہے ۔ سرکاری حساب کتاب اور لین دین میں بھی بھائے مد پور کے چنگیز ڈار ہی کا چلن تھا اگر ۱۸۱۹ء سے حکام انگریز نے آخر کار بھائے اُس ظلالی سکے کے مد پور کو تمام ہندوستان کے لئے سکے راجا الوقت قرار دیا یا اور دیا ۔ ہیں ۔ چنگیز ڈار سب متروک ہو کر اُن کے نام کتابوں میں کھینے کر رہ گئے ۔

عالمگیر نامہ وغیرہ تاریخی تارکھوں میں جوش کے مخالفوں کی کھسی ہوتی ہیں جہاں اُس کی
سکاری اور غارت گری اور حق و غریب وغیرہ کی بھوکھی ہے اُسی کے ساتھ اُس کی چستی و
چالاکی اور بے حد دلاوری و جرات کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور الفشن صاحب لکھتے ہیں کہ بہنوا
اُس وقت کے اُس کا لکی اور نوبی انتظام دولاں عمدہ تھے۔ کہ اُس کی حکومت کا کل زاد
مسلک لڑائیوں اور پرتشکن سازشوں کا ایک ایسا منظر ہے کہ جس میں وہ ایک نہایت
ہوشیار جنرل اور ایک قابل گرسکار دہر کی سی لیاقتیں ظاہر کرتا رہا۔ اور ہر ایک خوفناک
مزدت کے وقت خواہ وہ کسے ہی انتہاء درجہ کی اور یکا یک پیش آئی ہو اُس کی شجاعت
وجرات میں زور بھی فرق نہ آتا تھا۔ بلکہ فی الفور اُس کا ایسا تدارک کرتا جو عین موقع وقت
کے موافق ہوتا۔ اور کسی جان بوجھوں میں پڑتے وقت موت و زندگی کی اُس کو مطلق پروا
نہ ہوتی تھی۔

خلاصہ یہ کہ حضرت محی الدین اور نگ زیب عالمگیر بہادر اور سیمای مہارت اپنے
اپنے طور پر دولاں ہی عجیب و غریب شخص تھے اور اگرچہ مختلف قالیوں میں ڈھلے ہوئے تھے
مگر اب وہ ایک ہی تھا۔

سم ج

بقیہ حاشیہ درملشہ فضل ہیں۔

خط مولوی چہراغ علی خاں صاحب بہادر

عہدہ دار گورنمنٹ نظام

پنشنی ستر چارلس راجس صاحب سابق پرنسپل مشنری ہائی سکول

اسرتر حال از جیولائی کل سورہ۔

ماخوذ از

رسالہ ڈاکٹر بیڈی صاحب سرجن یجمہر دہر شہنشاہ محاسب خاندانی

مسودہ جنرل ایفیاکم سوسائٹی بنگال مطبوعہ مشرق جلد ۳۲

حصہ اولی نمبر اول۔

سم ج

شاہ جہاں کی وفات میں ابھی گزشتہ ہی میں تھا کہ شاہجہاں کے انتقال کی خبر سنی گئی اور یہ بھی سننے میں آیا کہ اورنگزیب نے باپ کے کمرے کا بڑا حرم کیا اور سوگ کیا وہ تمام رسوم کیں جو بیٹے کو باپ کے ماتم میں کرنی چاہئیں۔ وہ فوراً آگرہ کو روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچنے پر بیگم صاحبہ نے بڑی دھوم سے اُس کا استقبال کیا اور کھڑاب کے تھان میں لٹکا کر بادشاہی مسجد سجائی گئی اور اسی طہرت وہ مکان بھی سجایا گیا جہاں قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ٹھہرنے کا امانہ تھا۔ اور جب محل میں پہنچا تو شاہزادی نے ایک ڈراما سونے کا تھال جو اہرات سے بھرا ہوا تھا دیکھا جن میں سے کچھ تو شاہجہاں کے متروکہ تھے اور کچھ اُس نے اپنے پاس سے پیش کش کئے تھے۔ بہن کی طرف سے گرم ہوشی اور محبت کا برتاؤ دیکھ کر اورنگزیب کا بھی دل پیچ گیا۔ اور اُس نے اُس کی گود میں باقری سے دگندہ کی۔ اور اُس وقت سے اُس کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے پیش آئے۔

شاہجہاں کی وفات کا احوال جو کچھ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ اس قیدی بادشاہ کو بارہویں رجب ۱۰۲۷ء کو جس بول کا وہی چھوٹا عارضہ جس کو مرض الموت کہنا چاہئے پھرا حق ہوا۔ بیگم سونہالی شیرازی نے جو اُس وقت کے شاہی عیبدوں میں ایک مشہور شخص تھا۔ ہر چند طلاق کیا مگر کچھ نادمہ نہ ہوا۔ بلکہ اسہال و نہرو کوئی طرح کے اور عوارض پیدا ہو کر زندگی سے یاس ہو گئی۔ جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو باپ کی آخری زیارت کو وہی سے آگرہ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ بادشاہی کوچ و مقام کے لئے دستور سلطنت کے موافق نہایت تہیاری سلاطین کی مزدورت تھی اس لئے بادشاہ کو تا کہ اختصار سامان کے بھی چند فدا کا توقف ہونا ضروری تھا اس وجہ سے اپنے بڑے بیٹے محمد معظم کو اپنی رہائی سے پہلے احتیاطاً جلدی سے روانہ کر دیا ابھی شاہزادہ آگرہ سے سات کو اس طرف ہی تھا کہ شاہجہاں پر عالت نزع طاری ہو گئی۔ اور چھبیس رجب خیر یک شعبہ کو کو صبحی رات سے پہلے انتقال ہو گیا۔ بیچاری صبیبتہ خدوہ بیگم صاحبہ نے جو باپ کے ایام قید میں ایک وہی اُس کی غم خوار اور رنج و راحہ کی شہرک تھی رعنائی و تہذیب کا دار و بھول خانہ سرکار و قیدی بادشاہ اور قلعہ کے محافظ تھے مکان معصوف فضل خاں میں طلبہ کو کے اور اُن کی معرفت اُسی وقت قلعہ کے دروازوں کی کڑکیاں کھول کر قلعہ و کھن کی تیاری کے لئے سپہ محمد قزوچی کو جو پڑے عالم اور درویش مسلک تھے۔ اور اس قید کے زمانہ

اورنگزیب میری نظر میں | آپ میں اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہوں جن جن فوجوں سے
 اُن کو بہت تاجنہ کریں گے۔ کیونکہ وہ حقیقتاً بے رحمانہ اور نامنصفانہ تھے۔ لیکن شہیدانہ انتہائی
 ہونے کی ہم اُن کو اتنی عزت نظر سے جانچیں جس سے اپنے ملک اور رہے کے شاہنشاہوں کے افعال
 کو جانچتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں جانشینی کے لئے مقتول تو عامہ مقرر ہیں اور بڑے بڑے
 سہاکوئی جانشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان میں باپ کے بعد شہنشاہوں میں سلطنت
 کے لئے جیسے جیسے جھگڑا ہوتا ہے۔ اور ان دو بڑے رہنما ہاتھوں میں سے ایک باج اختیار کرتی ہوتی
 ہے۔ یا سلطنت کی خاطر خود قربان ہو جاتیں یا بھائیوں کو قربانی جاتیں۔ تاہم اُن لوگوں کو
 بھی تو ملک کے دستور اور رسم و عادات اور تعلیم و تربیت کے اثر کے عذر کو قبول نہیں کرتے
 یہ تو بالکل ہی پرشہ گاکہ اورنگزیب کو خدائے غیر معمولی قتل و مکر اور ذلت و عجز پر مطلق
 جہاد ہے کہ وہ بڑا ہی دانا اور عالی شان بادشاہ ہے۔

بقیہ ماضیہ صفحہ گزشتہ۔ میں اکثر شاہجہاں کی محبت میں رہا کرتے تھے مگر ملا قربان تاجپوری دلائے
 اگر تعلق میں لہرایا۔ چنانچہ آدھی رات کے وقت جب وہ دواؤں حاضر ہوئے تو قضا نے روزہ و
 نماز کے عوض داکر چھوٹ کر صاحب مانگیر نامہ اُس کی خاوندہ کو بھی قضا نہ دے تھے اگر ہم
 استغاثہ اہل بہت سارے یہ تحریر کیا گیا اور بعد ازاں ہر شخص سے کہ جہاں انتقال کیا تھا لاش
 کو اٹھا کر ایک قریب کے مکان میں منسلک کر دے کہ فصل کے تابوت میں رکھا گیا۔ اور یہ
 شہن کے بچے کا دروازہ ہر مسجد کو ہوا تھا کھلو کر اُس کے راستے سے اور پھیل بیوی کے اس
 سے جو اُس کے عازمی تھا جہازہ کو باہر لے کر اور ہر شخص ہر حال صوبہ دہلی کے بادشاہی ملازمین کے ساتھ
 - آبین خاصہ - یعنی مراسم اعزاز و احترام شاہ کے ساتھ، علی الصباح جنت کے کنارے جا
 پہنچا۔ اور وہاں سے پار ہو کر سید محمد کنوی۔ تاجپوری قربان وغیرہ ملکہ و ملتان جہان کی خاوندہ
 اسی کی نوبت مٹانے لگا۔ اور احمد اقبال، بیگم معروف بہ تلخ محل کے مقبرہ میں کہیں کا حال اس
 کتاب کے بعض اور مقامات میں مفصل درج ہے دفن کر دیا۔ گھما ہے کہ اورنگزیب کو جب باپ
 کے انتقال کی خبر پہنچی تو بہت روایا اور سگواری کی اور سہوں کے علاوہ اُس نے اور تمام اہل دیار
 نے جیسا کہ اب بھی ہندوستانی ریاستوں میں دستور ہے سفید لباس پہنا۔ اور کشتی کے ذریعہ اگر
 پہنچ کر زیارت قبر کے وقت بھی بہت گریہ و بکا کیا۔ اور مہالیں مولود اور ختم و فاتحہ جیسا کہ شاہجہاں

بقیر حاشیہ مقرر گذشتہ کی وفات کے موقع پر دستور تھا منعقد کر کے دھوم دھام سے خیر و غیرات کی۔ اور اپنی نمزدہ بڑی بہن بیگم صاحب کے پاس بھی گئی بار تلخ میں گیا۔ اور نہایت تسلی و تسکینی کی بلکہ اس قدر محکوم خاطر و مدارات کی کہ تمام اہل دربار کو حکم دیا کہ اُن کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر خدیو میں پیشی کریں۔ چنانچہ جب ایسا ہی ہوا تو بیگم صاحب نے بھی جود یا دلی اور نیایشی میں شہر دار اور بڑی ہی سیر چشم شاہزادی تھی تمام اہل دربار کو غوراً انداز کی کے منصب تک پہنچا دی تھی ہمارے خلعت مرحمت کئے اور اس کے بعد جب اورنگ زیب پھر ملنے کو گیا تو سو پاتے اعلا در رسم غدار کیا لاکڑ ایک نہایت قیمتی پیش کش میں کلاں نہایت اضافہ کیلئے نقد کیا۔ اگرچہ صاحب عالمگیر نامہ اس امر کو نہیں لکھ سکے تھا کہ شاہزادہاں کا جنازہ خفا یا نا احتیاج سے نہیں کوٹھا یا گیا۔ اور اپنے سادہ طور سے دفن کیا گیا جو اس کے مرتبہ کے خدایاں نہ تھا اور یہ عمل خواہ عالمگیر کے حکم سے نہ ہو خواہ تلخ دار و صوبہ دار کی کم فہمی سے مگر صاحب مل صانع نے اس امر کو بہت ہی رنگ و انصاف کے ساتھ حیرت انگ افکار میں جتایا ہے۔ چونکہ شاہزادہ محمد منظم دعو جب بیانی مندرجہ عالمگیر نامہ شاہزادہاں کے انتقال کے وقت آگرہ سے صرف سات کوں کے فاصلہ پر موجود تھا اور ابھی پہنچا بھی نہ تھا کہ مٹا نہ بہت سوچ سے ہی وفات دیا گیا۔ تو اس سے صنف مل صانع کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اورنگ زیب کے جلوس کے آٹھویں سال مشعل کے ماہ رجب میں رجا سے شاہزادہاں نے جو ہندوستان کے عزایت نیک نام باؤ خواہوں میں سے تھا۔ چہتر برس تھے چھپنے ستائیں دن کی عمر میں بحساب قری مدد تین دن کم چہتر برس کی عمر میں بحساب قس قلد آگرہ میں آٹھ برس کے قریب قید کر قید ہستی سے رہا لایا گیا۔ میں میں سے آٹھ برس دو چھپنے تھیں وہ بحساب قری اور تین برس چار چھپنے اضافہ دن بحساب قس تحت نشین رہا۔

صاحب عالمگیر نامہ اس کے سال انتقال کی نسبت اپنی تعریف کی ہوئی ایک تلخ لکھی ہے جس کو ہم بھی پڑھیں جس کے اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

چون شاہزادہاں تلخ قدی ملکات ہر طاقت ہر عقلی از تحسین حیات
ہستم از قتل سال تار تحسین را گشتا خروم شاہزادہاں کرد و نعت

ضیاء

شیور کول برٹ وزیر فرانس

کے نام برنیہ کا خط

خداوند من ملک ایشیائے اناضول حکام کی خدمت میں کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ چنانچہ شہنشاہ مغلیہ کے دامن تہا کو کورس دینے کا اعزاز جب بحکمو حاصل ہوا تو میں نے بھی نذر کے طور پر یہ تعظیم کی ایک علامت ہے آٹھ روپیہ پیش کئے تھے۔ اور ایک ہاتھ کیوں۔ ایک کاٹا اور کھڑیا کے دستے کا ایک قلم تراش خان کی نذر کیا تھا۔ کیونکہ یہ نامور شخص شاہی عالی منزلت شخص میں آہرا نام ہی انا بیپ فٹ کریر مشہور اور لاکھوں آف سکنی سے کے خطاب سے مخاطب تھا فرانس کے دنیا میں ایک ایسا نامور مدیر سلطنت گذرا ہے کہ ایسے واقع وفاق وزیر کم ہوتے ہی غلطی میں بمقام ہیرس پچھا ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ اس کے بزرگ واصل اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے تھے اور کبھی اتفاق سے فرانس میں جا رہے تھے اس کا محلہ شامان مغلیہ جو حلال و خلعت اور ترقی کے انعام کے لئے دیوان عام کے شرفین میں زمین سے گزرتے ہوئے ہر حرکت پر بھیجتے تھے دامن تہا و خیرہ کورس دینے کی رسم ان کے وہاں دھن چنانچہ بعض سفیروں کے حاضر وہاں ہونے کے چشم دیدہ حالات جو خود مصنف نے اسی کتاب میں لکھے ہیں ان سے بھی یہکا ظاہر ہے کہ ایسا تصور تھا اور وہ حالیکہ برابر کے بادشاہوں کے سفیروں کو بھی اس حد قرب فیض دھونو غریب محض کہ وہ دیکھ لیاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا قرائن و تحت و بار بار فرانس میں کوئی ایسی تبدیلی رسم ہوگی جس کے لحاظ سے مصنف نے غرضیائی کے اس عام مطلب کو جاننا ان الفاظ خاص میں استعمال کیا ہوگا یا ایک ایسے سلطان اور شاہ کے وہاں حاضر ہونے کی رسم کہ جس کے وہاں آداب و رسم سے مصنف کے ہم وطن کو واقفیت نہ تھی اس رسم سے ان غفلتوں میں بیان کیا ہوگا کہ خلفائے نبی عباس کے زمانہ میں ان کی آستین

عہد ہاتھ کیوں
نائبی پیش نہیں کو اسباب پر جا۔
س. م. ت

دہرائے سلطنت بنائے تھا۔ بڑے بڑے کام اس کے متعلق تھے اور عظیموں کی فہم میں میری
تواضع کا تجویز کن اس کی رائے پر منحصر تھا۔ اگرچہ میری یہ کمال نہیں ہے کہ فرانس میں کسی عقی دم کو
جاری کروں۔ لیکن جب کہ میں ہندوستان سے دلت کے بعد ابھی واپس آیا ہوں تو یہ امر ظاف
تو حق ہے کہ میں اس دستور کو جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں ایسی جلدی سے بھول جاؤں۔ پس اگر
میں اپنے بادشاہ کے حضور میں جس کا ادب میرے دل میں بہ نسبت اورنگ زیب کی تعظیم کے
اور ہی قسم کا ہے یا اس کے ذریعہ کی خدمت میں جو غافل شاہ کی حقیقت بہت زیادہ ادب کا
ستھ ہے پھر ایک حیرت انگیز کش کے ہر پیش کرے دے کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی خدمت کے
اقتدار سے قابل تہود و تہمت ہے حاضر کرنے میں تامل کروں تو مجھے امید ہے کہ صاف
کیا جاؤں گا۔

ہندوستان کا گذشتہ انقلاب جو عجیب و غریب حادثوں پر مشتمل ہے چارے عظیم اشخاص
بادشاہ کی قوم کے لائق ہے۔ اور یہ عزیز میں میں ایسی بڑی بڑی باتیں مستعد ہیں اس کا
ماخوذ ہے اس رسم کے شاہان ہے جو آپ کو دربار شاہی میں حاصل ہے اور بے شک
اس کا اپنے ہی شخص کی خدمت میں پیش کیا جانا نیا تھا جس کی خوش تدبیری سے سلطنت
ملہ قیام ملو کر شد۔ اور اس سفر کے نئے الفاظ سے جن پر خط ہے۔ اور بادشاہ اور وزیر دولوں کو
طنیر، طیر و نذری دینے کی سند، مہ صد تہنیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معنف نے کتاب کا یہ پہلا
حصہ میں شاہ جہاں کے بیرون کی لڑائیاں اور انقلاب سلطنت کے واقعات لکھے ہیں اپنے بادشاہ
کو نذر کیا اور یہ خط اس کے وزیر کو۔

س م م

قیام حاشیہ منو گزشتہ نذر۔ دانا شراب کا سا گر تھا۔ اگر اس کا لاپ کچھ عرصہ کے بعد یہ شعل چھو کر خام
چیر ہو گیا تھا۔ کو بیٹ سے تحصیل علوم و فنون کے بعد اپنے برابر دستی کے یہ وہی ہوا جس وقت فرانس کا
منتر آف ٹیٹ، یعنی وزیر السلطنت تھا۔ امور سلطنت میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ میں لیاقت اور کاندھائی
انان داری کے اہمیت تو میں پہلے دم کا جو اس وقت کے یورپی بادشاہوں میں نہایت ہی نیک نام
بادشاہ تھا درج ہو گیا۔ اس خوش تدبیر شخص نے اپنے عہد فدارت میں اقوام و اقوام کی ایسی مہم اعلام
کیں اور اپنے منہ کا حصہ اور قانون جاری کئے کہ میں سے حقیقتاً اس کی قوم اور سلطنت کو بڑی تادیبی
اور ترقی حاصل ہوئی۔ دانا نیکیلو پٹے یا برطانیہ کا

س م م

قیام حاشیہ منو گزشتہ خبر۔ دیر کو کدہ دینے کی ہم قہم میں کئے انکی حالت حال میں یہ سب گزارشات تھے یہ

کے بہت سے بیٹوں کا جو میرے جانے کے وقت ناقابل علاج حالت میں پڑے ہوئے تھے نہایت عمدہ طور پر انتظام ہو گیا ہے۔ اور جس نے اپنی کوشش اور محنت سے جانے بادشاہ کی شان و عظمت کو تمام عالم میں پھیلے دیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ فریخی قوم ان باپوں کو کس قابلیت سے مل میں لاتی ہے جو اُس کے نواسہ اور نام آوری کی خاطر حق کی جانیں خداوند میں۔ میں ہندوستان سے بارہ برس کے بعد واپس آیا ہوں۔ اور میں وہیں تھا کہ فرانس کی خوش حالی اور اُس نیک نای کی شہرت بخوبی سن لی تھی جو آپ نے غلطی غیر متعلقہ توجہ اور نمایاں قابلیتوں سے اس کو ترقی دینے میں حاصل کی ہے۔ اگرچہ فرانس کی خوش حالی اور آپ کی نیک نای کا دلچسپ مضمون میں بڑے شوق و رغبت سے لگتا۔ لیکن تمام عالم میں باقوں کا پہلے ہی معترف اور مدافع ہو رہے میرے زبان کی محتاج نہیں تھی اس لئے بہتر ہے کہ اپنے وعدہ کے موافق صرف وہی غیر معلوم اور نئی باتیں کھسک کر مذکورہ جہ سے ہندوستان کی واقعی حالت کا نقشہ کسی قدر آپ کے خیال عالی میں آنکے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی زیادہ ترسی کو پسند فرمائیں گے۔

ہندوستان کی وسعت | شاہک ایشیا کے نقشوں سے ظاہر ہے کہ سلطنت مغلیہ جو سلطنت ہندوستان کی وسعت ہند کے نام سے مشہور ہے کتنا وسیع ملک ہے۔ اگرچہ میں نے قواعد مساوات کے موافق صحیح طور پر پیمائش نہیں کی لیکن ایک معمولی منزل کی مسافت کا اندازہ کر کے اور یہ دیکھ کر کہ گول کنڈ سے کی مرحد سے فرینس لکھ اُس سے بھی بڑے محدود عمار کے قریب تک جو سلطنت ایران کا پہلا غنیمت ہے تین بیسے کا سفر ہے یہ صاحب لگا یا گیا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں ٹریڈ منڈر میل سے کم فاصلہ ہیں ہے۔ یعنی جس قدر ہر اس اور انہیں میں فاصلہ ہے اُس سے پانچ گنا کمنا چاہیے۔

ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں | امر قابل لحاظ ہے کہ اس ملک کا ایک ٹڈا معد نہایت زرخیز ہے۔ مثلاً ایک بنگالہ ہی ایسا ہی ہے جو صرف گیہوں اور چاول وغیرہ اشیائے پختہ کی پیداوار کے لحاظ سے مصر سے افضل ہے بلکہ یہ لحاظ دیکھ کر وہی اور نیل وغیرہ بے شمار تجارتی جنموں کی پیداوار کے بھی جو مصر میں پیدا نہیں ہوتیں اُس سے کہیں بڑھ کر ہے اس کے سوا ہندوستان کے اور جسے بھی بخوبی آباد ہیں اور نہایت بھی خاصی ہوتی ہے اور اگرچہ یہاں کے اہل حرفہ

شاہجہان کے اہم سیری اور نگار

بالطبع کاہلی ہیں مگر تاہم کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً تالیق۔ کڑاب چکن۔ کار چوہی اور دھڑکا دھڑکا کے کام اور دوسرے قسم کی ریشمی اور سوئی چیزیں جو ملک کے اندر برقی جاتی ہیں سبھی جاتی ہیں جلاتے رہتے ہیں۔

غیر ملکوں سے سونے چاندی کی ہندوستان میں درآمد کے ملکوں میں پھیلتا ہے اُس میں سے کئی قدر کو اُن چیزوں کے مبادلہ میں جو ترکی درم، سے آتی ہیں مختلف درمیں سے ترکی میں چلا جاتا ہے۔ اور کئی قدر ہندو گاہ سمرنا کے راستے سے ایران میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے ریٹم فرنگستان میں آتا ہے۔ اب ترکی ۲ یہ حال ہے کہ وہاں کے لوگ تمبوہ کے بغیر نہیں رہ سکتے جو دین سے آتا ہے۔ اور ترکی اور تین اصا ایران تینوں کو ہندوستان کی چیزوں کی ضرورت رہتی ہے۔ پس اس علت پر ہندو مٹا میں جو بھلا عمر کے کنارے باب اللہ کے قریب ہے اور بصرہ میں جو خلیج فارس کے سرچ ہے اور ہندو عباس میں جو جریرہ سبز کے نزدیک ہے ان ملکوں سے روپیہ آتا ہے اور یہاں سے اُن جہازوں کے ذریعہ سے جو سال بھرتے موافق کے موسم میں ہندوستان کا مال کے کران مشہور ہندو گاہوں میں آتے ہیں ہندوستان میں پہنچ جاتا ہے یہ بھی ملحوظ ہے کہ ہندوستان میں لوگوں، انگریزوں اور دیگر گنیزوں کے تمام جہاز جو ہر سال ہندوستان کا مال لے کر جاتے ہیں۔ جہاں سے وہاں سے اسلام، میلان، چین، ملائیشیا، جزائر الہند، موزمبیق وغیرہ مقامات کو لے جاتے ہیں۔ وہ بھی اُس کے مبادلہ میں سونا چاندی ہی لاتے ہیں اور یہ بھی اُس روپیہ کی طرح جو ہندو مٹا۔ بصرہ۔ اور ہندو عباس سے آتا ہے کہیں وہ جاتا ہے ملحد جو سونپا نادی ٹوچ لوگ جاپان کی کافوں سے نکالتے ہیں اُس میں سے بھی خوراک بہت کسی نہ کسی وقت یہاں آ جاتا ہے اور جو روپیہ براہ راست فرانس اور ہنگال سے آتا ہے وہ بھی شاندار و نامور ہی یہاں سے پھر باہر جاتا ہے کیونکہ اُس کے عوض بھی مال و اسباب ہی دیا جاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ ہندوستان کو تانیا، لوگ۔ جاپان۔ ورجینی وغیرہ چیزوں اور ہاتھیوں کی ضرورت رہتی ہے کہ جن کو ٹوچ۔ فرنگستان۔ جاپان۔ ملاکا اور سلطان سے لاتے ہیں۔ اور سید بھی باہر ہی سے آتا

ہے۔ جس میں سے تھوڑا سا انگلستان سے انگریز بھیجتے ہیں اور فرانس سے پانچ اور دوسری چیزیں آتی ہیں اور غیر ملک کے گھوڑوں کی بھی ضرورت رہتی ہے جو ہر سال پچیس ہزار سے زیادہ ملک ازبک (ترکستان) سے اور بہت سے متحدہ حاکم کے رتے ایران سے اور ہندو نفا اور بھڑ اور چند عباس کی راہ سے اتھوپیا (حبش) اور عرب اور فارس سے آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سا ترشک سیوہ سمرقند۔ بلخ۔ بخارا۔ اور ایران سے آتا ہے مثلاً سروے۔ سیب۔ ناشپاتی اور انگوٹھ کثرت سے دہلی میں خریدے جاتے ہیں اور جائے بھر بڑی قیمت پر رکھتے رہتے ہیں اور باقلم۔ پستہ۔ خندق۔ زرداکو۔ خوباق۔ کشمش وغیرہ جو بڑے جینے لگتے ہیں۔ اسی طرح کوڑیاں جزائر العرب سے آتی ہیں جو بنگالہ اور دوسرے مقامات میں بکائے پیسے و بچلے وغیرہ کم قیمت سکوں کے متعلق ہیں۔ اور منبر جزائر العرب اور مصرم ہتی سے آتا ہے۔ اور گیشے کے سینک اور ہاتھی دانت اور غلام اتھوپیا سے اور خشک اور چینی کے ہتھ چین سے اور موتی کمرہاں اور ٹوٹی کالہ سے جو سیلان کے نزدیک جے آتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان چیزوں کے جسے سونا چاندی نہیں جاتا کیونکہ جو سوداگر یہ جنیں لاتے ہیں وہ اس میں زیادہ فائدہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مبادلہ میں یہاں کی جنسین یا اپنے ملک کو لے جاتیں ہیں اگرچہ ہندوستان میں غیر ملکوں سے نقدی یا معنوی چیزیں آتی ہیں مگر وہ دنیا بھر کے سونے یا چاندی کے ایک بڑے حصہ کی جو بہت سے ذریعوں سے یہاں آتا ہے۔ یہیں رہ جاتے ہیں روک نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بیکھل ہی جہاں سے کہیں کو واپس جاتا ہے۔

شہنشاہ محل کی دولت مند کی غذائے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کوئی امیر و منصب دار چھوٹا یا بڑا مرتبہ ہے تو اس کی جائداد سرکار یا شاہی میں ضبط ہو جاتی ہے اور اس سے ہڑ مسکر یا مر ہے کہ ہندوستان کی تمام زمینیں مملکت اور باغات کے سوا محض کے فروخت وغیرہ کی اجازت بعض اوقات رعایا کو دے دی جاتی ہے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس تمام زمین سے جس سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگرچہ سونے چاندی کی کانیں یہاں نہیں ہیں مگر تاہم سونا چاندی چیزیں کثرت سے جے اور۔ یہ کہ شہنشاہ محل جو اس ملک کے ایک بڑے حصہ کا ایک حصہ ہے اس کا محاسب جے شمار اور وہ نہایت ہی دولت مند ہے۔ لیکن باوجود اس کے بہت سے ایسے اسباب

کی کامل حکومت نہیں ہے اور اکثر ان میں سے ایسی ہی جن کا ریس عہد انہیں میں کا ایک شخص ہے اور صرف اُس وقت خدشات ادا کرتے ہیں جب کہ سلطنت کی طرف سے کچھ ضرورت ادا جاتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر تو بہت تھوڑا عرصہ جیتے ہیں۔ اور بعض کچھ بھی نہیں دیکھے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دنیا تو کیا اُن کا کچھ نہیں رہتے ہیں۔ مثلاً وہ جھوٹی چھوٹی رہائشیں جو سرحد ایران پر ہیں شاہ نوادر علی ایران یا ہندوستان کو کچھ خراج دیتی ہیں۔ ایسا ہی حال بلوچستان اور اور پٹانوں کی قوموں کا ہے جو خٹناہ و مثل کو بیکر قدر قلیل کچھ نہیں دیتیں اور اپنے آپ کو خیر خواہ اور آزاد کہتے ہیں اور ان کی خود سرکاری اور آزادی اس سے ثابت ہے کہ خٹناہ و مثل نے وہ قندھار کے عوام کی غرض سے قابل جاسنے کے لئے مقام ایک سے کوچ کیا جو وہ اپنے سندھ کے کنارے آباد ہے، قرآن قریبوں نے پہاڑوں سے ان میدانوں میں آب رسائی کے ذریعے بندوبست کر دیا ہے اور شاہزاد کے مثل تھے اور جب تک بادشاہ کے اہتمام حاصل نہ کر لیا۔ یہ خبرات کے نام سے ثابت کیا گیا تھا خراج کا آگے بڑھنا ناممکن بنا دیا۔ چنانچہ لوگ بھی بڑے سرکش ہیں اور یہ وہ مسلمان قوم ہے جو پہلے جنگ لڑنے کی جانب گنگا کے کنارے آباد تھی اور مغلوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اکثر مقامات میں ان کو بہت قوت حاصل تھی۔ خصوصاً وہی میں ان کا بہت ہی زور تھا۔ اور اُس کے قریب دہراد کے بہت سے راجہ ان کے خراج لگاتے تھے۔ اس قوم کے ادنیٰ شخص یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جو مقامی کر کے گدھان کہتے ہیں دلیر اور سپاہی فاضل ہیں۔ اور جب کسی بات کی صداقت پر زور دینا چاہتے ہیں قرآن کا یہ معمول منقول ہے۔ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو دہلی کا تخت مجھے نصیب نہ ہوگا۔ یہ ہندو اور مثل دونوں کو نہایت تحاشت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے پہلے رتبہ اور اقتدار کو یاد رکھنے کے مغلوں سے وجہوں نے ان کے ہزرگوں کو ان کی بڑی بڑی رہائشیں ہمارے بے دخل کر دیا اور دہلی اور آگرہ سے دور پہاڑوں کی جانب بھال دیا، سخت نفرت کرتے ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض بعض پہاڑوں میں چھوٹے چھوٹے رہتے ہیں مگر کچھ زیادہ طاقت ور نہیں ہیں۔

شاہ جہاں پر بھی خراج نہیں دیتا بلکہ اپنے ملک کے بھالنے کے لئے خٹناہ و ہندوستان

میں سلطنت جہانگیر کے غیر شاہی سرکاری کی سلطنت سے مراد ہے۔

نئے لوگوں کی سلطنت سے مراد ہے۔

شاہجہاں کے پیام سمجھ کر اور مہمانگشتی

نے ہمیشہ لڑا رہتا ہے۔ لیکن اُس کے ملک کی حفاظت کا ذریعہ صرف اُس کی فوج ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی خاص باتیں ہیں۔ مثلاً اُس کا ملک اگرچہ اردو دلی سے خوشنشاہ مثل کے دارالسلطنت ہیں بہت نامعلوم ہے۔ اور شہر کا پوربذات خود بھی ایک مستحکم مقام ہے اور قریب و بھار کے ملک میں گھاس اور پانی کی کمیابی اور خرابی کی وجہ سے خطر اور فوج کو آسانی کے ساتھ وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔ اور بہت سے نامور خود اپنے بھارت کی خاطر نعیم کے خطر کے وقت اپنی اپنی فوجیں لے کر اُس کی مدد کو آجاتے ہیں۔ چنانچہ عموماً ہی عرصہ ہوا کہ بیواہی نامی ایک مشہور شخص نے خاص شاہجہاںی محل داری میں گشت کرنا ضرورت کو بدولت مہدی کے مخاطبے ایک مشہور تاجر ہے خوب لڑا اور جلا یا۔ اور یہ چال پل کرنا پور کو میں ضرورت کے وقت پادشاہی فوجوں کے تدارک طلبہ سے بکالیا۔

ان باتوں کے علاوہ شاہ گولی کٹا بھی جو ایک دولت مند اور طاقتور بادشاہ ہے منفی طور پر اُس کو روپے پیسے سے مدد دیتا رہتا ہے۔ اور صرف ہر ہمیشہ اس فرض سے فوج شہین رکھتا ہے کہ ایک تو اپنے ملک کی حفاظت کرے اور دوسرے اگرچہ پوربذات ہندو پڑے قریب قریب کو بھی مدد سے سکے۔ الغرض جو لوگ شہنشاہ مثل کو کچھ خراج نہیں دیتے اُن میں تو سب زیادہ اچھے طاقتور ہندو راجہ بھی شامل ہیں جن کی ریاستیں دہلی اور انگو سے کوئی دور کوئی نزدیک تمام سلطنت کے اندر جا بھکا چکی ہیں اور ان میں سے چندہ سلطنتی زمانہ ہندوستان کے چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان والیاں ملک جو ملک منظر کو تین دیکھتے قیصر ہند کے محل مملکت شہنشاہی میں گورنمنٹ ہند کی پرنسپل گولانی کے نیچے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے علاقوں میں فرماں روائی کا اختیار رکھتے ہیں چار گروہ پاس کے قریب ہیں۔ جن میں بعض سے گورنمنٹ انگریزی کا تیل برداشت اور معینہ طور پر کچھ سالہ غولانی ملتی ہے۔ اور بعض سے کچھ بھی نہیں بلکہ جن کی ریاستوں کی جہاں اور تعلیم کے لئے اپنی بد نظیر فیاضی سے شہنشاہی سرکار سے ان کے بے اولاد ہونے کی حالت میں عوامی تعلق کر لینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ با اختیار رہنے کے پانچ لاکھ میل مربع زمین اور پانچ کروڑ روپے اچان کی حکومت ہے۔ اور پانچ ان کل ریاستوں کی تعداد میں جن لاکھ پچاسی ہزار ہے۔ مگر پانچ لاکھ روپے کے پانچ اور مختلف کیفیت ہونے کی وجہ سے کئی زیادہ تر ہے۔ اور مقابلہ اس کے کل سلطنت ہند کا قریب سے ملک ہندو متوجہ ہے اگر مختلف۔ بلوچستان و خیال و کوٹاں کی ریاستوں کے جن کی پچاسی اور مردم شماری ابھی

یا متزلزل تو بہت ہی دولت مند اور زبردست ہیں خصوصاً رائے اودے پور اور جوئی قوت
 ان راجاؤں کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا اور جس کو راجہ پوریش کی نسل سے بتاتے ہیں
 اور جے سنگھ اور جہوٹ سنگھ ایسے ہیں کہ اگر یہ تینوں اتفاق کر لیں تو شہنشاہ کے لیے بے شک
 خطرناک ثابت ہوں کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ہندو سوار لڑائی کے لئے ہر وقت
 مہیا کر سکتا ہے اور وہ بھی ایسے عہدہ کہ ہندوستان میں کوئی اُن کے مقابلہ کا نہیں
 ہے۔ یہ سوار مہجوت کہلاتے ہیں جس کے معنی ہیں راجاؤں کی اولاد سپاہ گری ان کا
 آبائی پیشہ ہے اور اس شرط پر اُن کو جاگیریں ملتی ہیں کہ ہمیشہ گھڑے پر سوار راجہ کی
 رفاقت میں رہیں۔ یہ لوگ بڑے جفاکش ہیں اور اگر لڑائی کے فن کی تعلیم دی جائے تو
 جیسے عاشقہ منوگلاشتو۔ نہیں ہوتی، پسندہ لاکھ میل سرک اور قریب پچیس لاکھ روپے کے موسم شماری ہے
 پس اس حساب سے پٹنل کل رتبہ سلطنت کے مذکورہ بالا ہندوستان و انبار ملک کے قبضہ میں ایک
 ٹمٹ تین ہے۔ اور کل موسم شماری میں سے پانچویں حصہ سے کہہ کر ان کی رعیت ہے لہذا گورنٹ
 ہند کی آمدنی جو قسٹ کی بجٹ کی رو سے چھتر گروڑ روپیہ ہے اس کے مقابلہ میں ان سب ریاستوں
 کی آمدنی من کل اربعہ قریب ایک چھٹائی کے ہے۔ مگر گورنٹ انگریزی کی پچتر گروڑ سالانہ
 آمدنی خزانہ میں وہ گروڑوں روپیہ شامل نہیں ہے جس کو کوئل منڈ کوئل روپے پر منسلک خزانہ وغیرہ کہتے
 ہیں۔ اور جس کا مقصد یہ ہے کہ جس شہر یا ضلع سے جن مفادہ منسوخ رہا وہ راجا کے لئے لیا جاتا ہے
 انہیں مفادہ اور انہیں مقامات کے سوا اور کسی اور مقام میں صرف نہیں کیا جاتا۔ البتہ چھتر گروڑ
 روپیہ کی رقم ایسی ہے کہ سرکار جن طرح چاہتی ہے اس کے خرچ کی تفویض کرتی ہے۔ مگر ہندوستانی
 برائتوں کی طبعیت اس میں سے بھی مفادہ سلطنت میں ہیں انہما از حد جسے کہ نہیں کیا جاتا۔ سالانہ
 جس قدر آتا ہے۔ انہی قدر راجا کی بھرتی اور اختتام سلطنت کے کاموں میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔
 اور ہر خلف شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانہ کی طرز حکومت کے جس میں ریاستوں کو دیا جاتا تھا
 رعیت زیادہ آدم پاشی تھی اب گورنٹ انگریزی کی رعایا زیادہ خوش حال و مایوس ہیں انہی نے ہم
 ملے ہوئے شخص ہے جس کا نام نظامی ہے سکندر نامہ میں پور لکھا ہے جو ایک زبردست لہجہ
 تھا جس کا باج کرہ کہا میں سے لے کر قریب تک تھا اور جو ضلع کے شمالی کنارہ پر سندھ کی
 تین سرانجامیں برش پہلے حدود دنیا کے ظہور و معروف بادشاہ سکندر عظیم سے لے کر منسوب
 ہو گیا تھا۔ لہذا سکندر کی مملکت ہندوستان میں قریب تک پہنچی تھی۔ موسم۔

نہایت ہی عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں۔ یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ شہنشاہ فضل
مسلمانوں کے دشمنی، فرقہ میں سے ہے۔ پیچھے کہ ترک لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام کا سچا خلیفہ
شان کو جانتے اور فضائل پہنچاتے ہیں۔ گرد و بار کے امرا زیادہ تر ایرانی ہیں جن کا مذہب
شیعہ ہے اور اس امر کے معتقد ہیں کہ برحق خلیفہ علی تھے۔ ان باتوں کے سراغ شہنشاہ
فضل اس ملک میں ابھی ہے کیونکہ وہ تیمور کی نسل سے ہے جو ان مغلوں کا سردار تھا
جو ملک تاجار سے آئے تھے۔ اور جس نے ایک ہزار چار سو ایک میں ہندوستان کو فتح
و تاراج اور فتح کیا تھا اس لحاظ سے کہ یہ دشمنوں کے ملک میں یا کم سے کم ایسے ملک میں
جہاں ایک مغل بلکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سیکڑوں ہندو موجود ہیں قوت تمام رکھنے
اور سرحد پر از کوئی اور بادلوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے اس کو صلح کے زائد میں بھی
ایک بڑی فوج تیار رکھنی پڑتی ہے۔ جس میں یا تو اس ملک کے باشندے بھرتی ہوں یا
ماجھت اور پشمان۔ یا اصل مغل اور وہ لوگ جو اگرچہ مغل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے ان کی
دینی قدر بھی نہیں ہے۔ گہرے دلی اور مسلمان اور گہرے رنگ کے ہونے کی وجہ سے مغل ہی
کہلاتے ہیں لیکن زلہ سابقین کے موانع امرا سے وہ بار بار اکثر مغل نہیں ہیں۔ یا تو ازبک
ترکستانی ایرانی۔ عرب ترک رومی، وغیرہ لوگوں کا مجموعہ ہیں۔ یا ان سب قسم کے
لوگوں کی ہندوستان میں پیدا ہونے والی اولاد میں سے ہیں۔ مگر ان سب اقسام کے لوگوں
کو ایک عام نسب کے طور پر مغل ہی کہا جاتا ہے۔ مگر ہاں جیسے اس بات کا بیان کر دینا بھی
مناسب ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے لواحد مسلمانوں کی اولاد دھرمیری چوتھی پشت میں گندی
رنگ اور ہندوستانوں کی طرح کاہل خراج جو جاتی ہے اس کی قد تازہ وارد لوگوں کی
سی نہیں کی جاتی۔ اور ان کو شاذ و نادر ہی کوئی عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس کو اپنی خوش
طامی سمجھتے ہیں کہ کہیں ساروں یا پیدلوں میں لوگری مل جائے۔

شہنشاہ فضل کی فوجی قوت | خداوند من اب اس بات کا مرقع ہے کہ میں شہنشاہ فضل

سے سلاطین مشرق کے دشمنی کہلاتے ہیں اور وہ اس معنی کے اس بیان کی غلطی ہم ایک خاصہ میں اسی

جلد کے کسی گذشتہ صفحہ پر لکھ چکے ہیں اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ ص ۳۰۲

مجھ جیسا کہ ہمارے فراموش بھی متاثر و ولایت کا انگیزوں کے مخلوق اللہ اور ہندوستانی

انگریزوں کی قدر و منزلت کہ ہے۔ ص ۳۰۲

کی سپاہ کا خاص طور سے کچھ ذکر کروں تاکہ آپ ان کی کثیر اخراجات کے متعلق جو افسوس کو فوج کی بابت کرتے پڑتے ہیں اپنی رائے کا علم کر سکیں کہ آیا حقیقتاً اس کی فوج کس قدر ہے اور وہ کن لوگوں میں سے بھرتی کی جاتی ہے۔ یہیں پہلے میں اس دہلی فوج کا ذکر کرتا ہوں جس کی تنخواہ کا ادا کر کے رہنا بادشاہ پر واجبات سے ہے۔

دماغ برکے سنگ۔ جمہوریت سنگ۔ اور دوسرے راجہ جن کی بڑی بڑی زمینیں اس فرض سے ملتی ہیں کہ اپنے ہم قوم راجپوتوں کی ایک خاص تعداد شاہی خدمات کے لئے ہمیشہ تیار رہیں ان کی فوجیں اسی تہی میں ہیں۔ اور ان سے خواہ اس فوج میں کام لیا جاتے ہو ہمیشہ حاضر رکاب رہتی ہے خواہ کسی صوبہ میں مگر منصب مسلمان امراء کے برابر ہی۔ اور جن قاضی کی پابندی ان پر واجب ہے۔ ان پر بھی واجب ہے یہاں تک کہ اپنی جمیعت کے ساتھ معمولی چمکی دینے کو حاضر ہوتے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جب بھی بادشاہ فوج میں ہوتا ہے تو یہ باہر اپنے فیصلوں میں رہ کر نوکری بھالتے ہیں۔ اور چہ میں گھنٹے تک قلعہ کی دیواروں کے اندر محصور رہنے کو گوارا نہیں کر سکتے اور جب تک کہ ان کے جاں باز راجپوت سپاہی ساتھ نہ ہوں کسی قلعہ کے اندر جانا قبول نہیں کرتے۔ راجپوتوں کی جاں بازوں کا امتحان ایسے موقعوں پر کھڑی ہوتا ہے۔ جب کہ کسی راجہ کو قید کر لینے کا ارادہ کیا گیا۔

بادشاہ جو ان راجاؤں کو اپنی ملازمت میں رکھتا ہے راجپوت راجاؤں کی فوج میں اس کے کئی سہب ہیں۔ اول یہ کہ راجپوت نہ صرف سہرتی کرنے کے اسباب

بعض راجہ ایک روز میں بیڑ چار سپاہی لڑائی کے لئے حاضر کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو راجہ بادشاہی ملازم نہیں ہیں اور خراج دینے کی ضرورت کے وقت جنگی خدمات کے بھالانے کے عوض خود مقابلہ کرتے ہیں اور جاتے ہیں ان کی مزاحمت اور غیہ و بنا دیکھ کر کام ان سے لیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ شہنشاہ متسلل کی یہ پالیسی ہے کہ ان راجاؤں کے درمیان نا اتفاقی اور حسد و رشک قائم رہے۔ چنانچہ جب چاہتا ہے کسی ایک کی نسبت اپنی مہربانی و الفت کا اظہار کر کے ان میں لڑائی کھاتا دیتا ہے ہوتے یہ کہ راجپوت لوگ چٹاؤں یا کسی باغی امیر یا صوبہ دار کے واسطے کے لئے کارآمد ہوتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ جب کبھی گرگنڈ سے بادشاہ نواح ادا نہیں کرتا بادشاہ بجا پور

یا اپنے کسی اور مہاراجہ کی مدد کو جس کو شہنشاہ منسلک کرنا چاہتا ہے تیار ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے مقابلہ کے لئے ان راجاؤں کو اور امراء پر ہوا کثیر ایرانی اور بادشاہ گوگندے کے ہم مذہب ہیں تو بھی وہی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ راجہ اُس وقت کام آتے ہیں جب کہ شاہ ایران سے لڑائی کا موقع ملتا ہے اور اسے دربارِ ایرانی کے رہنے والے ہیں جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے اس خیال سے کہ اپنے اصلی بادشاہ سے لڑیں مگر وہ اُس کو اولادِ منلی لگا دے اور غلیظہ ماننے کی وجہ سے اُس کے مقابلہ میں تیسرا انتخاب کو نہایت گناہ کہتے ہیں۔

اور ان آسیاب کے تحت راجہوں کی فوج رکھی جاتی ہے اُسی قسم کی وجہ سے شہنشاہ منلی کو چٹاؤں کی بھی ایک فوج مقرر رکھنی پڑتی ہے۔

ولایتی منسلک فوج منسلک فوج کا جیسا کہ میں آٹھ پکا ہوں، تیار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ چونکہ سلطنت کی اصل فوج بھی سپاہ ہے۔ اور اس پر بڑا

دوبارہ صرف ہوتا ہے اس لئے امید ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جانا چاہیے موقوفہ ہو گا۔ اس فوج میں سوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔ اور اس کے وہ حصے خیال کئے جاسکتے ہیں جن میں سے ایک تو ہمیشہ حاضر کا پ اور دوسرا مختلف صوبوں میں مشغول رہتا ہے۔ فوج حاضر کا پ میں سے پہلے امراء پر منصب ہوا ہمساروں چند داد اور سب سے اخیر میں معمولی سواروں کا ذکر کر کے اس کے بعد فوج پیادہ اور اس کے ضمن میں چند چھوٹی اور تمام پیدل سپاہیوں کا جوہر لاں قسم کے توپ خانوں میں کام دیتے ہیں بیان کرتا ہوں۔

دربارِ منسلک کے امر کی حیثیت اس کی طرف سوداگی امیروں کیونکہ سلطنت کی تمام زمین

بادشاہ کی ملکیت ہے اور اسی وجہ سے یہاں کوئی ایسی خاندانی ریاست نہیں ہے جیسے کہ ہمارے کسی ڈیڑھ یا اڑھائی کی ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسا خاندان پایا جاسکتا ہے جو خود اپنی

لہجہ مختلف کے مراد میں یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ شاہانِ صفوی فرما دے ایرانِ ثالث کے جیسے جیسے گراں کام یا غلیظہ یا جہادِ باطل غلیظہ ہے مگر سلطنت کے باعث بے کیسے ہی

حاجبِ ارباب بچے جاتے ہوں۔ س م ج

ملکیت کی زمین اور جائیداد جو سی و خانہ داری کی وجہ سے صاحب ثروت گنا جاتا ہو۔ اور انہی کی آمدنی سے اُس کے اخراجات چلتے ہوں۔ بلکہ برعکس اس کے یہاں کے اہل دربار تو اکثر ایسے ہیں جن کے باپ تک بھی امیر نہ تھے۔ اور چونکہ اُن کی کل جائیداد اُن کے مرتے ہی ضبط سرکار ہو جاتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ کسی خاندان کا اعزاز و امتیاز ویر تک کسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر تو امیر کے مرتے ہی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے بیٹوں کی نہیں تو بیویوں کی حالت تو ضرور نقیروں کی سی ہو جاتی ہے۔ اور عام لوگوں کی طرح کسی امیر کی فوج کے سواروں میں لوگری کرتے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر اسی سختی و عذرت پر ہی ہے کہ جو امیر رہتا ہے جائیداد ضبط کر لینے کے بعد بادشاہ اُس کی بیوہ کے لئے تو مٹا اور اہل خاندان کے لئے اکثر کئی قدر و نظیہ مقرر کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی امیر بڑی عمر پہنچا ہے تو اپنے جتنے ہی اپنی اولاد کے لئے بشرطیکہ بادشاہ کی مہربانی ہو کوئی منصب بھی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اُس حالت میں جب کہ وہ ٹوٹل ڈول اور چھپے ٹھہرے کے اچھے اندنگ کے بھی گوبے چٹے ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ حاصل مثل ہیں۔ لیکن اس شاہی عنایت کی صورت میں بھی جیسا آپ کا جانشین نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ یہ معمولی قاعدہ ہے کہ چھوٹے اور پھیلے تنخواہ کے منصب تک نہ نہ نہ اور بہت تندی کے ساتھ قریبی ملتی ہے۔ اس لئے امرائے سلطنت ایسے مختلف اقسام شخصوں کا مجموعہ ہیں۔ جو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی قسمت آزمائی کے لئے مابک غیر سے یہاں آگئے ہیں۔ اور اکثر کم نصاب بلکہ غلام۔ اور باستحار بعض خاص شخصوں کے مٹا علم سبے بہرہ ہیں اور ان کا اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر پہنچا دینا یا بالکل ذلیل و خوار بنا دینا محض بادشاہ کی غرضی اور تلون طبع پر موقوف ہے۔

امرا کے مدارج اور تنخواہیں بعض امیروں کا منصب اور لقب ہزاری ہے۔ یعنی ایک ہزار کا مالک اور بعض کا دو ہزاری پنج ہزاری اور بعض کا ہفت ہزاری۔ اور بعض کا وہ ہزاری۔ اور کسی وقت کوئی امیر دو اند و ہزاری بھی نہ جاتا تھا جیسا کہ شہنشاہ مثل کا جڑا بیٹا تھا۔ مگر ان کی تنخواہ کا اندازہ سواروں کے شمار پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ گنا گنوئیوں کی تعداد کے ہے۔ اور مٹا ہر ایک سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہے تاکہ لوگری میں حرکت نہ ہو کیونکہ اُس گرم ملک میں چار ایک کہادت ہے کہ ایک گھوڑے کا سوار نکلتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امیروں کو فی الواقع دو اند و ہزاری وغیرہ ملے

شاہجہاں کے لہام امیری اور عہد اور نگین

بڑے القاب کے مطابق اتنے ہی گھوڑے ضرور کہنے پڑتے ہیں۔ یہ عظیم الشان عتبہ جو زرد اقتدار اور اجنبی لوگوں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے زہاد کئے گئے ہیں شیک شہک انہیں کے موافق تنخواہ ملتی ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ بادشاہ خود مقرر کرتا ہے کہ ہر ایک امیر کو حقیقتاً کتنے گھوڑے رکھنے لازم ہیں اور کتنے رعایا معاف اور فرضی ہیں جن کی تنخواہ اس کو ملتی رہے گی بعد یہ فرضی سواروں کی تنخواہ میں سے کچھ دشت کر کے اور ان گھوڑوں کی جو حاضر رکھے لازمی ہیں جہتی غریبوں میں دین کر کے اپنی آملی اور بھی بڑھا لیتے ہیں۔ جو اس طرح بدل مل کر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب کہ فرض منہی سے تنخواہ کے عوض جاگیر مل جاتے چنانچہ میں ایک پچیس ہزاری امیر کے ماتحت لازم تھا جس کے پاس جاگیر بھی دھنیں اور صرف نقد تنخواہ خزانہ سے ملتی تھی۔ مگر اس پر بھی پانچ سو گھوڑوں کی تنخواہ وغیرہ کے ادا کرنے کے بعد جو اس کو حاضر رکھے لازمی تھے پانچ ہزار کراڑی یعنی ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار اس کی آمدنی تھی۔ مگر بادشاہ وہاں بڑی بڑی آدمیوں کے میں سے ان امیروں کو بھت کم مال دار پایا۔ بلکہ بھت منظم اور نہایت قرضدار ہیں۔ اور یہ قرض داری اس وجہ سے نہیں ہے کہ اور ملکوں کے امیروں کی طرح کھائے کھلائے میں بھت کچھ خرچ کر دیتے ہیں بلکہ نہایت قیمتی پیش کش ہو سالانہ عیشوں کے موقعوں پر بادشاہ کو دینے پڑتے ہیں اور ان کی عورتوں اور نوکر چاکروں کا ایک لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں کی کثیر عمارت کا باعث بنتی ہے۔

لحمہ یورپ کے لارڈوں وغیرہ سے ملو ہے۔

سم ج

تھ انہیں گھیری ہیں جو دھ دار نہیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لہذا اور منصب داروں کو بلاناہ اپنے اپنے منصب کے گھوڑے یا اور ہاتھی۔ اونٹ۔ فہرین اور چمکڑے گلابوں کا ایک مقبولہ کے موافق اپنے پاس موجود رکھنا امر لازمی تھا۔ مثلاً پچیس ہزاری امیر کو تین سو بیست گھوڑے اور پانچ سو ہاتھی اور اسی قطار اونٹ اور جنی قطار فہرین اور ایک سو ساٹھ اراب یعنی چمکڑے اور گلابوں رکھنی واجب تھیں اور ان کے خرچہ خوراک وغیرہ کے لئے پچیس ہزاری کے منصب دار کو ملا وہ تنخواہ نوے لاکھ جو اس کو رکھنی پڑتی تھی انہیں ہزار روپیہ ماہوار سرکار شاہی سے ملتا تھا۔ اور چار ہزاری کے منصب دار کو دو سو تیس گھوڑے اور اسی ہاتھی اور بیسے قطار اونٹ اور ستر قطار فہرین اور ایک سو تیس اراب رکھنے پڑتے تھے۔ اور بائیس ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا۔

سم ج

امرا کی تعداد اور ان کی سواری کے طریقے | امرا کے متینہ صوح جات - اور امرا نے باہد با
 افواج اور امرا کے حاضرین دربار بہت ہی ہیں۔
 مگر کچھ تعداد مقرر نہیں ہے۔ اور میں معلوم نہیں کہ سب کتنے ہیں۔ لیکن دربار
 میں کبھی یا تین سے کم میں نے کبھی نہیں دیکھے جو سب کے سب بڑی بڑی تخواہیں پاتے
 ہیں جن کا میں نے انہی کو دیکھا ہے۔ اور جو گھوڑوں کی تعداد موقوف ہے۔ جو ایک ہزار
 سے لے کر بارہ ہزار تک مقرر ہے۔ انہیں امرا کو افواج باہر مہات اور مہکات اور دربار
 میں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں۔ اور یہی لوگ ارکان سلطنت ہیں جیسے کہ وہ خود بھی کہتے
 ہیں۔ اور دربار کی شان و شوکت انہیں کے وجہ سے قائم ہے۔ اور یہ نہایت عمدہ پوشاک
 کے بغیر کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اور کبھی انہیں اور کبھی گھوڑے پر اور اکثر یا کئی میں سوار ہوتے
 ہیں جن کے ساتھ سواروں کے دستہ کے علاوہ بہت سے خدمت گار وغیرہ ہوتے ہیں جو
 سواری کے آگے آگے اور دونوں طرف پا پیادہ چلتے ہیں جو نہ صرف راستہ میں سے لوگوں
 کو نشانے ہیں بلکہ مورچیل ہلاتے اور گردوغبار جھاڑتے اور خلال اور پیک دان اور پانی کی
 مراعی اور کبھی کبھی کوئی قصہ کہانی کی کتاب یا کاغذ کے ساتھ رہتے ہیں۔

امرا کی حاضری اور تسلیات کے طریقے | ہر ایک امیر ہر ما جب ہے کہ ہر روز صبح کو دس گیارہ
 بجے جب کہ بادشاہ عدباء میں عدالت کے لئے بیٹھا
 ہے۔ اور پھر خرام کو چہ بجے تسلیات کے لئے حاضر ہو ورنہ سزا ملتی ہے۔ اور ہر ایک کو اپنی
 اپنی باری پر تعلق میں حاضر ہو کر ہفتہ وار ایک رات دن چوکی وغیرہ پڑتی ہے۔ اس وقت یہ لوگ
 اچھا بستہ اور قالین اور اور سامان ساتھ لاتے ہیں مگر کھانا شاہی خاصہ میں سے عنایت ہوتا
 ہے جس کے لینے کے وقت ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ یعنی گھڑے جو کہ اور بادشاہ
 کے محل کی طرف رخ کر کے امیر تین دفعہ تسلیات بجا دیتا ہے۔ یعنی اچھا ہاتھ اول زمین تک
 لے جا کر پھر اچھے تک اٹھاتا ہے۔

شاہی سواری کے ساتھ ہر کابی | جب کہیں بادشاہ پانی یا باغی یا تنہی روناں پر سوار ہو کر
 نکلتا ہے تو تمام امرا کے لئے بجز ان کے جو بیلاغ ضیف
 امر یا کسی خاص کام کی وجہ سے معاف ہوں ہر کاب رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کہیں شہر
 کے قرب و جاہی فکا کو کسی باغ کو یا غار کے لئے سمجھ کر جاتا ہے تو بعض اوقات چند

بھی چل جاتا ہے یعنی صرف اسی امرار ساتھ ہوتے ہیں جن کی اسی روز چکی ہوتی ہے۔ اور دستور ہے کہ بادشاہ پر تو خواہ شکام میں ہو خواہ توج کو ساتھ لے کر کسی مہم پر جانے خواہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہو بخوبی سایہ ہوتا ہے۔ مگر امرار کو خواہ کبھی ہی دھوپ یا بارش میں نہ ہو اور گرد و فہار سے دم کیوں دکھنا جائے مگر گھوڑے پر چڑھ کر کسی طرح کے سایہ کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔

منصب داروں کی تنخواہ کی تفصیل | منصب دار ایک قسم کے سپرد ہیں جو منصب کی تنخواہ پاتے ہیں۔ اور وہ ایک خاص قسم کی جہی قرار اور حریت کی تنخواہ ہے۔ اور اگرچہ امرار کی تنخواہ کے برابر نہیں ہے۔ مگر معمولی سواروں سے بہت زیادہ ہے اور اسکی وجہ سے یہ کم درجہ کے امرار میں شمار ہوتے ہیں۔ اور انہیں میں سے امرار منتخب کئے جاتے ہیں۔ اور یہ بادشاہ کے سوا کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور جو کام امرار سے لئے جاتے ہیں وہی ان سے لئے جاتے ہیں اور اگر ان کے پاس بھی کسی قدر سوار ہوں جیسا کہ پہلے دستور تھا تو یہ بھی امرار کے برابر ہو جائیں مگر آج کل ان کے پاس صرف دو یا چار یا سچے گھوڑے ہوتے ہیں جن پر بادشاہی داروغہ لگا ہوا ہوتا ہے ان کی تنخواہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپے مہینہ ہوتی ہے۔ اور سات سو روپے یا سو ار سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی۔ ان کی تعداد معین نہیں ہے۔ لیکن امرار کی یہ منصب بہت زیادہ ہیں اسیان کے سوا ہر صوبوں میں یا افواج امروہات میں متعین ہیں لے رہا ہوں وہ میں سو سے کم کبھی نہیں دیکھے۔

شاہ امرار اور منصب داروں کی اسم و نام غیر متعین جو بادشاہ نامہ میں موجود ہیں ان سے ظاہر ہے کہ شاہجہاں کی حکومت کے وہ سالہ اول کے خاتمہ تک کل امیر اور منصب دار ہشت ہزاری سے پانچ صدی تک پہنچ کر آئے تھے جن میں سے ایک سو اڑسٹھ فیض آبادی وہ سالہ میں مر گئے تھے اور ان کے علاوہ شہزادہ دارا شکوہ چندہ ہزاری اور شہنشاہ اور اورنگ زیب و دوازہ ہزاری تھے اور شاہنشاہ مراد بخش کو بعض پانچ سو روپے چندہ ملتا تھا۔ کیونکہ شاہنشاہوں کے لئے رقموں کافی تھیں۔ دستور یہ تھا کہ جب تک امرار کی طلب کسی مہم وغیرہ پر ضرورت نہ ہوں منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صرف یہی کہ آصف خان غانما میں سب سالہ وزیر مقرر (دیکھو ایک غیر معمولی عنایت کے) نہ چار ہی تھا۔ اور وہ سالہ دوم کے خاتمہ میں تھوڑے سا سالہ میں آصف خان غانما کے بعد شہنشاہ اور اورنگ زیب چندہ ہزاری اور مراد بخش دوازہ ہزاری تھے اور آصف خان کے مریدانہ کے بعد شہنشاہ ۴

روزینداوں کی تنخواہ اور خدمات | روزینہ دا بھی ایک قسم کے سولاری ہیں جن کی تنخواہ روزمرہ مل جاتی ہے جیسا کہ خود نقد روزینہ دار

سے ظاہر ہے۔ مگر ان کی تنخواہ بیش تر اس لیے ہے۔ اور بعض اوقات تو اکثر منصب داروں کے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہ تنخواہ چونکہ خاص طور کی ہوتی ہے اس وجہ سے کچھ زیادہ عزت کی بات نہیں کی جاتی۔ اور منصب داروں کی طرح یہ لوگ احساس یعنی ایسے تالین اور فرش فروش وغیرہ کے تیشا لینے پر بھی مجبور نہیں ہیں جو بادشاہی مکانات میں استعمال میں آنے کے بعد منصب داروں کو حکماً لینے پڑتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک فیواجب قیمت لگا دی جاتی ہے جو گزشتہ منصب پر کسی کو نہیں ملا۔ ہفت ہزاری کے بعد جنک دہر سولہ طور ہاں سے زیادہ منصب بھی دیا جاتا ہے۔ ایک دہندہ ہاں میروں سے زیادہ ہفت ہزاری دیتے تھے۔ اس دو سالہ میں صرف چھ ہاں میر چنے گئے۔ خاں دوران بہادر نہرت جنک علی مراد خاں اسمیرا مراد سعید خاں بہادر مفر جنک۔ اسلام خاں۔ ملائی سعد اللہ خاں۔ افضل خاں اور شش ہزاری کا منصب سے خاں بھان بارہ وال۔ اعظم خاں۔ عبد اللہ خاں بہادر میر جنک۔ عبدالصمد سید ہلال بخاری۔ خسرو ولد تندر مہوٹاں ازبک مالی ترکستان صرف پچھٹنوں سے پایا تھا۔ ہندو دھرم کی بدترقی رہیں کو آج کل کی انگریزی اصطلاح کے موافق نیچر کہنا چاہیے۔ وہ سترے دو سال تک پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھی۔ اور اس دو سالہ کی نہرست میں کل پانچ سو آٹھ نام ہیں۔ جن میں سے ایک سو آٹھ یا ہندو یا کھنڈی صر کے ہندو ہیں اور ایک اور نہرست سے جو تاریخ محل صانع کے خاصہ میں مسدود ہے۔ شاہجہاں کے عہد اخیر جنک اسرا اور منصب داروں کی تعداد آٹھ سو اڑسٹھ معلوم ہوتی ہے۔ جن میں ایک سو تیرہ ہندو امیروں کے نام درج ہیں۔ مگر چونکہ اس میں آصف خاں و علی مراد خاں و سعد اللہ خاں وغیرہ کے نام بھی درج ہیں جو شاہجہاں کے متعبد ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف نے اس نہرست میں اس بادشاہ کے سب زمرہ و مردہ امیروں کو گن لیا ہے۔ اور اگرچہ حسب شرح بابہ وہ سالہ اول و دوم میں کوئی نیا امیر نیا ہزاری سے نیچہ دخلہ گروہ انہیں سے تہید بھی توڑ دی گئی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ جوہت سنگ ہفت ہزاری اور مہاراجہ سنگ شش ہزاری ہو گئے تھے۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳

نیا جہاں کے ایام اسیری اور عہدوں گئے ہیں

باقی ہے۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور چھوٹے چھوٹے کام ان کے مشغول ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے صدی اور نائب صدی ہیں اور بہت سے اس کام پر مامور ہیں کہ بہت سے یعنی اُن احکام پر جو دہ پیہ کے ادا کرنے کے باب میں صادر ہوتے ہیں سرکاری ٹھہر لگائیں اور وہ اُن احکام کے جلد جاری کر دینے کے عرض ہے و سرکار رشوتیں لیا کرتے ہیں۔

عام سواروں کی تنخواہ کی تفصیل | عام سواروں کے اہمت کام کرتے ہیں۔ اور دو قسم کے ہیں۔ ایک دوسری جن کا پادشاہی خدمت کے

مابینے حاضر رکھنا امر لازم ہے اور جن کے گھوڑوں کی دالوں پر اُن امیروں کے مابینے گئے ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک ایک دو گھوڑے دالوں کی تنخواہ اور قدم بہت ایک گھوڑے دالوں کے زیادہ ہے۔ اور اگرچہ سرکار سے ایک اسپہی سوار کی بہت روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیر کی نیا نیا ہر موقوف ہے۔ پیدل سپاہی اور گولہ انداز | پیدل سپاہیوں کی تنخواہ سب قسم کے مذکورہ بالا تنخواہوں سے کمتر ہے۔ اور منہلہ اُن کے ہر لوگ ہندو تھی اور تھت

ہے کہ وہ تو اچھے خاصے آرام کے وقت میں بھی بہت ہی ذہنیت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندو چلانے کو جب زمین پر پھسکا ادا کر! بیٹھتے ہیں اور اپنی ہندو کو لکڑی کے سہ پاؤں پر رکھ کر جو ہندو کے ساتھ شکاری رہتی ہیں۔ چلاتے ہیں تو اُن کی یہ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور مافیا مالہ اس احتیاط پر یعنی یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری لمبی لمبی ٹوڑیاں اور آنکھیں نہ جل جائیں یا کسی جی بہوت کے خلال سے ہماری ہندو نہ بچھٹ جائے۔

پیدل سپاہی میں کسی کی تنخواہ میں روپیہ مہینہ ہے۔ کسی کی چندہ اور کسی کی دس۔ مگر گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً مسٹر کی گولہ اندازوں کی یعنی رنگینوں انگریزوں۔ انہوں جسہ منوں اور فرانسسوں کی جو گولہ انداز اور فوج و انگریز پیدل کے کارخانوں میں سے بھاگ آتے ہیں۔ اول جب منحل توپ کے فن سے بہت کم واقف تھے تو انہیں رنگ کی تنخواہ زیادہ تھی اور اُن میں سے اب بھی کچھ لوگ باقی ہیں کہ جن کو دو سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ مگر اب بادشاہ ان لوگوں کو مشکل سے لڑکر رکھتا ہے۔

اور جیش روپیہ سے زیادہ تمنا نہیں دیتا۔

توپ خانہ | توپ خانہ دو قسم کا ہے ایک بھاری دوسرا ہلکا جس کو ہم رکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ بھاری توپ خانہ کی بابت ہمے یاد ہے کہ جب بادشاہ بیاردی کے بعد فوج سمیت امور کے راستے سے گری گئے کو کشمیر گیا تھا جس کو ہندوستان میں کشمیر جنت نظیر کہتے ہیں۔ تو اُس سفر میں زہور کوں کے علاوہ جو دو تین سو چاق و چوبند اونٹوں پر اُسی طرح سے کئے ہوئے تھے جس طرح ہلکے چھوٹے جہازوں میں رکھے بندھے رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو ہندوؤں کے برابر ہوتے۔ ستر بھاری توپیں جو اکثر برنجی تھیں ساتھ تھیں۔

بادشاہ کے سفر کشمیر کا حال یہی کسی اور موقع پر بیان کروں گا۔ اور یہ بھی لکھوں گا کہ اُس لیے سفر میں بادشاہ اکثر اپنا دل شکار میں کس کس طرح بہلا تا رہا۔ یعنی کبھی شکاری پرندوں کو کلنگ و فخرہ جالوں پر چھوڑا اور کبھی نیل گائے کا شکار کیا جو ایک کی قسم کا جانور ہے۔ اور کبھی دن چیتوں سے ہرڑوں کو پکڑوایا۔ اور کبھی شیر کا شکار کیا جو انھیں بلو شاہی شکار ہے۔

ہم رکاب توپ خانہ جلا ہوا اور کشمیر کے سفر میں ساتھ گیا تھا۔ محکو بہاعت بات سب سے معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس میں پچاس یا ساٹھ چھوٹی چھوٹی برنجی توپیں تھیں جو سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تھیں۔ پر چڑھی ہوئی تھیں جن کے ساتھ گولے بارود کے لئے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو چیشیاں تھیں اور ان پر تجارت کے لئے مختلف وضع کی سرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں ان میں دو دو عمدہ گھوڑے بٹھتے تھے۔ جن کو ایک ایک سوار اٹکتا تھا اور ایک تھرا گھوڑا اور ایک اور سپاہی دو کے واسطے ساتھ لئے رہتا تھا۔

بھاری توپ خانہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تھا کیونکہ شکار کیلئے باپانی سے نزدیک رہنے کی غرض سے بادشاہ خارباہ سے ملنے دھڑکھڑکھٹا تھا اور یہ توپیں ایسی بھاری تھیں کہ دشوار گزار راستوں پاکشیتوں کے ٹپوں پر سے جو شاہی لشکر کے ہموار کے لئے بنائے گئے تھے گذر نہیں سکتی تھیں۔ لیکن ہلکا توپ خانہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اسی لئے اس کو ہم رکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ اور جب بادشاہ علی الصبح کوچ کرتا ہے۔ اور شکار گاہوں میں جو بادشاہ کے واسطے محفوظ ہوتے ہیں اور جالوں کے روکے رکھنے کے لئے من کی ناگر

شاہجہاں کے الام امیری اور عہدہ نگینہ

ہندی بھی لشکار کے وقت کی جاتی ہے ہندوؤں سے یا اور طرح لشکار کھیلنا چاہتا ہے تو یہ توپ خانہ جس قدر جلد ممکن ہوتا ہے سپہ سالاری منزل پہ پہلن بادشاہ اور بڑے بڑے اُمراء کے لیے پہلے سے گئے ہوتے ہیں جانشینا ہے۔ اور خیم شاہی کے سامنے توپوں کی قلعہ گا دی جاتی ہے۔ اور جب بادشاہ حمید گماہ میں داخل ہوتا ہے تو انہی لشکر کی اطلاع کے لئے سلامی دی جاتی ہے۔

صوبوں کی فوج اور سواروں کی کل فوج جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اُس کی اور ایک صوبہ دار روزینہ دار۔ معمولی سوار۔ پیادہ۔ اور توپ خانہ موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ دار میں ہیں کچھ اور بعض اوقات تین ہزار سوار رہتے ہیں جو گول کنڈے کے طاقتور بادشاہ کے دھکائے اور بادشاہ جہاں پورہ ان راہوں سے لڑنے کے لئے ضرورت سے کہ زیادہ نہیں ہیں۔ جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لے کر شاہ بجا پور کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جس کا ایران۔ بلوچستان۔۔۔ افغانستان اور سرحد بہاری ملکوں کی مخالفانہ کارروائیوں کی روک تھام کے لئے رہنا ضروری ہے بارہ یا پندرہ ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔ صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج ہے۔ اور بنگالہ میں جہاں جیشہ لڑائی سڑائی رہتی ہے بہت زیادہ فوج رہتی ہے۔ اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں بلحاظ اُس کی وسعت اور خاص موقع کے کم یا زیادہ فوج کارکن ضروری نہ ہو۔ اس لئے کل فوج کی تعداد اس قدر ہے جس پر مشکل سے اتھار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے آگہ رکھ کر اور گھوڑوں کی اُس تعداد کو جو صرف نام کے لئے ہے اور جس کو سن کر ناواقف شخص دھوکہ کھا سکتا ہے چھوڑ کر میں اور واقف کار لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار ہو بادشاہ کے ہمراہ رہتے ہیں راجپوتوں اور چھالوں سمیت پنتھیں یا چالیس ہزار ہوں گے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ مل کر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں۔

پیدل فوج کی اصل تعداد اور لوگوں کے غلط اندازے میں نے بیان کیا ہے کہ پیدل فوج سے ہیں چنانچہ امیری دانست میں پیادہ

فوج جو بادشاہ کے ہم رکاب رہتی ہے ہندو پنجوں اور توپ خانہ کے پیدل سپاہیوں اور ان لوگوں سے جو توپ خانہ سے متعلق ہیں مل کر چند روزہ خزانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ بعض فوج پیدل فوج کی تعداد کھوں بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ شاید انھوں نے خدمت گاروں بھٹیادیوں اور تمام اہل بازو کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہوں گے۔ اور واقعی آگلاس سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جب کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لئے تختہ گاہ سے باہر ہونے کا ہے دو تین لاکھ ہیا دون سے کم نہیں رہتی اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کس قدر دیر سے نیچے اور باورچی خانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں مٹرا لشکر کے ساتھ رہتی ہیں اور ان سب کے اٹھانے کے لئے کس قدر ہاتھی، اونٹ، بیل، گھوڑے اور حامل مزدوری ہیں تو اس تعداد میں جو میں نے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا۔

۱۷ بادشاہ نامہ میں جو شاہجہاں کے عہد سلطنت کے ہیں سال کی بہت معتبر تاریخ ہے سوار فوج کی تعداد جو سب تفصیل ذیل دولا کہ کسی ہے منصب دار، آٹھ ہزار۔ اسی اور ہندوستان ستائ ہزار عام سوار ایک لاکھ پچاس ہزار۔ اور پیدل فوج کی تعداد جس میں گولنداز، بان انداز اور ہندو گپی سپا شامل ہیں چالیس ہزار کہیں ہے جس میں سے دلی ہزار حاضر رکاب اور تیس ہزار صوبوں اور تعلقوں میں خشیں رہیں تھیں۔

اور اب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اس فوج بڑی کی تعداد جو۔ رگور یعنی فوج آئینی کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دولا کہ سرکار ہندو سود ہے۔

ہندوستانی	موجودہ
۱۳۵۹۲۹	۷۰۲۶۳
۱۱۲۵۱۹	۵۲۶۰۱
۱۲۰۳۸	۵۶۵۴
۱۲۱۲۷۵	۱۲۰۰۵
۱۸۳۳	۷۰۳۶۳
۱۲۰۳۲	

حوادث میں۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس ملک کی ضمنی حالت اور طرزِ حکمرانی کے لحاظ سے کہ جہاں سلطنت کی زمین کا صرف پادشاہی ملک ہے، اس ملک کی داخلہ حکومت مشہور اگرہ یا دہلی کے باشندوں کی سہاش کا بڑا دارو مدار صرف نوج کی موجودگی پر ہے اور اس لئے وہ مجبور ہیں کہ جب بھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں۔ اور پشپھر بیرس سے کچھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ان کی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کیسپ سے دی جا سکتی ہے۔ اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے نیہوں کے ان میں مکان ہیں اور اساکش کے اور سامان بھی کیسپ کی نسبت کسی قدر اچھے ہیں۔

ٹھیک وقت پر نگراں نہ لگنے کے نتائج | یہ امر بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ امرہ سے لے کر

سپاہیں ملک کی تخراب کا دوا مہندو تقسیم مہندو

جہاں ضروری ہے۔ کیونکہ تخراب کے سوا جو بادشاہی خزانہ سے ملتی ہے کوئی اور ذریعہ ان کی صفائی

بقیہ مہندو مہندو۔ اگر ایک لاکھ پینچالیس ہزار ایک سو چار ہزار تا دہ پو میں جو اندرونی نظم

سلطنت کے قائم رکھنے کے لئے مختص ہے اس کے علاوہ ہے۔ جس میں سے تین ہزار اٹھاسی

سوار ہیں اور باقی سب پیادوں اور دیہات میں جو کچھ اور متعلق پو میں مہندو سے تین ہزار گاون سے

تخراب پاتے ہیں وہ اس حساب سے خارج ہیں اور سوائے نوج آئین اور نوج پو میں کے مہندو ہزار نوج ہزار

ہے جس میں سوار تھوڑے اور پیادوں زیادہ ہیں۔ اور اس میں اب تک مہندو ہیں یا پو میں مہندو

ہی کہ داخل ہونے کا استحقاق ہے۔ یہ لوگ سوائے تخراب یا لہاس مہندو کچھ نہیں پاتے۔ سوائے

آئین و قانون اور ان کے مہندو مہندو کے منصب اور درجے سوار مقرر کرتی ہے اور جن بڑے

بڑے خدمات میں بوسہ پتی اور پو میں مہندو زیادہ مہندو ہیں وہ ان کے سوا اگر اہل حسرت۔

مہندو کے کلرک و غیرہ اہل قلم اپنی مرضی اور خوشی سے اس جماعت میں داخل ہو کر

جنکی قواعد اور آداب حرب کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی قوم اور سلطنت کی حفاظت

کے لئے مدتِ غزوہ کام دینے کو مستعد رہتے ہیں۔ یہیں اس حساب سے فی زمانہ میزان کل تھوڑی

قسم کی نوج کی ہیں لاکھ اٹھتر ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ اور ہند کی نوج بمسری مہندو انگلیش

کی جہاڑی نوج کے ہے کہ جدید ستانی کے لئے ایک مہندو انفرامی کے ماتحت۔ مہندو

اور جس کے سولہ ہزار کھرا مہندو علی فاراس تک اور لکھ سے علیج بنگال تک اور بہت سے ساحل

افریقہ تک گشت گاہے رہتے ہیں اس سے بالکل الگ ہے۔ س م ۱۲

کا نہیں ہے۔

فرانس میں اگر کسی وجہ خاص سے مہاجب الاما تنخواہ کے دینے میں گورنمنٹ کی طرف سے کچھ دیر سو جاتی ہے تو سرکار کو کیا سہا ہی بھی اپنی کسی خاص آمدنی سے گنتا کر سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اگر قوتِ تنخواہ کے ملنے میں کبھی غیر معمولی توقف ہوتا ہے تو جیسا نہایت خوف ناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی سہا ہی ایسا معمولی اسباب جو ان کے پاس ہوتا ہے بیچ باپے کر چل دیتے اور سہو کے مرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ میں زاد میں کرنا خزانوں کی بھی جنگ و جدال قریب الختم تھی۔ میں نے پچھم خود دیکھا ہے کہ سواروں کا میلان اس طرف بڑھتا جاتا تھا کہ اپنے گھوڑے بیچ ڈالیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر لڑائی کو طول ہوتا تو ہر روز ایسا ہی کرتے۔ اور یہ کچھ تعب کی بات نہیں ہے کیونکہ شہنشاہِ محل کے لشکر میں کوئی ایسا سہا ہی مشکل سے مل سکتا ہے جو ہر دم چپ و کر چاکر اور لوڈی غلام نہ رکھتا ہو۔ اور ان سب کی گذران اُسی تنخواہ پر موقوف ہے جو اُس کو سرکار بادشاہی سے ملتی ہے اور اسی دم سے میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس حالت کو دیکھ کر سخت حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ غریب کے لئے اچھے شمار و سپر کہاں سے آئے کہ جس سے لاکھوں ہندوگانِ خدا کی ہر دوش ہوتی ہے جن کا مدار محالِ معص بادشاہی تنخواہ کے ذریعہ ہے۔

شہنشاہِ محل کے کثیر اخراجات | مگر یہ لوگ اس امر کا خیال نہیں کرتے کہ شہنشاہِ ہندوستان دولتِ مندی کے ذریعہ کس قدر ہیں۔ اور میں نے تو اس کے اخراجات کا گویا اکھی ذکر نہیں کیا مثلاً خیال فرمائے کہ اگر وہ دہلی کے اسٹبل میں دو یا تین ہزار تو صرف صد گھوڑے ہی ہیں جو امتیازِ مزدورت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور آٹھ ہزار سو با تھی اور بار ہزاری کے لئے بہت سے ٹٹو اور غنیمت اور جمل جو ان کے شمار اور بہت وسیع اور بڑے بڑے غیموں اور ان کے متعلقہ چھوٹے غیموں اور بیگمیں اور محل کی اور عورتوں اور ساز و سامان اور باورچی خانہ کے اسباب اور گنگا جمل اور بہت سی چیزوں کے اٹھانے کے لئے جن کا بادشاہ کے ساتھ ہنا سفر اور حضر میں مزدوری ہے اور جو یورپ میں کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتیں رکھنے پڑتے ہیں۔ اس کے سوا محلِ سلوک کے بے شمار اخراجات

جس میں عمدہ فعل، زبردست دشمن اور زریہ اور کپڑے اور موتی مشک غنیمت اور عطر اس قدر صرف ہیں آتا ہے کہ خیال میں نہیں آ سکتا ہیں اگرچہ شہنشاہ خنل کے داخل بے شمار ہیں مگر عمارت بھی اسی قدر ہیں اور اسی وجہ سے جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں بہت زیادہ روپیہ نہیں اخذ نہیں ہوتا۔

ہندوستان ایران اور روم کے محاصل کے حاصل کو اگر کماتیں تو شہنشاہ خنل کا حاصل غالباً اُس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اگرچہ اس کو دولت مند بادشاہ کہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گریہ ایک ایسا خزانہ ہے جو ایک ہفتے سے بے شمار روپیہ لیتا اور وہ سرت ہاتھ سے دے دیتا ہے۔ اور میرے نزدیک واقعی دولت مند اُس بادشاہ کو کہنا چاہیے کہ جس کا حاصل اس قدر ہو کہ بغیر کس کے کہ ظلم اور زیادتی سے رعایا فقیر ہو جائے۔ امرا و اہل دربار کا ایک عظیم الشان مجمع قائم رکھنے اور مہذبہ خلائق اور عالی خلق عمارتیں بنانے اور نہایت دگریم الطبع ہونے اور ملک کی حفاظت کے لئے فوج کثیر جاری رکھنے کے علاوہ اس قدر روپیہ نہیں انداز کر سکتا ہو کہ اپنے ہساروں کے ساتھ کسی اتقانہ لڑائی بھڑائی کے وقت جو خواہ کتنی برس تک جاری رہے کام میں لاسکے۔ اور اگرچہ شہنشاہ ہند کو ان میں سے اکثر کماتیں حاصل ہیں لیکن اس قدر نہیں جس قدر کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔

شہنشاہ خنل کی دولت مندی کی مبالغہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر ہیں غالباً آپ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ شہنشاہ خنل کی دولت مندی کی شہرت مبالغہ سے خالی نہیں چنانچہ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ گزشتہ لڑائی کے خاتمہ کے قریب .. اورنگ زیب کو نہایت فکر تھی کہ فوج کی تنخواہ کس طرح ادا کی جائے۔ حالانکہ لڑائی صرف پانچ برس رہی تھی اور فوج کی تنخواہ بھی معمول سے کم تھی اور جنگال کے سوا جہاں سلطان شجاع اب تک لڑتا تھا اور سب جہوں میں بالکل امن و امان تھا اور آپ کے اکثر خطبے بھی اُس کے قریب سے آچکے تھے۔

دوسرے یہ کہ شاہجہاں جو بڑا کفایت شعار تھا اور کسی جنگ عظیم میں پھنسے اور اُلجھے

نیز جالبین برصغیر سے زیادہ عرصہ تک سلطنت کرتا رہا۔ کبھی چھ کروڑ روپیہ سے زیادہ جیسے نہیں کر سکا۔ لیکن اس رقم میں میں اُن کثیر التعداد سونے چاندی کی طرح طرح کی سرسج چیزوں کو جن پر نہایت عمدہ عمدہ کام بنے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں اور قسم قسم کے کثیر التعداد ہواہرات کو شامل نہیں کرتا اور مجھے شک ہے کہ اس سے زیادہ ہواہرات شاید ہی دنیا کے کسی اور بادشاہ کے پاس ہوں۔ چنانچہ اُس کا ایک تخت ہی لاگر سہری یاد میں کچھ غلطی نہ ہو) تین کروڑ روپیہ کی قیمت کا ہے۔ یہ سب ہواہرات اور قیمتی چیزیں مڑھپوں کے تخت کی خانہ لائوں۔ چٹھان بادشاہ ہوں، اور امرا سے لڑائی ہوتی اور ایک مدت ملازمین سے کی جوتی ہیں۔ اور ہر ایک بادشاہ کے عہد میں امرا کے سلطنت کے مقررہ سالانہ پیش کشوں کے ذریعہ سے جو اُن کو بھجونا دینے پڑتے ہیں۔ اُن کا شمار بڑھا گیا ہے۔ اور یہ سب خزانہ تخت کا مال سمجھا جاتا ہے اور اس کو چھیڑنا ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی کبھی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اُس کی کفالت پر تھوڑا سا مدد یہ بھی نہایت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے۔

شاہجہاں کی مت سلطنت کی صحیح تعداد اس جلد کے ۳۷۰ صفحہ کے حاشیہ میں مندرج ہے۔ ہم یہ بتانے اس کا مفصل حال بطور دم کے صفحہ ۲۸۰ کے حاشیہ میں دیکھنا چاہیے۔

شاہجہاں کی سلطنت کے سب سے سال کے خاتمہ پر امام احمد الحمید لاہوری نے بادشاہ نامی جو عبارت خزانہ ہواہرات کی نسبت لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ خزانہ کمرودہ مدینہ دولت خدا داؤنراجم آمدہ محاسب و جم و خیال حد تک اجلا کا آں بجز و تصور مستقر است۔ اگرچہ خزانہ کو حضرت قریش آسمانی (محمد اکبر بادشاہ) عدت پنجاہ و یک سال فراں عوائی جمع نمودہ و چونکہ از سلاطین ہندوستان ما میر لغتہ تا بفران عوائی و دیگر ولایت چہ رسد۔ امانچہ مدینہ ہند بھیا من بیت عالم آرا و عدلیت گنگی ہوا بادو و فرادان اخراجات گرد آمدہ و ہر تاب اٹان اخوان است مانچہ و سرکار مقدس از افراد کائنات اقسام ہواہر زہرہ و نمرین و صفیر و طلا آلات و نقرہ آلات صحیح شدہ غالباً بحسب کیفیت و کیفیت نزد کل فرماں روا اپنے عالم نیا شدہ۔

اور میر محمد شرم خانی القادریہ باشم علی خاں و آخر کار بطلب بہ خانی خاں نظام الملکی نے لکھ اور شاہجہاں دواؤں کے خزانہ عوائی میں جو عبارتیں لکھی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے وہ عبارت جملوں کو خزانہ

ہیں اور جس کے معنی ہیں وہ جگہ کہ جہاں سے کچھ لیا جائے یا مقام وصول خواہ ادا اس قسم کی جاگیریں صوبہ داروں کو بھی اُن کی اور اُن کی فوج کی خواہ میں اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ فاضل آمدنی میں سے ایک خاص رقم سال بیکار خواہ شاہی میں داخل کیے رہیں اور جو زمین جاگیر میں جس میں دی جاتی ہیں اور خاص بادشاہ اور اس کے اہل خانہ کے شوق میں اور شاہانہ آدمی کسی کم جاگیر میں دی جاتی ہیں وہ مستاجروں کو دی جاتی ہیں جو سال بیکار نہ دیکھتے اور گرتے رہتے ہیں اور اس طرح ہر جو لوگ زمین پر قبضہ حاصل کرتے ہیں خواہ تیار داروں خواہ صوبہ دار یا مستاجر کاشت کاروں پر اُن کے اختیارات ایسے بے محدود ہیں کہ اگر یا مطلق انسان ہی کہتا چاہیے۔ اور کاشت کاروں ہی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے گاہڑوں اور تھکوں کے اہل حرفہ اور سوداگروں پر بھی دیکھا ہی اختیار ہے۔ اور بھی طریقوں میں یہ اپنے ان اختیار کو عمل میں لاتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بے رحمانہ اور تکلیف دہ امر نہال میں نہیں آسکتا اور ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ مظلوم کسان اور کارگیر اور سوداگر اپنا احتفاظ چھین کر سکیں۔ یعنی نہ تو فرائض کی طبعیت یہاں کوئی گریٹ لارڈ ہے اور نہ پارلیمنٹ اور نہ ایسا ڈیل کورٹ کے جج جو ان بے رحم ظالموں کے ظلم کو نہ کہیں اور نہ قاضی یہاں مقرر ہی اُن کو ان پر نصیب لوگوں کی مادرسی کا کافی اختیار نہیں ہے۔ مگر ان کے تہذیبی اعتبار سے یہ اندھا دھند استعمال بڑے بڑے فہرہوں مثلاً دہلی اور آگرہ اور بمبائی اور بڑے بڑے تھکوں کے قریب و مدار میں اس حد تک محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے مقاموں میں کوئی بڑی نا انصافی کا کام نہ ہر شاہی سے ظنی رہنا آسان نہیں ہے۔

رعایا کی غلامانہ حالت | رعایا کی یہ غلامانہ حالت ترقی تجارت کی مانع اور لوگوں کے اوصاف و اطوار اور طولی سماجیت کی خرابی کا باعث ہے اور تجارت کرنے کا کسی کو اس لئے جوصلہ نہیں ہوتا کہ منافع کی صورت میں بجائے اس کے کہ وہ آئے اپنے معنی مآدام میں صرف کرے اُس کو دیکھ کر کسی ظالم اور ذی اختیار ہمارے کے مزے میں پانی بھرتا ہے۔ جس کا سہارا ہے ہمیشہ اس طرف ہے کہ کسی شخص کو اس کی صنعت کے غم سے محروم کر دے اور اگر کسی کو دولت حاصل ہو بھی جاتی ہے (جیسا کہ پہلے اوقات ہوتا ضرور ہی ہے) تو ہر خلاف اس کے کہ سالانہ کی نسبت آسودہ حالت میں رہے اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے مفلسوں کی سی صورت بناتے رہتا ہے۔

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہلکتی

اور لباس اور مکان اور اسباب خانہ داری بہت ہی ذلیل رکھتا ہے۔ اور سب سے ذلیل کھانے پینے میں نصرت دکھاتا ہے۔ اور اس حالت میں اس کا رویہ اور اشرافیہ نہ رہی کسی میٹھی گڑ سے ہی گزار دیتا ہے۔ اور سب لوگوں میں خواہ کاشت کار ہوں خواہ کا دیگر ذلیل یا ناز ہندو ہوں یا مسلمان مولا بھی طریقہ جاری ہے علی الخصوص ہندوؤں میں جی کے ہاتھ میں ملک کی دولت اور تہارت ہے اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو دولت ہم اپنے ایام حیات میں چھپا کر رکھیں گے مرنے کے بعد ہمارے کام آئے گی۔ البتہ بعض اشخاص جو بادشاہ یا ملوک کے ہاں دیکر ہیں ان میں کا کوئی بڑا وسیلہ ہے ان کو اپنی تنگ دستی دکھانے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور بعض و انام سے عرصہ ہر کرتے ہیں اور کئی شک نہیں کہ سونے چاندی کو زمین میں دفن رکھنے اور اس طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانے سے روکنے کی یہ عادت اس ملک میں سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے کا بڑا سبب ہے۔

اب جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں اُس سے
 لیتا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ
 زمین کی مالکیت بالکل چھوڑ دے۔ اور یہ

رمایا کو حق ملکیت زمین حاصل نہ ہونے کے
 مفروضہ نتائج

حق رمایا کو حاصل ہو جائے تو اول یہ امر حیرت اور بادشاہ و وزراء کے حق میں مفید ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے فرنگستان کی حالت کا کہ جہاں حق ملکیت زمین رمایا کو حاصل ہے اور ان ملکوں کی حالت کا جہاں یہ حق اُن کو حاصل نہیں ہے احتیاط کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ اور بعد خود میری رائے یوں قائم ہوئی ہے کہ اگر صرف رمایا بلکہ خود بادشاہ کے لڑائی کے لئے بھی بہت ہی مفرب ہے۔ چنانچہ میں یہ امر بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں سونے چاندی کے کم دکھائی دینے کا کیا باعث ہے یعنی جاگیرداروں کو حاکم اور مستاجروں کا ظلم کہ جس کا اندازہ اگر بادشاہ بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ان صوبوں میں جو ہائے تنفس کے قریب نہیں ہیں اور یہ ظلم اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ کاشت کاروں اور اہل حرفہ کے پاس ہزاروں قنات کے لئے کچھ بھی نہیں رہنے دیتا اور وہ حالت افلاس اور تنگ دستی میں پڑنے مرتے ہیں اور اسی ظلم کے سبب سے اول تو ان

نے خائنہ زندگی سے انگریزوں میں حرم ہونے کے وقت کچھ غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں کوئی ایسا عام عقیدہ نہیں ہے غالباً اصل میں یوں ہو گا کہ سونے کے بعد اولاد کے کام آئے گا۔ مہم

ہجھاروں کے کچھ اولاد ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی ہے تو قاقوں کے راستے بچپن ہی میں چل مبتدی ہے غلام رہ کر اس غلامِ رستم کی وجہ سے کاشت کار اپنے کھیت وطن کو چھوڑ کر کسی قدر آسائش ملنے کی امید پر کسی ہمسایہ ریاست کے علاقہ میں ہمارے رہتے ہیں یا فوج میں جا کر کسی سوار کے پاس نوکری کر لیتے ہیں اور چونکہ زمین کا بند و بست شاندار اور ہی جبر کے بغیر ہوتا ہے اور کوئی شخص اس قابلِ پاؤں نہیں جاتا کہ اپنی خوشی سے اُن نہروں اور نالیوں کی مرمت کرے۔ وہ آبِ پاشی کے لئے بنی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے ہندوہست بخوبی نہیں ہرٹلہ اور خشکی کے سبب سے زمین کا ایک بڑا حصہ خالی پڑا رہتا ہے۔ اور زمین ہی پر کیا موقوف ہے مکانات بھی اکثر ویرانی اور تباہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو نئے مکان بنانے یا اُن کی مرمت کرتے ہیں اور ایک طرف تو کاشت کار اپنے دل میں ہمیشہ یہ خیال کرتے ہیں کہ کیا ہم اس لئے محنت کریں کہ کوئی غلام آئے اور سب کچھ ہمیں لے جائے۔ اور اگر جا رہے تو ہماری ہمسایہ ریاست کے لئے بھی ہمارے پاس کچھ نہ چھوڑے۔ اور دوسری طرف جاگیردار اور صوبہ دار اور مستاجر یہ سوچتے ہیں کہ ہم کیوں اُفتادہ اور ویران زمین کا ٹکڑا کریں اور اپنا روپیہ اور وقت اس کے بار بار بنانے میں لگا دیں کیونکہ نہ معلوم کس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہماری کوشش اور محنت کا ثمرہ نہ تو ہم کو ہی حاصل ہو اور نہ ہماری اولاد کو۔ پس زمین سے جو کچھ وصول ہو سکے کر لیں اور ہماری بلا سے۔ کاشت کار بھوکے مر رہیں یا اُڑ جائیں۔ اور جب ہم کو اس کے چھوڑ دینے کا حکم ملے گا تو ویران اور غیر آباد چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

خدا تعالیٰ خاں نے بھی اپنی تاریخ میں جو اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے صرف بارہ برس بعد مراد شاہ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، مجالِ تاریخِ محمد اکبر کے عہدِ دولت اور اس کے خیرِ خوشِ تہذیبِ راجہ کو درمل کے ذکر میں زمینداروں کی بددش اور مالِ گنہاری کے عہدِ اختلافت کی تعریف و توصیف کر کے پھر اپنے زمانہ کے عاملوں اور مستاجروں کے ظلمِ رستم کی جو دردناک کیفیت نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھی ہے ہم اس کو اس جگہ نقل کرتے ہیں فیضِ اور اس کا ادبِ اجتہاد اورنگ زیب کے بھائی مراکش کے ملازموں میں سے تھے۔ اور اس نے شاہجہاں کے خوش حال عہدِ سلطنت سے لے کر مراد شاہ کے پُر افتال زمانہ حکومت تک بہت کچھ دیکھا بھلا تھا۔ میں فرمایوں گا اُس نے ذکر کیا ہے اُن کی نسبت : ”دیکھنا چاہیے کہ اورنگ زیب کے بعد یا سدا رنگیے مراد شاہ

ہندوئی کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں بلکہ ظاہر ہے کہ اختلافیہ اصولوں کی طرانی کے باعث پہلے ہی سے
 چلی آئی تھیں۔ قولہ امیر نقطہ سے باہوش تجزیہ کار غلامیہ است کہ احوال موافق تقاضائے وضع روح
 کے طریقے ضرور ملکی و رسمیت ہندوی و آبادی ملک و انزویٰ حصول ارضیاں ہر فاسد و محال اجلہ
 دلوں کے سلطنتاں طرح و دیار وادہ بر سر محالیت کی روئے و باعث و بال حال رعایا سے مال گذر ہی گرد نہ
 آتھا۔ اصلاً نظر بحالی آبادی ملک و خرابی حال رعایا نیست و انانگہا متاد و بہ کمال اندون۔ سال و دیگر ملک
 تمام سال نمائند ہر دو حصہ حصول مافروختہ می گیرند و زہے۔ خدائے تری کہ یہ ہیں غلم اکتفا نمودہ کا بہوش
 گام و مارا یہ کہ در تظہ رانی محاسنت در ساند و باز محرم و دیار و مسجدی و نقصان تہدے کے نمودہ
 و فاشیہ و دیار باقی ماندہ رعایا را حتی اشجار میرہ و دروین ملکی و سودی آتھا بغرض خیار و محاسنت
 و طاریہ مفیدان آن ازار عطاہ موجب ویرانی ملک و خرابی حال رعایا می گرد و زانست کہ در کز
 بست کہہ زمین نامزد و عطاہ بجائے زماحت اشجار خار و دار حاسی گیر مسانراں و نشدہ بلکہ
 جائیدادان بصرایا مست لہذا یہ گند و تہدے ماست میر طاعل ہر تہہ خراب و ہوان از کندی حکام پہنچا
 گردیدہ کہ چنی غیر ممکن رہ جائے گشت و اقتدر دیہات غرابہ محض و بے چارے شد کہ نام آبادی ماہ و
 بر فاسد اگر ہی از شامت نفس رعایا و تقاضائے ایام بہ فرجام است کہ مذہب و ملک و زبان ازین
 غراب نمودہ رعایا مال و مال و جند حقائے مال بہ آں گرد و دجا گیر و اما ان گرفتار و بال آہ و عیال فراریں
 مظلوم گزندہ انظم و قدی و دیہاد و حاکمان از خدا کے بے خبر بکائے رسیدہ کہ اگر خرابہ مشر غیر
 آن را با حاطہ بیاہی آرد از سر شدہ کلاہ ہندی اقتدر و سود تکہ کے از مال کوئی ابلہ اندیشہ و موزجہ
 داشتہ باشد و خواہ بہ خلاف دیگر علم بیگانہ خشی و قدی را جزو اعظم مشیہ عالمی نداند و ترے
 بر حال رعایا خرابہ و در ہر وقت حال و رسمت ال گرد و انزویٰ حصول سال بیاں و نیکی عاقبت
 و آل کار خود و فرزندان خود و اندر مردم و دزد و مار و اسفلون ساختہ از جملہ یہ ترکان ناکردہ کار محسوب
 می نمایند۔ ماگر خدا نہ کردہ سال ما بہ تمام در ساند و تئیر گند و خواب و بال غیب سر جندی و فیکہ
 گشتہ بل بال نقصان نایہ و فاسد ہما بہ گرفتاری گرد و۔ چنانچہ کہ بر سود و بانی گشتہ حق
 گشتہ؟ حق ہما نا حقالی ہر چند کہے عاسی را زنی آفت و پناہ خود نگاہ دارد کہین سود و لا احوار
 اس مظهر کوٹہ حکم امید ہے کہ نظریں کتاب کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہو گا کہ ہمارے
 زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی شانستہ حکومت کیسی خیر و برکت کی حکومت ہے۔ ملک کیسے سرسبز اور
 کیا آباد ہے اور رعایا کس امن و امان سے بے غلش زندگی بسر کرتی ہے۔ س م م

شخصی حکومت کے نتائج | میں جو عقائد میں نے بیان کئے ہیں وہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ایشیائی سلطنتیں جلد جلد کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں اور حکومت کے اسی ناقص طریقہ کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے بہت سے شہروں کے مکانات، چکے یا گھاس پھوس وغیرہ سے ملے ہوئے ہیں یا دیہات کے شہر اور قبضہ خواہ بالفعل خستہ حال اور ویران دیہوں کو اٹھا کر بھی نہیں کہ میں ہر جگہ تباہ اور خراب ہو جاتے آٹھار خرابے جاتے۔ اور ہندوستان آج پر کیا مختصر ہے یہ تو ہم سے ایک بہت دور کی سلطنت ہے ہم اپنے قریب ہی کے بعض ایشیائی ملکوں کی حالت کا مقابلہ کر کے شخصی حکومتوں کے بے رحمانہ برتاؤ کے نتیجوں کی نسبت اپنی رائے تمام کر سکتے ہیں۔ مثلاً دریائے جلد اور نوات کے دو کبے کو اہیشیائے کوچک اور فلسطین اور انطاکیہ کے قریب دھار کے عہد میدائیں اور بہت سے اضلاع کو دیکھ لیجئے کہ تدریجاً ان میں کس کثرت سے زراعتیں ہوتی تھیں اور کیسے زرخیز امداد ہوتے اور اب ویران چرے ہیں بلکہ ان کے بہت سے حصے و لڈل ہو جاتے اور آب و ہوا کی غرابی سے انسان کی خورد و خوراک کے بھی قابل نہیں رہے۔ یہی امداد ہناک صورت مصر کی دکھائی دیتی ہے جہاں کی رعایا فلانہ حالت میں ہے اور اتنی برس کے عرصہ میں یہ بے نظیر ملک دسویں حصہ سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس مدت میں کسی نے دریائے نیل کی نہروں کی کچھ خیر نہیں لی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دریائے معمولی پاٹ کے اندر نہیں بہتا اور نیچے زمینیں بالکل فریاب ہو جاتی ہیں۔ اور دیر سے اس عداوت گہنی ہیں کہ بغیر بہت سے مدد سے اور محنت کے صاف نہیں چھلکتی پس ایسی حالت ہی کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے کہ ان ملکوں میں صنعت اور حرفت آزادی ترقی نہ ہو سکی کہ ہمارے خوش نصیب فرانس اور فن ملکوں میں ہے۔ جہاں کا طریقہ حکومت جو ہے کیونکہ کسی منافع سے ایسے لوگوں میں رہ کر اپنے پیشے میں ہی لگانے کی اُمید نہیں کہ مادی جو مفلس اور غریب ہوں یا اپنے تیش مفلس بھلا کر کرے اور چنری کو بصورتی اور عسکری جی جیگر مزب نامی کے اڑاں ہوئے کا خیال رکھتے ہوں اور ہنسے آدیوں کا یہ حال ہو کہ صرف ناشی مرضی سے چیز کی قیمت سے بہت کم قیمت جو چاہتے ہوں دیدیتے ہوں اور کسی کا نظیر یا سوداگر کے اصرار کر کے کی حالت میں اس کو کرڈروں سے چولنے میں بھی ان کو شامل نہ ہوتا ہو کر ڈر ایک لے اور دہشت ناک چاہک کو کہنے میں جو ہر ایک امیر کے دروازہ پر ٹکا۔

ٹھہرا یہاں کے ایام اسیری اور جہاد ملے گی

رہتا ہے، اور کہا کسی منافع کا عملہ پست کر دینے کے لئے یہ امر کچھ کم ہے کہ اس کو کسی
اعزاز کے پائے یا اپنے اور اپنے ہاں بچوں کے لئے کسی منصب سرکاری کے حاصل ہونے
یا زمین کے خریدنے کے اجازت ملنے کی امید نہیں اور اس خوف سے کہ کوئی دولت مندی
کا شائبہ نہ کرے نہ کسی زہم و ہوشاک پہن سکتا ہے اور نہ اچھا کھانا کھ سکتا ہے اور نہ
یہ خواہر کر سکتا ہے کہ اس کے پاس کچھ تھوڑا سا بھی روپیہ ہے۔ ہندوستان کی صنعت
کا نہ لہجہ رہی اور لطافت دت سے چاچکی ہوتی۔ اگر بادشاہ اور بڑے بڑے امراء کے
ہاں بہت سے فارگیر و کرڈ ہوتے جو خود انھیں کے گھروں پر اور سرکاری کارخانوں میں
جینے کا کام کرتے اور اپنے شاگردوں اور لڑکوں کو سکھایا کرتے ہیں اور انعام کی امید اور
اور کوئٹوں کا خوف ان کو محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھتا ہے اور کچھ یہ بھی سبب
ہے کہ جیسے وہ تہذیب تاجرا و سوداگر ایسے بھی ہیں کہ جن کو بڑے بڑے مرا کی سرکاروں سے
تعلق اور توسل ہے اور وہ کاریگروں کو خرچہ مروجہ سے کسی قدر زیادہ مزدوری دے کر کام بنوایا
کرتے ہیں۔ میں نے کسی قدر زیادہ مزدوری "اس لئے کہا ہے کہ یہ تو بھٹا ہی نہ چاہیے کہ
اچھی چیزیں بنانے سے کاریگر کی کچھ قدر کی جاتی ہے۔ یا اس کو کچھ آنا دینی حاصل ہوتی ہے۔
کیونکہ وہ تو جو کچھ کرتا ہے صرف مزدور یا کوئٹوں کے خوف سے کرتا ہے۔ اور چونکہ تول اور
آسودگی حاصل ہونے کی کبھی امید نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر روکھا سوکھا لکڑا کھانے کو
اور مٹا جھوٹا کپڑا پہننے کو مل جائے تو انہی کو نیست بھٹا ہے۔ اور روپیہ حاصل بھی ہو جائے
تو اس کو کیا اکیونکہ وہ تو اس سوداگر کا مال ہے جو خود ہی اس اندیشہ سے ہمیشہ مشغول
رہتا ہے کہ اگر کوئی زہد ست ظلم نہ زیادتی کرنا چاہے تو اس سے کس طرح بچے۔

ہندوستان میں بے علمی اور جہالت | لوگوں کی اس حالت کا قدتی یہ نتیجہ ہے کہ تمام
ملک میں علمی عموم بے حد جہالت پھیلی ہوئی ہے
اور یہ یہاں ممکن ہی نہیں کہ ایسے دارالعلوم اور کالج قائم ہو سکیں جن کے اعرافانہ کے
لئے کافی سرمایہ نہ دے۔ دفع کے موجود ہر اور ایسے لوگ کہاں جو اس طرح مدرسے اور
کالج قائم کریں اور بالفرض ایسے لوگ میر بھی آجائیں تو طالب علم کہاں اور لوگوں میں

اتنی استطاعت کہاں کر اپنے بچوں کو کالج میں رکھ کر ان کے اخراجات کا انتظام کر سکیں اور بالفرض ایسے نئی مقدور لوگ موجود بھی ہوں تو یہ ہرات کون کر سکتا ہے کہ اس طرح علانیہ اپنی دولت مندی ثابت کرے اور شاید اگر کوئی شخص یہ اعتقاد حرکت کر بھی بیٹھو عہد تعلیم سے جن دنیاوی فوائد کی توقع ہوتی ہے وہ کہاں اور ایسے اعتماد اور اعزاز کے عہدے اور منصب کہاں جو لاجہان طالب علموں کی اُمیدوں اور ایک دوسرے سے بہت بڑے ہونے، شوق کو نہیں رستے رہتے ہیں اور جن کے لئے علم اور قابلیت کی ضرورت ہے۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا حال نہیں ہے بلکہ جب سے اس ملک میں گورنمنٹ چلائی کا مہا لگ آدمی آیا ہے علانہ اور تہا پر رفاہ و فلاح کے دیران صنعت نے اجتماع سے اہل ہندوستان کی تعلیم میں تہذیب کو شش کی ہے۔ اگرچہ شروع میں لگ کے ذائقے کے موافق پڑے طرز پر عملی - تاریخی - سنسکرت زبان وہ پڑھائی جاتی تھی - انگریزی اور علوم موجود پر کم - اور نہ اسے سرکاری درجہ سے ادا کی جاتی تھی - اور نہ ہی اسے اور اہم اسے فخر و تکریمیں جو دس برسوں کی محنت و مشاقق و سخت استقامتوں کے بعد دی جاتی ہیں - مگر آخر کار مہربان سلطنت کے نام ایک نکتہ بحث و مباحثہ اور غور و فکر ہو کر رہے ہوا کہ باشندگان ہند کو زبان انگریزی کے ذریعہ سے تمام علوم و فنون بلا دریغ سکھانے چاہئیں کہ جن کے علم و عمل نے ممالک پر پ کو ان کے موجودہ درجہ کو اہل پر پہنچایا ہے - چنانچہ سٹھ سال سے اس اصول پر تعلیم جاری ہے جس کے انتظام و انتظام کے تحت اہل ملک - مدراس - بمبئی میں جو تینوں پرنسپل ٹیچروں کے صدر مقام ہیں - تین پرنسپل ٹیچروں کی تمام کی گئی تھیں اور اب لاہور اور آلہ آباد میں بھی جو گورنمنٹ پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام ہیں - ان پرنسپل ٹیچروں کے تحت ہیں بڑے شہروں سے - لے کر کفر دیہات تک بہت سے مختلف شعبوں کے کالج اور مدرسے اور کتب ہیں - ممالک و ممالک کی تعلیم میں علانہ علوم اور زبان انگریزی کے عملی - تاریخی - سنسکرت تینوں میں سے کسی ایک زبان کا بعد مناسب جاننا بھی ضروریات سے ہے - اور تعلیم عام اور درجہ فوق کے لئے ہندوستان کے اضلاع مختلفہ کی دیسی بولیوں میں سے انتخاب و ان میں مضامین کا بھی تعین و تالیف و ترجمہ ہو کر طے حال جاتی ہیں - بعض مقامات میں خاص طور کے کالج

شاہجہاں کے اور چاہری اور عہدہ نگینہ

ہندوستان کی تبدلت

جس ملک میں اس قسم کی حکومت ہو وہاں اس پستی اور کامیابی کے ساتھ تبادلت بھی نہیں ہو سکتی جیسے کہ انگلستان میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں کہ جو اپنی خوشی سے محنت اور تکلیف اٹھا کر کسی دوسرے شخص کے فائدہ کے لئے خطرے میں پڑے کو گرا کر ہیں

بقیہ حافظہ منور گذشتہ اور سہلی ہیں جن میں نہیں انجیری۔ طبابت۔ زراعت۔ تاجروں۔ بڑھاپی اور بچہ منات و حرمت۔ خدشہ شرعی و علمی طریقوں سے جگل اٹھا کر اس کی حفاظت کرنا، وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اگرچہ پادری لوگ اپنے فاقہ کتے ہوتے مدرسوں میں مذہب عیسوی کی تعلیم دیتے ہیں اور ہندو مسلمان بھی اپنے فاقہ کتے ہوتے سکولوں اور مدرسوں میں علاوہ تعلیم دنیاوی کے اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں۔ گراؤ و زوال و افستہ سراسر ہیں مدرسوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم مطلقاً نہیں دی جاتی۔ اندازہ کہ اس پچاس برس کے اندر اشاعت علوم کے بارہ میں بہت کچھ بولہے اور چھاپے کے فن کی ترقی نے جس کو گورنمنٹ انگریزی کے زائد سے پہلے اس ملک میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور ویسی زبانیں ہیں انصاریوں اور رسالوں کے شائع ہونے لگے اور ابھی وہ بہت پست حالت میں ہیں۔ عامہ خطاطی کے قواعد عقلی کے شگفتہ کرنے۔ و خیالات کی عام تاریکی کم کرنے میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ لیکن جو کچھ کیا گیا ہے فیاض علمی زبان سلفیت اس کو ابھی بہت محدود سمجھتے ہیں اور علوم و فنون کی اشاعت و ترقی مزید کے لئے پیشہ کو دیکھتے ہیں جاتے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ کی ان ٹیکناؤکریشنوں کی بدولت ایک نہایت ہی مفید نتیجہ میں سے آئندہ کئے بہت فائدہ اور اصل ترقی کی امیدیں ہندوستان میں بولہے کلب فوڈ اینڈ کلائمٹ ایک ایسی چمن و فیروزہ کے عرصہ اپنے فروغ اور اپنے اتہا ہے۔ فائدہ کافی اور بے کام کرنے کی مزید بہتر ہوئے گئے ہیں۔ باطنی تمام قسم کے مدارس میں ۳۵ لاکھ لڑکے اور ایک لاکھ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ کل چھ آنے مدارس کا ہر بار دست سوار کے انتظام میں ہیں۔ ان کی کچھ اور اور انگریزی وغیرہ سرکار سے ہوتی ہے۔ وقت اوصافی گذر رہا سا دہ ہے جس میں سے انٹی لاکھ تو خاص سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے۔ تعلیم کے تمام اصول اقدام کے پیروں میں حصہ کے مساوی ہے اور باقی لوکل ریٹ۔ لوکل فنڈ۔ ۱۔ ہندو اور اوتھاف وغیرہ سے دیا جاتا ہے۔ بولہے علم و ادب تعلیمی استحقاقوں میں اعلیٰ رہتے ہیں ان کو علاوہ علمی اقدار کے کمزور و اہل علم میں ابھی لوگوں میں مل جاتی ہیں۔ یہ ہیں جسے تکمیل کے لئے پوپ باکرہ یا کسی جگہ مدارس انجیری وغیرہ انگریزوں کے مساوی علمی حیثیت میں کامیابی کی سند میں حاصل کرتے ہیں تو ان کو سولی کے ناموں میں کچھ ایسے اعلیٰ حد سے بھی ملے گئے ہیں جو پہلے صرف انگریزوں ہی کے۔ و چند صنف۔ میں من

دوسرے شخص سے میری ملاکتی

ایسا حاکم ہے۔ جو لوگوں کی کمائی ہمیں لینے سے دریغ نہیں کرتا، اور خواہ کتنا ہی نفع کیوں حاصل ہو کھانے والے کو مفلس نہ کرے، پہنچا اور اپنے خوب مسایلوں سے بڑھ کر کھانے پینے میں مختلف دکرنا ضروریات سے ہے۔ مگر ہاں جب کبھی کسی فوجی سردار کے کسی سوداگر کو قسمل ہو جائے تو البتہ وہ بڑے بڑے تجارتی معاملے کرتے گستا ہے۔ مگر اس حالت میں اُس کو اپنے منزل کی غلامی میں رہنا ضروری ہے جو حفاظت کے لئے جس قسم کی شرطیں اُس سے چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔

اُس راتے ہندوستان کی جہالت اور غور | شہنشاہ ہند کو یہ بات عسر نہیں ہے کہ ملاکت

کر سکے جو تہذیبی رئیس زادے اور خاندانی امیروں اور شریفوں کے لڑکے اور بڑے بڑے کارخانہ داروں اور متول سودا گروں کے بیٹے پوتے ہوں اور جنہوں نے بڑی تعلیم پائی ہو اور اپنی ذات اور المار میں معتزلیت اور تنہیدگی کا جہاں اعلیٰ خیال رکھتے ہوں اور جن کو اپنے بادشاہ سے محبت ہو اور دلیری اور دلادری کے کاموں سے اپنے خاندان کی ناموری اور شہرت بڑانے کے لئے مستعد اور بوقت ضرورت اس قابل ہوں کہ اپنی گرہ سے کھاکر دوبارہ فوج میں بڑی کام دے سکیں اور کسی اچھے وقت کی امید پر صرف بادشاہ کے ہنس کر لول لینے اور شاہانہی کہہ دینے پر قانع ہوں بلکہ بجائے اس قسم کے لوگوں کے شہنشاہ ہند کے اور گرد باہل اور وحشی نظام زادہ خوشامدی لوگ رہتے ہیں جنہوں سے بہت ہی ادنیٰ اور ذلیل حالت سے درجہ اعلیٰ پر ترقی پاتی ہے۔ اور ہر دانا داری اور حب الوطنی اور معتزلیت اور سوادگی اور عزت داری کے خیال سے بالکل خالی اور ناقابل برداشت غرور و تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔

سرکاری اخراجات کی وجہ سے | ملک کا حال کثیر مصارف کے سبب بدو و بار کی
رہایا کی تباہ حالی | شان و شوکت قائم رکھنے اور اس بڑی فوج کی
تخواہ ادا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جن کا ہونا

رہایا کے قالم میں رکھنے کے واسطے ضروری ہے، تمام درہم بادہت اور لوگ اسی تکلیف اور مصیبت میں ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتی اور صرف چھوٹوں اور کوڑوں کے خوف سے دھڑل

شاہجہاں کے اہم اسمہری اور عہداروں کی

کے نام و نام کے کام میں لگے رہتے ہیں اور اگر نوج کا دور نہ ہو تو ایسی ہے رحمانہ پہلو کیوں سے مایوس ہو کر کہیں اور بھاگ جائیں یا فساد برپا کریں۔ اور اس بد قسمت ملک کی مصیبت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کہ کسی صوبہ کی حکومت بہت سارے صوبے کے کسی کو دے دی جاتی ہے جو عموماً مروت ہے اور لڑائی اور ہنگامہ کے وقت خصوصیت کے ساتھ جس پر عمل کیا جاتا ہے اور جس کا بالخصوص یہ نتیجہ ہے کہ جو شخص اس طرح پر حکومت حاصل کرتا ہے اس کا مقدم کام یہ ہوتا ہے کہ جو روپیہ اس نے بہت بھاری سود پر قرض لے کر اپنی مطلب براری کے لئے خرچ کیا تھا اس کو واپس کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی صوبہ دار اور جاگیر دار اور مستاجر کو کسی نہ کسی طرح ہر سال بڑے بڑے نذرانے کسی وزیر یا خاجہ سر یا محل کی کسی معزز بیگم یا کسی اور شخص کی خدمت میں کہ جس کو دربار میں ذی اقتدار خیال کرتا ہو پیش کرنا اور اس کے ساتھ بادشاہی صلاح بھی معمولی وقت پر نذرانہ شاہی میں پہنچاتے دینا ضروری امر ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ دراصل صرف ذلیل اور قرض دار غلام ہوتے ہیں اور کچھ بھی جائداد نہیں رکھتے مگر حکومت نے ہی بڑے دان نذرانہ وصول امیر بن جاتے ہیں۔ اور اس طرح تمام ملک میں دیوانی اور برادری پھیلی ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ تمام صوبہ دار اپنی اپنی جگہ پر چھوٹے چھوٹے ذمہ دار بے سامان ہیں جو غیر محدود اختیارات رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے کہ جس کے پاس مظہم رعایا استغاثہ کر سکے اور خواہ کیسا ہی اور بار بار مظہم کیوں نہ ہوا ہو اس کو اپنی وادری کی کسی طرح تسکین نہیں ہے اگرچہ یہ بات درست ہے کہ بادشاہ تمام صوبوں میں "واقعہ دہیں" مقرر کرتا ہے۔ جو کایہ کام ہے کہ ہر امر وقوع میں آئے اس کی اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن ان نا لائق واقعہ دہیں اور صوبہ داروں کے باہم خود ہی سازش ہو جاتی ہے پس وہ مظہم جو رعایا پر چڑھ رہے ان کی موجودگی سے شاد و ناویدی رکھتا ہے۔

حکام کے تقرر کا عمل و آئندہ | ہندوستان کے صوبہ داروں کی طرف سے جو جتنی قیمت چاہے کے عہدوں کی قیمت ہی کا کام دیتے ہیں۔ مگر تاہم صوبوں کی حکومت جس قدر علانیہ اور جلد

جلد سلطان روم کی سلطنت شکنی میں فروخت ہوئی ہے اُس قدر علانیہ اور جلدی سے ہندوستانی میں نہیں کہتی اور ہندوستان کے صوبہ دار روم کی بہ نسبت چونکہ اپنے صوبوں پر قائم ہوئی دیر اور عرصہ تک رہتے ہیں اس وجہ سے بہ نسبت اُس وقت کے کہ جب پہلے پہل وہ افلاس اور پلٹ کی حالت میں صوبہ دار مقرر ہو کر جاتے ہیں رفتہ رفتہ رعایا کی نسبت ان کا ظلم کم بھی ہو جاتا ہے۔ اور ایک یہ وجہ بھی کم ظلم کرنے کی ہے کہ اُن کو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں یہ لوگ ملک کو چھوڑ کر کسی راجہ کی تل داری میں ڈھلے جاتیں، یعنی الواقع اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور روم کی طسرت ایران میں بھی جلد جلد اور علانیہ طور پر حکام کی شہ چلی نہیں ہوتی کیونکہ وہاں اکثر باپ کی جگہ بیٹا ہی حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہ عمل دہا سلطنت روم کے دستور سے اچھا ہے اس کا جہ بھی نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایران کی رحمت روم کی رعایا کی بہ نسبت خوش حال ہے اور ایرانی ادب اور شایستگی میں بھی روم کے محکوموں سے بہتر ہیں۔ بلکہ کسی قدر کتابوں کے مطالعہ اور پڑھنے کھنے میں بھی معروف رہتے ہیں مگر ان تینوں ملکوں یعنی روم۔ ایران۔ اور ہندوستان میں "ایم ایڈ ٹوام" یعنی حق ملکیت کے اصول کو زمین اور دوسری چیزوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور اس اصول کے نہ ہونے سے جو درحقیقت تمام فریبوں اور برکتوں کی جڑ ہے۔ یہ تینوں ملک لازمی طور پر مہر کلی میں باہم مشابہ ہیں اور ایک ہی قسم کا محنت فطیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جلد ہی خواہ وہ میں بالضرور ظلم اور برداری اور مصیبت سے جوان فطیوں کے طبی نتائج میں ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔

غالب من۔ ہر کو خدا کا نہایت شکر کرنا اور خوش ہونا چاہیے
 کہ ہمارے مہاکب فرنگستانی میں بادشاہ زمین کے مالک
 علی الاطلاق نہیں ہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو اس قدر آبادی

فرنگستان کی خوش حالی
 اور ترقی کے اسباب

اور نہ امت کیونکر ہوتی اور ایسے عمدہ اور آسودہ شہر کہاں ہوتے اور شایستہ اور فارغ خیال
 خلقت کس طسرت دیکھنے میں آتی۔ اور اگر یہ بر باد کن علی الاطلاق حق پادشاہوں کو یہاں
 بھی حاصل ہوتا تو اب کی بہ نسبت اُن کی دولت اور ان کی رعایا کی وفاداری اور محبت ہندی
 کی کچھ اور ہی کیفیت ہوگی اور وہ صرف ہمایاں اور سنجان ملکوں اور مشین اور مگرگراؤں کے

بادشاہ ہوتے۔

خفیت ہے کہ بادشاہ اپنی ایسی شریعت الہی اور قانون قدرت سے بڑھ کر ناپائز
 خود مختاری حاصل کرنے کی حرص میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ ہر چیز کو اپنے ہی
 ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار ہر ایک چیز اُن کے ہاتھ سے گل
 جاتی ہے۔ یا اگر حیرت ہی ایسا نہ ہو تا کہ سب کچھ اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ مگر تو بھی اتنا
 تو سرور ہی ہوتا ہے کہ جس قدر مال و دولت کے جمع کرنے کی طمع اُن کو مانگیں وہ اُن کی ہے
 یہ خلاف اپنی اُس آرزو کے اُس کے حاصل کرنے سے ہمیشہ باز رہتا ہے اور محروم ہی رہتے ہیں
 میں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہمارے ملک کا طرز حکومت بھی یہی ہوتا تو ایسے روز سائر ملک
 میں حصول اہل مشہر ترقی کنال اہل تجارت۔ ذہین اہل حرفہ اور تیز فہم کارخانہ دار
 کہاں ہوتے اور ایسے مشہر بھی عراض میں چرس۔ لائیس ڈولز اور مانجن۔ اور انگلستان
 میں لندن یا اور بڑے بڑے مشہر جن کہاں پائے جاتے۔ اور اس قدر تعہات و بہات
 کھڑی نہ ہوتیں۔ و خوض خامیہ اُن پہاڑ اور وادی جن میں نہایت ہوشیار اور ہنرمند
 اور محنت سے زراعت کی جاتی ہے کس طرح دکھائی دیتے اور چارے حاصل کثیر کی جو
 اس محنت اور مشقت کا نتیجہ ہے۔ اور جو بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہے کیا
 حالت ہوتی بلکہ سب کچھ اس خوب صورت تصویر کے برعکس ہوتا۔ اور چارے بڑے بڑے
 مشہر یا موافق ہوا کی وجہ سے سکونت کے قابل نہ رہتے اور ٹوٹے کر کھنڈر ہو جاتے
 اور کسی کو اُن کی مرمت کرنے اور زوال سے روکنے کی فکر نہ ہوتی۔ اور نہ ہی چاہیے
 کہ لوگ چھوڑ کر چلے جاتے اور مہاجرت اس سرے سے اُس سرے تک جماؤ بمشکٹ اور
 گھاس پھوس سے بھر جاتے۔ اور مضر صحت اور دہائی امراض پیدا کرنے والی دلدلیں سطح
 زمینی کوڑھانک لیتیں۔ اور مسافروں کے آرام و آسائش کے قریبے معدوم ہو جاتے۔
 شلہ وہ آتی ہیں جس اور لائنیں کے راستے میں بنے ہوئے ہیں اپنے رعبہ سے گر کر تباہ

لئے لکھنؤ کا ایک ایک گوشے اسکل۔ م۔ م۔ م۔

میں کھڑی ہوں مکان میں لکھنؤ کو کہتے ہیں بوائے ہرپ تبدیل آب و ہوا اور تفریح طبع کے
 لئے آبادی سے دور مضافات مشہر میں بنائے جی۔ نقد۔ م۔ م۔

کا رہاں سراپیں رہ جاتیں اور مسافروں کو خاندان بدوشوں کی طرح ہر شے اپنے ساتھ لے پھرنا پڑتی۔

ممالک ایشیا کی کارواں سرائیں | دغل خاد کے مشابہ ہوتی ہیں جن کے چاروں طرف پلوٹ بھونک کی طرح پختہ دیواریں بنی ہوئی اور پختہ فرش لگا ہوا ہوتا ہے جن میں سیکڑوں انسان معدا اپنے گھوڑوں، بھیروں اور اونٹوں کے نظر آتے ہیں۔ اور گری کے موسم میں تو یہ مکانات ایسے گرم ہوتے ہیں کہ دم گھٹا جاتا ہے۔ اور جاڑوں میں سردی کے ارے مرنے سے بچنے کا کوئی دوسرا بھران بہت سے عوامات کے مسائل کے نہیں ہوتا۔ اس وقت پر اُمید ہے کہ بعض لوگ احتراخا یہ کہیں گے کہ ایسے کئی ملک ہیں مثلاً سلطان روم کا ملک کہ جہاں ای ام اینڈ ٹرام کے اصول کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ مگر پھر بھی دُعا صرف بحال خود تمام اور موجود ہیں بلکہ ان کی عظمت اور اقتدار پر مایوسا ترقی پر ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی زمین اور بڑی سلطنت جیسی کہ سلطان روم کی سلطنت ہے اور جس میں بہت سے صوبوں کی زمیں ایسی طاقتور اور نہ خیز ہے کہ کامل ترود کے بغیر بھی ہر سونے تک اُنس کا دور تمام رہتا ہے۔ بالخصوص دولت مند اور طاقتور ہوتی چاہیے۔ مگر غور کرنا چاہیے کہ مقابلا اُنس کی وسعت اور تعدادی تو ہمیں کے اُس کی دولت اور طاقت کس قدر کم ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی ہی آباد ہے۔ اور اُس میں ایسی ہی ہوشیاری سے کاوش کاری اور زراعت ہوتی ہے جیسی کہ حق ملکیت زمین کے رہا یا کر حاصل ہونے کی صورت میں ممکن ہے تو اس صورت میں بے شک یہ ہونا چاہیے کہ یہ سلطنت ایسی ہی بڑی اور عمدہ تو نہیں ہو کر رکھ سکتی ہے جیسی کہ تدریم زمانہ میں تھیں حالانکہ آج کل تو خاص قسطنطنیہ ہی میں یہ حال ہے کہ اگر پانچ سو ہزار سپاہی بھرتی کر لے ہوں تو تین چھپنے لگتے ہیں۔ چنانچہ میں ترجیاً اس مقام ملک میں پھرا ہوں اور میں نے اس کو جلیب ہی افسوسناک طور پر تباہ اور اُٹھا ہوا دیکھا ہے۔ البتہ عیسائی قلام جو اس سلطنت کے تمام حصوں سے یہاں آتے ہیں اُن سے اس ملک کو کسی قدر مدد ملتی ہے۔ لیکن اگر اس سلطنت کا طرز مکرانی آئندہ بہت برسوں تک ایسا ہی رہا تو بالضرورت اپنی ہی امداد ملی کمزوری کی وجہ سے تباہ ہو جائے گی۔ اگرچہ

شاہجہاں کے اہل حاکمیری اور مہاراجہ

کہ فی الحال یہ کمزوری ہی اس کے قیام کا باعث ہے۔ کیونکہ کسی صوبہ کا کوئی
نہر یا روایا کرتی اور شخص اپنی استطاعت نہیں رکھتا کہ کوئی چھوٹی سی بھی مہم کی تیاری کر سکے
یا اس قدر سہل ہی کہ جو اُس کے لئے کھتی ہوں ہم پہنچا سکے کہ مجیب بات ہے کہ جو سر اس
سلطنت کے زوال کا باعث ہے وہی اس کے چند روزہ قیام کا موجب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان صوبوں میں بغاوت اور فساد کے دو کئے اور اس قسم کے اضطراب
کے انداز کا حل کی غرض سے وہی مجیب و غریب ہر اس ملک کے بھی مناسب حال
معلوم ہوتی ہے جو ملک دیگر کے ایک سر پرستی سے اختلاف کی شئی کہ بہت عرصہ تک زمین کا چرنا
بونا بند کر دیا۔ ملک کو جنگل اور سی جانا اور پچھلی آدمی رحمت ہمسکوں بارڈالی۔ گزریں
سے بھی کچھ دہوا اور اُس کی یہ عرصہ تدبیریں ہی گئی۔ کیونکہ ملک کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔
اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اس ملک کے دلا حکومت مشہور آقا پر تھوڑے سے چینی جو بھاگ کر آئے
تھے نابض ہو گئے۔

مگر ہر حال میں کو تسلیم کرنا چاہیے کہ جیسے ہی غالباً سلطنت دوم کی بالکلیہ برباد
ہو جانے کی کم امید ہے۔ اندھم خوش ہوں گے کہ اس سے زیادہ اُس کی شراب حالت نہ دیکھیں
کیونکہ اس کی ہمسایہ ریاستوں کا تو یہ حال ہے کہ اس پر حملہ آور ہونا تو کیا بیرونی امداد کے
بغیر اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور بیرونی امداد کی یہ کیفیت ہے کہ بعد مسافرت اور عرصہ
اور رقابت کی وجہ سے اُس کے پہنچنے میں دیر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ امداد نامافی
بھی ہے اور ناقابل اعتماد بھی۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایشیا کی
سلطنتیں متضاد تھیں سے کیوں متضاد نہیں ہو سکتیں اور سرحدات کے لوگ جزیہ منظم یا خود
بادشاہ کے حضور میں استغاثہ کیوں نہیں کر سکتے تو میں قبول کرتا ہوں کہ اللہ و اہل بھی ۴۷
توانیں ہیں اور بشرط اُن پر کامل طور سے عمل ہو تو ایشیا بھی دنیا کے اور ملکوں کی طرح
لئے ملک برباد کے باشندے جو کہ بدوہ مت کے پیرو ہیں اس لئے اُن کے مذہبی عقائد اگرچہ یہ ہیں
نہیں ہوتے مگر اصل کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ س م ۷

ہند یہ بودہ دانش کے قابل ہو جائے۔ لیکن جب کہ اُن پر عمل نہ ہوا اور نہ اس امر کا احکام ہو کہہ نور ان پر عمل کرایا جاسکے تو ایسے قوانین سے کیا فائدہ اور جب کہ حکامِ صوبہات اسی مذہب یا خود بادشاہ کے مقرر کردہ ہیں جو اُن کی نسبت دانشِ سننے کی طاقت رکھتا ہے اور جب کہ فی الواقع ایسے ہی ظالم لوگوں کے مراعات کا مقرر کرنا مذہب اور بادشاہ کی جہت سے بھی غلط ہے۔ اور وہ مذہب یا خود بادشاہ کے مذاہمے کے مقرر کئے ہوئے ہیں تو اُن کی دانش کس کے پاس کی جائے۔ اور بالفرض اگر مذہب یا بادشاہ کا میلان خاطر لوگوں کی سماعت دانش کی طرف ہو بھی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک غریب کسان یا مسموم سیدہ کا ریگ چار سو یا پانچ سو میل کے سفر کا خرچ کثیر اٹھا کر در السلطنت تک پہنچ سکے۔ اور اس کے سوا ایک یہ آفت ہے کہ یہ زبردست ظالم جیسا کہ اکثر ہوا ہے مستحیث کو راستہ ہی میں قتل کرا دیتے ہیں یا اُس کو اپنے خاندان میں ڈاکر بدل دیں آتا ہے کہتے ہیں۔ اور اگر کسی اتفاق سے کوئی مستحیث بادشاہ تک پہنچ بھی جاتا ہے تو سب دہرے طرف دار لوگ اصل حقیقت کو چھپا کر کہہ ادا کا اور ہی بادشاہ کو باور کرا دیتے ہیں۔ خوشگوار سب دہروں کو اُن کے صوبہات کا بالکل مالک اور خود مختار حاکم سمجھا جاتا ہے۔ وہ خود ہی بیج ہیں۔ خود ہی پارلیمنٹ خود ہی پریسیڈنٹ اور ڈیپٹی پریسیڈنٹ اور خود ہی اسپیکر و تینیں جرم کہنے والے، اور خود ہی محاصل شاہی کے وصول کرنے والے۔ چنانچہ ایک ایرانی نے ان ظالم اعدائے ملی صوبہ داروں اور جاگیرداروں اور مستاجروں کی نسبت کیا ہی خوب کہا ہے کہ دنیا کا بڑا بڑا گنہگار ہے وہ یہ کہ یہ ملک اور اصل بات تو یہ ہے کہ ان کی عورتوں اور بچوں اور غلاموں اور بیٹوں کے مصاحبوں کے اغراجات کے لئے تو کوئی بھی آمدنی مکتفی نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ملک فرانس کے بادشاہوں کی ملکیت خاص کی زمینیں ایسی ہی جتنی ہوتی جاتی ہیں اور نہایت کثرت سے لوگ ان میں آباد ہیں جیسی کہ رہا یا کی ملکیت کی زمینیں جتنی ہوتی جاتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی سلطنت کا جہاں کا بادشاہ صرف چند قلعوں کا مالک ہے ایسی سلطنت کے ساتھ کہ جس کی کل زمین شاہی ملکیت ہے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ فرانس میں آئین و قوانین ایسے مقبول ہیں کہ اُن کی تعمیل

سب سے اول بادشاہ پر واجب ہے۔ اور جو نہیں اُس کے قبضہ میں ہیں اُن میں حق کسی کا شکار کو حاصل ہے وہ اُس کو ٹاکل نہیں کر سکتا۔ ادا اُس کے کاغذوں اور شاہریاں پر تاقوں کے موافق نالاش ہو سکتی ہے۔ اور مظلوم کسان یا کاریگر بے شک اپنے انصاف کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ایشیا میں کمزوری اور مظلوموں کے لئے کوئی حاکم چاہ نہیں ہے۔ اور تاقوں جس سے تمام مملکتیں منسلک ہوتے ہیں صرف حاکم کا سونپنا اُس کی بے شکاد اور رنگارنگ راتے ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ بعض نواتہ ایسے ہیں کہ درحقیقت حکومت غصہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً دکن کے مداخلت بہت کم ہوتے ہیں اور مقدمات بھی زیادہ مانتے نہیں ہوتے۔ اور جو دادر ہوتے ہیں وہ بہت جلد فیصلہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مقدمات کے انصاف میں طوائف کا ہونا ایک سلطنت کے لئے سخت عیب ہے۔ اور بالخصوص بادشاہ پر اس خرابی کی اصلاح واجب ہے لیکن یہ لوگ خواہ کچھ ہی کہا کریں مگر یہ تو ایسے ان کی اس پڑائی مثل کی بہت بڑھ کر تعریف نہیں کر سکتے کہ ناحق کو باہر بہتر از حق و دوازہ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اس طوائف کے رفع کرنے کا اس سے زیادہ موثر علاج اور کچھ نہیں ہے کہ رعایا کا حق ملکیت شادیاں جانے۔ اور جب یہ حق نہ رہے گا تو بے شمار تاقوں کا درد و انہوں کی ضرورت خود ہی نہیں رہے گی۔ خصوصاً اُن کا رعایوں کی جواہر اور طویل و طویل اور پیچیدہ مقدمات میں ہٹا ہوں۔ مذہب سے بمشروع اور تجروں کے رکھنے کی حاجت ہوگی۔ اور نہ بڑے بڑے دکاندار اور مختار کاروں کی جماعت کثیر کی۔ جن کی گذراوت صرف مقدمات ہی پر موقوف ہے احتیاج ہوگی۔ لیکن کچھ شک نہیں ہے کہ یہ علاج مرض سے چرچا چتر ہوگا اور جو معصیت اس سے ملک پر پڑے گی اُس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور کھانے بمشروع اور تجروں کے جن کی دیانت ادا امانت پر بادشاہ سہو سے کر سکتا ہے رعایا کے لوگ اسی قسم کے حکام جاہل کے اختیار میں جا پڑیں گے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مالک ایشیا میں اگر کبھی انصاف خلسے تو صرف اُن فریب اور کم درجہ کے لوگوں کو لگایا جو تاقوں کو رشوت دینے کا مقدور نہیں رکھتے۔ یا کچھ دسکر جو اُن کے گواہ نہیں بنا سکتے جو جیش بہت سستے اور کثرت سے مل سکتے ہیں اور جو کبھی سزا نہیں پاتے۔

میراج ہوان اپنے کسی برس کے تجربہ پر پہنچی ہے۔ اور بے مختلف ذریعوں سے ان لوگوں

سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور یہ اس تحقیق کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی اور یورپی سوداگروں سے جو عرصہ سے اس ملک میں کاروبار کرتے ہیں اور مختلف سلطنتوں کے سفیروں، خانہ بدوں اور تاجر جماعتوں سے نہایت کوشش کے ساتھ میں ملنے کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ شہادت میرے اکثر ہم وطن سیاحوں کے بیان کے برخلاف ہے۔ شاید انہوں نے کسی شہر میں رات چلتے دو ذلیل شخصوں کو دیکھ لیا ہوگا کہ قاضی نے ان میں سے ایک کے بارونوں کے تلواروں پر سخت جوڑیں لگا کر جلدی سے کچری سے ملے مجرموں کے تلواروں پر قاضیوں کا چہرہ لگوانا جو مصنف نے لکھا ہے۔ چونکہ تعزیر کا یہ وصف طرہ ذوق شرع اسلام کے موافق ہے نہ ہندوستان کی رسوم متعارف میں سے ہے۔ اس لئے کچھ اس کا حال کتنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

نامیچ ہو کہ سزا دی کے اس طریقہ کو ایرانی لوگ موجبِ ذلک یا موجبِ ذلک کہتے ہیں۔ اور پایا جاتا ہے کہ اس ملک میں سیکڑوں برس سے یہ سزا صرف ہندوؤں پر معاشیوں کو دی جاتی ہے بلکہ ایرانی میاں بھی اپنے کبتوں کے شریر لڑکوں کو بھی یہی سزا دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راتے ملک چند بہانوں کی کتاب مصطلحات بہاریم میں جو آج سے ایک سو اڑھارن برس پہلے یعنی ۱۵۱۵ء کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ۔ ملک جو بے باخ طرہائی کہ دہر دوش دس دو جاسواغ کنند و دینا نے دینا بگز و اندہ سلطان ہر دہانے افغان بازی کوش را دوان چند کدہ تاب و ہند آنگا و چو رختہ و چوب ذلک نیز مہات ہر میں مل است علی فراستی گفتہ تا کتب رفتگی گردید پید و ذلک اندہ افغان یا خدم پائے متنا و ذلک + ایضا محمد قلی سلیم گفتہ ہے

را و کتب افغان گفتہ ہنداری کہ ہر کہ است در و شکوہ از ذلک دارو ایضا محمد سعید اشرف گفتہ ہے چون نردم ہوں جہاد البحر فہو یک شمس و چارہ بنے ملک و دود غفل گرنے پائے راہ لا محسن تا غیر گفتہ ہے رود چ غفل سر شکم ہوں ذ کتب چشم نہ ہواش زخرا کا نا دیو غم ملک لا لا الہی ظہری گفتہ ہے گرچہ تا دیب غفل ہر ملک است و کبکشاں ہم ہلے کو ذلک مست و اغلب چ ہے بود کہ در و سا آن کسما بخندہ اور راتے ملک چند کے است و مروج الدین علی افغان آردو نے اپنی کتاب مصطلحات فارسی میں یہی مانا ہدایت میں ہر بہاریم سے چند سال قبل کی تصنیف ہے۔ یوں لکھا ہے کہ۔ ملک کردن لڑے از تعذیب افغان یا خود کہ مطلق کنند و کی واثوہ آویشن است لڑکوں کو سزا دینے کا ایک طریقہ ہے جو آئندہ دہرتے ہیں اور وہ واصل آنگا نکالے

بقیہ حاشیہ منقولہ شدہ۔ کا طریقہ ہے) اور اس آئے نکالنے کے معنی کا اشتباہ اپنے شاعرانہ خیال میں محمد علی سلیم کے ذمہ ہوا بلا شغریہ۔ مناسبت لفظ فلک یعنی آسمان آ کر کے پھر بلا ضرورتی تہرکا کا وہی شعر نقل کیا ہے اور اس میں کبکشاں کو اپنے تصور میں قسم سے شبابِ گروان کر کے عبارت کہی ہے کہ فلکین ازین شعر ظہوری معنی قسم کہ سلطانِ براہمنال زندہ معلوم ہی شود۔ لیکن ظہوری کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ قسم ہے جس سے استادِ لاکوں کو بھیجی ہو چونکہ فارسی زبان کے ان چند دستاویز نامور محققوں نے یہ خوب فلک کے معنوں میں احتمالی باتیں کہی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان کے وقت میں جو سہ صد سال کا حساب لگانے سے مراد، کا یہود سلطنت معلوم ہوتا ہے جس نے سلاطین میں تخت نشین ہو کر سلاطین میں وفات پائی تھی۔ ہندوستان میں یہ مراد وہ مذہبی تھی۔ اگرچہ یہ زبان میں اس طرح مراد دینے کا نام لٹری نہ دے چنانچہ دیوبند کے دانشوری میں ہر زمانہ حال کی مستحکم کتب لغات میں ہے۔ اس کی تصویر بھی کہی ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ وہ اصل یہ لفظ زبانِ فارسی کا ہے۔ اور اٹلی اور فرانس اور ہسپانی زبانوں میں جو لفظ لٹری نیڈ کے لئے عربی اصطلاحات ہیں جنہوں نے زبانِ فرنگی میں پہلے اس لفظ کو جنس کہتے تھے اور اب جن کہتے ہیں۔ اور وہی معنی لکھتا ہے کہ اس کے معنی ہیں بھری یا سونٹے ایک سخت چوٹ اور خصوصاً اس طریق سزا کو کہتے ہیں بھڑکی یا چین وغیرہ سلطنتوں میں اس طرح پردی جاتی ہے کہ مجرم کے تلووں پر لٹھیاں لگاتے ہیں اور اسی کتاب میں اس کی تصویر اس طرح بنائی ہے کہ ایک شخص کو سز کے بل لوندھا لٹایا ہوا ہے۔ اور اس کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک اس طرح اونٹنے کے ہونے میں بھی کہ پاؤں میں تیرنے کے وقت اکثر لوگ کر لیا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں کے برابر دو مضبوط کھونٹے لگاتے ہیں اور اس کے گھٹنوں میں تیسری ڈال کر ان کو ٹھٹھوں کے ساتھ مضبوط باندھ دیا ہے۔ اس طرح سے کہ تلوے دو ڈالیاں ہیں اور اس کے پاس ایک شخص دونوں ہاتھوں میں لٹھیاں اٹھائے کھڑا ہے جبکہ آٹھ کل کے دو ہی ترکوں کا سا یہودی غلام اس پر بٹایا ہوا ہے وہ دوسرے اٹھ کے تلووں کو پیٹ رہا ہے جب خوب دھکے لگی شکل و صورت اور اس کے طریق اشتعال کی نسبت جہاں تک ہم کو اہلِ ایرانی سے معلوم ہو سکا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ٹوٹے کے طور کی کئی دو گڑبیس اور ایک فٹ دوسرے کی کئی کڑی کے دونوں سروں میں سوراخ کر کے ان میں کھاسی کے پتے کی طرح کوئی تین باشت طول کی

باہر نکلوا دیا ہو گا۔ ویسا دو جوان کو۔ سے بھل بابا در معلوم نہیں کون سے الفاظ کی خرابی ہے، یا کچھ اور ایسے ہی ملاحظہ الفاظ کہہ کر جو تضحی لوگ اُس وقت کہہ دیا کرتے ہیں جب کہ اُن کو فریضی میں سے کسی سے کچھ نفرت کی اُمید نہیں ہوتی جلدی سے رخصت کر دیا ہو گا۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ کارروائی کا یہ مختصر طریقہ دیکھ کر اُن کا تعجب بے عمل نہیں۔ اور وہ اسی وجہ سے فرانس میں یہ کہتے ہوئے پہنچ کر۔ واہ واہ کیا خوب اور کیا جلدی انصاف ہوتا ہے اور اسے ماسخی شمار قاضیان ہندوستان فرانس کے بمطریقوں کو تھا۔ اسے نمود پر چلنا چاہیے۔ اور ان بے چاروں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ جموئے شخص کو اگر اس قدر استطاعت ہوتی کہ پانچ سات روپیوں سے قاضی یا اس کے صحریوں کی شمی گرم کر دیتا یا دو چار روپیہ خیر کر کے فوجہ لے گواہ بہم پہنچا لیتا تو بے شک جیت جاتا یا مقدمہ کو جس قدر طول دینا چاہتا رہے سکتا۔

جناب من۔ میں نہایت سچائی سے بھر عرض کرتا ہوں کہ اگر حق ملکیت جائداد داخل کر دیا جائے تو غلام بے انصافی۔ اخلاص۔ اور وحشت اُس کے لازمی نتیجے ہوں گے اور زمین کا بددعوت موقوف ہو کر ملک مسلمان اور دیران ہو جائے گا۔

خدا مدد کلام یہ ہے کہ اس سے ارفاء اور قوم بدوزن کی تباہی اور مہادی کا راستہ کھل جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں انسان اسی امید پر محنت کرتا ہے کہ اس کا پھل اُس کو بقیر حاشیہ ضرور گذشتہ ایک ڈیہیلی دسی یا تھمڈو اسے رکھتے ہیں اور جب محرم کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اُس کے پاتوں کو لول اُسی دسی میں بل دے کر کس دیتے ہیں اور بعد ازاں وہ آدمی اس ڈنڈے کو دو لول مردوں سے پکڑ کر محرم کے تلوے اس طرح سے دو آسمان کر دیتے ہیں۔ گویا گھڑے کی فصل بندی کرتے ہیں اور تیسرا شخص اکثر درخت ہلکے شاخوں سے ہر چمک دہر ہوئے کی وجہ سے دام مال کی لٹا اسے نگر بندی کے ضرب بید کا سا جو مردوں و معاشروں کی پشت پر لڑتے ہیں کام دیتے ہیں محرم کے تلووں کو پٹیا ہے۔ نو شکرتا چمب سے دو شاخیں مراد اور تلک سے وہ ڈنڈا اور دنی زمانہ ایمان کے گتھیں ہیں اُس ڈنڈے کو تلک بھی کہتے ہیں چارے ایک ایمانی دوست نے بیستی سے کتب کے بچوں اور چرووں کی سزا کے طریق میں جو فرق لکھا ہے بہتر ہے کہ اُس کو انھیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ وہ ہوتا۔

موجب زول مخصوص حکام و ملاطین است کہ مذکورہ فیرو و لانیہ ہی کنند و لے تلک و کتب بناد مخصوص بہ اطفال کو چمک است موجب آن یک مرد و شاخ انا را یک دو طفل و گیر گزند خود معلوم

شاہجہاں کے لایم اسیری اور صہاؤنگے صیہ

اور اس کی اولاد کو ملے اور یہ اُسید ہی ہر ایک خاندان مند اور عمدہ شے کی بنیاد ہے ۔ اور
اگر ہم دنیا کی سلطنتوں کی حالت پر نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی ترقی یا زوال
صرف اسی اصول کے لحاظ یا عدم لحاظ پر متوقف ہے مختصر یہ کہ اسی اصول کے عمل و رد آمد یا
اس سے غفلت کرنے کا نتیجہ ہے جو ملکی کے حالات میں الٹ پھیر ہوئی رہتی ہے۔

قبیہ حاشیہ سلوگہ شستہ ۔ اُن کے برکت پائے لعل کہ چندان صدمہ و غم ہوئے گا شنگاں شہر کی قبیہ
کا زندہ برکت پائے شخص مجرم کہ تمام پائے شخص مجروح کی شود و خون کی آید جسے ہی زندہ کر سکیں
ظلم پائی غم و غم ہی شود پسیدہ جا ست ۔ حال و ایران مروج است فقط س م ج

کوچ بہار اور آسام پر میر جملہ کی فوج کشی

یہ ہم دیکھا کہ ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے، مغرب آسام ہی پر نہیں جرتی تھی بلکہ کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی دھت میں فوج کشی کی گئی تھی۔ اور اصلی سبب اس کا یہ تھا کہ مختلف علاقوں کے اخیر میں جب شاہجہاں کی بیماری نے طول پکڑا اور طرح طرح کی افواہیں پھیل گئیں۔ حدود سلطنت میں فتنہ پیدا ہوا۔ اور چاروں شاہزادوں نے ایک اور محرم ہوا اور شجاع جنگالہ سے چھن کو پکڑ لیا۔ تو کوچ بہار کے راج گنار ناتھ بہمن خاں نے بھی یہ بل پل دیکھ کر بادشاہی علاقہ یعنی گھوڑا گھاٹ کو لوٹ لیا۔ اور وہاں کی رعایا میں سے ایک جماعت کثیر کو جس میں اکثر مسلمان تھے قید کر کے اپنے ملک کو لے گیا۔ اور اس پر بھی میں ذکر کے ہولانا تھا اپنے وزیر کو ایک امیرہ منیم کے ساتھ کامروپ کے علاقہ تھملا کر لینے کے واسطے بھروسہ کیا۔

آسام کے راجہ جی سنگھ نے جو اس سے جدا جواز بردست تھا جب یہ حال دیکھا تو اس نے بھی ایک لشکر عظیم خشکی اور قری کی راہ سے علاقہ کامروپ پر روانہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کامروپ کا بادشاہی فوج دار کوچ بہار اور آسام کے لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر اور جنگالہ کے صوبہ دار (سلطان شجاع) سے کمک پہنچنے کی امید منقطع سمجھ کر ہٹا نکیر نگر دراج محل کو بھاگ آیا۔ اور چونکہ سمولانا تھ بھی خود کامروپوں سے کمزور نہ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ کوچ بہار کے علاقہ کے لوگ ناراضی کی صورت پر پہنچے ہیں۔ اس لئے فقط ناراضی ہمیشہ یہاں کے راجہ کے نام کا جواز اخیر ہوتا ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے یہاں کے سونے کے سنگر بھی ناراضی کہتے ہیں۔ اور طاقت خاندان کے باعث سے کوچ بہار۔ اور آسام کے راجہ اس زمانہ میں اس طرف کے لوگوں کی نظر میں بہت مغرور و عزم خیال مکتے جاتے تھے۔ اس کی ریاست جنگالہ کے شمال و مغرب میں اہل شمال پہنچ کر اس کے طول اور پچاس کوس کے عرض میں دس لاکھ روپے آمدنی کی تھی اور دریائے منگروف جوتھ اور جنگالہ میں بہتا ہے۔ آسام اور کوچ بہار میں حد داخل قلعہ میں

بھٹک چھپے ہٹ گیا۔ اس وجہ سے آسام والوں نے بے مقابلہ مزاحمت بادشاہی ملک پر مسلط ہو کر خوب لوٹا اور اپنے دستور کے موافق بہت سی رعیت کو پکڑ کر قیدی بنا لیا اور یہاں تک بڑے کہ بے روک ٹوک جہانگیر گھر سے تقریباً پانچ منزل کے فاصلہ پر موضع ست سلاہ گند کری باڑی میں اپنا تھکانا بٹھا دیا۔

یہ اسامی اپنے زہرہ ست اور فرود تھے کہ پہلے بھی کئی بار ایسی حرکتیں جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں کر چکے تھے۔ چنانچہ ایک بار سیدالکر کو جہانگیر کا ایک امیر تھا سعد اُس کی فوج کے جہاد پرہ کے پاس سے اور دوسری دفعہ شعلی میر عبدالسلام حاجہ کے فوجیوں کو شاہجہاں کے زمانہ میں گواشی سے پکڑ کرے گئے تھے اور کبھی بھی کسی مسلمان بادشاہ سے مغلوب نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ ایک تو یہ لوگ وحشی فصیل اور جنگجو تھے۔ علاوہ میں ان کا ملک بسبب کو ہستان اور ندی نالوں، مینق دریاؤں، جنگلوں اور ناقابل گذر جڑوں وغیرہ کے سبب تدریجی طور پر محفوظ تھا شاہجہاں کے عہد میں مذکورہ بالا واقعہ کے باعث اگرچہ میر عبدالسلام مخاطب بہ اسلام خان صوبہ دار بنگالہ نے خاص اپنے بھائی کو سپہ سالار بنا کر آسام پر فوج کشی کی تھی۔ مگر یہ حملہ آور سردار صوبہ بنگالہ۔ اور آسام کی سرحد موضع کبلی سے ہنزہ آگے نہیں بڑھا تھا کاسے میں شاہجہاں نے میر عبدالسلام کو اپنا وزیر مقرر کر کے شجاع کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مامور کر دیا۔ اور جیسا کہ شخصی از اوت اکثر امور سے رہ جایا کرتے ہیں اس تغیر و تبدل میں ہم ناتمام رہ گئی تھی۔

میر جملہ کی راج محل میں آمد | قصہ جب میر جملہ مالگیر کے قیسے سال جلوس میں شائع نامور مدبر کی لیاقت اور شجاعت کی شہرت سے اور یہ دیکھ کر کہ وہ شجاع کو کیسی کامیابی سے مغلوب کر چکا ہے۔ اپنی مذکورہ بالا چٹھی قدیمی اور حمایت کا خیال کر کے خائف ہوا۔ اور وکیل کے ہاتھ میر جملہ کی خدمت میں ایک معذرت نامہ اس مضمون کا بھیجا کہ ہم نزاع ہمارا دشمن ہے اور وہ چاہتا تھا کہ کامروپ کے ملا تہ پر جو قدیم زمانہ میں آسام سے شعلی تھا متصرف ہو جائے۔ اس سبب سے سہری فوج نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تھا اب جس کو حکم ہو سونپ دیا جائے۔

میر جملہ نے معلومت و وقت سمجھ کر اس کی معذرت کو قبول کر لیا اور وکیل کو خلعت دیا۔

اور رشید خاں کو معذور اور چند سرداروں کے متنبین کیا کہ آسامی جو اس قاراداد کے مطابق علاقہ کامروپ کو خالی کر کے مناس ندی کے کنارہ تک ہٹ گئے تھے جا کر قبضہ کر لے۔

اس کے بعد ہم تاریخی نے بھی کچل کچل کر معذرت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس راجہ نے باوجود بادشاہی باج گزار ہونے کے عداوت کے خلاف پگتائی کی تھی اس لئے میر جملہ نے معذرتوں شرکے وکیل کو تہد کر دیا۔ اور راجہ سوجان سنگھ جندیلہ اور مڑا بیگ اپنے ایک ذاتی ملازم کو کچھ اپنی ادھ کچھ بادشاہی فوج دے کر اس کی گستاخی کی مڑا بیگ اپنے کچھ سپاہیوں کو روانہ کر دیا۔

چونکہ راجہ سوجان سنگھ نے شہر کو پچ بھار کے قریب پہنچ کر یہ اندازہ کیا کہ اپنی موجودہ محسوس سے وہ اس کو فتح نہیں کر سکتا۔ اس لئے تاجدار کھ دوا کے ساتھ جو کچھ بہاریں داخل ہوئے کے لئے معذور و روانہ تھا ادھ جس کا ذکر تفصیل آگئے آئے گا ٹھہر گیا۔

اور سرحد آسام پر یہ معاملہ پیش آیا کہ رشید خاں جو بلحاظ قوت فوج اندازہ اختیاط کسی قدر جھجک جھجک کر آگے بڑھتا تھا اس باعث سے آسامیوں نے ان کو ضعیف سمجھ کر ایسے وعدہ کا خیال چھوڑ دیا اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

میر جملہ کی فوج کشی آخر کار جب شجاع تباہ و برباد ہو کر بنگالہ سے اراکان کو چلا گیا اور میر جملہ نے اس کے تعاقب سے فراغت پائی تو کو پچ بھار اور آسام کے معاملات پر متوجہ ہوا۔ اور ان دونوں پر خیانت، خود فوج کشی کرنا مناسب سمجھ کر بادشاہ سے اجازت منگائی اور ان تمام سرداروں اور امیروں سمیت جو شجاع کی مہم میں اس کے ساتھ نامور تھے حضور پر سے رحمت کا نشان بنگالہ کے نقشہ پر نہیں لگا، انصار معلومیں ربیع الاول سنہ ۱۰۷۰ کو رمضان سال چہارم جلوس مالگیر گی، برسات کے بعد کشتیوں میں روانہ ہوا۔ اور بمقام بری تلا ہو بادشاہی ملک میں کو پچ بھار کی سرحد پر پتھا جائیگا۔

دانشمند ان قوم انگریزوں کی روایات حال کی طرح جو اندازہ دوا اندیشی سپہ سالار ہند کے دفتر میں ہمیشہ ایک مستقل محکمہ ہی اندرونی و بیرونی ملکوں کی منہیت ہر قسم کی معلومات جمع کرتے رہے کا قاسم رکھتے ہیں اس وقت چپری جینی کے یہ سامان کہاں تھے کہ اس سرحدی ریاست کے راستوں وغیرہ کے حالات سے اس کو واقفیت ہوئی۔ اس سے ناچار۔ وہاں تک کراش ملک میں داخل ہونے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا اور بعد تحقیقات

یہ تین راستے دریاغت ہوئے۔

ایک ولایتِ ممبورنگ کی طرف سے دوسرا بادشاہی ملک کی سمت سے جو کچھ دوار ہر کر جاتا تھا۔ اور چوتھے راجہ سبھان سنگھ اور مرزا بیگ نے داخل ہونے کا قصد کیا تھا۔ تیسرا راستہ گھوڑا گھاٹ اور رنگا ماٹی کی جانب سے۔ سوائے ان تین مشہور راستوں کے بادشاہی ملک کی طرف سے ایک اور بھی غیر متعارف راستہ تھا۔ چنانچہ میر جمل نے بوجہ خاص اُس کو اختیار کیا۔

شہر کوچ بہار کا محل وقوع | شہر کوچ بہار اُس وقت اس طرح واقع تھا کہ اُس کے گرداگرد دلت ہائے دراز سے ایک نہایت عریض اور مرتفع بند جس کو اُس ملک کی اصطلاح میں آل کہتے تھے چوبیس کوس کے دور میں بطور حصار کے بنا ہوا تھا۔ جس کے اعداد صرف یہ شہر لگے کسی پہنچنے بھی تھے۔ اور اس بند کے گرداگرد ایک بہت خندق کے علاوہ بانس اور بید اور آڑ و خنوں کا ایسا گھنا جنگل تھا کہ جس میں سے جانور بھی بھٹکل گذر سکے اور اس بند میں چند محکمہ دروازے تھے جن پر بڑی بڑی توپیں اور بسی بسی ہندو توں اور زخروک وغیرہ سامان جنگ کے ساتھ نگہبانی کے تھے راجہ کی فوج ہر وقت تعینات رہتی تھی۔ اور ان سب میں سے بڑا دروازہ جو شہر کے محاذی واقع تھا اُس کو کچھ دوار کہتے تھے۔

میر جمل نے جو راستہ اختیار کیا تھا اگرچہ اس طرف آل کا عرض اور ارتفاع کمزور تھا لیکن دریاں ہائے اور بانس کا گھنا جنگل اس شدت سے تھا کہ پیم زانی کو اس طرف سے حملہ ہونے کا ذرا بھی وعدہ نہ تھا۔

میر جملہ کی فتحِ یابی | میر جملہ نہایت محنت کے ساتھ کوچ بکر پچ غدی ٹالوں کو موردِ کرن اور جنگل کوٹاٹا ہوا قلعہ جمادی الاول سنہ مذکور کو آل تک جا ہی پہنچا اور حلیف سے مقابلہ کے بعد اُس سے ہار ہو گیا۔

پیم زانی جو اسی جنگل اور آل کے بھروسہ پر ساری فریادیں اور سرکشیاں کرتا تھا شہر کو خالی چھوڑ کر ادراہل و میال کو ساتھ لے کر سوٹھٹ کے بلند اور پہاڑی کوہستانِ راجہ شہر کوٹ سے واپس لوٹ گیا۔ یہاں تک کہ اُس کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کی اصطلاح میں لفظ ولایت کا اطلاق ایسے علاقوں کی نسبت کیا جاتا تھا جو بادشاہی حکومت سے آزاد اور خود مختار ہوتے تھے۔ اس طرح شہر سوٹھٹ میں ہیں کو آج کل انگریزی فہرستوں میں اکثر بھوٹان کہتے ہیں جیسے درجہ راجہ ہوتے ہیں۔

کے پاس جو ایک سو بیس برس کی عمر میں مرد مرناض - تارک لذات اور صرف کیلہ اندوہ کی غذا پر جینے والا اور باوجود کہ جن کے تندرست اور صحیح القویٰ اور نہایت منصف اور رعیت پروردہ سے متکاہر و متخا چلا گیا اور میر جلا ششم جمادی الاول سنہ ۱۰۱۷ھ کو اس مہم پر روانگی سے تھمینا ڈیڑھ بجنے کے بعد) شہر کوچ بہار پر قابض ہو گیا۔

مالگیر نامہ میں لکھا ہے کہ فتح مندوں نے اس ملک کو طرح طرح کے پھولوں اور پودوں اور سیاہ مربع اور دائرہ اقسام کے خوبصورت درختوں سے ایک قدرتی باغ کی طرح نہایت ہی سرسبز و شاداب پایا۔

مگر وہاں کے سیاہ فام اور تھکان صورت دینی گورکھینا، زن و مرد صحت و جمال اور صاحت و دلالت سے عموماً محروم وحشی اور جنگلی غصلت تھے جن کا حربہ تلوار و ہندو کی علاوہ زیادہ تر زہر کے بجائے تیر تھے۔

لیکن راجہ کی نہایت گھما ہے کہ اُس کی طبیعت رزینت و نفاست صلی و مشرت اور صفائی و لطافت کی جانب نہایت مائل تھی اور اُس کے مکانات - خلوت خانہ دیوان خانہ - حرم سرا - خواص پلوہ - حمام - باغیچے - بہر - نوارہ - آبشار وغیرہ بہت باقرینہ اور طرح دار رزینت و مختلف کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور شہر بھی بہت اچھے طریقہ سے بسا ہوا تھا۔ اور اکثر کوچوں اور بازاروں میں نصایح اور پھولوں کی کیا ریاں تھیں اور ناگ کیسر اور کپتار کے خوبصورت و رخت گئے ہوئے تھے۔ اور یہ صفائی اور نفاست کی باتیں ہوائیوں نے وہاں جا کر دیکھیں ایسے جنگلی لوگوں کے ملک میں اُن کی توقع کے نہایت ہی خلاف تھیں۔

القصہ جب سب طرح مل و مل ہو چکا تو دوسرے دن سید صادق صوبہ بنگالہ کے صدر و متولی و قاف نے میر جلا کے حکم سے بیج مزائن کے سب سے اونچے محل کی جدت پر چڑھ کر دگو یا اہل اسلام کی فتح کے علامت کے طور پر اذان دی۔ جو بقول صاحب مالگیر نامہ - اُس ملک میں تحلیل و تکبیر کی پہلی ہی صدا تھی اور بادشاہ کے نام کا مسکہ و خطبہ جاری کیا۔ اور کچھ دوار کے استحکام اور عمارت کو مسمار کرا دیا۔ اور اُس کے گرد و آگد سو سو گز تک جنگل بھی کٹا ڈالا۔ ایک سو چوبیس توہین اور ڈیڑھ سو سے زیادہ زہورک اور رام جنگلی دھواں زانہں ایک قسم کی لمبی ہندو کو کہتے تھے، اور بہت سی معمولی ہندو تھیں اور تھیں حاشیہ صفحہ گذشتہ - ایک دینی دوسرا نہادی دینی راجہ کا لقب دینا اور دینی کا ہم ملج پر تھیں۔

سامان جنگ ضبط کر لیا گیا۔ اور بھولا ناتھ وزیر جو کو پتہ بہار کے مغرب کی طرف بھاگ کر سرنگ کے دشوار گزار جنگلوں میں جا گھسا تھا اس کو بھی بادشاہی فوج نے جا پکڑا اور راجہ کا بڑا بیٹا بشن نارائن جس کو اس کا باپ اکثر نظر بند اور قید رکھتا تھا باپ سے جدا ہو کر میر پٹھ کے لشکر میں آگیا اور ملہنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔

اگرچہ کچھ سپاہییم خانات کی گرفتاری کے لئے ہموٹھٹ کو بھی رواد کی گئی تھی اور اس باب میں میر پٹھ نے ایک ہر رواد بھی وہاں کے راجہ کے نام کھاتھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ منطیقہ فوج جو اکثر سواروں کی ہوتی تھی اس لئے پہاڑ کے نیچے کے حصہ میں کچھ لا حاصل شروع عمل چاکر واپس چلی آئی اور اس کے پروانہ کی کسی نے پروانہ کی۔ اور مصلحتاً یہ بھی چپ ہوتا غرض کہ میر پٹھ نے قولہ دن کو پتہ بہار میں ٹھیک کر نظم و نسق ملک کے لئے اپنے عہدہ دار مقرر ملہ یہ ریاست کی راجہ گورنٹ پٹھانہ کے ماتحت دار جنگ کے قریب راجہ شاہی کی کشتری کے متعلق ہے۔ شمال کی طرف ضلع چلیا گوری کے مغربی داروں سے محدود ہے۔ اور جنوبی طرف ضلع رنگ پور اور مشرق میں گوال پٹنہ اور مغرب میں دیناج پور ہے۔ رقبہ اس کا تیرہ سو مربع میل مربع اور آبادی خلائی چھ لاکھ دو ہزار چھ سو تیرہ ہیں ہے۔ فرماں روا کے حال کا نام و غلطاب مہاراجہ ٹپ اندر پٹھانہ بمحوپ بہادر ہے۔ اور گورنٹ انگریزی سے تیرہ مغرب توپ کی سلامی کا اعزاز اور آدمی بھجور کا فوجی لقب بھی حاصل ہے۔ رتبہ حال کی نا باغی کے راجہ میں گورنٹ انگریزی کے لئے اس ریاست کے طریق نظم و نسق کی بہت بڑی اصلاح کر دی ہے۔ اور اس راجہ کی شائستہ طرز حکومت کے موافق صیحت جات آل ہڈیٹیل پولیس۔ بندوبست۔ تعمیرات عامہ۔ تعلیم۔ اور ٹیلیگراف۔ اور ڈاک خانے اور قاعدہ انتظام جلی خاندان وغیرہ موجود ہے۔ اور ملک کی آمدنی تیس لاکھ تیرہ سو لاکھ روپیہ سالانہ ہے سرکار اس انجمن صاحب کی کتاب عہد نامہ حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ سے پیرا ست گورنٹ انگریزی کی حمایت میں آئی ہے جب کہ وہاں کے خود سالانہ کو بھوٹوں نے عقیدہ کر کے ملک پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور گورنٹ مدد دے ملک کی نصف آمدنی کا خرانہ مانگ کر کے ان کو نکال دیا اور راجہ کو بحال کر دیا۔ اکثر ہمسٹھ میں خد کی قیسی لارڈ ڈرننگ و میرا نے جس کے ہر بار میں بمقام شملہ راقم نے رہیں حال کو دیکھا تھا کہ ایک سالانہ رنگ سکھ کشیہ قامت لڑواں ہیں اور اس وقت فوجی وردی پہنے ہوئے تھے اور اپنے عادات و اطوار لباس و پوشاک وغیرہ میں عورتا لڑکیوں وضع رکھتے ہیں اور مذہب میں برہمن طریقہ کے پیرو ہیں۔

کر دیتے۔ اور خود تینہیں میں حامی الاول کو (شروع کو چے سے تقریباً دو چھینے کے بعد) گھوڑا لگایا کے راستے آسام کو روانہ ہوا۔

آسام کے عمومی حالات | یہاں تک تو ناظرین ریاست کو چے بہا رہیں میر جملہ کے عمل و دخل شاہی سکھ و خطبہ و فیرو کے اجلا کا حال معلوم کر چکے مہم آسام میں میر جملہ کی جنگی کارروائیوں کے کھینے سے بیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی حدود اور حالات طبعی اور دہاں کے باشندوں کے عادات و خصائل اور رسم و رواج و فیروہ کو (غیر طبعی) پر کہ اُس وقت تھے اور جن کو صاحب عالمگیر نامہ نے اپنے طور پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، تو ضیح مطلب کے لئے اول بیان کیا جائے وہاں۔

یہاں کے لوگ اپنے راجہ کو سرگرمی راہ کہتے اور یہ عجیب اعتقاد رکھتے تھے کہ اس خاندان کے بزرگ شہرگ کے راجہ تھے اُن میں سے ایک راجہ سونے کا زینہ لگا کر آسام میں اُتر آیا کچھ عرصہ تک رہتے رہتے یہی حکم پند آگئی اور شہرگ کو واپس نہ گیا۔

ان راجاؤں نے کبھی ہندوستان کے کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی تھی۔ اور جب کبھی فوج بھیجی گئی تو بھتر ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور یہ ملک ہر قدرتی طور پر دشوار گزار ہے اکثر مدکارا سنے روک کر شب خون مار کر یا اور کسی ایسی ہی تدبیروں سے جیسے آسامی ہی غالب آتے رہتے تھے اور اگر مقابلہ سے بھی عاجز آئے تو ریت کو پہاڑ میں بھگا کر اور اشجار، لہجناں لشکر کو جلا پھونک کر ملک کو ویران اور سنان کر ڈالتے تھے اور ہر صبر سات کے دلوں میں رعب و ہاں بہ قہمت ہر تھی ہے، ضیم کو دن رات کے حملوں سے تنہا و غارت کر دیتے تھے۔ اس سبب سے یہاں کے حالات فیروں سے اس قدر بخفی تھے کہ عمرائے مشہد تھا کہ اس ملک کے رہنے والے ساحرا و جادوگر ہیں اور جو کوئی و ہاں جا پھنسا ہے۔ جا وہ کے زور سے پھر باہر نہیں آسکتا۔

جنیہ ہاشیہ سفر گزشتہ۔

بابو کی شب چند میں ساکن کلکذ مقتائے فرقہ برہم ساحت ہر بچا سے ایک غریب آدمی مگر ذی علم اور نیک شخص تھے اُن کی لڑائی سے اُن کی شادی ہوتی ہے اور آج کل مہمانانی صاحبہ سمجھہ بطریق سرور سیاحت لندن میں تشریف فرما ہیں۔ - نقطہ سوم -

آسام کی حدود اور طول و عرض | اس ملک کے طبعی حالات کے متعلق منصف موصوف لکھتے ہیں کہ آسام جو چنگل کے شمال پر مشرق میں واقع ہے تقریباً دوسرے کوس طول کا علاقہ ہے اور عرض میں جنوبی پہاڑوں سے لے کر شمالی تک جھینیا آٹھ دن کا راستہ ہے۔ اور دریائے برہمپوترا جو ملک عطا کی طرف سے ان پہاڑوں میں سے آگے ہے جو آسام اور ملک آسام کے درمیان ہیں۔ طویل آس ملک کے وسط میں سے گزرتا ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے کی طرف جو علاقے ہیں ان کو اترکون اور جنوب کے علاقہ کو دکن کون کہتے ہیں۔ اترکون کے علاقوں کی ابتدا گرا مٹی سے ہوتی ہے جو ملک بادشاہی کی سرحد ہے اور مختلے طول وہ پہاڑ ہیں کہ جن کے باشندوں کو مری اور مٹی (دراہال میں مزے) کہتے ہیں اور دکن کون کے علاقے طویل کو ہستان سری نگر سے شروع ہوا کہ سندیا کے علاقہ پر ختم ہوتے ہیں۔

جنوبی سمت کے پہاڑوں میں مشہور پہاڑ نامروپ کے ہیں جو مہاراجہ کے دارالریاست کھڑگائوں سے چار منزل اوپر ہیں اور ایک وہ پہاڑ بھی مشہور ہے کہ جس کے رہنے والوں کو ناگ کہتے ہیں۔ (جو دراہال میں ناگ مشہور ہے) یہ لوگ اچھے وحشی ہیں کہ سر سے پاؤں تک ننگے رہتے۔ اور گتھائی۔ سانپ۔ چوہا وغیرہ سب چٹ کر جاتے ہیں۔ اگرچہ راجہ کی تابعداری کرتے ہیں گرامی گذاری نہیں دیتے۔ اور وہ پہاڑی جن کو ٹوٹے کہتے ہیں نام کو بھی تابعداری نہیں کرتے بلکہ چھ پہاڑوں سے اتر کر کبھی کبھی راجہ کے ملک کو لوٹ بیٹے ہیں۔ صاحب عالمگیر نامہ مشہور کھڑگائوں کا محل وقوع اس طرح بتاتا ہے کہ گٹھائی سے پچھتر کوس ہے اور کھڑگائوں سے راجہ پیلو کا دارالحکومت مشہور آدھڑا منزل ہے۔ جن میں کوہستان نامروپ سے اس طرف پانچ منزل تک تو جنگل اور دشوار گذار پہاڑ ہیں اور پھر آگے آدھڑا زمین ہوا اور صوابی ہے۔

داوتی برہم چتر کی سرسبز شاہدانی | اس ملک کے مشہور دریا برہم چتر میں جو دریا شمال میں جڑا دریا کے وہنگ جوتے ہیں ان سب میں بڑا دریا کے وہنگ ہے جو آسام کے جنوبی پہاڑوں سے آکر کھو گڑھ کے مقام پر برہم چتر میں گتھا ہے اور ان دونوں دریاؤں کے درمیان پچائش کوس تک نہایت ہی آباد اور سرسبز و خداداد زمین ہے۔ جو جس کا مشہور ایسے دشوار گذار ہیں یہ سولہ ہے جس میں باخشی کبڑت ہیں۔ آسام میں اس جنگل

کے علاوہ چار پانچ بن ہتھی پکڑنے کے اور بھی ہیں اور ان سب میں سے چوبیس پانچ سوچے
تو ہتھی پکڑے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا قلعہ کے علاوہ ایک اور علاقہ جو سیلا گڑھ سے کچھ دُور
تک مغرب پچاس کوں ہے۔ یہ لہلیاتے کھیتوں اور سرسبز درختوں کی کثرت سے ایسا دلکش
اور پُر ہمار ہے کہ تمام مسند بن گویا ایک باغ ہے اور ان گھٹان اور شاہاب اور خوبصورت
درختوں میں رعیت کے گھر بہت ہی خوش نما معلوم ہوتے ہیں۔ غرض کہ عہدِ دروغ و درختوں اور
بات اور میدان اور کھولوں کا ان دولاں قطعوں میں کچھ شمار نہیں ہے۔

آسام کے طبعی حالات اور چونکہ موسم برسات میں اکثر ان نشیب کی زمینوں پر پانی
بہر جاتا ہے اس لئے سیلا گڑھ سے کچھ دُور تک ایک

اچھی چوڑی اور اونچی آل (سڑک) بنی ہوئی تھی جس پر سایہ کے لئے سوزہ نیت کے ساتھ
بانس کے درخت لگے ہوئے تھے اور سوائے آل کے خالی اور غیر مزروع زمین نام کو بھی نہ
تھی۔ میرے اور محلے کی اقسام سے آم۔ کیلہ۔ ترنج۔ نارنج۔ لیمو۔ انناس۔ لوبک۔
پان۔ پونڈہ۔ سرخ و سیاہ سفید پھولوں قسم کا نہایت خرم اور شیریں۔ اور ایک قسم کا نہایت
عمدہ اور خوش ذائقہ آٹہ۔ اور ناریل۔ سیاہ۔ مرغ اور چھالیہ وغیرہ کے درخت کثرت سے
تھے اور کھڑکڑاؤں کے گرد دروازے اور دروازے اور نارنجی بہت تھے اور غلات میں چاول اور
افس کثرت۔ سورگم۔ گیہوں بالکل نہیں ابریشم بھی بہت تھا جس سے شہر اور محل اور دوسرے
اچھے اچھے ریشمیں کپڑے بننے لگے مگر ملک کی اندرونی احتیاج سے زیادہ نہ بناتے تھے۔
تک کیا پ تھا اور اُس ولایت کا اصل خشک جو کیلہ کے درخت سے بناتے تھے
نہایت ہی تلخ تھا۔

قوم ناگ کے پہاڑوں میں عود راگر نہایت عمدہ اور کثرت سے تھا جس کو وہ لوگ
آسام میں لا کر خشک اور فط سے بدلتے تھے۔ عود نامو پ۔ سنڈیا۔ اور کھو گڑھ کے پہاڑوں
میں بھی تھا۔ اور کستور سے بھر بھی۔

صاحبِ عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ دکن کی طرف چلنے پر اور دشوار گزار مقامات زیادہ
ہیں اس لئے آسام کے راجاؤں نے پہلے لیکل مسلمانوں سے اپنا دار الحکومت اسی طرف بنا رکھا ہے
لیکن دریائے برہمپتر کی شمالی جانب کا ملک لحاظ قدرتی خوبیوں اور کثرتِ آبادی کے نہایت
پُر رونق اور اس سے جدا بہتر ہے اور اس طرف کے پہاڑ بھی بہت پتھر کے کنارے کے کمزور پہاڑ

کوس اور زیادہ پنچا لیس کوس کے فاصلہ پر ہیں سب ٹھنڈے اور برافانی ہیں۔ اسی کے باغیچے میں اتنا قوی ہیکل اور وحیہ اور متدول ہیں اور سرو ملکوں کے باشندوں کی طبیعت ان کا رنگ بھی سرخ و سفید ہے اور یہاں وہ سب چورے بھی پیدا ہوتے ہیں چار اور ٹھنڈے ملکوں میں ہوا کرتے ہیں اور اسی جانب تلخہ جہرہ اور گواہی کی سمت میں جرمہ اور درانگ کا پہاڑ ہے تمام باشندے یہاں کے عادات و اطوار و گفتار میں باہم مماثلت رکھتے ہیں اور صرف اپنے پہاڑوں اور قبیلوں کے نام سے ملحدہ و طبعہ تمیز کئے جاتے ہیں۔

پہاڑوں میں مشک اور سرو گائے کی چھریاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ گوشت اور دانگ بھی۔ اور ایک خولی سے سونا بھی نکلتا ہے بلکہ کل آسام کے دیان کی دیگ خولی سے سونا ملتا ہے۔ چنانچہ باہر ہزار آدمیوں سے میں ہزار تک بھی کام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص بلور، سالاد، معمول کے ایک تولہ سونا راجہ کو دیتا ہے۔

آسامیوں کی زبان اور مذہب | آسامی زبان بنگالہ سے بالکل الگ ہے اور مذہب میں بھی ان کا یہ حال ہے کہ خلاف اہل ہندوستان

کے کھانے پینے وغیرہ کی تہذیب سے کسی بات کے مطلقاً پابند نہیں ہیں۔ اور کبھی کے ہاتھ کا کھانا بے تکلف کھا لیتے ہیں اور یہاں تک بے قید ہیں کہ انسان کے گوشت کے سوائے کسی قسم کا گوشت نہیں چھوڑتے۔ بلکہ مردار بھی کھا لیتے ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ گھی بالکل نہیں کھاتے۔ اگر گھی کھاتے ہیں اس کی کو بھی آجاتے تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔

عورتوں کے ہند کی مطلق رسم نہیں حتیٰ کہ راجہ کی انیاں بھی کھلے منہ ننگے سروں ہی پہرا کرتی ہیں۔ آسامیوں کی اکثر چارپائی عورتیں سہتی ہیں جن کو ریج بھی ٹھالتے اور چل بھی لیتے ہیں۔ ڈوڑھی موچکھہ مٹاتے ہیں اور جو نہ مٹا لے اس کو بہت برا سمجھتے ہیں پوشش بنگالیہ نہ ہے۔ پگڑی کی جگہ سروچکھوں کی کپڑا سا لپیٹ لیتے ہیں۔ پاہر کے عوض تہبند باندھ کر اوپر سے ایک پادر اوڑھ لیتے ہیں اور جوتا بھی نہیں پہنتے۔ توت و توانانی جرأت ہے باکی۔ وحشت اور جنگلی پن ان کی صورت اور سیرت سے ظاہر ہے جیسا فی محنت اور خفا کشی کے کاموں میں اکثر دنیا کے لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں اور سب کے سب سخت جان جنگجو کہنے نہ۔ خدا و مکار ہیں۔ رحم و شفقت اللہ و اُلفت سہولتی خرم و رحما اور عفت و وفا اور اہمیت و انسانیت کا نام تک نہیں جانتے۔

راہن سہن | اینٹ پتھر کی عمارت سوائے کھڑکوں کے دروازوں اور مندروں کے اور کچھ نہیں۔ امیر و غریب سب اپنے گھر کڑی سے یا پائس اور گھاس پھوس سے بناتے ہیں۔ راجہ اور اہل کے اُمرا سگھاسن پر اور بڑے سردار اور رعیت کے دولت مند لوگ اُدھے میں جو سگھاسن سے چھوٹا ہوتا ہے۔ سوار ہوتے ہیں گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا۔ اس ملک میں ہوتا ہی نہیں۔

اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ سے کوئی گدھا لے آتا ہے تو اس کو دیکھکر اور رکھکر بہت غرض ہوتے ہیں اور بڑی قیمت دگاتے ہیں اور اونٹ کو زور دیکھکر نہایت ہی متوجہ ہوتے ہیں مگر گھوڑے سے بہت ڈرتے ہیں یہاں تک کہ باغرض اگر ایک سوار سوار آسامیوں پر چل کرے تو سب ہتھیار ڈال کر ہٹاگ جاتیں یا مسلح ہو جائیں حالانکہ اگر کسی پیاوے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو غریب و لیری سے لڑتے ہیں۔

اُس ملک کے قدیمی باشندے دو قوم ہیں۔ ایک آسامی دوسرے کلٹانی۔ اگرچہ کلٹانی سب باتوں میں مقدم ہیں لیکن سپہ گری اور لڑائی سمیٹائی کے سخت کاموں میں آسامیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ چھ سات ہزار آسامی راجہ کے مکان کے گرد ہمیشہ مسلح پہرہ دیا کرتے ہیں اور ایسے کاموں میں انھیں پرا تھام ہے۔ اور راجہ کے جلاوار میر غضب بھی بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں۔ تھوار۔ نیزہ کے علاوہ پائس کے تیرو کمان رکھتے ہیں۔ مگر ان کے قلعہ اور لڑائے میں تو یہیں اور کشمی ہندو تھیں بھی ہوتی ہیں اور ان کا چلانا خوب جانتے ہیں۔

میر جملہ کا آسام میں داخلہ | اس ملک میں داخل ہونے کے لئے میر جملہ نے تین سو پانچ ہجادی الاول کو کوچ بہار سے گھڑا گھاٹ کی طرف کوچ کیا اٹھایا میر جملہ کو دریا۔ تے میر جملہ کے کنارے پہنچ کر رنگائی میں جہاں یہ دریا پہاڑوں سے باہر نکلتا ہے جاؤ۔ چھ مکر دوڑوں طرف کے پہاڑ بہت بلند اور لشکر کے لئے نا قابل گذشتے۔ اور باوجود اس کے کہ دریا کے دونوں کنارے بن اور جنگل اور دھلن اور پانی کثرت سے تھا مگر اُس نے براہِ دو مانند لپٹی دریا کا راستہ اختیار کیا اور دریا کے کنارے جنگل کو کاٹ کاٹ کر راستہ بنانا چاہا تھا۔

یہاں تک کہ سٹیم جہادی الاذکر بہرام جو کی گھٹا جگہ گرا ٹھی سے چلتی کر میں ہے اور

شاہجہاں کے اہل امیر و سرداروں کے یہ

وہاں سے راجہ کا دارالحکومت کھرگاؤں ایک جیسے کا راستہ تھا جا پہنچا۔ یہاں برہما پتر کے کنارے
پہاڑوں کا ایک بہت مضبوط قلعہ تھا اس کی غزنی دیوار چھوڑے حملہ آوروں کا راستہ تھا
پہاڑوں کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی اور سمت جنوبی دریا سے برہما پتر سے محفوظ تھی اور مشرق
کی طرف دریا سے مناسب قلعہ کی دیوار کے ساتھ گدڑا ہوا دریا سے برہما پتر سے جاملتا تھا
اور شمال کی طرف حفاظت کے لئے خندق کے علاوہ پہاڑ اور گھٹا جنگل تھا اور علاوہ اس کے
حملہ آوروں کی روک کے لئے باغیوں کو نیزوں کی طرح تلاش کر جا بجا دور تک گاٹا ہوا تھا
جس کو ان کی زبان میں "بھانچا" کہتے تھے۔ پندرہ ہزار فوج مسدود قلعہ میں داخل تھیں۔
بہت جگہ کشتیاں مسدود سامان دریا میں موجود تھیں اور اس کے مٹاؤ کی پارکوہ
بغیر تھیں۔ ایک دوسرا قلعہ بہت مستحکم اور ایسے موقع کا بنا ہوا تھا کہ اگر پہلے قلعہ پر شکست
ہو تو فوج لڑاؤ میں جھجک کر باقی دوسرے قلعہ میں چلی جائے۔ اور چونکہ اس تنگ مقام میں
دریا سے برہما پتر اس طرح دو شاخ ہو گیا تھا کہ بیچ میں کچھ زمین ٹاپو کے طور پر تھی اس لئے
آسامیوں نے فوج کو یہاں پر اس ارادہ سے قائم کیا ہوا تھا کہ جس کتابہ سے دشمن کی سپاہ
گذرے گی اس پر آگ برساتیں گے۔

میر جمل نے یہ تدبیر کی کہ ایک حصہ اپنی فوج کا دریا کے دوسرے پار لے گا اور کچھ سپاہ کو
کہ ہو گی بھانچے کے عقب میں دریا سے مناسب جگہ کاٹنے کے لئے اس غرض سے مامور کیا
کہ اگر آسامی قلعہ چھوڑ کر جنگل کو بھاگنا چاہیں تو راستہ نہ پاسکیں۔ اور فوج کا بڑا حصہ ساتھ
ساتھ کشتیوں میں چڑھا کر اس طرح سے روانہ کیا کہ دریا کنارہ کی فوج اور کشتیاں ایک
دوسرے کی مدد کے لئے ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔

میر جمل کی اس تدبیر کو دیکھ کر آسامیوں نے یہ خیال کیا کہ اگر حملہ آوروں نے قلعہ چھین لیا تو
جنگل کی طرف بھاگنے کا راستہ مسدود ہو چکا ہے اس لئے خوف زدہ ہو کر لڑاؤ میں جھجک
لڑنے کو توجہ دی مگر ایسی نامردی کی کہ باوجود ایسے مضبوط قلعوں اور مقام قلب کے کہ جس کے
باتھ آجائے کی حملہ آوروں کو ایسی آسانی سے قلعہ دشمنی زحیف سے مقابلہ کے بعد اس قدر بے
سر و پا ہو کر بھاگے کہ کچھ تو جنگل کو بھاگتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے غرق اور گرفتار ہوئے۔
ایک لڑاؤ تالیس کشتیاں اور چھوٹی بڑی چولہے تھیں اور بے شمار ہندو تھیں اور بہت سامان
و بارود وغیرہ سامان جنگ چھین لیا گیا۔

میر جملہ کی پیش قدمی | اس کامیابی کے بعد دونوں تلووں پر قبضہ کر کے گواہٹی پہنچنے کی تدبیریں کی گئیں یہاں تک کہ اکیسویں جمادی الثانی کو میر جملہ گواہٹی کے نزدیک جا پہنچا۔ شاہجہاں آسامیوں کے پھر دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک ہتھام سری گھاٹ پہاڑ کے دامن میں۔ اور دوسرا اُس کے محاذی دریاے برہمپتر کے اُس پار کوہ ناخو کی چوٹی پر اور ایک لاکھ سے زیادہ آسامی اُن دونوں تلووں میں جمے تھے۔ میر جملہ نے یہاں بھی وہی چال چلی اور اپنی فوج کے ایک سوار کو قلعہ کی سمت شمالی پہاڑ پر آسامیوں کے بھاگنے کا راستہ کھنچا اور کیا۔ چنانچہ اس تدبیر کے نتیجے سے وہ لوگ ایسے خائف ہوئے کہ رات کے وقت کشتیوں میں بیٹھ کر خود بخود بھاگ گئے اور کچھ خشکی کے راستے سے فرار ہوئے اور کچھ فوج لے کر واپس آئے۔ اُس پار حملہ کر کے قتل کر ڈالے اور موضع کھلی میں قلعہ کا نام دے سات کوس آگے جو ایک اور بہت مضبوط قلعہ تھا اس کو بھی خالی کر گئے اور میر جملہ سری گھاٹ اور ناخو اور موضع کھلی کے تلووں اور گواہٹی پر جو بادشاہی ملک کی قدیم سرحد تھی بے کھٹے قابض ہو گیا۔ ایسے مستحکم اور سازد سامان دے قلعے تھے کہ اگر آسامی کچھ دلیری کر کے ہر سات کا موسم آ جاتے تک ثابت قدمی اختیار کرتے تو بے شک آسام کا نفع ہونا خود حملہ آوروں کی دانست میں غیر ممکن تھا۔

سیلا گڑھ کی لڑائی | مذکورہ بالا تلووں اور گواہٹی پر قبضہ کرنے کے بعد میر جملہ نے کچھویں جمادی الثانی کو بھڑکھڑ کے مشہور قلعہ کی طرف رجوع کیا۔ جو دریا کے سر ہا پتر کے شمالی کنارے پہاڑ تراش کر تین حصوں کے اندر اور اُس کے گرد دریا کے پیرا کا پانی چھڑک کر جو دریا کے طے ہو جاتا تھا اس کا پتہ کیا۔ لہذا وہ تھوڑے اُن کی منزل مقصود یعنی راجہ کا دارالحکومت کھڑکلاں (اس دریا کے جنوبی کنارے کی طرف تھی اور اسی سمت میں سیلا گڑھ اور کلیا برکا قلعہ کھڑکلاں پہنچنے میں سیدھا تھا۔ اس وجہ سے میر جملہ سیدھا بھڑکھڑ کے محاصرہ و فیر میں کوشش کر رہے تھے اور تھوڑے اوقات خیال کر کے سیلا گڑھ اور کلیا برکا کے مابین نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چند دستاویز کے جلد گروں کی آستانی لونا چھاری اور ان کے گرد گھنٹال میاں۔ اسٹیل ہوگی جن کے فیضان نام بادلوں کے منتر میں کامیاب رہیں گے ساتھ ایسی باتوں کے متفقہ اکثر جہاں کرتے ہیں اُن کے اور کو کم گھا کے مندر اس جگہ قلعہ نامہ کے متعلق پہاڑ کی چوٹی پر نیچے سے اوپر تک قریب ایک ہزار ذریعہ کے پھر تراش کر بنائے ہوئے ہیں۔ م۔ م۔ ج

فتح کرنا حصولِ دعا کے لئے مقدم کیا۔ اور فوج کو ہمدردی کی طرف سے اٹھا کر چند مہینے کشتیوں کے اُس پار تارنا شروع کیا۔ اگرچہ بینِ حالتِ عبور میں طوفان آگیا۔ اور آدمیوں کی فزیت سے کچھ نقصان بھی ہوا۔ مگر جس طرح بنا و دقیق دن کے عرصہ میں کل لشکر کو پار کنار کر گیا۔ عرصوں میں جب کو سیلا گڑھ کے قریب جا ڈیرہ کیا۔

دراصل سیلا گڑھ اور کلیا پر کو ایک ہی قلعہ کہنا چاہیے۔ مگر حصارِ بیرونی کو سیلا گڑھ کہتے تھے اور قلعہ اندرونی کا نام کلیا برکتھا۔ اور اگرچہ قلعہ کلیا میں بھی بہت ہی مضبوط تھا۔ مگر سیلا گڑھ ایسا عظیم الشان اور عریض و طویل تھا کہ اس کی جزئی دلیوار دریا سے لے کر اُس پہاڑ تک ہو کلیا برکتے عقب میں تھا چار کوس اور شمال کی طرف تین کوس کے طول میں تھی۔ اور مناسب طور پر اس میں کئی بڑے بڑے برج بھی بہت عمدگی سے لڑائی کے ٹومب کے بنے ہوئے تھے۔ جن کے آگے حصار کے طور پر ایک اور گنگوہ دار دلیوار بنی ہوئی تھی جس کے اندر ماہر و دلون طرفِ حقیق خندقیں تھیں جن میں کہیں پانی چھوڑا جاتا تھا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں خوب باریک سرمد سامنی بھری تھی۔ اور یہ اندرونی اور بیرونی دونوں قلعے سا اِن جنگ سے نہایت مکمل اور مرعوب تھے۔ اور تین لاکھ آسامی اس وقت یہاں موجود تھے۔

میر جملہ نے اگرچہ دہ سے دھیرہ ہٹا کر سیلا گڑھ پر گولے مارنے شروع کئے۔ مگر اُس کے استحکام کے باعث ان کے توپ گولہ کا اثر تک بھی محسوس نہیں ہوا اور چونکہ وہ لوگ اِس کے لشکر پر تفصیل سے برابر گولے برساتے تھے اور کبھی دن کو اور کبھی رات کو حملے بھی کرتے تھے اور قدرتی مصلکوں کے باعث بھی یہ جگہ ایسی پر خطر تھی کہ زمانہ سابق میں محمد شاہ تغلق اور حسین شاہ نامی جنگاں کے ایک اور بادشاہ کے لشکر اسی مقام پر جمعیت و تالود ہو چکے تھے۔ اس لئے زیادہ تر خوفِ بعید از مصلحت سمجھ کر یہ صلاحِ شہری کی کہ ایک تو خندق کے چیمپے سے رنگ رنگ کر قلعہ میں پہنچنے کا راستہ بنانا چاہیے۔ دوسرے کسی مناسب موقع سے تفصیل پر لڑش کر کے قلعہ میں داخل ہوئے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جب رنگ گنگ چلی اور فراد خان نامی ایک سردار نے چاروں طرف سے حصار کو دیکھ کر بحال کر میر جملہ کو یہ اطلاع دی کہ جزئی تفصیل کی طرف حملہ کے لئے کچھ گپنا کش ہے تو چند عرصہ بعد جب کو اسمہ سنی دلیوارں آدمی رات کے وقت فوج کثیر ساتھ لے کر سوار ہوا اور اس طرح سے کارروائی شروع کی کہ میر مرتضیٰ سردار توپ خانہ کو دروازہ پر حملہ کرنے

نے مامور کیا تاکہ دشمن اور ہری ایلچے رہیں اور دلیروں کی طرف جو تفصیل پر عمل کرنا چاہتا تھا مترجم دیوں۔ چنانچہ میر مرتضیٰ نے قلعہ کے دروازوں پر زور شہر سے تو نہیں مارتی شروع کیس اور اگرچہ آسامیوں کی توپ و بندوق کی زد سے اس کی سپاہ کو کوئی جاکے ہوا نہ تھی اور اس وجہ سے ان کو متواتر نقصان پہنچتا رہا۔ مگر اس نے سرگرمی اور بہادری کے ساتھ لڑائی کو جاری رکھا۔ اور دلیروں کو یہ مشکل پیش آئی کہ اس کا آسامی رہنما ایک ایسا شخص تھا جو سالہا سال سے بادشاہی فوج میں ملازم تھا اور خود میر جملہ سے عرض کر کے اس نے یہ رہنمائی کی خدمت اختیار کی تھی۔ مگر دراصل ہم قوی کی وجہ سے اس فوج کے تباہ کرائے کے لئے یہ چال کی کہ آسامیوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا۔ اور دلیروں کو تمام رات جبران کر کے صبح ہوتے ہوئے ایک ایسی جگہ لے گیا جو سب سے زیادہ بے ڈھب تھی اور دشمن لڑائی کے لئے بخوبی مستعد تھے۔ عرض کہ وہاں پہنچتے ہی ان پر اس شدت سے توپوں اور بندوقوں کی آگ برسنے لگی کہ بہت سے سپاہی مجروح و مقتول ہو گئے۔ مگر دلیروں کی غیرت اور دلیری نے سپاہ ہرنے کی ذلت کو کسی طرح گوارا نہ کیا۔ اور باوجودیکہ آسامی اوپر سے توپ و بندوق اور "حقہ بے آتشیں" یعنی گراپ برسا رہے تھے۔ اور تفصیل تک پہنچنے میں خندق یقین اور پُر آب حائل تھی مگر اس دلاور سردار نے سب سے پہلے اپنا ہاتھی خندق میں ٹھیل دیا۔ اور اگرچہ خود اس پر اور اس کے ہاتھی ہتھیروں کی بھی سخت بو جھاڑ پڑی مگر وہ شہر مرد اپنے چند بہادر رفیقوں کو ساتھ لے کر تفصیل پر جا ہی چڑھا اور پھر تو اس کی بہت اور دلیری کو دیکھ کر دوسرے سردار اور سپاہی بھی آپہنچے۔ اسی اختار میں اور میر مرتضیٰ نے بھی دروازہ توڑ ڈالا اور اس کی فوج بھی کچھ دروازہ کے راستہ اور کچھ سڑگ کی راہ سے داخل ہو گئی۔ اور فریقین میں ایک سخت دست بہ دست لڑائی ہوئی جس میں آسامی مغلوب ہو گئے اور حصار کے ایک راستے سے جو جنگل کی طرف تھا سبھا گڑھ اور گلیا بردوزوں کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ اور یہ تھکے مہوجہ شاہ سامان کے حملہ آوروں کے قبضہ میں آ گئے اور تعاقب کی حالت میں بہت سے آسامی اسے اور پکڑے گئے۔ اور اس واقعہ کی شہرت کا یہ اثر ہوا کہ قلعہ مجددی بھی خود بخود خالی ہو گیا۔ اور ملک کامروپ کے رجنے والے بہت سے ہندو سلطان رعایا کے بادشاہی نے ہر طرف سے آسامیوں کی تہہ میں تھے رہائی پائی۔

جو کہ مدیا نے برجا تھا اس جگہ سے دو منزل تک پہاڑ کی جڑ کے ساتھ لگا ہوا چلتا ہے

تھا یہاں کے امام امیری اور عہد اور نگہب

اور اس کے کناروں پر لشکر کے گزرنے کے لئے راجھا کہ میر جملہ اب تک کرتا تھا، بالکل رات نہیں تھا۔ اس باعث سے کچھ فوج بذریعہ وارہ صیاحی سے اور باقی لشکر دریا کے تھڑی پہاڑ کے پیچھے سے روانہ ہوا۔ منتشر شدہ آسامیوں نے بسبب اس کے کہ وارہ اور لشکر کی کوئی کاٹا مسلہ ہو گیا تھا اور دوسرے پہر جس جگہ اور آخر سر جنگی کشتیوں میں بیٹھ کر جو توپ بندوق سے خوب مسلح تھیں۔ ۱۷۱۳ء پر رات کے وقت حملہ کیا اور پھر دن چڑھتے تک بڑے جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ قریب تھا کہ بادشاہی وارہ کو شکست ہو جائے مگر اتفاقاً محمد موسیٰ نام ایک سوار جرات کے دھڑلے توپوں کی آواز سنی کہ میر جملہ نے صدر لشکر سے روانہ کیا تھا اور پہاڑ کے سب سے راستہ بھولا پھرنا تھا مسدود سواروں کے لڑائی کی جگہ آن پڑا۔ اور دشمنوں کے دھمکانے کو یہ ہوشیار دی کی چال چلا کر اپنے ساتھ کے کرنا ہی۔ (ترجمی) کہ حکم دیا کہ کرنا بجائے جس کے بچنے ہی آسامیوں کو یہ یقین ہو گیا کہ تادم مغلیہ فوج دریا کے کنارے سے بھی نہ سہی اور اس ناگہانی اندیشہ سے ان کے بے ایسے چھوٹے کر غالب سے مغلوب ہو کر اکثر تو بھاگتے ہوئے پانی میں ڈوب گئے۔ اور بہت سے اسے گئے۔ اور چار سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک پر بڑی بڑی توپ مسلمان کے تھی۔ چھین لی گئیں۔

آسام کے راجہ کا فرار | ان حواثر فترحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ راجہ کے خنوت اور غرور کا لشکر آسام کے راجہ کا فرار ہو گیا۔ اور دارالریاست کو چھوڑ کر دشوار گنڈہ پہاڑوں میں جہاں مغلیہ فوج کے سواروں کے پہنچنے کا چھٹاں اندیشہ نہ تھا بھاگ گیا۔ اور راجہ کے سرداروں اور وزیروں نے جن کو ان کی اصطلاحات میں سہو کن کہتے تھے۔ میر جملہ کے پاس اپنے وکیل اور محمد نیاز کی عرضیاں کیجی شروع کیں جن کا جواب یہ دیا گیا کہ شاہی سپاہ اور رعیت کا وہ سب مال اور وہ توپ خانہ جو حرم گنجائی سے لوٹ لائے تھے۔ رعایا نے بادشاہی کے تمام اوصول صحت عہد کو راجہ نے دیت سے حید کر رکھا ہے۔ اور راجہ کی لڑائی کا مولدہ ایک مقتول چٹکیش قزاق حاضر کردہ آئندہ کو اگر راجہ ہر سال چند عہدہ (تھی بطور خسارے کے) بھیجتا رہے اور بادشاہی احکام کی اطاعت کرنا رہے تو البتہ ہم واپس ہو جائیں گے۔ وہ بادشاہی فوج کو کھڑا دلوں میں بچا بھڑا گھر اس خیال سے کہ یہ محمد نیاز کا اظہار صرف دین الوطنی اور مکاری کے عہد پر ہے جواب کا منتظر رہا کہ میر جملہ برابر بڑھ گیا۔ چنانچہ ستائیسویں شعب کو کھڑا گنڈہ میں جہاں وہ پائے ہوئے

کو ہتان جنوبی سے آکر مدہ اور بہت سی ندیوں اور نالوں کے برہا چریں ملتا ہے مابہنچا۔ اس جگہ ایک اور بھی زیادہ معتبر شخص مدہ و راجہ کے مذہبی پیشواؤں میں سے تھا عمرو نیاڑ کو کے صلح چاہی اور راجہ کے ایک رشتہ دار نے بھی آن کر ایک ظلمانی پانڈان ایک سونے کا لڑیا اور دو چاندی کی گارہین اور کچھ اشرفیاں مدہ ایک خط کے جس میں اظہارِ ندامت اور مدد معذرت کے بعد فوج کی واپسی اور صلح کی درخواست اور پیش کش کی تجویزیت مدہ تھی پیش کیا۔ جس کا جواب دجیا کہ غالب اور فتح مذاکرہ کرتے ہی، یہ دیا گیا کہ اب تو لشکر کے کھڑ گاؤں پہنچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہاں پہنچ کر جو مناسب ہو گا کیا جائے گا۔

مفسر کھڑ گاؤں دیکھ کر ندی کے کنارے آباد تھا اور اُس میں اس قدر پانی نہیں تھا کہ بڑی کشتیاں چل سکیں اس لئے بھاری ڈاڑھ کو کھو گڑھ میں جموڑ دیا اور چھوٹی کشتیاں ساتھ لے کر غرہ شہان مسئلہ کو کھو گڑھ سے آگے ایک مقام میں کہ جہاں ڈاڑھ کا کارخانہ تھا قریب ایک سو کے بڑی بڑی کشتیوں پر جو وہاں موجود تھیں قبضہ کیا اور پھر وہاں سے دیول گاؤں میں جہاں دریا کنارے راجہ کا کسی اپنے گرو کے لئے بڑایا ہوا نہایت عمدہ مندر اور باغ تھا ڈیرہ کیا۔

کھڑ گاؤں پر قبضہ اور مالِ غنیمت | اس جگہ بعض مسلمانوں نے جو رہا یا تے بادشاہی میں سے راجہ کے یہاں دلوں سے تہہ ختمے اور جن کو لہٹی رانی کی ترقی خواب دھیاں میں بھی مذہبی سرِ جملہ کو حضورِ بیچ کر مطلع کیا کہ راجہ دکن کرن۔ جنوب کی طرف نامروپ کے شہر گندار اور چاب و جہا پہل ڈوں کو جہاں وہ اپنے مقرب قیدیوں کو بھیجا کرتا تھا بھاگ گیا ہے اور اُن کی سپاہ اور سوار جنگلوں میں جا چھپے ہیں۔ شہر بے وراثت اور خالی پڑا ہے۔

یہ اطلاع پا کر میر جملہ نے براہِ احتیاط کچھ فوج اپنے پہنچنے سے پہلے وہاں بھیج دی اور بعد ازاں چھٹی شہان کو اورنگ نرب کے جلوس کے چوتھے برس گویا گواچی سے پہنچ کر کوئٹہ کے فاصلہ پر ساڑھے چار پہنچنے کے عرصہ میں کھڑ گاؤں پہنچ کر بلا نزاعیت قبضہ ہو گیا۔

اور راجہ نے جہا اپنی توہیں اور رکھنے وغیرہ تالابوں اور ندیوں میں ڈوبو دینے تھے۔ اور باقی جنگلوں میں جموڑ دینے تھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر سب پر قبضہ کیا۔ چنانچہ ایک سو

ہاتھی اور قریب تین لاکھ روپیہ کے سونا چاندی اور اسباب جس کو راجہ اپنے ساتھ لے جا
دے گا تھا ضبطی میں آیا۔

مگر سب سے زیادہ عجیب مالی قیمت یہ تھا کہ وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی راجہ
یا بڑا آدمی مرجانے تو پارسیوں کے وندہ کی طرح متوفی کی لاش کو دفنانے بنیروں ہی کی غنڈا
جگہیں رکھ دیتے تھے اور اُس کے ساتھ سوئے چاندی کے برتنوں اور نریش لباس پوشاک
اور سامان خود دلوش اور لوازمات زندگی حتیٰ کہ اُس کی عورتوں خراصوں کو بھی مردہ کے لئے کاٹہ
بھسکرائیں گے پاس چھوڑ آتے اور ایک بہت بڑے چسراغ کو تیل سے بھر کر اُس کے دروازہ
کو بڑے بڑے تختوں سے بند کر دیتے تھے۔ اہل لشکر نے ایسے چند مقاموں کو حاکم لایا اور
اُن میں سے کوئی بڑا کا سونا چاندی نکال لائے۔

اس تمام ہم میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ کل چھ سو پچھتر توپیں جن میں سے
ایک اتنی بڑی تھی کہ اُس میں تین من کے قریب گولہ پڑتا تھا۔ اور دو ہزار تین سو بیس
زخمورک بارہ سو رستم جنگی۔ اور چھ ہزار پانچ سو ستاون معمولی بندو تھیں۔ پانچ ہزار من بامد
کے دو ہزار صندوق۔ سات ہزار اٹھائیس ٹو صابیں۔ لوہا۔ سکتہ۔ گندہ حکے حساب اسباب
ہزار سے زیادہ جنگی کشتیاں۔ اور خاص راجہ کی سواری کی تکلف ایک سو تیس کشتیاں ہاتھ آئیں
اور سب سے زیادہ کارآمد چیز یہ تھیں کہ وہ دھواڑوں کے ایک سو پچھتر ٹوپی تھے
جن میں سے ہر ایک ٹوپی میں ہزار من کے قریب تھا ان کی قیمت ہر ایک دو سو اندیشی میر جملے
نوٹا یہ بندوبست کیا کہ لوٹ کر ضائع نہ کئے جائیں۔ اور احتیاج سے زیادہ صرف نہ ہوں۔

تھا تے اور چوکیوں کا قیام اور سکے
و خطبہ کے اجرا
مقرر کر دیے۔ اگرچہ آسامی کچھ عرصہ تک جنگوں اور پہاڑوں سے نکل نکل کر ان پہنچیں اور
تھا توں پر تلے کرتے اور لڑتے رہے مگر آخر کار ایسے دباے گئے کہ جا بجا چپ ہو کر جیو رہے
اور بادشاہ کے نام کا سکے خطبہ کٹر گاؤں میں جاری ہو گیا۔

شہر کٹر گاؤں کے حالات
اُس وقت مشہر کی آبادی رتھول معنف مانگیر نامہ،
اس طرح تھی کہ کچھ ہندی بچے میں بھی تھے۔ اور اُس کے

دونوں طرف آبادی تھی جس کے گرداگرد شہر چٹاؤ کے طرز پر نہایت گھنی اور ناقابل گزیر بالائی گھاٹی ہوتی تھی۔ اور اس میں اینٹ پتھر کی پختہ عمارت کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازہ راجہ کے مکان سے تین تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور ایک اونچی اور چوڑی آل مشہر کے اندر عمارت میں کام سے چلتے پھرتے کے لئے اس سرے سے اس سرے تک بنی ہوئی تھی۔ اور یہ مشہر کہا تھا گویا دیہات اور کھیتوں کا ایک جھرو تھا۔ کیونکہ ہر شخص کے گھر کے گرد چش، بانج اور کھیتیاں تھیں اور سملی بازار میں سے شہروں کی رونق اور زیب و زینت ہوتی ہے یہاں رہتے تھے۔ شہر کے لوگ سال بھر کے واسطے غلہ و فیو سب قسم کے ایشیا جیٹے اپنے گھروں میں بٹھائے جمع رکھتے تھے اس سبب سے سوائے بیڑیوں کی چند کافوں کے بازار کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ کا مکان جس کے چاروں طرف بلور حصار ایک آل بنی ہوئی تھی دیکھو بڑی کے کنارے تھا۔ اور جیسا کہ تفصیلات اور حصاروں پر دشمن کی زد سے بچنے کے لئے چٹاؤ کی دیوار بنائی ہے یہاں بجائے اس کے یہاں ہر ترکیب تھی کہ خوب مضبوط باتوں کو برابر باہر آل کے گرد اگر اس طرح سے گاڑا جاتا تھا کہ چٹاؤ کا کام دیتے تھے اور آل کے چاروں طرف خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی۔ جس کا دور ایک کوس سے زیادہ تھا اور اس لحاظ کے اندر راجہ کے بیٹے بیٹے مکانات تھے۔ مگر سب کھڑی کے یا پھوس اور بالوں کے۔

میں میں سب سے عمدہ ڈیڑھ سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک چوبین دیوان خانہ تھا جس کے صحنہ سستون ایسی موٹی کھڑی کے نیچے جن کا چار چار گز کا دور تھا۔ اور اس مکان کے اطراف میں طرح طرح کی منبت کار کھڑی کی جائیاں لگی ہوئی تھیں اور چیل کے پیر میل کر کے جائیں کے اندر باہر اس طرح سے لگائے تھے کہ آفتاب کی شعاع ہر شے سے آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ تین ہزار بیٹے تھے اور بارہ ہزار غوروں سے دو سال تک ہمارے کام کر کے اس مکان کو بنایا تھا۔ جب راجہ اس دیوان خانہ میں آکر بیٹھا یا سوار ہو کر کہیں جاتا تو بہائے فخر اور شہنائی کے ڈھول اور "دانہ" بجاتے تھے۔ اور یہ "دانہ" ایک موٹی اور مقدس میل کی تختی اس قسم کی ہوتی تھی جیسے کہ ہندو فقیروں کی جھاتوں کے ساتھ یا رسول کے بیازوں کے آگے گھڑیاں بجا کرتے ہیں۔

آسامیوں کی سرکشی | چونکہ برصغیر کی آمد کے آثار غروب ہو گئے تھے برآسام میں تمام

لے اس ملک کے کچھ عام حالات اگرچہ اس سے پہلے ہر وجہ بمطابق صنف

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہدِ مذکورہ

تہیہ خاصہ منور گذشتہ۔ مالگیر نامہ کہے گئے ہیں۔ مگر اس مرتبہ پر وہ حالات بھی جو زمانہ حال کی تعریف شدہ کتابوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں کہے جانے والی ارباب ذہنوں کے واضح ہو کہ ملک آسام جو صوبہ بنگالہ اور برما۔ اور تبت کے مابین واقع ہے (بمقام سندھ) اس صدی کے خاتمے سے سرکار انگلشیہ کا مقبوضہ خاص ہے چونکہ یہاں کے باشندے اس زمانہ میں بھی بہت خاصہ جا بظہور ہی ہیں۔ اس لیے عیسائیوں تک حکام انگریزی نے طریقہ اختتام اور طرز حکومت کو مصلحتاً سرسری اور غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا۔ مگر عیسائیوں سے اس میں ایک حاکم اعلیٰ لقب چیف کیشنروں وغیرہ معمولی اہمیت دہندہ داروں کے امور پر لگایا ہے۔ جن کا دار الحکومت ملہٹ کے شمال کی جانب کھاسی اور جیشیا کے پہاڑوں میں مقام ٹیلا تک ہے جو سطح سمندر سے ۶۶۶۵ پاکی خزار چھ سو سو ٹھوٹ بلند ہے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس صوبہ میں اب ضابطہ آمد آمد آئین کی پابندی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ ملک کثرتِ بارش کے لئے تمام ہندوستان میں ایسا مخصوص ہے کہ راجہ شیوہر شاو صاحب۔ سی ایس۔ آئی سابق عہدہ دار سر ریشہ تعلیم ماماگ منتری دھالی اپنے شہرہ منرائیہ جام جہاں ضامیں اور پہلے پہلے منشیہ کے قریب چھپا تھا کہتے ہیں کہ مقام چیراوتھی میں جہاں موسم گرما میں بنگالہ اور آسام سے انگریز لوگ ہمارا اکثر بار کرتے ہیں سال بھر کی بارش کی پکڑ میں سوچاؤ تک کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ مقام سطح سمندر سے صرف ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب بلند ہے۔ اور جس قدر وہاں اور دیر اس ملک میں جاری ہیں یقین ہے کہ ادا کسی جگہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ اکثر ندیاں تو ایسی ہیں جن میں بارہ چھوٹے نالو چلتی ہے۔ ان کے زیادہ وہاں کے ساحلوں سے اس بارش کی کثرت ہی کے باعث سے پانی کے پتے میں سے راستہ جاری رکھنے کو تین چار گز زمین سے اونچی سرکیں (وہی آل) بنائی جوتی تھیں۔ اور راجہ صاحب کہتے ہیں کہ ان سرکوں پر اب تو جنگل کا گھبراہٹ ہے اور کھائے انسانوں کے شہر اور بھالو چلتے ہیں۔ اگرچہ سارا ہی ملک جنگل اور پہاڑ ہے مگر یورپ اور ان کی طرف پہاڑ اور جنگل بہت ہی زیادہ ہیں جن میں مختلف ناموں کی جنگلی قویں پختی ہیں۔ اور ان کی قلت اور نہ ہب کا کچھ نمکناہا نہیں ہے سب چیز کھاتی ہیں۔ تیروں کو زہر میں بھجاتی ہیں۔ گندے ایسے کو آب دست تک نہیں پیتے۔ چرواہوں کی کوسوں کی غالی کو کسے آڑ میں کے واسطے ہندو میں رادوں کی طرح گھروں میں لٹاتے ہیں۔ کوئی ان میں نمہ کا مذہب بھی رکھتا ہے۔ اکثر درختوں کی جہاں کالنگرٹ بنا کر بندھے ہیں اور سینک کا کٹھن پہنتے ہیں۔ کوئی مختلف کر تلبہ بھی رکھتا ہے اور یہاں تک کہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ان اقوام میں گاڑو قوم کے لوگ جو ہر چار پڑ کے دکن اور ملہٹ اور میں سنگھ کے آخر میں پختہ ہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ سانپ کو بھی کھا جاتے ہیں۔ اور کتے کا پتہ ان کے بڑے منہ کی چاٹ ہے۔ پہلے اس کو پیٹ بھر کر جال کھلاتے ہیں بعد اس کے جتنا ہی آگ پہنچوں کر کھا جاتے ہیں۔ اس قوم میں یہ بھی دستور ہے کہ جب ان کے آپس میں تکرار ہوتی ہے تو دونوں آدمی اپنے اپنے گھر میں چٹاکر درخت لگاتے ہیں اور اس بات کی قسم کھاتے ہیں کہ نابرابر پاتے ہی اپنے دشمن کا سر کاٹ کر اس پٹر کے کٹے پھل کے ساتھ کھا جائیں گے۔ اور جب دشمن کا سر کاٹ لیتے ہیں تو فی الحقیقت اس کو چٹاکر کے درخت کے ساتھ چٹ کر جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے دوست آشناؤں کو بھی دعوت میں کھلایا کرتے ہیں اور پھر اس پٹر کو بھی رو کر لٹائی کی جڑ تھی اکاٹ ڈالتے ہیں۔

راجہ صاحب موصوف نے اُن لوگوں کی رخصت سے متعلق اپنی کتابچے میں شروع مل داری انگریزی کے وقت کی روایتیں یہاں تک لکھی ہیں کہ جب لڑائی مچکڑے میں کسی جنگ یا زیندار کا سر کاٹ لیتے ہیں تو اس کے گرد پہلے سب کے سب مل کر ناچتے گاتے ہیں اور پھر اس کی کھوپڑی صاف کر کے اپنے گھر میں لٹکا دیتے ہیں وہ کھوپڑی ان آپس میں بچے بھی ڈالاکرتے ہیں۔ بلکہ اشرفی اور بک ٹوٹ کی سرسوداں یہ جنگالیوں کی کھوپڑیاں اُن کے ازار میں چلتی ہیں۔ چنانچہ مشہورہ میں کارا اور پائے کے زمیندار کی کھوپڑی ایک نیرہ سہریہ کو چلتی تھی۔ اور اور تعلقہ دار کی کھوپڑی پانچ سو روپے کو بٹھائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اپنے مردوں کو جلا کر بالکل راکھ کر ڈالتے ہیں۔ تاکہ کوئی آدمی کھوٹے روپے کی طرح کسی کار یا وکی کھوپڑی جنگالی کی کھوپڑی کے عوض میں دے کر انھیں ٹھگ نہ لیا کرے۔ شاہی بیادہاں محنت مرد کی خوشی اور رضا مندی سے ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کسی کا باپ اس شادی سے ناواض ہو جائے تو پھر وہ سب لوگ اس کو اتنا پیچھے ہیں کہ وہ بچا رہا ضی ہو جاتا ہے۔ غلام کے مرجلنے کے بعد وہاں کی عورتیں اپنے جلیہ وید سے نکاح کر لیتی ہیں اور اگر غلام کا کوئی بھائی زندہ ہو تو اپنے خسر سے شادی کر لیتی ہیں۔ ایک میراث وہاں چھوٹی لڑکی ہوتی ہے۔ مرد کو چار روز کے بعد جلاتے ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی چھوٹا سولہ مر جاتے تو اس کے ساتھ ایک غلام کا بھی سر کاٹ کر آگ میں جلا دیتے ہیں اور جو کوئی بڑے درجہ کا سردار مر جاتے تو اس کے سب غلام مل کر ایک ہندو کو پکڑ لیتے

راجہ صاحب موصوف نے میرے خط کے جواب میں اس مضمون کے ماخذوں کی صحبت یہ مقام فرمایا ہے کہ میں نے آسام کا حال مستبر انگریزی کتابوں سے نقل کیا ہے مثلاً دائرۃ الصیقل صاحب کا ایسٹ انڈیا گزیٹیئر ہر مشہورہ میں چھپا تھا اس کے حوالہ کا پیشواں صفحہ ۱۰۱۱ میں صاحب موصوف نے بعض حالات مشہورہ کے ماخذوں سے نقل کئے ہیں۔ س م ج۔

شاہجہاں کے امام اسیری اور مہاراجہ سنگھ

ہندوستان سے پہلے اور اس شدت سے جڑی ہے کہ ملک کے فوجی معوں میں سب جگہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اس لئے میر جملہ نے میر گنئی سردار توپ خاں اور راجہ امر سنگھ لڑو کو کمر کھانوں میں ٹھیرا کر خود شہر اجمیر میں جہاں سے میں چار کوس آگے بڑھ کر کچھ اونچی جگہ تھیں جاؤں گا کیا۔ اور جا بجا چکیاں اور تھکانے بٹھا دیئے۔

مگر چند ہی گھنٹے بعد جب برسات کی معمولی شدت سے اس تمام بچے کے ملک میں جہاں طرہ آوروں کا تہذیب تھا پانی ہی پانی ہو گیا اور اہل سپاہ و کراہیک دروسے سے لئے اور کہیں لئے جانے میں بہت ہی دشواری ہو گئی۔ اس لئے آسامیوں نے جنگوں اور پہاڑوں سے نکل کر میر جملہ کی چمکیوں اور تھاقوں پہلے شروع کر دیئے۔ اور لاہور کو آ کر خراب شروع ہوا شمال میں اکثر مقامات پر پھر تابغ ہو گئے غصہ خاں الہی تدبیر ہال کے موافق رسد کی آمد روکنے کے لئے گھوڑا لڑا اور گے پے کے امین روڈ کے کٹاے جا بجا موڑے بنائے اور رسد پہنچنے کا راستہ روک لیا۔

جب میر جملہ اس حال سے مطلع ہوا تو راستہ کے کھولنے کے لئے وہ کچھ فوج روپا کے جیہ ماشیہ و عاشقہ منور گزشتہ۔ جیہ اور اس کا سرکاٹ کراٹھ کے ساتھ چلا ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ محنت کھنڈ اور مضبوط ہوتے ہیں۔ صورت شکل ان کی یہ ہے کہ ناک بینیوں کی ہی پیمانی ہوتی اور آنکھیں چھوٹی مانتے ہر جھڑیاں بڑی ہوئیں۔ ٹٹا سامنہ۔ ہونٹھ سوٹھے۔ چہرہ گول۔ اور رنگ اُن کا گندمی ہوتا ہے جتھیں ٹائی اور ونگل ایسی کمرہوں سے زیادہ مضبوط کالوں میں اُن کے ہیں جیٹھیں تیس تیس ہائے جیل کے آئے ہئے ہئے ہئے رہتے ہیں کہ چھاتی تک لٹا کرتے ہیں آسام کے میر لوگ بھی ٹٹاں پھوس کے جگے یا پھروں میں رہتے ہیں بیکم کا صر آسام کا اب تک کامروپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے شاستریوں میں صر کامروپ ویس کی گھٹی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب رنگ پور میں سنگم سلپٹ جینٹیا پور کچھار۔ منی پور اور آسام۔ یہ سب کامروپ ہی ٹھہرتا ہے۔ اور لگے زمانہ کی باتوں میں اس ویس کے بڑے بڑے اچھے کی باتیں اور نہایت قہم کی نکاتیں گھٹی ہیں نادان آدمی آج تک اس کو جادو کا گھڑیاں کہتے ہیں۔ تاں ترک نہ ہو سکی جگہ سے پہلا تھا کا کشادہ پوری کا شہر مندو ۱۹ درجہ ۵۵ دقیقہ طول شرقی اور ۲۶ درجہ ۲۶ دقیقہ عرض شمالی میں واقع ہے۔ وہاں کے آدمیوں کی صورت شکل پیمانیوں سے ملتی ہے۔ مودہ تمام گاؤں لکھنے سے میں سمجھی پہلی گوشہ شمال مشرق کی طرف ہوگی زمانہ میں کامروپ کا تخت گاہ تھا۔ ادراپ۔ وہاں صاحب کشور رہتے ہیں۔ برہا پتر کے نام سے پکارتا ہے۔ تھا انہی کا رس مہ

کنارے کنارے سرخاٹ خان آذربک کے زیر حکم اور کچھ غریبہ وادہ محمد مراد بیگ کے ماتحت کھڑکھاؤں سے روادا کی تاک ایک دوسرے کی مدد اور اتفاق سے کام کریں۔ مگر جلد ہی سے تھوڑی ہی دور چل کر ان دونوں میں اتفاقا ایسی ناہاتنی ہو گئی کہ سرخاٹ خان تو پیچھے رہ گیا۔ اور محمد مراد بیگ براؤ سخت اس کی مدد کی پروا نہ کر کے مدد اپنی کشتیوں کے آگے بڑھ گیا۔ اور آسامیوں نے مورتہ پا کر رات کے وقت جہاں پہنچا ہوا تھا۔ ایک ایسا پہاڑ مارا کہ سب کشتیاں مدد ساز و سامان کے ہمیں میں اور وہ ایسا سراپا ہوا کہ مدد اپنی سپاہ کے بغیر لڑے ترہائی کو بھاگ گیا۔ اس کامیابی سے آسامی اور بھی مغرور ہو گئے اور کھو گئے۔ مدد اور خیر آئے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا۔ اور جہاں کہیں بادشاہی فوجیں تھیں بھڑاپنی مخالفت کے اور اصرار کہیں نہیں جاسکتی تھیں۔ اور آسامی جو اس شدت طغیانی میں گویا ان بڑی نالوں کی پمپلیاں ہی تھے۔ میدان اور پہاڑ سے اگر بے تکلف اور سزاوارتہ ملے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود کھڑکھاؤں کے صدر لشکر پر بھی ملے شروع کر دیے۔ ان حالتوں کو دیکھ کر قادی کے لوگ بھی اطمینان اور غمراں ہمداری سے مغرب ہو کر گڑ پیچھے۔ اور اسی اثنا میں اتفاق سے کوہ پتہ بہار میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مال بادشاہی نے جو بیوقوفی سے مہاک مہر شاہی کی طبعیت کو مزی جمع چندی کر کے سختی سے مطالبے شروع کر دیے اس نے رعایا نے باغی ہو کر ہم نوائی کو بھر نشت سے واپس بلا لیا اور فوج دار کو قتل کر کے دھبیا کہ ہم ایک عاشقہ میں آہل اندیشی کو کر کے بچے ہیں بادشاہی مل دخل اٹھا دیا اور تمام عہدہ دار مجبور ہو کر گھوڑا گھاٹ میں چلے آئے۔ اس خبر کے مشہور ہو جانے سے آسامیوں کے غم ملے اور بھی لیاہ بڑھ گئے اور بادشاہی فوج کی جرأت و ہمت پر بھی بڑا اثر پیدا ہوا۔

میر جملہ کی تدبیریں | میر جملہ نے اس سیلاب ہلاکت کے روکنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کی۔ اور جہاں کہیں اور چونکہ کھڑکھاؤں میں کھو گئے۔ مدد کو پہنچا اور اس کے گرد فوج کے مفیدوں کی تہیہ و تدابیر کر کے آمد و رفت کا راستہ کھولنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اس لئے اس نے ایک فوج بے عارۃ مناسب مشہور اور سے زیر حکم فرما دیا۔ راجہ سببان سنگھ ہارہ قراول خان و فیرہ سرداروں کی سمیت میں اس غرض کے لئے روانہ کی۔ اگرچہ فراد خان نے کھڑکھاؤں پہنچ کر کمال ہمت سے ایسی کوشش کی کہ راتوں رات اپنے لشکر کو دیکھو ندی سے جوڑی طغیانی پر آئی ہوئی تھی پاراں اٹا۔ مگر آخر کچھ دور

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہارنگنی

آگے جا کر کثرتِ بادش اور شدتِ سیلاب سے یہ حالت دیکھی کہ تمام ملک مثل ایک دیئے بیکراں کے تھا اور بادِ جود کو شمش کے کہیں راستہ نہ ملتا تھا۔ اور چونکہ بادش شدت سے موری تھی۔ سوادیوں اور پیادوں کو سوائے پانی میں کھڑے رہنے کی کوئی جگہ ہی نہ تھی اُس نے ناچار واپس آنا چاہا اور جب اس پانی ہی پانی میں تر رہا تو تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسامیوں نے وہاں سے بے کرور ڈٹے دھنگ تک نہایت چڑخی اور مین جہریں کھوکھو کر اور کناہہ پر مستحکم مورچے بنا کر اور توپ اور چنگے وغیرہ سامانِ حرب سے مضبوط کر کے واپس جانے کا راستہ بند کر رکھا ہے اور یہ سپاہ اس مقام پہنچتی ہی تھی کہ بہت آسامیوں نے اپنے مورچوں اور جنگی کشتیوں پر سے گولے برسائے شروع کئے۔ اور بادشاہی فوج کو اب بڑی وقت پیش آئی کہ وہ اُن کے پاس رسد اور چارہ تھا اور دُکشتیاں کہ اُن پر سوار ہو کر اور دشمنوں کو دفع کر کے نہ ہی نالوں سے یاد ہو جائیں۔ اور نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ کہیں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اور کسی طرح کی مدد بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ناچار ایک آل پر جو اس نواح میں تھی جا پڑے۔ میر جملہ نے اس حادثہ کی خبر پا کر محمد موس کو فوج کثیر کے ساتھ ان کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ بھی تر رہا ہی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خلاصہ یہ کہ فرادغان اور اس کی سپاہ اور تمام رسد و آل پر گھرے ہوئے ہموک سے ناچار ہو کر لشکر کے جیلوں کا گوشت کھا کر مصیبت کے دن کاٹتے تھے۔ اور اس عرصہ میں اگرچہ آسامی کشتیوں پر سے بھی گولے برسائے تھے۔ اور دن اور رات میں کئی کئی بار ان تک پہنچ کر غلے بھی کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ ایک بچے تک بادِ جود ہر طرح کی تکلیف کے کمالِ حرات اور بہاؤ سے اُن کو پسپا ہی کرتے رہے۔

اور آخر کار فرادغان نے ایک روز یہ خبر کی کہ جب آسامی ماہِ سہان سنگھ کے راہبوتوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑے چلے آتے تھے تو اُس نے اُن کو علیحدہ حکمت عملی پہنچنے کا اشارہ کیا۔ اور جب راہبوت پہنچے ہٹے اور یہ مجھل آسامی مغرور ہو کر اس قدر آگے بڑھ آئے کہ اُن کی کشتیوں سے جود ڈالنے دھنگ میں کھڑی تھیں اُن کو بہت فاصلہ ہو گیا۔ تو فغان مذکور نے مودہ دیکھ کر ایک ٹھنٹ دھاوا کیا اور ایسی تلواریں ایسی کر مل کر سنے والوں کے ٹکڑے اٹا دیئے مگر اُن کی چند کشتیاں بھی چھین لیں۔ لیکن چونکہ اُس کے پاس سپاہ کے کھانے کو کچھ نہیں تھا تو آخری صلاحِ شہری کہ میں طرح سے اس مصیبت سے بچتا

چاہتے مگر نکلنے کے واسطے چونکہ کشتیاں کافی نہ تھیں۔ اور وہی چند کشتیاں تھیں جو دشمنوں سے چھینی تھیں اس لئے کیلے اور بانس کاٹ کر اور چھال اور گھاس سے باندھ کر بیڑے بنائے اور ان پر چیدہ و بیدہ ہتھیاروں سے چڑھ کر طلوع آفتاب سے بہت پہلے کہ جب آسامی بالکل بنے ٹکڑے ہو رہے تھے یکایک حملہ کیا اور ان کو وہاں سے ہٹا کر اکتالیس کشتیاں چھین لائے اور پھر ان کشتیوں پر اپنے لشکر کو نڈی نالوں سے پار اتار کر تمام لشکر کو صحیح سلامت متھرا پہر میں دوسری ذیقعدہ کو پہنچا دیا۔

مگر اس کے بعد بارش اس سے بھی زیادہ تیز ہوئی۔ اور تھانوں اور چمکوں تک دو کا پہنچنا بہت دشوار ہو گیا۔ تو میر جملہ نے اندازہ واثافی کل سپاہ کو سب جگہ سے اٹھا کر کھڑا گاؤں اور متھرا پہر میں جمع کر لیا اور دوبارہ آسامی تمام ملک پر قابض ہو گئے۔ اور سوائے متھرا پہر کھڑا گاؤں۔ اور کھڑا گاؤں کے اور کوئی مقام بادشاہی لشکر کے تعارف و مباحث دربار۔ بلکہ آسامیوں کی جرأت اور عمارت یہاں تک بڑھی کہ متھرا پہر اور کھڑا گاؤں کے مابین جو صرف چند میل کا فاصلہ تھا یہاں بھی فوجی جمعیت کے بغیر آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی۔

میر جملہ مشکلات میں اب ظاہر ہے کہ اس حالت میں سرداروں اور اہل لشکر کی پریشانوں کا کیا ٹھکانا تھا۔ اور قلت و سدا س پر اور بھی مستزاد تھی علاوہ یہیں ماہر نے میر جملہ کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے اپنے ایک بھوکن کو اپنا قائم مقام بنا کر اور بیڑے بیڑے اختیار کیا۔ اور کثیر کے ساتھ متھرا پہر کو روانہ کیا۔ اور خود بھی قلعہ سولہ کوڑی میں جہ کھڑا گاؤں سے چار منزل اور آسام کے راجاؤں کا قلعہ بھی دارا لکھنومت تھا آکر ٹھہر گیا۔ بھوکن مذکور ایک ندی کے کنارے جو متھرا پہر کے نزدیک گند کر دریا کے دھنگ میں گرتی اور برسات کے موسم میں ایک بڑا دریا بن جاتی ہے آٹھا۔ اور بے شمار آسامیوں کو جمع کر کے راجول صاحب مالگیر نامہ ایک دیوار عریض و مرتفع تیس کو س ایسی اور انتہائی مستحکم کہ جس کا ایک سڑ پہاڑ سے اور دوسرا دیارے دھنگ سے لاپہا تھا نہایت قطیل عرصہ میں اپنے لشکر کے آگے تیار کر لی۔ یہ شخص اکثر باتوں کو نڈی سے پار آ کر متعدد بار سخت حملے کر لیا۔ مگر بیڑہ ناکام ہی ہوتا رہا۔ لیکن آخر میں میر جملہ نے ایک روز خود سوار ہو کر ان کو ایسا تر تھے کیا کہ پھر اس کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ایسا ہی چار دھنگ کے راجہ کو بھی جو آسام کا ایک بہت بڑا قویل دار تھا اور جس نے متھرا پہر کے نزدیک دوسری جانب سے مورچے بنائے

لگا گئے تھے راہ سہان سنگھ نے ایک سخت لڑائی لڑ کر ہٹا دیا۔

جب آسامی اس طرح سے تھرا پر رہتا رہتا چلے کر کے بیشتر سپاہی ہوتے رہے تو اس جگہ کا خیال چھوڑ کر ادیل زوجہ - سے کٹر گاؤں پر تلے کہنے شروع کئے۔ چنانچہ اکثر اڑوں کو ایسے سخت تلے بہنے کے مدد کے لئے میر جملہ کو تھرا پر سے بعض سرداروں کو بھیجا پڑا۔ اگرچہ اس پر بھی ذی الحجہ کے مہینہ میں آسامیوں نے کئی بار دات کو ایسی شدت سے تلے کئے کہ اگر باد شاہی سردار اور فوج و راسی کوتاہی کرتے تو ضرور مغلوب ہو جاتے۔ مگر سپاہ کمال استقلال اور روانگی سے اُن کے حملوں کو روکتی رہی۔

آخر کار دہلی و نروہ کی لڑائی بھڑائی سے دق ہو کر مغلیہ فوج نے خود ایسے سخت تلے کئے کہ اُن کے سر پہ چھپی کر جلا ڈالے اور دشمنوں کو قتل اور غارت کر کے مصور و مغلوب سے پھر غالب ہو گئے اور اس دہلی اور بہت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشمن منتشر ہو گئے اور فوج سرحد گھڑ گاؤں کو رزمہ کی لڑائیوں سے کسی قدر فرصت مل گئی۔ اسی طرح جو فوج مدد لاء و دیو کھر گڑھ میں اپنی حسیں وارد خود دہلی کے زیر حکومت تھی دھنام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جہانزیں عرب تھا، (اور آسامیوں کی کوشش اور بے حد حملوں کے ہر حال کے علاوہ دہلی کا گڑھ سے بھی آگ و دق کرتے تھے کسی طرح مغلوب نہ ہوتی بلکہ اپنی حسیں اور اُس کے رفیق سرداروں سے خود تلے کر کے آسامیوں کی کئی کشتیاں چھپی لیں۔ اور کہتے ہی اُن کے سر پہ بھی تھپا کر ڈالے۔ اور ابتدا سے ہر سات میں دہلی گاؤں وغیرہ سے جو تھپائے اٹھ گئے تھے پھر قائم کر دیئے۔ بلکہ ایسا عمدہ بندوبست کیا کہ اُن کے کئی سردار بھی پکڑ لئے اور کھر گڑھ سے گواچی تک اپنے رعب و دہہ کو جیسا کہ چاہتے تھا قائم رکھا۔ اور گواچی سے رسد اور خبر کی آمد رفت کے سلسلہ کو منقطع ہونے نہیں دیا۔

خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا بمقام اپنی تمام جرات اور بہادری خرچ کر چکا اور بادشاہی فوج باوجود قلت تعداد کے غالب رہی تو اس نے راہ کی مرضی سے میر جملہ کے پاس تھرا میں دیکھ کر بھیج کر پھر صلح کی درخواست کی۔ لیکن میر جملہ نے ازراہ صلت پہلے سے بھی زیادہ یہ کڑی شرطیں پیش کیں کہ پانچ سو ہاتھی تین لاکھ تولہ سونا نامہ اپنی بیٹی کے ہر باد شاہی بیگم کی خدمت گذاری کے لئے بھیجی جائے بافضل حاضر کرے۔ اور آئندہ کے لئے بچاؤ ہاتھی ہر سال بطور پیش کش بھیجنا رہے اور جہاں تک جاری فوج پہنچ چکی ہے وہ تمام ملک ہمارے

شاہجہاں کے ایامِ اسمعیلی اور عہدِ رنگین

قبضہ میں رہے۔ اور کوہستان نامیروپ و فیروز راجہ کے پاس۔ مگر ان سخت شرطوں کے ساتھ براہِ دانائی یہ نئی بھی ظاہر کی کہ پورن مل نامی اپنے ایک ہندو سردار کو بھوکھن کی تسلی کے لئے بھی بھیجے دیا۔ جس کی بھوکھن نے نہایت درجہ کی خاطر اور تواضع و دیکھ بھل کے سب شرطوں کو قبول کر لیا۔ بلکہ ایک دن قلعہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ راجہ ان شرطوں کو منظور نہ کرتے گا تو میں اس کا ساتھ چھوڑ کر خود میرے قلعہ کی خدمت میں حاضر ہر ہاؤں گا۔

بیماری اور قحط | مگر یہ کام نہتے نہتے پھر اس طرے بگڑ گیا کہ اسی اثناء میں چتھری سے ایک اور مصیبت پیش آگئی کہ شدتِ بارش سے متھرا پور کے لشکر میں آبِ ہما خراب ہو کر تپ لڑھ اور دستوں کی بیماری ایسی پھیلی کہ اکثر لوگ مر گئے بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ با تمام ملک اور خاصہ شاہ راجہ کی سپاہ اور رعایا کے لوگوں میں جو بھاگ کر پہاڑوں، جنگلوں اور تنگ مقاموں میں جا گئے تھے یہاں تک پھیل گئی تھی کہ اس کے بعض ملازمین کے قول کے موافق دولاکھ تین ہزار آدمی ضائع ہوئے تھے؛ اس بیماری کے علاوہ میرے قلعہ کے لشکر میں دسہا بھی ایسا قحط تھا کہ نہلاؤں ایک سو تھپڑا نہار چادروں کے جو کچھ ڈھیر پانی کی فصیاقی اور دشمنوں کی دست و پور سے بچے ہوئے تھے یا تو کسی قدر ان پر گدانا تھی یا ان جلیوں کے گوشت پر جو لڑائیوں ہزار تھیں میں دشمنوں سے چھینے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک مدت تک سوائے اس کے کہ بھلی کا گوشت پانی میں چوش دے لیں یا اسی کی چربی میں بھون لیں یا لیمو اور نارنج کے ساتھ جو اس ملک میں کثرت سے تھے تھیلے ڈال کر ان میں بڑے بڑے سرے لے کر خشِ خود کو بھی کھانے کے لئے اور کچھ میسر نہ آتا تھا اور آخر کو یہ بھی نایاب تھا۔

بلو شاہی لشکر کی اس مصیبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ آسامی جو پہلے دوا دپ گئے تھے انھوں نے پھر سرگشا یا اور دہی بھوکھن جو محضو نیاز اور طاقت کے پینا ہو سلام بھیج دیا تھا۔ پھر لڑنے کو تیار ہو گیا۔ اور چونکہ متھرا پور میں بیماری زیادہ تھی اور تقریباً تین چھینے سے دن رات کی بارش اور لڑائی اور قحط کی مصیبت نے مجبور کر دیا تھا۔ اور اس نے میرے جملہ باہرینیا محرم کو دہاں سے ٹوڑ دیا تھا کہ کھڑکائی میں چلا آیا تھا۔ آسامیوں نے اس امر کو اور بھی زیادہ ان کی کمزوری پر معمول کیا اور از سرِ نو دن رات تلے کسے شروع کر دئے یہاں تک کہ یہ بھوکھن اور بیمار دھات بھر سوتے نہیں پاتی تھی۔

لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ چاندنی رات میں آسامیوں نے جو دیر غاں اور رام

شاہجہاں کے ایام امیری اور عبادت گاہیں

بھان سنگھ کے مورچوں پر بڑی ہمیت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن وہ شکست کھا کر ہسپا ہو گئے۔ دلیر خاں نے اپنی شجاعت کے عوض ہر طرف ان کے معمولی ہیں پا ہونے پر اکتفا ذکر کے چاندنی دات کے موقد کو نیست بجا اور وہ تک تعاقب کر کے اس قدر تھک گیا کہ اس کے بعد پھر ان کو کھڑکاؤں پر حملہ کرنے کی جرأت دھڑکی۔

فصل مختصر نصف ماہ صفر تک سب سرداروں اور سپاہیوں نے باری اور تھک کی مصیبت کو نہایت تحمل اور استقلال سے برداشت کیا اور چونکہ بارش میں بھی کچھ کمی ہونے لگی تھی اس لئے میر جلا اور اس کے سرداروں نے پھر کارروائی شروع کی اور معلوم کیا کہ براہ چانگ دریا کو کھڑکے پار دیول گاؤں تک ماسن کوہ کے قریب ایک ایسی آلہ بنی ہوئی ہے جو ہر سالی پانی میں نہیں ڈوبتی اور اس پر آمد و رفت کے لئے خوشک راستہ مرہو ہے۔ اس لئے میر جلا نے اکیسویں صفر کو تھوڑی سی فوج اور ابو الحسن نامی اپنے ایک مستر سردار کو جو اس کے ذاتی ملازمین میں سے تھا مفسدان کی سرکوبی کے لئے اور اس راستہ کو کھڑکے لئے مامور کیا اور یہ بھی جاہت کی کہ اسی حصے والہ کے مامور کو خبر دی جائے کہ رسد کی کشتیاں جس طرح ہر سالے دیول گاؤں میں پہنچے وہاں اس بندوبست کے موافق مخالفین کی تہیہ و تداریک کے بعد یہ دیول گاؤں میں پہنچ گیا۔ اور چونکہ دریا کنارے اب بھی آسامیوں کے مورچے اور نو تعمیر گڑھیاں تھیں اور رسد کی کشتیوں کے لئے اس وجہ سے اندیشہ تھا اس لئے کچھ رسد کشتیوں سے نکال کر ہمیت مناسب چانگ کے راستے سے کھڑکاؤں کو بھیج دی اور خود گاؤں کے ساتھ ہو کر کھڑکاؤں کو مدد دیا اور ان کی گڑھیاں جو جنگ بندی کے کنارے تھیں ان کو بھی چھین کر مسمار کر ڈالا۔ اور چانگ اور گی پرما دیول گاؤں میں راستہ کی حفاظت کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

آسامی فوجوں کا فرار | خلاصہ یہ کہ یہ تدبیریں کارگر ہوئیں اور آخر یہی الاول میں چھ پہنچے گئی۔ اور تھک کی مصیبت رنج ہو گئی اور برسات کے آثار کے ساتھ آسامی بھاگ کر پھر جنگوں و دھول اور اونچے اور چنے پہاڑوں پر جا پڑے۔ اور مام بھی سولہ کڑی سے پھر نامو پ کے پہاڑوں کو چلا گیا۔ اور اگرچہ اس کا نام سردار بنی وہی مذکورہ بالا سہوکن ہ ہسپا اپنے مورچے کی مفر علی اور ہمیت فوج کے ابھی تک کھڑکاؤں کے قریب ایک

ندی کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا۔ مگر اس نے بھی عاجزی سے پھر صلح کی درخواست کرنی شروع کی جس کو قبول نہ کر کے میر جملہ نے آٹھویں ریحہ اضافی کو چند سرداروں اور فوج کو کشتیوں پر بٹھا کر اس کو منلوینے کے لئے روانہ کیا اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں بھونکے ذکر سے اس کا ہاتھوں کا تعلق ہوا اس نے اپنے لشکر کے گرداگرد بنایا ہوا آتشا جھین لیا گیا۔ مگر چونکہ اس کے ساتھ جمیت کثیر ہو جوتھی اور اس نے ایک دوسرے قلعہ میں جو ڈنڈ کا ندی کے قریب تھا سر پہے جاملے تھے۔ اور اب وہ اس حملہ آور فوج اور کھانڈوں متقیم لشکر کے پیچ میں آگیا تھا۔ اس نے چودھویں ریحہ اضافی کو میر جملہ ذات خود کھانڈوں سے اس پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ پہلی ہی شکست سے ہمت ہار چکا تھا۔ اور اب میر جملہ کے ذات خود چڑھائی کرنے کا حال اس کو معلوم ہوا تو خوف ہو کر اس سورج سے بھی جڑبٹ مضبوط تھا ہے لڑنے بھاگ گیا اس جگہ پر قابض ہو جانے کے بعد میر جملہ کو خضریٰ کا بھی ایک اور سورج دریائے درگاہ کے اس پار باقی ہے۔ اس لئے وہاں سے اٹھارہویں ریحہ اضافی کو روانہ ہو کر وہ اس دریائے کنارے پہنچا ہی تھا کہ آسامی اس کو بھی خالی کر گئے حالانکہ دریائے عرض و عمق کے باعث وہ حملہ سے محفوظ تھے۔

میر جملہ کی بیماری | گراب قدرت ایندو سے یہ عجیب اور خوش واقعہ پیش آیا کہ مخالف
 آس کو مدد کے پارہی پہنچا ہوا دیکھ کر خود بخود بھاگے جاتے تھے۔
 گریہاں میر جملہ پر یہ حالت گذری کہ جس وقت اپنے گھوڑے پر سوار اس کنارہ سے آسامیوں کے سورجوں اور ان کے حال احوال کو مملکت کی تدبیر سوچنے کے لئے ہر نظر خود احتیاط دیکھ بھال رہا تھا۔ یکایک اس پر ضعف کی سی کیفیت ایسی طاری ہوئی کہ گھوڑے سے اتر کر زمین پر بیٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر تک بالکل بیہوشی اور غشی میں پڑا رہا اور اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا مگر کئی روز تک اس کو یہیں مقام کرنا پڑا۔ اور اب باوجودیکہ اس کے مقابلہ سے دشمن بالکل ہٹ گئے تھے۔ بلکہ ایسا اچھا اثر پیدا ہو گیا تھا کہ راجا کے لوگ عموماً اطاعت کرنے لگ گئے تھے اور بدلتی ہر مملکت نامی جو آسام کے سرداروں میں راجہ کا ایک بہت بڑا رکن تھا۔ اور بہت کسی بخش کے راجہ سے اس کی اُن سبب ہو گئی تھی اپنے اہل و عیال کی بھی ہمدانہ کر کے اور ماہ کی رفاقت چھوڑ کر میر جملہ کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا بلکہ میر جملہ کی خواہش کے موافق راستوں وغیرہ کے بند و بست اور شاہی فداست

شاہیاں کے اسیری اور مہارنگنیہ

کے لئے کئی ہزار آسامیوں کی فوج بھی بھرتی کرادی تھی۔ اور اس باعث صدام کو اپنے سب سرداروں کی طرف سے ایسی بدظنی پیدا ہو گئی تھی کہ اُس بچارہ وہ دارذکرہ بالا بھوکھن کو بھی ہر نہایت بہادری کے ساتھ بادشاہی فوج کو کئی جھڑپیں تک دی کرتا رہا تھا غرض ہذا سستی اور کوتاہی کا الزام لگا کر دھڑلے سے رسم کے مطابق میاں واطفال سیست لڑچک کی گم سینوں میں پروپ کر سخت ظالموں سے مروا ڈالا۔ اور سارے معاملات ایک مدت تک خواب رہ کر اب سب طرح میرجلہ کے حسب دل خواہ پہنچتے اور انہی مرض کے بھی اُس کا یہ مستقل ارادہ تھا کہ جس طرح بے راہ ہے آسام کا کل ملک جہیں کہ اس کو خارج کر دے اور اسی ارادہ سے پانچویں ہادی الاول کو کوہستان نامروپ کی طرف یہاں سے کو پتہ بھی کر دیا تھا لہذا ساتویں ہادی الاول کو قصہ سولہ کوٹری میں پہنچ کر اور آٹھویں کو دریائے دھنگ کے پار ہو کر رہیں کے کنارہ یہ قصبہ آباد تھا اور آگے بڑھ کر جاؤا تھا۔

گراہی مقام پر اُس کی بیماری بہت ہی سخت و شدید ہو گئی۔ سینہ اور معدہ میں درد ہو کر شدت سے تپ پڑھ گیا۔ اور دینین دن کے بعد مرض ذات الصدہ میں بھی مبتلا ہو گیا اس سبب سے اہل لشکر اور سردار جو متواتر ملازمتوں کے علاوہ گذشتہ بارش اور قحط اور بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے اب اُن کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ مہاراجہ سردار مر جائے یا مہم طول کھینچ کر دوبارہ برسات کا موسم آجائے اور لشکر تباہ ہو جائے اس لئے اکثر سرداریں ملنے یا مارہ کر لیا گیا گو میرجلہ اس مہم کو زیادہ طول دینا چاہتے تو خود سری اختیار کر کے بنگالہ کو چلے جائیں۔

راجہ کا پیغام صلح | اگرچہ میرجلہ کو بین شدت مرض میں سرداروں کے اس ارادہ سے نہایت ہی رنج ہوا۔ مگر عالی ہمتی اور خوشی تدبیر سے بالآخر دلیہ نہ ہو جاتے باوجود بیماری کے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا لیکن مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر اپنی اصل آمد کے برخلاف دل میں صلح کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس عرصہ میں مہم کے بیکے ہوئے سفیر اور وکیل امراء کے ذریعہ سے معافی اور صلح کی تہارت و تحریک کرتے تھے اور قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ لیکن اب کہ مہم راجہ علاء الدین خاں کے ذریعہ سے درخواست کی تو میرجلہ بھی بنا چاہی موقوف ہو کر راضی ہو گیا۔

اور مقررہ مہم مذکورہ کو اپنے لشکر گاہ سے آگے بڑھ کر موضع پننام میں ہو نامروپ

کے درہر ہوتا جا اُترا۔ یہ تمام کا علاقہ راجہ کے ایک رشتہ دار کی ریاست میں تھا۔
 میں کو اس کی طرف سے راہگی کا خطاب تھا۔ اور اس جگہ جنگل اور درہ کے سرے پر
 نہایت مضبوط مورچہ بنا ہوا تھا۔ فرحک اس جگہ راجہ کے وکیل حاضر ہوئے اور بہت سی
 قیل و قال کے بعد ان شرائط پر صلح شہر گئی۔ کہ راجہ ایک لاشی بیٹی اور ایک راجہ تمام کی
 لڑکی تین ہزار روپے سونا۔ ایک لاکھ بیس ہزار تولہ چاندی ہیں اتنی بادشاہی پیشکش میں
 پندرہ لاکھ تھی میر جملہ کو اور پانچ لاکھ تھی دلیر خاں کو دے۔ اور بعد ازیں بارہ مہینے کے اندر
 اندر تین لاکھ تولہ چاندی اور لاکھ لاکھ تھی سرکار میں داخل کرے۔ اور بطور پیشکش سالانہ ہیں
 لاکھ تھی بھجنا رہے اور مذکورہ بالا شرائط کی تعمیل تک اپنے چار بڑے بڑے سرداروں کے
 بیٹوں کو یرغمال کے طور پر جنگلہ میں حاضر کرے۔ اور بدلی بھوکھن کے اہل و عیال کو راجہ
 مشہر صدر میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا) علاقہ کامروپ کے بعض افسانوں کے
 ساتھ جواب بھی نامروپ وغیرہ کے پہاڑوں میں تھوٹے پادشاہی لشکر میں پہنچا دیے۔
 اور ملک منترہ کے اکثر کون کی طرف دریائے گنگا راجہ اور بادشاہی علاقہ میں صد فاسل
 مشہر ہو گئی۔ راجہ نے یہ سب قبول کر لیا اور ان امور کی بابت آسامیوں کی طرف سے ہتھیار
 اور میر جملہ کی طرف سے تول نامہ تحریر کیا گیا۔ اور پانچویں جمادی الآخر کو راجہ کے وکیلوں نے
 اس معاہدہ کی تعمیل میں دواں لوکیاں اور منترہ سونا چاندی اور چاروں سرداروں کے
 لڑکے حاضر کر دیئے۔

میر جملہ کی مراجعت | میر جملہ نے دسویں جمادی الآخر کو اورنگ زیب کے مہلوس کے
 پانچویں سال میں اس باعزت صلح کے بعد کوہستان نامروپ
 سے جنگالہ کو مراجعت کی داس حساب سے سن اہتدائے شروع کو پہ جو جمادی الاول کی تیرھویں
 تھی دوسرے برس کی دسویں جمادی الاظی تک کل اہم مہم ایک برس سے کچھ زائد ہو گئے،
 اور چونکہ اس کو بیماری سے کئی تہذانات ہو گیا تھا مثلاً بینرک جلد جلد کو پہ کرنا ہوا یا تیسویں
 ماہ مذکور کو کھسولہ میں پہنچ گیا اور میر یعنی وغیرہ سرداروں اور ہڑسوں کے انتظام میں جو کچھ
 سے معاشیاء اموال بادشاہی اور منہ یک گردو کثیر ہندو مسلمان زن و مرد کے جو تہہ
 سے روٹی یا کرا رہے تھے گرفت کیا اور چونکہ فرمتوہ علاقوں درہنگ اور ٹڈیوہ وغیرہ کا
 بند و بست اور گواہی کے نظم و نسق کو جو آسامیوں کے اہم تصرف میں خلل پھیر ہو گیا تھا

دوبارہ درست کرنا تھا اور ہم نارائن کو بھی اُس کی دوبارہ فساد انگیزی کے سبب مزا دینا
مزموم تھا۔ اور برسات کا موسم قریب آگیا تھا اس لئے میر جملہ کچھ فوج اپنے ساتھ لے کر
اور باقی فوج دیشک دلیہ خاں کے زیرِ کمان کھو گئے۔ میں چھوڑ کر اٹھتا تیسویں جمادی الآخر
کو گواٹھی کی طرف چل پڑا۔ اور یہاں سے غزہ جب کو آسام کی نئی سرحد کے ملاحظہ کے
لئے دامن کوہ کے راستے سے کوچ کیا۔ چونکہ جنگل بہت گہنا تھا تین چار منزل لشکر نے
بڑی تکلیف اٹھائی۔ چھام رجب کو دے دئے کنگ سے اتر کر قلعہ کبلی کے نیچے ڈیرہ کیا۔
اور اس جگہ دو ایک اور ڈیرہ کے راجاؤں کو جنھوں نے اس ہم میں اچھی خدمات انجام دی
تھیں۔ مناسب حال علاقوں سے سر فراز کیا۔

میر جملہ کی وفات

مگر ان ایام میں میر جملہ کو بعض دواؤں کے استعمال کی وجہ سے
جو۔ اطباء نے لگی، یعنی بے روپین ٹراکٹروں نے دی تھیں اور صاحب
عالمگیر نامہ کے خیال میں وہ عارضی وجہاً کہ ہمارے مراد میں بھی انگریزی دواؤں کی
منہبت اکثر ہندوستانیوں کا یہی مجموعہ خیال ہے، پہلی بیماریوں کے علاوہ ضیق النفس اور
خفقان و ترشہ شش اور استسقا کے آثار پیدا ہو گئے۔ غرض کہ اسی حال میں تیرہویں رجب
کو کبلی سے کوچ کر کے وہ یا پارتھب گواٹھی کے محاذی موضع اٹا ند میں اتر پڑا۔ اور بادشاہ
کے حکم کے مطابق رشیہ خاں کو مرکازنا موپ کا فوج وار مقرر کیا اور مزدوری اس کا بندوبست
مناسب کر کے چھیسویں کو موضع نامدے کشتی میں بٹیکر آفر تلخ رجب کو تمام بری تداراست
کوئے ہمارے دستہ پہنچ کر باوجود شست و مرض کے ہم ظہن کی مزا دی اور اس کا ملک چھیننے کے
ارادہ سے اتر پڑا۔ اور لشکر کے ہمراہ جانے کے اخطار میں جو چھپے آتا تھا اسی جگہ ٹھہرا۔ مگر خدمت
امراض سے جب اُس نے اپنے ہاں رہنے کی امید نہ کی تو چار عسکر خاں کو کہہ دیا کہ ہمارا قصیر
کے لئے نامور کے خضر پہ۔ کو کوچ کیا۔ اور ہم کے دن رمضان کی دوسری کو نعل سے دو کو سپر
اس دنیا سے ناچار خاری سے سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اسے جہا آندہ کو خاک شدہ : اور جب یہ خبر
بادشاہ کے پاس پہنچ کر وہ کھیر کو جارا اٹھا لاہور میں پہنچی تو بادشاہ نے اُس کے بیٹے محمد امین خاں کو
جو میگزنی اور پٹنہ ڈیواری پٹی نزار سوار کا امیر تھا نہایت تسلی سے کہ بہت سی شہادہ علاقوں سے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۵۱)

پرتگیزیوں کی ہندوستان میں آمد اور ان کا عروج و زوال

صفحہ ۳۰۸ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مترجم انگریزی مترجم ہنگ براک سے پرتگیزیوں کے ہندوستان میں آنے اور ممالک مشرقیہ میں ان کے عروج و زوال کا احاطہ ایک دلچسپ ماحول میں تفصیل سے لکھا ہے جس کو خفیف تفسیر و تبدل کے ساتھ ہم اس جلد کے خاتمہ میں لکھا گئے ہیں۔ چنانچہ وہ مطالبات ذیل ہے۔

ہندوستان کی دولت مند سی کی شہرت اور یہاں کے گرم مصالحوں کی اڑاڑ اور سستی صہیں کپڑوں کی موگی سے دیکھتے رہا رہے۔ یورپ کی اکثر قوموں کو اس ملک کے ساتھ اپنا کاروبار تجارت جاری کرنے کے لئے نہایت بے چینی کر رہا تھا۔ لیکن فلکی کے راستہ کی مشکلات اور سمنہ کی مادی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لاچار رہ گئے مگر آخر کار جب تک کل کے ادرنہاء جان و دھن سے ہر پناہ پر تیار رہتے ہی ہر شخص متعامل وہ آمد سالیانہ کے برخلاف پہلے ہائے تخت لڑی کو جوہر یا سہہ ٹیکس کے کنارے آ جاتا ہے۔ ایک ایسا ہندو گاہ قرار دیا کہ جس میں ہر طرف کے بہار ہند کی طرف کی روک ٹوک کے آنے لگے اور اسی کی اجازت اور من و کرم سے ہندو مسلم جمیٹ سمیت ہند میں سفر کرنے کا نیا طریقہ جاری ہوا تو پرتگیزیوں نے پہلے کہیں کا راستہ نکالا جو ممالک افریقہ کے اتر سے جزیرہ کی طرف واقع ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی تلخیزی کے باعث جو یہاں تک پہنچے ہیں طرفان کی شدت سے ان کی احمالی پڑی تھیں اس کو کیپ آف مشام سنی دیا اور افریقہ کی طرف گئے تھے اور آگے بڑھنے سے کسی حد تک جھجکتے تھے۔ لیکن اس بادشاہ کے خیال میں یہ امر قسطنطنیہ کا دروازہ سے ہندوستان کا راستہ منہ سے لگا اس تمام ملک اور تہمت فلکی نام کا بل

ل نہ پڑی۔ ت سے گت مل کیے ب آف س ٹ ارم

بقیہ چاشنی صوف گزشتہ۔ دینا مناسب سمجھا اس کا نام کیپ آف گڈ بوپ یعنی راس
نیک امید رکھ دینا۔ اور اس کے بعد جب ااقوال تحت نشین ہوا تو وہ بھی خواہاں کی
اسی تدبیر کی پیروی میں مصروف رہا۔ چنانچہ آٹھویں جولائی ۱۶۵۷ء کو ایسے پھوٹے
چھوٹے چار جہازوں کا بیڑا جن میں صرف ایک سو ساٹھ آدمی سوار تھے زیر حکم رہا سکریٹری گا
ہندوستان کے راستہ کی تلاش کے لئے پھر روانہ کیا گیا۔ یہ باہمت سوار اول کیپ
آف گڈ بوپ پہنچا اور پھر اس سے آگے ایسے سمندروں کوٹے کرتا ہوا جن کو پہلے
کسی نے نہیں دیکھا تھا وہ پہنچنے لڑوں کے ایک پر مشہور بندہ لوانائی سفر کے بعد
شرعی خلی روز جمعہ ۱۶ جولائی ۱۶۵۷ء کو ساحل ملا بارہا پہنچا۔ اور جس کام کے لئے یہ لوہو
لوگ ساتھ برس سے جا رہے تھے آخر کار ان کی محنت ٹکٹا نے ٹک گئی۔
اس وقت ہندوستان کا ملک دہلی کے علاوہ جنوب و مغرب کی طرف مختلف فرمانرواؤں
میں منقسم تھا اور ان کے ماتحت اور چھوٹے چھوٹے راجہ اور راج گدار بھی حکمران تھے۔
ان میں سے کالی کٹ کا فرماں روا جس کا لقب ڈیمونک و سامری تھا۔ ساحلوں اور

سے فارسی تاجداروں میں زیر و زبر کو سامری لکھا ہے اور زمانہ حال کی بعض اُردو تصانیف میں کالی کٹ
کا تلفظ اعلیٰ کوڑو اور کالی کوٹ درج ہے۔ اس لئے ہم نے مداس گردشت کے ایک مالی
خزائنہ عہدہ دار کی معرفت خود صاحب کلکٹر لاہور سے ان کی اصلیت دریافت کی تھی مگر انھوں
کو صاحب مصروف کو ان فعلوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہ مل سکا۔ آخر کار ہم نے مصور بہار صاحب
صاحب بہادر مرگہ دہلی والی ثراوی کو جو بہت صاحب علم تھے۔ اور ان کی ریاست بھی ساحل
ملا بارہا پر واقع ہے۔ ان کی تحقیق عاوی چنانچہ مصور بہار کے حکم سے ان کے سکریٹری نے جو
جواب خود میراٹھوی چٹھی کے تحت ان کا خلاصہ یہ ہے کہ زیر و زبر تو یورپی لوگوں نے بنالیا
ہم کی چٹھی کے ساتھ صحیح مداس سامری ہے۔ مگر اس کے معنی اور اشتقاق معلوم نہیں۔

اور کالی کٹ کی اصل لائی کوڑو تھا مگر اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت یہ دعایت بھی کوشاں ملا
سنی پھر وہاں بیروہاں سے جب ہے راج گدار کے طور پر سب سے پہلے سامری کو ریاست عطا
کی تو ایک تلوار اور مرقا دے کر یہ حکم دیا تھا کہ مقام ثانی میل کوڑو بعد ازاں سامریوں کا راجہ و مرقا

پڑ گئیں۔ کاپتیہ حاشیہ۔ جنگِ مول برسرِ پست سے زیادہ حکومت اور اقتدار رکھتا تھا۔ اور غلامِ راکہ تمام ملک اسی کے زیرِ فرمان تھا۔ جب اسکو ٹوی گاماتے سنا کہ کالی کٹ ایک بڑا تہائی نڈنگا ہے تو وہ اسی دھس کا ایک جہازی رہنا بھی سمجھا کہ کالی کٹ میں پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے یہاں نورمن ٹھہرا رہے والا ایک سلطان شخص ایسا مل گیا ہر پر گیزی زبان سے واقف اور ان سے میل جول اور اس وجہت کو پہنچ کر تاتھا۔ اس شخص کے نزدیک سے اسکو ٹوی گاماتے سامری کے وہ باریں بازاری حاصل کر کے اپنے بادشاہ کی طرف سے دو تھلے لٹھروں کا ایک ہر ایک پرنگانی میں اور دو سڑھوں میں تھما پیش کئے۔ اور یہ درخواست کی کہ دوستی اور تجارت کا ایک عہد نامہ بادشاہ پر نکال اور سامری کے ایام ہو جائے۔

یہ عہد نامہ ہو جانے ہی کو تھا کہ وہاں کے سلطان تاجروں سے جو پڑ گیزیوں کی اولوالعزمی اور تھوڑی سے خافت تھے سامری کے دل میں کچھ شکوک ڈال دیے اور ان کی باتوں سے ایسی ۲ خیر کی گراس کے اور اسکو ٹوی گاماتے کے ایام سخت آنی پئی ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند ہی روز پہلے ہی لوگوں نے افریقہ کے ساحل مغربی و شمالی پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے جہاں کاترک رہیں نی ناعہ محمد صادق باقی ہے۔

س۔ م۔ ج

بقیہ حاشیہ زیرِ بحث۔ جانے اور جہاں تک سریش کی آمدان پہنچے اس قدر طاقت پر قبضہ کر لے۔ اس وجہ سے کالی کو ٹو و نام پڑ گیا۔ جس کے معنی وہاں کی زبان میں سریش کی ریاست ہوتے ہیں۔ جس کو ہمارے ملک کے ہندی سوادہ کے معانی کو کوڑا لٹھ کہنا چاہیے۔

محمد صاحب کی اسلحہ چند سے بھی دو ایک عہدہ اور جاسے کتاب ہے، ذہنی وادیت کی تائید ہوتی ہے جتنا کہ محمد صاحب موصوف نے ذرا کٹر نکاح صاحب کے سفر نامہ کے حوالے سے لیں کھا ہے کہ اس ملک میں انسانہ کے طور پر عام عداوت یوں پھیلی ہوئی ہے کہ شاہ مابارے ایک دفعہ پنے صراہوں کو تمام ملک بانٹ دیا تھا۔ یہاں تک کہ جب سامری نامی ایک سرحد سے اپنے سے بھی طاقتور مانگا تو اس کے پاس دینے کو ترکچہ باقی نہ تھا اس وجہ سے لٹھی تلوار دیدی اور کہا کہ وہاں سے ہر شیا جو ایک منہ باگ سے لے کر ہے جہاں تک اس کی آواز جائے اس قدر ملک پہنچو قبضہ کر لے۔ صاحب موصوف کہتے ہیں کہ یہ سرحد والی بات ہر کالی کٹ سے تقریبی نام کالی کوڑو کی اصل بیان کی جاتی ہے اس کی اصلیت خواہ کچھ جو ہندو گراس میں شک نہیں کہ وہ بادشاہ کے ادا کی تدریج ملنے سے ان سب سوادوں پر پڑا سامری ہی غالب گیا اور تمام ملک پر اسی کی حکومت ہو گئی۔ اور غالب سامری ہی سے اس کے ہاں غیبوں کا تہذیب رفتہ رفتہ سامری ہی گیا۔

س۔ م۔ ج

شاہجہاں کے ایام امیری اور ہمدردی کے

پریکیزوں کا نتیجہ حافیہ۔ کی اس نے بہت کچھ خاطر اور عزت کی حقیقتیں کے قتل کے درپے ہو گیا۔
 داسکوڑی گا، یہاں کا نقشہ گڑا ہوا اور ناقابل اصلاح دیکھ کر جل دیا۔ اور جاتے ہوئے
 سامری کو یہ کہلا بھیجا کہ مسلمان سوداگروں کے ہیکلے سے تم نے ہم کو چھڑا دیا ہے عزت تو بھا ہے۔ مگر
 یاد رکھو کہ مقرب معلوم ہو جاتے گا کہ پریکیز کوئی اور کیسے ہیں۔ اور اس کی رہائی کے چند لوگوں کو بھی
 جو باہمی ان کی حالت میں پکڑ لئے تھے۔ اپنے بادشاہ اور اہل وطن کے دکھانے کے لئے ساتھ ہی لیتا
 گیا۔ اور اگرچہ سامری کے چند جہازوں نے کچھ دوسرے اس کا تعاقب بھی کیا مگر باومراو کی مدد سے وہ
 صحیح سلامت نکل گیا۔ اور دوسرے دو چھپنے کے بعد ایک سوسائٹ ہر امیروں میں سے صرف چھپا ہی
 آویں کو زندہ لے کر بھاگتا ہوا سفر فرمایا۔ اپنے وطن میں واپس پہنچ گیا۔

جب ہولوگ دارالسلطنت میں پہنچے تو اہل شہر نے بغیر خیال کر کے کہ اب تمام دنیا کی نجات پر
 نصرت تجارت ہمارے قابو میں آنے والی ہے بے حد خوشی منائیں اور داسکوڑی گا کو اس کا گنگا
 کے محل میں بادشاہ نے ایک بھاری پنشن اور بڑے بڑے خطاب عطا کر دیے۔

اور دس کشتیوں کے قرق کے پیشوا سے اعظم پوپ آف روم نے ہر سینہ اسی تاک میں رہ کر تے
 ہیں کہ مار خلافت کے رول میں اس خیالی کو بھائے رکھیں کہ دوسرے زمین پر پوپ کی ہی نصرت اور
 اقتدار کسی کا نہیں۔ قبول مشہور۔ آپ اور دینا بنسین۔ پر مل کر کے اپنی طرف سے بھی ان اپنے
 مرادوں کو ہر طریقہ رحمت کیا کہ مشرقی ملکوں میں جتنے ساحل اور بندر گاہیں تھیں دریافت کر لو گے وہ
 سب ہم نے تم کو بخش دیئے۔

اس کامیابی سے، الاٹیل ایسا مسرور ہوا کہ اپنے اقباب شاہی میں ایسے اتفاق اضافہ کئے
 کہ شاہ ہر محال۔ انگریز۔ عرب۔ فارس اور سند کے ساحل و جزائر کی فتوحات اور جہاز رانی کا
 بھی ناکم ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد تیرہ جہاز بارہ سو آدمیوں کی جمیٹ کو لے کر تے زیر
 حکم ال صرب کاہرل میں، اپنے مشفقہ کو پھر کالی کٹ میں آئے۔ اگرچہ ان کے آئے پر سامری کی
 طرف سے بھی کچھ ہر سلوک۔ ہولی اور کامریل سے بھی ان شخصوں کو جنہیں داسکوڑی گا پکڑ کر
 لے گیا تھا واپس فکر پھر ڈر دیا۔ اور ان قیدیوں نے اس صر سلوک اور طریقوں کی بھی ہر پریکیزوں
 نے اپنے وطن میں ان سے ہر کی نہیں نہایت صرف وہ صر کی۔ لیکن سامری کے دل کے فہمات
 ایک مدت واز کے بعد اپنے ہونے مگر کچھ بھی عربیہ یا انگریزی نام پر سامری اور داسکوڑی گا بلکہ
 لے ملک ماکش و طریقہ کے ساحل شمال و مغرب ہر صر کے قریب واقع ہے اصل میں وہاں

پڑھنے والوں کے حاشیہ کا نتیجہ۔ باہم ان میں کامیابیت پر نے تھے اس کے ساتھ میں زیادہ اعتبار رکھتے تھے۔ ان کے ہمسایوں سے اب یہ ایک ادنیٰ حرکت ہوئی کہ شہر کے لوگوں نے پچاس پڑھنے والوں کو مار ڈالا۔ اس کے انتقام میں کامیابیت نے فراروں کے کل جہازوں کو ہر چند گاہ میں موجود تھے۔ جلد ہی اور شہر پر بھی خوب گولے مارے۔ اور دلوں سے کہ چپ کو ہوتا ہوا کانا اور کھلا گیا۔ اور ان دلوں مشہور کے راجاؤں نے اُس کو بہت سے گرم مصالحے اور دھوپے اشتریاں بندھیں۔ اور ساری کے یہ خلاف جس کے وہ باج گزار تھے اس سے دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان کرنا چاہا۔ اور قرب و جوار کے اور کئی راجاؤں نے بھی یہی درخواست کی۔ ان سب کو یہ ہوس تھی کہ اس طرح ساری کی اطاعت سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور اپنے اپنے ملکوں کی حدود کو بڑھالیں گے۔ چنانچہ اس ویرانگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک ملے باہم پڑھنے والوں کو اس قدر اقتدار حاصل ہو گیا کہ جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں کے فرماں روا ہو جاتے تھے۔ اور کسی راجہ سے جب تک وہ اُن تین باتوں کو قبول نہ کر لے اتفاقِ باہمی کا عہد و پیمان نہ کرتے تھے۔

اول۔ یہ کہ ہندو بار لڑائی کے تابعدار اور مطیع الحکم ہیں۔

دوسرے۔ یہ کہ پڑھنے والوں کی ریاست گاہ میں ایک قلعہ بنالیں۔

تیسرے۔ یہ کہ پڑھنے والوں سے تمام غریبوں کو اُس کی قیمت کی شخصیں اور کسی ایسی نگرار و نزع کا فیصلہ وہ اپنی ہی رائے سے کریں۔

اس کے علاوہ سب غیر ملکی تاجروں پر یہ امر لازم کیا گیا کہ جب تک پڑھنے والوں سے فارغ ہو کر اُس کو اپنے جہازوں پر نہ چڑھ جائیں وہ سب لوگ مال کی خرید و اور دکانی سے رُکے رہیں۔ اور اُن کے اجازت نامہ اور سند و ہادی کے بغیر کوئی شخص مسند کے سفر کا مجاز نہ تھا۔ اگرچہ پڑھنے والوں کو چند بار ملازمتیں بھی ملتی پڑیں۔ لیکن اس سے اُن کی تجارت میں چند خلل نہ پڑا۔ بلکہ اُنہوں نے اپنے تئوں سے سہا ہوں کے ساتھ بڑی بڑی فرووں کو کشیں دیں۔ اور چند ہی سال میں اس قدر اقتدار پھیل گیا کہ ہر حاشیہ و حاشیہ کے باشندوں کو یہ مسلمان ہیں انگیزہ ہی میں سرکہتے ہیں۔ مگر جس طرح کل ملک مختلف فرقوں کے ساتھ۔ ہر ایک باشندوں کو ملک حبش کے قرب کے باعث مرنا جیٹا کہتے ہیں۔ یا اس پر وہی لوگوں کے یہ فرائض کے قرب کی وجہ سے بلا حواء اختلاف اقوام نظر نہ لگتی بلکہ جانتا ہے اسی طرح اگرچہ یہی میں خدا و مر کا اساطیر جہاز اُن سب عرب اور افغانی ساونے رنگ کے مسلمانوں پر کیا جاتا ہے۔ جن سے یورپ کے لوگوں کو مشرقی مسندوں میں سابقہ پڑتا تھا۔ س۔ م۔ ج۔

شاہجہاں کے اہام امیری اور جہاد نگلیہ

پرتگیزیوں کے ماضیہ کا بغیر۔ کہ ان کی مقبوضہ بندرگاہوں میں سلہری یا اُس کے باغ گنار راجاؤں یا عرب و غیرہ سوداگروں کے جہاز داخل نہیں جا سکتے تھے۔ اسی عرصہ میں جب افغانو امیر کرک شہزادہ برنگال کی طرف سے ویسٹلے مقبوضہ کر آ یا تو براہِ دراندیشی اُس کی یہ رائے ہوئی کہ ہندوستان میں شہرے کے لئے کوئی ایسی جگہ قرار دینی چاہیے جس کو دشمن کے حملے سے آسانی کہا سکیں اور وہ ایک اچھی بندرگاہ بھی ہو۔ اور آب و ہوا بھی مہربان ہو کہ کوڑاؤں پر نگیز دور دلاز کھری مسافروں کے بعد وہاں آرام لے سکیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے عزیز و گرام کو ہر کنٹرک کے حدود میں راقع ہے منتخب کیا۔ اگرچہ اُس وقت گرام ایسا ہی تمام نہ تھا جیسا کہ آج کل ہے۔ لیکن پھر بھی وہاں کا جنگل گاہ اُن اطراف میں ہر طرف سے مضبوط اور بہتر بھا جاتا تھا۔ ان دونوں میں یہ مقام فرانسوا کے دکن یعنی خاندان پنہیہ کے راجے میں تھا۔ لیکن یہ مسافروں کی طرف سے وہاں کا صوبہ دار تھا خود سر ہو کر پٹا پارنگلیہ کی حکومت پہلے سے اس کو پیش کر رہا تھا۔ اور جب کہ یہ غاصب ملک گیری کے منصوبوں میں کسی طرف مصروف تھا تو امیر کرک نے یہاں خالی دیکھ کر قوی نامی اپنے ایک دوست کے مشورہ سے ہر کنٹرک کے علاقہ میں دریا کی غارت گیری کے ذریعہ سے بہت زبردست ہو گیا تھا۔ مسئلہ میں گرام پر ناگہان حملہ کیا اور شہر کو لے لیا۔ اس واقعہ کے باعث مادل خاں کو گرام میں آنا پڑا اور پرتگیزیوں کو بھی مستحکم طور سے پاس نہ جانا پڑا تھے تاہم شہر چھوڑ کر جہانوں پر جا پڑے۔ لیکن اس سے تھوڑے عرصہ بعد جو مادل خاں کو وہی گرام کے راجہ سے لڑنے کو کہا پٹا قرا امیر کرک نے اپنے اُسی دوست کی اطلاع سے پھر ایک چھا پٹا مارا اور گرام پر تاجپن ہو بیٹھا اور مورچہ بندی کر کے اور حصار و غیرہ بنا کر اُس کو خوب مستحکم کر لیا۔ اور کالی کٹ کا بعد جو کسی کام کا نہ تھا وہاں کی دولت مندوں اور تجارت سب گرام میں سمٹ آئی۔ لہذا اسی دن ستر گلیزوں کے مقبوضات واقعہ ہند کے لئے شہر گرام بمقابلہ پائے تخت کے ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ جب پرتگیزیوں کی حکومت غلبہ نارس اور بھرپور اور ماسا ملابار میں پہنچی تاہم جو گئی تو انھوں نے انڈیا کے اور مشرقی ملکوں کی طرف رخ کیا۔ اور اس ہم میں امیر کرک نے سب سے پہلے جزیرہ ملانڈیپ کو ستر گیا۔ اگر پرتگیزی دور چلی اور مابقیہ اندیشی کو کام میں لاتے تو ان کے لئے یہ زیادہ مفید تھا کہ اپنی تمام قوت اور طاقت کو اسی جزیرہ میں تاہم کر بیٹے۔ کیونکہ اول تو یہاں کے ہندو گاہ ہندوستان کی تمام ہندو قوم سے بہتر تھے۔ دوسرے یہ جزیرہ مشرقی ملکوں کے وسط میں تھا اور تمام دو تہہ ملکوں کے راستے اور قریب تھے اور اس کی سب ہندو ہی ایسی تھیں کہ وہاں سے جنگی جہاز ایشیا کے تمام ملکوں پر دباؤ ڈالنے اور خوف تاہم رکھنے کو آسانی بھیج جا سکتے تھے۔ اور خود اس کے ہندو گاہوں کی حفاظت و راستہ قوی

پرتگیزیوں کے حاشیے کا قبضہ، مہی نوٹ سے کوئی ہو سکتی تھی۔ مگر نائب السلطنت نے ان فوائد کا کچھ خیال نہ کیا۔ بلکہ ساحل کا درمشل پر قابض ہو جانے میں بھی فروگزاشت ہی کی۔ اور اگرچہ یہاں سے وہ عمدہ اور نہایت لطیف اور مہی سوئی کپڑے بہم پہنچ سکتے تھے جو دنیا بھر میں بے مثل گئے جاتے تھے۔ اور جنگل اور اور ممالک کی تجارت کے لئے یہ مقام قدرتی طور پر نہایت مفید اور تھوڑا سا تھا۔ مگر اب جو اس کے بھی کوئی اچھی جگہ اس ساحل پر قائم نہ کی۔ تھی کہ مقامات میں حاشیہ ناگ نہیں بھی ایک مدت کے بعد قائم کئے۔ اس لئے یہ غوال کر لیا تھا کہ وہ حاشیہ ہم جزیرہ ملائیشیا کے ایک ہر گئے ہیں۔ راجن کی فرمائات کو دیکھ کر لائے سابق دی امید سے شروع کیا تھا، اگر ملک ملاکا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو پھر ساحل کا درمشل کی تمام تجارت خود ہی ہمارے قابو میں آجائے گی۔ پس اس وجہ سے اس لئے ملاکا بھی کو مقدم ٹھہرا کر اس کی طرف توجہ کی۔ یہ ملک جس کا والا ملکویت مشہور ملاکا ہے طول میں تین سو میل کے قریب اور عرض میں بہت تنگ سا ہے۔ اس کے شمال کی طرف ٹنگی میں ترسیام کا ملک ہے اور باقی تین طرف سمندر ہے۔ چونکہ ملاکا اپنے موقع کے لحاظ سے ہندوستان کے تمام تجارتی مقاموں میں سب سے بہتر مندرجہ ہے۔ اور پرتگیزیوں کا اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ مشرقی ملکوں کی سب طرح کی تجارت میں جس طرح جیسے سہم و شریک ہو جائیں اس لئے یہ لوگ اس ملک میں پہلے پہل صرف تجارت ہی کے واسطے ہی نمودار ہوئے۔ چونکہ ان کی دست داریاں تھیں جو وہ ہندوستان میں کرتے آئے تھے ان کی تدبیروں کو بہت شہرت پانچواں تھا۔ اس لئے اہل ملاکا ان کے آئے سے بہت ڈرے۔ اور باہم بوجہ کر کے بہت سون کو مار ڈالا اور باقی ماندہ قبضہ کر لئے۔ اگرچہ الہیہ کرک کو ملاکا پر حملہ کرنے کے لئے پہلے بھی کسی حیلہ بہاد کی حاجت نہ تھی۔ مگر اب تو خود بخود ایک مہاز سہیل حمل آئی۔ اس واقعہ کے باعث اہل ملاکا کو بھی بھی خیال تھا کہ کسی دشمنی ان الہیہ کرک کا کیا کیا ہوئے گا اس لئے وہ بھی لڑائی کے لئے ہر طرح تیاری کئے بیٹھے تھے۔ چنانچہ اہل ملاکا سب سے پہلے الہیہ کرک کے سامنے نمودار ہوئے ان کو مقابلے کے لئے مستعد اور تیار پایا۔ پرتگیزیوں نے شہر پر حملہ کیا۔ اور کئی بار سمت اور فروزید لڑائیاں ہوئیں۔ مگر آخر کار شہر چھین لیا گیا اور یہ شہر مال و دولت اور سامان حرب و ضرب پرتگیزیوں کے ہاتھ آیا۔ اور قبضہ قائم رکھنے کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ لیکن الہیہ کرک نے زینہ دست اندازی مناسب دیا کہ صرف شہر ملاکا ہی پر آکٹھا کیا۔ سیام اور پنگو کے بادشاہوں اور قرب و جوار کے مصلوں نے پرتگیزیوں کی اس فتح سے جو ان کے استقلال اور آزادی کے لئے انہیں سفر قسری غاصب ہو کر الہیہ کرک کی خدمت

فنا، جہاں کے امام سہری اور صدر اعلیٰ

پرہیزگوں کے ماحضہ ۲۲ تھی۔ میں مبارک باد کے لئے سفر بھیجے۔ اور درخواست کی کہ ہمارے اور شاہ
پرہیزگاہ کے باہم دوستی اور اتفاق کا عہد و بیان ہو جائے۔ اور یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ہمارے
ملک میں کامیاب تجارت جاری کریں۔

جب شہر لاہور میں پہنچا تو اپنے قدم جمائے اور قرب و حصار کے رستوں پر بھی اپنا رعب و اب
جہاں بٹھایا تو اہل کرک نے اپنے ریشے میں سے چند جنگی جہاز جزائر شعلہ لاکا کی تسخیر
و فیروہ کے لئے روانہ کئے۔

یہ نام بطور ایک مجبور جہاز کے ہی۔ اور ان کے ہاں شہر سے پشت و پشت سے ہوا گداز
اور نارمل کے وعدہ پر گداز کیا کرتے تھے۔ مگر اتنا ٹھاکری طوفان و فیروہ کے حادثہ کے ہاں
ہر ایک پستی، جہاز و ہاں آگیا تو پہلے پہل انہیں کی جہالت اور جا بھل لئے جہاز جزائر میں
بکثرت تھے دنیا میں مشہور ہوتا شروع کیا جہاز انہی اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ معاملے
ہندوستان میں مونا پسند اور مغرب میں ہو گئے۔ اور پھر ہند سے ایران اور ترکستان میں جا پہنچے
اہل عرب جو اس زمانہ میں تقریباً تمام دنیا کی تجارت پر تابع تھے بھلا اس پر صنعت سازگری پر
ان کی آنکھ کھول کر دیکھتی، جہازوں میں تاجروں کے قافلے کے قافلے ان جہازوں میں جو پہلے دار کی
بہت سے مشہور تھے اگر نہیں ہو گئے اور تب سے اب تک وہاں کے مسافروں کی تجارت انہیں کے
ہاتھ میں تھی کہ بیکار ہے پر بھلائی جو کسی ملک ان کا بیجا نہیں بھر پڑتے تھے یہاں بھی ان پہنچے اور اس
تجارت کو ان سے چھین لیا۔ اور اس وقت سے شاہان پرہیزگاہ نے ان جہازوں کو اپنی مل داری
بھنا شروع کیا۔ اور حقیقتاً چند روز بعد انہیں کے جو بھی گئے۔

الہیہ کرک نے سلطانہ میں مقام گرا انتقال کیا۔ اور لوہے سوارین اس کا باغیش مقرر ہوا۔ یہ
فصل بھی تمام ملک گہری اور صدر مملکت کے بڑے معاملے میں اپنے جانشین ساجن ہی کا مسئلہ
تھا۔ مگر کچھ عرصہ تک اسی کو ان خزانوں کی روک تھام کی تدبیروں میں مصروف رہنا پڑا جو
ہندوستان میں پرہیزگوں کے مقابلہ کے لئے تربیت و ترقی تھیں لیکن ان تفکرات سے چھوٹے ہی
اُس نے چین کا راستہ معلوم کرنے کا عزم مصمم کیا۔

لاہور میں الہیہ کرک کے عمل داخل کرنے سے پہلے ملک چین اور وہاں کے لوگوں کے حالات
فرنگستان میں کسی کو معلوم نہ تھے کیونکہ فرنگستان سے اب تک صرف مارکو پولو ہی شہر نہیں داخل تھی
کارہنہ والا ایک مشہور سیاست نگار کے راستہ وہاں گیا تھا اور اُس نے اُس ملک کے کچھ کچھ۔

بقیہ عاشرے سفر گزشتہ حالات کھے تھے جس کو لوگوں نے باور نہ کر کے محض دامیات اور انعام کجا ہوا تھا۔ مگر ہب الہیہ کرک لٹا کا میں چینی کے بعض جہاد سی سودا گروں سے ملا۔ اور اس نے اس عظیم الشان سلطنت کی وسعت و فیرہ کے حالات معلوم کئے اور ان کو قطع ہند کر کے زرگنتی کی کجیجا تب لکھنؤ کے بیان سے مطابق پاک زرگنتی کے لوگوں نے بھی اس سیاست کی رعایت کی تصدیق کی۔ چنانچہ مشفقہ میں پائے تخت ازہن سے خاص پریر نامی ایک سفیر جس کے ساتھ چند جنگی جہاز تھے چین کو روانہ ہوا۔ جب یہ جہاز سفیر کرے کر ان جہزوں کے قریب پہنچ کر لاشن کے آس پاس میں تو ان کو چینی جہازوں نے آن گھیرا۔ فرٹی نیڈاٹھ راٹا لے جو ٹپنگالی جہازوں کا سردار تھا ازراہ دانائی چینیوں کو اپنے جہازوں پر آنے کی اجازت دی۔ اور اپنے آنے کا مدعا بیان کر کے خاص پیچہ کو کفارہ پناہ دیا اور چینی آس کر اپنے ملک کے پائے تخت شہر یکن میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر پہنچے کو معلوم ہوا کہ چین کے اہل دربار پیرنگیزوں کے ساتھ رعایت اور خاطر داری سے پیش آنا چاہتے ہیں۔ جس کا سبب اول تو ان کی وہ ناموری تھی جو تمام مشرقی ملکوں میں پہلے ہی پہلے رہی تھی اور اس کے علاوہ فرٹی نیڈاٹھ راٹا کے مستقل طریقہ کار و عاقبت سے پیرنگیزوں کی اہل چین کی نظروں میں اور بھی بڑھا دیا تھا۔ اس وجہ سے چین کی ہندو گاہوں میں پیرنگیزوں کو تحوات کرنے کی اجازت ملنے ہی لائی تھی۔ اور خاص پیچہ کے ساتھ مہنامہ ہر لے ہی والا تھا کہ اتنے میں فرٹی نیڈ راٹا کا بھائی۔ ساتی من ایڈ راٹا کچھ اور جنگی جہاز لے کر آگیا۔ اور اہل چین سے وہی غلامی حرکتیں کرنے لگا جو یہ لوگ تمام اہل مشرق کے ساتھ کچھ مدت سے کیا کرتے تھے۔ اور ملا اجازت و دربار چین کے ایک نلو جہزہ میں بھیں تمہیر کر دیا اور وہاں ہو کر جو جہاز بھیں کی ہندو گاہوں کو آتے جاتے تھے ان کے ساتھ جہزہ تعدی اور لوٹ کسٹ کامل کرنے لگا اور بہت سے چینیوں کو کچھ کو غلام بنالیا اور نہایت بیکال کے ساتھ دریائی تفراتی اختیار کرے۔

اہل چین ان حرکتوں کو دیکھ کر سخت غضبناک ہو گئے۔ اور ایک ٹراڈنگ جہازوں کا پیرنگیزوں کی تنبیہ کے لئے امر کیا۔ لیکن پیرنگیز نہیں مقلد کئے۔ بھاگ نکلے۔ اور فقور چینی نے خاص پیچہ پریر کر کے پائے تخت میں موجود مہنامہ قید کر لیا چنانچہ وہ تمہیدی میں مر گیا۔

اس واقعہ کے باعث اگرچہ چند سال کے لئے پیرنگیز چین کی حدود سے بالکل غارت ہو گئے تھے۔ مگر اس کے بعد چینیوں نے پیرنگیزوں کو ہندو گاہوں میں تحوات کرنے کی اجازت دیکھ کر اور بھائی ہ اتفاق چنی آیا کہ ایک بکری حراق و اپنی حوازا کا مایوں سے نہایت دروست ہو گیا تھا۔

شا جہاں کے دام اسہری اور عہدہ نگینہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، جزیرہ سکاؤپ کا بعض ہو گیا۔ اور وہاں سے بھی کی بندہ گاہوں کے آتے بندہ
 کر دیتے اور پہلے تک بڑسا کر غیر کاٹن کو جا گھیرا۔ اس کی ان حرکتوں سے شرفیقا مراد نام علی اس قدر
 تنگ نہ تھے کہ پگیزوں سے مدد چاہی۔ یہ لوگ اس موٹھ کو نصیب بھسکا کاٹن کے پکائے کے لئے دوسرے
 اور اس قزاق کو شکست دے کر محاموا اٹھا دیا۔ اس کے صلہ میں منصور چین نے غرض ہر کر جزیرہ سکاؤ
 انہیں کو بخش دیا۔ اور ان لوگوں نے اس جزیرہ میں ایک شہر بسا لیا جو تھوڑی سی مدت میں بڑی رونق
 پکڑ گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے ساتھ بھی اُن کی تجارت جاری ہو گئی۔ غرض کہ میں پرتگیزیوں
 کا ایک جہاز قدرت طوفان سے بہرہ کر جزائر جاپان میں جا پہنچا تھا۔ جاپانیوں نے ان کی بہت خاطر
 داری کی اور انہیں آتے کے لئے جس میں چیز کی مرصہ تھی بخوشی ہیا کر دی۔ جب یہ لوگ گوا میں
 پہنچے تو جاپان کے حالات جو کچھ دیکھے تھے سب اپنے نائب السلطنہ سے بیان کئے اور کہا کہ ہم
 ایک ایسا ملک دیکھ آئے ہیں جو نہایت آباد اور دولت مند ہے اور پلہ سے تاجروں کو وہاں آئے
 جانے سے بہت ناہی ہو گا یہ غلط ہی پرتگالی سوداگر اور پادری جہاں پر وہاں ہو چکے تھے جا کر
 دیکھا کہ حقیقت میں ایک بڑی مملکت ہے جو شاید چین کے سوا دنیا کی اور سلطنتوں سے زیادہ ترقی
 الفرض جب پگیز جاپان میں پہنچے تو اُن کے آنے سے سب لوگ خوش ہوئے اور مورا اپنی
 بندہ گاہوں میں مہمانت کی اعانت دیدی۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے فرماں برداروں نے اپنے اپنے مقرر
 میں انہیں در خواست کر کے بلایا۔ اور سب کو ایک ایسی رسمیں عید اپنی کہ ہر ایک انہیں بھیجا تھا
 کہ سب سے بڑھ کر اُن کی خاطر مدارات کرے اور اُن کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑے بڑے حقوق عطا
 کرنے میں دوسروں سے سبق لے جاتے۔ یہ دیکھ کر پگیزیوں نے بھی تجارت کا بڑا اٹھاٹھ پھیلا
 چنانچہ ہندوستان کا مال جاپان کو لے جاتے تھے اور فرنگستانی چیزیں وغیرہ کے طور پر سکاؤ میں
 تین لکے ہر تین مناسب اور آدھری بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ الایہ و اتسام کی ایشیائی اور فرنگستانی
 چیزیں فراخ روا سے جاپان اور وہاں کے دو سارہ رشتہ دار عام خلائق کے حرف میں آئے لگیں اور
 جاپان میں تو ایسی جنہیں کہاں تھیں کہ اس کے معاوضہ میں پگیزیوں کو دیتے کیونکہ جاپان کو اکثر
 کو ہتائی اور سنگھلائے اور کم زراعت ملک ہے اور اُس میں کوئی چیز و سادہ کے لائق پیدا نہیں ہوتی۔
 اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں بھی نہ ہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں
 سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا خرچہ بھی پورا نہ ہوتا۔ یہاں کی معدنی پیداوار میں
 سے یہ لوگ ہر سال نقد چھ کر ڈرو پہ کے حاصل کر کے جاتے تھے اس کے علاوہ انہوں نے

بقیہ حاشیہ منوگذاشتہ۔ اس ملک کے اچھے اچھے گمراہوں میں شادیوں کر کے اس طرح پروہاں کے اسل اور ذی اختیار خاندانوں سے قرابتیں پیدا کر لی تھیں۔ ان غریبوں کے پیش نظر اگرچہ نگیز لوگ درامتناہی کا طریق اختیار کرتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں سوا مل ملک گنی اور بھرپور اور خلیج فارس اور تمام سوا مل ہندو طرے ان کے قلمرو میں تھے۔ اور جزائر لاکا اور سرائیپ اور بنقا میں تو خاص اُن کی حکومت ہی تھی اور جزیرہ مکاؤ میں اُن کے قیام کے باعث بے چین اور جا پان کی تھابت بھی گرا انہیں کے ہاتھوں میں تھی اور ان سب ممالک اور سوا مل وسیعہ میں انہیں کی مرضی اور منشا پہنچنے تھانوں اور حکم ناظرین کے تھا۔ اور کسی قوم کو اتنی جرأت نہ تھی کہ بغیر اُن کی اجازت کے بھری سفر کر سکے۔ اور بہت سے اجناس تجارت جن کے ذریعہ سے اکثر قومیں بھاریات دوستانہ ہو گئی ہیں وہ بالکل انہیں کے اختیار میں تھیں اور اس اختیار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی مصنوعات اور ممالک ایٹلی کی پیداواروں کا رنر صرف انہیں کی مرضی سے گھٹت اور بڑھتا تھا غلاموہ یہی پنگیزوں نے اس حد افراط کی حکومت کو بھی حاصل کئے بغیر و بھڑا تھا جو یکپ آف گدھوہ اور بھراہوہ کے درمیان ہے۔ ان اخلاف میں ایک مدت سے ایل عرب قابض اور سکونت پذیر ہو گئے تھے اور انہوں نے ساحل رنگ بار پر چھوٹی چھوٹی چند خود سر ریاستیں قائم کر لی تھیں جن کی رونق نہر اُن سوسے اور چاندی کی کاؤں کے سبب سے تھا جو ان ریاستوں میں موجود تھیں چنانچہ اسی دولت کے ناپے سے پرنگیزوں نے مشغولہ میں ان کو مغلوب اور مباد کر کے اپنے سے ایک نئی سلطنت جو سفار سے سیلند تک پہنچی ہوئی تھی اور جس کا وسط اور دار الحکومت جزیرہ موزم بن کر مقرر کیا تھا قائم کرتی تھی۔ پس یہ کامیابوں اور فتوحات اگر معقول اصطلاحوں سے منظر کار بھی جائیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بن جاتی جس کا زوال و انتقال مشکل ہوتا۔ لیکن پرنگیز سرداروں کی بدامانی اور حماقت اور دولت و حکومت کی ناقدر شناہی کی وجہ سے ان لوگوں کی چال وصال شروع سے ہی ایسی بنے تھی کہ داسکوئی کامیابی کا بریل دی امید و فخر نے ایسی عجیب طرح کی ہے رضایاں کہیں کہیں کہ خالیستگی اور انسانیت کی پشانی پر ایک کلک کا ٹیکہ کتا جائے ہر دوستانہ و فخرہ ایضاً فی لوگوں کے بدو و عورت لینے اور نظام ہٹانے میں کچھ بھی در پین نہ کرتے تھے نہ خفا کی۔۔۔۔۔

بعد ازیں اور دشت پہاں ملک اُن کے غیور بھی کسبہ گناہ فیدلیوں مظلوم عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی اُن کی تلوار اور آگ سے بڑا نہیں ملی۔ بجاری ہندوستانی عورتوں سے سولی رنجش کے اس برکات میں بھی در پین نہ تھا کہ کہیں جا کر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ خود الیہرک

نی جہاں کے امام امیر اور مہاراجہ

جیسے ماحیہ منور گزشتہ۔ جیسے نامور شخص کے مہر کی ذرا قیقتاً ان کے سرداروں میں سب سے بہتر تھا
 کیا ہی عذیب روایت چلی آتی ہے کہ گوا کی آبادی کی تہا امیر کے بھلے ایک دفعہ یہ تہہ ہر کسی کی گئی
 کہ بہت سی عورتیں اچھے بڑے خاندانوں کی عورتیں ہیں آتی تھیں ان کی نسبت پادری صاحب
 کو یہ خدمت پہنچائی کہ کہیں بتا کر پرنگیزوں سے ان کے جوڑے ملا دیے۔ چونکہ پادری صاحب
 کو جوڑے ملانے ملتے رات ہو گئی اور صبح اتفاق سے روشنی بھی بکڑ گئی تو ہرجم جنیت کے
 باعث سے یہ تہہ نہ رہی کہ کوئی عورت کس سرو کے نکاح میں آچکی ہے پہلے تو پادری صاحب
 اس مسئلہ کے حل کرنے میں چکرتے مگر آخر کار یہ فیصلہ کر دیا کہ اس دوسری میں پٹنے کی کون مرچ
 ہے جو عورت میں سرو کے ساتھ جاتے وہ اس کی بھی جائے اور چونکہ یہ لوگ مشرقی مسندوں
 کے بالکل ناگ و خوار تھے ہر ایک ملک کے مہاراجوں سے جبراً خراج دیتے اور معاملہ ہر عذابت
 اُڑی کرتے تھے۔ اور امراء دشمنوں کو بے عزت کرتے تھے تا خواہ انھیں کڑوؤں کے باعث تھوڑے
 ہی عرصہ میں تمام تھوڑوں کی نظروں میں ٹھکنے اور دشمن شمار ہونے لگے اور جس وقت شاہ طلب
 دویم کے مہر میں اس قوم کی حکومت کا منتزل ہو، پ میں شروع ہوا تو ہر پرنگیز ہندوستان میں
 تھے انھوں نے اپنے ہر محل میں جاتے کا خیال چھوڑ دیا۔ چنانچہ بعض تو خود سر میں بیٹھے اور بعض نے
 دیوانہ لادگری ایسی بدھڑک اختیار کر لی کہ کسی قوم کے مہاراجا بھی ٹھانڈے کرتے تھے۔ اور بہت سے پرنگیز
 ہندوستان۔ راجاؤں اور امیروں کے ملازم ہو گئے یہاں تک کہ اکثر سپہ سالاری اور عزت تک پہنچ گئے۔ لیکن
 اب تک بھی ان کی قابلیت اور دیانتوں کا اثر لوگوں کے ذہنوں پر باقی تھا۔ اور ہندوستان میں جو ملاتے
 ان کے مقبوض تھے وہ ایسے ملحد و فاجر و منحرف تھے کہ ایک کو دوسرا بالکل دوسرا تھا۔ بلکہ خدا اور
 عبادت کے بارے ایک دوسرے کی تہہ ہروں میں مزاحم اور متضاد ہوتے تھے۔ اور یہاں تک لڑتے پہنچ گئی
 تھی کہ ان کے سرداروں اور فوج میں آئین اور تادیب کی کوئی پابندی باقی رہی تھی اور نہ اطاعت اور
 نراں پڑی اور دشمنی خلاف نام جنگ بلکہ بھاتے ہی باؤں کے اکثر معنی و عشرت اور نسق و نمبر میں جھگ اور
 مستغرق رہ کر تضحیقات کرتے تھے۔ اور اگلی شام دشوکت بالکل رخت ہو چکی تھی کہ اتنے میں مہر لوگ
 جب مسئلہ میں سپہ کی حکومت سے آزاد ہوئے تو وہ بھی ہندوستان پہنچے۔ اور پرنگیزوں کے اقتدار
 حکومت ہمیں لینے کے لئے جنگ و محال اور سرور آمانیاں کرنے لگے یہاں تک کہ جزیرہ کشا بھی
 ہمیں لیا۔ اور ہندوستان کی تحلیات اور بندہ راہوں میں سب ملکہ انھیں کاہل اور طلبہ

جلد دوم

ڈاکٹر برنیئر کے خطوط کا مجموعہ

برنیئر کے خطوط مانشیورڈی مرویس کے نام
(جو ادنگ زیب کے کشمیر کے سفرے متعلق ہیں)

پہلا خط:- از دہلی
موضوع:- دیکھو غلطی

ادنگ زیب کی کشمیر کو روانگی | صاحب من جب سے ادنگ زیب کا سفرِ داخلِ پسمت
ہوا ہے اسی وقت سے یہ خبر پراہم شہور ہو رہی تھی کہ
بادشاہ بفرض تبدیل آب و ہوا اور آئندہ گرمی سے بچنے کے لئے جس کے باعث مرض کے
لٹ آنے کا اندیشہ مختلاً ہو رہا اور کشمیر کی میر کا ارادہ کئے ہوئے ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے
مسلطہ فہم اشخاص کو اس بات کا یقین کرنے میں تامل تھا کہ میں حالت میں کہ اُس کا باپ لنگہ
کے قلعہ میں مقید ہے وہ ایسا دور و دراز سفر کرنے کی جرأت کس طرح کرے گا۔

لیکن خطِ صحت کا خیال مصالحِ سلطنت پر غالب آیا۔ اور زیادہ تر روشن آراہنگ کی
ترغیب و تحریک اس کا باعث ہوئی جو بہت دلوں سے اس امر کی آرزو مند تھی کہ شہزادہ مملکت
لے لیسن فرینسیسی نام جو اس کتاب میں یہ معلوم نہیں کہ خاص فن کے لب و لہجہ کے موافق ان کا صحیح تلفظ
کیا ہے اگرچہ یہ وقت آگے نہیں جاتا ہے کہ میں صرف سے کسی فنکار کو کہتے ہیں اُس کا تلفظ اکثر ان حروف
کی مدد سے آوازوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ مگر یہ فرینسیسی الفاظ و اس کی آہنی میں اور بھی زیادہ ہے
اور خاص اہل زبان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

ن۔ م۔ جی۔ ی۔ د۔ دی۔ تم۔ صحت۔ م

شاہجہاں کے ایاہم بھری اور مہارنگتے پ

سے باہر زیادہ صاف اور خوش گوار ہولے تفریح حاصل کرے اور اپنے اس اقتدار کے نمائندگی
شاہد کو فرسے طرح کے ساتھ جانے میں طرح کو اس کی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے مہر
میں گنتی تھی۔

الفرض بادشاہ نے اس بیٹے رومیہ ^{رحمۃ اللہ علیہ} کی پیش تاریخ تین ہفتے
دہلی سے لاہور | دن کو کہ یہ مبارک ساعت و مہرت، جو تیشوں نے اس بے سفر کے واسطے
بڑھائی تھی، کو پہنچ کیا اور شاہدار باغ میں جو پائے تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جاکر قیام
فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس فرض سے توقف فرمایا کہ اس بے سفر کے ساز و سامان کے
لئے جو خرچہ دوس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور صحت مل جائے۔ آج بارے شے
میں آیا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ شاہی سلاطین سے لاہور کی سڑک پر لگانے جائیں نظریہ
کہ وہ مقام کرنے کے بعد پھر کوٹ میں اور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

سفر کشمیر میں فوج کی تعداد | اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پنجتیش ہزار سوار
نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اس کے ہمراہ
رہتے ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ
بھاری توپ خانہ اور جہاز توپ خانہ بھی ساتھ ہے۔

توپ خانہ | اس توپ خانہ کو ہمراہ توپ خانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات
خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ و دست بے دست
راہ کے فشیب و نوازہ دھیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے پیچھے بہ سہولت
ساتا ہے۔

بھاری توپ خانہ میں ستر توپیں ہوتی ہیں جن میں زیادہ پتیل کی ہیں اور اکثر ایسی
بھاری ہیں کہ بیلوں کی ہیں جن میں بیلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسی بھاری ہیں
کہ جب راہ نامہ ہمارا ہو یا کہ چڑھائی کا موقع ہو تو بیلوں کی مدد کے لئے ہاتھی درکار ہوتے
ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہلوں کو اپنے سرور سڑے ڈھکیلیں۔

ہمراہ توپ خانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں اور سب پتیل کی ہیں
اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تختہ پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔
جس پر زینت کے لئے چند سرخ جھنڈیاں لگا دیتے ہیں چنانچہ اس کا ذکر میں نے کسی اور مقام پر

بھی کیا ہے۔ ہر قریب کو وہ خوبصورت گھوڑے کیلئے ہیں۔ جی کو ایک گولہ انداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جھڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کو تل ہوتلے ہیں کو ایک اور سچا ہی کے چلتا ہے۔ یہ میدانی تو ہیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قاسم کی جانیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکرگاہ میں پہنچنے ہی سلامی دے سکیں۔

قندھار پر فوج کشی کی افواہ یہ بادشاہی لشکر اور ہم رکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ہم کشمیر چلنے کی جگہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت اہم مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہ ہے اور اس وجہ سے اس پر قبضہ کرنے کے لئے بادشاہان ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی فضا اور قصہ ہو مگر ہر ایک شخص کو عراس سے تعلق رکھتا ہے۔ اب وہ جلی سے دھواں چلنے میں جلدی کرنا ضروری ہو گیا ہے خواہ کتنے ہی اہم معاملات ہوں۔ اب مزید توقف کی گنجائش نہیں۔ اگر میں اپنی رانگی میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔

نواب دانشمند خاں کا علمی ذوق علامہ برہنہ چارے نواب دانشمند خاں کو میرا قصدہ اختصار ہو گا۔ کیونکہ چارے آقا کو ہر امر مافیہ کا ذریعہ اور سواروں کی فوج کا سربراہ ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے صبح کے وقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہر کے وقت کو کتب محکمہ کے مطالعہ کے لئے مختص کئے ہوئے ہے۔ نتائج کرنا نہیں چاہتا۔ اس کو علم جنیت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسٹنڈی اور ڈس کارش کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

سفر کی تیاری پس اپنے ذاتی امور کا بند و بست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہو جاؤں گا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قصہ اسباب و مسائل درست کو لینا چاہیے جس قدر کہ رسالہ کے ایک احرار عہدہ دار کو درکار ہے۔ کیونکہ میری خواہش تھی

روپیہ ماہوار ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ دوا چھ ترکہ گھوڑے مع ایک سائیس کے
 سہرے پاس ہوں۔ اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتر بان کے ساتھ ہونا
 چاہیے اور ایک دودھی اور ایک خدمت گار ہونا چاہیے جو ملک کے دستور کے موافق پانی
 کی سراچی نے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے میں نے ضروری اور آرام کی اور بھی سب چیزیں
 تیار کر لی ہیں۔ مثلاً ایک درمیانہ غیر ایک قالین اور ایک ٹنگی سفری چار پائی جو چار ٹکے اور
 مضبوط باتھوں سے بنی ہے اور ایک تکبیر اور دو لفاف ہیں میں سے ایک کو دوسرا کر کے تھک
 کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ایک گول چری دس ترخان کھانا کھانے کے لئے اور چند رنگین روال
 اور تین چھوٹے خیمے باورچی خانہ کے ظروف اور ٹنگی ظروف وغیرہ کے واسطے یہ سب ایک بڑے
 خیمے میں رکھے جاتے ہیں اور یہ بڑا خیمہ پھر ایک ٹاٹ کے بڑے سے خیمے میں جس کے دو
 حصے ہوتے ہیں اور جس میں کھے ہوئے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے۔ علاوہ ہرین شلیت
 میں آٹا والی وغیرہ کھانے کی چیزیں آٹا اور ملازموں کے بہتر اور کپڑوں وغیرہ کے ساتھ
 رکھی جاتی ہیں میں نے احتیاطاً پانچ سو روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ
 سنبھے بسکٹ بھی جن کو چاشنی اور نمبر کے ورق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے
 ہیں اس کے علاوہ ہر ایک کپڑے کی ایک خیمہ ایک آٹنی تھاپے کے ساتھ جس میں ٹھاکر
 و ہی کو چھانا جاتا ہے۔ میں نے یاد کر کے ساتھ رکھ لی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں نمبر کا شربت
 اور دہی نہایت مغرب چیز ہے۔ یہ سب چیزیں جہاں کہیں سے ابھی بیان کیا ہے ایک
 بڑے خیمے میں باندھ دی گئی ہیں جو صبح صول ایسا ہے ٹھنکا پھیلا ہوا ہے کہ اسے تین
 چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیت کے نہایت قریب بیٹھا ہوا
 ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیت کا ایک سر از میں سے اٹھا کر
 اونٹ کی پیشی پر اٹھ دیں۔ ایسے بے سفر کو اگر آرام دہ بنانا ہو تو ذکر وہ بالا اشیا میں سے
 ایک بھی نالغ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے ملک میں ہم کو فرانس کے جیسے آٹ (یعنی مسافر خالوں)
 اور آرام و آسائش کا سامان مل جائے گی امید نہیں ہے اور ہماری مہمان سز صرف چار آدمی
 ڈیرہ ہے جس کو عرب اور تاتاریوں کی طسرت ہم کو ایک منزل سے اٹھا کر دو سو سری
 منزل پر ہے جا کر درمرو لگنا چاہیے۔ اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کسٹھ سے بھی نہیں

کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بالشت زمین خالصہ شریفہ بھی باقی ہے اور رعیت پر دوست دلازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے۔

دہلی کی روٹی اور پانی | اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی غرضی ہے کہ ایک توہم شمال کی طرف کو پناہ کر رہے ہیں۔ اور میرے

یہ کہ بارشیں ہر چکی میں اور اب موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کے لئے بھی موسم مناسب ہے کیونکہ چائے کے شروع میں بارش بھی ہر چکی ہے اور گرمی اور گرد بھی ایسی نہیں رہتی کہ جس کی برداشت نہ ہو سکے۔ اور میں اس خیال سے بھی غرض ہوں کہ اب بھکھرو دلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آمنت ذاتھائی پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و فہار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہ بھی امید ہے کہ پیسے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جس کا میلین نمبر سے بیان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر انسان و حیوان بے حد تک لب کب پہنچ جائے۔ اور پانی کا انواع و اقسام کے میل کھیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں۔ اس پانی سے اچھے بھار ہو جاتے ہیں کہ ان کا ملا ح مشکل ہوتا ہے اور پٹنلی میں کھڑے یعنی نادر پیدا ہو جاتا ہے جس میں بڑی سخت سوزش اور دم ہوتا ہے۔ اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہ کھڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں۔ یہ کھڑے اکثر عرض و طول میں چکارسے کے تھامے ٹانگے کے موافق ہوتے ہیں اور جس پر بے تکلف لیٹ جائے گا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے نکلنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ ایک ننگے پہ پیٹ کر رو نہرو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے۔

میرے لئے یہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطرہ دہ سے محفوظ رہوں گا کیونکہ ہمارے قزاق نے نہایت ہر پانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کے وقت بھرے نہایت ہر کرے کیونکہ اور لڑنے اور بار کی طسرت ہمارے قزاق نے بھی اپنے ساتھ گنگا جل کے بہت سے اونٹ لڑھکے ہیں

پانی شہنشاہ کھنے کی ترکیب | پانی کی صراحی ایک ٹیٹی کا برتن ہے جس پر سرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اس کو ایک خدمت گار ہاتھ میں لے کر اپنے

نے اصل کتاب میں ہمارے جوت کے میں لکھا ہے۔ س م م

شاہجہاں کے اہام اسیری اور مد اور گنہگار

آٹا کے گھڑے کے آگے آگے چلتا ہے اس میں سونا ایک سیر پانی آتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی مراعی تصدّد و میر کی بخوائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی اس مراعی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کپڑا جو اس پر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر ہے اور مراعی ہر دو دن اسے ہلا لاکر ہوا دیتا رہے۔ یا اسے ہوا دار جگہ میں جیسا کہ پہلے عرض حاصل ہے زمین سے اونچی ایک تہائی پر رکھا جائے تاکہ زمین کی گرمی مراعی کو نہ لگے پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلا لاکر ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ کپڑے کی یہ نمی اُن چھوٹے چھوٹے آتشیں اجزاء فائری پارتی مغلز کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہو جاتا ہے مراعی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے نیز اُن شدید چلے اجزاء فائری پارتی مغلز اور دوسرے اجزاء کو جو اس کپڑے اور ظرف کے اندر رسالت کر کے پانی میں خشکی پیدا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جس طرح ٹیپے میں سے روشنی قنارہ آ جاتی ہے مگر پانی نہیں آ سکتا اور یہ سرخیشہ کی بناوٹ اور اس کے اجزاء کی خاصیت اور اس فرق کی وجہ سے ہے جو پانی اور روشنی کی لطافت میں ہے۔

یہ مراعی سفر میں کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مشکوں میں جو صاف دار مٹی سے بنائے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا پھینکتے ہیں اور اگر

شمار ۱۶۰ دس پ اٹ ی ک ل

شمار ۱۶۱ دس پ اٹ ی ک ل

شمار جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جائے جس پر کھائی ہو یا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزاء برتن کے مساوات میں سے بھاپ میں نکڑا جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو پانی میں جذب رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اس برتن میں پانی بے فکر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح جم بھی سکتا ہے اور یہ تاثیر اس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے جب کہ برتن کو دھوپ میں رکھا جائے اور اس کے باہر کے سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا پھینکا جائے۔ اگلے زمانہ کے علم کیمیا کے علماء کا یہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جس کے انصاف سے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مساوات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علماء اس شے کو گلیڈرک کہتے ہیں جو حرارت کہتے ہیں ۱۲ مترجم انگریزی۔

شمار ۱۶۲ دس پ اٹ ی ک ل

یہ نکلے ہوا میں رکھے جاتے تو ان کا پانی اُن مراجموں سے زیادہ خنک ہوتا ہے۔
 بڑے سراخواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں اور اُس کی ترکیب
 یہ ہے کہ یہ پانی یا جس چیز کو سرور کرنا مقصود ہو جست کی مرای میں جس کی گردن لمبی اور
 پیٹ گول انگریزی برتن کا سا ہوتا ہے ڈال کر اُس کو سات یا آٹھ سنٹ تک اُن پانی میں
 ڈالتے ہیں جس میں تین چار شمی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے۔ اس عمل سے مرای کے اندر کی چیز
 نہایت سوہو جاتی ہے۔ میرا پہلے یہ خیال تھا کہ اس طرح ٹھنڈی کی ہوتی چیز سفر نہیں ہوتی
 ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ کبھی کبھی تلیق کا اثر کرتی ہے۔

شام سفر سوہو کٹری ہوئی ہے۔ اور اس ملک کی طبعی دھوپ میں جو کسی موسم میں بھی
 اذیت سے خالی نہیں۔ روز مرہ چلنا پڑے گا اور ہر روز اسباب لانا اور اتارنا پڑے گا۔ اور
 لوگوں کے پیچے سر کھپانا ہوگا۔ کبھی نیمہ لگاتا اور کبھی اکھاڑتا ہوگا۔ کبھی رات کو اور کبھی دن
 کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً حکم شاہی کے مطابق ٹوٹے حیرس تک ایسی جگہ ٹھکانا اور خزانہ
 مددنی کی گنڈان کرتی پڑے گی۔ بجائے اس کے کہ میں ان ہریشان کن باتوں پر توجہ کرتا آخر
 یہ طبعی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

اچھا دوست ملاحظہ! میں اپنا وعدہ پورا کروں گا اور آپ کو اپنے حالات کی دستاویز
 اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور چونکہ فرج اس مرتبہ بہر آہستہ کو پہنچ کرے گی کہونکہ کچھ
 اضطراب اور کسی دشمن کی فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت
 سے جیسا کہ بادشاہ ہند کا معمول ہے کوئی ہوں گے اس لئے میں سب دلچسپ واقعات
 گفتا رہوں گا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں سنبھوں۔

از لاہور

۲۵ فروری ۱۶۵۷ء

دوسرا خط

جہان کے کنارے ایک خوش گوار سفر | صاحب من ایہ شان واد کوئی فی الواقع آہستہ اور
 نہایت ہی دلچسپ ہے۔ جس سے ہم بیان الیمتر
 کا سفر کچھ ہی۔ لاہور دہلی سے قریب سراسر ٹیکٹ یا چندہ منزل ہے۔ مگر کم کو لاہور پہنچنے
 کا قریب دو پہنچے گئے سلوں ہوا کہ بادشاہ نے فرج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لے کر شام عام

نہ مئی میں سو کچھ (۱۶۵۷ء) میل ہے : س م ج

لنا جہاں کے نام امیری اور صدارت کے لقب

سے بیحدہ راسخ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ مواقع ملتا آئیں اور دیا گئے جتنا کاپلی آسانی سے ملتا رہے چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی شارب عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوئے اور جس طرح بادشاہ نے یہ حکم آڈام و سائنس مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دیا گئے جتنا کے کنارے کو پہنچا ہوتا رہا اور ایسی بھی بھی گھاس میں جس میں سار بھی نظر نہ آتے تھے بندھن کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور ہر طرح کا شکار کھیت ملا۔ اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور میرے لئے ان فرصت کے اوقات میں اس سے بیتر اور کوئی خشک نہیں ہے کہ وہ گونا گوں حالات میں کی طرف میں دلی چھوڑنے کے وقت سے برابر متوجہ رہا ہوں، تعلیم کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ میں جلد آپ کو کشمیر کی سیر کراؤں گا اور آپ کو ایک ایسا ملک دکھائوں گا جو دنیا میں ایک نہایت خوش مقام ہے۔

لے اس مشرق کی طرح کشمیر کی خاطر اس سفر کا حال مانگنا نہ سے بلکہ انتخاب نقل کیا جاتا ہے میں میں کھسا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اس لئے فرما دیا اولیٰ عظیمہ کو کہ اس کے مجلس کا سال پنجم اور روز چھٹی ورنہ مقدس یعنی قیام کا دن بہ قریب سال گرا آغا سال چیل پنجم مہاب ٹھی اور روز شروع سال چیل پنجم مہاب قری تھا اور اولیٰ عظیمہ شہاں آباد سے صیحات شاہی باغ انفر آباد میں۔ دھیں کو اس کتاب کے مصنف یعنی ہنیر نے شاہ آباد کھسا ہے، نصب ہوئے اور ساتویں ماہ جاری الملک کو مطابق ۱۲۰۴ھ آذر نار کی ساعت مقبرہ یعنی مہرت کے صوفی حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہو کر باغ ذکر میں ٹہرے کیا۔ گیارہ صبح کو یہاں سے کوپہ کر کے چند روٹن شکار گاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سوتی پت میں منہ پت کی راہ سے، آکر کرائی پہنچا۔ یہاں سے غافل غافل میرا بھی کو شکار اڈا تہ اسباب کے ساتھ سپہ سالار کو روانہ کر دیا گیا اور بادشاہ معمولی شہادہ چھوڑ کر غافل پورہ کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کیلئے ہوئے پانچویں ماہی آفر کو قصبہ حضرت آباد میں دھیں کے دائیں کنارے ہی زمانہ ضلع انبالہ تحصیل جنگا دھری کے تعلق ہے، دریا کے پاس پارا چنپے اور لواہی غنہ آباد کے شکار کے بعد گیا دھوی بارہج کو انبالہ میں ٹہرے کیا چند دھویں کو سر نہا نہیں کو لہیا ز چنپے دیا گئے پہلے پہلے کے کشیوں کا ہل بندہ چکا تھا۔ اس لئے دوسرے دن چیلڈ یہ ہوا۔ چونکہ بادشاہی قرائوں یعنی میرٹھانوں نے چیلڈ کے نوویک کے جنگوں میں دھیر دیکھے تھے اس لئے

جب کبھی بادشاہ بڑے لائق لشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے تو اس کے تواریخ آرام و مسکن کے لئے فیملیوں کو دیں وغیرہ کا دوسرا سامان ہوا ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک چاہا ساٹا بھیڑ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچے ہی سب طرف سے سہا سہا لہ ہمارے اور اسی واسطے اس کو چنی خانہ رنجی تھما دیتے ہیں یہ دونوں پیش خانے قرعہ ہا ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اٹھانے کے واسطے ساٹھ ستر یا تھی دوسرا ڈنٹ سو فہر اور سو مال دیکر جوتے ہیں بھاری اسباب قلم تھیں پر لٹا جاتا ہے جیسے بڑے بڑے درباروں اور ان کی بھانسی بھاری ہوتی ہیں۔ رواجی اور وزن کی وجہ سے تین ٹکڑوں میں ہوتا ہیں۔ اور چھوٹے ڈیر سے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اور باورچی خانہ کا سامان فہروں پر اور لگی اور زیادہ قیمتی چیزیں حال سے جاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن اور بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں۔ روغن یا طبع کے ہوتے پائے والے اور وہ قیمتی فرنگہ (سراپودہ) اس کا ذکر ہم بعد ازیں کریں گے۔

سراپودہ شاہی | پیش خانے کے منزل پر پہنچے ہی میرا سامان ایک عودہ مقدمہ ضیاء خاں کے واسطے تیار اور انتحاب کرتا ہے اور کمال توبہ کے ساتھ

بقیہ ماضی صفحہ گذشتہ۔ بادشاہ سوار ہوتے اور دونوں کو ہندو سے شکار کیا۔ اس کے بعد جمین کو راجا کی تلوار میں ڈیرہ کیا اور تکلیف اور سرگرمی جو خیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اضافی پڑی تھی اور جس کا ذکر ڈاکٹر بریٹ نے آگے بہت تفصیل سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جگہ تھیں پھلورا اور تلوار کی تھی، بعد ازیں دریائے "بیلا" یعنی بیاس کو بعضوں نے کھیتی کے دربار اور چھوٹے پانیاب میں کیا اور نیچ آبادی مقام ہوا اور دوسری وجہ کو یہ بھی کہنا چاہئے کہ شاہجہاں کے وقت میں شاہ لاکھیر کی طرف تہ تیغ ہوا تھا اور جہاں سے مراد میں عورتاں لکھتے ہیں، ٹوپہ کیا اور چونکہ شہر اور قلعہ لاہور میں مالک کی سامت دوسری وجہ فروغ احمد یاد لاء فارسی دست و دھری سے پہلے نہیں تھی اس سے تاریخ مقدمہ تک اس بارغ میں پختہ مقام رہا۔ ماضی ہر کہ جنگاں وہ نہر جو اس دریا کے بائیں کنارے سے دہلی کو گئی ہے، اس میں کو نہر میں شرق کہتے ہیں۔ شاہجہاں عباس کے مشیر خلیفہ احمد خان خانی تھیں اور اس جگہ کو اس وقت ٹھیکہ کہتے تھے یا نہ ٹھیکہ پر کوئی بھی نہیں ہے۔ البتہ کچھ کہتے ہیں کہ گٹ شاہی محل کہتے ہیں، ابھی فیض آباد روٹ کے لاکھوں کے کیمپ تھا چائیل کا نام ہے اور جہاں چلیے اور جہاں سے کٹرکس واقع ہے ان علاقوں کی لگا رہی فیض آباد ضلع سہارنپور کے مضافات میں حضرت ادا کے عمارت ہیں ایک مختصر ملاحظہ ہو۔ س. م. م.

شاہجہاں کے اراج سہری اور مہاراج گنگوڑ

حقی الامکان اس کی کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر گاہ ترقیب اور قریب کے ساتھ ہوا و ایک مربع قطعہ جس کی چاروں حدود تین تین سو سورتی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں و اس بلنگا کو محدود کر دیا جاتا ہے اور سوبیل دار فرما اُس کو صاف و ہموار کر کے اُس کی سطح کو چوڑے کے طور پر ڈال بند کر دیتے ہیں۔ پھر اُس کے گرد اگر دو تین جن کی بلندی سات یا آٹھ فٹنسی فٹ کے برابر ہوتی ہے گھیر دیا جاتی ہیں جن کے کھڑے کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ جنیں گاڑ کر ان کی رسیوں کو ان سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دس قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبیس جن کے بیچ کے سرے جن پر بچے ہوتے ہوتے ہیں تنہا بنے کے واسطے دو لڑاں طرف اس طور پر کھڑی کی جاتی ہیں کہ ایک چوب دو سورتی کے سہارے ہوتی ہے۔ یہ تین ایک منصفیہ کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اُس پر ہندوستانی پھینٹ سے نقش و نگار اور پھول و غیرہ بنا کے ہوتے ہوتے ہیں۔

بادشاہی دھڑ رومی جو اس مربع قطعہ کے ایک ضلع کے بین وسط میں رکھی جاتی ہے صبح اور مکلف ہوتی ہے اور اُس کی تینوں طرف کے اندر نقش و نگار بہ نسبت اُن تختوں کے جن سے اس قطعہ کی باقی حدود گھیری جاتی ہیں زیادہ خوش نما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتے ہیں۔ وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگا دیا جاتا ہے اُس کو عام و خاص کہتے ہیں جہاں بادشاہ اور اسرافیک صبح جمع ہو کر اسرسلطنت پر فرما اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جن میں کسی ناخدا نہیں ہوتا اور یہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جن میں کبھی آدھری میں بہت ہی کم فروگزاشت ہوتی ہے۔

دوسرا ڈیرہ جو دربار چھٹا اور اندر کی طرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو منسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب اسرافام کے وقت مجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں۔

بچے کو خاص دلی میں۔

اس شام کے دربار سے اسرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ مجرہ گاہ شاہی کے طول طویل مشروں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوتے منسل خانہ کی طرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیرہ میں گواہیں آتے ہیں تو دور سے اندھیری رات میں یہ ایکسٹرا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ مشعلیں ہمارے وطن فرائض کی طرح مرم سے

نہیں تھیں۔ لیکن بہت دیر تک جلتی رہی اور صرف اس طرح سے تیار کی جاتی رہی کہ ایک کڑی پرلوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اس کے اندر گودڑ کا ایک مڑا فلیٹہ لگا یا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جس پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کچی سے جو شیشی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جس کا گلا تنگ اور لہبا ہو ہے یا تھیل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت اس گودڑ کو بدلنے بہتے ہیں۔

ان دولوں سے چھڑا اور زیادہ اندر کی طرف ایک تیسرا ٹیڈ چڑھتا ہے جس کو غلرت غلزد کہتے ہیں اس ٹیڈ میں سوائے بڑے بڑے سر اور اندر کے کوئی شخص داخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اہم اور خاص امور یہیں انجام پاتے ہیں۔

غلرت خانہ سے اور آگے کر بادشاہ کے خاص الخاص ٹیڈ ہوتے ہیں جن کے گرد و گرد زرا چھوٹی تھانیں جو تھوڑے سے زیادہ نہیں ہوتی لگی رہتی ہیں ان تھانوں میں سے بعض کے اندر وہی جانب بھلی ٹیڈ کی عمر پھینٹ چڑھی ہوتی ہوتی ہے جس پر صد ہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریختی سفر سے آراستہ اور باریک دھنی جھار ان پر لگی ہوتی ہوتی ہے۔

ان شاہی خیموں کے متصل ٹیگمات اور اور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی **زنانہ خیمہ گاہ** بڑی خاتونوں اور لاکھائوں کے ٹوہرے لگے ہوتے ہیں۔ یہ ٹوہرے بھی مختلف تھانوں سے گہرے ہوتے ہوتے ہیں اور کفن کے پنج میں اونٹ دھج کی عورتوں یعنی اسیلوں اور خانہ زادوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محل سر کے ٹوہرے ہوتے ہیں اور یہ ٹوہرے ان عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قریب کے ساتھ لگائے جاتے ہیں۔ عام خاص اور پانچ چھ اور نیچے سب ٹوہرے دل سے بلند ہوتے ہیں جس سے وہ مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہ کہ دور سے پہچانے جاسکیں۔

ان کے باہر کی جانب کا کھڑا مضبوط اور گہرے سرخ رنگ کا جوتا ہے جس پر جواہر کے تھوڑے بڑے بڑے رنگ رنگ کی شیاں لگی ہوتی ہوتی ہیں۔ لیکن اندر کی جانب خوبصورت بھلی ٹیڈ کی پھینٹ ہوتی ہے جو خاص طور پر اسی کام کے واسطے بنائی جاتی ہے۔ جس پر صوف اور ٹیڈ رنگ رنگ کے ریختی سفر لگے ہوتے اور اس پر ریشم یا سرخ و سفید ذری کا کار جوئی یا چکن کا کام نہایت نفیس اور باریک جھار کے ساتھ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں کفن چار لگی ہوئے

فما بہاں کے باہم اسوی اور صہ انگشہب

روٹی کے گردوں کا فرض ہوتا ہے اور ان پر مکلف تالین اور زہنت کی مرتبہ مستعد
آہم سے مکملہ لگا کر بچنے کے لئے کچی ہوتی ہوتی ہیں۔ ان غیوں کی چوبیس ملیح یا صہ
روغن کاری کی ہوتی ہیں۔

اور ان دولوں ڈیروں میں جن میں بادشاہ مسلمانوں کا راجہ دولت رونق افزہ
ہو کر نظم و نسق اور امر سلطنت انجام دیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی مکلف
اور آراستہ مرتبہ ملکہ ہوتی ہے جس پر ایک منملی یا پیشی شجر کے وسیع شامیا مذکے
تہہ بیشک بادشاہ لوگوں کا سلام بجا لیتا اور عرض حال سناتا ہے۔

خرگاہ | تمام ڈیروں میں ایسے ہی شامیا ملے ہوتے ہیں مگر ان میں خرگا ہیں ہوتی
جی جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے
دروازوں میں چاندی کے فضل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ کھنے کے لئے پتھر کر لینا
چاہیے کہ گویا ہمارے ملک نرائس کا پٹ جانے والا ایک مربع چھپرکٹ ہے۔ جو دروازوں
کی بلندی کے برابر ہے۔ مگر چھپرکٹ اس کی چوبیس نہیں ہے۔ بلکہ گند کی طرح کی ہے۔
لیکن خرگاہ اور چھپرکٹ میں بڑا فرق ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہ
بہت تپلہ اور سبک بارہ کی جانب کھسک پاروغن کتے ہوتے چھتے لگے ہوتے ہوتے ہیں
اور زیبائش کے واسطے گرد اگر دیکھیں اور زری کی بھار لگی ہوتی اور اند کی طرف قرمزی
رنگ کا رنگی شجر یا زہنت منہ حاکم ہوتا ہے۔

ان حالات کے گھنے کے بعد کے یقین ہے کہ اس مربع قطعہ کے اندر جو امور قابل
بیان و لحاظ تھے میں نے ان میں سے کوئی نہیں چھڑا۔

شاہی ڈیورسی | اب اس مربع قطعہ کے بیرونی منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں ان دو
سلہ اس مکملہ قطعہ چھپرکٹ ہندوستانی ذائق کے مطابق تہہ کیا گیا ہے مگر اصل کتب میں غلط دیکری
ہے جس کے معنی چھپرکٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردے کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر
ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوئے کڑی کے ایسے چوکھٹے رکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کتے جا
سکتے ہیں اور جن کو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہ پھانسیا کر کے تخت یا بعد کا کام لیا جاتا ہے تو
اس سے خیال ہوتا ہے کہ قافلاً مصنف نے کئی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو قلمبند کیا ہے۔ مہم۔ ج

امرا اور فرج کا ڈیرہ | خوبصورت ڈیروں کے حلقہ کھوں کا خوشاہی ڈیرہ جی کے
دولوں جانب ہوتے ہیں۔ یہاں پر چند مہم کو قتل گھڑے کے
کمانے اور نہایت مکلف ساز و سامان سے بچے کھائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی
غزوت کے وقت فوراً کام آسکیں۔ لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور مختلف
دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیرہ جی کے دولوں طرف ہم کباب توپ خانہ کی پہاس ساٹھ توپیں جو
بھرتی بھرتی ہیں ایک تارہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل
ہوتا ہے اہل لشکر کی اطلاع کے لئے اُن سے سلامی دی جاتی ہے۔

بادشاہی ڈیرہ جی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک دیس صحن جس میں کوئی فیروز
وغیرہ بالکل نہیں لگا یا جاتا جیڑہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا
ہوتا ہے جس کو غفار خانہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ غفار سے اور بھجنا تیار رہتی ہیں۔

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جس کو چمکی خانہ کہتے ہیں۔
یہاں امرا باری باری ہفتہ میں ایک بار چمکی گئے پھر دیتے ہیں۔ مگر اکثر امرا ایسا کرتے
ہیں کہ خاص اپنے ان کا ایک ڈیرہ ٹھیک چمکی خانہ کے متصل زیادہ آسائش و خلوت کی
غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں۔

اس بڑے مربع قطعہ کی باقی ماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا ناصلا سے کر بعض مہم
داروں کے اور حلقہ مزدوریات کے وہ نیچے لگائے جاتے ہیں جن سے خاص خاص قسم کے
شاہی امور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ یعنی عہدہ کی تنگی وغیرہ مانع نہ ہو تو یہ نیچے ہمیشہ
ایک ہی ترتیب اور ترتیب سے لگاتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جدا جدا نام اور قریب ہیں۔ لیکن
ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپ کو ہندوستانی زبان کی
تعلیم دوں پس یہ کافی ہے کہ اُن الفاظ کا مطلب بیان کر دوں یعنی اُن میں سے ایک ڈیرہ
میں تو بادشاہی تھیسا رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زمین اور جڑاؤ ساز وغیرہ اور
تیسرے میں کباب اور زہانت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کی طرف سے اکثر خلعت میں دی
جاتی ہیں۔ اور چارہ پلٹھہ پلٹھہ نیچے لگنا جل اور شور سے بے شخص ہیں جس سے پانی
ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میوے اور حلوں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے لئے ہوتے

شاہجہاں کے اہام سہری اور عہدہ نگار

ہیں۔ ان ایک قسم کا پٹا ہے جو کچھ خاص مسالے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات و الطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جس کے چارے سے منہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔ پٹندہ سولہ ڈیرے اور سوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُس کے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاے کے گھوڑوں کے لئے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت بے بے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی سواری کے اہتیموں اور شکاری جواہروں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کے دست و شکا بھی ان ڈیروں میں شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور خیل گاہ کے کوہ پکڑتے ہیں۔ خیروں اور گیشوں کے لئے جو شوکت دکھانے کے لئے ہمراہ لاتے جاتے ہیں چنگائی بھینسوں کے لئے جو خیر ہر حملہ کرتے ہیں اور پٹے ہر تلوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑا جاتے ہیں۔ ملکہ و ملکہ احاطے پتے ہوتے ہیں۔

لفظ نیم گاہ شاہی کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جو نیمے اُس مرتبہ قطع **خیاام شاہی** کے اندر ہیں صرف انہیں سے یہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے نیمہ حالت میں کا ذکر ہیں ابھی کر چکا ہوں وہ بھی نیم گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور یہ تمام شاہی نیم گاہ لازمی طور پر لشکر کے وسط میں ہوتی ہے۔

اب آپ آسانی سمجھ لیں گے کہ یہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہ عظیم الشان سرخ نیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قریب و جوار کی کسی بلندی سے دکھائی دیتا ہے تو دل پر اُس کی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ لشکر گاہ کا میدان کافی کھادہ اور اس قسم کا ہو کہ ہمارے لوگ سپاہ کے سب دتے اپنی اپنی معمولی تربیب اور تربیت سے اُس میں آکر سکیں۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے سب سے اول میرساں کو یہ فکر کرنی پڑتی **لشکر کے بازار** ہے کہ چش خاہ شاہی کے لئے ایک مقبول و متعارف انتخاب کرے۔ اور

نہ ان بھینسوں سے چھلکی بچنے میں کو اڑنا سمجھنا کہتے ہیں مراد ہیں س۔ م۔ ج

سب نھوں سے جسے عام و خاص بلند و مرتفع نگایا جائے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اترنے کا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بانادوں کی جہاں سے تمام فوج کو روانہ کرتی ہے داغ بلیں گواتا ہے ہڑا بازار ایک بڑی وسیع شکر کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دافین اور کبھی بائیں اس طرف سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو بیشتر اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ میں طرف سے کراہلی منزل کا راستہ نکلتا ہے۔ دوسرے بادشاہی باناد ہر عرض و طول میں اتنے بڑے نہیں ہوتے اور جن کے ماتھے اسی بڑے باناد میں سے ہوتے ہیں۔ بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک باناد میں احتیاجاً خود شناخت کے واسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جس میں سرخ پھرچہ اور دوسرے پر سبز گائے کی دم ہے تین تین سو قدم کے فاصلے پر نصب ہوتا ہے۔

اس کے بعد میرساہانِ اُمر کی نمبر گاہوں کے لئے جگہ تقسیم کرتا ہے تاکہ **امرا کی خیمہ گاہیں** | ہفتہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے حمزہ فاصلہ پر خواہ واپس ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی مقربہ جگہ کو جو اُس کے لئے مقرر ہے۔ یا اُس جگہ کو جو سفر شروع کرنے سے پہلے کسی شخص کی درخواست پر اُس کے واسطے مخصوص ہو چکی ہو چل نہ سکے۔

جو تعریف میں نے اُس بڑے مرتبہ قطع کی کی ہے اکثر سرداروں میں وہی تعریف ملتا اور راہگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے یہ لوگ بھی عموماً اسی طبع و پیش خاں رکھتے ہیں اور اُن کی خیمہ گاہیں بھی تقاتوں سے جو اُن زمانہ سلطنت کے بڑے نمبروں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گہری ہوتی مرتبہ شکل کی ہوتی ہیں اور اُن کی ان مرتبہ نمبر گاہوں کے باہر ہستوران کے سواروں اور سواروں کے ٹوپے کھڑے ہوتے ہیں اور اسی طبع و ایک باناد بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے۔ جس میں اُن کی فوج کے دوکان و دلاوہ بیٹے کے لوگ چھوٹی چھوٹی پائیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اس طرح اُمر کے لشکریوں کو بادشاہی بانادوں سے جس میں کل سامان اور اجناس اکثر بائے خدمت کی طرح پیش آ سکتے ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی۔

میں پھر پگاہ۔ درسد پہنچا سلا واسے بار ہوا۔ مزور اور ملازموں کے عمل کو کہتے ہیں۔

شاہجہاں کے ایام اسیری اور صہ اور ملک حیدر

ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک محض اسٹال ملینڈہ ملینڈہ رنگ کے پھر سروں کے
جو ہندی میں بادشاہی بازاروں کے محضوں کے برابر ہوتے ہیں استوار رہتا ہے۔ تاکہ ہر
ایک اسیر کی خیمہ گاہ دور ہی سے جدا جدا معلوم ہو جائے۔

اگرچہ بڑے نمرا اور بڑے بڑے راجہ اور بڑے ڈیپے رکھنا اپنا فرما جاتے ہیں مگر
یہ ضرور ہے کہ وہ اس قید خانے میں نہ ہوں کہ پادشاہ کی نظر ان پر پڑ جائے اور وہ ان کے گراوینے
کا حکم دینے جیسا کہ اُس نے ہمارے اسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی ضرور
ہے کہ ان کے خیوں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کہ ان کے رنگ صرف بادشاہی
موجودوں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تنظیم اور ادب کے خیال سے یہ بھی واجب ہے
کہ اس کے خیوں کے منہ موٹا عام و خاص اور خیمہ شاہی کی طرف رہیں یعنی پشت و غیر اس
طرف نہ ہونے پائے۔

باقی زمین جو خیمہ شاہی کی نیچے گاہوں اور بانس کے درمیان ہوتی ہے اُس میں چھوٹے
درمے کے میوے اور نمک واریں اہل توپ خانہ اور ہر قسم کے تاجداروں و کان وادوں، مگر
صہ و وادوں اور دوسرے اشخاص کے نیچے نصب ہوتے ہیں جو مختلف اغراض کے لئے لشکر
کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بے حد شمار نیچے ہوتے ہیں اور زمین
کا ایک بہت ہی بڑا قسط ان کو نصب کرنے کے لئے جدا کر دیا ہے۔

لشکر گاہ کی اراضی | سفری سیاحوں نے لشکر میں رہنے والے تمام اشخاص کی تعداد اور
خیمہ گاہ کی زمین کی وسعت کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیا ہے
لیکن حقیقت میں جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاؤ میں ہوتا ہے کہ میں میں ترتیب معینہ
کے موافق کل خیمہ جات ملوری کشادگی کے ساتھ نصب ہو سکیں۔ تب بھی میرے قیاس میں
لشکر کا کل دور چھ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکر گاہ کے اندر زمین کے بعض
قطعات اکثر بے ہی خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتہ مجھے اس جگہ پر آ
بھی ظاہر کر دینی ضروری ہے کہ بھاری توپ خانہ جس کو ہمیشہ بہت جگہ جدا ہوتی ہے عموماً
کل لشکر کے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

لشکر گاہ کی تفصیلات | علیٰ اہل قیاس جو عجیب انتشار اور شہود خل لشکر میں برپا رہتا
ہے اور جو کسی نواز اور شخص کو حیران کر دیتا ہے۔ اُس کے بیان

میں بھی بہت مہاند کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپ کو اگر تھوڑی سی بھی داخلیت اس سر کی ہو کہ اس لشکر میں نیچے کسی نظیم و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی وقت کے ساتھ سر جگہ جہاں عزت ہو پہنچ سکیں گے۔

خیام شاہی اور سر ایک امیر کے مخصوص الویش والے نیچے اور نشان اور وہ سورہ گائے کی دُم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگے ہوتے ہیں۔ اور جو دور دور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تھوڑے کے بعد اپنے راہبر ہو جاتے ہیں کہ بھولنے نہیں دیتے۔ مگر واقعی باوجود ان سب احتیاطوں اور ملاقات کے بھی کبھی کبھی دوسرے کے پہچانتے اور لئے میں بڑی غلط فہمی اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کہ جب فوج اپنی فرو گاہ پر آتی ہے اور ہر شخص بڑی سرگرمی سے اپنی نیمہ گاہ کی تلاش اور ٹہرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد و قریب کے ارے پر سب نشان اور ملاقاتیں بالکل ٹھپ جاتی ہیں تو بارگاہ شاہی مختلف بازاروں اور آٹروں کے جموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں وہ نیچے جو نصب کئے جاتے ہیں پھیلنے پر کے یا نیم استاد ہوتے ہیں اکثر راستہ لئے میں حادثے ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رہیں جو کم درجہ کے امرا اور منصب دار میں کے پاس پیش نیچے نہیں ہوتے ہیں اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور عام آمد و رفت کو روکنے کے لئے اور اس غرض سے کہ دوسرے ایک کے متعلق ساتھ ہوں کہ ان کے قریب کوئی غیر شخص ٹہرے کہ اس کے بندھو ادیتے ہیں بڑی سواراہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کے ذکر چاکروں کی ایک فوج کی فوج ہاتھوں میں ٹوٹے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جہاں رسیدوں کو ذکر سرکالے ہی دیتے ہیں اور ضابطہ کرتے دیتے ہیں اور لا محالہ اسے پاؤں پہننا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بے غائدہ سی ہوتی رہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب انٹ لڈ سے کھڑے ہیں اور ان کے نکال سے جاتے کی بجائے اس کے کوئی پہل نہیں ہے کہ ان لوگ چاکروں کو دھکا دیا جائے یا منت سادہ کی جائے اور کھاتے بٹھانے کے ساتھ کبھی ایسا منع دکھلا دیتے کہ گویا تم ان کو ابھی پیٹ ڈالو گے مگر کسی کو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیے۔ اور دولوں طرف کے لوگوں چاکروں کے باہم جب منت تو تو میں میں ہوتا تو پھر ان کو یہ ڈرا دینا چاہیے کہ اس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا اور اس طرح ان کے دھیان

صلح کر اگر وقت کو نیست جانتے اور اپنے لوٹ نکال لے جاتے ۔

شام کے وقت جب کسی کام کے لئے کچھ دور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت عوام انہاس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اپنے اور اونٹوں کی جنگلیاں اور گیلی کڑیاں ہلاتے ہیں اور ان کے بے حد بے شمار چولہوں کا دھواں غصہ مٹا جب کہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ دھار ہو جاتا ہے ۔ پٹانچے میں بھی تین چار باراس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہر چند راستہ درست نہایت کرتا تھا مگر نہیں جانتا تھا اور اگرچہ اوپر اور بہت سا چکراتا پھرا مگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دھوئیں کے موتوں ہوئے اور چاند کے نکلنے تک ایک عکس گرفت کرتا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اس کو دیکھ سکے پہنچا اور اپنے گھوڑے اور ساتھیوں کے ساتھ اُسی کے نیچے رات بسر کی ۔

اکاس دیا یہ اکاس دیا ہجاز کے ایک بڑے ستون کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جس کو آسمان نے وقت الگ الگ تین ٹکڑے کر رکھا ہے ۔ یہ ہادھا شاہی کی طرف نظارہ خانہ کے قریب لگا یا جاتا ہے ۔ اور رات کے وقت اس کی چوٹی پر ایک مندریل ٹھکتی رہتی ہے ۔ یہ نہایت ہی سفید چمکے ہے ۔ کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہ دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چمدوں سے محفوظ رہ کر مات کاٹ لیتے ہیں یا دھواں پہنچ کر کھراپے ڈوبے کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر پتہ لگا لیتے ہیں ۔

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ تبدیل دھند سے ستارے کی طرح چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔

شکر شاہی میں دھوئیں پہرہ چوری کے انداد کے سے ہر ایک امیر اپنے اپنے نمبر پر چکیا رکھتا ہے جو رات کو براہِ دُور سے کے آس پاس گشت کرتے ۔ غیر دارغیر دار پکارتے رہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ شام فوج کے گرواگر پاکی سے قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ ہلاتے رکھتے اور غیر دارغیر دار پکارتے رہتے ہیں اس احتیاط کے علاوہ کہ قال ہر ایک طرف اپنے برتندازوں کو لگا دیتا ہے جو غلغلے طور سے بازاروں کی زیادہ خبر گیری کرتے اور غم مدخل کے علاوہ غم سنگا بھی بجاتے رہتے ہیں ۔

مگر بادجودان سب احتیاطوں اور خبرداروں کے چوری اکثر بھٹی رنجی ہے اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیماری پر نریا دیکھ دیکھ کر رکنا چاہیے اور رات کو اول وقت کچھ آرام کر لینا چاہیے تاکہ باقی ماندہ رات میں نگرانی کرنے میں تکلیف نہ ہو۔

شاہی سواری | اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُس نے اس مرتبہ پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

اکثر اوقات بادشاہ تخت دواں پر سوار ہوتا ہے جس کو کبار اٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا مکلف چوبی تختہ سا بالاخاند ہوتا ہے جس پر دواں کاری کی ہوئی ہوتی ہے اور طبع کے متون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش و فیر کے وقت بند کی جاتی ہیں اس تخت کے چاروں ٹونڈے ہو کباروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سرخ بانٹ یا کڑاں سے بندھے ہوئے اور زری اوریشم کی نہایت کام دار بھاری آراستہ اور بے ہوشے ہوتے ہیں اور ہر ایک ٹونڈے پر دو مضبوط اور خوش پوشاک کبار لگے رہتے ہیں جن کی ہلی کے واسطے لزبت ہوتی اور آٹھ کبار موبدو رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے خصوصاً جب موسمِ موافق اور شکار کے قابل ہو اور کبھی ہاتھی پر سیکہ ٹونڈے پر سوار ہوتا ہے۔ بیشک سفر کرتے ہوئے ہی شان دار اور باشکست سواری ہے۔ کیونکہ اُس کی بھول ایسی عمدہ اور سازدسا ان اس قدر تھمتی اور سریع اور ذوق برق ہوتا ہے کہ اُس کی رہبانٹ پر کوئی چیز فوجیت نہیں لے جاسکتی۔

سیکھ ٹونڈے دواں کاری اور طبع کا ایک چھوٹا سا چوبی شکل کا بالاخاند ہوتا ہے۔ اور ہر دو بیغری شکل کی ایک نشست ہے جس کے سنہری اور نہایت خوش متون پر ایک نہایت مکلف شامیانہ ہوتا ہے۔

ہمراہ | ہر ایک سفر میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے امرا اور مامور ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُس کے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح لے جٹے چلتے ہیں جن میں چندوں کو خاص کسی قادمہ کا نہیں ہوتا۔ سفر کے روز علی الصبح سب امرا باستانہ اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عہدہ ہی اس اعتبار کا مجاز ہو خیرہ مامور خاص میں جمع ہوتے ہیں اور اُس

شاہجہاں کے ایامِ مسیری اور عہدِ انگریزی

سفر سے امرا کو بہت کوفت اور اذیت ہوتی ہے۔ عصرِ شاہنشاہ کے دن کیونکہ اس حالت میں اکثر اوقات سر پہر یعنی تین بجے تک برابر دھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی آندھ جیران ہوتا چلتا ہے۔

مگر یہ آسائش پیدا ملو جب بادشاہ کے ہمراہ نہیں ہوتے تو اور بھی طبعاً سفر کرتے ہیں اور دتوان کو دھوپ ہی سستانی ہے اور دگر دہی بلکہ حسبِ پسند چند یا کئی پانگی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پانگہ پر لیٹے ہوتے اور بلا وقتِ آمام سے سوتے ہوئے اپنے غیمہ میں جا پھینچتے ہیں جہاں ان کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سواری کی حالت میں ان امرا کے گرد و پیش بہت سے سوار ہیں جو گڑھ دار کہتے ہیں اور جن کے پاس چاندی کا گڑھ ہوتا ہے سب طرح سے سادہ سامان سے درست و سوجھ بوجھ ہیں۔ بہت سے گڑھ بردار بادشاہ کے بھی ہمراہ ہوتے ہیں جو آگے واپس لوہا لیں پیدل کے ایک ٹپے، جنگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گڑھ بردار حیدرہ اور دھیمہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ ان کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ٹپے بڑے عرصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے۔

تورخانہ | راجاؤں کی سواریوں کے بعد تور چلتا ہے جس میں بہت سی سسہٹیاں اور نفارے بھی لے ہوئے ہیں۔ اس تور میں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الویش چیزیں بھی ہر ایک چاندی کی سیسہ پربھٹ لٹے تور (رقی ۲۰) یعنی تھیلہ کی شکل میں ہوتے ہیں اور اس سے بادشاہی سلخ خانہ مرہ ہے۔ آئین گہری میں کھاسے کو شہنشاہ اکبر نے پامیں باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحتیں مثلاً تلوار، نیزہ، غنیمت کمان، موہر کٹار، دیوہ جیسے کہ اس وقت مرہ تھے۔ مرہ ایک منقرہ تعداد کے موافق منسوب داریں اور احادیث کی ایک جماعت کو اس مطلب پر ہر وہ جتنے تلے کہ بادشاہ سفراء و حضرات میں وقت چاہے ان میں سے کوئی شخص اسے کہ خواہ خود شہنشاہ کے خواہ مرہ وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسبِ منزلت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلخ خانہ چلنا تھا تھا تو خانہ و شکرست و کھانے کے لئے سامان جلوس شاہی یعنی نقاشوں اور باہی مرہب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ لے جلی کر چلتا تھا۔ دراصل یہ کارخانے تور سے بطریقہ سے تھے۔ س م ج

کی ہوتی ہوتی ہیں شامل ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض تو عجیب عجیب جاہلوں کی صورت کی ہیں۔ بعض احمق کے بنو اور ترازو اور پھلی وغیرہ بھی اور بعض ناقابلِ فہم اشیاء کے شاہجہاں اس کے پیچھے ایک بڑا غلِ منصب داروں یعنی کم درجہ کے افسر کا آتا ہے جو تہتیار بھانے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں یہ لوگ اُن اسرار سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں۔ تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ انی منصب داروں کے علاوہ جن کو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصبح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمراہی کے لئے جمع ہوتا ضرور ہے اور کبھی بہت سے منصب دار اس مرض سے شریک طرہیں ساری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر میں رہ کر کچھ ترقی حاصل کریں۔

ہنگامات کی سواریاں | شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جن میں سے کسی کو تو چٹا دول پسند ہے جس کو کہا راٹھاتے ہیں جو تختِ سلطان جیسا ہوتا ہے اس پر لمبے اور موٹے کاری کا کام بنایا ہوتا ہے۔ اور رنگارنگ کے ریشمیں خوش نما تہہ پر تہہ پڑے ہوتے اور زری کی جھالیں اور خوبصورت بھندے وغیرہ لگے ہوتے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پاکیزوں میں چوڑوں کی طرح خوب بھی سواری ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محلوں میں جو دو مضبوط اونٹوں یا دو بھرتوں کے نیچے میں معلق ہوتے ہیں چلتی ہیں چٹانچہ میں لے کبھی کبھی روشن آراہنگ کو محل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہ بھی دیکھا ہے کہ محل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک لڑکھا خوش لباس لڑکی بھی ہوتی گرواد گھوڑوں کے دو درختوں کے لئے ہیکم کو مورچیل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جن کے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوتے اور بڑے قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوتے ہوتے ہیں۔ اور جن کی بھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ آراکشی چیزیں بھولیں وغیرہ میں دکھائی جاتی ہیں نہایت عمدہ نموداری کام کی ہوتی ہیں۔ یہ عین اور ممتاز بیگمیں ہاتھیوں پر میگڈ ٹھروں میں بیٹھی ہوتی یوں دکھائی دیتی ہیں گریا ہوا میں پریاں اڑتی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک میگڈ ٹھروں میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگڈ ٹھروں کے ہر ایک غادر پر بیٹھیں جالی کا غلاف پڑا شد اسل ٹکا چٹا دول ہے۔

شاہجہاں کے احاطہ میں آئی اور عہدہ ہو گئے یہ

ہوا ہوتا ہے۔ اور چڑھ کر اور تختہ رداں کی شان و شوکت اور ذوق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور تعلیمات کی ساریوں کا بھل اکتادل کش ہوتا ہے کہ اس سفر میں یہ تماشا میرے لئے انتہائی دلچسپ رہا اور اُس کی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روشن آرا بیگم کا جلوس | چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا تھا اس میں نہ آئے گا۔ یہ بیگم چنگو کے ایک سہایت عمہ اور بڑے قد اور ہاتھی پر اسے سینگ ڈنبریں سوار ہوتی ہے جس کی شہری اور لاہوری رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے۔ اُس کے ہاتھی کے پیچھے پانچ سچے اور ہاتھی چلتے ہیں جن پر اُس کے محل کی مسز صوفیاں ہوتی ہیں۔ اور ان کے سینگ ڈنبریں شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے سینگ ڈنبر جیسے بلکہ ترجیحاً دیئے ہی ہوتے ہیں شانہ وادی کے ترعب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ مسلیم ساری بھاری پوشاکیں پہنتے ہوئے نفیس گھڑوں پر سوار ہوتے ہیں چھڑیاں لے ہوئے چلتے ہیں اور اُس کے ہاتھی کے ارد گرد ایک رسالہ کشمیری اور راناہری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بڑے سنگار کئے ہوئے خوبصورت اور باد پگھلاؤں پر سوار ہوتی ہیں جن کے ساتھ ایک بڑی بھڑیل پیل لازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لے ہوئے شانہ وادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے اس مرض سے چلتے ہیں کہ اس کو صاف اور کھلا رکھیں۔ اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجائے ہٹاتے جائیں۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور ترنیاں ہی سب تکلفات اُس میں بھی ہوتے ہیں۔ غرض کہ اسی طرح چندہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ برائن کے مرتبہ مشاہیرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گندمی ہیں۔

ان ساتھ خیراتھیں کا وہ قول قول کر قدم رکھنا اور سینگ وغیرہ کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہیرا پیر اور عدم و حشم کا انجمہ کشیدہ اچھے سے دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان و شوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے۔ مگر میں ان سب دل فریب مناظر کو غلطیاد

بے انتہائی کی نظر سے دیکھتا تو بے شک میں بھی انہیں ہندوستانی شاموں کے مانند جراتور کے طور پر دیکھتا ہوں کہ یہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر سیکڑوں میں بیٹھی ہوئی خلائق کی نظروں سے پوشیدہ پر شہید جا رہی تھیں اپنے خیالات کی بلند پروازی سے مغلوب ہوتا۔

ایک یادگار واقعہ اور یہ ممکن اور انتہائی مشکل ہے کہ کوئی شخص اسی جگہات کے نزدیک جاسکے اور یہاں ہے کہ وہ کسی انسان کو نظر آسکیں۔ اس سوار کے حال پر ہزار انوس جو کسی اتفاق سے جگہات کی سواری کے نزدیک جاسکے کیونکہ یہ شخص خواہ کیسا ہی نئی رہے کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے بچے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ لوگ ایسے موقر پر مشے شوق سے اس کی خوب ہی گت مانتے ہیں چنانچہ میں قلعہ اس واقعہ کو نہیں بھول سکتا۔ جب کہ میں بھی ایسی ہی ایک جگہ میں کھس گیا تھا اور ہزار قوت و مشکل اس سے رونا و سلوک سے کھات پائی تھی جس میں بہت سے سوار گرفتار تھے میں نے یہ نشان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی سخت مقابلہ کئے بغیر میں اُن سے اڑھیں کھاؤں گا۔ پس میں نے اپنی تلوار کھینچی لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جان دار تھا اور اس طرح اس قابل ہو گیا کہ تنہا کھف اُن حملہ آوروں کی بھڑک چمک کر بھل گیا۔ اور ایک تیز رفتاری میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پھاڑ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام نوٹ میں یہ بات ایک مشکل کی طرح مشہور ہے کہ تین موتوں سے بچنا اور احتیاط کرنا نہایت ضروری ہے۔ اول خاصے اور کوتاہ گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دو لٹاؤں اور پشت کھیں بے حساب لگتی ہیں۔ دوم شکار گاہ میں داخل ہونے سے۔ سوم جگہات شہابی کی سواری کے قریب جاتے سے۔ اور ایمان میں تو یہ تیسری صورت سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ میں سناتا ہوں کہ وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے ناصلہ پر بھی نظر نہ جاتے کہ جہاں سے جگہات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہ ضرور ہے کہ جس مشہور اور گاؤں میں ہرگز جگہات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت ناصلہ پر بھاگ جائیں۔

شہنشاہ تغل شکار میں اب میں کچھ بادشاہ کے حکم کا بیان کرتا ہوں میری بھئی شہنشاہ تغل شکار میں اکبری داۓ تھا کہ شہنشاہ تغل ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے

شاہجاہ کے ایام امیری اور مدد اور گئے یہ

ساتھ کس طرح شکار کیل سکتا ہے۔ لیکن لامشہ ایک خاص صورت ہے جس کے سبب سے دولا کہ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوب کے ساتھ شکار کیل جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ صورت یہ ہے کہ اگر وہ دلی کے قلعہ میں دریائے جمنا کے کنارے کنارے کو جتان تک اور اس شاہراہ کے دونوں جانب ہولا ہول کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصہ خیر پڑا ہوا ہے جو جنگی و درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف اقسام گھاس سے جو دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے۔ اور ان سب زمینوں کی بڑی گرائی سے محافظت کی جاتی ہے۔ اور سوائے تیر غیر اور خرگوش کے جن کو ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں۔ کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو شکار گاہ میں جا کر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے بے شمار ہے نہیں چھیڑ سکتا۔ جب کہیں بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جن کے ضلع کے قریب ہو کر لشکر خاں کا گھر ہوا حاضر ہو کر ہر شکار خاں کو اپنے علاقہ کے مختلف اقسام شکاروں کی تفصیلات اور اس جگہ کے حالات یہاں شکار افرام و عود ہوتا ہے مطلع کرتا ہے اور اس کے اطلاع دینے پر شکار گاہ کے ناگوں اور خاص خاص مرتعوں پر پہرے بٹائیے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ قلعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں۔ یہ قطعات کہیں کہیں دس دس میل کی مسافت میں ہوتے ہیں اور اس شکار گاہ سے کہ جہاں بادشاہ شکار کیل جاتا ہے اہل لشکر کوچ کے دست دانی یا بائیں کو اس طرح پہنچ کر پہلے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقت کے صرف اس قدر اُسر اور لوگوں کے ساتھ جن کو اجازت دی گئی ہو شکار گاہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور حسب موقع تمام الزام و اقسام کے شکاروں سے محفوظ و سرمد ہوتا ہے۔

اب میں اول یہ بیان کرتا ہوں کہ مدعا ہے ہونے چھتوں سے ہرن کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے۔ جبکہ اُدھے کہ میں نے کسی اور موقع پر آپ کو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سیگ داسے ہرن کثرت میں جو چارے لک کے اس قسم کے ہرن سے جس کو نشان کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں۔ اور ان کی ڈاری ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ جو ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور ایک نہ ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے آسانی پہچانا جاتا ہے۔ اب شکار کا طریقہ سنئے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چپے کو جو ایک چھوٹی

سی گاڑی پر نہ بھروسہ تھا ہے وہ ٹوار دکھلا دیتے ہیں اور یہ سسلانا اور مکار چال اور
 فوڑا اُس کی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ٹری احتیاط سے اُن کے ارد گرد چھپ چھپ کر اور ایک
 دیک کر چلتا ہے اور اس طریق سے نامعلوم طریقے پر ایسا نزدیک ہا پہنچتا ہے کہ ناتا بالآخر
 سرعت کے ساتھ پانچ ہی سو جستن میں اُن کو چا کڑتا ہے۔ اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب
 ہوتا ہے تو شاہ شکار کے عرق اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر دار خالی جاتا ہے
 (جہاں کچھ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے۔ نئی اوقات یہ
 ترقی کرنا کہ سیدھی اور حاجی و دشمن چتیا سرن کو پکڑے بے ناتہ ہے کھنکھہ ہرن پیچھے سے
 بہت تیز روا اور دند دم ہوتا ہے۔ پیچھے بان اس کو پکڑ کر گاڑی پر بٹھا دیتا ہے کچھ وقت
 نہیں اُٹھاتی پڑتی چٹانہ آہنگی سے اُس کے پاس جا کر چکارتا اور وہ ایک گھومتے گھومتے
 آگے ڈال کر اور آنکھیں بند کر کے زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اسی سفر میں ایک پتھنے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور صحت افزا تماشا دکھلا
 یعنی ایک دوزخ ہر لڑائی کی ایک ڈار فوج کے درمیان ہو کر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے
 کہ اتفاقاً دو جھڑپوں کے بہت ہی قریب ہو کر نکل جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے
 ہند سے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک نے جس کی آنکھیں بند دھیں ایک ایسی تیز چھٹ
 کی کہ زنجیر توڑ کر ہر لڑائی کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کسی کو پکڑ نہ سکا مگر لوگوں کے غم و غماز سے اور
 تعاقب سے مجبور ہو کر ہر لڑائی کی ڈار جب پھر پیچھے کو ہٹا اور ایک ہرن اُسی پتھنے کے پھر قریب
 ہو کر نکلا تو اُس نے باوجود کہ بہت سے گھوڑے اور آدمی پتھنے میں حائل تھے چھٹ کر اس
 کو پکڑ لیا اور اُس سے یہ عام متور کہ جیتا اپنے شکار پر جو اول و دند کی چھٹ سے بچے جانے
 پھر نہیں دوڑتا۔ غلط ثابت ہو گیا۔

نیل حمامے کے شکار کرنے کا طریقہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ ان کو خدے بڑے وسیع
 جاہوں میں گھیر کر چند ایک ان کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جس وقت اُس کی دست
 بہست بکرمہ جاتی ہے کہ بادشاہ امرا اور شکاریوں کو ساتھ لے کر اُس میں داخل ہوتا ہے اور
 ان کو تیز بدھمی، تلوار اور قراہین سے مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہ چال اور اس قدر ماسے جلتے
 ہیں کہ بادشاہ اُن کا گشت خند کے طور پر سب اُس کے لئے بھیجتا ہے۔

کو بہنوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابلِ دید طریقہ ہے اور اُن کی اس جرأت کو دیکھ کر

شاہجہاں کے امام اسیری اور مہاراجہ اورنگزیب

جو وہ اپنے بچاء اور خلافت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھائی ہیں بڑا مہلک
حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ
سے ہر شکاری کے ساتھ اور حریف نہیں پھر سکتیں۔ دشمنوں سے جن کی تعداد دم بہ دم بڑھاتی
جاتی ہے۔ مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی
نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بھیر خاص امانت کے جو کسی امیر کو دی جاتے بادشاہ
اور شہزادوں کے سوا اس شکاری کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے شکار کے لئے سب سے
پہلے یہ ترکیب کی جاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر نکلاں جگہ آکر مڑتا
ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس پر نصیب کو شیر بچا دکھاتا ہے اور چونکہ یہ اس
کے پیٹ بھرے ہوئے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اس کے کہ
کسی جلی یا بھیر گیری کی کسی چھدا ہے کہ حنائے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی کی کھیر اپنی اسی
آرام گاہ پر آ جاتا ہے اور اگلی غورنگ پڑا سہا کرتا ہے۔ چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک
یہی حکمت اُس کے ایک ہی جگہ پر داخل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ
کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جس کے حلق میں بہت سی اینٹیں
منوس دی جاتی ہے اُسی مڑتے پر جہاں اس قدر گدھے قربان ہو چکے ہوتے ہیں باندھ دیتے
ہیں اور یہ آخری دعوت ہے فلک اس مڑاؤ سے ہوتی ہے کہ شیر کھاپی کر ٹمکھ کی نیند سوجھاتے
اس کے بعد یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ قرب دھار کے گنواؤں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال
جو خاص اسی کام کے واسطے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تھما دیتے جاتے ہیں اور جیسا کہ قبل گذشتہ
کے شکار میں کیا جاتا ہے ان کو بندریچ کیلئے کیلئے کر ان کے دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جلتے
ہیں اور جب سب سامان اس طرح بھر تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جس پر فولادی
پاکھڑی ہوئی ہوتی ہے سوار ہوتا ہے چند نیشن امیروں اور بہت سے گھڑ سواروں
اور پیل شکاروں کے جن کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی سرچسپاں ہوتی ہیں۔ جال کے باہر کی طرف
ظہر کر شیر پر ایک بڑی بدوق سے فیر کرتا ہے۔ اب شیر چھوٹی عادت مسہودہ کے موافق دھمکھا
کر ہاتھی پر چھینٹتا ہے تو جال میں اُلٹ کر رہ جاتا ہے اور بادشاہ پیچہ گولیاں مار کر اس کو مار لیتا ہے۔
اسی سفر کے ایک شکار میں ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بھرا ہوا خیر حال ہرے کو دیکر
ایک سوار پر جا پڑا اور اُس کے گھڑے کے مار ڈالا اور اس طسرت جان بھاگ بھاگ گیا کہ شکار پلایا

نے تلاش اور پیروی کر کے ٹو موٹہ ہی لیا اور پھر چال سے جا گھیرا ! شیر کے بھاگ جانے کی اس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اٹھانی پڑی یہاں تک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگرداں رہے جس میں پہاڑوں سے میدان اور نائے آکر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جس میں اونٹ تک چھپ جائیں اور کھانا کھانے کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نہ تھی۔ پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے ! کیا اب میں آپ کو اس بیہودہ مقام میں غیر مزوری توقف کا اصلی سبب بھی بتا دوں ؟ اور لو بتائے دیتا ہوں۔ آپ کو خوب جان لینا چاہئے کہ جب بادشاہ ایک شیر ارٹا ہے تو یہاں اس کو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر شیر بچ جائے تو بے حد نہایت چنگوئی اور سلطنت کے واسطے بڑی بدفالی خیال کی جاتی ہے اس لئے جب شیر کے شکار کا انجام حسب دل خواہ ہوتا ہے تو اس مبارک تعویذ میں بڑے اہتمام اور شکفتا مل میں لائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اس کی لاش بڑی احتیاط سے ٹاپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اس کا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں کھسکر رکھا جاتا ہے کہ ظان بادشاہ نے ظان تاریخ ایک شیر اس قدر لمبا اس طرح کے قدر و قیمت اور جلد و پوست کا جس کے دانت اس قدر دراز تھے اور جس کے پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ بھسکر چند فنڈ اس المیہ کی بابت بھی ہو گئے کہ کہانی جاتی ہے اضافہ کر کے مزید یہی۔ چنانچہ ایک نوی رتن میر شکار نے مجھ سے کہا کہ یہ تو صرف ٹھٹھ اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو یہ شکم سیری ہی اس کی گہری نیند کا باعث ہو جاتی ہے۔

پنجاب کے دریا اور کشتیوں کے پل | میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر مڑتا ہلی نہیں ہیں اور ان دریاؤں پر سے فوج سے خود بھروسہ رکھنے والے کشتیوں کے ہر کشتیوں سے کسی قدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے جہاز کیا۔ ان پلوں کے باہم دہلیں سے عدم کا نام ملے رکھا جاتا ہے اور ان کی سطح پر مٹی اور پھوس ملا کر ٹوال دیا جاتا

ہے تاکہ چوپایوں کے پاؤں نہ پھسلیں گران دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پھیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ وہاں ایک سخت بیڑ بچھا اور بڑے بڑے ہڈکے اور چیلش کی جگہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ ان کے دونوں سروں کی گندہ گاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اس وجہ سے راستہ ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اس میں اتنے گڑے پڑے ہوتے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لوہے ہوئے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو انہیں گرے بچنے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزرنہ پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اترنا پڑتا ہے تو یہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن بادشاہ یہ تدبیر کر لے کہ دریا کے اس طرف ایک میل کے فاصلہ پر اپنے گریزے کھڑے کر دیا کہ ایک دو دن وہیں ٹھہرے مہنے کی تکلیف کو ادا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جا کر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

شاہی لشکر کی تعداد اور رسد | لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بیڑ سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کہہ کہتا ہے اور کوئی کہے۔ مگر یہ حال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہالار یعنی گھوڑے فخر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ اونٹ بھی بچاس ہزار سے کم نہ ہوں گے اور قریباً اسی قدر بیل اور موٹوں جن پر غریب باناری لوگ خانہ بدوشوں کی طرح اپنے اہل و عیال اور خند و غیرہ اجناس لاوے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اہل فوج کے ذکر جا کر بھی بے شمار ہوتے ہیں کیونکہ ہنیران کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک درجہ سوار کی مانند ہے اور اس پر بھی تین لوگوں سے کم میں میری گدہ نہیں ہو سکتی۔ اکثر لوگوں کی ہرانتے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو سبالتہ سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح تعداد بھیر موزم شاری کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ میں اتحاد مولیٰ مزدور کر سکتا ہوں کہ فوج کا اجرم ادا نبوہ ہے عد اور تمیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت قریباً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ ان کے کام کاغذ اور

گذرا ہوا بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور ان کے لئے اس کے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ
 بالشر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا دیں۔ کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اس
 کیفیت کو نہ صرف درگاہ سے یہ سوال منور کرنا چاہیں گے کہ اس قدر انسانوں اور حیوانوں کے
 لئے کوہِ چنے کی حالت میں خوراک اور چاراکس طرح ہم پہنچاتا ہو گا؟ اس کا مختصر اور سب
 سے بہتر جواب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ
 ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہوں گے جو گوشت
 کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھڑی ہی پر قاض رہتے ہیں۔ جو چاروں کے ساتھ
 مزگ یا ماتن وغیرہ ملا کر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اُس میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بات بھی
 قابلِ لحاظ ہے کہ کوٹ یہاں تک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا سکتے ہیں جس سے
 صبرت جوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سر کوہِ
 کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی و دیرہ
 اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہ امر بھی لحاظ کے لائق ہے کہ وہ اپنی بازار دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ
 بچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیاء کی ہم رسائی کے توسط سے ہوتے ہیں اور انھیں
 کی دکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ مغربی رستہ رسائی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ ان
 بیچاروں کو گھاس اور چارے کے ہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس
 کام کے لئے عموماً دو گاؤں پھرتے ہیں مگر وہ چیز لاتے ہیں اُس کو فروج میں اپنے داموں
 بند پہنچا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا موٹا یہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام
 میدانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کٹ رہے سے کھود لاتے ہیں اور اُس
 کو جھاڑو یا دھو کر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت انداز فروخت کرتے ہیں۔
 بادشاہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات ابھی تھی

خیمہ گاہ کی خصوصی رسمیں

باقی ہے۔ جس کا بیان کرنا میں معمول ہی گیا تھا اور وہ یہ
 ہے کہ بادشاہ لشکر گاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا
 ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمر کے خیموں کے قریب سے گذرتا ہے اور اگلے
 دن دوسری طرف کے اُمر کے ڈھیلوں کے نزدیک سے۔

شاہجہاں کے لوام اسیری اور عہد انگریز

آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ یہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ وہ امر
جس کو بادشاہ اُن کے ٹوپیدوں کے قریب ہو کر گزرنے کا اختیار بخشتا ہے اُن کے لئے ضروری
ہے کہ اپنے اپنے نمبروں سے اشرافیوں کی ایک ایک تھیلی جس کی تعداد اُن کے حوصلے اور
مشاہرے کے موافق میں سے پچاس تک ہوتی ہے۔ پیش کش کے واسطے ہاتھوں میں لے
ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میں اُن خیموں اور تھیلوں کا جو دہلی اور لاہور
کے راستے میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ میں نے اُن میں سے شاید ہی
کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہ کہ ہمارے آقا کا قریبہ فرقہ کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں
سے اکثر شارع عام مل جاتی ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اس لئے ہلوگن
کا یہ اصول تھا کہ رات کو کوپے کے دمت ستاروں کا خیال رکھ کر کھیتوں اور گپ ٹوٹوں کے
راستے سے چل پڑتے تھے اور اس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور قہ پچھنے تک
سیدھا راستہ ملنے میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں اور اس طرح پر بھائے دس بارہ میل
کی مسافت کے جو دو لڑن پڑاؤں میں معمولاً جوتی ہے ہندو یا اٹھارہ میل کی منزل روزمرہ
طے کرتی پڑتی تھی۔

وہا ہرے کھا گیا

تیسرا خط

پنجاب کے دریا اور شہر لاہور | صاحب من! یہ امر ہے وہ نہیں ہے کہ وہ ملک جس کا
پائے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں
پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنوں نے ولایت کشمیر کا محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اسی
صوبہ کے میدانوں میں بہک کر دریائے الہین میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں طلیج فارس
کے دہانے کے قریب سندھ میں جا ملتا ہے۔

میں تمہیں سے نہیں کہہ سکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیٹیس نکلا
کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ انگریزوں کا نام جس کو اس ملک میں سکندرا میں میلوس کہتے ہیں پہنچی
ملہ بیٹیس تھوڑا سا بیل کے سر پر لگے ہیں اور یہ ایک گھوڑے کا نام تھا اس سناہت سے لکھا گیا تھا کہ اس
کلاس نکل کا مانعہ دیا ہوا تھا اور اس کے سر پر لگے تھیں بعد ازاں ایک خیمہ اس کے نام پر بنایا گیا تھا۔ سمجھ

مصر و شہر ہے۔ گریہاں کے باشندے اس کے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ دیا جس کے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچویں دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے جیسا فرانس میں دریا کے لٹیر ہے اور جیسے ہی بلندیاں سنگین پشت کا تخت ہے جیسا کہ لوہر کے کنارے پرانا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہ کو اکثر بھرتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر بے نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہے جس سے باشندوں کو انتہائی رحمت اور تکلیف ہوئی ہے۔

لاہور کی عمارتیں لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ میں برس سے زیادہ رہنے کے بادشاہ صمد امرا۔ دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات ویران ویران سے ہیں۔ بہت سی عمارتیں تو بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت بڑے بڑے ہیں جن میں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن ان میں اکثر مکانات بالکل ٹپے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رخ تبدیل ہوتا جا رہا ہے اس لئے بادشاہی محل دیا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالی شان بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مملکت شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر لاہور سے کشمیر پچھل کر راستہ آسانی سے گندکے لائن ہو جائے ہم لاہور میں تھیم تھے۔ مگر اب کل ہمارا کوٹ ہونے والا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دور دراز چلے ہیں۔ میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لائن خیمہ خرید لیا ہے کیونکہ میرے دوستوں نے یہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے نیچے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے بٹھانا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پہچاں اونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کے واسطے جگہ لینی بہت مشکل ہوگی اور چونکہ اس صورت میں بھگوانی باہر داری کے واسطے مزید آمد قلعہ درکار ہوں گے تو اپنے پہلے نیچے کے ساتھ لے جانے کی حالت میں بہت خراب پڑنا

لے لے لے لے

جسے عالمگیر نے لکھا ہے کہ کشمیر میں رمضان میں شہر کو لاہور سے کوٹ بھرتا تھا۔

چوتھا خط

ہوا لاہور کو کشمیر کی درمیانی منزلوں سے گزرا

راستہ کی سخت گرمی اور اُس کے اسباب

باب المندپ کے عرصہ بمقام ٹھانی اٹھا چکا
ہوں آفتاب کی ایسی جلا دینے والی شعا ہیں روئے زمین پر کسی جگہ نہ پاؤں گا۔ لیکن چار روز
ہوئے یعنی جب سے کہ نورج نے لاہور سے کوہ پت کیا ہے میری اس امید کا خاتمہ ہو گیا۔۔۔
ہندوستانی لوگ جو اس گرم ملک کے باشندے ہیں جب کہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت
یہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بمہرنگ پہنچنے میں جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ
ارہ دن کا سفر ہے، بڑی ہی تکلیف آٹھانی پڑے گی۔ تو یہ سن کر مجھے تعجب ہوتا تھا۔
مگر اب توئی الواقع میرا تمہیں بالکل رستہ ہو گیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی
شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی بارہ ذکرے کا کہ آج صبح جب میں اٹھا
تو مجھے بہت ہی تھوڑی امید تھی کہ آج کی دھوپ کچھ کو زندہ چھوڑے گی۔

یہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے پر شمال کی
طرف ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی اور سرمت بخش شمالی ہوا کے پہنچنے میں سہارا ہے؛
اور مزید برآں آفتاب کی سوزاں شعا میں ان پہاڑوں سے منعکس ہونے پر جب اس قلعہ
ملک پہنچتی ہیں تو تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں اور ان سے ایسی بجھے دم گھٹنے گھٹتا ہے۔
لیکن اس شدید گرمی کے بارے میں جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے ایسی فلسفیانہ
مذہبیں کہنے سے گھو غلامی ہو جائے یہ کہاں ممکن ہے؛

پانچواں خط

کشمیر جاتے ہوئے چٹان نزل سے

دریائے چناب اور اُس کا پانی

صاحب من اکل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا
سے جس کو "چناب" کہتے ہیں پارا تھرا اس دریا کے
لطیف اور عمدہ پانی سے جس کو بڑے بڑے امرابھا نے گلا کے پانی کے جواب تک ان

کے ساتھ تھا اپنے اپنے صرف کے لئے بھر رہے ہیں۔ بھٹکے ہوئے اسید ہوتی ہے کہ اس دیا کا مٹیجہ جبر کر ہم جا رہے ہیں، تختِ اشرافیٰ کو نہیں لے جائے گا بلکہ فی الواقع کشمیر کی طرف رہنمائی کرے گا۔ جس کی بابت سب لوگ بھٹکے تسلی دے رہے ہیں کہ وہاں کی ہفت اور بیخ کے سپرد تماشے سے قہم خوش ہو جاؤ گے۔

ہر روز روزِ گذشتہ سے زیادہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ میں نے ٹھیک دو پہر کی دھوپ میں جب کہ سب لوگ اپنے اپنے ٹوبروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے صبر کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ٹوبرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے ابھی تک ایف میں کچھ کمی ہو جانے کی توقع نہ تھی۔ اور میں نے جس غرض سے یہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہو گیا۔ یعنی یہ کہ ہم بلا دقت و تشویش پل سے پار ہو گئے۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوئے ہیں ایسی ہریشانی اور چٹپٹش میں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاہجہادی ہر شیارہ اور دور اندیشی ہی اس امر کا باعث ہوئی کہ میں اس دریا پر کسی تھلک میں پڑ جائے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کا داخلہ چڑھنے اور اترنے کے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھا جس کا سبب یہ تھا کہ داخلہ کی یہ گذرگاہ جسے "سلائی" کہتے ہیں جس پر چڑھنا اور اترنا امرِ مزید ہی ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بے شمار جالازروں کے پاؤں کے نیچے دریا کے درے کے درے بہہ جاتی تھی اور اسی وجہ سے بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے جن میں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے

اور لوگوں کے پاؤں تھے کچلے جاتے تھے اور اس پر طرہ یہ تھا کہ ہر طرف ہمارے ہم سفر دھکا اور گھونٹ مگھانسی جوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عمرِ ماں ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو امرا کے ہم رکاب ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُمی کے اسبابِ رفیعہ کو پہنچانے کی خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بے باکی سے ٹوٹے بازی کرتے ہیں۔ اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ سوار ہے کے تیز کے جوان پر لٹا ہوا تھا خائف ہو گیا ہے اور اب بھٹکے ہوئے نکر رہے کہ ہیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔

چھٹا خط

کشمیر کی آٹھویں منزل ہے

گرمی کی شدت

شفیق من! ایک پورے ہفتے کا ایسی سخت گرمی کے شعل بہ آلودہ ہو جانا اور ایسی ہر تھک اور پُر تھک منازل اور سفر کے جمیلوں میں پڑنا! حیرت انگیز ہے اور خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آغزوہ کون سی چیز ہے کہ جس کے سبب سے کوئی شخص خواہی غذا ہی ان مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے یا فوس کہ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے مہمات کی دیکھنا شروع سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شروع کیا ہے ایک سخت طاقت و ناماقت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرہ کی حالت میں ہے اور کچھ امید ہے تو صرف یہ ہے کہ شاید اس بیماری میں کوئی بمطانیٰ اثر ناکندہ بھی نکل آئے۔

جب میں لاہور میں تھا تو ایک ارمات کو ساہی کے بغیر میں چوتھے پر ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شبنم اور سردی کے سبب سے سخت زکام اور اعضا کی دکن میں مبتلا ہو گیا تھا حالانکہ وہی میں اس طرح سوتے سے عموماً کچھ اندیشہ نہیں ہوتا اور میری صحت غراب ہو گئی تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ روزہ سے بے حد پسینہ آنے کی وجہ سے تمام فاسد دلوں میں جسم سے غارت ہو گئی ہیں اور میرا حال بگڑنا اور مہلک ہوا جسم کو پا پانی کی چھلنی بن گیا ہے۔ اور سیر بھر پائی جو میں ایک ہی دم میں چھڑھا جاتا ہوں جن کے روتیں روئیں بلکہ اٹھلیوں کے پلوں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے۔ چنانچہ آٹھ میں نے دش گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا ہر گز۔ گر ان سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ میں قدرتی چاہے ہم اسی قدر پانی بشمولیکہ صاف اور شہیوں پر بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط

سفر کشمیر دہریہ منزل کا پندرہواں

زیست سے ناامیدی | صاحب من! آفتاب اب تک اچھی طرح نکلا بھی نہیں گر

اس پر بھی گری کا یہ عالم ہے کہ آٹھائی نہیں جاتی۔ بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہ حالت ہے کہ پتہ تک نہیں لٹتا۔ میرے گھوڑے بالکل خشک گئے ہیں کیونکہ جس دن سے لاہور چھوڑا ہے ان فوجوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا، میرے ہندوستانی نوکرین کو بھی باوجود اپنے کالے خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی داغوں سے بھر گیا ہے جو سونے کی طرح چمکتے ہیں۔ کل ہمارا ایک غریب سار جس کے پاس ٹویرہ نہ تھا ایک درخت کے نیچے میں کے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مڑوا لہا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گریا آج دن ہی وہی میں تمام ہوجاؤں گا؛ اور میری ساری امیدیں اور آرزو چارپانچ کا نڈی نیبڑوں پر منحصر ہیں ہوا بھی جاتی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دھبہ جس کو میں پانی اور تندہ لاکر ابھی پینے والا ہوں۔

اچھا قرضا خان! سیاہی قلم کی ٹوک ہر خشک ہوتی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

انٹوان خط

آگ کی بجٹی صاحب من! آخر کار ہم سمجھیں آچھپے ہو ایک اونچے اور سیاہ اور خیلے ہوئے پہاڑ کے دامن میں ہے اور جانا نیک ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں پتھروں اور جلتی ہوئی ریت پر جس کو آگ کی بجٹی کہنا چاہیے لگا ہوا ہے۔ اور اگر آج اتفاق سے ایک اچھا خاصہ سینہ کا پھیلا نہ پڑ جاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار میں برف دی اور مرغ و فیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اس بیچارے وقائع نگار کا کیا حال ہو جاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کئی محال تو ہر کسی قدر سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور قوت میں اضافہ معلوم ہوتا ہے اور سب سے پہلے جرمیں نے اپنی بنیاد صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اس خط ہی کا کھٹنا ہے! اب آپ کو کتنی نئی فزولیں اور پیش آنے والی تکالیف سے

مزدور مطلع کیا جائے گا۔

کل رات کو بادشاہ نے اس جگہ جہاں دم گشتا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اس کے ہمراہ روشن آراہنگیم اور محل کی ادیبائیں اور ماحہ رگشتہ جو منہ کے فرائض انجام دیتا ہے اور داخل خان میرساں اعلیٰ چلے گئے ہیں! اور اس سے پہلی رات کو بادشاہی میرشکارچی کئی بڑے بڑے جہد وادوں متعلقہ کارخانہ جات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے ساتھ روانہ ہو گیا ہے آج رات ہماری باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نواب خاتمند خان کے کہنے کے لوگوں کے سوا سوا میں خان خلیف میرجلد جس کا بہت کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اور میرامعزز دوست و یانت خان اور اس کے مددگار اور بہت سے اور امرا اور ماحہ اور منصب دار شامل ہیں! اور امرا بھی جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے۔ اسی طرح دولت بہ لزمت روانہ ہوں گے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوجستانی راستہ میں جو مہمبر اور کشمیر کے، یہی جہ جے آرمی اور اتھری کم ہو جائے۔

باقی اہل دربار جیسے غلامی خان میرآتش (افسر اعلیٰ قرب خانہ) چہاٹریس چڑھائی اور تین چار بڑے بڑے راجہ اور بہت سے امرا تین چار بیٹے تک

یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گزر جائے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محالیت کے واسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اس کے قرب و جوار میں مقیم رہیں گے۔ جن میں سے بعض تو اپنے ٹھہرے دریاے چناب کے کنارے نکالیں گے اور بعض قریب اور گرد و نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جاتیں گے اور باقی کو اسی مہمبر کی ہلتی ہونی زمین پر ٹھہرے ٹھہرے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمراہ بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائیں گے تاکہ کشمیر کی چھٹی کی ولایت میں رسد و غیرہ کی طرف سے وقت عائد نہ ہو۔

یگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آراہنگیم کی ہدم اور پہلیاں میں۔ یادہ عرض جن کا ساتھ ہونا خدات و سرواہی کے لئے مزدوری ہے!

امرا اور نوبت کے لوگ بھی جہاں تک ممکن ہے کم ہی ہوں گے اور جن امرا کو ہرماہی کی اجازت ملے اس باہمانت نامہ سے چند ذریعے اسی سفر میں انتقال کیا اور اس کے بعد بھی داخل خان منیچہ

تو وہ بھی صرف چند مزدور و رکراہی سفر میں ہتھام کشمیر چل گیا۔ س. م. م. وازمانگیر نامہ

نہی ہے اُن کے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فی صدی بھی سوار سے زیادہ نہ ہوں گے
لیکن جو ضروری لازم عہدہ داروں کے ذاتی کارخانہ جات پر مقرر ہیں وہ بہر حال ساتھ
جائیں گے۔

ان تمام عہدوں کی بھاری عین کوئی مہارہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر بہادر
کے درے پر ضعیف کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور اپنے استیارات
کے مطابق منصب داروں کی ہمیشہ کو ہر کشمیر کی شنڈی اور لطیف ہوا کے شائق ہیں اور
اُن کے چھوٹے چھوٹے دکان دہوں اور اہل بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر
آتے ہیں درے میں داخل ہونے سے روکنا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی ذاتی سواروں اور بار سرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ
ہیں۔ اگرچہ یہ جائز بہت بھاری اور بڑے قد و قامت کے ہیں۔ لیکن نہایت ہی جانک
کر قدم رکھتے ہیں اور راستے کے خشک اور خطرناک ہونے کی حالت میں اس طرح ٹھٹھل
ٹھٹھل کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی ہم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اٹھاتے۔ بادشاہ
کے ہمراہ کچھ ٹھہریں بھی ہیں۔ لیکن اُرٹ ہو بہت کار آمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں
کیونکہ اُن کی سنت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے لئے یہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں۔

اس لئے اُن کے عرض قلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا
بار سرداری کہ میں نے مسنا ہے کہ صرف اکیلے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور غلط
ہیں تو اس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ کس قدر مزدور درکار ہوں گے۔ پشاکچہ جگہ اپنی
نواب خاص کے واسطے تین مزدور ہم پہنچا نے مزدوری ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا انجیر
اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بکر بڑے بڑے اُمر اور غلو بادشاہ
بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب لگایا گیا ہے کہ کم سے کم چند ہزار مزدور بھجوریں جس پر کچھ
ہیں جو کچھ کشمیر کے صوبہ دار اور قرب و حار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری
کرنے کو چلے آتے ہیں اور بادشاہ کے حکم سے شرت اُجرت یہ قرار پاتی ہے کہ سوا سن لکھی
ہو پاس سیر و لمحہ کے واسطے پچیس روپے مزدوری دی جائے۔ اور شمار کیا گیا ہے کہ کوئی
تیس ہزار مزدور اس وقت مطلوب ہیں۔ اور جب کہ بادشاہ اور انصار اپنا اپنا اسباب اور
سواگر اپنی سب قسم کی رسم و فیرہ ایک جہنے پہلے سے باہر بھیجتے رہے ہیں تو مزدور

کی تعداد نہایت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

نواں خط

کشمیر جنتِ نظیر ہے تہا

صاحبِ من کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ میں یوں مندرج ہے کہ یہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بہت بڑی جمیل تھا جس کے پانی کو ایک بڑے رشتی نے جس کا نام کاشپ تھا اپنی کرامات سے بارہ سال کے پہاڑ کو چیر کر نکال دیا۔

یہ حال اس کتاب میں مل سکتا ہے جو ہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کر کے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جس کا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ ہے شک میرا دل بھی اس بات کے انکار کرتے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہ حصہ زمین کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تختہ کشی اور اور ملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہ امر باور نہیں کر سکتا کہ یہ شکاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہ پہاڑ جس میں سے پانی کا گذر ہوا ہے بہت ہی لمبا چڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی غلطی جو سرنگ کی طرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدر سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اس نزاع کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کر لیں تو اننا پڑے گا کہ بابِ المندب بھی کسی زمانہ میں اسی طرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جمیلیں بن گئیں۔

ولایتِ کشمیر کا طول و عرض | بہر حال اب تو کشمیر جمیل نہیں ہے بلکہ ایک عروشِ سنا

ہی۔ اور جس کا طول و عرض تقریباً بیسویں میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ ایک۔ ولایتِ کشمیر لاہور سے شمال کی طرف ملکِ ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اس کی سرحد ہر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہِ قاف سے نیچے چوٹی اور مٹی تہت

لہ ملکِ یونان کے ایک ضلع کا نام ہے دس۔ م۔ س۔ تھیں لی۔ تھیں سے لی تھیں

کے بادشاہوں اور راجہ گرواں کی عمل کاریوں میں ہیں۔

جو پہاڑ کشمیر کے گرد گھومتے ہیں ان کی بلندی اوسط درجہ پر ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے اٹال ہیں جن پر گائیں۔ بھیڑیں۔ بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

مویشی اشکار اور شہد اکثر اہرن کثرت موجود ہیں اور شہد کی مہالیں بھی بافراط ہیں۔

برخلاف ہندوستان کے ایک عجیب اور نادریات دیکھنے میں آتی ہے کہ یہاں موزی جالور مثلاً سانپ ریکم۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور ان اوصاف کے باعث ان پہاڑوں کو صرف خوش نما اور بے منہ اور بے خلش ہی نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا ان میں دودھ اور شہد کی نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ ان پہاڑوں سے ہری طرف اور بڑے بڑے منظم الشان پہاڑوں کی بلندیوں نظر آتی ہیں جن کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں بادلوں سے بھٹی زیادہ بلند اور اونچی اور گہرے اور نہیں کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

لے گئے وہ ان

یہ فرنگستان میں جنگ دالے ہرن کم ہوتے ہیں۔ اس سے معنی ہے ہرن کے فکا کے ساتھ سیگروں دالے کا فکا کہتا ہے۔ - س۔ م۔ س۔

تہ ہے پہاڑوں کے صوبہ خیمہ کی اور پٹی اور دار مقدونیا کے امین سرحدی خط پر واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے ہراس کے شمال میں اور خوش خادامی ٹیپ سے ہراس کے جنوب میں ہے اور زار سات سورج فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ اور شاہ نو ما اور اعدوت وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اس کا پٹان دار حصہ کچھ آگے بڑھ کر بہت سی چوڑی چوڑی کھوہوں میں منقسم ہو گیا ہے اور اس کی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمک دہا دار اوڑھے ہوئے گرواں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور ہمیں کی اس عظمت و شان کی وجہ سے ہم پر ناہنوں نے اس کو اپنے دیوتاؤں کا سکین خیال کیا تھا اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ ان کا دیوتا جو چوٹی ٹرینی مشرقی کاود مرزا نام ہے۔ اور جس کو اہل ہند کے مقدسات کے

شاہجہاں کے اہم امیری اور عہدوں کے لیے

ان سب پہاڑوں میں سے بے شمار چشمے اور نہریں بڑے زور شور سے جاری
چشمے اور دریا ہیں جو مصنوعی نہریوں سے اس وادی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر
 بھی پہنچا دی جاتی ہیں۔ اور اس طرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت، بخونی، سبزی
 کھیت ہیں! اور یہ سب پانی اس دلچسپ ملک میں خزاؤں چشمے اور آبشاریں بن کر اترتا
 خواہرورت اور کشمیر کے چلتے کے واقع ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک
 فرانس میں دریا ہے۔ سین۔ ہے۔ یہ دریا تدریجاً اور آہستگی کے ساتھ اس ملک کے
 گرد و گرد بچھ کھاتا اور یہاں کے شہر یا تے حقیت میں سے ہو کر چپ چاپ بارہ مہلا کی
 طرف غم کھاتا ہوا اٹھ گیا ہے جہاں اُس کو دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرب لٹا
 ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک
 بہت سیہ سی ڈھال پر گر کر شہر لک کے نزدیک دریا کے آب میں سے آلتا ہے۔

سرسبز اور شادابی اس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شادابی
 رکھتے ہیں اور تمام ملک سرسبز اور مہر حاصل اور ایک پھول لپٹا ہوا معلوم ہوتا ہے اور
 اس خوش نما اور دل کش سرسبزی کے اندر کہیں تو گاؤں اور مزارے دکھائی دیتے ہیں۔ اور
 کہیں سری بھری چراگا ہیں اور گور۔ دھان۔ گہوں۔ سب۔ زعفران اور شرکاریوں کے
 کھیت جن میں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور ٹائے اور کسی جگہ
 تھیں ماشہ مفرگڑشت۔ لہاء سے اس جگہ شفیق اندر کہا جاتے اسی پہاڑ پر بیٹو کڑا سان کو گر بھڑلے
 بادلوں سے پُر کرتا اور اپنی بجلی کے آتشیں تیریں کر اور اُتر کر چمکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جس کو دکن ہے
 اور نالینوں کے اقتصاد میں پانی یعنی زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا؛ اُس کے لئے یہاں
 بنایا تھا تاون کو جسے کر کے ہما اور لک رچایا کرتا تھا اور ایک ماسٹر سے جو اس آسمانی محل کے یہاں
 گنبد میں بنایا گیا تھا اور جس کے دروازے پر نہایت گاڑے بادل تھنوں کا کام دیتے تھے جب پانا ہوا
 تھا اس جہاں کے اُس طرف چلا جایا کرتا تھا۔ یونان کے قدیم شاعروں سے اس پہاڑ کی تعریف
 میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز اور سرسے سایہ دار جنگلوں اور
 دھاروں اور کھوٹوں اور سفید سفید چٹیلیں جو انہوں کے سب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے۔
 نقطہ اخذ اور اسٹیکو پٹو یا بھانیکا ۔

آبنائیں اور چٹے ہو ایک عجیب اور دل فریب کیفیت دکھاتے ہیں اور زمین کی تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودوں سے جیسا کہ نظر آتی ہے۔ اور ہمارے ملک کے بیروں سیب بامشپاتی - آلوچہ، خربازی اور اخروٹ کے درختوں سے جن میں بے شمار پھل لگے ہوئے ہیں۔ ساما ملا تر لدا ہوا ہے۔ خربوزہ تر لدا اور ہمارے دیس کی اکثر خربازیاں مثل پتھروند و غیرہ اور اور ساگ پات اور نہات جن سے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغیچوں میں بکثرت ہیں۔

یہاں کے پھل ہمارے ملک کے بیروں سے غریب میں بلا مشابہ کم ہیں اور نہ اتنی قسم ہی کے ہیں لیکن جیسے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں کی زمین کا تصور نہیں ہے بلکہ اس باعث کاشت کاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل نوازش کی طرف توجہ زراعت اور درختوں کو پیوند و غیرہ کرنے کے نہیں مہر نہیں ہیں۔ بہر حال میں نے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوے بکثرت کھائے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ شہر کاری کو ترقی دیں اور ان میں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی طرف توجہ کر دیں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے بیروں کی غوی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر اور ڈل | ملک کشمیر کے پائے تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اس کے گرد کوئی شہر یا ڈل شہر یا ڈل نہیں ہے۔ اس کا طول و عرض سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جس کا نام ملہ پہاڑوں سے خوب چھو میل کے ہے۔ اور یہ پہاڑ نصف دائرہ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک ٹھیری اور طش نگار پانی کے ڈل کے کنارے جس کا محیط بارہ یا پندرہ میل سے کم نہ ہو گا آباد ہے یہ ڈل ان چشموں اور نالوں سے بن گیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں۔ اور اس کا پانی بدریہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اس دریا میں جالٹا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر ٹکڑی کے دو ڈل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں۔ لیکن خوبصورت اور وہ مشرق اور مغرب سے ہیں۔

عمارتیں | اگرچہ اس ملک میں ایک نہایت نفیس ریگٹ دار شہر باغیچہ موجود ہے اور چند

اس اصل کتاب میں لفظ نری شری ہے۔
اس میں درج ہے گاما

پُرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے چڑائے مندر یہاں کے گھنڈروں میں موجود ہیں چھری کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ کڑی کو تھپہ پر اس واسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک ترازیاں سے دوسرے پر کہ پہاڑوں سے ان بے شمار ندی نالوں کے ذریعہ آسانی پہنچ جاتی ہے۔

اکثر مکانات میں عود یا کے دولوں کنارے بنے پلے گئے ہیں۔ نہایت خوش مناسبت چھوٹے چھوٹے باغچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جب کہ پیش و نشاط کے بہت سے پلے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت میں رہتی ہے۔

اس مشہر کے اکثر مکانات میں بھی باغ اور ایسی نہیں ہیں جن میں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں بٹری رہتی ہیں۔ اور ان کے مکانات جب جاتے ہیں سوار ہو کر ڈول کی سیر کرتے ہیں۔

ہری پرست | شہر کے ہرے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے جو بالکل الگ ہے اور اس کی ڈھلان پر کئی فرہشت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک باغ ہے اور اس کی چوٹی کی طرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جس کے ساتھ عابدوں اور گروہ نشینوں کے لئے عود عود عمارتیں بنے ہوئے ہیں۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ نہایت ہی دلچسپ منظر پیش کرتا ہے۔ اور ان سرسبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اس جگہ کا نام اس ملک کی زبان میں ہری پرست ہے۔ یعنی سرسبز پہاڑ مشہور ہے۔

تخت سلیمان | اس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اس پر بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے باغ کے بنی ہوئی ہے۔ ایک اور نہایت ہی قدیم ہے جو کسی خلاف سادہ جہت کی وجہ سے قلعہ ہے۔ یہ کہ سرسبز پہاڑ کو ہری پرست نہیں کہہ سکتے بلکہ ہری پرست کہنا چاہیے۔ اور وہ مسجد بھی معلوم ہوتی ہے جو دیوان کو پارام صاحب آجکالی دیوانہ ریاست جہوں و کشمیر عرف تاریخ موسوم ہے گزارد کشمیر نے اپنی اس کتاب مطبوعہ منسلک میں لکھی ہے یعنی یہ کہ چکر کشمیر زبان میں اسی خداداد کہتے ہیں جو ایک معروف جلالہ ہے جس میں اس پہاڑ پر خاں راجہ کی مندر کے جہت کی وجہ سے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام باری پرست ہے۔ - س م ج -

عمارت مرہوم ہے جو ظاہری علاقوں سے چند روز کا مسند سلوم ہوتی ہے اگرچہ اُس کا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا یہ ادعا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے موقع میر کشمیر اُس کو تعمیر کیا تھا۔ لیکن کچھ شہم ہے کہ اُس مشہور بادشاہؑ نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہوا اور میری رائے میں یہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔

سرسبز ٹاپو | کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش منظر ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور صبردار درختوں سے لیس ہوئے نظر آتے ہیں اور ان میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روٹھیں بنائی ہوئی ہیں، جن پر عموماً درختوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دور و قدم کے فاصلہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کی موٹائی اگرچہ اس قدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کوئی میں آسکتا ہے مگر اونچائی میں جہاز کے مستول کے برابر ہیں اور ان کی چوٹی پر کھجور کی طبرج ڈالیں اور پتوں کی چھتری ہے۔

خوش منظر پہاڑ | یہ پہاڑ ڈل کے پر لی طرف ہیں ان کی ڈھلانوں پر بے شمار گنجان خوش منظر پہاڑ سکانات اور کھیلواری کے باغیچے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش بھی جاتی ہے اور موسم نہایت خوش نما اور دلچسپ ہے جا بجا پتھر لڑکوں کو لہیں جاری ہیں۔ اور یہاں سے ڈل اور اُس کے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔

شال مار باغ | ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شال مار ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی دھبے کے ذریعہ لے جاتی اگرچہ حضرت سلیمانؑ کے مہم اور صاحب دی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کی طرف ان کی توجہ نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی مانا اور مائل بادشاہ کہتے ہیں اس سے ملے ٹیک چند بیارنے اس کا نام شال مار رکھا ہے اور اس کو شکر کا فضا بتایا ہے اور رکھا ہے کہ شال مار سے مرکب ہے جو کبھی مادہ قوت شہری کے ہے اور محلات باغ کے سخی میں مشعل رکھا ہے اور اس کی سندھیں سزا مہاشنی قبل کا یہ شعر لایا ہے سہ زباغ زلف در رخا اور ماہست غلم کو سبیل پیش کم رشالہ لہناشد۔ لیکن ان سوز کی نقلی غوغا ہے کہ نہ شاعر نے اس افکار

شاہجہاں کے ایام امیری اور عہد انگریز

ہے جس کے دونوں کناروں پر گھاس جھاتی ہے اور چنار کے درخت برابر دور دے نصب ہیں اور جس کا طول پانچ سو قدم کا ہے اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکاشفہ میں جو خاص طور پر گرمی کے موسم کے لئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں اس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچاتی ہے اس دوسری نہر میں بڑے بڑے ریتیلے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اس کے ڈھلوان کنارے بھی اسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار نواروں کی ہے جن کے باہم چندہ چندہ قدم کا فاصلہ ہے اور ان کے علاوہ اور اور بڑے بڑے گول حوض ہیں جن میں مختلف شکل و صورت کے فرارے چھوٹے ہیں۔ یہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں۔ اس لئے ان کے ارد گرد پانی بہتا رہتا ہے اور ان کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں۔ یہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرد گرد غلام گردش ہے اور ان کے دروازے جو چار چار ہیں ان میں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے ان پلوں کے رستے جن پر سے ہو کر کنارے کی زمین پر پہنچے سکتے ہیں۔ ان میں سے

تیس ماہی مریگڑشتہ : باغ کے عام معنی میں نہیں لیا ہے اور غلام یہ ترکیب قرار دیا ہے جسکے کے بھی خلاف معمول ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو لفظ لہذا ہونا چاہیے تھا۔ چپے و صرم شاہ : پٹ خالا گو شاہ و فیروہ اصل یہ ہے کہ یہ صوبہ اُس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے چند صوبہ سال طویل میں شاہجہاں نے باپ کی مرضی سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی نسبت سے اس کا نام خالا اور پٹ گیا تھا۔ جس کو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں چل کر فرست بخش نام رکھا۔ چنانچہ ترک جہانگیر اور شاہجہاں نامہ و فیروہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دلیان کو پارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسومہ گلزار کفر کے صفحہ دو سو پچاس پر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اس کے ایک فقرے سے یہی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے۔ "و باغ فرست بخش کہ واقع است در موضع معروف خالما ابدلت و اقبال۔ ایام

فرستہ جام شاہجہاں کی احداث فرمودہ و دیکھ" ص ۵۷

لہ اصل کتاب میں لفظ فرستہ نہیں ہے۔ درجہ دوم

ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے کمرے ہیں جن میں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور شیش کا کام بنایا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر نہایت خوش خط فارسی قلم میں نقوش و طہرہ لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے چاروں طرف سے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے لمبے اور نایاب بڑے بڑے قطعات سے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو اولین خوش بنا ہیں قائم ہے۔ یہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر سے جن کو شاہجہاں نے منہدم کرایا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے ان کی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی زینت اور قسم کی بات کہیں بیان نہیں کر سکتا لیکن حقیقت اور سنگ مرمر کی تمام قسموں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کشمیر میری نظر میں | مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہو گا کہ میں کشمیر پر غور و فکر کی غرض خدائی کی نعمت میرے تعلیمات اور تصورات میں قدر اور پختہ تھے یہ اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر سرسبز و دل فریب ہے اور ناقابلِ قیاس دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جس کا طول و عرض اتنا ہی ہو اس کی نحو بیوں کو نہیں پہنچتا اور حق یہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کیونکہ اگلے زمانہ میں یہ امر بے روزگار بڑے بڑے اولو العزم ملکا کا تحت کا تھا اور تمام گرد و قواح کے کرہ شان بلکہ تمام اور مکمل ہندوستان جزیرہ مراد پتھ تک اس کی حکومت میں داخل تھا اور یہ بات کہہ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلطانین مغلیہ اس کو بہشت جنت دینی کشمیر جنت ظہری کہتے ہیں۔ اور محلِ نمیب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر متواتر اسرارِ مرگم رہا کہ اس نے ملک و ماں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی دشمنی طسرت آخر پہنچ ہی لیا۔ اور اس کا بڑا بھاگیا گیر اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لڑھک گیا تھا کہ اس نے کشمیر کو اپنی دل پسند کر لیا۔ مقرر کر لیا تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اس عظیم الشان سلطنت کا سارا ملک اگر ہاتھ سے نکل جائے اتنا بخی دہو جتنا کہ کشمیر کا۔

ایک شاعرہ | ایک شاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعرِ اکشمیر اور بادشاہی شاعری کے باہم ہوا تھا میں نے بڑے شوق سے اسے دیکھا تھا یعنی ہمارے

شاہجہاں کے اہم امیری اور عبادت گاہ

کشمیر پہنچ ہی اورنگ زیب کے حضور میں شہزادے مذکور نے کشمیر کی ترقی و ترقی میں
تعمات پیش کئے ہیں کو بادشاہ نے قبول فرما کر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے۔
ان تعامات میں مد سے بڑھ کر نظر اور مہلتے کئے گئے تھے۔ اور بمحکو بادشاہ کے ایک شاعر
نے کشمیر کے گرد و کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ - اُن کی عجیب لہندی ہی
نے ان آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اس مقدس شکل کا بنا دیا ہے۔ اور یہ کہ خالق کائنات
اپنی تمام مملکت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اس ملک کے پیدا کرنے پر منتم اور خسر پ کر چکا
اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہ حصہ بنا کر اس ملک کو دشمن کی فوج کے خطر سے محفوظ
اور احمول فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روئے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے۔ اس
لئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ کامل امن اور چین کی حالت میں بغیر کسی کی
اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کر سکے۔ شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ - یہ پہاڑوں کا دوراہ
بہت اونچے ہیں اُن کی بوٹیاں مضبوط اور چمک دار پر شاخ سے آراستہ کی گئی ہیں۔ اور
ہر چھوٹے چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمک دار ہرے ہرے درختوں سے سجائے گئے ہیں
اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملک کے سر پر ایسا ہی تاج دیا ہے۔ جس کی
کلفتی کے ہیروں کی کرنیں نمودار ہوں، جب ہمارے لڑاکا صاحب نے اس
خاطر کے ان تباہی طبع کو سہری تفریح خاطر کے لئے جھے دکھلایا تو میں نے کہا کہ - یہ
خارا اگر اپنے سفون کو یہاں تک اور بڑھا دیتا کہ کو ہشان اور مہلک عرب و ہزار کو
رجن سے چھوٹی تبت اور دیا مست راجہ گواں اور کاشغر اور سری نگر ملا دے، سرحد کشمیر
میں داخل کر دیتا دیکھو کہ اکثر اذاک کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ ملک کشمیر کے بادشاہ
تھے، اور اس سے بھی بڑھ کر اگر وہ یہ کہتا کہ وہ اپنے گنگا اور سندھ اور چناب اور ستلج
اور غازی اور غلگت میں دریائے جیون وغیرہ سے ہیں کا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں
ہیں، مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں کہ کچھ معنا آئے تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا
کہ اپنے دیوی بھی کشمیر ہی میں نکلا گیا تھا مذکور مینیا میں جہاں لوگوں کا قیدی رہتے۔

لے یہاں وہ سری گروادہ جہاں سلطان شکوہ نے پناہ لی تھی۔ - س۔ م۔ ع۔

ملکہ شہزادہ کا یہ خسر کہ - اگر فردوس برودے زمین است۔ - زمین است، زمین است، زمین است
کشمیر کے خوب صوبہ حال ہے۔

کشمیریوں کی خصوصیات

کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور یہ نسبت ہاتے ہیں۔ اور شامری اور فغانی طبع میں بھی ایرانیوں سے کہہ کم نہیں ہیں۔ یہ لوگ سختی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور غریبوں سے اشتیاق کے ساتھ ہیں ان کی کارگیری جیسے پاکی پنک کے پائے صندوق صندوق کے تمدن چپے وغیرہ قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جاکر ہر ایک قسم کی کڑی کے رنگ و نقش کی ایسی خوبصورتی سے جو بہ نعل اُتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی۔

کشمیری شال

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور میں نے خاص کر وہاں کی سوداگری کو چمکا کر کشمیر کو دولت سے الامال کر رکھا ہے وہ شال ہے جس کو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور میں کی کثرت کے باعث اُن کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے۔ ان شالوں کا طول مربع ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اس کے دونوں اطراف پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈے پر جس کا عرض مربع ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بنائے جاتے ہیں۔ مثل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو باندھ لیا میں بطور رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم پر ڈالے رہتے ہیں۔ شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اُن کی جو ملک اسپین کی پٹم سے زیادہ نفیس اور لطیف ہوتی ہے دوسرے اس پٹم کی جس کو توڑ کھا جاتا ہے لہٰذا کل کے زمانہ میں اگر کوئی عورت اسے کپڑوں کے ساتھ پا جائے کہ سب سے ہندوستان میں عورتوں کی پوشش بہت کم ہو گئی ہے اور اگرچہ اب سے وہ ہندو برس پیشتر کشمیر کی عورتوں کی پوشش کو کثرت جاتی تھیں۔ لیکن اب وہاں بھی انقلابات کے باعث اس کی ایک بہت کم ہو گئی ہے جس سے بچاے کشمیر کے شال اب بہت مفصل ہو گئے ہیں۔ م۔ م۔ م۔

تہ ایک کشمیری سے تحقیق کرنا سے معلوم ہوا کہ تہ کی طرف سے جو پٹم آتی ہے اُس کو تہ کی

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور مہارنگت یہاں

اور جس کی خاصیت اور نفاست کو یہودی یعنی ملکِ آبی کی پرستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تہت میں ایک قسم کی جنگلی کیرلوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری لون کے ریتے بے تڑکی شالیں زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ ہٹانہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو امرا کے واسطے فرالشی تیار ہوتی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آتی تھی۔ اور کشمیری لون کی شال میں سے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتے نہیں سنی۔

شال کو اگر کئی مرتبہ کھل کر ہوا نہ دی جائے تو بہت جلد کپڑا لگ جاتا ہے۔ ہر چند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانے کے واسطے بڑی بڑی کوششیں عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی لامنت اور عمدہ بابت نصیب نہ ہوتی۔ اور شاید یہ اُس ملک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جس کے باعث کشمیری ریتے کو یہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ پھلی پٹن کی چیخٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جن کو ماتہ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر مصلحت میں اور عمدہ عمل آتی ہیں دلوں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

کشمیری لوگ خوب صورتی اور مصاحبت کے لئے اہل رنگ کی طرزِ حُسنِ کشمیر | مزبِ المثل ہیں اور نہ تو ناماریوں کی طرف اُن کی ٹانگ چھٹی ہوتی ہے اور نہ سحر کی سی بدشاہی ہوتی آنکھیں جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تربت کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عمدہ تہمت ہی صحت ہوتی ہے اور قریباً ہر شخص جو اول ہی اول سلطنت مغلیہ میں آکر آمدور بار کی قیل میں داخل ہوتا ہے اسی ملک سے اپنے لئے بچتی ہے ماشہ پتھر گزشتہ فرما لکھتے ہیں جس کو اصل کتاب کے مصنف یا غائبِ شرم انگریزی نے اپنی زبان کے بوجہ کے موافق زیادہ سنی زب کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

میں ہم سے دو زبانتوں نے ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لائق نہیں بھی جاتی اور فرالشی شالیں تو ایک ہزار سے لے کر دو ڈوائی خزانہ روپیہ تک کی قیمت کی بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر عموماً معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لے کر سات آٹھ سو تک ہے۔ یہاں اس وقت اور اُن وقت کی قیمت میں جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہ ہو کہ اُس وقت ایمانہ اور باریک کام نہ تھا ہر گایا یہ سبب ہو کہ اُس وقت کی ہمت جاندی کی قیمت تھا سب کم ہو گئی ہے۔

یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُس کی اولاد بہ نسبت ہندوستانوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں مصوب ہو سکے۔ اور جب کہ بازار میں اور دکانوں پر ادنیٰ اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے تھپس کی دوسے اونچے گھراؤں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے۔

تاک جھانک | قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں نے بھی اسی طرح کا دورا سا کر کیا تھا جیسے کہ منگل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ ادنیٰ الواقع نزاکت اور لطافت انداز ہیں اُن کی شہرت بکا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہوا خصوصاً ایک ایسے ہاتھی کے پیچھے جیسے چمچل اور سامان بہت زیادہ مکلف پڑا ہوا تھا اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائے گا کیونکہ وہاں کی مستورات اُن نفرتی گھنٹوں کی آواز سننے ہی جو ہاتھی کے دلوں طرف لٹکتے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

شوق دیدار | پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلا تا رہا اگر آخر کار جب اس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور پڑے لائے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرنا تھا مجھے کھلیا تو میں نے اپنے دعا کے حصول کے لئے اُس پر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُس کے ساتھ چند سو لگوں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جاسکتا تھا گیا۔ ان سب گھروں میں مجھے اُس نے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایمان سے آیا ہے اور بڑا متول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور بچی ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً ہی اپنے بال بچوں کو خیر خواہی نصیب کرنے لگ جاتا تھا اور اس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بول ہی کیا گزار ہی کیا تھیں می کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اس غرض سے بھی کہ میں اُن کو دیکھ لوں میرے گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سارہ پیسہ خرچ ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کوئی شک نہ رہا کہ حقیقتاً کشمیر میں دلیا ہی حق ہے جیسا کہ تمام

نہ گنگان میں۔

ولمچپ کو ہستانی سفر اب ہمکو صرف اس سفر کی کیفیت کہنی رہ گئی ہے جو بمبھرا اپنے اس خط کے شروع ہی میں کہنا چاہتے تھا۔ اس کیفیت میں کچھ خائن قریبے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب و جوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کر کے بہم پہنچاتے ہیں۔ پس اب بمبھرا کے راستہ کا حال سنئے کہ ہونہی ہم آس ہولناک دنیا دار عالم کی دوسری جانب پہنچنے میں سے میری مراد بمبھرا کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سبھا پہاڑ ہے توہم کو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ٹی اور میں پہلی ہی رات اپنے آپ کو مختلف عازہ مسئلہ میں پا کر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان میں پہنچ گیا ہوں۔ جن پہاڑوں میں سے ہو کر ہمارا گذر ہوا وہ تمام کے فرنگستانی درختوں اور چھاڑوں سے سبز چرے تھے مگر اُن میں تو فوا زیدہ۔ اور منراٹھی اور دوسری قسم کا گلاب درخت۔ اور گویا میں خود کو آندھ کے پہاڑوں میں پاتا تھا جن میں صنوبر۔ بلوط و فیروز کے درخت کثرت سے ہیں اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے چلتے تھے میدانوں میں جن کو ہم ابھی ہمو کر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی ایک نہایت نین نری معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توہم خصوصاً اس پہاڑ کی طرف تھی جو کوہ بمبھرا کے دونوں کی مسافت پر تھا اور جس کے دونوں ڈھال مختلف قسم کے درختوں سے لیسے ہوئے تھے۔ یعنی جو طرف جنوب و دیہ اور ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں قسم کے اشجار رکھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھرے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت برابر ہی جلی ہے اور دوسری جانب راجستھا زیادہ اعتدال کے، صرف فرنگستان کی ہی ہے۔ راستہ میں ہیں اس حال کو دیکھ کر بھی نہایت تعجب ہوا کہ اور تو بے شمار درخت کھڑے ہیں اور قنادوں میں جہاں

لے ضمیران ایک قسم تازہ کی ہے۔ س۔ م۔ ج۔

۴۴۲ فرانس کے ایک خط کا نام ہے۔ س۔ م۔ ج۔

انسان کو کبھی جانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ بچے اور بچڑے ہوتے سڑ گل کر خاک ہو رہے ہیں اور اوسے اس طرح بے حد درخت اور نئے نئے پودے اُن کی قائم مقامی اختیار کر لے لے بڑی خوش خنای سے سرسبز اور شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں اُن میں سے بعض ٹکڑے جلتے ہوئے درخت بھی دیکھے گئے ہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر کبلی گری تھی یا ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز تند ہوا کے چلنے سے درختوں میں یہ حالت اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے غلوں کے موافق خشک اور پڑنے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اٹھتی تھی۔

حیرت انگیز آبشار خوش خا آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زبردست شہر سے گرتے ہیں۔ سیر و تفریح کے لطف کو دو بالاکر دیا ہے خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے جس نے اُس کو ایک اوجھل پہاڑ پر کمر سے ہو کر کچھ فاصلے سے دیکھا

کراچی کا ایک سیلاب ایک لمحے اندر تاریک راستے سے جو برابر درختوں سے ٹوٹتا ہوا ہے اگر بڑی تیزی کے ساتھ دھنک ایک بڑی سیڑھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان ٹپ ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ جہاں گھر سے اس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہمارا کراچی پر ایک مالی شان عمارت تعمیر کرادی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت انگیز تماشۂ قدرت کو وہاں سے باہر بیٹھ کر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جن کا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کھلی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آنرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بے جا نہیں ہے۔

دروناک حادثہ اس ملک ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تفریح کو دوناک واقعہ بالکل منقض ہو گیا۔ بادشاہ اس وقت بہرِ غلوں پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور یہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آئی تھی جن پر ماریوں اور میکشہ نہروں میں نیلیں سوار تھیں اس تھا۔ جس کا سب سے اگلا ہاتھی لوگیا کی دانت میں راستہ کی بلند ہی اور دوازی سے ٹوٹ کھا کر پیچھے کھٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا اور اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسی طبع پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر گر پڑا۔

نشا جہاں کے ایام اسہری اور مہ اند گنچہ

کی لاہت پہنچ گئی۔ اور اب ذرہ گرم ہی سکتے تھے اور ذراتیں باہمی حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور دھلاں راتے سے اپنے آپ کو نکال لیں اور آخربے خود ہو کر کچے جا کرے۔ مگر جس مقام پر یہ ہاتھی گرے تھے غرض مستی سے وہ جگہ چنداں بلند نہ تھی اس لئے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی۔ لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔ یہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُس پر لاتے ہیں دب کر مٹے جاتا ہے تو پھر اچھے راستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا ہیں ایسی خراب جگہ میں کس طرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اُسی راستہ سے گذرے تو ہم نے دیکھا کہ بچا رہے کئی ہاتھی اب تک پڑے ہوئے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس نون کو جو چار دن سے تظار باندہ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اس حادثے کے باعث سخت تکلیف اٹھاتی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات بگلیات کی جان بچانے اور اسباب بچھانے میں گدیے اور اتنی دیر تک سپاہ کو مہموری اُسی جگہ ٹھہرا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ گویا بندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے محتاطا اچھے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچے ہٹنا ناممکن تھا اور قلعی جن کے پاس نیچے اندر سے تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر سب معمول خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہ جا پڑا کہ جہاں میں نے اور میرے گھوڑے نے آرام و قوت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے لکڑے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

بچھو کا منتر | جھوٹا نکل آیا میں کو ایک لاجوان متقل نے جو میری جان پہچان میں سے تھا اُسے اٹھا کر اپنی منہ میں دبا لیا اور پھر میرے لکڑے کے اندر میرے ہاتھ میں دبا کر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی دکھانا اُس لاجوان سوار نے اس کو باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر بھونک دی ہے۔ اور اکثر بھونکوں پر میں اسی طہرہ پڑھ کر بھونک دیتا ہوں مگر جیسے اُس آیت کے سکھانے سے انکار کرنے کی اُس نے یہ وجہ بیان کی کہ اُس کی تاثیر اُس سے متقل ہو کر میرے دھو میں آجائے گی جیسا کہ بقول اُس کے اُس کے استاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُس نے اُس لاجوان کو یہ عمل سکھایا تو دُڑا اُس کی تاثیر اُس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال کے عجائبات | جب ہم پنجال پر سے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے خلیفہ نے خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ذکر کیا۔

(۱) گرمی و سردی کا اتصال | ایک تو یہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی کی دو قسم بہت منت معلوم ہوتی تھی اور ہم پیچھے پیچھے سوتے جاتے تھے۔ لیکن چوٹی پر پہنچتے ہی پہلے اپنے تئیں بھی ہوتی برف کے اندر پاؤں میں کواٹ کواٹ کرک کرکے گند کے واسطے راستہ بنا لیا تھا جہاں خلیفہ ہر نالی بارش بھی ہو رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا ایسی ٹھنڈی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بھارے ہندوستانی لوگ جن میں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں ٹھہلی تھی پہلے ہی پھل آس برف کو دیکھ کر بڑی حریف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) دو مخالف ہوائیں | دوسری یہ کہ صرف دو سو قدم کی مسافت کے اندر ہی دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی یعنی چڑھائی کے وقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اتار کے شروع ہوتے ہی چارہ پشت یعنی جنوب کی طرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بمقادات اکثر بپھاؤں کی ہوائیں پر پہنچتی ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہو کر اس ہوا کی پیدائش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے اور اتار کے دو مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب اُٹھتی اور لطیف ہوتی ہے تو اوپر کی تھیل ہوا اس کی جگہ لینے کو تھپے اُتر آتی ہے اور یہ اتار چڑھاؤ ہوائی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

پیر پنجال کا درخش | تیسری یہ کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک مرد مسیحا درویش کو دیکھا جو جہاں گیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اس کے مذہب سے تو کسی کو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہ بیان کرتے تھے کہ اس سے خرق عادات اور کلاشیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں عجیب عجیب طہرے کی گرج۔ طوفان برف۔ اور سداور بخند پیدا ہو جاتا ہے اس کی سفید اور اُچھی چوٹی ڈاڑھی بہت گھن دلاور لیسی تھی اور چہرے سے کچھ وحشت اور مزاحمت کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکثر ہیں سے مانگتا

شاہجہاں کے مایم، سیری اور مہارنگنیہ

تھا اور لوگوں کو ان مٹی کے پالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا ہر ایک بڑے سے چھوٹے اُس نے بطور متعارف کے پہنچے ہوئے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نہ کرو جلداً تر جاؤ اور جو لوگ کچھ نل بھاتے تھے ان سے سبب ناراض ہوتا تھا۔ مگر جب میں اُس فارسی کو جہاں وہ بیٹھا تھا پہنچا اور مقب لورچہ اُس کے ہاتھ پر ایک اٹھتی رکھ کر اُس کا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ یہاں شور وغل مچانے سے ہوا اور چہ کا ایسا سخت طوفان چلا اٹھا ہے جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور کہا یہ اورنگ زیب کی داغ بیل ہے جو اُس نے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چپ چاپ اور قہیل کے ساتھ اتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اس کا باپ شاہجہاں بھی اسے ہی حرم اختیار کے ساتھ محل کیا کرتا تھا۔ مگر بھانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو نہی میں الٹا کر باد و جودہاں مانگی ہوئی مخالفت کے تقارے اور نصیحاں بولنے کا حکم دے دیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھرا کہ ہلک ہوتے ہوئے بچی گیا۔

چشموں کی سیر اب میں آپ کی خدمت میں اُس سیرو سیاحت کا حال بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اس ملک کے مختلف حصوں میں کی ہے۔ مشہر کشمیر میں پہنچے ہی ہمارے لواب دانشمند خاں نے ہم کو اس ملک کی چرنی حد تک سمجھا جو دلا حکومت سے بگلی سی تین منزل ہے تاکہ میں ان عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک آبگتے چشے سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کے واسطے لواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

سوندھری عجائبات یہ ہیں کہ ماہ مئی میں جس وقت برف گھٹلے لگتی ہے پندرہ روز تک یہ چشہ غوارہ کی طرح ہر اہر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے۔ اگر بدین گھنٹہ تک اُس سے حوا تر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع عرض کے بھر دیئے کہ جو دس بارہ ... فرانسیسی نٹ عمق اور اسی قدر طول و عرض رکھتا ہے کوئی سے زیادہ ہے اور جب چند روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد کوئی قدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آ جاتا ہے اور ایک مہینہ گندنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور حوا تر بارشوں میں منہل اور چشموں کے بل انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اس عرض کے کنارے

ہندوؤں کا ایک منہد ہے جو برابر دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی دم سے یہاں کے لوگ اُس کو سونہ براری یعنی آبِ برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دورِ دور سے آکر اس منہد پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجز نما اور پو قر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی وجہ سے ان کا بیان چننا دلچسپ نہ ہوگا۔ پانچ چھ روزہ جھک کر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو میں اس بھونگی کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کرتا رہا چنانچہ میں نے اُس پہاڑ کو جس کے دامن میں یہ عجیب چشمہ ٹھکانا ہے بغور ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُس کی چوٹی پر پہنچ کر اس کے چپے چپے کو چھان لیا۔ اُس کا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہے مگر تاہم سب سے بالکل ٹھکانا ہے اُس کی جہت گدے کے پتھر کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر غرض نایت درجہ سردی بھی مشکل سے ہوگا اس کی ایک طرف شمال درجہ ہے میں ہر ستر گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر سچے آٹھ بجے تک متبادل کے پہاڑوں کے مائل ہو جانے کی وجہ سے اُس پر دھوپ نہیں آتی۔ اور غریب جانب درختوں اور نباتات سے چڑھے۔ ایسی یہ حالت دیکھ کر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید خرابیِ آفتاب اس کے موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے مل کر اس بھونگی کو پیدا کرتی ہے اور اس بنا پر میں نے اپنی یہ رائے قائم کی کہ جاڑے کے موسم میں جب کہ تمام زمیں برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی پہاڑ کے اندرونی حصوں میں رہیں کر اور منہد ہو کر اُسی طرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصہ گرم ہو جاتا ہے جس پر سب سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی گھل کر پہاڑ کی دھاروں میں سے دوپہر کے وقت چشمہ کی جگہ پھوٹ نکلتا ہے اور جس وقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا تھا آفتاب کے بلند ہوجانے کے باعث سرد ہو جاتا ہے تو اُس جگہ سے پانی کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کے وقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُس کے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کی دوسرے حصہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور چند سیک دوسرے راستوں سے اُنہیں پہلے راستوں میں آ جاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بجھنے لگتا ہے۔ پھر صبح آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منہد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کے

وقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دندہ پانی چشمہ سے آہنگی کے ساتھ نکلتا ہے
 اس کا باعث یہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے منہ سے کسی قدر فاصلہ رکھتا
 ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ کثرتِ اشجار کی وجہ سے تھانے آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف
 کم اثر پذیر ہوتی ہے یا نقطہ رات کی سردی اس کا سبب ہے کہ جس کے باعث پانی کی
 روانی کسی قدر شست ہو جاتی ہے۔

میرے ان دلائل کو اس بات پر غور کرنے سے متاثر ہو چکی ہے کہ پچھلے دلوں میں پانی
 کثرت سے نکلتا ہے اور پھر چند دن کے گھٹ کر بالکل بند ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ ہر پانی پہاڑ کی دراڑوں میں جا ہوا پڑا تھا اتنا ہی زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا
 علاوہ برسی یہ امر بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ بہتانی
 موسم تھا میں کیوں نہ ہو بالکل غیر متبیین طور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو
 مات یا سحی کی نسبت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر کے کثیر المقدار ہوتا
 ہے جس کا سبب ظاہر ہے یعنی یہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات
 اندکے سبب و صوب کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاؤ میں کمی اور زیادتی کا
 باعث ہوتا ہے۔

چوشندہ چشمہ | مندرجہ براری سے دایم کے سمت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھانکر
 آتا تھا تاکہ اچھ پل کی بھی سیر کرنا چلوں! یہ جگہ شہر کشمیر کے لغات
 میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راہگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہانِ مغلیہ
 کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ خصوصیت سے اس جگہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک چشندہ
 چشمہ ہے جس کا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہو کر اس مکان کے گرد وادھ نکل
 باغ میں گھوم مٹا ہے اور خالی از لطف نہیں اس چشمہ سے پانی اس شدت سے آگھلتا ہے
 کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اس کو دیا کھنا چاہیے نہ
 کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرو ہے یہ باغ بہت خوبصورت ہے اس کی
 درختیں نہایت احاطوب سے بنی ہوئی ہیں اور میوہ دار درختوں، مثل سیب، انار، پانی آلوہ
 اور لہو آلوہ سے بھرا ہوا ہے۔ غور سے مختلف وضع اور شکل کے ادھیلوں کے رکھنے کے لئے
 عرض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اس جگہ ایک آبشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تھین یا

چالیس عزم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بن جاتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے جتنا اس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کے وقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدمہ چلانے روشن کر دیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

اچھیل سے چل کر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا وہ بھی ایسا طلاتی پھلیاں ہی آلاستہ ہے اور اس باغ کے عوض کی پھلیاں آدمیوں سے ایسی آلاس ہیں کہ لہنے یا دہنی کا لکڑا لٹالنے سے نزدیک آ جاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی پھلیوں کے بیڑوں میں سوسے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جن پر کچھ کھسا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بالے نور محل دلازمہاں بیگم، مہارنگ گریب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

جب میں نے وہاں آکر سوندھ بھاری کے حالات دالشد خاں سے بارہ مولا کا مقبرہ بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ آئن کو مشن کر خوش ہوتے۔ پھر انھوں نے مجھ سے ایک اور طرف جاننے کی فرمائش کی تاکہ میں بھی اس عجیب امر کی تصدیق کروں جس کو اور لوگوں کی طبع سے وہ بھی انہی کیفیت کرامت سمجھتے تھے اور آئن کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اُسے دیکھ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ انھوں نے فرمایا کہ گپ نہ براہ مولا تک ہوا ہے جس کا فاصلہ سوندھ بھاری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جس میں ایک شہنشاہ کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر آئن کی کرامت سے اب تک پورا درناؤ ان لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اُس خردگ کی کرامت سے ایک اور کرمہ ظہور میں آتا ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے یعنی ماں پتھر کی ایک بڑی تندہل پڑی ہے جس کو نہایت طاقتور آدمی بھی زمین سے نہیں اٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس دلی کے حق میں کچھ فائدہ نہ دیکھ کر اپنی انگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تکیہ اٹھا لیا۔ میں نے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کر لیا اور اپنے دو لون پہلے زمینوں کے ساتھ چل دیا۔

بارہ مولا میں نے ایک فرحت بخش جگہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ کی مکانیت کچھ بڑی عجیب اور لاگت کی نہ تھی مگر اُس پیر کی قبر الہیہ مختلف سے آلاستہ تھی۔ اور اس کے چاروں

طرف روگ دعا و فیرو میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم جہاں ہیں اُس مقبرہ کے متصل ایک بادری خانہ ہے جہاں بمحکو بڑی بڑی دیگیں گشت اور چاروںوں سے بھری ہوئی نظر پڑتی ہیں سے میں نے فوراً ٹاڑ لیا کہ بس یہی جہاں کیسی لانے کے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہے اور یہی اُن کی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور محاوروں کے حیرے ہیں جنہوں نے اپنے ہر کی مقدس کراٹوں کے اظہار کو اپنی گدازان کے لئے ایک بے خاش حیلہ بنا رکھا ہے اور اُس کی کراستیں اور محاورہ مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بد قسمت ہوں ہیں جب تک میں بادہ روا میں رہا ہر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُس کے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال دیکھتے ہو مجھے مسلمان بنانے والی تھی۔ میں نے دیکھا کہ محاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُس کے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُن کی بھی بھی تباریں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اٹھانے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر فوراً کرے سے مجھے اُن کی سب مٹا دی اور ہاتھ کی صفائی معلوم ہو گئی اور اگرچہ یہ لوگ بڑی شدد سے ادا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی انگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک سموس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ سارا زور لگانے بغیر وہ زمین سے نہیں اٹھا لیا گیا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محاوروں نے اُس پتھر کے اٹھانے میں صرف اپنی انگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے اگلے شے بھی لگائے تھے مگر بائیں ہر میں بھی اُن کے اور اُن کے طرف داروں کے ساتھ جو خدا کرامت کرامت۔ پکارا ہے تھے ہم آواز دھم دھم ہونے لگا۔ پھر میں نے اُن کو ایک روپیہ مندر کیا اور نہایت عقیدت منانہ صورت بنا کر اظہار کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایک دفعہ اس مقدس پتھر کے اٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کروں۔ یہ لوگ پہلے تو متاثر ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اور مندر کیا اور کرامت کی چھائی کی نہایت اچھا دھار دیا ہر کیا کر اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہ دیدی۔ کیونکہ اُن کو یقینا یہ امید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اس پتھر کو اٹھالیں گے خواہ میں اپنی انگلی کی صرف ایک پور لگانے کے سوا اُس کے اٹھا

دیے میں کچے زیادہ عددوں - اور ان کو یہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاک کے ساتھ اُس کے آشنا اپنے کا انتظام کر لیں گے کہ ممکنہ اُن کا غریب معلوم نہ ہو سکے گا - مگر جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ پتھر جس کو میں بجز اپنی انگلی کی پلہ کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا براہ میری طرف چمکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت ناام ہوئے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بندھنا مناسب سمجھا اور ہم سب اُس کو بڑی مشکل کے ساتھ اس کی معمولی بندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بڑی نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے - مثلاً یہ کہ یہ شخص پتھر کے آشنا لے کے خطرے میں پڑنے کے باعث خود پتھر میں چلنے کی سزا کے لائق ہے تو میں نے مناسب جان کر پھر - لفظ کرامت کرامت - پکارنے میں اُن کا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ اُن کی طرف اور ڈال کر اُس اثر و حام سے جموت پٹ آکھ بچا کر نکل آیا - اور اگرچہ صبح سے میں نے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا - مگر وہاں مشہور نامناسب نہ جانا اور فرما اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پھر صاحب اور اُن کی کرامت کو ادا کیا اور ایک وہیں چھوڑ آیا - اس جگہ کی آمد و رفت سے یہ فائدہ الیہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جن کے وہ مہمان سے تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا میں گرنے لگتا ہے - اور جس کا اشارہ میں اس خط کے شروع میں کر چکا ہوں -

تیرتا ہوا مکان میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہو کر ایک بڑی جمیل کی طرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی - اس جمیل میں پھیلیں اور خصوصاً مارا ہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور راج نہیں اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اس جگہ شکار کیلئے اکثر آتا ہے اور اُس وقت پرندوں کی اس جگہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جمیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک بانچھا اور چمبہ ہے جس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پیر تیرتا ہے اور وہ فقیر یہاں رہتا ہے مت اصرامی میں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا - اُن خرابیوں میں اور یہ وہ مکانات سے جو اس چمبہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک مشہور روایت کے کہ کشمیر کے راجا جٹان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند ہندو کار اور مضبوط شہیدوں کو باہم جوڑ کر اُن ہر ایک کو تھوڑا سا تھوڑا سا پانی

اس خط کو سلاہ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ دیکھ لارہ سلاہ کو جاتا ہے اس جیل کے وسط میں ہرگز گذرتا ہے۔

اُترتا چڑھتا چشمہ | اس جیل سے چل کر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جس کو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ یہ چشمہ چیلے کی شکل میں آہنگی کے ساتھ اُٹلتا اور کسی قدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوتا جاتا ہے! اس کے پانی میں کسی قدر مسابا اور شفاف رنگ ملی ہوئی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کوڑھ کر پھر پچھلی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ ایک لمبے پانی کا جوش کھاتا اور رنگ کا اوپر کوڑھ کر پھر مسابا جاتا ہے اور پھر پستور میں پانی زور دے کر جاتا ہے اور رنگ اوپر کوڑھ کر پھر نیچے جاتی جاتی ہے۔ اور اس چشمہ کا یہ حرکت اور سکون اسی طبع کے غیر صحنہ نظام میں جاری رہتا ہے۔ سب سے زیادہ عجیب امر جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شہد خواہ بولنے سے ہر خواہ زمین پر پاؤں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا اُس کے اُٹلنے اور جے کا باعث ہو جاتا ہے۔ میں نے دریافت کر لیا کہ اُس میں نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پاؤں مارنے سے بلکہ اُس کی حرکت اور سکون کا عامل خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سار جاتا ہے! اور چونکہ میں نے اس کے اصل سبب کی منہایت بخوبی غور نہیں کیا۔ اس نے آپ کی خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں کہہ سکتا مگر شاید یہ سبب ہو کہ ریت اپنے ثقل طبیعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مہر میں گرد کر کے پانی کے اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ٹپاٹے اور ماسے کے کھونٹے کے لئے پھر زور کر لیتے۔ یا انہیں غالب شاید یہ ہو کہ جو ہوا اس کے مہرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے وہ لوہہ لوہہ کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فراڈوں میں یہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے۔

ہرفانی جیل | جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور وسیع جیل کے دیکھنے کو پہاڑ چڑھے جس میں گرمی کے موسم میں بھی ہرف سہو رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے ہرف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بھر جھک کی طرح کبھی متح اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

سنگ سفید کے پربہار پھول | اس کے بعد ہم اُس مقام سے ہو کر گذرے جس کو سنگ

سفید ہوتے ہیں۔ یہ جگہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے۔

(۱) ایک یہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے دیے ہی پھول پیدا کرتے ہیں جیسے کسی بڑے صوبہ کا باشندہ۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہاں تعمیر سے ایک یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیوں کا زیادہ اثر و عام ہوتا ہے اور وہ خود غل چاکر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو موزر شہر سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ موزا ہوتا ہوا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گذرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُس نے غیر ضروری خورد و غل کی ماضی کے واسطے احکام بھی جاری کر دیئے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُس کے تمام ہزار ہی طاقت کے خطرے میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سن کر آپ اس بڑے نفیر کی گفتگو یاد فرمائیں گے جو کہ پہر پنجال پر مجھ سے ہوئی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک ٹارکو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اس میں عجیب عجیب طرح کی بنیاد چٹانیں قابل مشاہدہ تھیں۔ گرا تنے میں میرے پاس نہ بونچتی کہ ہمارے لڑا ب صاحب میری بہت دقوں کی غیر حاضری سے ٹکر خدا اور حشر و قہر میں اس لئے مجھے اچھا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

قرب و دھوار کے پہاڑی ملک | جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خطرات اسی ہم خیال شخص نہیں ملا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جس کو کاوش اور تلاش ہو اور اُن احمد سے واقفیت رکھتا ہو جن کو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے مجھے انھوں سے کہ کشمیر کے تپ دھوار کے کوہستان و نہروہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دے سکتا ہوں۔ مگر یہ حال جو کہ میں نے دریافت کیا ہے آپ کو گھنٹا ہوں، وہ تاجر لوگ جو ضال بنانے کی عمدہ ہوشم کے جمع کرنے کے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متعلق الفاظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو آب بھی کشمیر کے توالی میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک ملا تھوڑا سا ہے کہ جس کے سالہ ذخائر میں صرف اُن اور چڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں سن و جمال اور پاک و امنی اور دست کاری میں مزب المثل ہیں اور اس سے

آگے بڑھ کر ایک اور علاقہ ہے جس کی وادی بہت خوش نما اور میدان سبھا صل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا فلد اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور انھیں طرحیہ اور انگور جس سے عمدہ شراب بنتی ہے، کثرت سے ہوتا ہے اور اس کا خراج بھی چھڑے اور کن ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ اس کے باشندے اپنے ملک کی دشوار گذاری کے پھر دوسرے علاقے خراج سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن سرکاری فوج ہمیشہ جا کر پھر مطالبے کر لیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہ بھی سنتا ہوں کہ دور دور کے پہاڑوں میں جہاں کشمیر کے باج گزار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوش نما ملاتے ہیں جہاں کے لوگ سرخو سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُلٹن رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ و نادر ہی باہر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے ان کا کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو نا پاک سمجھ کر کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوئے مجھ سے ایک ٹڈے نیک مروت نے کہ میں نے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہ ٹڈے نیک کو اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کو ہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جا آئیں گے مگر پھرتے پھرتے آخر کار وہ ایک خوش نما چھوٹے سے ضلع میں جا پہنچا جہاں اُس کے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار دھکا دیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس انتہا سے لے کر حاضر ہوئے کہ آپ ان میں سے کسی کو پسند فرمائیں تاکہ اس ملک کو آپ کی نسل سے نفع حاصل ہو۔

پھر یہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُس کی ویسی ہی آؤ بھگت ہوئی لیکن شام کے وقت کی قرضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہساروں کو بے خوف بھگ کر اور یہ مال اندیشی کر کے کہ لڑکیاں تو آخر کار اپنے خاندانوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جو روئیں پیش کیں۔

چھوٹی تہت کے فرماں روا کی آمد

چھوٹی تہت جو کشمیر کی سرحد پہ ہے اُس کے فرمانروا
خانہدان کے لوگوں میں چند سال سے بڑے بڑے
تلازمے ہو رہے تھے جن میں سے آخر کار ایک شخص نے جو حکومت دریاست کا دعوے دار
تھا۔ بدوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہو گیا
کہ وہ وہاں جا کر جو دبی جائے۔ چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعوے دار قتل ہوئے
اور بعض بھاگ گئے اور اس کو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال ہمال کسی قدر
بلورے ہو اور سال بنانے کی آدن بطور خراج دلا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہ چرچ
بطور پیش کش لے کر ذاتِ خود اور نگِ نریب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا اگر ایسے خیر سامان کے
ساتھ آتا ہے کہ میں تو کبھی اُس کو مالی رقبہ شخص خیال نہیں کر سکتا! ہمارے جواب نے اس
غرض سے اُس کی دھوت کی کہ اُس سے اُس کے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کر سکیں۔ چنانچہ
اُس نے ہم سے بیان کیا کہ بڑی تہت مہری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُس کا عرض ہریہ
نوشے یا ایک سو بیس میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلورے ملک اور پٹنم یہ اشیاء بہم
آتی ہیں۔ مگر میں چنداں متول نہیں ہوں اور لوگوں کا یہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں
سولے کی کاہن ہیں بالکل غلط ہے۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ اُس کے ملک کے بعض
افلاک میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتے ہیں خصوصاً خلیوزہ جو کئی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرت
برف کے باعث جاننا بڑی سخت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بہت پرست
تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں۔ اُس نے
یہ بھی ذکر کیا کہ سترہ اٹھارہ برس گذرے کہ شاہجہاں نے بڑی تہت کو جس چمدا جنگل کشمیر
کی اکثر طاقت راجہ تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے سولہ دن کے بعد ایک
مصلح سفر کے جو کو ہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا
اور وہاں کے لوگوں میں ایسی بل چل نکال دی تھی کہ یقیناً تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ
شاہی ایک مشہور اور تیرہ رو دیا سے جو راستہ میں آتا ہے آخر کسی وقت جرات کر کے
ریاست گواہ کو مالیتی۔ مگر چونکہ مخالف موسم آ پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر اس فوج کا حاکم تھا
وہ اس اندیشہ سے واپس آ گیا کہ کہیں برف نہ آئے اور اس مفتوحہ قلعہ میں کسی قدر

نئے عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مراوٹاں" لکھا ہے۔ س م م

مسلموں کو اس نے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھولوں کی کھولیں گامزن فرماتے تھے۔
قلعہ نے جمہوریت کی حرکت کی کہ قلعہ کو پاتو دشمن کے خوف سے یا قلعہ کی وجہ سے ناگہاں
اور غلاف تو قلعہ خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تہمت کا ملک میں کی تعمیر آئندہ فصل بہار
پر ہفتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچا رہا۔

بڑی تہمت کے سفیر کی حاضری | چونکہ اس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا
رہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری
سُن کر اپنے ایک سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بھر دے ملک۔ سنگ یشب اور نمبرہ گائے کی سفید
اور عمدہ دھن دے کر جو خاص طور سے اسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر
ہندوستان میں انھوں کے سالوں میں مٹا دیتے ہیں بھیجا۔ سنگ یشب جو اس دفعہ
چٹکیش میں آیا ہے غلاف معمول بہت بڑا قلعہ ہے اور اسی بہت سے جہن تہمت ہے۔
وہ بار مظہر میں یہ چھوٹی تہمت اور عمدہ پاتے ہیں بلکہ کارنگ سبزی مانگ ہوتا ہے اور
اُس میں سفید سفید دھاروں ہوتی ہیں اور ایسا کھنت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے برابر
کے ساتھ تراشا جاتا ہے پیالے اور پھول مان اسی چھوٹے جتنے ہیں۔ چنانچہ میرے
پاس بھی اس چھوٹے چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جن میں سنہری تارا اور جواہرات جیسے
ہوئے ہیں۔

ان جناب اعلیٰ صاحب کی جہاز میں تین چار تو سوار تھے اور دشمن بارہ بے بسے تھے
وہاں دُبلے اور سوکھے ہوئے شہرل چلا دے۔ جن کے سر پر پٹیوں کی طسرت ٹوڑھی کا
کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرف کی فریبانی ٹوپیاں سر پہ رنگ کی پہنے ہوئے
تھے۔ جیسے کہ ہمارے فرانس کے قلعہ پہننے ہیں اور ان کے باقی لباس کی شان و شوکت
بھی ان ٹوپوں ہی سے نمایاں فرمایا جتنے اور بے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار ہاتھی
بزرگ دار کوالہ تھوڑے ہوتے تھے باقی کے پاس لاطھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ لاطھی
جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ ہمدان پیمان کیا
کہ دارالریاست تہمت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائے گی جہاں اہل اسلام کے طریقہ پر نماز
پڑھا کرے گی اور سکتے کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک دھملا

غواج کی بھیجی جایا کرے گی۔ مگر اس بارے میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اسے کاشیہ گنہگار کے کثیر سے مزاحمت کرتے ہی اس عہد و بیان پر کچھ بھی عمل نہ کیا جائے گا اور نہیں بہت شرافت و عہد و بیان کو اس سے زیادہ بڑا دلایا جیسے اس عہد کے شرافت کو بڑا لایا تھا۔ شاہجہاں اور اس دہری کے باہم ہوتے تھے۔

تبت کے ایک طبیب کے ملاقات | اس ایچی کے ہمراہ ہوں میں ایک طبیب تھا جس کو کہتے تھے اگر اس کا رہنے والا ہے اور فرقہ لائیں۔ ہے۔ ۱۵۰۔

طہ مانگیر تاسی کس ہے کہ اور نگ زیب سے کثیر سے داییں اگر سبب خاں صوبہ دار کثیر کے پاس دلی نکل بڑی تبت کے۔ فرزندار یعنی ماہ کے نام کا ایک فرات اس شخص کا گھمکر دوا دیا کہ اگر تم چاروی اطاعت اختیار کر کے اپنے ملک میں جلا سکے اور غلبہ جاری کرو اور صوبہ دار کثیر شرافت سلام کو دوا دے۔ بھر تھلا ملک دال بہال رہے گا اور دروغ کشی کی جائے گی۔ چنانچہ یہ فرات داییت شاہی کے موافق موافق تھی ایک بادشاہی سردار کے ساتھ کثیر سے اس کے پاس بھیجا گیا جس کا دلی نکل جے تین میل تک انتظار کیا اور بڑے اور دوا دے اگر کام کے ساتھ فرات کو اپنے سردار دیکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر وادیت کی اور اس سے دوسرے روز صوبہ دار کا ملک تھا ایک بڑے مجمع نام میں بادشاہ کے نام کا خط پڑھا گیا اور جب ہی الدی صوبہ دار نگ زیب کا نام غلبہ میں لیا گیا تو غلبہ کے سردار بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور غلبہ کے عہد صوبہ کی خبر کی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکے لگا دیا گیا اور اس کے بعد ایک حریف جس میں بہت سے مجوزہ نیاں اور دوائے عہد کے وعدے تھے صوبہ دار ایک غلامی بھی کے جو بطور ملک سہرہ کی اپنی داییت کے تھی اور ایک نیاں لائیں اور دو نیاں صوبہ میں پر بادشاہ کا سکے لگا دیا تھا صوبہ دار اپنے ملک کے مخالف کے حوالہ کر کے صوبہ شیعہ کو رخصت کیا اور کھتا ہے کہ اس کا دوائی کے باہر اور نیاں پائے میں چھٹی تبت کے ماہ سردار خاں سے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی۔ اسی کتاب میں اس ملک کی حدود کا حال اس طرح پر دیا ہے کہ اس کا طول چھ جینے کے راست سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو جینے کا اور بعض جگہ ایک جینے کا راست ہے۔ اس کے مغرب میں کثیر کھلیں۔ سری نگر۔ ہبار اور جنگال اور مشرق میں ملک اور خطا اور شمال اور تبت میں اور کاشغر اور تمام مغزستان اور حویز و دوشست تبتاں ہے اور یہاں کے دواہ کی فرقہ بارہ نزار صوبہ بہت سے پچاسے ہی اور سپاہ میں اکثر فرقہ تبتاں قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ س۔ م۔ ج۔

تبت و صوبہ تبت والے اپنے گرد اور پیرا نے تبت کو لاکھتے ہیں اور سب سے بڑا شہر لاسا

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہارنگ دیب

میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں متعقبات اور رہتا جیسے جاتے ہیں۔ مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف ان میں ایک گرد بھی ہوتا ہے جس کی تعظیم و تکریم صرف ایک لاسا ہی میں نہیں بلکہ کل ظاہر میں ہوتی ہے اور اس کا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا۔ اس طبیب کے پاس نٹوں کی ایک کتاب تھی اور میں نے ہر چند جاہک وہ اس کو بچ ڈالے مگر اس نے نہ دی۔ اس کتاب کا خط وہ سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے اس سے اس خط کی اسجہ لکھوائی مگر اس نے بڑی مشکل سے اور ایسی پختگی سے لکھی کہ ہم نے جان لیا کہ وہ بے علم اور جاہل ہے۔

مسئلہ تاج پراس شخص کو بڑا اعتقاد تھا جس کی نسبت اس نے عجیب و غریب تصویر حاضر ہو کر گذشتہ دوا لکھو مت لکھ ثبت میں رہتا ہے اور ثبت اور چین کے وہ لوگ جو ہر صدمہ و مصیبت رکھتے ہیں اس کے بڑے لاکھ کو جسم جو جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے اور جب کیرم کے باطن اس کا جسم اس سے ہر جاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ وہ چین سپاس اس کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاکھ مر جاتا ہے تو اس کے کارپوراز یعنی لاکھ سے کسی صورت کے پیدا ہونے لاکھ کو لاکھ لاکھ کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔ اور ان کو ایسے طور پر پلٹے ہوئے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاکھوں کے وقت کی بتائے گئی تھیں اور ان کے نام اٹھ اور جاہل ہیرو اس کو لاکھ کے کشف و کرامات کا کرم بھکر یعنی کہتے ہیں۔ کپتانی ٹرٹر صاحب جو مشہور ہیں سرکار ذیل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تبت کے راجہ کے پاس ہوا لاکھ تاب ہوتا ہے بعد سفارت لاکھ کو گئے تھے کہنے ہیں کہ اس وقت جو لاکھ لاکھ اس کی طرف سے تبت کے راجہ کے پاس تھے وہ صرف نو بڑے برہمن کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شاہ و شوکت و درغل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر ان کی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو بھکر مشاہدہ کرے۔ جب صاحب موصوف کا پانے کا چالہ خالی ہوتا تو لاکھ ہاتھوں پڑھا کر سر کا لاکھ بیٹھا اور اپنے نو گردن کو ان کے پاس سے دیکھ کر اٹھ کر لاکھ ایک دفعہ تو ایک سو نکلے شتر میں سے کچھ شکاری اٹھا کر اپنے آگے سے ان کو دی۔ لاکھ صاحب تبدیل کرتا ہے تو اس کے مردہ جسم کو سکھا کر اور چاندی سے منڈا کر مندر میں پرستش کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

حکایتیں سنائیں چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ ایک بار جب بڑا لانا بہت بُرا جا ہو گیا اور اس کی موت کا وقت آن پہنچا تو اُس نے مجلسِ جمیع کی اور ارشاد کیا کہ میری موت ایک لازماً یہ بچے کے قالب میں حلول کرے گی۔ چنانچہ اُس بچے کو جس کی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑی غور اور ہر داغ و خست سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہو گیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسبابِ غاندہاری اور پرشائیں وغیرہ امتحاناً اُس کے درجہ و درجہ گئیں اور اُس نے ادرا و فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوارا اتنا باز کر دیا۔ یہ حکایت اس طبیب کے لئے مسئلہِ تباہی اور نقلِ ارجاع ہر اقتاد کے لئے ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہم کو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص ہنسی کے طور پر اس قسم کا قصہ بیان کر رہا ہے لیکن جلد معلوم ہو گیا کہ نہیں فی الواقع اُس کو اس روایت کی صحت پر پکا اقتاد ہے۔

ایک روز میں اُس المیہ کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات ہو گیا اور ایک کشمیری ہو گیا کوثر جانی کے لئے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ تو میرا مرثیہ بہادری تھا کہ مجھے کچھ پشیمند ہو اُس کے پاس تھا کہ یہ ناچہ بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ اُس سے اُن مالک کے حالات دریافت کروں جن کی کیفیت مجھے مکمل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ بھی کہتا رہا کہ بڑی تہت ہمارے ملک کے ساتھ ہمسری نہیں کر سکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ جینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاجاریں سے ہماری جینے لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ تاجاریں سے اُس کی مراد کون سے تاجاریں تھے۔ آخر کار مجھے معلوم ہو گیا کہ جو وقت اُس کی ملاقات میں صرف ہونا حق ضائع ہوا کیونکہ میں نے اُس کو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی قادر نہ پایا۔

کشمیر سے چین تک تجارتی راستے | جی ہنس سے پچھلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاویں جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تہت کے

کو جہان اور ملک تاجاریں سے تھا اور تقریباً تین جینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور اسے تیز و دو دو اترتے پڑتے ہیں کہ جو پہرے سے گذرنا صرف ایسے لمبے لمبے جوں کے دو بیوت ممکن ہے جو ہر ایک کے گرد پڑے پڑے تھوڑے تھوڑے گڈے لگے نہ جہاں دیا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے چلتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کر

شاہجہاں کے لایم اسیری احمد آباد لکے ہیں

ہیں۔ یہ قافلے چین کے ملک - برب پھنی - برنہ - اور امیرکون - جو امراض چشم کے
معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑا ہے مانتے تھے۔ جب یہ لوگ واپسی
کے وقت بڑی تہمت میں ہو کر گذرتے تھے تو اس ملک کے خانات بھی مثل ملک -
بلوہ - خنگ پشپ اور قاس کر بیٹروں اور جنگلی کدروں کی پشیم کے جس کو ان اطراف
میں آکر کہتے ہیں اور جو صوبہ بیان سابقہ لافیت میں جتہ کے شاہ ہے سہرا تے تھے
کر جب سے شاہجہاں نے بڑی تہمت پر حملہ کیا ہے وہاں کے راجہ نے نہ صرف کارکنوں
کا آنا مانا بند کر دیا ہے بلکہ یہاں تک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی
ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر چٹہ
سے ہو گئے گا کے کنارے لہنا ہے چل کر سیہ سے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تہمت
کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کا شغریا اس ملک کی نسبت جو یہاں رہتی ہندوستان میں، بنام کا شغریا
ملک کا شغریا ہے اور تین غالب یہ وہی ملک ہے جس کو ہمارے جغرافیہ کے
نقشوں میں کامر کہتے ہیں۔ وہ سب حالات بیان کروں گا جو ہم کو اس ملک کے
رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہ سن کر کہ اورنگ زیب کشمیر کی
سیر کر آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لاتے ہیں اُن کا بیان ہے
کہ کا شغریا ساشال کو ہمکن ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور ان دونوں ملکوں میں
سہ ماہ اور نزدیک کارا سست بڑی تہمت میں سے ہے گراس سبب سے کہ اب وہ
بقیہ ما شیعہ ملکہ مشہور خوف ہوتا ہے وہاں لوگ ہر سال یا چھپکے کے نو ہستہ آتے ہیں۔
ہم اس کو کہتے ہیں کہ وہ ایک ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط سے ہمارا براہ راست
تختوں سے لپٹ دیتے ہیں کچھ زبان اکثر اچھا دوتا ہے نہ وہ نہیں جوتی اور سہا سے واسطے
دوڑاں جاں ہمارے سیاں ہندو دیتے ہیں۔ لیکن چیتا کا اس سے کہی بہتر ہے وہ صرف ایک صاف ہوتا ہے
اس کنارے سے اس کنارے تک بند جاہاں میں لوہے کے تلاب کے ساتھ ایک چھپکا ٹکا ہوتا ہے
ہیں اور اس میں مسافر فرماتے ہیں۔ اس چھپکے میں وہ مسیحا بند ہی جوتی جوتی ہیں ایک ہی کا سرا
کنارے سے کے ہاتھ میں احمد دوسری کا سرا دوسرے کنارے سے کے ہاتھ میں ہر تھپا ہوتا ہے
مسافر کا اس کنارے والا اور اس طرف کے مسافر کو اس کنارے والا اپنی رائے سے کہنے لیتا ہے۔ اس میں

بند ہے ہم بھونٹا چھوٹی تبت ہر کر آئے ہیں۔ پہلا غبرو چاری داپسی کے وقت راستہ میں آتا ہے اس کا نام گورچی ہے جو توائے کشمیر میں سے ہیں سرحد پہ واقع ہے اور کشمیر سے چاندن کا راستہ ہے گورچی سے چل کر ہم آٹھ روز میں اسکندریہ پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چکر میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اس ندی کے کنارے آباد ہے جس کا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں سے چند روز کے عرصہ میں ایک بڑے ٹکڑے میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پہ پہنچتے ہیں۔ اور پھر چند روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جواگے رواد میں حاکم نشین مقام خراب کاشغر کا رتھیں جو رستہ میں رہتا ہے جو رواد شمال کی طرف کاشغر سے دس فزل کے فاصلہ پہ ہے۔

کاشغر سے چین کو روانہ راتے | ان سردا گروں نے یہ بھی جان کیا کہ کاشغر سے چین تک دو چھینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کا دواں چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لے کر جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ملک ازبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کا دواں اچھے بھی ہوتے ہیں جو چین ہو کر چند ہی آٹے کے بچے پڑ کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان تاجروں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے جو ایک اچھے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو قفقاز کے آٹھ منزل پہ ملک کاشغر کی سرحد پہ سب سے آخر شہر ہے۔ انھوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منزلہ اور مشکلات کے ایک جگہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے۔

مشفق من : یہ کل واقعات ہیں جن کو میں اچھے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں لہذا یہ تمام سنا ہے تسلط طے کر کے فی الحال یہاں یہ صاحب دال میوں و کشمیر کی مل واری میں ہے لوگوں پر اور چکر فر معروف مقام ہیں اگر جیکے کا صبح نام ایک تہمت کے رہنے والے سے ہم کو شک کرنا تھا تو فی الحقیقت ایک مستدام گندی نقشہ میں بھی ایسا ہی تھا ہوا ہے مگر گورچی کی صحت کچھ مسلم نہیں ہو سکی تھی نہ اقسا میں جو رستہ دفر و ناموں کا بھی نہ نہیں ملک سکا میں مرنے والا سکود۔ اس کے بعد، دچیکہ۔ پنے کے ر، دیشنگز۔ شنگز، دغ تو

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہارنگٹے پ

ہی کی نادانی اور بھل رمم کے قابل ہے۔ ہیں جو حالات اور جو کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں گا مثلاً فقر اور بے ترتیب ہی ہوں گے جیسے کہ یہ ہیں۔

طاہرہ ہری جگے ایسے حضروں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جن کو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بتائی کرنے اور ان کا جواب فانی دینے میں دشواری اور مشکلی واقع ہوتی تھیں۔

پانچ سوال ورن کے جواب

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیے ختم کر دیں اور میں دلی واپس پہنچنے تک آپ سے بالکل رخصت ہوں لیکن میرا شوقی تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ فرصت بھی ہے۔ اس لئے میں مشرتبیہی نٹ مسکا کے پانچ سوالوں کا جواب کہنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی شغوف اور جانکا ہی کرنے والے شخص ہیں اور یہ نسبت ان لوگوں کے جو ملکوں ملکوں میں گھومتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال کشمیر میں یہودی | ان کا پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ سچ ہے کہ یہودی ایک طویل عرصہ سے کشمیر میں بودو باش رکھتے ہیں اور آیا ان کے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں۔ ادا اگر ہے تو ان کی اور ہماری کتاب مقدس میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں۔

دوسرا سوال ہندوستان میں موسیٰ ہمدات | دوسرا یہ کہ ہمدات ہندوستان کے موسم ہمدات کی نسبت جسے حاصل ہوتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں کچھ بھیجوں۔

تیسرا سوال مشرقی ہندوستان کی آب و ہوا | تیسرا یہ کہ مشرقی ہندوستان میں ہوا ایک خاص طرح کے انتظام اور نظام معین کے موافق ہواؤں کا اعتدال اور پانی کے دھاروں کا ہوا و رجا ہے ان کی نسبت میں اپنی راستہ اور خیالات ظاہر کر دیں۔

چوتھا سوال بنگال کی زرخیزی | دولت مند اور خوش مناسیب ہمارے مٹا خیمال کیا جاتے

پانچواں سوال دریا نیل کی طغیانی | پانچواں یہ کہ دیائے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ
تدج پہلی آتی ہے میں اُس کی نسبت ایک طغیانی رائے پیش کروں۔

پہلے سوال کا جواب | اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو ہمسکو
دیکھی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیری نٹ صاحب کو، میری ملا

اُن یہودیوں سے ہے جن کے پائے جانے کی صاحب موصوف زائش رکھتے ہیں یعنی
وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہیں جن کو شال میں نے سرے جلا وطن کیا تھا
لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ اگر بطن غالب بعض دھو سے پایا جاتا ہے کہ
اُن میں سے بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے
ہندو ہیں یا مسلمان۔ اللہ تعالیٰ میں غالباً اُس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ میں نے
اپنے پادری صاحب مقتدا سے فرزند جیورٹ کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں۔ اس فرستہ
لے کریت میں اس شخص کا نام شلما اشار آیا ہے۔ مگر انگریز مورخ - شال میں سے سرے یا
- شال میں زور دیتے ہیں : یہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پایہ تخت تھا اس لئے
سات سو اسی برس قبل از سنہ ملک یہود کے بادشاہ ہرشاٹ پر جرجی اسرائیل میں سے تھا
گرمٹ پرست ہو گیا تھا بڑائی کی اور اُس کو اپنا ایک گزار بنالیا۔ لیکن پھر شی کر کوہ فریق
مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُس کے شہر فرمیں کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ
کے بعد اُس کو فتح کر لیا اور ہرشاٹ اُس کی تمام قوم کے لوگوں کو تسمیہ کر کے بابل میں
سے آیا اور اُن کی جگہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کر کے آخر وہ بھی اس
دنیا سے چل ہوا اور اوزاناج التار بننے والا تیکو پیشا یا برطانیہ کا۔ س۔ م۔ ج

دش آل م سے ج نے نہیں

لے دش قوم ان سے تار، سلطان

لے دش دش دش، دش

لے دش دش دش، دش

شاہجہاں کے اہم امیری اور عبادت گاہیں

کے ایک پادری صاحب باشندہ برہمنی خیم مسجد میں دلا اسلئے چین کے خطوط دیکھ
ہیں جن میں وہ کہتے ہیں کہ میری اس شہر یعنی جکیم میں یہودیوں سے گنگو برہمنی ہے جو
نوبت موسوی کے پابند ہیں اور قدرت وغیرہ کتب مہدیین اُن کے پاس موجود ہیں۔
اُن کو حضرت صبی کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور اُنہوں نے یہ خواہش ظاہر کی
کہ فرقہ جیہوٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کائنات حقوق کیس کے بشر فیکہ پادری صاحب
مٹو کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں۔ بہر حال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں
پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پتال سے گذر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیکھا
کہ باشندوں کی سورتیں یہودیوں کی سی دیکھ کر بے حیرت رہتی۔ اُن کی سورتیں اور ان
کے طور و طریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں ہیں سے ایک مسلمان مختلف اقوام کے
لوگوں کی عورتوں و شناخت اور تمیز کر سکتا ہے سب یہودیوں کی پڑائی قلم کی سی معلوم ہوتی
تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائیے گا۔ ان دیہاتوں کے یہودی
ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور بہت سے زرنگستانوں نے بھی میرے کشمیر جانے
سے کافی و سر پہلے ایسا ہی کہا ہے: دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے
بادھو دیکھ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔

تھمرے۔ یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے
اور بارہ مہلا کے پہاڑ کو کاٹ کر انھیں نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

جو تھے یہاں لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات
پائی تھی اور اُن کا مقام شہر سے قریب نہیں ملے گا۔

پاپڑیں۔ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک
ادبیت پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پڑاؤ مکان نظر آتا ہے اس کو حضرت
سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اس کو آج تک خنوی سلیمان کہتے

ہے اس مقام کی تفسیر نہیں ہو سکی مگر شاہ غافان ہر جس سے اس جگہ پتلا اور امام مراد ہر نام
مٹ کر مل جاتا تھا اور صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے تشریف لے گئی تھی لکھا ہے کہ پہلے پہل
میں نے کشمیر میں دیکھا تو ان کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لباس اور چہرہ طرز یہودیوں
کی ڈالری کی وضع ہے۔ خیال کیا کہ اگر وہ یہودیوں کے ملک میں آگیا ہوں۔ مترجم انگریزی۔

ہیں۔

شفیق من! وجوہ مذکورہ کے باعث میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بے ہوں میں خیال کرنا ہوں کہ پہلے ٹران کے ذہنی مسائل راڈ گلاس ہر گز گئے ہوں گے اور آخر کار رفت رفتہ تفریق کرنے کرتے وہ بت پرست ہیں جن گئے ہوں گے اور بعد ازاں شل اور بہت سے بہت پرستوں کے مذہبِ اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہوں گے۔ اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی اہلین میں بہت اوقات اور اہلِ اصناف آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گنا اور کوہِ چٹائی کے بعض مقامات میں رہتے ہیں اور میں متنا ہوں کہ اٹھو چٹائی میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں بھائی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں ان دوسریوں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اٹھو چٹائی کی طرف سے اورنگ زریب کے دیہات میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس سے وہاں ایک یہودی ایسا با اختیار ہو گیا تھا کہ اس نے ایک دھنرا گزدار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں غرہ مختار ریاست قائم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے سوال کا جواب | ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ چھٹے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جل کر بالکل ناقابلِ زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کی اصلاح کے واسطے یہ مسئول انتظام کر دی ہے کہ جولائی میں جب گرمی نباتت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے اور ستر تریس چھٹے شے تک جب کہ ایسی بے سرو پا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اس کو معلوم نہ ہو کہ مسلمان اکثر حدیثِ نبوی اور حضرت عیسیٰ اور دوسرے قدیم پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے آئے ہیں۔ س۔ م۔

میں دراصل پرہیزگاری کے شعلے ساحلِ الہا بار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر ہندو کا وہ ہیں خاص گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ضلعِ الہا بار میں ہے۔ س۔ م۔ س۔
 مگر ایک لڑیالہ لہو کا براہِ راجہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔ م۔ س۔
 راجہ کی آؤب ٹی آ

تک پرستار رہتا ہے اور اس طرح ہر اسی اس قدر اشدال آجاتا ہے کہ ہر داشت کے لائق ہو جاتی ہے اور زمین بھی ناقابلِ زراعت نہیں رہتی۔ مگر یہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں ہوتیں کہ مقررہ کسی دن یا کسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً دہلی میں جہاں میں زیادہ عرصہ بارشوں میں سے دیکھا ہے کہ ایک سال کی بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور کیاں حالت پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دین تین ہفتہ آگے پیچھے شروع اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا ہے کہ دوسرے سال ایسا اساک رہا کہ ایک روز بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو درخت دیکھنے بیکاری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی۔ اس بات کو بھی غور فرمنا چاہیے کہ اس ملک کے مختلف حصوں میں ہر سال کسی قدر آگے یا پیچھے اور کسی یا زیادتی سے ہوتی ہے جس قدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب یا بعید ہیں۔ مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومندل سے لے کر جزیرہ سراندیپ تک ساحل الہ آباد کی نسبت ہر سال ایک مہینہ پہلے شروع اور ختم ہو جاتی ہے اور بنگالہ میں چار ہفتے تک نسبت سے بارش رہتی ہے اور اس عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد بھی بارش بند نہیں ہوتی۔ مگر دہلی اور آگرہ میں ضرور اس قدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اس قدر نسبت تک رہتی ہے اور اکثرہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روزوں ہی غالی گزر جاتے ہیں یا یہ کہ صبح کو دن بچنے کے بعد کوئی دوس بجے تک اکثر خفیف سی بارش ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی۔ میں خصوصاً اس بات کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف سے ہیندو آئے۔ مثلاً دہلی اور اس کے قریب مشرق یعنی بنگالہ کی طرف سے بارش آتی ہے۔ اور بنگالہ اور ساحل کارومندل پر جنوب کی جانب سے اور ساحل الہ آباد پر تقریباً ہمیشہ مغرب کی طرف سے۔ میں نے ایک اور بات بھی دیکھی جس کی نسبت تمام ہندوستان میں بڑا اختلاف ایک ہی رائے ہے یعنی کہ جس قدر گرمی کی تپش پہلے یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے اور تھوڑے دلاں یا دیر تک قائم رہتی ہے اسی قدر ہر سال بھی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور اسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت عرصہ تک جاری رہتی ہے اور ہر لحاظ

ان امور کے مجھے یقین ہے کہ زمین کی گرمی اور اُس کے سبب سے ہوائیں جو خفت آجاتی ہے وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں بارش کو اس ملک میں کیجی لاتی ہیں۔ یعنی آس پاس کے سمندروں کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے میں جذب کر کے پڑھو جاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی سے اُٹھتے ہیں اور قرب و جوار کی ہوائیں جب اُس کو ڈھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں بلٹا اُس زمین پہنچاؤں کی ہوا اُس کی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاج ہوتی ہے بخارات سے خالی ہو جاتی ہیں اور بخارات کا ہوا خراب اُسی قدر کم یا زیادتی کے ساتھ ہوتا ہے جس قدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے۔ اس تقریر میں جو وجہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل الالبار کی نسبت ساحل کارو منڈل پر برسات پہلے شروع ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اس کے خاص اسباب ہوں گے جن کی تحقیق تاہا اُس ملک کو دیکھنے کی صورت میں شاید مشکل نہ ہوگا۔ اور آپ مانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں سمندروں یا پہاڑوں اور اُن کے ریگستانی یا پہاڑی دھنوں اور جنگلوں کی مناسبت سے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش پڑتی ہے۔ اور یہ بات بھی کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کارو منڈل پر جنوب کی طرف سے اور ساحل الالبار پر مغرب کی جانب سے کہو کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو سمند پاس ہوگا اُسی سے منیہ آئے گا۔ چنانچہ ساحل کارو منڈل کے پاس جو سمند ہے وہ اس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمند جو ساحل الالبار کو سیراب کرتا ہے مغرب کی طرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کہ سیرا ہوتا ہے۔ میں نے خوب غور کیا کہ اگرچہ لہکار و لہجی میں بادل شرق کی طرف سے آتے ہیں مگر اُن کی اصل اُنہیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے مائل ہونے کی وجہ سے جن کی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاج ہے اچھا راستہ دل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جاہرتے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ کثیف اور کم مزاج ہو۔ میں ایک اور بات بیان کرتی ہوں گی جس کا مجھ کو دنیا میں تجربہ ہوا یعنی یہ کہ کبھی اپنی بارش نہیں ہوتی تاہم کبھی کبھی بہت سے بادل

شاہجہاں کے یام میری اور ہمدان گنبد

مغرب کی طرف جمع نہ ہو جائیں۔ گویا یہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے مجسم میں ہوا کا
 طہق ازل بادلوں سے بھر جاتے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم
 گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل خراست ہو روکے یا اور بادل اور مخالف
 ہوائیں مقابل ہو کر ان کو ایسا کثیف اور دھنی کر دیں کہ پھٹ کر برسنے لگیں جس طسرت
 کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

تیسرے سوال کا جواب | جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے
 تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی
 شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ ہفتے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان و فیرہ
 ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس موسم میں کبھی ایک آدھ ہذا پتار رخ بدلتی
 یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد کوئی دو ہفتے تک بے تاہدہ ہوائیں چلتی ہیں جس کو کم
 لوگ وسطی موسم اور دوپہار کے فیر میں اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ دو
 ہفتے ختم ہو جاتے ہیں تو سمندر پھر اترے رخ جزبے شمال کو کر لیتا ہے اور جزبی ہوا
 چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ ہفتے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا
 بہاؤ بھی اس تمام موسم میں یکسو شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر وہ ہفتے
 تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں بہاؤ زانی کرنا نہایت مشکل اور
 خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں معمولی موسموں میں جزبی ہواؤں والے موسم کے
 اور آخر کو چھوڑ کر باقی تمام موسم میں بہاؤ زانی بہت آسان اور خوش آئند ہوتی ہے۔ پھر آپ کہ
 اس بات سے متنب ہونا نہیں چاہیے کہ ہندوستانی جو بہت ٹور و چوک اور فتن بہاؤ زانی
 سے مرض نا آشنا ہیں خاصے لیے اور مفید بحری سفر اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے
 تمام صرم روحنا سری، آچیچ، ملاکا، سیام، اور میڈی کاسکر، کو با پھلی ٹین، مراٹھا
 جزائر، مالیب، ہندو، اور ہندو باسی کو اپنے بہاؤ سے جانتے ہیں اور بڑی احتیاط کے
 ساتھ جاتے اور آتے کے موسم کی حد کی حساب لگاتے رہتے ہیں۔ مگر اس پر کبھی ایسا
 ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں ٹک جاتے کی صورت میں باد مخالف سے مطلوب
 ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ صورت بعض وقت درگستانوں کو بھی پھی آ جاتی ہے
 جو بہت من چلے اور زیادہ تخریب کار اور واقف ہیں اور میں کے بہاؤوں کی حالت اور

سادو سامان زیادہ عمدہ ہیں۔ دواؤں و دھنی موسموں میں سے وہ موسم جو جزیری ہوا کے بعد آتا ہے چونکہ اس میں طوفان اور ناگہانی جھکے لے اکثر آتے جتے ہیں اس لیے ایسا خطرناک ہو جاتا ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہوتا اور یہ جزیری ہوا اپنے میں موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تنہا اور غیر مساری ہوتی ہے جیسے اس وقت پر یہ بات بھی بیان کر دینی چاہیے کہ جزیری ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں کو سبز میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کتاہوں پر پہاڑی ساطحہ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس مرغستانی اور غیر مرغستانی جہازوں کے کپتانوں اور ناخداؤں کو اس امر کی بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ ہندوستان کے کسی بندہ مثلاً سورت یا مہلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جائیں ورنہ ان کے جہازوں کو زمین سے ٹکرا جانے کا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح ہے۔

کاشمیر، ممبئی، بنگالہ کے اصلی سبب کے معلوم کر لینے کی قدرت ہوتی۔ مگر ہندوستان عالم کے تمام بھیدوں کا دریا ہے کر لینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی نذر دکر سے جو رائے میں نے قائم کی ہے اس کی بنیاد چند نیلاات پر ہے۔ چنانچہ خیال اول تو یہ ہے کہ جو ہوا جاسے کہ کو گھیرے ہوئے ہے سمندر اور دیاؤں کے پانی کی طرف اس کو بھی جاسے کہہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ دواؤں چیزیں اس کی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں۔

جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ چیزیں جاسے کہہ سے علیحدہ نہیں ہیں اور پھر اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہ کہہ ہوا پانی اور مٹی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے ! اس کے بعد دوسرا خیال یہ ہے کہ ہوا یا کہہ ایک ایسے خلا میں معلق ہے کہ میں میں خالی نے اپنی مرضی سے اس کو کچھ اس طرح ادیناں کر دیا ہے کہ اگر یہ کسی اور نامعلوم جسم سے نکلا جائے تو اپنی جگہ سے آسانی سرک سکتا ہے۔ پھر تیسرا خیال یہ ہے کہ جب آفتاب غلط استوا سے گذر کر کسی قطب مثلاً قطب شمالی کی طرف حرکت کرتا اور اپنی شمال میں اس طرف ٹھاتا ہے اس کے اثر سے قطب شمالی کسی قدر جھکے گا ہے اور قطب شمالی اس قدر جھکے گا ہے میں قدر کہ سورج اس کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح

شاہجہاں کے امام اسیری اور مہاراجگنیش

جس قدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اسی قدر قطب شمالی تہہ تک اُبھرے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب کی کڑی کی طاقت سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان خیالات کو صحیح فرض کر لیا جائے اور اس کے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت ہر قدر کیا جائے تو ہندوستانیوں کا یہ قول بے وجہ نہیں ہے کہ سورج اپنے ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات سچی ہے کہ آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوئے زمین کے محور کی تبدیلی حرکت اور اس قطب کے نیچے کو جھک جانے کا باعث بنتا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جائے اور سمندر اور ہوا جو دوسریاں اور وزن کا جسم ہیں۔ چلی جانب بنے لگیں۔ پس میرے نزدیک اس بات کا کہنا درست ہے۔ کہ سورج کسی قطب کی طرف جا کر اس طرف کے سمندر اور ہوا کے ایک باقاعدہ بہاؤ کا باعث بن جاتا ہے اور ہوا کے اس بہاؤ سے موسمی بہاؤ پیدا ہوتی ہے۔ یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف قسم کی رفتار پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے اپنے خیال میں اس قیاس کی بنا پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بالکل ہی مختلف بہاؤ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو نہ گستان میں ہو کر گذرنا تو ہم وہاں بھی سرحدات میں سمندر کی ایسی ہی دو قسم کی باقاعدہ لیکن مختلف رفتار پاتے ہیں کہ ہندوستان میں ہے۔ اور اس قاعدہ کے عام نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ قطعات زمینی کے حامل ہو جانے کے سبب سے سمندر کا بہاؤ ترک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی مدد جزر و مد سمندروں میں جو بحیرہ خلیج کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں ترک جاتا ہے اور اس خیال کے اعتبار سے یہی رائے میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہوا کی بھی دو قسم کی ایک دوسرے سے مختلف رفتار ہے۔ اور اگر ساری زمین صاف ہوا اور ایک جیسی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتار بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتی۔

چوتھے سوال کا جواب | ہر زمانے میں ملک مملکت دنیا میں سب سے عمدہ اور نادر چیزیں

کیا گیا ہے۔ بلکہ حال کے سورج بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اور

ملک میں اس خصوصیت کے ساتھ قدرتی وسائل موجود نہیں ہیں۔
لیکن ہنگامے میں دوسرے ممالک سے جو واقفیت ممکن ہو اس ملک کی نسبت حاصل
ہوتی ہے اس سے بھگو یقین ہے کہ جو نصیبت ملک معرے صوب کی گئی ہے وہ زیادہ
تر بگاڑا ہوا ہے۔

ہنگامے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ صرف اس
ہنگام کی پیداوار کے بلکہ دور دورہ ملکوں کو جاتا ہے۔ چنانچہ گنگا کے راستہ شہنہ
کو اور سندھ کی راہ سے پھلی نین و فیروہ بنادر ساحل کار و منڈل خصوصاً حیدرہ سرا ایب
اور جزائر العرب کو بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح کھانا و دھیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گول کنڈا اور تمام کرناٹک
سکاس کا ذکر کر جہاں یہ بہت کم پیدا ہوتی ہے اور ٹھا اور لہرہ کو جو کہ عرب اور
راق کو اور چند ممالک کے راستے سے ایران کو جاتی ہے۔

ہنگامے کے مرتبے بھی مشہور ہیں خصوصاً ان مقامات کے جہاں پرتگیزی لوگ آباد ہیں
اور جو نہایت عمدہ مرتبے بناتے ہیں چنانچہ وہ سموروں میں سے دیکھ ہی بڑے بڑے پکڑتوں
کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئیدگی کی چیز کا جو عیشہ کی جڑ کی
اشد ہوتی ہے اور آم کا اور اناس کا جو ہندوستان کے دو عام پھول ہیں۔ اور آلوہ
اور نمبر اور ادک کا مرتبہ بناتے ہیں۔ یہ مرتبے ماہوں کی اہم اشیائے تجارت میں شامل ہیں۔
یہ بھی ہے کہ ہنگامے میں معرکی عمارتیں پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں کے باشندوں
کا تصور ہے جو معروالوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گدھا کرتے ہیں اور روٹی بہت کم
کبھی کبھار کھاتے ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے کہیں کچھ کم نہیں بولیا جاتا۔
چنانچہ فرنگستانی اہل بھارتیوں نے اگر ہذا اور پرتگیزی و فیروہ سستے دامنوں میں خیریت
اور صندر کے سفر کے واسطے ایکٹ بناتے ہیں۔

ہنگام کی ارزانی اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول
اور گھی ہے جو بہت ہی ضروری سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے
اور ایک روپیہ میں سے زیادہ عمدہ مصالحہ مل سکتے ہیں اور بلیں اور مرغیاں بھی اسی
قدر ارزانی ہیں۔ بھیڑ کھروں کی بھی افزا ہے اور سو قراٹے سستے ہیں کہ جو پرتگیزیوں

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہاراجکت پر

آباد ہیں وہ ترشہ تمام سردی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سستا جان کر انگریز اور ٹوپی بھی اپنے جہازوں کے واسطے ٹھیک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور سرگرم کی تازہ اور ٹھیک سرد پھل بھی اسی انفراد سے لیتی ہے۔

نرنگہ جگہ سے میں معیشت کی ہر ایک چیز انفراد سے ہے۔ اور اس انفراد ہی کا فضیل ہے کہ بہت سے پتنگیز اور دو غلے بود پین اور دوسرے جہازوں سے جن کو لوہے لوگوں نے ان کی مختلف لآ آبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زر خیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقت جہر سے اور انگلیں کے لوگوں نے جن کی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آنا مانا اور جادو صحت عمل میں لا سکتے ہیں جیسے اس بات کا یقین دلاؤ کہ وہ بھگتی میں آٹھ ہزار سے زائد ایک عیسائی لیتے ہیں اور اس ملک کے اور حصوں میں تو ان کی تعداد کہیں زیادہ سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس ملک کی زر خیزی عورتوں کے حسن اور عظیم الطبعی نے پرتگیز لوہے اور انگریز لوگوں میں یہ بات رہاں زد کر دی ہے کہ بنگالے میں داخل ہونے کے واسطے تو سودا دارے ہی مگر بھگنے کے لئے ایک بھی نہیں۔

بنگال کی روٹی اور ریشم | تجارتی نقطہ نظر سے اتنی عمدہ اور مولوں اشیا کی وجہ سے بنگال کی روٹی اور ریشم جو غیر کی سودا گروں کی کشش کا باعث ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں بنگالے کی جادہری کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ اور علاوہ اس عمدہ شکر کے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور جس کو قمیٹی لائق تجارت اجناس کی ضرورت میں درج کرنا چاہیے۔ اس ملک میں روٹی اور ریشم بھی اس قدر ہوتا ہے کہ اس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ اس پاس کے ملکوں اور نیز پوپ کا گوہام گھر کہنا زیادہ ہے۔ میں بعض اوقات روٹی کے ہر قسم باریک اور موٹے اور سفید اور رنگ دار کپڑوں کی انفراد کو دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ جن کو خصوصیت کے ساتھ ڈپ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سودا گر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیت ریشم اور سرگرم کے ریشمی کپڑوں کی ہے۔ جس قدر روٹی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لا محدود ذرا بلی ٹھیک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اس کی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے۔

حقیقت میں یہاں کارِ شتم ایسا عہد نہیں ہوتا جیسے کہ ایران - شام - سیٹیا - اور برصغیر کا لیکن چہستانا بہت ہے اور میں قلعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عہدِ چھانٹ لیا جائے اور احتیاط سے سانس کیا جائے تو اس سے نہایت ہی عہدِ کپڑا بن سکتا ہے -

ڈوچ لوگوں کے قاسم بانار کے ویشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں - اور اسی طور انگریزوں اور دوسرے سوداگروں کے کارخانوں میں -

بنگالہ خور سے کی بھی بڑی مٹری ہے اور گنگا کے راتے سے بہت سا شوروہ پٹنہ سے کلہ کو مانا ہے اور ڈوچ اور انگریز شوروہ کی بہت سی کمپنیاں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں -

اس درخیز ملک سے گوند انیون - مرم - مشک - پانی - گچہ پیل اور دوسری بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور کئی جو آپ کو ایک ٹاہیز جنس معلوم ہوتی ہیں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگر یہ غیر ملکوں کو اس کا بیجنا خاما وقت طلب ہے - مگر پھر بھی مسند کی راہ سے بے شمار باہر جاتا ہے -

بنگال کی اموافق آب و ہوا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں کی ہوا فصوصا مسند کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے - چنانچہ ڈوچ اور انگریز لوگوں میں جب کہ پہلے پیل یہاں آکر رہے کثرت سے اموات ہوتی ہیں اور ہندو گاہ بہ سہولت میں سے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈوچ لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے اس حال میں پایا کہ بہت سے قلعوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کہیں جا سکیں - لیکن اب یہ دولوں قومی بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور اموات بھی کم چھ گئی ہیں - جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ ان کے آدمی شراب کو پیچ بھا کر نہ پیں - جو قندی شراب اور نمبو کے عرق اور پانی اور جانتیل ملا کر پیتے تھے - اور جس کا ذائقہ گز بہت اچھا تھا - مگر تاکہ ہلکے تھے - اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جاتیں شراب اور قند کو ہیچ نہ مالتوں سے نہ لیں - لیکن عہدِ قسم کی انگریزی شراب اور شیرازی خام شراب - ان کو اگر احتیاط

لئے ایک شرطیں اور قاسم کی دیکھنا ہوں کاظم ہے - جو مرم، قند سے وہا - نہ سے کثرت

شہ شراب کے اس قسم کے مرکب کو جو مریض قوی تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پٹا کہتے ہیں - اس مرم

شاہیوں کے ایام پھیری اور عبادت گاہیں

کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب و ہوا کے اثر سے بچنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

ہنگارے راج محل تک | اس ملک کی خوش منانی کو بیان کرنے ہونے اس بات کا انہماک

مزدوری ہے کہ اس ملک میں جو دیہات گنگا کے دونوں کناروں پر واقع ہیں، سندھ تک قریب تین سو میل ہے۔ یہ شمار نہیں ہیں جو دیہات گنگا کے بڑی منت کے ساتھ اس لئے کافی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لئے ہمارے میں آسانی ہوا۔ گنگا کا پانی جس کو ہندوستانی تمام پانیوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ ان نہروں کے دونوں طرف قبیلے اور گائوں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنت آبادی ہے اور چاول اور اکیچ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تیل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کپڑوں کی لہذا کے واسطے کوئی دوسری فراہمی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہرت کے درخت ہیں۔

لیکن ہنگارے کو ان بے شمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوڈوں کے دریائے گنگا میں ہیں اور جن کی وسعت بعض جگہ چار سو میل کی مسافت کی ہے، عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ ان ٹاپوڈوں کی وسعت کم و بیش ہے۔ لیکن سب نہایت درخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور پیوہ دار درختوں اور انھیں سے پڑا ہوا سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ نہروں میں بہتی آبی دریاں کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی ان میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی کہ گویا یہی وہی درختوں کی مزاروں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

خلیج بنگال کے جزیرے | سندھ کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر اراکان کے ترقان لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جن کا ذکر اور کسی مقام

پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل آجڑا پڑے ہیں جہاں بجز سڑکیں جنگلی سمندوں پر بندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے چکر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جان دار مخلوق نظر نہیں آتی۔ چھوٹی کشتیوں میں پیشکرہ دیئے گنگا کو عبور کرتے ہوئے دیوان جہیزوں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے، اکثر مقامات میں منگلی پھاڑ ترقے کا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہئے کہ رات میں کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جائے تو وہ کنارے سے کہے کا صلہ پر

کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ خون خوار جاؤں جب لوگ سوتے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بھول اس لنگ کے ٹکڑوں کے دلہنر لنگی ہی ہر کسی اپنے آدمی کو پہچان کر اٹھالے جاتے ہیں جو سب سے مرثا خانہ ہو۔

بچے وہ لڑکیوں کا دیاتی سفر پارہے ہو ہیں بچے بچلی سے بچلی
ایک یادگار دریائی سفر | ایک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان
 کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گذرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ
 پیش نہ آیا ہو۔ ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈاڈو والی
 کشتی دوڑنے پہلی سے نکل کر دس چودہ میل مسدہ میں بڑھ گئی تو ہم نے مسدہ کی پھلیوں
 سے جو ظاہر بڑی کارپ کی قسم کی معلوم ہوئی تھیں۔

اور جن کے پیچھے قلعہ مقب کے طور پر کثرت سے ڈالنے پھیلیاں گئی چلی آتی تھیں مہرا
 ہوا دیکھا میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ کشتی کو ان کی طرف لے چلیں اور میں نے دیکھا کہ
 بہت سی پھلیاں پہلو کے بل اس طرف بڑی جاتی ہیں جیسے ٹرک اور بعض کچے کچھ حرکت
 لے صاحبِ رنگ رشیدی نے اس کا غلط ڈالنے لکھا ہے اور اُس کی عادت جو بظاہر ایک انسان سے کم نہیں
 ہے کہ وہ بے کڑوہے ہوئے آدمی کو دے دے نکال کر کٹا دے یہ حال دیکھتے ہیں چنانچہ اُس کی اسی عادت
 کے اعتبار سے شیخِ ابراہیم خود نے بھی اپنی ایک غزوی میں محبوب کے بازوؤں کی تعریف
 میں لکھا ہے۔ ”پھلی لڑکی اہی ڈالیں۔ غزوکش بحر فون سے مرم ہیں۔“ اور کتاب
 محزون الادب میں اس کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ ”اس لڑکی کی است و بچھے گنہگار
 لغتِ روی دینی نہیں، اس لڑکی از سب است کہ بھری غنیمتِ بھر و بہار سی نوک اہی
 و اہی بچی دوازہ دہلی گمراہی دیندہ سی سوس نامند“ (دریاتی نام ہے اور بعض کہتے ہیں دینی گنہگار
 دیندہ سی سوس) میں ایک قسم کی پھلی کا نام ہے جسے عربی میں ”غزوکش“ کہتے ہیں، اور انگریزی کتابوں میں یہ
 اور اہی بچی دوازہ اور دہلی سی۔ ”گمراہی“ کہتے ہیں۔ ”سوس“ کہتے ہیں، اور انگریزی کتابوں میں یہ
 ہے کہ یہ لفظ نہیں لڑکی کا ہے اور اُن طرف سے اس کو ایک قسم واصل پھلی کی کہا ہے اور وہ یہ بھی
 لکھتے ہیں کہ جب طوفان اٹے کہ ہوتا ہے تو یہ پھلی اُچھلنے کودنے لگتی ہے جس سے طاعون پڑتا ہے
 ہو جاتے ہیں اور اس باعث سے اس کو انسان کا دوست کہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ
 قریبِ امرگ ہوئی ہے تو گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتے لگتی ہے۔ س۔ م۔ س۔

کرتی تھیں اور بعض عرصے کی حالت میں بیہوش پڑی تو سنی تھیں چنانچہ ہم لوگوں نے جو میں پھیلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیں اور دیکھا کہ ہر ایک کے منہ سے ایک پھلکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کہ لارپ پھیل کے ہوتا ہے اور اُس میں ہوا بھری ہوتی ہے اور اس کا سراسر مٹی نما رنگ کا ہے۔ مٹے آسانی سے معلوم کر لیا کہ یہی پھلکنا پھیلیوں کو ٹوہ بنے نہیں دیتا۔ مگر یہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کے کیوں نکل رہا تھا۔ لیکن شاہیہ یہ سبب ہو کر ڈالنے پھیلیوں نے دیکھ کہ ان کا بیچا کھیا ہو گا اور سانس کے سخت دباؤ سے یہ پھلکنا باہر نکل پڑا میں نے اس کا ذکر سیکڑوں جہانداروں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا۔ البتہ ایک ڈپٹ ٹاچ نے مجھ سے کہا کہ چپ کے کنارے پر جب کہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو میں نے بھی ایک ایسی ہی صورت دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی پھیلیوں کو پکڑ لیا تھا۔

انگلے دن ہم کچھ دیر کر کے ان جہازوں میں پہنچے اور ایک ایسی قمری قوس قزح کا نظارہ دیکھ کر ہند کر کے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر آخر پشیمے اور آگ روشن کر لی اور میں نے اپنے نوکروں کو گھبراہٹ دے کر پھیلیاں تیار کر لیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا۔ اور پھیلیاں فی الواقع لذت تھیں۔ میں نے پھر کھانا کھایا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہوئے تک ہمارے چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جائے گا خوف تھا۔ اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم بڑی نہر سے اُس میں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے مقبول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے ٹہنے سے باندھ کر رات بسر کی۔ اور جب کہ میں گھبراہٹ کے لئے جاگ رہا تھا تو میں نے آسمان پر ایک عجیب شکل دیکھی۔ جیسے دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یعنی ایک قمری قوس قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھ کر بہت متعجب ہو گئے۔

میں نے قمری قوس قزح کو جس بارے میں اس زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب نامہ و مثنوی میں جس کو طحا و نضال کی ایک کمیٹی نے حکیم ناسر الدین شاہ بادشاہِ مال ایمان مشہور و معروف الہی علم کے تذکرے کے طور پر تالیف کیا ہے اور جو خوش قسمتی سے سلیب شاہی طبع کی چھپی ہوئی بارے کتب خانہ میں موجود ہے، میں نے ان نکتوں کو صوب کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی گل نیزا وزیر علوم (ڈائریکٹر سرورشت تعلیم ایمان) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ میں صوب کرم دا

غیر متا دو پرنگیز جو کشمیری اور جہانزوں کے مسلم یعنی رہنما تھے اور جن کو میں نے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ بڑھا لیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے ایسی قوس کبھی دیکھی نہ تھی پتھر سے دن ہم ان نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہم کو بعض پرنگیز جو ایک جزیرے میں ٹپک بنا رہے تھے دھلتے تو میں نہیں جانتا کہ ہم کو سب سے عداوت کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جب کہ چاری کشتی ایک چھوٹی سی محض لا کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرنگیز رفیقوں نے جو شب گذشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال سے اپنی نظریں ہر وقت آسمان کی طرف لگا رہے تھے ہرے تھے بھسکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح پھر دکھائی جیسی کہ ہم نے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپ کو خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں غلطی سے چاند کے بالکل قوس سمجھتا ہوں۔ نہیں میں اسے کو غیب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی ہر رات میں ہر شخص بے اکثر چاند کے گرد ہالہ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر اسی وقت نظر آتا ہے جب کہ چاند آفتاب سے جیسے عداوت سے منور گذشتہ کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع اور میں ٹپکے ٹپکے تھے ایک رات کو جو شب آہ تھی اور غنیف سا ترش سرد تھا قوس رات کے وقت عریض ایک کام کے لئے اپنے غم سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند آفتاب کے قریب ہے اور اس کے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا ہی نہ تھا بھسکو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے امیر زادہ محسن مرزا اور ملا علی محمد صاحبانی اور حکیم تاجی اور شمس الشرا سرور شہ۔ اور جناب نصیر الدین میرزا صاحب الوہاں خان وزیر قیادت کو جو میرے ساتھ تھے جگا کر دکھایا اور وہ بھی شجب ہوئے اور پھر میں نے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بلا ہر اہل ان کو کرتے تھے گروہ سے اس کا اہل کو نہیں دیتا۔ اس کے بعد میں نے کتاب تاریخ الفکا میں قمری قوس کا بیان پڑھا میں سے بھسکو نہایت تعجب ہوئی اور جیسے میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا۔ گرچہ کہ بھسکو بیٹے اس کی تحقیق کا خیال تھا پھر میں نے علم طبیعیات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ کھانے رنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے۔ چنانچہ کتاب نزہۃ الکرام مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرف چاند سے بھی قوس پڑتی ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہت جگہ جوتے ہیں اور کتاب نزہۃ الکرام میں جو چار جگہوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی دو ٹپکی کے کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کم شہر ہوتے ہیں اور ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ آہ خیر غشتہ میں شہر غور شہی جو ملک زراٹس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی۔ م۔ م۔ م۔

بہت بلند ہرجا کھ میں تین چار رات تک سترائے دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا مال بھی دکھایا ہے مگر جس قوس کا میں نوکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرو کوئی مال نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے سوجھ تھپی۔ چنانچہ جب کبھی میں نے قری قوس کو دکھایا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں۔ اور چاند قری شاہراہ تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اس کی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس اسے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اس میں نمودار تھے۔ اس لحاظ سے تو ہٹاپ میں متقدمین کی نسبت زیادہ غور و خوض نصیب ہوں جنہوں نے اسطرح کے قول کے بموجب اس کے زمانے سے پہلے قری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا۔

عجیب و غریب روشنیاں | پورے روز کی شام کو معمول کے سوانح ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہ چلے آئے اور وہاں ہم نے ایک غیر معمولی رات بسر کی۔ ہوائام کو بھی نہ تھی اور گرمی اور گھس کا یہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا اور اس اس کی جھاڑوں میں جگہ اس کثرت سے چٹکتے تھے کہ گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لمبے شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر چارے کا محل کو ذرا قی تھی جن کو تین تھا کہ یہ سب جن بھوت ہیں۔ ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشیں گولا جو اس قدر عرصہ سے جو دھانے پتھر اسٹر کے پڑنے میں گذر چکا زیادہ دیر تک قائم رہا۔ دوسرا ایک چھوٹا سا آتشیں دھتھہ پاتھ گھنے سے زیادہ دیر تک رہا۔

سخت طوفان اور بارش | پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گندھی امیری سخت ہوا آئی کہ گرم اپنے خیال کے سوانح و رختی کے بیچے بڑی محفوظ جگہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر نظر کار سائوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پر نگہ راستی و منتا اپنے باندہ و خوں کے نہیں میں ہمال کر ان کو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی پورے دور سے د کھڑے رہتے تو بالعمود درہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آواز دہی سر جاتی۔ کیونکہ ہندوستانی کا محل سے جن پر بالکل خوف چھارا تھا کسی طرح کی امید نہ تھی۔ اس وقت ہماری حالت

لے جہاں کے دونوں کیشک زور کی ایک دھماکا م ہے۔ س۔ م۔ س۔

بڑی ہی دردناک تھی! مینا اس خدات سے ہندو تھا کہ کشتی میں گر یا ڈول کے ڈولان کے گرد رہے ہیں۔ اور بجلی کی چمک اور کڑواک ہمارے سروں کے آس پاس اس قدر بیز تھی کہ ہم اس پر لٹاک رات کو اپنی جالوں سے اڑوس ہو چکے تھے۔ مگر جارا باقی سفر ایسی عمدگی سے گذرا کہ آس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔

لائی و ڈنم ہنگی میں پہلے اور اس خوش ثنا ملک کو دیکھ دیکھ کر میں سے جارا گندہا مسری آنکھیں میسر نہیں ہوتی تھیں۔ گوریا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے ہسٹ گئے تھے۔ مرغیاں مرگئی تھیں۔ پھلیاں لطف پہلی تھیں اور تمام ہسٹ مین سے کچلے ہو گئے تھے۔

پانچویں سوال کا جواب | میں نہیں جانتا کہ میرا اس پانچویں سوال کا حل قابلِ طبعیاں ہو گا یا نہیں۔ لیکن جو رائے میں پیش کروں گا وہ مشاہدہ اور تحقیق پر مبنی ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دریائے نیل کی طبعیاں کو دوسرے دیکھا ہے اور اپنی ملے اس فرض سے کہ دریائے نیل کے منبع وغیرہ کی بات مصنف کے بعد کے زمانے میں برحق تھا جس محل میں آئی ہیں اس سفر کے ساتھ تاہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ مصر میں سے جس کو شینگ حواشی ملی گزرا ہے ٹاکٹر دین صاحب کی تاریخ اقامہ قدیم میں سے انتخاب کر کے اضافہ بعض مفید معانی اور ماضیوں کے نقطہ میں جہاں خاصا مہارت ذیل نقل کرتے ہیں۔ س۔ م۔ ر۔

دریائے نیل کی طبعیاں

مصر میں دریائے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اس ملک میں جہ بہت ہی کم برسات ہے۔ مگر اس دریا کی طبعیاں سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے۔ اور جہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اس کا جلد بہ زیادہ تباہ ہے۔ کیونکہ اگر لوگوں کی بارش کو بغیر حصول کے جمع کر کے مصر میں اکٹھا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے۔ شہر عجیب طور کی تھیں مصر کی برا کلا ہی کہ میں قطریں بارش کی داں دھیں ہوا۔ اس فیض رساں دریا سے زیادہ غارہ اٹھانے کے لئے مصریوں نے زنجیروں کے اندازہ ہوا اور مناسب مناسب برتنوں پر پے غارہ جہری مناسب مناسب عرض و طول کی بنائی تھیں اور ان کے درمیان سے دریائے نیل اپنی غیاض و بارشوں سے ہر جگہ کو نہ غیر کٹا تھا۔ نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جاتے پہننے سے گھرا اس دریا سے خیروں کو پاس پاس کو دیا تھا۔ اور دریا کے حزم کو بحیرہ روم سے لایا تھا اور اس

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور مہاراجگت یہ

عجیبہ حاشیہ سفر گذشتہ ۔ سبب سے ملک کی اندرون و بیرون تجارت بہت رونق پڑ گئی اور دھنوں سے بھی ملک سخرنما تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ دہلا سیر کا زمانہ اور اس کا بہت بڑا محافظ ہے ۔ سرحد کے کھیتوں میں دریا کے پانی کو دہلا سے نہرو کھنچتے مگر شہروں میں جو بڑی صنعت سے بنے تھے اور ہر طرف پانی بہر دہلا سے جزیروں کی طرف دگھائی دیتے تھے ۔ پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے ان سیالوں کو جو دہلا تے نیل کے پانی سے بہرہ لاتے تھے اپنے اپنے مکانات پر چڑھ کر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے ۔

دریائے نیل کے مخزن

حق میں خیال کرتے تھے کہ دریائے نیل کا مخزن اُن پہاڑوں میں ہے جو کہ قرعہ نام سے مشہور ہیں اور یہ خط استوا سے دس درجہ عرض جہز میں واقع ہیں ۔ تقویم اہلہان میں برہنہ سینا کا قول لکھا ہے کہ دریائے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے ۔ مگر یہ پراسے زمانہ کی بات ہے اور پ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریائے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں ۔ سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزون ہے اور سیالے نیل کی لائباٹی سے دو گنے سے بھی زیادہ لمبا ہے ۔ دریائے نیل کا مخزن اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا اور جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل دیرانہ ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریا نہایت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یہ ناخوں نے لکھا ہے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا ۔ دونوں صاحب لکھتے ہیں کہ چارہ سے زیادہ کے سیاحوں نے تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے اوپر دو درجہ عرض شمالی میں اس کا منبع ہے اور اس سبب سے حقد میں کی تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبائی کو قریب اور یا چندہ سو میل کے کم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریائے نیل ایک بڑے پہاڑ کی مڑ میں سے نکلتا ہے جس کا نام گویام ہے اور ملکیت ابی سینا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سرمانی نے اس دریا کے مخزن دریا نہایت کرے کہ بہت ہی کوششیں کیں اور کچان اسپیک صاحب میں دھند اس کا مخزن دریا نہایت کرنے کے لئے نازہ میں گئے ۔ آخر جغرافیہ کا مشعلہ وہ تھا ۔ اُنھوں نے اپنے سفروں میں جن خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی اور دیکھ کر انھیں اس کا نام رکھا ان کے نزدیک وہی جھیل در حقیقت دریائے نیل کا مخزن ہے جہاں سے اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جہز پھر دالے ہے ۔ جو گویا دریائے نیل کا سرا ہے ۔ اس صاحب سے دہلائے نیل پھر نہیں درجوں کی لمبائی میں دو سو تین سو میل کے

طول میں بہتا ہے اس جیل کے مخمل سرے سے مشرق کی طرف آؤ تو کیگڑل نامی ایک دیہا لٹا ہے جو
 اس جیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دیہے اور دیہے نیل سے کچھ
 واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جیل کے اسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں
 ہے۔ کیونکہ عرب کے ساحلوں سے انہوں نے تحقیق کیا کہ وہاں گلی اندر جاوے کے مغرب کی طرف تنگ کی
 جھیلیں اور تنگ کے میدان ہیں اور پہاڑی تنگ ہے پانی کی بہت قلت ہے۔ کبھی کبھی کوئی چھوٹی
 ندی بہاتی ہے۔ اس جیل کے شمال کنارے سے دیہے نیل نکلتا ہے اس جیل کے شمال مشرق
 میں اور جیل ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تنگ جاتا نہیں ہوا مشہور ہے کہ وہاں ایک آبپاشی
 ہے جو ان دو تان جھیلوں کو غارتھا ہے۔ اس پہلی جیل سے بھی ایک دیہا نکلتا ہے جس کا نام آسرو
 ہے اور تھپتا سواتین دو عرض شمالی تنگ جہرہ دیہے نیل میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریہ نیرا جیل کے
 شمالی کنارے سے ہی سے تین دھاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دیر بھر سب آہیں میں مل جاتی ہیں اور ایک
 دیہا منٹو دیہا مل جاتا ہے۔ ان میں سے مشرقی دھارا اس طرح پر غلی ہے کہ جیل میں سے ایک
 حصہ پانی کا شمال کی طرف غلبہ۔ اسپیک صاحب نے اس کا نام نیچر لین جیل نرائس کے ہاؤس واگے
 نام پر رکھا ہے کہ کہہ کر نرائس جیل کے شاہی سوانحی سے اس کا حال تحقیق کر کے کے صدر میں ان کو
 سرے کا شہرہ دیا تھا۔ اس جیل سے ایک بہت بڑی چار دیہائی کی نہایت زور شور سے جس کا عرض
 چار سو پانچ سو فٹ تک ہے گرتی ہے اور وہ بہکرہ ایک دھاریں جاتی ہے۔ کپتان اسپیک صاحب
 نے اس چار سو کا نام دیا نہیں رکھا ہے۔ کیونکہ وہ دیہے نیل کے مغرب کی سمت نکلتا کر وہاں جہے تو
 انگلستان کے جزائر کی شاہی سوانحی کہہ چوٹے ٹنٹ ڈیپ صاحب نے کپتان اسپیک صاحب کے
 نزدیک کی جزائر کی تحقیق کے بارے میں جو کچھ ضروری امور تھے وہ پورے ہو چکے ہیں۔

مگر اکثر تحقیق کے نزدیک ابھی اندر زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دیہے نیل کے آبشار

جن مقاموں میں کہ دیہے نیل بہتے تھیں وہاں جو کہ زور سے نیچے گرتا ہے ان کو آبشار کہتے ہیں
 ایک مصری آغا سے پہلے یہ دیہا تھیمہ جیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکرہ آبشار کی طرح گرتا ہے۔
 اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے کہ اس کی آواز نو میل پر سے سنائی دیتی
 ہے۔ اس تنگ کے رہنے والے بھی کہ اس دیہا میں تھما ہونے کی عادت ہو گئی ہے ان لوگوں کو جیسا
 سمجھ کر کہتے ہیں کہ ایک محبوب خاٹا دکھاتے ہیں جن میں بہت دلی لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا

ٹاٹھا ہاں کے ایام امیری اور مہربانگی ہے

قیس حاشے صغر گوشتہ ۔ ہے ایک پھرنی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھ کر دیباہیاں جاتے ہیں اُن میں سے ایک تو ڈونگی کھتا ہے ۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی اُلکھتا دیکھتا ہے ۔ بہت ہی تنگ وہ ڈونگی گھروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اُٹھا کر وہ ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکئی سے اپنے قابو میں لاکر تیز رفتار پر لے جا کر بہا توڑ چھوڑ دیتے ہیں اور تھکر کی طرح اُس میں سے نکل جاتے ہیں ۔ خوف زدہ تاشا دیکھنے جاتے ہیں گمان کرتے ہیں کہ جس بلند سی سے اُن لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے اُس کے سینے جا کر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک یہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دیکھا جا رہا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب ٹھانے کا بیان سینکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زائد کے سیار بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔

دریائے نیل کی طغیانی کے اسباب

اگلے زائد کے لوگوں نے حقیقتاً ہیروڈوٹس اور ٹریوڈس اور سیکروس اور سیکائے دریائے نیل کی طغیانی کی وجہ کے متعلق بڑی گنت آفرینی کی ہے ۔ لیکن وہ پُرانی باتیں اور صرف با تحقیق نیکیات تھیں جو حال کے زائد ہی کچھ زیادہ اتفاقات کے واقع نہیں رہے ۔ اس زائد میں سب کا اتفاق ہے کہ استرو بیا میں جہاں سے دریائے نیل کی سرِ زمین کا سرِ زمین سے بارش ہونے کے سبب دریائے نیل میں اس قدر طغیانی ہوتی ہے کہ اہل استرو بیا کو وہ اُس کے بعد صحر کو طغاب کر دیتا ہے اور یہی وہی دریائے نیل کی بارش کے سبب سمندر میں کر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے ۔ مگر یہ صاحب کہتے ہیں کہ حقیقت میں اس طرف یہ تو اس قدر نیل کی طغیانی انصاف میں کثرت سے بارش ہونے کے سبب سے ہوتی ہے ۔ لیکن اس تباہی پر وہ اس کا اعجاز کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُس کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ۔ چنانچہ ٹولیمی نے طغیانی بطلموس ثانی بادشاہ مصر نے جو معلوم اور نوری کی حقیقتات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت کاغذات نامی تصویروں کو وہاں بچھا کر اس کی تحقیق کرائی تھی ۔

دریائے نیل کی طغیانی کے موسم

ہیروڈوٹس اور اسی طرح ڈائیوڈس اور سیکروس اور دوسرے بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریائے نیل گرمی کے موسم میں یعنی اہ ہجری کے اخیر میں بڑھتا شروع ہوتا ہے اور اخیر کے اخیر تک دوسرے دن بڑھتا جاتا ہے ۔ اور اکثر اور دوسرے دن دن گشتا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آ جاتا ہے ۔ اس زائد کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصل سبب اس دریا کی طغیانی کا تھا اُس پر اُس کی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی استرو بیا کی بارش ہے جو لوگ ہیں

قبیلہ جانشین صفر گزشتہ گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے چھٹے میں دہلی بارش شروع ہوئی تھی اور پانچ چھٹے تک یعنی اگست کے نصف آخر یا ستمبر کے نصف اول تک برابر بارش رہتی ہے اس لئے مصر میں دریائے نیل کا پڑا سارا پانی سینا میں بارش شروع ہونے سے تین چھ یا ایک چھ بعد جوتا ہے۔ سیاحوں کا قیل ہے کہ دریائے نیل مئی کے چھٹے سے بڑھتا شروع ہوتا ہے۔ گراول بنانا یہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جن کے ختم ہونے کے قریب تک بھی اس میں طغیانی نہیں ہوتی۔ ہیرڈ وٹس صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد ورتین چھڑ آتے ہیں انہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے۔ اگلے معنزوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے کہ مئی کو ہی بیان کرتا ہوں ہیرڈ وٹس اور ہیرڈ وٹس ایک طرف ہیں اور مرسے اور پنے کی اور مٹس دوسری طرف ہیں۔ پیتھن دریا کے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین چھٹے یا مئی میں گناہ سے کے باہر کی طغیانی پر سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ پنے کی صاحب اپنی رائے کی بنیاد ہیرڈ وٹس کی گواہی پر تمام کرتے ہیں۔

دریائے نیل کی طغیانی کی بلندی

پنے کی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریائے نیل شیک شیک چوبیس فٹ اونچا پڑتا ہے۔ جب کہ اس کا پڑنا حادہ حادہ ساڑھے اٹھ فٹ اونچا آتا ہے تو ملک میں قحط مالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جب کہ چوبیس فٹ اونچا پڑتا ہے تو لوگ تالی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شہنشاہ ہریانہ نے ایک جہی مور مور ایک لکھنؤ میں مور مور شہر شہر میں دریائے نیل کی طغیانی کی بلندی پانچ فٹ لکھی ہے۔ دریائے نیل کے پڑنا کی بلندی کے بارے میں متقدّمین کے درمیان اور نیز زمانہ حال کے مورخین میں اتفاق نہیں ہے۔ مگر بہت زیادہ تفاوت بھی نہیں ہے۔ اور اس کے سبب یہ ہوگا کہ ان کے زمانہ کے امتداد حال کے پچاڑوں میں شاید کہ تفاوت ہر جس کا دریا نہت کرنا مشکل ہے۔ دوسرے متقدّمین مورخوں نے پنے پر مائی سے اپنے بولان کو کھسا ہوا۔ تھیرے یہ کہ غور نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا میں حیرت مندر کے پاس آتا جاتا ہے اس کے پڑنا کی بلندی کم ہوئی جاتی ہے چونکہ صوبہ ملک کی نہ نیر ہی دریائے نیل کی طغیانی پر مضمون اس نے مصر میں ہے اس کے پڑنا کے تمام حالات کو اور اس کے خلاف درجوں پر بخوبی فرمایا تھا اور ایک ذلت تک اقامہ امتدادوں سے جو بہت سے برسر میں ہوتے تھے غور دریائے نیل کے پڑنا سے یہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں پڑنا سے کہیں نسل پیدا ہوگی۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر مصر میں ایک پچاڑا لگا دیا تھا

شاہجہاں کے ایامِ اسیری اور صواب دہائی

بقیہ حاشیہ موزونہ مضامین اور اس پر درجہ نیل کے پڑھاؤ کے مختلف درجے کئے گئے تھے۔ اور انی درجن ہر صاحبِ کر کے تمام ملک مصر میں اطلاع دی جاتی تھی کہ اب کی فصل میں کیا نقصان آئے گا یا کیا فائدہ ہوگا۔ مژدے اور صاحبِ کتبہ ہی کو اسی مطلب کے لئے شہر سیسین کے قریب دریائے نیل کے کنارے ہر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے۔ شہر تاسرو میں ایک مسجد کے صحن میں ایک بنار ہے اور اس پر درجہ نیل کے پڑھاؤ کے درجن کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ اور آج تک وہاں یہ رسم ہے کہ شہر کے لوگ کپڑوں میں ہر روز منادی بجاتی ہے کہ درجہ نیل میں اس قدر طے حاد پر منصرف ہے میں دن درجہ نیل کا پڑھاؤ ایک صبح بلندی پر پہنچ جاتا چاند میں بہت خوشی ہوتی ہے اور خوشی و مسرت کے چلنے ہوتے ہیں۔ آفتاب اُڑی چھوٹتی ہے۔ اور آہیں میں وحشت ہوتی ہیں۔ تمام درجہ نیل میں درجہ نیل کی غلیانی ہوتے سے تمام مصر میں عام خوشی کی جاتی تھی۔ اس لئے کہ اس ملک کی غرضی اور آسودگی کی بنیاد یہی درجہ ہے۔ اگلے دن درجہ نیل کے لوگ جو بندہ ہرست تھے درجہ نیل کی غلیانی کر اپنے دیوتا سولہیں کا خرچہ کئے تھے اور میں بنار پر اس کے پڑھاؤ کے درجن کے نشان لگے ہوئے ہیں اس کو اس مندر میں مندر میں رکھا تھا شہزادہ قسطنطین نے اس جگہ کو وہاں سے اٹھا کر اسکندریہ کے گرجا میں لے جانے کا حکم دیا۔ اس پر مصریوں نے یہ شہر دیکھا کہ سولہیں دیوتا کی منگی کے سبب درجہ نیل میں بھی پڑھاؤ نہیں آئے گا۔ درجہ سال درجہ نیل میں معمول کے مطابق پڑھاؤ آیا شہزادہ جولین مرتد سے عہد پرستی کا رن تھا اس بنا کو اسی مندر میں بھرا دیا مگر شہزادہ حمید ڈوشیسیس نے پھر اس کو وہاں سے اٹھا لیا۔

نیل کی نہریں اور پانی کھینچنے کی مکینیں

اگرچہ خدا تعالیٰ نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رساں درجہ دیا تھا کہ اس پر بھی یہ نہیں چاہا کہ وہاں کے رہنے والے شہسوار اور کامل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اٹھائیں یہ بات انفر و معلوم ہو سکتی ہے کہ درجہ نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا تھا اس لئے بہت سی محنت و مشقت زمین کے پانی دینے میں کی جاتی تھی اور بہت سی نہریں جو پانی پہنچانے کے لئے کافی گئی تھیں جو دیہات درجہ نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھیں۔ ان ہی نہریں بنائی گئیں اور سب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کو بہت دروازہ صاف ملک کی سرحد پر تھے ان میں بھی پانی پہنچانے کے لئے نہریں بنی ہوئی تھیں۔ اور اس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہریں پانی پہنچاتا تھا جب تک کہ درجہ نیل ایک صبح پر درجہ پڑا جاتا تھا۔ اس وقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نہاں کاٹنے اور ان کے کھولنے کی اجازت

بقیہ حاشیہ مندرگذشتہ ، نہ ہوتی تھی کہ کہ اگر اس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمیں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچے کا احتمال ہوتا۔ یہ وہی وہاں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور جس میں سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اس طرح پہاڑی کی ایسی احتیاج تھی تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو پہنچ جاتا تھا جن ضلعوں میں کہ دریائے نیل کا پانی از خود پہنچتا تھا وہ اس قدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور ان میں اس قدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جس قدر پانی ہوتا اور چلائی اور اگست میں مصر میں پہنچتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا۔ مگر اگر وہ اس قدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک پہنچتا تھا اس لئے کچھ دارکھوں سے ان زمینوں میں پانی پہنچا دیتے تھے ان کنوؤں کو بیل پھراتے تھے اور پانی ٹلوں میں جا کر ان اریجی زمینوں میں پہنچتا تھا۔ دیوڈوس صاحب کہتے ہیں کہ جب کوئی میڈیٹر صاحب مصر کی سیاحت پر گئے تو انھوں نے لوگوں کے لئے یہ کل ایلا دکھائی۔

دریائے نیل سے مصر کی زرخیزی

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کی زمیں مصر کی نہیں ہے زیادہ زرخیز اور یہ صرف دریائے نیل کا نہیں ہے اور دریاؤں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ اترتے ہیں زمین کی سطح کو جس سے نیچی رہتی ہے وہاں جاتے ہیں اور ریت چھوڑ جاتے ہیں مگر یہ غلاف اس کے دریا کے نیل اپنی دوسری طرف سے چکڑوٹ لیتی ہوا ہوتا ہے۔ اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور نہروں کو نہریں گزرتی ہیں اور اس سبب سے انکی فصل ہر سے زمین میں قدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اسی ہی زور آور ہو جاتی ہے۔ کاشت کار کو ملک ہی نیل چلائے اور زمین کوڑنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب وہ دریائے نیل ہٹ جاتا ہے تو زمین اس کے کریم کے اوپر جو چکڑوٹ لیتی رہ گئی ہے اس کو الٹ پلٹ کر نیچے کی ریت لیتی ہے لہذا اس کے مزارع کو مستعد اور اس کی قوت کو کمزور کیا جاتے اور کہ کام کرنا نہیں پڑتا اس کے بعد نہایت آرام ہے اس میں کچھ ٹوالہ جاتا ہے اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا جو چھینے میں سب زمینیں کھل چھوڑ کر رہ جاتی ہیں اور کھیتوں پہلے سے گنتی ہیں اور ان میں کثرت سے اٹا ہے اور تھپے مندر والے اکثر قہر اور اکثر ہیں جب کہ دریائے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی ہوتے ہیں اور اپنی واپسی میں فصل قبا ہر جا کی ہے۔ مصر کی زمینیں فصل اور فصل ہیں۔ یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف فصلیں ہوتی جاتی ہیں پہلی دفعہ کھیر کا ہر لوکر کاٹ لیتے ہیں اس کے بعد قبا ہوتے ہیں اور جب اٹا کی

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہمانداری

تمام فرعون اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان میں بھی بعض ایسی سلطنت حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی یقیناً اس مشہور مصروف شخص کو حاصل نہ ہوگی جوگی میں سے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت کی جو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب اور مطالعہ کی ذریعہ اس دلچسپ مسئلہ میں ایک عمدہ اور عالمانہ مضمون تحریر کیا ہے۔

دریائے نیل کے متعلق تحقیقات | میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب ایتھوپیا کے دو غیر

بقیہ ماضی گزشتہ سفر، فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسم کی شاخاں جو خامر مصر میں ہوتی ہیں برکتے ہیں۔ چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی تپش بہت ہوتی ہے اور یہ بہت کم برستا ہے اگر اس ملک میں نہریں اور چٹے بکثرت دہستے ہیں تو آبیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخاری پانی دیا جاتا ہے تو تپاں کتنا ہے کہ وہاں کی درختیں جلد خشک ہو جاتیں اور ایسی شے کسی سے آتا ہے اور شاخاں جل جاتیں۔ وہ اپنے ٹیل سے مویشی کی پردہش میں بھی جو مصر کی دولت کا دھارا دے رہے ہیں کہ کم مویشی ملتی۔ مصر والے اپنے مویشی زہر کے چھنے میں چرسے کے لئے باہر نکال بیٹھتے ہیں اور اپنے کبک چراتے ہیں۔ ٹھنڈی میں اتنی گھنٹا قش نہیں ہے کہ ان چراگا ہوں گی زرخیزی کا بیان ادا ہو سکے۔ مویشیوں کے لیڑ کے دیوڑ بولسبب مسئلہ اور خوش آئند ہوا کے دن مات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدت میں بہت تازہ اور فروہ ہوجاتے ہیں جن دنوں میں کو نیل کی طغیان ہوتی ہے ان دنوں میں مویشی کو کچھ آدھ گھاس اور جو اور مٹر کھلا کر پردہش کرتے ہیں۔

مٹر کار نیل کی بدھش اپنی سبائی کے حال میں گھٹے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک صحیح موسم میں اچھو چلا ہیں اس قدر دید برستا ہے کہ مصر کو پانی سے کربال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی۔ اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور تھلی زمیں کو دنیا کا ایک عمدہ و زرخیز ملک بنا دیتا ہے۔ ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جن میں اور اس کے اگلے چار چھنے شمالی اور مشرقی بھائی یعنی رچی ہیں تاکہ نیل کا پانی نہا رہے اور جلدی سے جاکر مسند میں نہ چلا جائے اگلے لوگوں نے بھی اس قدر کی حکمت کے کلمہ کو بولائی مونس کر لیا تھا۔

نیل مٹر خیر و نفع سے مراد ہے۔ س. م. د.

معلومات حاصل کرنے کا ہمیشہ شرق رہتا ہے اُن کو اکثر دولت کی توقع ہے اپنے اِن بلائیے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مہلس ہوتا تھا۔ اور اس سے لواب صاحب کی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

اتھوپیا کے سفیروں کا بیان | چنانچہ ملاوہ اور باتوں کے ہم نے اُن سے دریائے نیل کے انہوں نے کہا کہ اس کے نیچے کا مال تو ہر کسی کو خوب معلوم ہے اور اُس کی نسبت کسی کو کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے ایک منٹل کے ہمراہ جو انہیں کے ساتھ ہندوستان واپس آنا تھا اُس کو دکھیا بھی تھا انہوں نے کہا کہ دریائے نیل کا نیچے اگوشٹ کے ملک میں ہے اور وہ دہڑے ہو شندہ چٹے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہی نہیں سے نکل کر اول تو کوئی تیس یا چالیس قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بن جاتی ہے اور پھر اس میں سے دریائے نیل کی گذرگاہ | اور بہت سے ندی نالے مل جاتے ہیں اور ایک دریائے دغا بن جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایسے طور پہنچ کھا کھا کر گیا ہے کہ جس سے زمین کا ایک دیکھ حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو ملکیت ڈیہیٹیا میں اس کے نیچے سے صرف چار پانچ منزلیں اور گزدار دارالحکومت اتھوپیا سے تین ہجلی منزلیں کے فاصلہ پر ہے جاگتا ہے۔ اور اس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو ہڑستا ہے اور ماک نہیں عینی ہریشٹاں جو شاہ اتھوپیا کے باج گذار ہیں اُن کے خاص خیر شیڈ میں سے گذتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہر ملک معرکے میدان میں آکھتا ہے۔

دریائے نیل کا نیچے | جب یہ سفیر دریائے نیل کا نیچے اور اُس کی کیفیت بیان کر چکے تو میں نے اس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اس دریائے نیچے ہے میں نے یہ چھا کر ڈیہیٹیا باب الہند سے کس طرف کو اور افریقہ کے کون سے حصہ

نیل	راگوس	ایک دوس
ڈیہیٹیا	مک دیش	نیل
ہریشٹاں	نیل	نیل

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہدِ انگریز

میں واقع ہے۔ لیکن انھوں نے بجز اس کے اور کچھ جواب دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ بھلکویہ قعرِ حشر کی حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جس کو کسی عیسائی کی نہایت مقامات کے نسبتی خاملوں سے زیادہ سے زیادہ واقف ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ دھناؤں پڑھتے وقت شہرِ مکہ کی طرف رخ کریں۔ گو بہر حال اس مسلمان سفیر نے یہ امر براہِ بیان کیا کہ ڈیمبیل بابِ الصندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دیا گئے نیل کا منبع خطِ استوا کے شمال میں ہے۔ مذکورہ جنوب میں جہاں بطلیموس نے قمر دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں جنوب ہی میں درج ہے۔

بطلیموس اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاؤڈیوس ٹومیس اور مسلمان مصنف بطلیموس ای تھوڈیس کہتے ہیں۔ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آ رہا تھا۔ لکھا ہے کہ جب اُس نے ذرا بڑھ کر ہضلا قمر شہرِ حکیم جالیزس کی شاگردی اختیار کی اور جب علومِ حکمیہ میں اچھی دست گاہ ہو گئی تو ریاضیات کی طرف اس کو زیادہ قور ہوئی چنانچہ جب یہ آؤری لڑائی کے عہد میں بھارت میں تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی طرف سے ایک حکمران کا حکم تھا اور جو اس کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اس کو شغل تھا۔ یہاں اس نے ساروں اور انطاک کی گردش وغیرہ دیکھ کر دیکھ کر کہنے لگے اور صدقہ دینا چاہا۔ اور متعدد عین طمانہ اہلِ شہر خصوصاً ہپارکس (ابریس) کے سیاحین اور فوجوں کی خبروں کی تسبیح کی اور ایسی حدِ دل میں بنائیں جن سے سورتِ چاند وغیرہ کی گردش کا مطلب لگ سکتا ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اسطرلاب وغیرہ آلاتِ رصدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ ہپارکس ان کا موجد ہے۔ لیکن احوالِ ریاضی اور آلاتِ رصد میں سے اس زاد میں بھی کام لیا جاتا ہے۔ اُن کی تسبیح اور توضیح تو فی الواقع اسی نے کی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنی مشہور کتابِ جسطی کے تیسرے مقالہ کی آخر میں لڑائی میں خود لکھا ہے اس کتاب کے برابر اس نے ہی آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی تھی، چنانچہ نامور مسلمان علما نے بہت فضل بن بکلی تھوڑے ہی عرصہ میں جابر و ابوجہان و خاندی جنھوں نے اس کتاب پر حاشیہ اور شرحیں لکھی ہیں جس قدر انھوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اسی قدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے قریب مقالوں کا ترجمہ اہلِ چند یونانی علما نے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے مذہبِ یحییٰ بن خالد بن یحییٰ کے حکم سے جو سطرلاب مطابق سطرلابِ مشرقی سے سطرلابِ مغربی کے واسطے لیا تھا اس سے زیادہ کیا تھا لیکن وہ اس کو بہت زیادہ اور اس نے یونانیات اور ایک اور عالم کو اس کے مددگار

نیل کی طینیائی کا راز

ہم نے ان خاصوں سے یہ بھی دریافت کیا کہ اتھوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہ کہ ہندوستان کی طرے مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اور طرے انھوں نے جواب دیا کہ کھڑا مہر کے ساحل پر سواکن اور ادرنگ کے اور جزیرہ مشرق سے لے کر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ تقاضا ہوتی ہے جو اس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک چین میں ہے مگر اس ملک کے اندر کی طرف ملک تو بیہیا کے سرے آگوتس میں اور اُس پاس کے صوبوں میں گری کے آٹن دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جی میں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں دریائے نیل طینیائی ہے آتا ہے۔ اُن سفروں نے کہا کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ دریائے نیل کی طینیائی اور اس سے ملک مصر کی سیرانی کا باعث اتھوپیا کی بارشیں ہیں۔ اور ملک مصر کی درجنہری کا باعث وہ کچنی شے ہے جس کو دریائے نیل بہا کر یہاں لاواٹا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ انھیں حالات کی وجہ سے شاید ان اتھوپیا کو ملک مصر سے خارج لینے کا استحقاق حاصل جیہ حاشیہ صحرانہ شے۔ ترجمہ کرتے حکم دیا انھوں نے نہایت مہرگی سے اس کام کو انجام دیا اور ان کے مطر نامت میں قراور اور آسانی نے اُس کے افاناک کی اصطلاح کی اور تربہ مسئلہ کے بھی دن ترجمہ سے یہ کتاب زبان لیبی میں ترجمہ ہوئی۔ بطلمیوس نے اس فن میں ایک اور رسالہ بھی اپنے شاگرد پوری کے واسطے لکھا تھا جس کا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے فری میں کیا اور جیسا بنی صلت نے اُس کی اصطلاح کی۔ نوح بطلمیوس شہنشاہ بیت داتوں کا پادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو کمال کر کے بنام سے چھوڑ گیا۔ اس کے نظام مقررہ کو نظام بطلمیوس کہتے ہیں جس کا بڑا اصول یہ ہے کہ جی مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اُس کے گرد حرکت کرتے ہیں مختلف نظام سلسلہ مال کے ہر نظام خیا خودی کہلاتا ہے میں میں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلمیوس نے انہیں باخندہ شہر نامہ کے اصولوں کی بنیاد پر جن جہانہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا کنڈی نے فری میں ترجمہ کیا اور لیبی میں بھی اُس کا ترجمہ ہوا۔ جواب مرحومہ چہ فری شرقی اور خط شانی اسی نے قائم کئے اگرچہ اس کا یہ کام کمال نہیں سمجھا جاتا مگر تمام نئے جہانہ بنانے والوں کے لئے بڑا منہ ہے اور جن میں بطلمیوس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علم موسیقی لایمی جٹا ہر تھا اور اُس کی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے۔ اس کی دفات اشعر ہیں کی صورتیں مسئلہ میں واقع ہوتی

تھا اور جب اس ملک پر مسلمان مسلط ہو گئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم و ستم اور ذلیل ہو گئی تو شاہِ احمدیہ بیانیہ چاہتا تھا کہ وہاں کا رنج بھرا مسکری طرف پھیر دیا جائے اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ مسکری زبرد نغیزی بالکل مفقود ہو کر یہ ملک ہر باد ہو جاتا۔ لیکن یہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان انتہا کہ مطلق عمل میں نہ آیا۔ ان تمام باتوں سے میں بے غماغ تھا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ گڑاڑ کے رہنے والے دس بارہ سو آدمیوں سے روبرو شاہِ احمدیہ کی طرف سے ہر سال اس شہر میں اس فرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آگے بہتے جہاں کے ساتھ لین دین کریں، ہر ممکن طرح طرح کی گفتگو کا موقع ملتا تھا۔ اور یہ خطرات سمجھ کر ان سے حاصل ہوئی تھیں وہ بھی بہت مضبوط ہیں۔ کیونکہ ان سے بھی دریا سے نکل کی غلیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو اس کے نچلے کے قریب اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر ہوتی ہیں۔ لیکن تاہم میں اپنے لائق شاہِ دن کو جو اس دریا کی غلیانی کے وقت بھٹکے ہوئے مختلف ادوات میں ہونے لگے زیادہ متنبہ رہتا ہوں اور ان سے آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ مصر کے عوام الناس کی ہوائیں اس بارے میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ محض بے معنی تھیں کہانیاں اور ایسے لوگوں کی من گھڑت ہیں جو تو جات میں اس وجہ سے بچنے ہوئے ہیں کہ وہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی غلیانی کو دیکھ کر سخت حیرت ہو جاتے ہیں۔

مصریوں کے ادبام | چنانچہ غلطیوں ان تو جات اور غلیانی کے سہری مراد اس جگہ خاص طور سے ان کے مفصل و مل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دریا کے نکل کی غلیانی شروع ہونے کا ایک خاص دن مقرر ہے دوسرے یہ کہ ایک خاص قسم کی سنہن جس کو گوشت کہتے ہیں۔ غلیانی کے اول ہی دن پڑتی شروع ہوتی ہے اور اس کے شروع ہونے ہی وہاں کے عواموں کو آواز دیتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب گوشت گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو پاک نہیں ہوتا۔ چوتھے یہ کہ اس دریا کی غلیانی کے اسباب ایسے غرضی اور پراسرار ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ مگر میرے شاہدات کا خلاصہ یہ ہے اور مجھ پر یہ بخوبی مشکف ہو گیا ہے کہ یہ مشہور دریا بھی شل و دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے غلیانی پر آمنا ہے نہ کہ اس کی غلیانی اس سبب سے

و قریب میں آئی ہے کہ مصر کی زمین اپنی شہرت کی وجہ سے جو شہر کہا کر اس کی طیفانی کا باعث بن جاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ طیفانی کے اس تخیلہ دن سے قریب ایک بیڑ پہلے ہی یہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گہرے پانی کی حالت میں بہہ رہا تھا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہ دریا طیفانی پر آتا ہے تو قبل اس کے کہ اس کی نہروں کے دبانے کو لے جائیں۔ یہ پہلے تو چند روز تک ایک دونٹ پڑتا ہے۔ اور بعد ازاں تدریجاً اترتا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اسی انداز سے چڑھتا اترتا ہے جس قدر کہ اس کے ضیع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اس کی یہ حالت بعینہ جاریہ دیا نے لوان کی سی ہے جس کا چڑھاؤ اور اتار اسی نسبت سے ہوتا ہے جس قدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہ نکلتا ہے۔

شبنم اور طاعون | اُس دن سے قریب ایک مہینہ پہلے جب کہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں وثنا۔ (یعنی میما) سے شہر تا ہوا تک اس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جورات پھر چڑی تھی تر ہو گئے تھے۔

گوٹ گرنے کے آٹھ دن بعد بہتمام روٹینا (یعنی رمشہ) مجھے اپنے والدین کو نسل (یعنی نائب وکیل) مانشیہ دی برجسٹی صاحب کے ساتھ شب کو کھا کھانے کا اتفاق ہوا تھا اور حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ جن میں سے دو دن آشوب دن مر گئے اور تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن صاحب ہی تھے۔ شاید اس بیماری سے جاں بزد ہوتا اگر میں جرأت کر کے یعنی اُس شبنم کی تخیلہ تاثیر کے بعد مدہ پر نہ۔ کہ اُن کا پھوٹا نہ پھوٹا اور دماغ جو فرنگتا۔ اس مرتبہ پر خود ہمسکرمی، متعدد بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بڑا فانی انتی منی یعنی سرمد کا ہوا استعمال نہ کرتا تو میں بھی مر جاتا۔ اور یہ بات ثابت ہو جاتی کہ گوٹ کے گر جانے کے بعد بھی آدمی دبا سے مر جاتا ہے۔ اس لئے لسنے کی دوائے جو میں نے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار دریا۔ ایک مہر ابدی لڑکھو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا امیری و حارس بندھتے

کو دریائے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل ہی اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا ستر کی زمینیں۔

نیل اور گنگا مصر اور بنگال میں بنکے ہیں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو میں نے اُس وقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی۔ خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ گزرنے پر آپس میں مل گئے۔ اور آخر کار براعظم سے ملحق ہو گئے ہیں بلکہ دریائے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صناہد قدرت کو دیکھ کر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہ قول کہ ملک مصر دریائے نیل کی صفت ہے۔ بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریائوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل سے زیادہ شہن اپنے ساتھ سندھ میں بہا لے جاتا ہے جس کے سبب سے اس کے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ دریائے نیل کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بلکہ گنگا کے جزیروں کے جو ان چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبِ پاشی کی خاطر نیل سے کٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسیٰ بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی آبِ سالی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور دو سوے دریائے گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے جو اس موسم میں ہوتے جرتے ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے۔ دونوں ملکوں میں یہ تفاوت ہے کہ مصر میں سندھ کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی صیفِ سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم جو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتنا پتہ ہے کہ دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش انی ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جن میں دریا بجھتے ہیں۔

سندھ اور مصر کے دانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے

ہر سون ایک ہر ند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی غلیانی کیوں نہ ہو اور یہ ملک اُس وقت مصر کی طرح نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تیسری ٹ صاحب نے جو یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے ہمسک بھر قلم اور سوتیزا اور طور اور کوہ سینا اور عتہ میں جو کچھ سے آدھے دن کے راستے پر ایک مقدس مقام سمجھا جاتا ہے، اور جو بڑے کامیاب اور لوہا میں ہونے میں اُن کا منسل حال آپ کے پاس کچھ بچوں اس نے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملے گی اُن کی تمنا کو پورا کروں گا اور جو واقفیت ہمسک مقام ٹھیک تجربہ اور دہاں جاسنے کے لئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس کو بھی لکھوں گا۔

خط

بنام مشرعیپ لیں از شیراز (ایران)، ۱۰ ار جون ۱۶۶۵ء

ہندوؤں کے عقائد توہمات اور رسومات کے بیان میں

سورج گہن

فرانس والوں کے توہمات | صاحب من ! سورج گہن کے دو واقعے ہیں جن سے ایسے کچھ ہیں کہ جن کو میں کبھی نہیں سمجھوں گا اپنے ہی ملک

میں مشہور ہیں دیکھا تھا اور دوسرا مشہور ہیں، مقام دہلی - پہلا گہن جبکہ اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی لفظ نہ زود اتفاق دہی اور اُن کے بے بنیاد خوف و

لہ کسی مصنف کی کوئی لکھی رائے ہو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ہکا بکا کرتی ہے، خصوصاً جب کہ الفاظ بھی کسی قدر سخت ہوں۔ میں اس کتاب کی اس

فصل کے ترجمہ کرتے ہیں اگرچہ سورج گہن کے بارے پر تو بہاؤ اختیار دھکا اس کو چل دیا جاتا ہے بلکہ اندیشہ موت مطلب میں جگہ ترجمہ میں کوئی لازم لفظ اختیار کیا جاسکتا تھا۔ پاس غلط رائے ہم دونوں کے

دہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھڑ بھی دینے گئے ہیں اُمید کہ تا لفظی راست پسند جاری اس فرد گداشت کو صاف فراموش کے

ہراس کے حبیب حبیب تھا شے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے ہر اعتماد و دواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں سے توڑنے پھینکے کر کے بھی جاسنے کے لئے قسم قسم کی بڑی بولتی اور دوائیں مل لیں اور بعض نے محفوظ مکانات اور تھالوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کر دیا تاکہ اس شخص و قوت کے آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور خزاہوں آدمی گرجاؤں میں دھاوا لگنے لگے۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قیامت کا دن بھی ہے اور یہ جہاں آج ہی ٹیماٹھ ہو جائے گا اور اگرچہ کے سینڈھی اور دہلی و فیروز اہلی جیت اور کھار اور فرنگستان نے پہلے ہی بڑی ہلکا کر کے ساتھ کھ دیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دھوپ بانگل ڈرہے گی مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور جس طسرت پر جیشہ جوتے رہے ہیں یہ بھی بانگل بے خطر ہے بخیریں اور زالوں کے سے بیہودہ تو جات دکرتے چاہتیں مگر اس پر بھی ہمارے ہم وطنوں کو ایسے ایسے دواس اور تو جات تھے کہ میں پناہ بخدا۔

دہلی میں سورج گہن کا نظارہ | جو گہن بمقام دہلی سلطانہ میں ہوا وہ ہندوؤں کے تو جات اور گہن کی وجہ سے حرکات کی وجہ سے جیسے یاد رہے گا وہ گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چمت پر ہی جانا کے کتابے تھی اور جہاں سے لے کے بھی ڈی لک نرائن کے بھی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہ سلطانہ میں پیدا ہوا تھا اور سلطانہ میں مرا۔ یہ ابتدا و مرہی سے علوم ریاضی کی طرف اہل تھا۔ چنانچہ سولہ برس کے ہی میں حقیق علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام اسی علم الادبی اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زاد میں اس نے اسطو کی تردید میں ایک کتاب کھسکہ چھپوائی جس کے باعث یہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا۔ سلطانہ میں یہ جب ملک بالینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم جیت کی طرف زیادہ متوجہ ہوا اور سلطانہ میں مطارد کے آفتاب کے سامنے سے گذرنے کی خبر دی جس کو انگریزوں میں شہریت اور عرب جیت دہ لوگوں کی اصطلاح میں تہرائی یا سرود کہتے ہیں۔

راغوزاد کتاب روشتا نکھاس، س۔ م۔ س۔ ۱۸۰۳ء

لے رائڈنی ایک نرائنیں عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص بہرہ میں بہت بڑی دست لگا رکھتا تھا مگر علم اور حکما کے طریق سمجھ بظاہر قبل اور خود فرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے اپنے دور جیت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم جاتا تھا راغوزاد انا نکھو پتی یا برطانیہ۔ س۔ م۔ س۔

خاکہاں کے امام اسیری اور عہد اور گتے یہ

دیا کے دو لڑکے کنارے نظر آتے تھے جن میں تھینا ایک، دیگر یعنی تین میل کا فاصلہ ہے
جا کھڑا ہوا نذرانوں لاکھوں چند کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹھٹھکی ہاندے کھڑے دیکھ
رہے تھے تاکہ کہیں کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگا دیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے ابل
ننگے تھے۔ مرد صرف دھو تیاں ہاندے ہوتے تھے۔ ہیا ہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات
سات برس کی لڑکیاں صرف ایک چادر یا ساڑھی اوڑھے ہوئے تھیں۔ صاحب مقدمہ
اشخاص اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں متروں اور صاحب اقتدار لوگوں نے جودیا
قربانی میں مسخر نہیں۔ اور مراٹوں، مہا جنوں، جہڑیوں اور پوجاریوں وغیرہ نے یہ
ہندو بہت کیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دریا کے آس کنارے سے اس کنارے
آکر پانی میں ڈوبے اور تھیں کھڑی کرائیں اور اس طرح ہر دے میں اشتنان وغیرہ کیا۔
ہندوؤں کے اس مجمع نے جوں ہی گھن گھٹے دیکھا ایک عجیب و غریب نفرو مانا اور چند بار
متوازن غوطے لگائے۔ پھر پانی میں کھڑے ہوئے اور اپنے اتار آئیں سورج کی
طرف اٹھائے ہوئے بڑے حضور تلب سے عبادت اور پوجا کرتے دکھائی دیے۔ اور
چند بار دو لڑکوں میں پانی لے کر سورج کو چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا کر کہیں
دائیں کہیں بائیں پانی دیتے تھے۔ اور گھن کے ختم ہونے تک یہ بچارے غلطی میں پڑے
ہوئے لوگ ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمن میں دور سے روپے
اور دوتیاں پوتیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی قریب چہ وہاں آنے سے
کیوں چرکھنے لگے تھے بہت کہے ہی دان دیا۔ میں نے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے پانی سے
نچلے پر نخی پر شاخ جودہ دریا کے کنارے ریت پر رکھی ہوئی تھی پہنی۔ بلکہ بہت سے
لوگوں نے ہر زیادہ و دھرم آتھا تھے اپنی پڑائی پڑائیں ہر ہمنوں کو پٹی کر دیں۔

اس طرح سے میں نے اس عظیم الشان سورج گھن کی پوجا کا تماشا اپنے مکان
کی چھت پر سے دیکھا۔ اور جیسا کہ یہاں ہوا دیا ہی دیا نے سندھ لگا اور ہندوستان
کے اور دریائوں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا۔ کہتے ہیں کہ تھانہ نیٹر میں قریب ڈویر، ایک
محلہ ہندوستان کی تارکھا میں ہوا دھم بھی کافی یاد رکھنے کے ہے کہ سلطان سلطان سلطان
شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کی طرف آتا ہوا تھا میری نصرت و اتفاق سے وہاں سورج گھن کے تماشے کا
میلہ تھا۔ پس کسی بات پر نکلا رہی اور بنیا میں اور جو گیت میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں بادشاہ

آدیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصہ سے اثنان کے واسطے آن کر جمع ہوتے تھے۔
 کیونکہ اُس ندی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اور دریاؤں اور ندیوں کی نسبت
 زیادہ شیرک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی رسومات اور سلاطین مغلیہ | رسلوں کے آداب و طرز پر بھالانے کو یا تو اُس

خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہئے
 ہی نہیں! بادست اندازی کی عزائم نہیں رکھتے۔ مگر ان اتنی بات ہے شک ہے کہ
 خدائیسر کے میلہ سے پہلے چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کی طرف سے بطور وکیل حاضر
 ہو کر ایک لاکھ روپیہ پیش کش کر کے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اُس کے
 عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضیف (باقی اُن کو عطا ہوتا ہے۔

تقریباً چھ سو گزشتہ کے اُس زیادہ آئے اور غرامت کی کہ ہم کو اُن سے لو کر آج میں فیصلہ کر رہے
 کی اجازت ہے۔ بادشاہ نے اہل توبہت بھال کر جب انھوں نے دانا تو یہ موجب فیصلہ کیا کہ دنانے کی
 اجازت دے دی اور حکم دیا کہ سنیا سید کے جو جو گہن سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور چکر
 پانچ سو۔ ہمارے سپاہی شامل ہو کر ہو گئے سے اُن میں۔ پس بادشاہی سپاہی بھی بہت مل کر
 سنیا سید کے ساتھ میدان میں آگئے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت
 شہنشاہ بڑے لطف سے جیسے تماشا دیکھا کئے آخر کار جو گہن کا ناس کر کے سنیا سید غائب آئے اور اس
 کے بعد بادشاہ نے اختتام کر دیا کہ یہ کچھ اور زیادہ مسادہ کرنے پائیں۔ یہ رعایت جان بونی کی ہے۔ مگر
 اور افضل سے کہا ہے کہ یہی اور گری جو دونوں سنیا سید ہی کے فرستے ہیں اُن میں اس بات پر حیکماں اور گرا
 تھا کہ پہلے یہ تیرتہ کے کنارے بریوں کے بیٹھنے کی جو جگہ تھی اور جہاں خوب چڑھاوا چڑھا تھا
 وہ گہن نے پھین لی تھی۔ س۔ م۔ س۔

شہ ہندو بادشاہ اور بڑے بڑے امیر سوار گہن کے ساتھ پراکڑا تھی کا مان ایک قسم کے برہمنوں کو جو
 سوری برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جن کو ہمارے ملک اسی روئے خلیج میں نوکوت
 یا جاہا برہمن یا گہرائی یا چارچہ کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غائب ہے کہ بادشاہ کی طرف سے یہ دتھی اور
 پر شاہک برہمنوں کو بطور دانا دیا جاتا ہے۔ اور یہ ات کچھ قہر کی نہیں ہے کہ نہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں
 کی اہل قہر کے لئے اُن کی بعض زمینیں اختیار کر لی تھیں جو ان کے عہد سے لے کر اس سلسلہ کے اختتام

شاہجہاں کے الام امیری اور عہدہ نگاری

گہن کے موقع پر پوچھا جاتا تھا | اب میں اس گہن کی پوچھ چاکی وجہ اور منشا اور یہ کہ یہ رسمیں
پار و پین (کتب آسمانی) جو خدا تعالیٰ ہم کو ہر جہا کی وسالت سے دیتے ہیں یہ بتلاتے
ہیں کہ ایک دینا میں نے راجپس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت
کالا کلڑا اور اڑیں جنس اور میلہ کھیلا ہے سورج کو کچھ ڈکڑی طرح میلہ اور کالا کر دیتا ہے۔
سورج بھی اگرچہ ایک دینا ہے مگر چونکہ نہایت رسم دل اور نیک نہا و ہے اس شریر کالی بلی
کے چوہے پسں کر سخت تکلیف اور اپنا پاتا ہے۔ پس ہر ایک شخص کو یہ لازم اور واجب
ہے کہ سورج ہنگوان کو اس حالت سے نجات اور ربانی دلائے میں کوشش کرے اور اس
کی صرف یہ سبیل ہے کہ اشتان اور پوچھا جاتا تھا اور ہن دان کیا جائے۔ کیونکہ یہ و حرم کم
گہن کی حالت میں نہایت ہی مبہم اور گہن رکھتے ہیں اور جو ہن دان اس وقت کیا جائے
وہ بہ منبت معمولی ہی دان کے سرگنا پھلتا ہے۔ پس چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہنگوان ایسا
شخص ہوگا کہ جس کام میں سرگنا فائدہ دے اس کو نہ کرے۔

حاجب من۔ یہی وہ دلاں سورج گہن ہیں کہ جن کی نسبت میں نے آپ سے کہا ہے
کہ ان کو ہرگز دیہوں نہ۔

جگن ناتھ کی رتھ جاتا

سورج گہن کی دسوں وغیرہ کے ذکر سے تھک کر ملنا اور خواہی خواہی یہ تحریک ہوتی ہے
کہ کچھ اور حال بھی ان لوگوں کی بعض وحشیانہ رسموں کا آپ کو سنتاؤں جن کے متعلق جیسا
مناسب جانیں نتیجہ نکال لیں۔

جگن ناتھ کی رتھ جاتا | علیحدہ جگہ لکھیں گے کہ ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور
مندر ہے جس میں جگن ناتھ کی صورت نصب کی ہوئی ہے۔ اور

اگر مہری ماہ میں غلطی نہ ہو وہاں ہر سال ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ روزہ تک رہتا ہے اور
یہ ماہیہ ستر گزشتہ ایک سب بادشاہ کی کہانیاں تھے حلقہ علی دہلی میں سال میں اور مہری کے حاجب سے
جب بادشاہ کی فراک کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سلائے۔ چاندی کے ساتھ تھوڑا سا تھوڑا سا سب ہوتا تو پانچ
مستحقین کو ہندو نہایت دانا تھا اور اس موقع پر ایک ٹلا میں کیا ۱۲ تھوڑا۔ م۔ م۔ ع۔

اس مرتبہ پر لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگلے زمانہ میں جتن ملنے کے مندر پر ہوتا تھا۔ ہمارے وقت میں کہہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ تریب دولا کے جاتری جسٹ ہوجاتے ہیں۔

گجن ناتھ کی رتھ اور صورت | گڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے۔ راجن کا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں میں نے

لے لی تھی اگرچہ یہ بڑی بڑا ایک دو سڑاٹا ہے جو تمام بچ پرست برائوں اور دوجوں کا سب سے بڑا رتھ تھا۔ یہ سڑاٹا میں ہے لیہا کے راتری کا ایک تعیم نام ہے، اس ضلع میں تھا۔ جس کا ہمارے زمانہ میں شہر برتہ دارا حکومت ہے۔ جہاں یہ مندر بنا ہوا تھا اس سے کسی قدر فاصلہ پر اب شیکوٹا نامی ایک گاؤں آباد ہے جو تھارہ تھارہ کے مابین تھارہ سے مغرب کی طرف نکلتا تھا جس میں تھیل کے فاصلہ پر ہے۔ دو بیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہ جہ صد شہر جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا تھا۔ لیکن اُن کی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو تھیل کے نام سے مشہور تھے اس کو لوٹ کر ہراؤ کر دیا۔ میں ضلع میں یہ مندر بنا ہوا تھا اس کے چاروں طرف کی زمین بالکل بیا باں تھی جس میں نہ گھاس تھی اور نہ پانی۔ مگر اس مندر کے اس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اس بیا باں میں صرف وہی ایک قطعہ تھا جہاں اس پڑتی تھی مشہور دی موخ ہیر و دوش کہتا ہے کہ اس مندر کے نزدیک ایسا چشمہ تھا جس کا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا چھلٹا تھا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جس کی خشکی من کے گھٹنے کے ساتھ گھسٹی جاتی تھی یہاں تک کہ شام ہوئے تک گرم ہر کر رفتہ رفتہ آدمی رات کو کھولنے لگتا تھا ^{۱۵۵}۔ میں بڑی نامی ایک سیاحت نے اس مندر کا مقام مدیانت کیا اور ^{۱۵۶} میں ہوا رفتہ میں نامی ایک دوسرے سیاحت نے اس چشمہ کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد مسئلہ میں ایک اور سیاحت نے جس کا نام لزونی تھا۔ اس مقام کو دیکھا وہ کہتا ہے کہ یہ چشمہ کھیروں کے خوشنا جنگل کے درمیان واقع ہے اور ہر گز اس کے پاس خرمائیش نہ تھا۔ اس سے اس نے اس کے پانی کی نسبت تمیاز کیا ہے کھا ہے کہ اس کی گری صبح کو (راتھی) دوپہر کو (چائیس) شام کو (دشاٹھ) اور آدمی رات کو (شور) درجے ہر جاتی ہے۔

دماغہ ازہام جمہ انشا میکرو پٹو پڑا نیگا

شاہجہاں کے ایام سیر اور مہمانگاہ

دیکھا بھی ہے جس پر بے شمار سورتیں مٹی ہوتی ہیں جن میں سے کسی کے توان جنوں کی تصویروں کی طسرت جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں۔ دوسری یعنی آدھا جہان مان کا ہے اور آدھا جہان کا اور کسی سورتی کا نہایت عجیب ہند اور دیرو فیرو کی طسرت ایک سر ہے۔ یہ رتھ ہندو سولہ پیوں کا ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کے زور چلتا ہے اور اس کے مین وسط میں چٹکی ناتھ کی سورت کو نہایت مکلف اور برق برق پوشاک پہنا کر کھٹے اور خلعت دشان کے ساتھ ایک مقدسے دوسرے مقدسے کئے جاتے ہیں۔

جگن ناتھ کے درشن | پہلے روز جس وقت اس میں سورت کے درشن کرائے جاتے ہیں۔ اس قدر اڑھام ہوتا ہے کہ بہت سے جاہری بولکے کوسوں چل کر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھڑکا سے کھل جاتے ہیں اور ان کے ارد گرد کے لوگ یہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے۔ جو اتنی دیر سے ایسی شہرک جگہ آن کر رہے۔

نادالوں کی خوش عقیدگی | یہ رتھ میں کے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب اعتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ایسے نادان خوش منید ہیں کہ اپنے تئیں اس کے پیروں کے نیچے ٹال دیتے ہیں جو ان کو بالکل کھل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اس امر سے ذرا بھی تعجب اور نفرت نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے خیال میں کوئی کرم و عمل، ایسا بہا و ادا اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اس کو کچلے اپنے نیچے کے کہیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزت اور پیش کی زندگی بخشیں گے؛ برہمن لوگوں کو ان قربات اور ان بھاری نظیروں کے اور کتاب کی اور بھی ترفیب دیتے رہتے ہیں جس کے وسیلے سے ان کو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کو ان کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ جو غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے ان کی بہت تعلیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ اپنی دان سے کرم مال دار ہو جاتے ہیں۔

جگن ناتھ کی دھن | ماضوں کی دفا اور قریب یہاں تک بڑا جامہ ہے کہ تاؤ تھیکہ میں سے قلعی دھیلوں سے بھری تھیکہ ذکر کیا جھکوا اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی کے واسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی

دھوم دھام سے سورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہ برہمن اُس کو یہ دم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ ہی رات کو تیرے ساتھ آکر رہیں گے اور تو دینا سے پوچھو کہ اب کی دند سال کیسا ہو گا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پرتجا اور چڑھاوا اور رستہ کی روانگی کا جلوس آپ کو لہند ہو گا اور رات کے وقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچے گا گا اور اُس بیچارہ کواری لڑکی سے جو اُس کو جگن ناتھ کہے جاتی ہے ہم بہتر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اُس کو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو واپس ہی دھوم دھام سے اس کو دوسرے مندر میں لے جاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ طاقتور لوگوں کو سنا دو۔

اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ بے حیائی کے مظاہرے کے رتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میل کے دلوں میں

ناچنے کے دست کھپیاں اپنے بدن کی مختلف حرکات سے نہایت بے شری اور بے عبادی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور برہمن ان لغویات کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے

تھے منصف کی مراد اس سادہ سے وہ سمجھتے تھے ناچنا ہی مذہب ہے اور لڑکانہ لگا کر اپنے پیش و پشت کے بے مخلقاہ طبروں میں ریشوں کو بالکل برہنہ بنا کر خوش چرتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو اُن کی زبان میں کیٹھا کا ناچ کہتے ہیں یعنی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ

مستندوں میں جب وہ سر پہ جہاں یہ مندر ہے سرکار انگرنے کے ہاتھ آتا تو اُس وقت تین سونا پھنوا دی

جوتیں مندر کی لازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصولی کے لئے ایک صوبہ دار مقرر تھا اگر کچھ زیادہ پادریوں سے جو مندر کے چڑھا

کی آمدنی کا بیڑا اپنی بیٹائی سرکار کے لئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اس کی جیس بندی کو موقوف کر دیا اور اس طرف سے یہ آمدنی قلعوں بکھار دی گئی تھی جو گیا

اس کتاب کے انگریزی مترجم مشرک و ملک ہر ایک صاحب سے اس مرتبہ ہوا اکثر کڑی اس

بکائن صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک غلطی لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے تحریر کر کے اس پر نقل کیا ہے۔ قرآن کریم کا کڑی آئن بکائن صاحب جنہوں نے مسئلہ میں ملک طبر کے دورہ کے مرتبہ جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں۔ یوں

ٹٹا یہاں کے ایما بھری اور مہار گشتیہ

بقیہ حاشیہ مندر گذشتہ، لکھتے ہیں کہ آج تیار بننے تینویں مئی میں مستندہ ہم مقام مہار یک مہم ہیں اور اگر چہ مگن ناخواب بھی ہم سے پہلے میل سے زیادہ فاصلہ ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کے دوسانچے شاہراہ پر ٹپے ہرے دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہر گزشتہ سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہم کو آئے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض ان میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اچانک گھر چھوڑے دو بیٹے ہرے اور بڑا جو دیکھ آج کل موسم سخت گرمی کا ہے گراں پہ بھی یہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مدھیال والے آتے ہیں یہ جاتری لوگ بہت سے راستے ہیں میں سر جاتے ہیں اور ان کی لاشوں یا ٹپوں کو کوئی دمن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی مدھیہ ہیں چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں، ندی کے کنارے جو جاتریوں کے ٹپے کے لئے ایک سرانی بہتی ہے کوئی قریب سو کھڑکیوں کے ہم سے پڑی دیکھیں آج ہم کو ایک ایسا خوش اشتیاق جاتری آج جو ہر موسم ہر پوری ٹولہ دوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیر تا کے خوش کرنے کے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ جھکریا لارہ اختیار۔ سہرہ جو دھویں جی مستندہ کو خاص مگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں کہ میں نے مگن ناتھ کو دیکھا کہ کئی کتاب تاریخ اس والا نشانہ وادی موت کا حال ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کے مشابہہ وارینے جیم ہر قریب جیسا کہ مولا کی صورت پر ظہر کفان میں اٹھے، قوتوں میں انسان کی ترانہاں چڑھائی جاتی تھیں۔ دلیا ہی مگر جگن ناتھ کی صورت کو اس زاد کا سرکت کہا جائے تو کچھ ناما جب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں ملی دان اور ترانی کرنے والے لوگ بھی دتو مولا کی قراتوں سے تھلا دی میں کم ہیں اور اس بڑی طرح جاتی کھڑے ہیں میں مگن ناتھ کے ساتھ اس کے بھائی اور بہن ہرام اور سہمہہ ماکے نام سے دو اور مرد تھے بھی ہیں اور بیویوں کی چھ بھائی ہے اور تقریباً تینوں کی اتنا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ جیموں کے سنگھاسی ہندی میں تقریباً برابر ہیں۔ آج صبح کو میں مسند دیکھنے کے لئے گیا۔ نہایت وسیع اور عالی شان عمارت ہے۔ اور فی الواقع ایسے ہی سو فاک بادشاہ کی شان منورنگ ہیں ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اس مسند کے دلہان کے حالات خیمالات اور مستعدات کی مناسبت ہے اس شکل کی مورتیں دیکھو بنا کر قائم کی جاتی ہیں دلیا ہی اس مندر میں اس ساری ناشایستگی اور عجب کی بے شمار اور

لے لک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مرگ نامی ایک بعداستان تھا اور اس ہر اکثر لوگ اپنی اولاد کو ترانی کرتے تھے۔

میتھ حاشیہ منفرک شہ۔ مختلف صورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی ہر جاکے طریق کا لپ نہاں ہیں
چنانچہ سند کی دیوانوں اور دما دما کے تھوٹوں پر ایسی خلاف تنہا شکل کی صورتیں ہیں جو دیکھکر
شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پائدار چہروں سے تراشیں ہوتی کھڑی ہیں۔ میں سند کے کنارے کی رتی
کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ٹہریوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے۔ شہر
کے نزدیک میں نے ایک اور جگہ میں کو انگریز گلگشتا کچھ ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یوں ہی
پسینک دی جاتی اور کنگے اور گدے وغیرہ وہاں پیشہ میں رہتے ہیں۔

میں جیس ہنرمناں کے مکان میں جو سرکار انریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگہ نامہ کے
معد کے خٹم اور جاتریوں سے سرکاری معمول کے وصول کے ذریعہ رہا ہے اُترا ہوا ہوں جو سند
کے کنارے سند سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ صاحب شہر کے قریب اس واسطے نہیں رہتے کہ
شہنشاہیوں کے باعث نہایت چاہ آتی ہے اور ان لوگوں کے گناہوں قربات کے مشاہدہ سے تعلق
نظر نہیں اور بھی بہت سی ایسی تاریخی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جی سے آدمی کے خاص پرگنہ
ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قاتلوں کے بارے میں ہوتے ہزاروں جاتریوں میں مردہ اور بھوت کی سی ڈرامائی
صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر بھوکہ اور پیاریوں کے بارے میں
کے گلی کوچوں ہی میں مر جاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ ہر پڑے بھگت اور خوش مقید ہوتے ہیں
بالوں کے جوڑے ہارے اور چون کو کئی طرح کے رنگوں سے پڑتے ہوتے اور اپنی جان کو طرح طرح
کے مذاب میں دیتے رہتے ہیں جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا عورتیں اور مرد بیکری قسم کے
مترادہ مذاب کے شہر کے قریب رہتے ہیں اور نعلین عبادت کے لئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں
جی کے نعل کو ساتھ میں کو یہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف اگر چٹ کر جاتے ہیں۔
پھر صاحب مرصوف اشعار ہیں جو سلف کو جگہ نامہ ہی سے یوں سمجھتے ہیں کہ میں ابھی
ایک تماشہ دیکھکر میں کو ہر ہر دیہوں کو اپنے مکان پر آیا ہوں۔ آج اس دیہا کا ایک بڑا دن
ہے۔ چنانچہ وہ پھر کے وقت ہندو جگہ نامہ کی صورت کو سند سے باہر لے۔ اس وقت لاکھوں لاکھ
اور عقیدت مند لوگ اپنے جے جے کار سے نہایت شہر مدخل کرتے ہیں کے ساتھ ساتھ اور جب صورت
کو سنگھاس پر بٹھایا اس وقت تو ایسا نفل پڑا کہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر تھوڑی سی خاموشی
کے بعد وہ سب کچھ شہر میں سامنے آئی دیا۔ اور تمام غفلت کی آنکھیں اس طرف کو اٹھ گئیں اور میں نے دیکھا
کہ درختوں کا ایک صف۔ سا چلا جاتا ہے۔ اور قریب آئے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہمانوں کے

ہیہہ ماحول پر فرنگشتہ، فرل بڑی جلدی سے چل آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں گھوڑا رکھی اور درخت کی سبز لہریں ہے۔ اس منزل کے لئے غلظت نے راستہ چھڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگت کے ساتھ جس پر صورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو رہی چڑھتا پا کر کوٹھڑت اور پوچھا بھولا ہے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک ہرن کے ساتھ فٹ بندھا اور جس کے پیچھے دو حصے کے بارے زمین میں دھنسنے جاتے تھے۔ اس رتھ میں جہاز کی سی ہماری اور لمبی لمبی چڑھنے پر گئی ہوئی تھیں اور غباروں میں صورت اور پہچان کو کھینچتے تھے اور اس قدر اثر و اہم تھا کہ زمین لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے اس ڈھیر کے کپڑا سنے کی وجہ سے تھی کہ ایسے دیوتا کی زندگی کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس چہن اور بھاری لوگ کھڑے تھے اور میں نے سنا کہ شاہ ایک سو میں بھاری رتھ پر چڑھتے۔ جگن ناتھ کی صورت ایک کھڑی کاٹھا کاٹا لب ہے جسے چند لوگ دھکے دے رہے ہیں، اُس کا چہرہ کالا رنگا ہوا اور فٹا۔ مہیب ہے اور منڈا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے مبرا ہوا ہے۔ اندر سولے کے ہیں اور پوچھا کہ نہایت سٹک اور نصیب پہناتی ہوئی ہے اور وہ دواں صورتیں ہواں کے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سنہ اور دوسری کا زرد ہے۔ پانچ ہاتھی بھی کے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس میں گنبد دارے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ان ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھونپڑی ہوئی تھیں اور دواں جانب مسمول گھنٹے بھی لگتے تھے۔ میں بھی اس طقس میں جاشمل ہوا بلکہ خاص رتھ کے قریب پہنچ گیا۔ جس کو بہت سے لوگ مشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اس کے پیچھے جو بہت سے تھے اُن میں سے گر جاکے ہی آواز نکلتی تھی۔ چند لمبے رتھ ترک گیا اور پوچھا شروع ہوئی یعنی مندر کے ترے پکا کاٹے رتھ پر چڑھ کر اور صورت کے ساتھ اگر چند خوش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ ہی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب ان گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی ان کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ ان گیتوں کے گانے کے بعد رتھ دواں سا آگے بڑھ کر پھر کھڑا ہو گیا۔ تب ایک دواں جس کی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی۔ سامنے کیا گیا۔ اُس نے اُس بھاری سے بھی بڑھ کر چند قابل شرم گیت اس اُسی سے گانے شروع کئے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑھائے اُس اُنکے سے دیوتا کی تعریف اور شخصیت بڑی دل ربا آواز سے کی اور گیت کے مضافات کو جہانی حرکات یعنی تانے سے بھی داکھا کہ جس سے دیوتا خوش ہو گیا۔ اور لوگوں نے ایک معجزاتی خوشی کا شہ کر کے رتھ کو دواں گانے بڑھا دیا مگر چند لمبے بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اس دیوتا کے ایک ڈبے بھاری نے کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ

بقیہ حادثہ منوگذاشت۔ میں ایک لمبی چٹری لے کر اور اس کو تھوڑے عرصہ تک ناشائستہ طور پر ہلا چلا کر اس کو دھتلائے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جین ناتھ کی پوجا میں ہندوستان کا موٹا ٹکٹا ہوں نقش اور نون ریزی دو باتوں سے مرکب ہے۔ چنانچہ نقش کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خون ریزی کا بیان کیجئے۔ جب راتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جین ناتھ ہی پر اپنی جان قربان کر کے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اس سے چلتے ہوئے راتھ کے پیچوں کے آگے اپنے آپ کو ہاتھ پہلا کر منکے تل زمین پر ڈال دیا اس وقت اڑھام غلائیے سے اس کے لئے جگہ چھوڑ دی اور راتھ کے پیچوں سے وہ کھل کر گر گیا۔ اس حرکت پر جاتریوں کے اڑھام نے صورت کی طرف دھیان کر کے بڑے زور سے جھبے کار کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر اس کے اس منکے کے شعلے اپنی خوشنودی ظاہر کرنے کے لئے کوڑیاں پھینکیں شردے لگیں۔ پھر یہودیوں نے مشعل کو اسی مقام سے صاحبِ موصوف یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ بولناک دھماکہ بھی بدستور جاری ہے۔ چنانچہ کل بھر ایک صورت نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ گردہ راتھ کے پیچے ہوئے سو ہی نہیں پڑی تھی اور حصول کے خلاف ترجیحی پڑ گئی تھی اس دم سے قزاق ہاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں سے اس کی جان نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اس مردوں کی کمر پڑیوں والی جگہ پر سے گذرتا ہوں نے دیکھا کہ اس صورت کی لاش میں بجز ٹہریوں کے اس وقت اور کچھ بانی درہم تھا۔ پھر اس میں مشعل کو لیں کہتے ہیں کہ ابھی راتھ جاترا کے تھائے چھوڑ جاری ہیں۔ لیکن ایسے افعال اور یہ رویوں کو دیکھتے دیکھتے میں اس قدر تنگ آ گیا ہوں کہ اب دل ہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلتے۔ آج صبح کو اس مقام پر جہاں مردوں کو پھینکا جاتا ہے۔ میں نے ایک اور بھی زلیہ دیکھا لیکن واقعہ دیکھا کہ ایک صورت جو زلیہ یا قریب ایک پڑی ہوئی تھی اس کی لاش کو کھینچے اور گدھے چھنے ہوئے تھے۔ اور اس کے دو بچے اس کی لاش کی طرف بسمرت جگ رہے تھے۔ اور جاتری لوگ ہر اس طرف ہو کر جاتے تھے۔ ان بچوں کی حالت پر کوئی بھی زورہ برابر متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے انہوں نے کہا کہ جہاڑی جہاڑی ماں ہے وہی جانا وطن ہے۔ انہوں نے اس جگہ نام کو بھی نہیں ہے۔ اس وقت جاتری لوگ یہاں اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ ان کی تعداد کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ خاص جہولوں پر جس قدر جاتری جمے ہوئے ہیں ان کی تعداد کی نسبت یہاں کے

میں کئی ایک خوبصورت کمبیریں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اس سادہ و سوا اور کسبیاں | چنچہ کے نہایت مختلط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں چنانچہ ان عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پرہیزی قوم کے بٹ پرستوں نے بہت کچھ دولت اور دوسرے دینا چاہا لیکن انہوں نے بائیں صدر قبول نہ کیا کہ ہم نے اپنے تئیں دیوتاؤں اور بہنوں اور ان سادہ صفت پرہیزگئے و صوفی راتے اور مثلاً و بارن کئے مندر کے چاروں طرف بیٹھے ہیں (جس کی واضح کاپیاں میں جلد کروں گا) وقف کیا ہوا ہے۔

ستی کی رسم

ستی کی رسم اور حکام مغلیہ کی پالیسی | ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی ان کی تصدیق بہت سے مسلمان اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر امید ہے کہ میرے ہم وطن اس پُرانہ و کفایت کو سن کر اب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دیں گے۔

لے حتیٰ کہ رسم ہندوستان میں بہت عرصے سے تھی اور چونکہ مورخوں میں باوجودیکہ یہ عورتوں کے نام و نامہ نہیں، فیروز کا ذکر آیا ہے حتیٰ کہ نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اس لئے اگرچہ مورخ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ رسم موثق کے زمانہ سے پہلے جاری ہوئی تھی اور چونکہ بھارت کی تالیف و ترتیب کا زمانہ سنہ قبل مسیح آٹھویں سے ثابت کیا ہے اس لئے موثق کا تقریباً سو برس قبل سن مسیح مرتب ہوا قرار دیتے ہیں۔ بہر حال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اس کے انتشار کی نسبت کچھ کرب نہیں کیا اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اس کی مزامنت کی۔ لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس ملک کی حکومت ممانعت کی تو پورے ملک میں حالات سے متحکم ان کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہ کہ جو صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اس حالت میں ستی ہو جب کہ اس کے رشتہ داروں کی فرشتہ جو یا اگر دکانم ہر فرض زیر ستی نہ جلاتی مانتے۔ ایک دفعہ ڈیویلزنی کے صہ میں اس کے انتشار کے لئے تحریک ہوئی تھی مگر اس وقت وہ ولایت کو جاسے مانے تھے جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا کم گئے کہ اس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہے۔ دس اپریل سنہ ۱۸۱۷ء کو محکمہ نظامت بنگالہ نے اپنا ایک سرکلر اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اعلان بمحرمیت یا منسوخ

ٹٹا جہاں کے راجہ امیری اور عہد انگلیست

جیہ ماشہ مغرور شہ - کے کوئی پرہیزی ہونے نہ پائے اور یہ عہدہ داران امور کی تحقیق کیا کریں کہ یہ وہ خود اپنی مرضی سے مستحق ہوئی ہے اور کوئی اس پر زبرد و ظلم تو نہیں کرتا ؛ کسی نے اسے نشہ پلا کر تو یہ شہ نہیں چڑھا دیا ؛ یا کسی اور طرح سے جھوٹ دھماکا تو نہیں کر دیا ؛ اس کی عمر سولہ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ہے ۔

یہ سرکار اگرچہ ماضی کے لئے تھا کہ فرد کو تو حقیقت میں ایک طرح کی اعازت تھی ۔ اور غرضت یہی ہے ایک عجیب و غریب حکم ہے جاری کیا کہ چٹا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہ فرض تھی کہ یہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے یہ مسئلہ میں اس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زبردست عہدے ساحلہ شروع ہوا کہ کسی کو یہ عہدہ نہ دیا کہ اس کے اعتقاد کا قطعی حکم دلوے ۔ بلکہ بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ اس کا روکنا اور غرضت کے اس بڑے اصول کے خلاف ہے کہ سرکار دہلی کے مذہب اور رسم و عادات میں بڑھ کر وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف نہیں کہیں مزاحم نہ ہوگا ۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائے جمع کر کے صاحبان کورٹ آف ڈائریکٹرز نے مسئلہ میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور کہا کہ ہم کو کمال خوشی ہوئی اگر یہ رسم منیر کی بقدر و نفاذ پیدا ہونے کے موقوف ہو جائے ۔ اس پر لٹڈ ایم ہرسٹ نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ کیا کہ یہی بات ترمیم پائی کہ اس کا انصار تو ضرور چاہیو ۔ لیکن چند کی چند کے اختلاف اور تعصب اور عقل میں ترقی پیدا کر کے اور یہ جواب دلائی کہ کبھی کیا کہ فی الحال یہ رسم قطعی موقوف نہیں ہو سکتی مگر چند کی اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائے گی ۔ مسئلہ میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے کھٹا آیا کہ کس طرح یہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہو سکتی ہے ؟

اس سے لڑو ولیم جی ٹنگ نے جواب بھی گورنر جنرل کو کرتے تھے پھر چنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ کیا اور بہت کر کے آخر کار چودھوی و سمبر مسئلہ کو ایک نہایت مزیدہ جاری کر دیا جس کی رو سے یہ دونوں رسم جیشہ کے واسطے ہندوستان سے دے دیے ہو گئی ۔ اور اگرچہ کلکتہ کے دولت مند بالہوڑی نے بہت اٹھایا اور اخباروں کے صفحہ کے صفحہ کے لئے گزراں گزراں شخص نے ایک پیشگی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جا پہلی مانگ کیا تھا اور میں نے فرقہ

لے ایم ہرسٹ دے تم وادع ش

شہ ولیم جی ٹنگ (بول نے تم پائی شہ)

جو بیانات سنی کی بات کہے گئے ہیں اُن میں بلا ملک مہافض کیا گیا ہے اور آج کل پہلے کی نسبت سنی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ مسلمان ہر اس ملک کے فرماں بردار ہیں اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کر کے جس حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی پالیسی زہرِ مملکت کا یہ ایک جزو ہے کہ چندوں کی مذہبی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُن کی مذہبی رسوم کے بجا لانے میں اُن کو آزادی دیتے ہیں۔ لیکن تاہم سنی کی رسم کو بعض رکاوٹیں پیدا کر کے روک سکتے رہتے ہیں۔ جہاں تک کہ کوئی عورت اپنے صرب کے حاکم کی اجازت کے بغیر سنی نہیں ہو سکتی اور صرب دارمگرز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئے گی۔ صرب دار پر وہ کوہٹ مہافض سے بھگاتا ہے اور بہت سے دھوے دھپے کرتا ہے اور اگر اس کی نہائش اور توجہ پر کارگر نہیں ہوتی تو کہیں ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محل سرا میں بیچے دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر بھگائیں۔ مگر باوجود ان سب امور کے سنی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور محل داروں میں جہاں کوئی مسلمان صرب دار نہیں نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک صوبے کے ماتحت کے بیان سے بھی کہیں نے کچھ غور سنی ہوتے دیکھا ہے جس آپ کی مدد سے سنی سامع فراخی کا سبب نہیں ہوں گا۔ لیکن خیال اُن کے صرف دو تین رجب و راتحت ہی کا بیان کروں گا۔ اور ان میں بھی صرف ایک ہی عورت کے متصل حالات لکھوں گا جس کو سنی ہونے کے متعلق اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا۔

سنی سے روکنے کا قصد | ہندی داس نامی میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خاں کا میر غنی کچہ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مگر گیا اور اسی وقت اس کی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ سنی ہونے کا ارادہ کر لیا اس کے دشتہ دہ میرے آقا کے لڑکے تھے اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس بچے کا شہید مگر گذشتہ پہ ماہ کے شہر باقی ماہ ہم مہینے کے کچھ ہفتہ بعد میں راج سے خارج ہو گیا۔ اور اس رسم کی عروقی کی ٹیک نامی ہر عورت سلطنت انگریزی کی قسمت میں کہیں تھی وہ اس کو بیچنے کے لئے حاصل ہو گئی۔ راجہ نواز راجا ہندو نرائش صاحب پر دہلیس۔

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہدِ بدنگتیب

دلیانگی کی حرکت سے ہار رکھیں چنانچہ انھوں نے اُسے بھلاؤ کو اگرچہ تمھارا یہ قصہ پسندیدہ اور باعثِ عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر آئنِ تمہیں اور بہت ۱۶۷۲ء ہے لیکن قسم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ تمھارے بچے کم عمر ہیں اور اُن کو چھوڑنا نہایت بے رحمی ہے اور تم کو اپنے فرزندوں کی بھلائی کی فکر اس جنت سے جو تم اپنے سوتلی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیے اس پر خوف اور دلیاتی حرکت ہے جب ان کی نگہداشت کو کسی طہریت نہ ملتا تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ چل کر بھلائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیرینہ دوستی تھی اس لئے میں اُس کے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بد صورت ڈھسی عورتیں اور چار باندے کچھ سن اور ضعیف انھیں برہنہ لاش کے اندر گود میں ہیں اور یہ سب عورتیں باری باری بڑے شور و غماں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دولاں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہ عورت لاش کے پانچ بجی تھی اور بال کھلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا گرا آنگھوں میں آئینہ تھا لیکن جب حاضرینِ مجلس کی طرف وہ بھی بہت زور سے چلا کر دینے لگی تو آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی بیٹھی رہی جب یہ دونا بیٹھا فرد ہوا تو میں اُس کینت گروہ کے قریب گیا اور آہنگی اور رسی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمندِ خدا کے حکم سے تمھیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ لاپ تمھارے دولاں بیٹوں کے واسطے دوندہ گردن یعنی پانچ پانچ روپے ماہوار کا دلیفہ جاری رکھے گا بشرطیکہ تم اپنی جان تلف نہ کرو۔ کیونکہ تمھارا اختیار ہوتا تھا کہ بچوں کی خبر گیری اور تربیت کے واسطے ازلیں مزدور ہے اور تم کو خوب معلوم رہے کہ ہم ہر طرف سے تمھارے چٹا پر بیٹھے اور سستی ہو سنے کو روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو تمھیں اس استقلال بات کی جرأت دلاتے ہیں سزا دے سکتے ہیں۔ تمھارے سب عزیز و اقارب تمھاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمھارا زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اس حالت میں تم پر کم ہستی کا الزام اور وہ باندی بھی عاید نہ ہوگی جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہو سکتی ہے جو ابوہریرہ اولاد نہ ہونے کے اپنے انگ کے ساتھ سستی ہو سنے کی جرأت نہ کرے اور میں نے کئی بار اس تقریر کو دہرایا لیکن اُس نے سلطانِ ہواب دویا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ لاکر یوں بولی کہ۔ خیر اگر میں سستی چھوٹے دیاؤں گی تو ہرگز سے سر جو ذکر و معاذوں کی۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں ذرا سوچا اور

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد بدنگتیب

دلیانگی کی حرکت سے ہار رکھیں چنانچہ انھوں نے اُسے بھلاؤ کو اگرچہ تمھارا یہ قصہ پسندیدہ اور باعث عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر آئین تمہیں اور بہت ۱۶۲۷ء ہے لیکن قسم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ تمھارے بچے کم عمر ہیں اور اُن کو چھوڑنا نہایت بے رحمی ہے اہم کم کو اپنے فرشتوں کی بھلائی کی فکر اس جنت سے جو تم اپنے سزائی شومبر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیے اس پر خوف اور دلیاتی حرکت ہے جب ان کی نگہداشت کو کسی طہریت نہ ملتا تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ چل کر بھلائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیرینہ دوستی تھی اس لئے میں اُس کے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بد صورت ڈھسی عورتیں اور چار باندے مٹن اور ضیف اسفل برہمن لاش کے ارد گرد جمع ہیں اور یہ سب عورتیں باری باری بڑے شور و غماں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دولاں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہ عورت لاش کے پانچ بجی تھی اور بال کھلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا گرا آنکھوں میں آنسو نہ تھا لیکن جب حاضرین مجلس کی طرف وہ بھی بہت زور سے چلا کر روتے گی تو آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی بیٹھتی رہی جب یہ رونا بیٹھا فرد ہوا تو میں اُس کینت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خدا کے حکم سے تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ لاپ تمھارے دولاں بیٹوں کے واسطے دوندہ گردن یعنی پانچ پانچ روپے ماہوار کا دلیفہ جاری رکھے گا بشرطیکہ تم اپنی جان تلف نہ کرو۔ کیونکہ تمھارا اختیار ہوتا تھا کہ بچوں کی خبر گیری اور تربیت کے واسطے ازلیں مزدور ہے اور تم کو خوب معلوم رہے کہ ہم ہر طرف سے تمھارے چٹا پر بیٹھے اور سستی ہو سنے کو روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو تمہیں اسناستول بات کی جرأت دلاتے ہیں سزا دے سکتے ہیں۔ تمھارے سب عزیز و اقارب تمھاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمھارا زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اس حالت میں تم پر کم ہستی کا الزام اور وہ باندی بھی عاید نہ ہوگی جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہو سکتی ہے جو ابوہریرہ اولاد نہ ہونے کے اپنے انگ کے ساتھ سستی ہو سنے کی جرأت نہ کرے اور میں نے کئی بار اس تقریر کو دہرایا لیکن اُس نے سلطان ہواب دیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ لاکر یوں بولی کہ۔ خیر اگر میں سستی چھوٹے نہ پاؤں گی تو ہرگز سے سر جو ذکر مرعاجوں گی۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں ذرا سوچا اور

پھر نہایت غصہ سے پکار کر کہا کہ کیا قیرے سر پہ کوئی بھرت پڑا ہے۔ بہت اچھا سنی ہوا۔ لیکن اسے بہت بے رحم پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر ان کو اسی پتھر پر بٹا دے کیونکہ ہم کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو رستہ ہو کر اس دنیا سے چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خان کے پاس جاتا ہوں اور تیرے بڑوں کا وظیفہ سرخ کرتا ہوں۔ میرے اس مستقل طود پر بلند آواز سے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ ٹھپ ہو گئی اور فوراً سر جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تروٹوٹا دیا اور تھیں اور برہنہ بھی دوا زسے کی طرف کھٹک گئے اور یہ دیکھ کر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اس کے رشتہ داروں کے سپرد کر کے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔

خاتم کے وقت جب کہ میں دانشمند خان کے پاس اس حال کی اطلاع کرتے تھے جا رہا تھا راستہ میں اُس کا ایک رشتہ دار طاہر اور بعد ازاں شکر اللہ لاکر اُس کے شوہر کی لاش لے کر اُس کے حوالے گئی اور اُس نے اپنی جان نہیں گزائی۔

ستی کا ایک دوناک واقعہ | اب اُن عورتوں کا حال سننے والی الرائج چل مرنے لگی۔

آئندہ سستی کے کسی اور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور اُس کا اعادہ مہرت اور نعت سے خالی ہے بہر حال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتیٰ الامکان اُس کو بیان کرنا ہوں۔ لیکن جسکو یہ توجہ نہیں ہے کہ ان سستی ہونے والی دلچالی عورتوں کی حرکت اور

لے مشہور و معروف سیاح شیخ الحدیث محمد ابن عبداللہ افغانی معروف ابن بطوطہ۔ جو ۷۵۰ھ میں مغلیہ تعلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جوہلی زبان میں ہے اور جس کی ایک نقل خوش متی سے ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے کہتا ہے کہ جب کبھی سستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی تلمذ میں ہوتا ہے تو اہل سلطان سے اجازت حاصل کی جاتی ہے اور ان کے بعد عورت سستی ہوتی ہے۔ اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا میں ذکر کرتا ہے کہ میں۔ ملک سندھ میں تھا کہ ایک شہر کے قریب دھرم کا نام اُس نے اُبھری گھاٹی قرار دیں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی حکومت نہیں آتے تھے چند سالوں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہزارہوں میں سے جو مسلمان تھانے سے لڑنے کے لئے نکلا تھا اس واقعے

بقیہ حاشیہ منور گوشتہ میں چند ہند و ملے گئے نران میں سے تین کی عورتوں نے سستی برتنے کا
 اذہ کیا جو چند دنوں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت سستی پر جاتی ہے
 و عاوار اور اپنے خاندان کے سے باعث عزت بھی جاتی ہے اور جو سستی نہیں ہوتی وہ سونے جھونے
 کپڑے پہنتی اور بے وقافتگی کی وجہ سے کٹھن والوں کے نزدیک بد نصیب اور ذلیل خیال کی جاتی ہے
 اگرچہ سستی ہوتے پر مجبور نہیں کی جاتی۔ چنانچہ حب انھوں نے اپنا سستی ہونا طعنان لیا تو تین دن
 تک گانے بھلے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دنیا سے رخصت ہوتی ہی اور پھر
 اُدھر کی عورتیں اُن کی ملاقات کرتی رہیں۔ ہر تھے مذکور کی طرح کو خوب ہمارے سنگار کر کے اور عطر پڑھ
 کر گھوڑوں پر سوار ہوتیں اور دائیں ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا بھی کر
 اُٹھاتی اور اُن میں اپنا منہ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے باپ
 یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہہ دینا۔ جس کے جواب میں وہ ہنس کر کہہ دیتی تھیں کہ اچھا! یہ
 اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے سستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کے لئے گیا اور کوئی تین میل چل کر ہم
 ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گنے سایہ کے درخت تھے اور اُن میں چار مٹ پنے
 ہو کے تھے میں میں چھری ایک ایک صورت تھی اور ان مٹوں کے بیچوں بیچ ایک ہٹا اور پتھر لگا
 تھا۔ جس پر دو مٹوں نے ایسا گستاہ کیا ہوا تھا کہ دوسرے نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہ عورتیں حب ان
 مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جا کر اتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پائا تار کھیرات کر دیا
 اور پانی میں فرط لگا کر ایک بغیر بلا مٹ سوتی پکڑ کر سے پاؤں تک اڑھ دیا۔ تالاب کے قریب ہی
 ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلاتی جا رہی تھی جس پر کھڑے کاتے کے لئے تلوں کا تیل ڈالا
 جا رہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی ہار ایک ایندھن کے شے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے اور تریاؤں
 آدمیوں کے پاس بڑی بڑی کڑیاں تھیں۔ اور انھوں کو لکھ بھائے دے لوگ ان عورتوں کے
 خطر کھڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ٹور نہ جائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے
 یہ دوکر رکھا تھا جس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ انھوں میں سے ایک عورت کو میں نے
 دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اس کو لوگوں کے ہاتھ سے جنگ کر کھینچ لیا اور ہنس کر ہلکی کر
 مارا۔ میر سانی آدھیش راتش دس ہی دھنم کہ اور اٹھیں است رہا کہنی ملا۔ جس کے یہ سنی ہیں کہ
 کیا تم مجھ کو آگ سے ڈراتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بھلائے مال آگ ہے۔ پھر اُس نے آگ
 کو سلام کرنے کی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اس میں کو دھری اور مشا اُتارے اور

بے دھڑک جان کھولنے کا بیان میں ٹھیک ٹھیک ادا کر سکوں۔ جو جو کچھ اُس پر اندوہ اور
نورنگا اور جہانگیر رسم میں ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ دیکھے کوئی بھی اُس کو کبھی نہ جانتے گا
جب میں احمد آباد سے رامپان ہو کر آگ جا رہا تھا اور جہانگیر کا ظاہر دو پہر کا تھا کہ ایک
قصبہ میں سایہ تلے ٹھیل ہوا تھا۔ منٹا کہ ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ سستی
ہوا چا چکا ہے۔ پس میں فوراً دوڑا ہوا دال گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بکھر ہوئی
جگہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک ٹٹا گڑھا گڑھا لٹوں سے بھرا ہوا ہے اور اُس پر سروے کی دھڑ
رکھی ہوئی ہے اور اُس پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ بچے ہیں اُس کو ہر طرف سے آگ
لگا رہے ہیں اور پانچ اور ستر عورتیں کھائے ہوئے ہیں اور ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے
چنا کے گروا گروا پھینک رہی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چپتا
جس پر بہت سا لکھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور
زعفران و زعفران چڑھا ہوا تھا آگ لگ گئی۔ مگر میں نے کوئی علامت نہ دیکھ کر وہاں گھبراہٹ کی
اُس میں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُس نے بڑے جتنی لود پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جس کا مطلب
تھا کہ یہ پانچوں دفعت ہے کہ میں اپنے اسی غار کے ساتھ سستی ہوتی ہوں۔ اور اب صرف دو
دفعت اور سستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تنازعہ دالوں کے مسئلہ کے موافق نہ گئی کہ پہنچ جاؤں
گی یعنی چھوڑے اور سرے سے چھوٹ جاؤں گی اور یہ لفظ اُس نے اس طرح سے کہہ کر گویا
اس لفظ و وقت میں کسی اور تار کی روح نے اُس میں طویل کیا ہے۔ لیکن ابھی اس مذہباً
طور پر جان کھولنے کی ضرورت کی ابتدا ہی تھی اور میں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے
دلی عورتیں بجز ایک اور سستی کے کسی خاص مطلب کے لئے نہ ہوں گی۔ مگر جب میں نے یہ دیکھا
کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُس نے بھی اپنے آپ کو
سوکے بل اُس آتش میں گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسرے کے کپڑے جلتے گئے اُن
نے بھی اس وجہ تک حرکت کی تھی کہ اسی طرح باری باری وہ جہنم عورتیں بھی جو
جیہ خاصہ صوفی گزشتہ۔ شکہ اور لیریاں بچنے گئیں۔ میں لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا کہ سنوں
نے اُس پر ڈال دیا۔ پھر لوگوں نے کڑیاں ڈال دیں تاکہ بل نہ سکے اور بٹا خود بخود ہوا۔ اور یہ ساتھ
دیکھ کر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے سامنے بھکون سمجھتا ہے اور پانی سے میرا منہ نہ دھوے
تو قریب تھا کہ میں اپنے گھر سے نہ گرتا۔

ایک دوسری کابل تک پہنچے کمال پے نکری اور آرام سے ناپٹ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر حمل مری۔ تب تو محمد ہر سخت حیرت طاری ہوئی گلاب بمحکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے سستی چنے کے مطلب بھی جلد معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ یہ پانچوں عورتیں لڑکیاں تھیں۔ اہم وجہ فن کی بلانی کا ایک مرض الموت میں مبتلا تھا انہوں نے اس بلانی کی جانب سے اپنے خمر ہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تھارے بعد میں بھی زندہ نہ رہوں گی۔ پس یہ لڑکیاں بھی جوشِ الفت سے اس قدر مغلوب ہوئی کہ انہوں نے بھی اپنا مرنّا نشان لیا اور اُسی آگ میں جل رہی تھیں جس میں اُن کی پیاری بلانی سستی ہوئی تھی۔

سستی ہونے کا اصل سبب انگٹھ کی بمحکو اس بات پر یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے سستی ہونے کا سبب اپنے خاندانوں کے ساتھ شہتِ محبت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلوم ہو گیا کہ اس کمرہ راجہ صرف ایک قسم کے تعصب اور توہم کا اثر ہے۔ جوا کہیں ہی سے لڑکیوں کے دلیں میں طایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک مہیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اُس کی ماں یہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پادشاهی اور تعریف اسی میں ہے کہ اپنے بچے کے ساتھ سستی ہو جائے۔ اور چھی پڑتا عورتوں کا یہی طریق ہے کہ اس معرہ رسم سے ہرگز نہ دمڑیں۔ علاوہ برہمن مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے انکوں کی اطاعت اور تیار واری میں مشغول رہنے کے واسطے جاساتی حاصل ہو۔ اور اس طرح عورتوں کی طرف سے انکوں کو زہر و فیرو دے دینے کا ذریعہ بھی نہیں رہتا۔

اب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک واقعہ کا بیان کرتا ہوں۔

سستی کا حیرت انگیز واقعہ اگرچہ یہ حادثہ میرا چشمِ دید نہیں ہے۔ مگر اس نظر سے انتخاب سستی کا حیرت انگیز واقعہ کیا گیا ہے کہ جس قدر سستی کے واقعات میں نے دیکھے ہیں۔ یہ واقعہ ہلکا اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑا کہ ہے اگرچہ ایسے بہت سے حالات ہیں کہ باوجود دیکھ میں نے خود دیکھے ہیں مگر میں اُن پر افسادِ اعتدال نہیں کرتا۔ لیکن آپ کو یاد رکھیں کہ چاہے کس عکایت کو صرف اس درجہ سے نامستور تصور کریں کہ اُس میں ایک خاص طور کا اثر کسب ہے۔ ہندوستان میں یہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا ہے۔ اور شاید کہ اب تک فرگستان میں بھی پہنچ گیا ہو۔ چنانچہ وہ قصہ ہے کہ ایک عورت کچھ

وقت سے ایک جوان مسلمان و دزدی کے ساتھ بوائے کا ہوا تھا اور طعنے دیکھا یا کرتا تھا ناجائز نگاہ رکھتی تھی اُس نے اپنے شوہر کو زہر دیا اور اُس سے ہاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کر لو اور صحت پٹ کہیں کہ کھل چلو۔ کیونکہ اگر نہ بھی دیر ہوگی تو مجھے یہ سبب دنیا کی دولت کے مجھ پر اپنے مقسم کے ساتھ سستی ہوتا پڑے گا۔ مگر جب اُس جوان نے اس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھ کر انکار کر دیا تو یہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے قہراً اپنے خویش و اقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے سر گیا ہے اور میرا معصوم ارادہ سنی ہوئے کا ہے۔ وہ لوگ اُس کی اس پُرہت ارادہ سے جو باعثِ انتہارِ خاندان تھا بہت خوش ہوئے۔ اور چٹا تیار کر کے لاش کو اُس پر رکھ دیا اور آگ لگا دی۔ جب سب تیار ہی ہو چکی تو وہ چٹا کے گرد اس فرض سے پہرے لگی کہ گلے بل بل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں و رفیق سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طبیبِ اِلاہی بھی کھڑا تھا جو سارندوں کے ساتھ ہولک کی رسم کے موافق سستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بلایا ہوا آیا تھا۔ پس یوں ہی یہ عورت اُس کے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ سبید کا ہو کر آخری رخصت کے بہانہ سے اُس کا کہہ بان اس شدت اور زور سے پکڑا کہ کسی طعنے چھڑا نہ سکا اور دیکھنی کر اپنے ساتھ چٹا میں لے گئی اور اس طرح پر اس جھوٹے عاشق سے اپنا ہول لے لیا۔

سورت کی ایک عورت چٹا پر | سورت سے ایوان کو آتے ہوئے میں نے ایک اور یہی فرنگ بھی یعنی انگلیز اور ڈوہجہ اور شہر چریس کے رہنے والے۔ چارمیں صاحب بھی سوجھو دئے۔ یہ عورت عمر کی ادھیڑ اور داچھی خاصی طرح دلرہی۔ مگر میری زبان میں یہ طاقت کہاں جو اُس کی وہ حیرانوں جیسی برأتِ دلیری اور وہ وحشیانہ جھلک جو اُس وقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھی اور اُس کا وہ بے دھڑک چٹا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دل جمعی کے ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا، استہسان کرنا اور بڑے اطمینان اور خیانت جے پردائی سے چارہی طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رکھ و نکرے آزاد اور آرام و اطمینان کی نہ ختم ہونے والی ضربِ مثل سے بھی جو عورتوں کی جو کچھ سورت پر استمال کی جاتی ہے یہی بات ثابت ہوگی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی مزہ سیتی ہیں تھیں۔ تو یہاں چٹا کے حکم کے بغیر کہہ سکتی ہوں کہ سورت چارمیں - پہلا ڈوہجہ -

حالت میں اس کی وہ بلند بینی اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی گھبراہٹ کو
گھاس پھوس اور تپتی تپتی کھڑکیوں کو اوپر نیچے پھینک کر چا پر بنائی گئی تھی دیکھ سہاں کرنا اور
پھر شوہر کا سر گود میں لے کر اس میں بیٹھا اور ایک مشعل لے کر غواہنے ہاتھ سے اس میں
اندھ کی طرف سے آگ لگاتا۔ اور پھر مذہم کھنے برہنوں کا باہر کی طرف سے اس کو جلا
ٹھیک ٹھیک بیان کر سکوں! حقیقت یہ ہے کہ ذرا اپنے بیان سے اس دردناک واقعہ
کی گھنٹیوں کا سا دل غاکر ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور اس حالت ہی کو کچھ بیان
کر سکتا ہوں۔ جو اس حادثہ کو دیکھنے وقت میرے دل پر گزری اور یہ ہیبت ناگ واقعہ
اب تک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے۔ اور شدت اندہ ہے اگرچہ
چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کی طرح اسے بھلا دوں مگر ہرگز نہیں بھول سکتا۔

جسراستی کرنے کے واقعات | میں نے چند ایسی جو نصیب ہواؤں کی مصیبت بھی
دیکھی ہے جو چٹا کی شکل دیکھتے ہی بھاگے گی تھیں۔

اور اس حالت کو دیکھ کر میرے دل کو بالکل یقین تھا کہ اگر یہ ہے وہ برہنہ سستی ہونے سے
انکار کر دینے کی اعازات میں تو وہ بخوشی تمام اس سے ٹک جاتیں۔ مگر یہ کھنٹ ان خوفناک
اور اہل گرفت عورتوں کو سستی ہو جانے کی خاطر صرف تر نہیں اور بڑھاو سے ہی نہیں دیتے بلکہ
اُن کو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت
اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی۔ اسی طرح میں نے ایک اور بھاری پھینکا
عورت کو دیکھا کہ اس کے اندر جب آگ بھڑکنے لگی تو اس نے محل بھاگنا چاہا۔ مگر ان دیو
سیرت جلاہوں کے لیے لے جانوں کے بارے میں نکل نہ سکی۔

چٹا سے بھاگ نکلنے کی سزا | لیکن یہ عورتیں ان غلیظ برہنوں کی آنکھ سے بچ کر کسی محل ہی
چٹا سے بھاگ نکلنے کی سزا | جاتی ہیں۔ چنانچہ میری ایک صیتی عورت کے پاس اکثر

آمد و رفت رہتی تھی جس سے غاکر دلوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی۔ یہ لوگ جب سنتے
ہیں کہ سستی ہونے والی جوان اور عین عورت ہے اور اس کے گھروالے چنداں نام آہ اور نوب
مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اڑوسی پڑوسی اس کے ساتھ ہوں گے تو وہاں بکثرت
جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو عورت یہ سامان مرگ دیکھ کر ہمت نہ رہتی ہے۔ اور ان لوگوں
کی مدد سے اس میں آتی عورت سے بچی نکلتی ہے تو یہ اُسیدہ ہرگز نہیں کر سکتی کہ اپنی زندگی کے

باقی دن ناروغ اہالی سے کاتے گی یا ہندو لوگ اس کے ساتھ عزت اور محبت سے برتاؤ کریں گے۔ بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے خود کو اس طرح بے عزت کر ڈالا ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ اس طرح انتخابی جہانم اور ملعون ہو جاتی ہے۔ اور عورتاے خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کی اس حرکت نے ہندو و عجم کو لنگ لگا دیا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنے لئے کہیں اور درویش۔ مسافروں کی بدسلوکیاں سستی اور نرہنگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

جب کوئی سستی چٹا ہر جا پہنچے تو کسی مثل کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ اُس کی جان بچائے یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُس کو چناہ دینے کی ہرکھوں اٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرہیزوں نے بعض ہندو گاہوں میں جہاں اُن کا زونڈ یا وہ سختابھست سی بیاتوں کو بچایا ہے۔

ایک کم سن لڑکی میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ ان حرکات کو دیکھ کر فصد کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس عرش سے چاہتا تھا کہ کوئی اختیار ان کھنٹ برہمنوں کے استعمال کا اپنے آمائے۔ چنانچہ لاہور میں میں نے ایک نہایت خوبصورت کم سن بیوہ کو سستی ہوتے دیکھا۔ جس کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔

یہ چلیب لڑکی جب چٹا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُس پر شرفی چھا گئی۔ اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور جھجھک کر روتی تھی۔ لیکن میں برہمنوں کو ایک بڑھا جاتے جس نے اُسے گود میں لے رکھا تھا اور سستی اُسے چٹا پر بٹھا ہی دیا اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اس طرح ہر اُس بچاری مصوم کو جلا کر خاک کر دیا۔ اُس وقت کچھ دن پہنچے کہ فصد کے مارے میل کیا حال تھا۔ اور میں نے کس طرح سے اپنے آپ کو بچا۔ لیکن چونکہ کچھ برس نہ تھا چاروں طرف ہی دل میں کڑتا تھا کہ اپنے غضب یہ لوگ کیسے قابلِ نفرت و جرات ہیں کہ خوار ہیں اور میں نے شاعر کے یہ اشعار جو اُس شخص۔ اگے میں نے لکھے ہیں اُن میں آئینہ کے باب میں کہے تھے۔ جس کو اُس کے باپ نے مانگنا پرقرانی

لے گا تو مرے لڑکے اس خط میں لکھا۔ ایک مومن اور آئینہ لاکر چکر تھوٹ غلب ہاتھ ہیں اس لئے انہی لکھو چنے یا برتاؤ کا اور کتاب جام جم و فخر سے ان کا طبع طبعہ و ذکر اس جگہ کہہ دینا مناسب معلوم ہوا۔

مذہب نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ چنانچہ بھاری مزہبان اٹ پا نا سادھنی انجینیا، کو کس
ہے وہ دی سے ڈاکا کی تران کاہ پر ترانی کر کے کر بھاوا گیا تھا۔ افسوس! یہ مذہب انسان
سے کیجے بہ کام کر دیتا ہے ۛ

بقیہ حاشیہ مندرگوشہ ۛ ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی، مشرق میں حلا والا اور اس کے بعد پھر
کسی نے اس کو تعمیر نہیں کیا۔ شہر انیسویں شہرازمیر سے جو ایضاً نے کو چک میں فی الحال سلطنت کر کے
ڈاکا کے ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے راجہ میں اس امام
ایڈز نوک مشہور ہے۔

ایکے صنن اور انجینیا

مہر نرادی بھیرو شام کے کنارے ایضاً نے کو چک میں ٹرائے ایک نہایت عظیم الشان شہر
تھا جس کے گرد نہایت مضبوط بھاس اور تھوڑی دیوار جس کا محیط چار میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پڑا گھر
مقبوب ہوا، ہم یہاں کام ہوا تو اس نے اپنے دشمنوں کے پاس اپنے بچے پرش بھی کر
ملے کا پیام دے کر بھیجا۔ پیرس نے یہ نا اکت حرکت کی کہ سٹاپا کے راجا سنی اس کی رانی ہیٹ
کو بھگا لیا۔ اس پر لڑائی کے ختم راجاؤں کو نہایت فخر آیا اور اس امر کا جہلنے کو ان کی شفق
نور ہو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی ایک ہزار ایک سو پچاس ہی جہازوں پر چڑھ کر اس سے جہازوں
کے صوبہ پر لڑائی ہے سوار ہوئے اور دھنی اس کا بھائی ایکے صنن ان کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بار دھکا
جو ڈاکا کا اس ماہر بھگاتا تھا۔ ایکے صنن کے ہاتھ سے شکستیں اڑا گیا۔ اور اس کے بعد موافق ہو اورو کوئی
اور ہر نوک جہازوں میں ایک قسم کی دبا سے سرے گئے جس کو اپنی نہایت سے انھوں نے ڈاکا کی جنگلی سے
غریب کیا اور ایکے صنن نے بارہ شکستیں لے کر تھپا کا یہ پراس پت لڑائی کھارہ، جو پھر کیا کہ اپنی بیٹی انجینیا
کو لڑائی پر ترانی چڑھا دیا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ ترانی ہو جائے تو لڑائی سے غرض ہو کر انجینیا
کو صاف کر دیا اور اس کے عوض کوئی اور پنجیب عورت ترانی کی گئی! اور لڑائی اپنے جہاز ٹرائے کی طرف
بڑھا لے گئے اور دوسریں کے حصار کے بعد شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو نکل کر ڈاکا اور شہر کو جلا کر
راکھ کاڑھیر کر دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مشرق قبل از مسد وقت میں آیا تھا انجی س م س

- (۱) گاتھ (۲) ہم ر (۳) انکی اول نوک (۴) مہارے (۵) ہاپ نوک ہی نہ
(۶) پرام (۷) ہے دس (۸) پ ارٹ (۹) مہی ی ای کا
(۱۰) مہی ی ای کا (۱۱) آلہ می (۱۲) ی ای پ ای

شا جہاں کے ایام امیری اور مہار اور نگین

میں نے ابھی پورا ذکر ان کی وحشت اور سنگ دلی کا نہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان
مردہ و درگور کے بعض حصوں میں تو یہ غضب دہاتے ہیں کہ جلا کر سستی کر دینے کے عوض تخت
 کو ادا رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دین برہمن یا ایک اُس کی منڈیاں
 ڈالتے ہیں۔ اور جب دم محل مانتا ہے تو رومی کی نوکریاں ڈال کر پاؤں سے دبا دیتے ہیں۔

ہندوؤں کا اپنے مردوں سے سلوک

داغ دے کر لاش کو دریا میں بہانے کی رسم اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مردوں کو جلا کر
 کھارے ٹوکے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے چلبیں کر ایک اونچے اور سیدھے کنارے سے
 پانی میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس داغ دے کر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے
 کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے اوجھڑے چلیوں اور کوؤں کی ٹکڑیاں کی ٹکڑیاں منڈ لاتی رہتی
 ہیں۔ اور یہ پردے اور دریا کی پھلیاں اور گھر گھر اُس سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

قریب المرگ بیمار کی غرقابی کھارے لے آتے ہیں اور اس کے پاؤں پانی میں رکھ کر
 چدرنگی اُس کو گردن تک ڈوبتے ہیں۔ اور جب بھ لچتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا
 جان ڈھو دیتے ہیں۔ اور اُس کو وہیں چھوڑ کر اور مدھپٹ کر چلے آتے ہیں۔ اس رسم کا میں کو
 میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ دعا ہے کہ اس طرح تمام گناہ جی سے مرنے کی روح اپنی
 جماتی تعلق کے وقت ناپاک پوری تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہ بے معنی خیال عام لوگوں ہی
 پر حصر نہیں بلکہ بڑے بڑے مشہور شخصے کئے شخصوں کو جسے نور شمس سے اس کی تائید
 کرتے سنا ہے۔

ہندو فقیر

گرو یا مہنت ہندوستان کے فقیروں اور رویشوں میں جو بے شمار اور طرح طرح کے
 ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیمے اور اکھاڑے
 ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گرو یا مہنت ہوتا ہے جس کے سامنے اُس کے چلیوں سے
 مہ پڑان لئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دنیا اور عاجزی سے گرد کی اطاعت میں۔ مگر زندگی

بہرہ کریں۔

جو گریوں کی خوفناک زندگی | یہ لوگ ایسے مجیب و محکم سے مرہر کرتے ہیں کہ اگر کسی

کرنے کا خصوصاً میرا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو ہوگی کہلاتے ہیں۔ اور جس کے معنی ہیں
خدا رسیدہ۔ بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں
کے نیچے یا مندروں کے ارد گرد کے سکالوں میں راکھ کا بستر کئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں۔
بعض کی جنیں پنڈلیوں تک نکلتی ہیں۔ اور الجھکر ان میں اس طسرج گرہیں پڑ جاتی ہیں جس
طرح پر کہ ہمارے ملک کے پشی کتوں کے بالوں میں خصوصاً جن کو وہ آثار ہو جس کو پوش
ڈمز کہتے ہیں، پڑی ہوتی ہوتی ہیں۔ بہت سے جوگی ایک یا دو لڑاں ہاتھ اور ہر کو اٹھائے
رکھتے ہیں۔ ناغوں کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھکر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے
داخلن میری ٹھنگلیا کے نصف سے جس سے میں نے اُن کو تاپا تھا زیادہ تھے۔ ان کے بازو ایسے
مختہ اور غیر طبی۔ ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو
مزمین چاروں میں مبتلا رہ کر مڑ جاتے ہیں۔ بروکہ کر نہایت بڑے چلے ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں
اور چھوٹوں کے خشک اور سخت ہو جانے کے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر اُن سے کچھ مزہ
لیں یا مال سکیں۔ اُن فقروں کے پاس ان کے چلے حاضر رہتے ہیں جو ان کو مہاتما بھکران کا
بڑا ادب کرتے ہیں۔ جو گریوں کا ننگا اور کالا جسم لے لے بال تولی اور پتلی بانہیں اور بل کھاتے
ہوتے داخل اور وہ ڈراوئی وضع میں لے بیان کی ہے اس عالم منطی میں اس سے زیادہ
متہرہ شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

نانگے فقیر | میں نے مولانا بعض بعض راجاؤں کے راج میں ان نانگے فقروں کی اکثر ٹولیاں

دیکھی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ڈر گتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ
و جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دھشت تاک پال
یا تو کھیلے کھتے ہیں یا سر کے گرد جنسے ہوئے اور دل دیتے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس
ایک ڈا بھاری سوتا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شہر کی خشک اور نالائتم کمال ڈالی
ہوتی ہوتی ہے۔ اور اس درجہ سے میں نے اُن کو سخت بے حیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے
بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہمانگاہ

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو بچھڑے دیکھ کر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں ان کو کچھ تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں بلکہ عورتیں بڑے افتاد سے ان کو غیرت فاکر دیتی ہیں۔ اور ان کو یہ یقین ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی مقدس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

صوفی سرنڈ کا قصہ | میں عرض تک سرنڈ نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور
 اورنگ زیب کی دھکیوں ہی کو ماتا اور خاس کے وعدوں ہی کو۔ اور آخاسی وجہ سے کہ اس نے
 کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی کر دیا اس کا سرنڈ اگیا ہے

ملہ سرنڈ کا شان کا رہنے والا اور قوم کا بیہوش تھا مگر سلطان ہو گیا تھا اور صاحب علم اور تجارت میں بڑا
 کھڑا ہے کہ جب یہ فقیر تجاہات اپنے وطن ایران سے شہر شہر واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک
 ماہی کے لڑکے پر جس کا نام ابھی چند تھا عاشق ہو گیا اور تمام مال دولت کو بیٹھا اور پورا لگی کی حالت
 ہو گئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال دولت سے ہاتھ اٹھا اسی کے رنگ میں مل گیا۔ اور شاہجہاں کے
 مہر میں دولوں بالاتفاق دہلی میں آئے۔ اس وقت کے اکثر لوگ اس کو بڑا خوار سپہ اور عارف و مہر اور
 صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ وہ لشکر بھی جو فقیر دوست تھا۔ اکثر سرنڈ کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ
 سے اس کے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اس نے شاہجہاں نے مہاراجاں نامی ایک امیر کو
 اس کے قصص مال کے واسطے امر کیا اور اس نے سرنڈ کو کچھ بھال کر بطور عرض حال آکر یہ شعر پڑھا
 سرسہر برہنہ کرامات قسمت است، کشفی کہ ظاہر است از کشف عورت است۔ جب شاہجہاں کو اورنگزیب
 نے تہد کر لیا۔ اور در لشکر گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو بلا شیخ عبدالمقوی کو جو بڑا عالم تھا اور افتاد خاں کا
 خطاب اور پچھ خراسانی کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرنڈ کو کپڑے پہننے کا حکم دے۔ پس سرنڈ طلب ہوا
 اور لٹائے اس سے پوچھا۔ کہ "عزایں چو اسی باقی" سرنڈ نے اس کا یہ طریقہ نہ جواب دیا کہ "فیضان
 قوی است"۔ پس ملائیں اور طلب کی اتفاق رائے سے اس کے قتل کا فریضہ کھلا۔ اور بادشاہ نے
 اس کو شہر کیا۔ کھسا ہے کہ جب ملہا تلوار لے کر سامنے آیا تو سرنڈ نے کہا۔ سر جہا کو از تنم شرمیک
 ہا مار بودہ قصہ کو تہ کروودہ دومر میار بودہ اور مائل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں
 کھسا ہے۔ کہ جب جلا و قتل کرنے لگا تو سرنڈ نے نہایت بے کلمنی اور بے نیکی کی حالت میں اخیر وقت یہ
 شعر پڑھا۔ عزایں تن بود فہارو دوست با آن نیز بہ تلخ از میرا واکرود" سر جہا کو شعر گوئی میں بھی

جوگیوں کی حیات اور ریاضت

بہت سے فقیر یہی تھی تو حیاتِ کر کے ہیں اور اس
موت پر وہ صرف نگے ہی نہیں جوتے بلکہ بڑی
بڑی لڑے کی دیکھوں سے جیسی کہ ہاتھوں کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہوئی ہیں۔ لڑے ہوتے
ہوتے ہیں میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپا کی خاطر سات آٹھ روز
تک بھڑاس کے کرکھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سید سے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بھڑاس کے
کدرات کے وقت چند گھنٹے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں
لیتے اور اس عرصہ میں ان کی پٹھ لہاں سرخ کر ڈالوں کے برابر ہر جاتی ہیں۔ بعض کو میں نے
دیکھا ہے کہ گشتوں ہاتھوں کے بل سر پہنچ اور پاؤں اور ہڈے استقلال سے کھڑے ہوتے ہیں
میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہ چلنے بیٹھنے
اپنے جسم کو بے فائدہ دیکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت اور مشکل
ہیں کہ ہمارے ملک کے نٹ بھی ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ
تمام باتیں تھوٹی اور دھبی داری کے ایک مفروضہ خیال سے کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان
کے کسی حصہ میں بھی ترقی اور ہندو داری سے اپنا سہاہہ نہیں ڈالا۔

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو ان لوگوں کے یہ بے حد توہات دیکھ کر چلا
رہ گیا۔ اور کچھ بھروسہ نہ آتا تھا کہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کروں! بعض اوقات تو مجھے
یہ خیال گذرتا تھا کہ یہ فقیر اگر کھانے قدیم یونان کے اُس پچھلے اور جنم فرق کے جن کا نام
ہے۔ لیکن یہ دینی کلیتہا تھا ہانی نہیں ہیں تو ان کا جینے تو ضرور ہیں۔ لہذا طبع ان میں کچھ

جیہ حاشیہ سفر گذشتہ: اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوانہ ریاضیات پر مہم آسا ہے۔ انہیں دوسری یعنی
عقائد میں جب کہ یہ کتاب ہمارا کی جاری ہے شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ مترجم کا نام محمد جاسد دہلی
کے قریب ہی ہے اور لوگ اس پر اکثر بھول پڑ جاتے اور مغلشی وغیرہ کرتے دیتے ہیں۔ اور مترجم کے
قل کی نسبت اب تک نام گمان یہ ہے کہ محض دانا گنوں کی بدستی اس پہلے کے نقل کا باعث ہوئی
تھی۔ فقط تمام

نہ زبانِ فارسی میں فقط ایک کے سنی کٹ کٹے گئے ہیں۔ اور سب دس طرہ سے ہیں
چونکہ اس قدیم نثر کے حکما کو اپنے اس طرزِ زندگی پر بڑا گھٹن تھا کہ ہم بالہ و دولت اور علوم و فنون اور

اور بحالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پانا۔ یا اگر مجھے ان میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیّت کی بھی دیکھانی دیتی۔ کبھی مجھے یہ خیال گذرتا تھا کہ اگر یہ یگرہا ہیں مگر جس پنے فقیر۔ لیکن آخر کار معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں یہ لوگ تفرقی اور تقدس سے جہاں تک خیال کیا جانے بالکل متحرک ہیں۔ میں نے پھر یہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی ان پر قوی اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو کبھی معلوم ہوتی ہے۔ یا یہ کہ خود پسندی و انسان کے ہر کام میں قوی ہوتی ہے۔ اور جو دلو جانس کی پیش پڑائی گدڑی میں بقیہ حاشیہ متحرک لاشقہ۔ حرکت و مناسبت اور لہو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اس لئے یہ لفظ ان کی طرف سے مذہبی اور عجزانی کے ان کا یہ لقب پڑ گیا تھا۔

س م ج -

میں نے دیو جانس پر ٹھکانا یونان میں مشہور حکیم گودا ہے۔ مذکورہ بالا سے نکتہ ترقی میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اُس کو دیو جانس کہتی ہیں۔ یہ مشہور کارِ انتہا کارِ پتہ والا تھا اور چار تہریں برس قبل از مسیح پیدا ہوا تھا اور چھ لاکھ برس کا ہو کر سنہ قبل از مسیح میں فوت ہوا۔ یہ تاریک اور غما تھا اور موٹے جسم کے کپڑے پہنے اور ایک کڑی کا پھل سر پہ اتھانے ننگے پاؤں پہن کر مارتا تھا اور ہر کھل جاتا کھاتا پیتا اور جہاں جاتا سوتا اور کبھی اس کڑی کے پیسے میں بیج کر آرام لے لیتا تھا؛ کھتا ہے کہ جب سکندر اعظم نے مشہور کارِ انتہا کو قبیح کیا اور اُس کی لطافت کو گیا تو اس وقت یہ سودا تھا۔ سکندر نے شوکر مذکور کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر میں سے نفع نکال کر لے گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ شہروں کا نفع کرنا پادشاہوں کا کام ہے۔ لیکن لات لانا اگر صوں کی خصلت ہے۔ سکندر نے غصہ ہو کر کہا کہ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تمہیں کبھی مجھ سے فرض نہ پڑے گی اور یہ ممکن نہیں ہے اُس نے کہا کہ تمہیں اپنے غلام کے غلام سے کہیں فرض نہ پڑے گی۔ سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا تو کہ چونکہ صوں و شہوت کو میں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو ان کا غلام ہے۔ ایک دفعہ سکندر نے اس سے پوچھا کہ لیکن کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے؟ جواب دیا نیک کام کہنے سے اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو اور لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے۔ کھتا ہے کہ ایک دفعہ سکندر جو اُس کی لطافت کو گیا تو یہ اپنے اُس کڑی کے پیسے پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا۔ سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت نہ فرماتے؟ جواب دیا کہ میں بھی خدمت ہے کہ آپ پیسے ہٹ جاتی اور میری دھوپ نہ رکھیں فقط

انگریز تاریخ القوارخ و جام جم س م ج

ایسی ہی صاف معلوم ہوئی تھی جیسی کہ اخلاط طبع کے نوش خاناہاں میں ان حکام المحبہ کا رویوں کی پر مشیہ و محرک ہو گئی۔

تجلیا کا پھل | میں نے سنا ہے کہ یہ فقیر بڑی بڑی سخت تپجیا اس آئینہ کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہو جائیں گے۔ اور اگر راجہ نہ بھی ہوتے تو ہماری حالت ایسی توحید ہوگی کہ ہم کو ان سے بھی زیادہ انعام و پیش حاصل ہوں گے۔ لیکن یہ کہیں سے اکثر میں کہا کرتا تھا کہ یوں نہ کہ تپجیا کیا جاسکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے بچا جائے۔ حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرہ بالیسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہ زندگی ہے۔ اور جس میں دنیاوی آرام اور خوشی ملنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ خواہ کوئی شخص اور سے پورے کے ساتھ ہی کے قریب کو کہوں نہ پہنچے جاتے اور خواہ اس کی حالت خند و مستی کے دوطرفہ را جاؤں بے سنگ اور جبروت سنگ ہی کے مشابہ کہوں نہ ہو جائے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تو ایسی جلدی

ملے اخلاطوں چار سو برس قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ اور انہی سو برس کا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔ ایسا ہی سے بچہ بیٹا پانچے کہ یہ کیا شخص تھا۔ ابتدائے عمر میں اس کو کشتی اور شعلہ لگتی کاشوق تھا۔ ادھرت ہکا خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اول سقراط سے اور اس کی وفات کے بعد مقرر دیگر میں تحصیل علوم کرتا رہا۔ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیچارے سے برابر احسان اور کرم سے پیش آتا تھا اس نے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکتسابی آئینہ دنیا میں چھوڑ دیں۔ سولہ کے بعد یہ اس بارے میں وفات کیا گیا کہ اس کی ملکیت تھا۔ اور اس کی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ ایک لڑا اور سولہ کا ایک کان کا پیرا تھا جس کو کہیں میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی جاننے والا اور بغیر کسی تندر کے پیدا کرے والا ہے ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے سرخرو ہے۔ اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور ازل میں اس کے وجود کے ساتھ کوئی غلطی وجود نہ تھا اگر چند مثالیں ہیں سے اس کی مراد چند محدود واسطہ چیزیں ہیں جو پہلی ہوئی ہیں اور تمام حصوں اور ذرات میں انہیں کلیات بسیط کی جزئیات ہیں اور اس جہاں میں جو کچھ موجود ہے وہ اس جہاں میں مال و مثال کا تندر ہے اور یہ کہ ہر اشک کے لئے ایسے موثر کاہنا ضروری ہے جو کہ نہ کمال پر اس اثر سے مشابہت رکھتا ہو مطلب یہ کہ عالم مثال یا عالم محرومات عالم کلی ہے اور عالم ادنیٰ یا عالم مرکبات عالم جزا ہے۔ اور جو کچھ اس عالم جزا میں ہے وہ اس عالم کلی کا تندر ہے۔ راغداد و راج الخوار مجسم

قصباتِ فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ باوقارِ حق امتیٰ ہر یاقوتِ مفسدِ بادوں کی گرفت میں ہو۔
جن کو تم ہر شہسوارِ کئی کے ساتھ دنیا سے چھپاتے ہو۔

خدا رسیدہ ہوگی بعض نصیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر شہسوار اور کامل ہوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں اور ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہ نصیر چارے راہروں کی طرح آادوی سے دور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کسی نہیں آتے۔ کوئی ان کو بھوسا لاکر دے کر سے لیتے ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر بھوسا کے بھی یہ مہانتا ساو مو زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاتح کشمیر اور نقس کشمیر کی بدولت یہ خدا کے ہر دوسرے پہنچتے ہیں۔

یہ مقدس ہوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ ان کا یہ اوقاف ہے اور ایک نصیر سے بے رنگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ چارے راہروں کی گشتوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری مفلج ہو جاتے ہیں۔ اور وہ گہل کو خدا کا یہ راجا مل جاتا ہے جو ایک ناقابل البیان مفید اور روشن لڑکی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہم کو دنیا کے الجھڑوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور سرورِ خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابلِ بیاہی نہیں۔ اور میرے ان مقدس خلقت صاحب نے جو مجھے یہ کیفیت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گشتوں ایسی محویت کی حالت میں چلا جاتا ہوں۔

ہر لوگ جو لوگوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسی کو ان لاف و گزاف کے استغراق کے پسے ہوئے میں کلام نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ امر ممکن ہے کہ انسان کامل ہمیشہ کی تنہائی اور فاتح کشمیر کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخلیقات میں پڑ جاتا ہو گا۔ یا ان نصیروں کے یہ استغراق اتنے طبعی بے خودیوں کے مقابلہ ہوں گے۔ جن کی نسبت گاؤں علی کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اس حالت میں ہو جاتا تھا۔

میں نے جو نام لکھ آئی کار بے والا سنیہ میں پیدا ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک شہر حبیب اور بڑی مانی اور وطنی تھا۔ اس حبیب شخص کی سوانح عمری بھی حبیب ہے اس کا پل شہر میلان میں ایک چھانڈی مقدس شخص تھا کہ میرے ہم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت کے کچھ ہی اور اناس میں رہا ہوں۔ مرنے میں کہتے ہیں کہ اپنے آپ کا شری بنانا تھا اور جب وہ محل میں تھا تو اس

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کی اس سلاہ چڑھا تھا کہ نے کئی دفعہ کوٹھیں کیں کہ نہتہاں کچھ ہرگز نہ
خطا اور آخر کار جب خطا تو اس طرح پر کر اُس کی ماں کا پہلو میر کر نکالا گیا۔ روز ہی اٹل سے یہ چپا رہ
ضیف القوی تھا انداس کے علاوہ اس کے باپ کے گھر میں اس کے ساتھ کئی طرح کی چٹوکیاں
بھی ہوتی رہتھ تھیں۔ مگر تحصیلِ ریاضیات میں اس نے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اند اگرچہ بعد اسی
زائس کن گودہ کے مالک دنیا دوستوں میں شامل ہو گیا تھا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد اس نے اُس
کو شرفینی کے طریق کو ترک کر کے بہت ثمن سے علمِ طب اہل علم حاصل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ
اُٹلی کے ایک مشہور معروف درویشی سے اہم سنی۔ کی ڈگری یعنی خطابِ ڈاکٹری حاصل کیا۔ اس
دوسری یہ ایسا مشہور طب تھا کہ اپنے دس کی غیر سہولت میں تعلیم کی جامعہ کو فرو
نظیم دیا کرتا تھا اور آخر اس کے علمِ فضل و طبابت کی شہرت اس قدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے سلا
اند بادشاہوں سے بھی اس کی ملاقاتیں ہوتیں اور کئی جگہ اُسے اپنے طبی علم سے اس کو دس و فیرو
بھی مقرر کیا۔ مگر اس قدر ہی اظہار اس کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار مشہور میاں میر علی
عرض کے باعث کچھ عرصہ تک تہہ بھی رہا اور جب وہاں سے رات کی پانی تر پاپ گری رہی ہیروم کے
پاس چلا گیا۔ جس نے اندازہ قدر دانی اس کو اپنے درستی والا طب کا ایک مہر مقرر کر کے گداز داتا
کے لئے کچھ پیش بھی کر دی۔ اور اس نے تہہ مہر مہر دم ہی میں لبرک اور اپنی کتابِ سماخ مری
کھنے کے بعد مشہور میں تغا کی یہ شخص احکامِ کلام کا اس قدر متفق تھا کہ ایک بار اُس نے ایک
امکاٹ لیش کے ایک مشہور معروف ماہی کو کھ کھت مریض تھا۔ اور جس کو جرمی کے بڑے بڑے
بھی ڈاکٹر وہاں دے چکے تھے اپنے معاملہ سے منور مست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اس
کو بھی خیال تھا کہ چونکہ میں نے اُس کی جنم پڑی کے حساب کو خوب علم کے کرنا چاہ کیا تھا لیکن اس کا
سے یہ ناتجربہ ہوا ہے۔ اس کے شہت اشتہار و کلام کی نسبت اس کے زمانہ کے وہ شہرہ داروں نے ایک
یہ دعا بت بھی کی ہے کہ اُس نے اپنی جنم پڑی کی مدد سے اپنی عمر کی ایک صدی وار دے رکھی تھی۔ لیکن یہ
وہ دمت قرعہ آ یا چونکہ یہ پہلے چکا تھا اور کوئی بیماری و فیروہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا
اس وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ماہی مری جنم پڑی کا حساب غلط ہو جاے۔ اس نے اس قدر مہر کھا مری
شہور کیا کہ آخر جنم پڑی کی بدولت بھی اس کی تعانیف کے دسلے اور کتابیں طبیات۔ ریاضیات
علمِ شہیت۔ نمائندہ احکامِ کلام۔ نصاب و ریاضت۔ تاریخ اخلاق۔ منطق۔ بیچول۔ بشری یعنی علمِ اہست و خاشا
طبیعیات۔ مریضی۔ علمِ اعداد و غیر شری و فیروہ میں ایک سو بائیس ہی۔ اور ان میں طرح طرح کے مسائل

ٹھانہاں کے ایام اسیری اور صدامنگ نیرب

جو گویوں کا گیان دیوان | افسانہ میں کسی کہ کسی کرتب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ جو اس

کو جند ہیج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً
اُن کا بیان ہے کہ بہت دلوں تک کھانا پینا ترک کرنے کے بعد کسی تھلیہ کی جگہ میں نہا
بیٹھا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اس
کے عامل ہو جائیں تو پھر دلوں آنکھوں کو تدریجاً نیچے کیا جاسکے اور اس طرح وہ یہاں
جائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی سچکل اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھائی دینے لگیں۔
اور یہ تصور کا طریق علی الاطلاق اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے جب تک کہ اور عرفانِ مآ
ملیہ کو پہنچ جائے۔ یہ تصور اور مراقبہ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ہندو جو گویوں اور سلسلہ
صوفیوں میں ایک بڑی بھاری مازکی بات ہے اور میں اس کو مازاں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی
باتوں کو آپس ہی میں پرستیدہ رکھتے ہیں۔ اور ایک جندو پندت کی حد کے بغیر میں کو دانشور
نے لکھ رکھا ہے لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا دے سکتا تھا بھکو یہ معلومات ہرگز حاصل
نہ ہوتیں اور ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا۔

ان فقیروں کی صورتیں جو بظاہر وہ لیاقت نظر آتی ہیں۔ اس کا بڑا سبب میرے گناہ ہیں
چہ ہے۔ کہ ریاضات شائستہ اور مرقوں کے برف اور فاقہ کشیاں اور سخت حالتیں ان کو
دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

پھر سے لے کر پ کے وہ فقیروں اور راہبوں کو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وہ دنیا توں میں
ہندو جو گویوں یا دیگر مائیک انڈیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی قوتیت لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ
بقیہ ماشہ مغرکوشہ، ہیں۔ گواس شخص سے مسائل علیہ کے ساتھ اپنے بھائی اور ان کے تالیفات اور پیروں کے
کو ان سبب میں شامل کرنا ہے۔ اور بسبب اس کے کہ وہ سبب طبیعت سے آخر تک یہ سبب کیوں
اور سمجھیں جیلہ نام تھا اس کے مزاج میں تلخی اور تندہی اور انتقام پسندی کی حالت تھی اور اس کی
خصلت اور عرق اس وہ رہا اور انوکھا تھا کہ لوگ اس کو مرنا پاگل اور بلی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ
کو لڑائی سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اس کو بکافین تھا کہ میرے سامنے میرے ایک ہی
میں کہی کہی پہا تھا ہوں حاضر نہیں ہے اور اس کے پٹ سے میں صوبہ جاتا ہوں عالمِ اعدا سے
بات چیت کر لیتا ہوں راغزہ از انسا بیکر پہا پیر انیکا میں ہے۔

طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ازمنہ قبلی و زمانہ سلطوری سے کلا
یعنی یسوعی اور سے روٹ سیار تری کو یہ نظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے دور میں زمانہ بالکل بچہ
معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اس تجربہ کی رو سے جو بچے ہندوستان میں ہوا ہے وہ بات منور
قابل تسلیم ہے کہ فاقہ اور روزہ رکھنے کی جس قدر تکلیف فرنگستان کے سرولکوں میں ہوتی ہے
ہندوستان وغیرہ میں اتنی نہیں معلوم ہوتی۔

شعبہ بازجوگی | اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو ان فقیروں سے جن کا بیان اوپر
ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں۔ مگر میں یہ بھی عجیب لوگ۔ یہ ہمیشہ تمام
لوگ میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا ان
کی زندگی بڑی بے فکر کی بسر ہوتی ہے۔ وہ بڑے نادان سمجھے کا ذمہ کھاتے ہیں۔ عموماً لوگوں
کا یہ خیال ہے کہ یہ مقبول جیسے سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طریقہ سے تیار
کر سکتے ہیں کہ ہر شخص کو ایک دو چادر کے برابر کھانے سے چار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا
ہے۔ اور بعد اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے چبنا چاہے کھائے آسانی سے ہضم ہو جاتا
ہے۔ اور صرف یہی نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے بازجوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور
ان میں قابل کا عرض ہوا جاتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں
کہ مجھے شک ہے کہ آیا یہیں ممکن ہے۔ بھی باوجود اپنی تمام شعبہ بازوں کے ایسے عجیب
کام کر سکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی شخص کے دل کا بھید جلا دیتے ہیں اور گھنٹہ بھر میں درخت
کی ایک شاخ کو زمین میں گاڑ کر آتش میں جتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں۔ اور بازو گھنٹہ
سے کم عرصہ میں انڈے کو بھل میں سے کر کے جالور کی نمائش کی جاتے۔ وہی پیدا کر دیتے
ہیں جو کرسے میں ابھر کر اُڑتے گھٹا ہے اور بہت سے آدمی بے ہی تاشے کرتے ہیں جن
کے بھان کی ضرورت نہیں۔ بچے انہوں سے کہ لوگ جو کہیں ان شعبہ بازوں کی نسبت بیان
کرتے ہیں میں اس کے پیچہ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دے سکتا۔ میرے آقا نے
ان میں سے ایک کو بلایا اور دھوکا دیا کہ اگر تو کل میرے دل کی بات بتلا دے گا تو میں تیرے
روپے تجھے دوں گا۔ اور اس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گناہ نہ ہو میں اس
بات کو ابھی تجربے دھوکا دے گا کہ وہ دن کا اسی وقت میں نے بھی یہ کہا کہ اگر تو میرے

خدا جہاں کے الموم اسیری اور عہدہ گنویں

دل کی بات بتلا دے گا کہیں رو پہ میں بھی نذر کروں گا۔ مگر وہ غیب گو سہر چارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکا۔ ایک مرتبہ پھر میں نے ایک شیعہ باز کو کسی بات پر میں روہنے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی عہدہ دلا دیا۔ یہی رہا۔ اگرچہ میں ان کی ہر بات کی کنہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ میری جہت تھی کہ میں کبھی کوئی ایسا محبوب تماشا نہ دیکھا جو کبھی نہ آسکے۔ اور جب میں کبھی ایسے تماشے کے قریب جا نکلتا تھا جس کو دیکھ کر لوگ تھیرتے تو یہ عموماً میری جہت تھی کہ میں ان سے بہت سے سوال کیا کرتا اور ان کا امتحان کئے جاتا تھا کہ جیسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس میں کیا غریب یا کیا تہہ پھری ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کا قریب پکڑ لیا تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ کٹرا گھسانے کی ترکیب ہے میں اس شخص کا نام بتلا دوں گا جس نے میرے آٹا کا پیہ چسوا یا تھا۔

لیکن بہر حال ایسے فقیر بھی ہیں جو ان فقیروں سے بھی کام
جسین مرت کے سادھو | ذکر کرتے آتے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صورت
معلوم ہوتے ہیں۔ ادا ان کی زندگی کا طریق عبادت بھی اتنا معمول نہیں ہے۔
ہے ایک دھوئی باندھے ہوئے جواں کے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر
اڑھے ہوئے ہر داغ بھل کے پیچھے سے ہو کر باتیں کاندھے پر پڑی رہتی ہے سر پر ہار
گیلیوں اور باناروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اس کے سوا اور کوئی کپڑا ان کے بدن پر
نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہفتہ وسطے ہوتے ہوتے ہیں اور وہ صاف متحیرے معلوم ہوتے
ہیں۔ مٹا رہے ہوتے ہیں۔ کے ساتھ دودھ ہو کر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک چھڑا
ساغر نصرت میں لایا ہوتا ہے۔ جس کے تین پائے اور دودھ سے ہوتے ہیں۔ یہ اور
فقیروں کی طرح دکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں
میں چلے جاتے ہیں جہاں ان کی بڑی آرزو بھگت ہوتی ہے۔ اور ان کے آگے کو گھروالے
امتی برکت کہتے ہیں۔

لے لوگ نہاتے تو نہیں الہ پکڑا کر کے چن کو اس سے ہفتہ صاف کر لیتے ہیں۔ س م م
تہ عرف شاکر نام کہتے ہیں کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن میں لٹے کے پتا ہے جس کے کڑنا پھوٹا
ہوئے تین پائے بھی ہوتے ہیں اس کو ان کی اسطے میں ہکا اور پاتری کہتے ہیں۔ س م م

ان پاک فقیروں اور گمراہی مورتوں میں جو معاملات درج ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام ان کو لگا دے تو اس کا خدا ہی حافظ ہے مگر اس بات کو اس ملک کی رسم خیال کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے تقدس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گمراہی کی مورتوں کے ساتھ ان فقیروں کے جو معاملات رہتے ہیں ان کے بیان پر میں چند ہی چٹیاں زور دیتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں۔ لیکن درحقیقت جو بات مضحکہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ یہ بے ادب چارے پاؤں پر مہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کی خود پسندی اور تصنیف العقلی سے خوب اپنا ہی بہلا لیا کرتا تھا اور ان سے بڑے خلق اور عبادت سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے وہ یوں کہنے لگتے تھے کہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں۔

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون

میں ان فقیروں کا بہت کچھ نوکر کر چکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور علوم کی برہمنوں کا ذکر کرنا چاہیے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جواب ہندوستان کے خاص پندتوں اور غالباً دھرم راز کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی نا آشنا ہوں اور پادریوں کے سنسکرت کی برہمنوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ میرے آقا دانشمند خاں نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے حقوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پندت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ تین سال کے عرصہ میں اس نے اور کئی بڑے تہذیب دان پندتوں سے میری ملاقات کرادی تھی جن کو وہ اپنے ہاتھ لے آیا کرتا تھا۔ جب میں اپنے آقا کو پکارتا اور بارہمے کے علم اشراق کی معلومات دیدہ کا حال سناتے سناتے تھک جاتا اور

میں ہاتھ پرکھتا ایک نظریہ سبب تعلیم یافتہ دردمند پندت
فرانس کا تھا اس نامور محقق نے ہندوؤں پر خلاف عقیدہ مجدد اطہار متفقہ میں کی تھی بات مرواؤں کی

گیئندی اودو سکائٹس کے غلط ہدمس کامیں نے اپنے آقا کے لئے فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور باہج جہ سال تک خصوصیت سے میرا یہی مشغل تھا۔ گفتگو کرتے کرتے قریب عاشق منور گزشتہ ملے کر بلکہ کوفون جاتے سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ عروسی اساتذہ سے صفت کیلوس اول بظہل ایک سفید رطوبت کے ایک جڑی رنگ میں سے ہو کر قلب کے مائیں خانہ میں جا کر مدول بہ خون ہو جاتی ہے !

بقیہ مشرقی ممالک کو دیکھ کر ہم یہ سمجھنے لگے کہ اگرچہ حکیم اپرہیل غلط فہم و فک شریف و واقعہ صبر کنش میں پیدا ہوا۔ اہل انیسویں برس کی عربی کتب پر کافی سہارا دے کر ان کی فکری حاصل کر کے شہرہ آفاق بن گئے۔ لیکن ان کے مدرسہ میں جو اس زمانہ میں اس فن کا بہت شہید مدرس تھا، داخل ہوا۔ اور پڑھے پڑھائے نئی اُستادوں سے تعلیم پا کر جو میں برس کی عمر میں اہم نئی کی فکری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی۔ غلط فہمی یہ شخص انگلستان کے ایک ایسی مدرسہ میں فخریہ اور جرائد کا لیکچرر مقرر ہوا۔ اور یہاں اس نے اپنی تحقیقات کے جو یہ مسئلہ درج ذیل خوف کو تھا ہر کیا۔ اور کئی برس تک اپنے ارد گرد کے اور ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کر کے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا۔ ڈاکٹر بارڈے اپنی بیاناتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا عجیب مقرر رہا اور اس کے بعد بادشاہ چارلس اول نے کہا کہ بہت قابل افتخار رہا۔ اور جب کہ اس کی فہمیت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی پھر ہی جو غلط فہمی اس کی عربی مرض ناجی سے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دو اہل محققین کے ان نئے مسائل خصوصاً بارڈے کے مسئلہ عدان طرف سے غلطی میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا مباحثہ قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے۔ راجہ اراہن سائیکلو پیڈیا

برٹانیا - ص ۱۱۷

یہ دوس کارٹس میں کوئی کارٹس روکتے ہی مشاعرے لکھتے تھے۔ بعض غزلوں میں پورا ہوا قصائد مشتمل ہوں۔ مرا۔ یہ پہلے شخص تھا جس نے علم مناظرہ مراہ کے مسائل کو دلائل سے ثابت کیا۔ اور خواص تھا جس کی کتاب پر کثیر تر بیتا حاصل کئے اور اپنے شعروں میں نظریات کی وجہ سے محدود علم غلطی سے پیدا ہوا تھا۔ انھوں نے اس نے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شخص کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کو باطل و بطل نہ مددک ہوتے کے ہے اور مددک ہونا

تنگ ہو جاتا تھا تو اس وقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ اس پنڈت ہی۔ اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنا دیے۔ چنانچہ وہ نہایت ہی جھنجھوٹے کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اٹھائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخر کار ہم اس کی کہانوں اور پکا ناولوں سے بیزار ہو گئے

چار شاستر | ہندوؤں کا یہ ادا ہے کہ خدا سے ہیں کہ وہ اپنی فیضی طور پر حرکت کرتے ہیں ہمارے واسطے چار پتے کیسے ہیں وید ایک لفظ ہے جس کے معنی علم

قیہ حاشیہ مندرگذاشتہ صاحب اوراک کے وجود کی دلیل ہے پس جہاں یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم نہ ہیں۔ ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اس کو زبان پر لاتے ہیں یا اس کے تصور کو دل میں نگہ دیں ہر حال میں اس کی صحت پر ہم کو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہم کو دھڑلہ اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذہن اوراک ہونے کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے وجود میں ایک ایسی فیروسی شے ہوتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے فزادہ ہے تو اس کے لئے کسی علت کا ہر نامزد کیا ہے۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے۔ اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا اس لئے ہم ہر ایک اور ناقص وجود ہی اس کی علت نہیں ہو سکتے اور اس لئے مزد ہے کہ ہمارے سوا اس کی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہمیں کی خلقت اور کمال اور قدرت کے شعلوں سے معلول ہیں خبر دیتا ہے کہ یہ وہ ذی وجود ہمیں ہے اپنے اس معلول کے تولید ہمارے نفس پر پڑتا ایک لفظی نقش کر دیتا ہے۔ مگر اس لفظ سے خود اس علت کا وجود مرد نہیں ہے پس جہاں ہوتا ہم کو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔

ن۔ م۔ م۔

لفظ مترجم انگریزی ہے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق فاضل ظلی سے لفظ ابقہ کو جس کے معنی خدا کے ہیں اچھا سمجھا ہے۔ اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں توہین کے اندر اس کے معنی فیروہ حرکت کے لکھے ہیں۔ کیونکہ صنف کی تحریر میں ہر صنف ہی اچھی حرف شیعہ قریش کے لفظ کے لئے متصل ہوئے ہیں ان کا اکثر یہ لفظ زبان انگریزی میں حرف ہے یعنی جہم ناری کا ہے۔ م۔ م۔ م۔

م۔ م۔ م۔ میں طرے برجا کی مکرر شاہدہ انتہا برسی سے کیا جاتا ہے اسی طریقے بیدوں کی منبت اہل ہند کا یہ ادا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر رہے کے معنوں سے بڑی جہاں ہیں کے ہند کی تالیف کا زان چودھویں صدی قبل از مسیح قرار دیا ہے اور ان کی اس رائے کا بھی ہونا نہایت دور کی کے ساتھ ایک مقام سے جس کو مراثی و مراثی لڑک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے

شاہجہاں کے ام اسیری اور عہد شکنی

کے ہیں، چنانچہ اُن کا قول ہے کہ جیسا سب علوم ہیں ان میں وہ ۲۰ نام اتم ترین ہوئے ہیں۔
دوسرے کا پتھر تیز، تیسرے کا رنگ تہید، چھٹے کا سام ہو۔

چار بہمن | اقل برہمن یعنی حاکمین شریعت دوسرے چھتری یعنی جنگجو، تیسرے وحشی
یعنی سوداگر اور دوکان دار ہیں کو عرف عام میں بلیا ہوتے ہیں۔ چوتھے ثور یعنی دست کار
اور مزدور۔ اور ان مختلف قوموں کو آپس میں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن
کی چھتری کے ان شادی نہیں ہو سکتی۔ مگر خدا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تینا سح ارواح کا عقیدہ | ہندو لوگ تینا سح ارواح یعنی آما گن کے مسئلہ کے قائل ہیں
اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔

مگر چھتری اس سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ وہ کائے اور مور کا گوشت نہ کھائیں۔ کیونکہ ہندو
ان دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً کائے کا اس خیال سے کہ اس کی دم پکڑ کر
بھی اس کو دیا یعنی بے تحاشی سے پار ہو سکتے ہیں اور دنیا اور آخرت کے ابھیں قائل ہے۔

مکھی ہے کہ جن لوگوں نے پڑائے و تھنوں میں ایسے قانون بنائے تھے انھوں نے مقرر
کئے چرما ہوں کو اسی طرح انہیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دم پکڑے ہوئے اور اُن کے
پانچنے کے لئے دانتیں ہاتھ میں لائیں انہیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے دریا کے نیل سے پار ہونے دیکھا ہوگا
یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ تھا اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے

اور وہ وہ اور گھسی ہو اُن کی اہم تھا ہے اسی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ بیل زراعت کا بڑا
بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے بیل اُن کی زندگی کے محافظ ہیں یہ بات
بھی قائل ہیں کہ چرما گھسی کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی

تنبیہ حاشیہ مندرگذاشتہ چنانچہ اس کی تشریح وہاں کی گئی ہے کہ ہر مہینے میں علم حیات کا ایک ایک
رسالہ اس فرض سے لگا ہوا ہے کہ چترے کی تر چھب معلوم ہوا اور اس سے نر افس منبیس کے اوقات
دریافت ہو جاوے گا۔ پس وہ مریخ اور عطارد میں چتر افسوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قائم کی ہے یہ
ہے کہ جو مقام اس سلطان اور اس مہی کا اس سال میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چتر مہی
قبل از سہ سال اس دوران اسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ یہ دونوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی
تھی۔ (انور از تاریخ ہند عارفہ افغنی صاحب) ص ۵۷۔

پالتا بھی مشکل ہے کیونکہ سال میں آٹھ چھ گری ایسی صحت ختی ہے اور زمیں ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سڑوں کی طرح تمام قسم کے خن و خاشاک اور سناختیں چرہاتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرائض اور اٹھتات کی طرح گوشت کھایا جائے تو تمام جانور کبیر ختم ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہ جائے۔

گاوہ کشی کی ممانعت کا حکم | چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے ہمایاگیر نے برہمنوں کو دی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ انھوں نے ایک ایسی ہی مرضی اور نگ زریب کو بھی دی تھی اور اس کی شعبدہ کی خاطر بہت سائنسدان دنیا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو ملک کے بہت سے حصے ایران اور بے کار رہے اس کی وجہ یہی تھی کہ بیل کم اور گراں قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اچاروں کو جنوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہ افسوس ہوگی کہ گوشت کھانے کی ممانعت کر دینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوا اور جب ان کو نقصان پہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپس میں بھی بے رحمی کے مرتکب نہ ہوں گے تنازع کا مسئلہ بھی جانوروں کے ساتھ ٹیک برتاؤ کر کے کامیاب ہو گیا۔ کہ ان کو یہ چین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھا لینا۔ اپنے باپ دادا کو مار ڈالنے کے برابر ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بھڑ جاڑ سے کی ضرورت کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا۔

ترکال سندھیا اور اشنان | ہمدردی کے ہر چند و کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ منجھوٹا اور شام کو مشرق کی طرف منکر کے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو مزدور ہی نہانا چاہیے اور ٹھیکے ہوتے پانی کی نسبت بچت پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے۔ یہاں غالباً سپراسی بات کا محالہ کیا گیا ہو گا جس کا ہندوستان میں گرم دھوپ کی کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ازلیں فائدہ مند اور مزدوری تھا کہ جو لوگ سرود لایت میں رہتے ہیں یہ قانون ان کے مناسب حال نہیں ہے۔ اور میں نے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں

کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے کھاتے اور اگر یہ منہرہ ہو تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ٹول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات می لے آئی کے مذہب پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں پاکیزہ ایسا قانون ہے جس پر سردی کے موسم میں سردیوں میں مل کر نا ممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سے میرے ہی میں صاف یہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانِ ایجاب ہے انہوں نے یہ منکرِ غیرِ جواب دیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون سرگرم بنا جاسکتا ہے بلکہ خدا سے یہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر محض کو اپنے مذہب میں نہیں لا سکتے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے یہ تمہاری طاقتوں اور عاجزوں کے مناسب ہو گا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ میں نے ان کو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی جتا ہے۔ اور تمہارا مذہب محض ایک تعدد اور پیروہ بناوٹ ہے۔

دیوتاؤں کی پیدائش اور صفات | تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُس نے یہ تین دیوتا پیدا کئے۔ برہما۔ لشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رہنے والے ہیں۔ لشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا برہما کے ذریعہ سے اُس نے دنیا کو پیدا کیا۔ لشن کے وسیلہ سے وہ اُس کو قائم رکھتا ہے، اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اس کو نیست و نابود کرے گا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار ہیروں کو دھرم عطا کیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی صورت پر کسی ہوتی ہے، سمیری لنگھو ان پورہ میں پادریوں سے بھی ہوتی جن کو گمان تھا کہ **ہیرو اور مسئلہ تشلیٹ** | ہندو بھی اُن اسرار سے جو تشلیٹ کے مسئلہ میں ہیں کچھ نہ کچھ آگاہ ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندو میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ تین دھرم اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

دیوتاؤں کی حقیقت | یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی نسبت میں نے ہندوؤں کو نہایت طوائف بحث کرتے سنا ہے۔ لیکن اُن کا بیان ایسا اچھا ہوا ہوتا ہے کہ ان کی رائے صاف طور پر سمیری لکھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے

کہتے ہیں کہ تین درود و جن کا ذکر ہے غیبت میں نہیں مستقل درود ہیں۔ جن کو وہ دیوتا کہتے ہیں۔ گردہ یہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ فقط دیوتا سے اُن کی اس جگہ کیا مراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم ہندو پرست مینائی اور یوئینا دو نام لیا کرتے تھے اور میری رائے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُن کی مراد ان الفاظ سے کیا ہے ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہ دیوتا ہنزلہ اُس جینائی اور یوئینا کے ہوں گے۔ بعض نہایت ذی علم چنڈالوں نے گفتگو کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہ تین درود ایک ہی خدا سے مراد ہے جو تین مختلف صنوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا پالنے والا۔ اور نالہ بد کرنے والا۔ لیکن اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ خدا بہ لحاظ ان تین صنوں سے ملحدہ صنوں کے کسی قسم کے مہاشہاد و دھوؤں کا اپنے وجود میں جانتا ہے۔

فائدہ: آئے ہر اگر وہ میں ایک جرمن جیوٹ مشنری تھے اور منسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوختیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ سرے دیوتا یعنی لٹن نے لازماً تہ اوتار لیا ہے۔ یعنی مجسم ہو کر دنیا میں ظہور کیا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ جب میں مشیر دوم کو واپس جانا ہاں شہزاد میں ٹھہرا وہاں کار میلٹاٹ فرقہ کے ایک پادری نے بڑی عمدگی سے اس بات کی توضیح کی کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔ ہندو کہتے ہیں اس وجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن سے لوگوں کو بچنا نہ دلیا۔ جس میں سے آئندہ میں دند کا اوتار لینا بہت مشہور ہے۔ کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا بچھڑنے کی طاقت سے منلوپ ہو گئی تو لٹن نے آدمی رات کے وقت کھاری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر اوتار لیا اور دنیا کو نجات دی۔ اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوئی رہی اور فرشتے گاتے رہے۔ یہ بات کسی قدر مینائی خاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھ کر یہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اوتار نے ایک ویت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اڑ گیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُس نے آفتاب کو ڈھاگ لیا۔ اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کا پنہ لگی اور وہ اپنے ہی لمحہ سے اس قدر تھیں میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا۔ اس قوی الجشہ ویت کے ساتھ لڑتے لڑتے لٹن ہی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے۔ لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ بھر اُٹھے

شاہجہاں کے امام امیری اور مہاراجہ

اور دنیا کو اس بارے میں ذکر آسان پر چلے گئے۔ اور چونکہ ان کے پہلو میں زخم آگیا تھا اس لئے وہ عموماً زخمی پہلو ڈالنے کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو یہ بھی کہتے ہیں مگر میرے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں کے غلم سے بچانے کے واسطے دسواں اٹا اور ہرگا۔ اور ہم عیسائی لوگوں کے اعزاز کے بموجب یہ اُس دمت پر گلاب کر دیا تھا اور کرسے ۲۔ ہندو کہتے ہیں کہ مہادھ بھی دیا میں آئے ہیں۔ اور اُن کی نسبت یہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی شکی جب سی طرح کو پہنچی تو اُس کے باپ نے نو بھائی کو تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور جب اُس نے یہ جواب دیا کہ میں کبھی دیوتا کے اور کسی سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ تو مہادھ آگ کا روپ دھار کر راجہ کے سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پر مسرت رات کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کر لے پھر اُسی پر گئی۔ اور مہادھ اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں لائے گئے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ راجہ کے خیمہ کی راتے شادی کی نسبت نہیں ہے تو اُنھوں نے اول اُن کی ڈالیاں جلا دیں اور پھر اُن سب کو مہاراجہ کے خاندان کے جلا کر جسم کر دیا اور اس کے بعد رات کنیا سے شادی کر لی بعض ہی کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا دار شیر کا دوسرا شیر کا تیسرا بکھرے کا چرٹھا سانپ کا۔ چارٹھا مرغ ایک اٹھ بھر کی بونی۔ برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدھے ۲۔ ساتواں بچہ کا۔ آٹھواں بڑا بچہ بیان ہو چکا ہے۔ نویں بغیر دم کے جند کا اور دسواں لوتا ایک بڑے۔ مہادھ کا چرٹھا

لے اگرچہ ہم نے اپنے بعض دوست پندروں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ یقین پرانی کی میں کتا سے ڈاکٹر ملنے آؤ گئے یہ مضمون لیا ہے اس سے موازہ کر کے اس کی صفحہ اور تفسیر کی جاتے۔ نعرہ شاہیں سنہیر کے نام کے سلسلے میں ہیں کا وہ لقب بھی کر کے کھا جاتے جس کے معنی اُس کتا کے لہجے سے زخمی پہلو والے کے ہوں۔ مگر اطمینان کے قائل کوئی بات حاصل نہ ہوئی اور ایسا معلوم ہو تا ہے کہ میں طرے غیر لکت کے لک بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی کہ غلط سمجھ ہو گیا ہے اور سر کی کوشش میں بعض کے انداز سے کہ تو اُن کی راجت و فیرو کی کتا اور کبھی کی کتا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہے کہ جس سے کتا اصل کتا کے ساتھ یہ بیان مطابقت نہیں ہوتا۔ (دس م ۱)

یہ مضمون نے پانچویں حصے کے قول کے موافق ادنیٰ کی بات ہے مضمون کھا ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں جس میں کم پندروں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ شیر کا انداز کوئی نہیں ہوا۔ دوم یہ

مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادرود کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت ہوں سے حاصل ہوئی تھی اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا۔ بے شک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے۔

مذہب ہندو پر تھوڑے سے تحریریں | کچھ عرصہ پہلے میں نے مذہب ہندو کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی صورتوں کی تصویریں موسسکرت کے حرفوں کے اپنے اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں نے دیکھا کہ میری کتاب کا جو کچھ لاپ تھا وہ فادرود کو کر کے کتاب سنی ہو چکا تھا ایسٹرنڈیا میں موجود ہے۔ اور فادرود کو کر کے فادرود کا سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک مستندہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے میں آپ کو فادرود موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ان اس جگہ یہ بتانا ضرور سمجھتا ہوں کہ لفظ انکار نہیں یعنی ظہور بانی بحیثیت اولاد جس کو اُس کو محترم فادرود سے استعمال کیا ہے بھٹکونا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے میں نے اس لفظ کو ٹھیک ان معنوں میں بولے جاتے سمجھی نہیں سنا تھا۔

اوتار اور ولوتا کا مفہوم | بعض ہندوؤں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں ان میں خدا ظہور فرماتا رہا ہے۔ اور متعدد بالا عجائبات اُس نے انہیں صورتوں میں پورے کئے ہیں۔

بعض ہندوؤں کا یہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامہ مصدا اور ہمارے دوروں کی رو میں بقیہ حاشیہ منور گزشتہ کہ بولے رہیں کا اوتار ہوا ہے بولی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری دہاتے بیان کیا ہے۔ مہم کہ بلیروم کے چند کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں کافی شریہ دلیل کے ساتھ درج ہے۔ ہندو شاہزادوں کے موافق اوتار مہم کے ہیں۔ اول ہندو اوتار مہم آتش اوتار۔ پورے اوتار وہ ہیں جو عظیم اکمال ذات الہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور آتش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات پاری نے من و مہ نہیں کیا ہے۔ اگرچہ اوتاروں کا شمار چوبیس تک بھی آتے ہیں مگر خیلہ ان کے دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق آتے جاتے ہیں اول ہندو مہم کو رستم یا کچھ سورہم یا چہارم در سنہ گنیم یا شش سورہم اور ششم ہر شش رستم ساتواں رستم یعنی راجہ ہندی مہا راجہ آٹھویں مشرقی کو رستم مہا راجہ۔ نہم رستم۔ دسواں کلکی میں کا اب تک ظہور نہیں ہوا۔

جن کو ہم فرنگستان واسے ہیرو کہتے ہیں ان مختلف جموں میں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے آئی رہی ہیں اور وہ ہی دیتا ہو گئے ہیں۔ یا اگر قدیم مہتمم پرستوں کی اُن اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جائے تو وہ طاقتور دلہانہ سنیہا۔ جینائی۔ پرتھوی۔ خوار۔ یہ کہہ کر سچاٹ اور فیرتی بن گئے۔ کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بھڑا لفظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کر سکتا۔

لیکن ہندوؤں کے اس اعتقاد کے پیش نظر کہ ہماری رو میں ذات الہی کی تصور آتما

جود ہیں تو یہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی میں جاتے ہیں۔ بعض پنڈتوں نے یہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا ماحضوں کا ہماری پرتھوی میں ذکر ہے ان کے معنی پوشیدہ ہیں اور ان سے یہ فرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہیں۔ نہ یہ کہ ان کے فطری معنی لئے جانیں۔

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہ کہا کہ ان اوتاروں کے تصور سے زیادہ لغو اور کوئی تفسیر نہیں ہے اور اُن اچارچوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں ان کو صرف اس فرض سے ایجاب دکر لیا تھا کہ لوگ کسی مذہبی قسم کے مذہب کے پابند ہیں۔

آتما اور پریم آتما ہندوؤں کا عموماً یہ عقیدہ ہے کہ ہماری رو میں ذات الہی کے ہندوؤں اور باوجود اس کے اس منطقی برہمن کو نہیں سمجھتے ہی کہ درحالیہ کہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور گفت اور کرک اور شرک کو مانتے ہیں۔ اور مذہب ہے کہ باوجود ایسے قوی اعتراض کے بھی پنڈت لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور اصلیت میں ہرگز کسی طرح کی مباحث لازم نہیں آتی۔ بلکہ اُن کی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروری ہے۔

ہندی لار صاحب اور ابراہام رابر صاحب کا آتما ہی معنوں میں علوم و فنون پر کتابیں جتنا کہ ناورد کرکے اور ناورد رفا کا کیونکہ میں نے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقائق جمع کئے تھے مگر بعد ازاں اس صاحبوں کی کھمی ہر آن کتابوں میں دیکھا کہ انہوں نے حقائق و حالات مذکورہ کو نہایت عمدہ نظم و ترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر

بڑی مشقت اور جانکاهی کے میں اُس غریبی سے نہیں مگھ سکتا۔ اس لئے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کے متعلق باکسی نظم و ترتیب کے سیدھے انداز میں مختصراً لکھتا ہوں۔

ہندوؤں کا دارالعلم شہر بنارس | شہر بنارس جو دریاؤں گنگا کے کنارے ایک خواہریت موقعد پر اور ایک بڑے خوش نما اور نہایت زور فخر

لے مترجم انگریزی کے کرنل جارج فاسٹر صاحب نامی ایک انگریز سیاح کی تقریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو دلچسپ محکم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں۔
 قزلہ شہر بنارس اپنی دولت مندی اور مالی شان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بافضل ہندوؤں کے تہذیبی باقی ہیں اول درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس مشہور ہندوؤں کے بے شمار دیوتاؤں کے پستھار مندروں اور یہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم و فنون کو گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستے سے اس شہر کو آتا ہے تو اس کو آٹھ میل کے فاصلے سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں۔ جس کو اورنگ زرب نے مہادیو کے ایک قدی مہدیکہ بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا۔ ہندوؤں کی ایسی متحرک جگہ پر ایسی ایشان و حرکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی ہندی کی روح سے بڑھ چکا ہے اپنے نظیر اور نمونہ کی تیار رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زرب کے دل میں بے جا خواہش ہو رہی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کرے۔ اگر فی الواقع اُس کی بھی خواہش تھی تو وہ عینت میں کام لے۔
 ہر کامیاب ہوا! ان میناروں پر سے تمام شہر کوئی نظر آتا ہے جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طرفۃً شمالی میل اور سمتاً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ اکثر مکانات اس شہر میں چمر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھ منزل اور کوئی سات منزل کا ہے۔ یہ چمر جو اس نواز میں کثرت و تنوع پاتا ہے۔ اس قسم کا ہے ہر فرنگستان میں پرنسپل ٹیٹل کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے اُگی کوپے میں ہی یہ اونچی اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چلی سکتیں۔ علاوہ اُن سفر میں کے جو ان مکانات کے بڑے بڑے تنگ ہیں سے ہوائیں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہ بہا رہا تھا ہے ناقابل برداشت بر آتی ہے اور یہی پانی مدد اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوائج مزوریہ کے لئے غرض ہے۔ اس کے علاوہ کوئی گڑبڑ شہر میں پنے گھروں سے نکال کر گلیوں اور سڑکیوں پر ڈال دیتے ہیں اُسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں سترہویں بہت ہی کم ہے۔ اور یہ ایک اور دھرم ہے جو دوسری صفوں میں شامل ہر حرکت پر کامیاب ہی جاتا ہے۔
 و شہر اپنی مودہ مودہ عمارت کے سبب سے اُن تمام شہر کے شہروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جن کے

ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دارالعلم خیال کرنا چاہیے۔ اور یہ ہندوستان میں اسی مرتبہ کی جگہ ہے جیسا کہ پورا نندوں کے لئے مشہور اچھنتر تھا۔

بنارس کے پنڈت | یہاں ہمیں اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں چاروی پوئیہ سنیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ کے کتبوں کی سی حالت ہے۔ استاد یعنی پنڈت ٹھہر کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کے لئے بڑے بڑے ساہوکاروں نے ان کو سہولت دے رکھی ہے رہتے ہیں۔ بعض کے پاس چارشاگرد ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس چوباسات۔ اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اس کے پاس بڑے بڑے شاگرد گراہ سے بڑے بڑے تعداد نہیں ہوتی۔ یہ ایک معمول ہے کہ یہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اپنے استادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں ان کی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ مومنا ہندوؤں کی طبیعت زیادہ تر ان کی نفا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کابل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں ذوق مسابقت کا ہوش و فہرہ ہی ہوتا ہے اور نہ یہ امید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اعزاز سے کچھ زیادہ کمال حاصل کریں گے تو کوئی بار آور ہشیہ اور اعزاز یعنی خطاب نصیبت حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ معمولی اور سست طریقہ پر اپنی تحصیل کو جاری رکھتے ہیں اور اپنا دم طالب علمی میں انھیں کمانے کو صرف کمپڑی ملتی ہے۔ جو بعض دولت مند ساہوکاروں کی طرف سے ان کے لئے تیار ہوا کرتی ہے۔

سنسکرت اور اس کی قدامت | سب سے اول سنسکرت سکھائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جس کو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں۔ اور اس بلوکی سے جو آج کل ہندوستان میں بلوکی جاتی ہے بالکل مختلف ہے۔ فائدہ کرنا کہنے ہوا ایک الف بے تے چھوٹا کر مشہور کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں۔ اور ان کو یہ حروف فائدہ روگے حاصل ہوتے تھے۔ لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا بھنجی ہوئی زبان کے ہیں۔ اور چونکہ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ خدا اپنے چار بیٹوں کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اس لئے یہی حاشیہ مقرر گزشتہ دیکھئے کہ بچے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے۔ بشرطیکہ اس کی گلیاں ایسی ہے فائدہ روگے تنگ اور عذر تیسرا ایسا گنجان ہوتا ہے جس میں سے مارات شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کھو دیا ہے۔ سام ۷

وہ اس کو دیو بھاشینی زبان مقدس زبان الہی کہتے ہیں۔ اُن کا قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود رہا اور ہر جا کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی ذہنی کتابیں جو حقیقت میں نہایت چمکانی ہیں اسی زبان میں ہیں اس لئے اس کے غایت درجہ قدیم ہونے کو ماننا ناممکن ہے۔ سنسکرت میں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور ان کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کوہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پہلوان اور بید | اور میں اسے مشکل اس وجہ سے کہتا ہوں کہ اس کی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو عمر پڑاؤں کو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار دیتا ہے۔ یہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضحاکت کی ہوتی ہیں اور یہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو یاد ہو بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندوؤں کو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مہاراشٹروں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر ہوا ہے جلا دی جاتیں۔

لے لکڑ ہوا ہے کہنا بھی نہیں ہے مولف کتاب آئینہ تاریخ ناہوراز حال کے قابل لوگوں میں سے ہیں۔ ایک بہت باخبر ہندو مصنف ہے اور میں کا طرز تقریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعبدانہ ہے اور میں نے اُن کے عجیب و غریب کراچی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اس کو بھی اس قسم کی طرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب نزول فیروز شاہی کے حوالہ سے وہ کہتا ہے کہ کچھ ہندوؤں نے مل کر مرفوع کو باد میں مت غلط بنا دیا تھا۔ پس میں نے دینی فیروز شاہ قلعہ لے لیا حکم دیا کہ ان کی پوتھیاں اور تمام بیت اور دھجکے برحق سب آگ میں جگہ جگہ میں جائیں۔ مگر ہندوؤں نے کیا سمجھ کر فیروز شاہ نے توحید مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلا دی تھیں کہتا ہے کہ "توحید کے بعض لوگوں نے اپنی صف کو اپنے مذہب میں لانا چاہا تھا اور کہتا ہیں اور دماغ بھی اس میں میں گھسے تھے۔ تب میں نے دینی فیروز شاہ لے لیا، ان سب رانہوں کو گرفتار کیا اور جو ان کے سوار تھے ان کو سیاست میں ڈالا۔ اور اُن کی تمام کتابوں کو آگ سے جلا دیا۔ اور مذکورہ مولف اس سے چند صفحہ چھٹا تھا، داری کے حوالہ سے کہتا ہے کہ "قلب الارض ایک کے راند میں بختیار علی نے شہر بہار کو بے نفع کیا تو وہاں ہندوؤں کا ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا۔ لیکن قبل مام ہر جاتے کے ہاتھ سے کوئی آدمی تو پتھر کا مضمون تھانے والا نہ مل سکا جس سے ثابت

شاہجہاں کے امجد امجد اور مہاراجہ گنگوڑی

فلسفہ کی تعلیم | پڑاؤں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم غلطہ پر اپنا جی لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میں ترقی بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں۔ اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہاں کو مطلقاً نہیں ہوتا۔

گھٹ شاستر کے پیرو | ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارے (حکیم) ہوتے ہیں ان میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے بڑے بڑے بڑے فرقوں کے بانی ہیں۔ اور اس اختلاف عقائد کے باعث ان کے پیروؤں کے باہم ان میں رشک اور کدورت مباحثے ہا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرقہ کے پندت اپنی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور سچے کے موافق ہیں۔

بدھ مت اور اُس کے پیرو | اور بالکل ان فرقہ بدھ کے پیروؤں کا ایک بار ہو گیا ہے۔ جہاں کی بارہ شاخیں ہیں۔ لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں اُس قدر کثرت سے نہیں ہیں۔ جیسے اور فرقوں کے ہیں۔ اور ان کو عقائد بالآخر صوب اور دھرم کہا جاتا ہے۔ جو ماضی میں گزشتہ ہوا ہے کہ بھگوان نے ان کے پیروں کو ملوانا نہیں بلکہ بدھ مت اس کے وہ ان کے متعلق سے واقف ہونا چاہتا تھا۔

شہ مسند سے ہیں چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ وہ ہیں۔ اول جیناں کی یعنی جیناں شاستر کے پیرو ہیں۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اُس کی درشاہیں ہیں ایک قدیم جو جین کے اصول کی پیروی ہے۔ دوسری بدھ جس کا بانی جاسٹھی کو بتاتے ہیں اور جیناں کہلاتے ہیں۔ تیسرا جیناں یعنی جیناں فرقہ میں کوئی گوتہ ہوا۔ اس فرقہ کے بعض مسئلے اور مسئلہ کے مسائل متعلق سے لے لیتے ہیں۔ چوتھا ہے شے شیک۔ جس کو بانی کھادمتی ہے۔ پانچواں ساکتھ میں کو بانی کھل متی ہوا۔ چھٹا جوگ یعنی پانچواں شاستر کا پیرو جس کو پانچواں جیناں سے متعلق تھا۔ یہ دونوں فرقے موزاں کر بہت سی راہیں میں متفق ہیں۔ اسی سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر کسی کو دیکھنی ہو کہ فضول صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اس سے بھی زیادہ شیخ ابراہیم خلیل کی آئین اگہری میں دیکھ لے۔

مزمع

مزمع سے ان مسائل سے متعلق ہے جو فی الحال سے فی ارباب
شہ مل دیکھ تم۔

اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں سے مخصوص ہے۔

ہندوں کی تمام برہمنوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اصول و موجدات کے بارے میں مبادی اشلے کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

نا قابل تقسیم اجزاء پانچ بھٹے تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے نا قابل تقسیم اجسام سے مرکب ہے۔ اور یہ نا قابل تقسیم اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ

بدرجہ غایت چھوٹے ہیں۔ اور اس خیال پر وہ اپنے دوسرے بہت سے تصورات کی بنیاد رکھتے ہیں جو کسی قدر ڈی باک ری ٹس (ڈی مفرطی) اور اپنی کھوس کے خیالات سے مشابہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور نا تحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مسئلہ بے سمجھا مشکل ہے۔ اور خواہ وہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہوں۔ ان کی اس وجہ نا انہی پر غور کیا جائے تو قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا یہ بیہوشی ان کے کتاؤں کے بل

سے مشہور یا نا معلوم ہوس سیدی سے چار سو اکثر برس سے پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اس کی نظیر کا یہ اندازہ دیا ہے کہ اس سے کیسے ہیں۔ پانچ اپنی کھوس بھی میں کا ذکر نہیں ہے اسی کا شمار تھا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزاء ہیں جو ایشیا یا طبیعت کے ہم شکل اور با اعتبار صدقوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ ان کی تقسیم صرف وہی سے ممکن ہے۔ اور یہ کہ ایڑا با جہاں شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر میں کی کوئی مد نہیں پہلے ہوئے اور ماحول حرکت ہیں۔ پس کھوپا یا بڑا ہے کہ یہ اجزاء آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہاں کا وجود ہے۔ اور یہ کہ ہمارے اس جہاں کی اندر سے شمار جہاں ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلا۔ غیر متناہی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اس کی رائے میں امورات ہر ہی جہاں سے الگ اندہاں سے کے وجود کا سبب اجزاء ذکر کا اتفاقا باہم ٹکراتا اور جیتے ہو جاتا نہیں ہے۔ اس کے شاگرد اپنی کھوس کی بھی یہی رائے ہے اور اس کا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہ اجزاء حقیقتاً آپس میں مل نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوس کے اندر فی الحال موجود اور ایک دوسرے سے شہنر رہتے ہیں۔ پس اجسام محسوس کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے۔

بلکہ صرف ان اجزاء کے باہم چٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کا صحیح انوار منع سے م

مصفوں سے منسوب ہونی چاہیے یا یہ کہ ان کے مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہو سکتی ہے۔

مادہ اور صورت بعض کا قول ہے کہ ہر چیز سے شر اور فارم یعنی مادہ اور صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی چٹت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کر سکتا۔ اور مادہ کی اہمیت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کر سکتے ہیں۔ بہر حال ان کا بیان صرف اسی قدر قابل فہم ہے کہ اس سے مجھے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہمارے مدارس میں جب کہ قوتِ ادبیہ میں سے صورتِ فزعیہ کے تصور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیتے جاتے ہیں۔ کہو کہ وہ ہمیشہ معنوی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ لائٹ مٹی بطور مادہ کے ہے اور کھار اُس کو سپر اچھا کر جو طرح طرح کی خشکیاں بنالینا ہے یہ صورت ہے۔

عناصر اور اکاش بعض کی یہ رائے ہے کہ ہر چیز عناصر اور تھنگ یعنی اکاش سے مرکب ہے لیکن وہ عناصر کے استعمال یا آپس میں مل جانے کی نسبت کچھ نہیں کہتے۔

اور تھنگ یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرانی ویشن یعنی عدم مطلق کے قریب یعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جن کو میں خیال کرتا ہوں کہ تو وہ خود سمجھتے ہیں دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

لوزو و ظلمت بعض لوزو اور ظلمت ہی کو اصل ازل ماننے ہیں اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بے معنی دلائل پیش کرتے ہیں، جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں۔ اور ایسی ایسی طویل طویل تہلیل و تہال کرتے ہیں کہ جس کو صرف حامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں۔

عدم مطلق بعض ایک یا چند پری ویشنوں یعنی عدم مطلق، ہی کو اصل اصل تسلیم کرتے ہیں۔ جن کو وہ تھنگ سے جدا سمجھتے ہیں اور جن کی تعداد کی نسبت ایک ایسا فہمیکندہ طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے علم اُٹھا کر کچھ لکھا ہو۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ان کی کتابوں میں بھی

بیہودہ باتیں ہوں گی۔

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جس کو پنڈت لوگ سمجھنے کا نظریہ | سمجھ رہے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔ اور اس کی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

ایشان | ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ انہی واجبہ ہیں۔ اصل و بادی | اکاش سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی جگہ ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر اللہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اجارہ نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شریعت اور لفظ سے تحریر کیا ہے)

طوب کی کتابیں | علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بھارتیہ اس کے کہ کوئی باہر تریب کتاب ہو ان کو صرف ہندوؤں کے مجموعے کہنا چاہیے۔ اور ان میں سب سے پُرانی اور بڑی کتاب ہے نفسم میں لکھی ہوئی ہے۔ اس طرز کو بیان کرتا ہوں جس میں کہ ان کا طریق علاج ہائے ہندو طریقہ علاج | طریقہ ہے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مسئلہ اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے پیار کو غذا کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں۔ اور ناکہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اس مرض میں شور ہے یا کھنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ وہ چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوٹا خراب ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بھجن خاص خاص اور نہایت ضروری سوتھوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا لٹھے ہو یا جب کبھی گڑہ یا جگر یا سینہ میں دم پیدا ہو جاوے فصد یعنی چاہیے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ان صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ طریقہ کار گر ہو جاتے ہیں۔

طیب اور ہندو طریقہ علاج | مثل اور وہ سرے مسلمان طبیب جو الیٰ علی سینا اور یونانی دینی الیٰ رشید کے پیرو ہیں وہ بھی ہندوؤں کی طرح

لے ابی رشید کا نام مہر تھا اور اپنے امبار میں سے رشید نامی ایک شخص کی نسبت سے مہاراجی رشید کہہ کا تھا۔ یہ ان لوگوں کی مثل میں سے تھا۔ بعض نے مشہور مطابق مشہور میں ایک اسپتال کو فتح کر کے مہاراجی

ان طریقوں یا خصوصیات یعنی یا خوردہ سے ہر چیز کا نئے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔
مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں قصد لینے کا عمل زیادہ ہے۔ کیونکہ جہاں اُن کو مندرج
بالہ اور ام کا اندیشہ ہوتا ہے عموماً ایک دو مرتبہ خون نکھوا ڈالتے ہیں اور یہ عمل وہ گوا اور چرس
کے زاد حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدائے اطبا کی طرح اشعارہ یا
بین اوتس یعنی دس گیارہ چٹا تک تک خون نکھوا ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات
غش کی لزمت ہو جاتی ہے۔

پس وہ گیلیئن (جالیئوس) کی ہدایت کے موافق اور ہمیا کو میں نے اکثر دیکھا ہے۔
بیجاری کو اتنا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں۔

بقیہ ماشیہ شہر گزشتہ میں شامل کیا تھا۔ یہ ملک اسپین کے مشہور شہر کا دوسرا قریب، یہاں بھی اس
کے باپ دادا قاضی رہے تھے۔ مشہور سلطان مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ نہایت مشہور حکماء عرب میں
سے تھا۔ اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندوئیہ کمال کا وہم رکھتا تھا۔ اس کے راجہ میں علم طبع اہل عرب
میں کمال کی پہچ گیا تھا۔ اور اس کے بعد قریب عرب کی تاریخ میں کوئی فلاسفی نہیں پایا جاتا اس کی اکثر
تفسیریں ہائی عرب اور عبری میں ہیں۔ چونکہ اس نے کتب اربعہ کی شرحیں لکھی تھیں اس نے شریح حکمت
اور طبع کے معرودہ ہے جس کا وہ حقیقتاً سخن تھا مشہور فانی تھا۔ بعض آزادانہ دراموں کے ظاہر کرنے
کی وجہ سے لوگوں نے اس کو اتحاد سے منسوب کر کے اس کو اس کے مولد کا مدد سے نکال دیا اور کہا یا تھا۔ مگر اس
کے کمال نے سلاطین و ملت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور دربارہ کش و مکش میں پھر آنا ضرور
جہاں کہ وہ مشہور یا مشہور میں سر گیا۔ راخو از انسا بیکو پیا یا برطانیکا و تاریخ ختم امری مطبوعہ لاپور
نے کا ڈی اس کا قاضی جس کو انگریزوں نے گیلیئن اور مولوں نے جالیئوس بتایا ہے۔ ملک آئی کے شہر
گمش کا رجنہ والا تھا۔ یہ نامہ شخص مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور لڑے جس کا ہو کر مراد۔ جالیئوس اپنے
باپ کی نسبت کہتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم جیت میں بہت سربراہ وہ اور دفاتی
فلسفہ اور سلاطین سے بڑی مہر تھا۔ جالیئوس نے سترو برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات
کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور کہتا ہے کہ جب میں اس عمر کو پہنچا تو میرے باپ نے خواب
دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیے۔ مگر اس نے صرف آنتیں برسی کی عمر میں اہل ایک
استاد سے جس کا نام وہ بتاتا نہیں تھا تانہن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اس زمانہ کے بعض اور مشہور

لے کن لادھی اس گالیئوس نے لکھا ہے کہ

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت | بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح
یا حیران کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتا تو جب
کبھی میں کسی زندہ بھیلے لکیری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دردان غون کا طرز اور
وہ دیکھیں دکھلاؤں جن کو پتلیٹ نے وہ یافت کیا تھا اور جن میں ہر کو کیلوس کا خلاصہ قلب
کے دائیں خانہ میں پہنچا ہے۔ تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہر کو مہاگ جاتے
تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ ہندو اس فن سے محض نا آشنا ہیں کہتے ہیں کہ انسان کے جسم
میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور عذر سے انہوں
نے ان کا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کا علم جہت کا یہ علم جہت کا یہ حال ہے کہ ہندو اپنے چہروں کی رو سے غصوف
بنیہ ماشہ صلوگوشہ - صوف محاس سے ہونہ تشریح اور علم اللہ یہ میں نامہ تھے ان فنون کی تعلیم پائی
ابھی میں برس کی عمر میں نہ ہوئی تھی کہ اس کا وہ پہلا - ہنا اور خضیق استاد مر گیا۔ بعد ازیں اس نے بہت
سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علمائے فلسفہ و طب مشہور تھے سفر کئے اور آخر کار شہر اسکندریہ میں جا کر
بعض استادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور انھیں برس کی عمر تک وہاں رہ کر جو علوم اس زمانہ میں
استادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لئے اور اپنے شہر پر گس میں ماہیں آ کر انیس برس
کی عمر میں نئی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اس نے ایسے ایسے ذہنیں کو اچھا کیا جن کے زہم بیک جے
جاتے تھے اور چونکہ جیس برس کی عمر میں اس کے شہر میں کچھ بغاوت ہو گئی تھی اس لئے وہ شہر روم کو
چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پر گس میں پہر آ کر آخر کار روم میں ہی جا بیٹھا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا
طیب خاص رہا تھا مگر وفات اس کی شہر پر گس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس
حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ
اب تک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہ بڑے حقوق اور مرگزی سے ہمیشہ مرزہ اور زندہ جواؤں کو چیر چیر
کر دیکھتا رہتا تھا اور اگرچہ زانہ ظال کا فن تشریح اس کی حشرات سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ لیکن وہ اپنے
وقت میں دیکھنے سے روکا نہ اور اپنے تمام مشق میں سے ایسا ممتاز تھا کہ اس قدیم زمانہ میں اس
کی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کہ جے جا نہ تھا۔

خدا بہاں کے امام اسیری اور عبد لرنگتہ

اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بیان میں نرنگستانی اہل ہتیت کی سی بارہی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاند گہن کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ | لیکن عسوف کی نسبت بھی ان کا وہی بے معنی اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہ کہ ایک کا لالہ ناپاک اور شریر راہس جس کا نام راہسہ ہے چاند کو کپڑا لیتا اور اس کو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے۔

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے نوڑھ لاکھ میل اور پچا ہے۔ اور وہ ایک بالذات لوزی جیہ ہے اور اس سے انسانوں کے داغ میں کمرت پہنچتا ہے جو داغ سے اتر کر آگے اور اعضا میں سرائت کرتا ہے۔ چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہ سب دیوتا ہیں۔

خیالی پہاڑ خمیر | جب سورج خمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے اس وقت رات ہو جاتی ہے۔ خمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جس کو فرض کر لیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اٹے کوڑے کی طرح واقع ہے۔ اور معلوم نہیں کئے ہزار کوس بلند ہے۔ پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹ کر نہیں آتا اس وقت تک دن نہیں نکلتا۔ علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفیت | علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا چٹنی اور شلٹ شکل

کی ہے اور اس میں سات ولایتیں ہیں جو باخبر اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص مندر سے گہری ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک مندر دودھ کا ہے دوسرا شہر کا خمیر لکھی کا پتھر شراب کا اور آگے اسی طہرت غری اور خشکی کے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہاں تک کہ ساتویں ولایت دامن کرہ میں ہے جو وسط میں واقع ہے۔ اول ولایت جو خمیر کے نہایت قریب ہے اول درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اٹے کے درجہ کے دیوتا ہیں۔ اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جن کے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں۔ اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جس میں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں۔ جہہ وہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا بہت

سے ہستیوں کے سروں پر رکھی ہوئی ہے جن کی اتفاقیہ حرکت سے بھو بھال آجاتا ہے۔
ہندوؤں کے علوم کے متعلق میری رائے | اگر قدیم ہندوؤں کے علوم میں جن کی اس قدر
 برتری ہے جن کو میں نے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھڑکا کھایا کہ ان کے علم و عقل کی
 نسبت دت وارا سے دس سو گنائی کرتے چلے آئے ہیں۔

میں ان باتوں کی حقیقت پر یقین لائے میں نہایت مثال ہوں کیوں کہ ازل تو ہندوؤں
 کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر ان کی مذہبی
 اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہائے دراز سے ایک ایسی زبان ہو گئی
 ہے جس کو کوئی نہیں لہتا۔ اور اب صرف پڑ سے کچھ لوگ ہی اس کو سمجھتے ہیں اور اس
 کی اصل نامعلوم ہے۔ بہر حال ان تمام باتوں سے بڑی قدامت اور کچھ نہایت ہو گئی ہے۔
بنارس کے چند ہندوؤں سے ملاقات | طرف جارا متھرا تو بنارس سے ہو کر گندا اور

ایک سب سے بڑے ہڈت سے ہوا میں مشہور دارالعلم میں رہتا ہے ملاوہ ایک نصیر ہے
 ہر اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ قرآن کی فضیلت کے
 لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اس کے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کر رکھی
 تھی۔ وہ ایک مڑا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اس کی پوشاک یہ ہے کہ ایک
 سفید ریشمی ساڑی باندھے رہتا ہے۔ جو پنڈالوں تک رنگتی رہتی ہے۔ اور ایک کبھی قدر
 بڑی سی سرخ ریشمی چادر کا دھڑوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔ میں نے دہلی میں اس شخص

لے ہستیوں کے سروں پر دنیا کے آسمانے ہوتے ہوئے کی روایت کبھی نہ سنی تھی آئی اور نہ
 تحقیق سے اس کی کچھ صحت معلوم ہوئی۔ اہمیت میں ہنگامی خبروں سے مقدس صاحب کے سروں پر
 دنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا مزہ لانا جاتا ہے اور ایک عام روایت یہ بھی مزہ زباناں زد ہے کہ ایک بلی
 کے سینگوں پر یہ خصوصیت قائم ہے۔ اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ
 پر چھوٹتا ہے تو بھو بھال آجاتا ہے۔

س م ج

مے مصنف کے نزدیک یہ ایسے اسباب ہیں کہ میں سے اصلی مقالہ ہر ایک تاریخی کا پردہ ہڑتا ہے
 اور اس کے باعث سے لوگوں کو دھڑکا جاتا ہے۔

س م ج

کو بادشاہ اور امرا کے دربار بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور وہی کے ہاتھوں میں وہ مجھے یا تو پھل یا پانکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ میرے آقا کے پاس اس امید پر آتا۔ کہ وہ اندنگ زیب سے سفارش کر کے اس کی پیش بھال کرا دے جو اندنگ زیب نے جس کو اپنی دین داری دیکھائے کا بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھے ہی بند کر دی تھی۔ میں نے اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کر لی تھی۔ اور میری اس سے اکثر دیر تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اس سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت خلعت اور عمارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دکھانے گیا جہاں اس نے اور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بلا لیا تھا۔ جب میں نے اپنے آپ کو ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس است کی تحقیق کروں کہ ان کی رائے بہت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ مجھے اچار جوں کے شایاں نہیں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بے شک مختلف مود میں شلا برہما نہاد پر۔ گنیش - اور گوبھی کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ اور ہم ان کی صورتوں اور علاوہ ہمیں اور بہت سے دیوتاؤں کی صورتوں کا جہان سے درجہ میں کم ہیں ہم مثلاً اب کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے آگے مندرت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی اور عطران خوشبوئیں اور ایسی ہی چیزیں ان پر چڑھاتے ہیں مگر باوجود اس کے ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یہ صورتیں خود برہما یا بقی ہیں۔ بلکہ یہ قریب قریب ان کی اصلی صورتوں یا شبیہوں کے ساثل ہیں اور ہم ان کا ادب صرف اس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جن کی یہ صورتیں ہیں۔ اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ صورت کے لئے ہمارے مندروں میں صورتیں اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ وہ کو قائم رکھنے کے واسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جائے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت میں اعتقاد برہما یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے۔ اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑا حکم ہے۔ پنڈتوں نے مجھ کو جواب دیا، میں نے اس کو کم زیادہ کر کے نہیں کہا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ انھوں نے اس معاذ کو عدا ایسے قالب میں ڈھال کر بیان کیا تھا کہ جو دین

کیونکہ فرد والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جائے۔ کیونکہ اور ہر جنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے۔

دنیا کی عمر چند قلوں کے خیال میں | پھر میں نے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت چند قلوں نے ہمارے مقتدات سے بھی بڑھ کر اس کی تعامت ظاہر کی۔ یہ تو نہیں کہا کہ دنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر ہر عمر انھوں نے بتلائی۔ اس سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اس کو تدبیر سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ بیان تھا کہ دنیا کی عمر چار لکھوں سے شمار کی جاتی ہے اور ان کا لکھ ہمارے قلوں کی طرح شہر بس کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لکھوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں۔ ہر عمر انھوں نے جوگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی لیکن ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا لکھ یعنی ست جوگ کچھ نہیں لاکھ برس تک رہا۔ پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک تریا لکھ رہا۔ پھر اگر اسمیری کچھ غلطی نہ ہو تو آٹھ لاکھ چھ لکھ ہزار برس تک دعا پھر لکھ رہا۔ اور اب میں سمجھ گیا کہ چوتھا یعنی کل جوگ جو اب ہے کتنے لاکھ برس تک رہے گا۔ چند قلوں نے کہا کہ پچھترہ لکھ اور بہت سادہ چوتھے جوگ یعنی کل جوگ کا گذر چکا ہے۔ اور میں طرح طرح کے ان لکھوں کے خاتمہ پر دنیا قائم رہتی رہی ہے۔ چوتھے جوگ کے ختم ہونے پر ایسا دھوکا بلکہ دنیا بھاپڑے۔ ہو کر نادمہ ہو جائے گی۔ اور تمام چیزیں اپنے اپنے صبا کی طرف مود کر چکیں گی۔ جب میں نے چند قلوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا کہ وہ دنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتائیں تو انھوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ بچا سے اس میں بالکل الجھے ہوئے ہیں اور صرف لاکھوں کی تعداد کی نسبت ان کا اختلاف ہے تو میں نے اپنے تئیں اسی لئے قنصیب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پستل کے طریقہ کو تراویض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنے طرزِ عبارت کی بوجہ کہ ہر گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حارثی کے جوتے کی نقل رکھتے اور ان کو مقدس جان کر ان کی پستل اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دہپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں فرد کی اور انجیل مقدس کی اس آیت پر عمل نہ کیا ہو کھسا ہے۔ تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے نکلا نکالا جا ہے تو اول لہجہ آنکھ کا شہرہ نکال۔ انھوں انسان خواہ کیسا ہی عقل مند اور ذکاوت مند کون دہاؤں کو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی تمنا کی کبھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اس کی طبیعت جیسے لہروں کی کبھی کبھی شہرہ اور نکل رہتی ہے اور ان کے ہزاروں بیانی بھی اس کو بُرائی اور صیب ہی معلوم ہوتی ہیں۔ سمجھ

نشا جہاں کے اہم امیری اور مہاراجہ گنہ گار

عام واقفیت پر مطمئن کر لیا کہ یہ دنیا نہایت ہی قدیم اور اس کی عمر کا حساب بڑا ہی بے عیب لگتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجہ پوچھتا ہے جن سے کہ دنیا کے بے حد چھانا ہوئے ہر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بے فائدہ افسانے سناتے گھٹتا ہے۔ اور آخر یہ کہہ دیتا ہے کہ ہمیں ایسا ہی لکھا ہے۔

پنڈتوں کے نزدیک دیوتاؤں کی حقیقت | پھر میں نے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُن کا بیان نہایت متضاد پایا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں۔ نیک۔ تیر۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ توڑ سے۔ اور دھتوں کی یہ رائے ہے کہ وہ ہیا پک ہیں۔ اور لفظ ہیا پک کے معنی میں بجڑ اس کے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا ہیا پک ہے۔ ہمارے دیوتا ہیا پک ہے۔ اور جو چیز ہیا پک ہے وہ لازماً ہے اور زبان و مکان سے متبرک و منزہ ہیں۔ اُس فاضل نقیر اور اُس کے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الٹی کہتے ہیں اور بعض کی یہ رائے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ شری کا مسئلہ | مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُن سے لنگ شری کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جس کو اُن کے بعض معنف مانتے ہیں۔ مگر وہ واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نہات اور درختوں اور حیوانات کے بیچ سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اجداد سے آفرینش سے ان کا وجود چلا آتا ہے۔ اور وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے اور دھڑکے ماروں میں لے چلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں۔ جیسے کہ خود وہ نہات یا درخت یا حیوان جس کے وہ بیج ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُن کے خدا خدا اجزاء اُسی وقت صاف طور پر نظر آ سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی مناسب جگہ پر لائے جائیں اور وہاں ہر درخت کے مادہ کے پیچھے سے بخوبی نمایاں نہ مینا ہوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجڑ اس کے کہ نسبت مقدس کا حوالہ میں دنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔

س م ج

نشا جہاں کے اہم امیری اور مہاراجہ گنہ گار

ہوں اور قریبی پائیں۔ یہی ہر ایک میٹ یا ناشپاتی کے درخت کا یہی لنگ شرہ یعنی سبب
یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزاء کا مل ہے۔ مثلاً لٹھا، قنار، ایک
گھوڑے یا باغی یا آدمی کا یہی لنگ شرہ یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا آدمی یا آدمی ہے جس کے واسطے
صرف جان اور پردہش کے نامے کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرتبہ وضہ کو
حاصل کر سکے۔

اب میں آپ کو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں۔
وحدت الوجود | تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بات ہندوستان میں بڑا شور مچا رہا تھا
یہاں تک کہ بعض پندتوں نے اس کو شاہجہاں کے بیٹوں داراشکوہ اور سلطان شجاع کے بھی
وہی نشیں کر دیا تھا۔ آپ اس بات کو چھٹیا جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکماء و عرفاء کو لنگ شرہ
یعنی وحدت وجود کے مشہور معروف مسئلہ کے قائل ہیں اور ان کا قول ہے کہ ہم تم جیسے
جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ اگر ہم غور سے ارستو اور
انلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہم پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ وہ بھی اسی رائے
کی طرف مائل تھے۔ اور یہی عقیدہ ہندوستان کے تقریباً تمام پندتوں کا ہے اور یہ وہی مسئلہ
ہے جس کی نسبت صوفیوں اور اکثر علماء ایران کے باہم لڑائی ہوئی تھی، ہاں کرتے ہیں اور
جس کو گھٹنہ ملازمین جو ایک خارجی فتنہ کی کتاب سے بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے

لے اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تھوڑے قریب چیر نام ایک علماؤں کے رہنے والے اور شاہ
مناجیح صوفیہ سے تھے۔ یہ کتاب انھوں نے مشائخ کے اشراف میں بعض مشائخ اعراسان کی ترغیب
پر تصنیف کی تھی مگر خود ان کے اس شعر سے جو سبب الیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہے کہ خود
جہت وہ نہایت صد سال ہزار ہرت ناگیاں و راہ شرابی یہ کتاب بڑے تیر کی بھی جاتی ہے۔ اور اس نے
اکثر بزرگوں نے اس کی شریعت بھی دیا۔ لیکن شریعت مروجہ ہناجی الامامہ جو مشائخ کے فاضلین کی گئی
تھی اور میں کے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن علی دہلوی ہیں۔ جو فقہ کے سلسلہ نور بخشہ کے بانی سید محمود
نور بخش کے افکار غلطی میں سے تھے۔ سب سے مراد بھی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ تاجی نور بخش شریعت نے اپنی
مشہور کتاب کمالی صوفیوں میں لکھا ہے کہ یہ مصنف اس شریعت کو کھنکھار دیکھنے کے لئے ملامت اور
تہذیب مذکورہ کا اکثر حصہ تھوڑا سا چھوڑ دیا۔ چنانچہ علامہ تاجی نور بخش نے ایک مشہور طبیب ادا ایک
ایسے فرقہ کا پروردگار جو یہ عقائد رکھتے تھے کہ ہر آدمی دو ہی سید ہی اُس موبائے قیامت سے تعلق رکھتا

کی بھی یہی رائے تھی جس کو ہمارے نامور گیسٹڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رو کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے جو لوگ اکثر اُس کے سبب سے غراب و ہرباد ہوتے ہیں۔ چند پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اس اعلیٰ وجود نے جس کو وہ اپنی زبان میں آئیں رکھتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک آدمی اور جماعتی چیز کو بھی اسی طرح اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلقِ عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ آثار کا وجود معلومات کا مستلزم ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصور کرتے ہیں جیسے کڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی انداز سے حالات کو دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُس کو سمیٹ لیتی ہے۔ لیکن ان خیالِ جذباتیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدا ایل صرف اس کا نام ہے کہ خصلتِ اپنی ہی ذات کو پیدا دیا ہے۔ یا یہ کہ ایک کڑی کا تار ہے۔ عوام نے اپنے اندازے بحال دیا ہے۔ اور نتا ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی میں گھسیٹے۔ چنانچہ قیامت کے دن جس کو وہ ہم سے یا ہمارے سے کہتے ہیں۔ اور جس کی نسبت اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ اُس وقت تمام چیزیں آباد ہو جائیں گی۔ خدا اپنے تمام بیتِ حاشیہ سفر گزشتہ نمبر۔ کے پاس ہرات میں بیٹھا فرشتوں نے پلہ پلہ جانی خط کے شروع میں اپنی راہی کھینچ لی۔ وہاں سے اسے فقر و فاقہ کش اور اب نہانہ خرم و بہارِ خاطر گلشنِ ماند و کھٹ نظر سے ہر سیرِ عظیم اندازہ شاہِ حکیم روحِ حقیقت و حجاز۔

م م م

بیتِ حاشیہ سفر گزشتہ نمبر۔ جیسا کہ وہاں سے گزرا گون امتحانِ معلومات اور اسرارِ نبی کا کرتی رہتی ہیں۔ اس شخص کے خیالات کا بیان میں کا وہ مقدمہ مختصر طور پر کرنا بہت مشکل ہے چنانچہ منہلہ اُن کے اُس کا ایک چھوٹا سا خاکہ کہ وہ اس عالم میں وہ طرک کی قوتوں کو مشہور کرتا تھا۔ ایک قوتِ انضباطی۔ دوسری انضباطی اور اُن پر کتنے ہی جنات کو مسلّم تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعثِ وجود و مراض قرار دیتا تھا۔ اور اس کا لامتناہی تھا کہ گزشتہ نمبر میں کا ترجمہ عالمِ سفیرِ اعجاز کیا جاسکتا ہے۔ بے کر کہ وہ منہلہ اُن کے عالمِ کبیر یا پچھلے ایک خاص مشابہت اور مشابہت ہے۔ اس کے معتقدات خواہ کے ہی منظور اور لایینی تھے مگر چونکہ اُس نے اُن کو بہت جلدی سے معتقدات کے پہلو میں ہلاک کیا تھا۔ اس جملہ کے زیادہ کے حکما کو اُن کی جانب متوجہ ہونا چاہا۔ یہاں تک کہ اول کہیں کو نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسٹڈی نے اُس کی توجہ میں متوجہ ہیں کتابیں کہیں۔

نقطہ

ان تمام کو دیکھ کر اس نے اپنے اندر سے نکال کر پہلا دینے لگے۔ بالکل اپنے اندر کھینچ لے گا اس لئے ان کی رائے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھنے یا سُننے یا چکھنے یا چکھتے یا چکھتے ہیں ان میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف ایک خواب و خیال ہے۔ پس ہر طرح طرح کی چیزیں نہ رہیں محاسن ظاہری محسوس ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہ سب شینکا خدا ہیں جیسے کہ الہامی کے مدد کو بار بار وہ ہر اسے دتے ہیں۔ سواد ہزار کے اعداد میں داتے ہیں اور دراصل وہ ایک ہی خدا ہے۔ لیکن اگر تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الہی کے پہلے جانے اور پھر مٹ جانے کی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ دریافت کرو۔ یا یہ پوچھو کہ خدا جو غیر جہانی اور قبول حساب کے بپا یک اور غیر متغیر ہے تو پھر کس طرح اس خدا اجسام متعددہ اور ارجح مختلف میں تقسیم ہو گیا ہے تو وہ اس کی عجیب مثالیں بیان کرے گا۔ مثلاً یہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے صندوق کے ہے جس میں بہت سے پہلے تیرے رہتے ہیں۔ خواہ یہ پہلے کہیں پہلے جائیں مگر وہ جیسے اُسی صندوق اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ چندہ جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی صندوق میں مل جائیں گے۔ بارہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بے شمار فیضوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگر وہ ہر جگہ اس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے۔ مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُن کی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہر جگہ ہوتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہر کائنات چیزوں پر پڑتی ہے۔ غرض کہ وہ تحسین ایسی ایسی ناممکن تفسیریں دے کر بھی کو خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جالوں کے تفریق کرنے کے لائق ہوتی ہیں مثال دین گے۔ اعدان سے جواب شانی کی امید کڑا ہے تاہم ہے۔ اگر کوئی اُن کو یہ جواب دے کہ مثلاً جو حساب ایک پانی ہے ہیں۔ اگرچہ پہلے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کئی پانی ایک نہیں ہیں۔ اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی کو ایک ہی ہے۔ لیکن سب جگہ وہی نہیں ہے۔ اور طاقۃ القیاس تمام اعدان تمام تصورات پر اور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تفسیروں اور استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مے مزہم کجا ہے کہ اس سفر کو ایک شام نے اپنے اس سفر میں خوب لوگ کیا ہے۔
وہاں جہاں کچھ ہوتا ہے وہی نہیں اور نہیں : کہ کوئی کہ اپنے سے جاتا رہا نہیں ہی اور نہیں

حرف آخر | اٹھا اور سورج کے ساتھ ہمدردی کے خیالات درجہ سورج کو اُس بد طبیعت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت غلام کر کے جاتے ہیں اور اُس دکھاوے کی پانچ پانچ اور اسٹائن اور ہوانا اور نیرات درجہ برہمن کو دی جاتی یا دریا کوں میں پھینک جاتی ہے، اور غارتوں کی اس مجنونانہ جہات کا پنے ایسے غلاموں کی لاشوں کے ساتھ بھی مل کر رہ جاتی ہیں۔ اُن کی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں اور نصیبوں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال و اشتغال اور سب سے اخیر میں میتوں اور ہندوؤں کی برتنوں کی اُس تمام فراخات کا ذکر کرنے کے بعد آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے کنگ جی اٹھیں سفر کے مصائب اور تکالیف اٹھاتے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے وسیعہ زریعہ سرنامے تحریر کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر یہاں یہ خط جو میرے ان دور واز سفروں اور اس قدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود نتیجہ ہے۔ اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اس کا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں رکھتا؟ اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ - کیسے ہی نفوس اور بے معنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں تلک پائی جاتے ہیں :

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ پہلے ہی صاحب کے نام کا نفوذ خط اُن کے حوالہ کر دیں گے - یہ پچھلے صاحب ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل آپ کے نام اور ولی دوست گیسینڈی صاحب سے میری ملاقات کوئی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوئی ہے - اُن کی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر بھٹکے جاتے گی جگہ جگہ کے ساتھ وہ ہر تلک یاد رہیں گے - میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں - اور صرف اس وجہ سے کہ آپ میرے مال پر نظر عنایت منڈول فرماتے رہے - میں عمر بھر آپ کا ادب کرتا رہوں گا - بلکہ اس سبب سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے ناز و منہ صلاحیں دیتے رہے ہیں، جن سے میرے سفر میں بکھ بہت مدد ملی - اور میں اس وجہ سے بھی آپ کا بڑا احسان مند ہوں کہ آپ نے اپنی بے غرضانہ عنایت سے دنیا کے اس بے حد حد میں جہاں میں شرع مجھ کو سے آگاہ ہے میرے لئے عمدہ عمدہ کتا ہیں بھیج دی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے میں نے کتب منگوانے کے لئے درخواست کی تھی - اور جن کو اُن کی قیمت کا وہ یہ مقام مارسیس میں میرے نرما باقی ملے اس باب سے کہ اس کتابیں بندوستن کے حلقہ کوئی کرہ نہ تھا اس کا ترجمہ چھڑا دیا گیا ہے ہم سے

سے مل سکتا تھا۔ اور جن پر یہ لحاظ الیت اور انانیت کے یہ بات فرض تھی کہ کتب معلوم
سمیرے پاس بھیج دیتے وہ جیسے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھ کر ہنسا کے گویا کہ
انہوں نے مجھے ایسا کیا گویا جو یا تو اس کا سچ کچھ نہ ہی نہیں دیکھتا ہے۔

خط

بنام مانشیورڈی لاماسختی لی وے

یکم جولائی ۱۶۹۷ء

از دہلی

جودہلی اور آگرہ کے شہر اور شہنشاہ مغل کے دربار کے متعلق لکھا گیا
صاحب من: میں خوب جانتا ہوں کہ جس وقت میں فرائض کو مایوس آؤں گا تو سب
سے پہلے آپ کو سے یہ پانچیں گے کہ بمقابلہ پیرس اس ملک کے صد مقام آگرہ اور دہلی کی
وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا کیا حال ہے۔ پس آپ کے حقوق کی وجہ سے میں اول انہیں
اسد کو بیان کرتے وقت ہوں۔ اور ان کے ضمن میں بعض اور حالات بھی پیش کروں گا۔ جن
کی نسبت میرا خیال ہے کہ آپ غالباً ان کو بھی دلچسپ تصور کریں گے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کا فرق

ان دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ
کہنے سے پہلے یہ بیان کرنا لازم ہے کہ ہندوستان
میں حسین اہل فرنگ کو عمارت کے ساتھ یہ کہتے دیکھ کر کہ ان دونوں شہروں اور ہندوستان کے
دوسرے شہروں کی عمارتیں رنگستان کی طرح خوش و خرم نہیں ہیں۔ کچھ حیرت ہوئی۔ وہ
اس پر خود نہیں کہتے کہ عمارت کی قلعے اور وضع ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے
شکل میں وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا آسٹریا میں غارت ہے اور اطم کے اعتبار سے
وہاں کے لائق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل کارآمد نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجئے کہ یہ شہر ہندوستان
میں آجائیں اور وہاں کے شہر وہاں جا رہے ہیں تو ان کی عمارت کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قلع
پر بنانا مزہ ہی ہو جائے گا۔ بلاشبہ رنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اس ملک کی موزوں
ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش
و خشن ہے حال نہیں ہندوستان کی گویا اس قدر شہر ہے کہ کوئی اور تو کیا، خود بادشاہ بھی پانی
کی حفاظت کے لئے ڈالے نہیں پینا۔ اور صرف جگہ سلیم کی طرح کی ایک چیز پینا ہے۔ جسے

پا پڑھتے کہتے ہیں۔ اور سر کی محافظت کے لئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی گڑھی ہوتی ہے۔ اور وہ سر لہاس بھی یا سیاہی ہٹا پٹھلا ہوتا ہے۔ گری کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرسٹان کے کتبے پر مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے۔ اور چھ مہینے سے زیادہ سڑا ہوا مکان کے باہر بیکر کسی قسم کے سایہ کے سڑتا ہے۔ عوام کا یہ حال ہے کہ کبھی اور کبھی ہی میں پڑھتے ہیں۔ اور بڑے بڑے تاجدار اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چمڑے پردے کو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض چرس کے شہرہ جھکے سینٹ جسکے یا سینٹ ڈینس سے اپنے بند وضع اور بے شمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آج بھی قریب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہاں کوئی رہ سکے گا۔ یا مات کو جب کہ ہمارے صحن سے گری کے بارے میں دیکھتے گھٹا ہے کوئی سر کے گا؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص کھڑے پر پھر پھوٹ کر گری آیا ہے۔ اور گری اور گرد کے بارے میں مرا ہوا ہے۔ اور حسب معمول ٹھنڈی ہی تر تیر ہے تو کیا یہی لطف ہوا اگر اس کو تنگ و تاریک نرچہ سے چڑھ کر صحن یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں اچھے کمرے میں ٹھنڈا پڑے کہ جہاں مارے گری کے دم ٹھٹھ جاتے۔ ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر نرچہ توڑنا سامان ٹھنڈا پانی یا غیر کا شربت پانی لینا اور کپڑے اتار کر اور منہ ہاتھ دھو کر سایہ میں ٹھیک پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمت گاروں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے چلبے سے کہ جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی | اب میں آپ کو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ خود فکر کریں گے کہ یہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔ قریب چالیس برس گذرے کہ شہنشاہِ عالم کے والد شاہجہاں نے اپنی دماغی یا دھار کے لئے پڑائی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام اپنے نام پر شہر شہاں آباد یا اختصار کے لئے شہاں آباد رکھا۔ اور اس کے دارالسلطنت بنانے کے لئے یہ دم ظاہر کی کہ گری کی شہرت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے تمام کے خلق انہیں

ملے شاہجہاں ہماری کھا ہے کہ اس کی آبادی شاہجہاں کے چلوس کے بارہویں سال مطابق ششہ صدی ششہ وں شروع ہوتی تھی اور خان خانان نے اپنی کتاب منتخب القباب میں لکھا ہے کہ تارکین میں سے بد شعرائے اس کی بات کہیں تھیں بادشاہ کے لئے اور پستہ دار شہر شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد ہوا کہ صاحب آثار العباد نے اپنی سند یہ میر یکتی کا شہر کا لکھا تھا جلتے ہیں۔ ص ۷

ہے لیکن اس سبب سے کہ اس کی تعمیر کے لئے اکثر مصالحہ پڑائی دلی کے آس پاس کے کشتیاں سے بہم پہنچایا گیا تھا۔ دلی آدھی چڑاٹے اور نئے شہر میں تھیں کرتے اور دواؤں کو دلی ہی کہتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اکثر یہ عیاں شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔ بہر حال آسانی کے لئے میں نے بھی اہلِ یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

دلی کا حصار | شہر دلی ایک ہوا زرخیز پر ہٹا کے کنارے ہوا زرخیز کے برابر ایک دیا ہے ہالی صورت میں آباد ہے۔ اور اس طرف کے سواہر وریا کی وجہ سے جس پر کشتیوں کا ہل بندھا ہوا ہے محفوظ ہے۔ حفاظت کے لئے سب طرف پختہ شہر بنانا ہی ہوئی ہے۔ اور اگر ان بڑوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر بنائے کے کنارے بنے ہوتے ہیں اور اس کے پچھتے سے ہر طرف چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے برابر ہوتا ہے قطع نظر کی جائے تو یہ بہت نامکمل ہے۔ کیونکہ دواؤں کے گرد و خیز ہے اور دواؤں کا سامان ہے۔

یہ حصار اگر شہر اور قلعہ دواؤں پر محیط ہے لیکن اس کی وسعت اس قدر نہیں کہ قبضہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ نہ کہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اس کے گرد اگرچہ پھر گیا ہوں حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لگاتار فرانسیسی تین میل سے زیادہ دھکی ہے۔ میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد و زار کی بہت سی آبادیوں کو جو بہت دیر تک لاہوری دواؤں کی جانب تہی چلی گئی ہیں اس میں شامل نہیں کرتا۔ اور دواؤں کی دلی کے آس

سے صاحبِ انوارِ اصفیاء نے کتابِ راجہ آفتاب شاہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شہر جلدی مطابق مشرق و مغرب مشرق شاہجہاں کے حکم کے بموجب بنی اور پھر سے چار چھوٹے دواؤں کے گرد و پیر کے خوب سے یہ فعل طار ہوئی۔ گرد و سرے بریں رسات میں اکثر گھر سے گزرتی اس واسطے زمرہ چار دواؤں پھر سے بنا کا حکم ہوا۔ اور رسات بریں کے دوسری چار گھر کے خوب سے تیار ہو گئی۔ طول اس کا چھ بڑی چار چار گھر کا ہے۔ اور چار گھر کی چڑی اور تو گھر کی کوئی ہے اور اس میں ستائیس برہمن گھر کے قطرے ہیں۔ مشرق میں جب سرکارِ عالمیہ گزرتی کا قلعہ براتوں اکثر گھر سے ٹوٹ رہی تھی جس کو بہت خوبی سے درست کرایا گیا اور امیرِ بریں دواؤں کے باہر جو نازی اور میں جوں پر روز ہنگ چہ نظام الملک آصفیاء کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کے نام سے مشہور ہے اس کو بھی اندر سے دیا گیا۔ اور قریب مشرق کے اس کے گرد بھی مشہور بنا دیا گیا۔

م۔ م۔ م۔

سے صاحبِ انوارِ اصفیاء کی حقیقت کے مطابق پہلے اس شہر کا نام اور پتہ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس

شاہجہاں کے ایام امیری اور عہد اورنگ زیب

بے شمار بقیہ کو اودھنائی تین چار پھوٹی پھوٹی بستریوں کو جو شہر کے لواحق میں ہیں۔ کیونکہ ان کو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر انہیں بھی ایک سیدھا سا خانہ کھنچا جائے تو سائے چار میل سے زیادہ ہواور اگرچہ اوقات و فیروز کے بچی میں آجائے کی دوسرے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ شہر کا کل دور کس قدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے۔ تخلو میں میں شاہی محل سرا اور بادشاہی مکانات ہیں اور جن کا ذکر میں آئندہ کریں گا۔

حقہ ماشیہ مفر گزشتہ باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ نام ہل کر کب سے دہلی ہو گیا عزت آتشا بن نہیں کھا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ دوسرے سے جو چند رنجیوں میں کا ایک دوسرے سے چند نام پدلی آباد کی لیکن یہ بات کچھ نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پرستیوں میں جو ہندو کی رام دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دہلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جہاں لکھا ہے اندھ پت ہی لکھا ہے۔ اور تاریخ لرشتہ میں لکھا ہے کہ۔

مشتہد سلطان مشہور میں کو دروں کے خاندان میں سے ایک رام نے شہزادہ بہت کے برابر دہلی لہا ا اور اسی صنف نے کتاب درجہ انقلاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین خرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین کہتے ہیں جہاں صحیح نہ ختم کے اس سبب سے وہ بستی دہلی کے نام سے مشہور ہو گئی مگر اس سبب سے تو تو تو تو تو کے خاندان میں حکومت تھی اور اس سبب سے دہلی نام پڑ جانا توجہ ہی لکھا

ہے اس واسطے یہ بات بھی قابل اعتقاد نہیں۔ اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ نول صاحب مکتبہ کتاب خانہ رام دلیہ تو تو کے نام سے اس سبب سے کہ دہلی کے رام اکثر تو تو کے پائے رہے ہیں۔ اندھ پت میں اپنے نام پر مشہور لہا اور سب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا۔ بلکہ اس کا نام دہلی کا دلیو ہے۔ جیسا کہ سوانح روایت صاحب جو اہل بحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کر کے دلیو کا لفظ اپنے اس شعریں باندھا ہے۔ یہ ایک اسپہم بخش یا زانورہ بھڑا بارگی و یا بھڑاں وہ کہ گروں شہنشاہ دلیو دوم ۴ دلیو دلیو رام پور میں یعنی رام نور دلی کا تین سالہ معرقتہ اور اسی کی لڑائی میں مارا گیا۔ اور تو تو تک رام نور کا محل ہو گیا۔ اور اس کے بعد سکندر اعظم نے رام نور پر سستی کے کتا بے سج پائی۔ اور لگا کے کتا بے یعنی تو تو تک محل کر لیا۔ یہ واقعہ مشہور قبل وفات صحیح علیہ السلام میں جو اکثر تھیں یہی زمانہ دہلی شہر لکھتے نامعلوم ہوتا ہے۔

س م ح

یہ شاہجہاں نے اپنے طوس کے بارہویں سال سلطان مشہورہ مشہورہ میں شاہجہاں آباد کی آبادی کا حکم دیا۔ اور اسی میں ہی ان کے گھر بنا شروع ہوا۔ اُس وقت دلا اور دلا جانے میں لکھا تھا۔ اس کا تھیر کے لئے مقرر ہوئے۔ پہلے موجد خان کو اس کا اتمام ملا۔ اور پچھلے دووں میں قلعہ کی بنیادیں کھدی اور کچھ

قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اور سائے دریا نے جتنا بہتا ہے۔ اور تھلکی دلوں اور پانی کے مابین ایک ریتیلہ وسیع میدان ہے جس میں لمبائیوں کی لڑائی دکھائی جاتی ہے۔ اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی قبریں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے گھڑی کی جاتی ہیں جن کو بادشاہ محل کے مہر و گن میں سے دیکھا کرتا ہے۔

تھلکی دلوں اور پانی ریت کے گول بیرون کے لحاظ سے شہر چاہ کے مشابہ ہے لیکن چونکہ یہ کچھ اینٹ اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب سے شہر چاہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر چاہ سے اونچائی چوڑائی اور مضبوطی میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رتے چھوٹی چھوٹی ترمیمی پٹریں ہوتی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا تھلے کے سب طرف پہنچنے اور صیقل خدق بنی ہوئی ہے۔ جس کی مدد کار کے پتھر ساف اور گھڑے ہوتے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری۔ تہی ہے جس میں کثرت سے پہلیاں ہیں۔ یہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور سوری دانستہ میں ایک عرصہ طاقات کا تو یہ نشانہ اس کو فوراً زمین کے برابر کر سکتا ہے۔ اس خدق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پاروں سے ہمیشہ ہل سہل رہتا۔ اور تھلکی عظیم الشان اور سرخ رنگ کی فضیل کے مقابل ہوتے جیسے حاشیہ سبز گزشتہ، مسالہ میں ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بنیاد اور پچی بھی ہوتی۔ یہاں سے دی خان کو یہ کام ہوا ہوا اور دروس ایک جیسے گیارہ دن میں تھلے کے سب طرف کی دیوار بلند بارہ گز اونچی ہو گئی۔ پھر کمرست خان کا اندر ہوا۔ اور چوبیس سال جلوس یعنی قریب نوویس کے دروس میں سب کام تیار ہو گیا اور چوبیس سال پہلے اولیٰ مشعلہ مطابق مشعلہ یعنی نصف نشینی کے اکہویس سال میں بادشاہ نے اس میں پہلا جلوس کیا۔ یہ بخت پہلی جلتے۔ اور اس کا طول ایک ہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جس کی کل زمین چھ لاکھ گز ہوتی۔ اور اس سب سے یہ اکہر آباد کے تھلے دو گنا ہے اس کی فصیل پچیس گز اونچی ہے۔ اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔ چارہ لاکھ بنیاد سے پندرہ گز اندر سے دس گز کا ہے۔ اس کی خدق چوبیس گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے۔ جس کا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ اس تھلے کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ اور کتاب رکت آ کتاب خانہ کھا ہے کہ گھڑی پر عربی لکھا تھا۔ میں پچاس لاکھ تھلے کے بنے ہیں۔ اور پچاس لاکھ اس کے اندر کے مکانات کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا۔

کی وجہ سے بہت خوش خوشنا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس مانع کے حصول ایک بادشاہی چوک ہے جس کے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دیواروں کے آگے آگے ختم ہوتے ہیں۔ جو لازمِ راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں ان کے نیچے اس چوک میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت غم کرتے ہیں۔ اس لئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے اور اسی نگہبانی کے تحت بادشاہی گھوڑے جو اس کے قریب ہی ایک بڑے اسٹبل میں رہتے ہیں پھرتے جاتے ہیں۔ اور کبھی سواروں کی فوج کا میجر بخشی شے بھرتی ہونے والے سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھاگتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور اچھے مضبوط اور پیادہ کے پورے ہوں تو ان کی ران پر بادشاہ کا اور اس امیر کا مانع دلوادیتا ہے جس کی فوج میں وہ بھرتی ہوتے ہیں۔ اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ انہیں گھوڑوں کو دیکھنے سے سوار مستعد بننے کے ضروری کے تحت چلی نہیں کر سکتے۔

جھوٹے غریب حال | اسی جگہ انعام و تمام کی بے شمار چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے بازار لگتا ہے۔ جو پیرس کے پورٹ ٹی آف کی طرح ہر قسم کے تھالوں، بھان میںیوں، ہندو اور مسلمان بخوبیوں اور دکانوں کا مرجع ہے اور یہ فاضل بخوبی و مرہب میں ایک میلہ سا تاجین کا ٹکڑا کھاتے بیٹھے رہتے ہیں۔ جن کے پاس علمی بخوبی کے کچھ پڑلے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب لٹکی رہتی ہے۔ جس میں بادہ بڑھوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہ ماہ چلتے لوگوں کو پھسلانے اور قریب دیتے ہیں۔ اور عوام انہیں غریب داناں بھکران سے دھوکہ کرتے ہیں۔ اور یہ ایک پیسے کے بیچا ہے جھٹکا کرتے ہیں کہ ان کی قسمت میں آئندہ کیا ہوتا ہے۔ اور ان کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُٹھ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جس کام کی بابت ان سے سوال کرتے ہیں ان کے لئے دقت اور - سامت - یعنی جودت جانتے ہیں اور داناں عورتیں سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر اوڑھ کر ان کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ اور اپنی تمام عمر کے معاملات کے بارے میں ان سے پوچھ گچھ کرتی ہیں اور اپنے تمام دلی سہیہ ان سے کہہ دیتی ہیں۔ جس طرح نرانی

شہر ایک دہائے پل کا نام ہے جو شہر ہے جس میں نہ کھانا ہوتا ہے۔ - - -

میں ایک دوسرا میں صورت اپنے پاوی کے پاس جا کر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کر چکی ہے۔ اور یہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا جمل دنیا ان لوگوں کے اختیار میں ہے۔ ان نجومیوں میں سب سے زیادہ مشفق فیض ایک دوغلہ پڑتگیر تھا۔ جو کہ اسے بھاگ آیا تھا۔ یہ مسخو بھی اپنا تالیس بکھاتے بڑی شکست سے جیتا رہتا تھا۔ اور اس کے پاس بھی بہت سے ساحل آتے تھے۔ حالانکہ وہ کچھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور اس کے پاس اہل نجوم کے بھاتے صرف ایک پڑھتا ہوازی قلعہ بنا تھا۔ اور کتابوں کی نگہ رومیں کیتھک فرقہ کی نماز کی پڑتگیری زبان میں دو پڑھاتی بالسریر کتابیں تھیں جن کی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں ہرجوں کی صورتیں اسی طرح کی بناتے ہیں۔ ایک دن فرقہ صیویٹ کے پشیرا خانہ یوزی صاحب نے اس کو اس کام میں مشغول دیکھ کر ہم بھاگ کر توبہ کیا کرتا ہے تو اس نے شرمندہ ہونے کی جگہ یہ جواب دیا کہ۔ ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیے۔ یہ تو کہیں ان غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ منہم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ ان کو بڑا بلا مرہ کہتے ہیں اور اس طرح سے یہ دولت مند ہوجاتے ہیں یا غلام ایٹیا میں یہ بے اصل دہم پھیلا ہوا ہے۔ اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیران فروری قلعہ گروہوں کو بڑی بڑی خنوا ہیں دیتے ہیں۔ اور بغیر ان کی اصلاحات کے کوئی ادنیٰ کام بھی شروع نہیں کرتے یہ بخودی گویا آسمان میں گھسی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرتے کے لئے مہالک گھڑی خرچہ کرتے اور ہر ایک مشقہ کو ترقی سے خال نکال کر مل کر دیتے ہیں۔

دہلی کے بازار | وہ دہلی کے بازار میں کا ابھی ذکر ہوا ہے جو اس چکر و میدان میں اگر تھے ہیں ان کا عرض ترعبہ کہیں باتیں قدم کے ہرگا۔ اور جہاں تک کنظر پہنچی ہے وہ سب سے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاہوری دہانہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ یہ لحاظ وضع عمارت سے دولاں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ ہر جس کا بازار معوضہ میں داخل ہے اسی طرح ان کے بھی دو توں جانب کی دوکانیں محراب دار ہیں گراتنا فرق ہے کہ ایک تو ان کی عمارت خشکی ہے دوسرے یہ کہ یہ ایک فنیلی ہیں۔ اور ان کی پچھتیں بطور ایک سطح جو ترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہ بھی تفاوت ہے کہ پیش و رائل کی دوکانوں کے ہانڈے اس سطح کے ہیں کہ ان میں داخل ہر کو انان بازار کے ایک سرے سے دوسرے تک جا سکتا ہے۔ اور ان کی دوکانوں کے ہانڈے ملحدہ ملحدہ ہیں جن کے نیچے میں پولیسی

مہربان سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ تڑپتا سا منہ غلام چہروں پہ بقی بھر گیا اور ہند
اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پرودہ دار عورتیں بھی جل نہیں گئیں۔ کچھ کنکریں پھریاں ایسی شہزاد
اور آج ہوتی ہیں۔ کرنا محرم لوگوں سے منہ نہ پھانسنے سوا ان سے کچھ ہی نہیں آتا۔
چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی بہت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر کی جگہ
ان کے اور خن پرش مسکڑوں کو دیکھ کر سمجھ لے۔ ہمیشہ یہ خیال ہوتا ہے کہ سوائے
اسے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اس میں زیادہ ہیں۔ دلی گریا چند دیہاتوں کا مجموعہ
یا فلاح کی چھامنی ہے۔

امریکے مکان اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں۔ اس گرم ملک میں اسی
مکان کو صدمہ سمجھتے ہیں جس میں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاص کر شمال
کے جانب کی ہوا آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات صدمہ سمجھے جاتے ہیں جن میں ایک ایسا صحن
اور باغیچہ اور درخت اور حوض اور والٹان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے
ہوں۔ اور خوبصورت تھیلے ہوں جن میں بڑے بڑے ٹکڑے لگے ہوتے ہوتے ہیں اور
اپنی خشکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں وہ پہرے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم
ہوتی ہے کہ مائش نہیں لیا جاسکتا بہت آرام کی نگہ ہوتی ہے۔ مگر یہ خادوں کی بہ نسبت
اکثر لوگ صحن خادوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک
قسم کی گھاس کی خوشبودار ٹڈوں سے بنائے جاتے اور جن کے اندر اس غرض سے حوض کے
قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمت گزار لوگ چھڑے کی ٹڈ لچھوں سے ان پر بارش کی طرف سے
آسانی کے ساتھ پانی پھونک سکیں اور اس طرح کا مکان سب سے صدمہ خیال کیا جاتا ہے۔
جس کے چاروں طرف تدارم اور سنے والٹان ہیں جن میں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک
بڑے صحن کے اندر لگتا ہوا ہو۔ اور پانی اور اتنی کوئی صدمہ مکان ایسا نہیں ہے جس میں گھر
والوں کے سونے کے لئے صحن چھوڑا ہو۔ یہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب
صبح کو صدمہ ہوا چلنے یا ٹہنم پڑنے لگتی ہے۔ ہنگ کو صدمہ کراندر سے لیا جاتا ہے۔ یہ ضمیمہ اگرچہ
زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں راحت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر صدمہ پاؤں اکڑ جاتے
ہیں۔

شہر جہاں کے ایام اسیری اور مہلہ گنگہ

اچھے گھروں میں نشست کا یہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روتی کا ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیا بچھا رہتا ہے جس پر گری کے دلوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاتوں میں ریشمین تالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک دو گدیاں بچھے رہتے ہیں۔ جن پر ریشم کے بکے کام کی سوزنی میں پر سنہری اور دھوپلی زردی گدی دھا میاں بنی ہوتی ہوتی ہیں پٹری رہتی ہے۔ اور صاحب خاں اور محترم زادہ ممتاز لوگ جو ملاقات کرتے ہیں اس پر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیاں پر کتاب کا ایک گداؤنگی بھی لگا رہتا ہے اور اس کے علاوہ اہل مجلس کے آدم کے تھے دالان کے گرد اگر کتاب اور محفل اور بچوں دار لکھن کپڑے کے خانوں کے چند اور تکیے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جڑیوں سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معتدل اور باقرہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے ہاتے ہیں۔ اور دالان کی چھت محض اور طے کاری کی ہوتی ہے گرامن ان کی کسی اور جان مارنے کی تصویر اس پر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مذہب اسلام میں منکوث ہے۔

یہ چند دستان کے ایک عمدہ مکان کا تقریباً صحیح نقشہ ہے۔ اور دلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں فرنگستان کے مکانات کی بھی سے قریب نظر کر کے بلا اندیشہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوب صورتی سے خالی نہیں۔ مگر ہر چیز کو فرنگستان کے خیروں کی زیب و زینت کا امٹ ہے وہ خوش نما اور شان دار دکانیں ہیں جو دلی میں نہیں ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالی شان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے۔ جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی چیزیں قیمت اختیار کیا جیسے سو جانا ایک ضروری امر ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈیوین ہے جس کا مقابل اور میر تقی میرا تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

دلی کی دوکانیں | یہاں جی قیمت مال اکثر اہل خانہ میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان کی طرح دوکانیں سبڑک دار اور جی قیمت اسباب سے خاوندانہ ہی کرارت نظر آتی ہیں اور اگر ایک مکان میں لکھن کتب اور زردی کارمند لکھیں اور لکھن کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی بھی دوکانوں میں کھی تیل دان چاندی گہروں وغیرہ بے شمار قسم کے اٹا لہو و صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گشت نہیں کھاتے۔ بلکہ قریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی یہی کھاتے ہیں (لوگوں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں۔

البتہ ایک بازار ایسا ہے جس میں بیروہ کھلا رکھا رہتا ہے۔ اور اس میں بہت سی دکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران تلخ بخارا اور سمرقند کے خشک بیوہں، بادام، پستہ، فندق، کشمش، پیر اور دود آلود حادثوں میں سیوا اور سفید نہایت عمدہ تازے انگوروں اور دودی کی تہ میں لٹکتے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں، ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سرودوں سے جو جالوں میں بھر رکھے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ بیوہ بہت جگے جگے ہیں۔ چنانچہ ایک سرود پر سے ہاں دود پیہ کو آتا ہے۔ لیکن باہر ہر اہل دہلی کو سب بیوہوں سے زیادہ مریض اور پسند ہے۔ امرا کے ہاں بیوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میرے آقا کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقع پر کوئی بکاس دود پیہ کا بیوہ مریض میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دینی ظلم زہ بہت مستاہزتا ہے۔ لیکن زیادہ لاپذ نہیں ہوتا۔ اور بہتر اس کے کہ ایران سے بیچ منگوا کر ایک ابھی اور کھائی ہوئی زمین میں بڑا جائے جیسا کہ گھرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا، گلاس پر بھی اچھا اور عمدہ ظلم زہ کیا ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو پھنچے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ کو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم جگہ لڑگوں کھٹا اور گڑا سے آتا ہے۔ جوئی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اس کی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تریزہ سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ خرم اور بے مزہ ہے۔ اور رنگت بھی ابھی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی امرا کے ہاں اچھا کھاتے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیچ منگوا کر بڑی احتیاط اور خوب سے آگرتے ہیں۔

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی ابھی نہیں بنی اگر وہ کبھوں سے بھری رہتی ہے۔ نان بٹنی بھی بے شمار ہیں مگر ان کے خورد ہمارے ہاں کے خوردوں سے مختلف و فسخ کے ہیں اور بہت بڑے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب سکی ہوتی البتہ جو روٹی قند شہ کی ہے وہ کسی قدر اچھی ہوتی ہے امرا کو اپنے گھر پر ہی تولد کرا لیتے ہیں۔ اور اس دم سے نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ اس میں دودھ مکھن اور انڈا لپٹا لایا جاتا ہے۔ اور اگر یہ خوب پھول جاتی ہے۔ مگر مزاجی ہوتی کا سا

ہوتا ہے۔ اور زیادہ ترکیب جیسی ہوتی ہے اور ہر س کی - کھانسی - اور دوسری - روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی۔ اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ و فیرو کھتا ہے لیکن اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے۔ کیونکہ جیسے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے - یا قریب المرگ بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ فرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو صحت کے لئے مفید نہیں ہے۔ دہلی کے ہر گلی کوپے میں گوشت کھتا ہے۔ لیکن گدھی کے گوشت کی جگہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیتے ہیں۔ پس اس قریب سے بچنے کے لئے ہوشیار رہنا چاہیے۔ بیل کا گوشت اور دھاک کر بھیڑ کا اگرچہ سڑے میں پڑا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ہوا زیادہ ہوتا ہے۔ نفع پیدا کرتا اور دیر ہضم ہوتا ہے۔ حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بازار میں شاؤدناؤ ہی لیتا ہے۔ اس لئے ذمہ دارانہ خریدنا پڑتا ہے۔ لیکن اس میں یہ بڑی وقت ہے کہ اس ملک میں سب کا گوشت شام تک نہیں ٹھہرتا۔ دوسرے یہ کہ جانور دھلے لے لے ہیں۔ اور اس وجہ سے گوشت بے مزہ ہوتا ہے اور قلعہ بیل کی دکانوں میں کوئی بکریوں کا گوشت لٹتا ہے جو اکثر سخت ہوتا ہے۔ لیکن خصوصیت سے میرا اس بارے میں شکایت کہ کھانا مناسب ہے۔ کیونکہ جب سے کہ میں ان لوگوں کے رویے سے واقف ہو گیا ہوں ایسا کم اتفاق ہو سبب کہ جھکروٹی یا گوشت اچھا نہ ملا ہو چنانچہ میں خاص بادشاہی بارگاہ کے دودھ کے پاس قلعہ میں اپنا لاکڑی بیچ دیتا ہوں اور وہ غرضی سے عمدہ کھانا دے دیتے ہیں جس پر ان کی ناکت اگرچہ کم لگتی ہوتی ہے۔ مگر میں برضا مندی ایک لڑھی قیمت دیتا ہوں چنانچہ میرا آغا - بھوسے - بات سن کر کہتے ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاک سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ بڑے ہار سو روپیہ میں جو جگہ آپ کی سرکار سے ملتا ہے ہاتھوں کے اسے مر جانا حالانکہ فراش میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک پادشاہ کا سا کھانا کھاتا ہوں۔

پھیلی اور پرندے | سخت مرغ دہلی میں بائبل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عزمِ عام کرتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں پر حرام نہیں کرنے۔ جن کو محلِ سلوک کے لئے طے کیا ہے۔ لیکن پردہ حال و کثرت سے بازار میں بکے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جس کا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے۔ اور جس کا نام میں نے "صنٹی" رکھا ہے وہ بھی کبھی ہے۔ کیونکہ میں نے اسے گر بکے نہیں لے۔

کیونکہ ہندوستان کے لوگ بکوں کا مار ڈالنا بے رحمی کا کام سمجھتے ہیں۔ تاجر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تاجروں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑا کر در سے نڈھالتے ہیں۔ ایسے اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور ہند ہوتے ہیں یہی کیفیت سرکاریوں اور غریبوں کی ہے جو زندہ پکڑے جا کر خبرے کے پتھر سے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں۔ دلی کی لڑائی کے مابین گریہ پیش میں ہوتا تھا۔ لیکن بعض اوقات اچھی پھلی بھی کیتی ہے۔ خصوصاً سنگھار اور مہارنگ جو اپنے ہاں کی پاکت اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں۔ مگر خانوں میں مابین گریہ پھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی پھلی آجاتی ہے تو وہ سراسر کوئی نادرہ چیز ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ خاص طور سے اس کے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اور کوڑے کے زور سے ہر چیز اُن کے دروازہ پر کھٹکتا رہتا ہے۔ اور ایک موسم میں پھلی پکڑنے کو بھیجتے ہیں۔

بادۂ فرنگ | اب ہمارے جان میں کہ آپ خود فرما سکتے ہیں کہ کیا کوئی خوش خوش شخص چری کو چھوڑ کر دلی کی سیر کے لئے خوشی سے آئے گا؟ بے شک امیروں اور دولت مند لوگوں کو ہر ایک شے محسوس ہے لیکن یہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث ہے۔ دلی میں حرم و محال شخص کوئی نہیں ہے یا تو بڑے بڑے مالی رتبہ و گاہی و ایسے ہی ہیں کہ زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میری خواہ بھی معقول ہے۔ اور میں نہیں بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسبِ اہل خواہ کھانا نہیں ملتا۔ وہ یہ کہ باہر میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر دلی چیزیں ملتی ہیں۔ جن کو اُسے ناپسند کر کے چھوڑ دیا ہوا شراب جو فرنگستان میں کھانے کا بڑا جزو سمجھا جاتا ہے۔ دلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ ویسی انگور کی بن سکتی ہے۔ لیکن شرع اسلام اور شاعری کے واسطے سے براہِ منہ ہے چنانچہ اس کا باوجود گولی کٹھن میں بعض توپے اور انگریزوں کے گھروں میں سے پانی ہے جو ہمزہ نہ تھی اور سلطنتِ مغلیہ میں اگر کبھی عہدِ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا ہمزہ کٹھن کی ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب شیرازی کو ایمان سے نفی کی راہ سے جندِ عباس میں پہنچ کر ہڈیہ ہماز سورت میں آتی ہے۔ جہاں سے پہلا لیس دن کے عرصہ میں دلی میں پہنچ جاتی ہے۔

لے یہ ہمارے بڑے سات جن سے ہیں جو شمالی عہدِ ہماز ملک میں واقع ہیں۔ ان کا مرض شمالی ستائش سے لے کر کھالیت اور انتہی سے لے کر تھل تک اور طویل فزی نصف النہار لندن سے تھوڑے

اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لائے ہیں لیکن یہ وہاں قسم کے شراب ہیں اس قدر گراں قیمت ہیں کہ بادل اس ملک کے لوگوں کے ان کی قیمت ان کے سرے کو بے تلف کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک پڑا پیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے۔ چودہ یا سولہ روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں آتا۔ اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جس کو یہاں عرق کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے۔ جو گڑھے پھپکے میں کھینچ کر بناتے ہیں گراس کی فروخت کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے ملائیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر جو عرق حبیہ حاشیہ منوگڑ خشہ اور اسخارہ سے لے کر جلی تک ہے۔ ان کا رتبہ کباب انگریزی ٹیل مرلج اور آبادی موافق شمار حفظہ حسب ذیل ہے۔

آبادی	رتبہ
(۱) جزیرہ ٹے ناریف	ہجاسی ہزار ۵۷۵۱۰
(۲) کناری کان	اڑسٹھ ہزار ۷۵۰۰۰
(۳) پالا	تینتیس ہزار ۷۱۰۰۵
(۴) لیس زبے روٹ	سترو ہزار چار سو ۳۲۳۱۵
(۵) فیورٹی دی لارا	تیرہ ہزار آٹھ سو ۳۲۶۰۱
(۶) گرے را	گیارہ ہزار سات سو ۱۶۹۰۷
(۷) اپنی رو	چار ہزار چار سو ۸۲۱۳

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور نامہ صرف ہجاس اور ساتھ میل کے اندر ہے۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ جو اکثر غیر آباد ہیں اور جو کہ پہلے پہل شہنشاہ انگلس کے زمانہ میں ان کا چہ چہ۔ پڑ مارک اور علیہوس سے کئی اپنے ہنر مندوں میں چند سرسبز جہول کا ذکر کیا ہے لیکن وہ ایسا نامکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر سے کئی راس کا ذکر ہے یا کناری کا یہ سب کے سب کی احوال شاہ سپہی کے قہذ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند تاشی کے لئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا مونا نوٹوگورٹنگ اور صحت بخش ہے۔ یا پیرلی سے اکتوبر تک شمالی ایشیا مشرقی ہوا چلتی جاتی ہے اور مشرقی ہوائ کے ساتھ کثیر غرق شروش ہوا جاتی ہے مگر ماہزے کے موسم میں کئی کئی جزائر مشرقی ہوا بھی چلتی ہے۔ جو براعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں کھینچتی ہیں اور بعض اوقات اس کے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ مصلحہ میں اس قدر ٹڈی آتی تھی کہ زمین پر چار دھرتی دھڑک گئی تھی انکو یہاں بکثرت ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشتہ شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ اور اسکا پیکر پینے یا پیکر

دلیا ہی تھوڑے ہی عرصے میں لکھ میں اٹاچ سے بناتے ہیں اور اگر اس کو خوراک مالا بھی زیادہ استعمال کیا جائے تو ملاطِ اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس قلعہ آدوی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھے گا یا نہایت عمدہ نمبو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آ جاتا ہے۔ اور کچھ منز نہیں کرتا۔ اصل یہ ہے کہ اس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو خراب کئی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھ شہ نہیں کہ یہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینے کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثلاً اور امراضِ گردہ اور زکامِ نزلہ اور چھتہ تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو لوگ ان امراض کے شاک میں آتے ہیں میسا کر نمود میرا حال متاوا بہت صلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی طسیرج ذوقِ منہ ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے بُرے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن دلی ہی بہت اور جہالت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرو ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کالی ہو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری یعنی چائے میں میں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو نرگشتاں کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دلی میں ہنرمند کاریروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اس کا سبب **صناعی اور کاریگری** یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی مہارت نہیں رکھتے۔

کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بے شمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن کو لوگ بیخبر ملکوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی آستانہ سے کبھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی اچھے کامل طور سے نقل کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے جہاں نہ پہلے اس قسم کی اور اشیاء کے نہایت عمدہ شکار ہی اور جنگی ہندو تھیں ہیں۔ اور سونے کے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سنار اُن سے بڑھ کر شاہد ہی بنا سکے۔

مصوری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جیسے دیکھ کر کسی کو حیرت میں آگیا ہوں۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہموں کی ایک شہید ہر ایک مشہور و نامی مصور نے ایک ٹوہال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُس نے تو خصوصیت سے مجھ کو حیران کر دیا

اور میں نے اس کو ایک عجیب کام خیال کیا۔ مگر ہندوستانی مسعود اکثر تصریح میں مناسب اعضاء اور اُن حالتوں کے ظاہر کرتے ہیں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کہتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو کوئی اچھا استاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے تو یہ خوب جلد رنج ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دارالسلطنت شہر میں دست کاری اور ہنرمندی کے اعلیٰ قسم کے خنواں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کندوبی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانہ داروں کو کچھ جنت دلائی جائے تو بے شک منفیہ اور عمدہ صنعتوں اور چیزوں کو ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان بیچاڑوں کو تو بھی احمیت بھی نہیں ملتی بلکہ ان کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے۔ اور دولت مند لوگ ہر ایک چیز ارباں قیمت پر اپنی چاہتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی امیر یا منصب دار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے لہو لیتا ہے۔ اور بشرط ضرورت بیچارے جبراً کام لیتا ہے۔ اور چرنے تیار ہو جاتے پر اس کی خوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اتمک سے جو قیمت چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جاتے ہی کو نیست بھتا ہے۔ پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخانہ دار لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہنر دکھائے میں سمجھتا ہوں کہ۔ بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنے کی کوشش کے بجائے صرف یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں جلد ہی ہرجا پھوٹ جائے اور اس قدر ضروری مل جاتے جس میں اوقات بسر ہو جائے اس سبب سے صرف وہی کاریگر اپنے فن میں کسی قدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار امیر کے فخر میں۔ اور صرف اپنے آقا کے لئے کام تیار کرتے ہیں۔

لال قلعہ | قلعہ میں محل سوائے شاہی دوسرے اور محل ہیں۔ لیکن آپ یہ گمان کریں کہ وہاں کی عمارت کی جیسے کہ لارنڈا اسکیمو ٹیل ہیں۔ بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیے سمجھی نہیں کیونکہ ان کے لئے اس ملک کی آب و ہوا کے موافق عمدہ اور شاندار ہونا ہی کافی ہے۔

قلعہ کے دروازے | قلعہ کے دروازے کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اس کے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بنا کر دو دروازوں جانب کھڑے کئے گئے ہیں جن میں سے ایک پر چوہے کے خمود و مسخوف راجہ جیل کی صورت ہے۔ اور دوسرے

پہر اس کے بھائی نشا کی جود دونوں بڑے بہادر اور عظیم الشان تھے۔ اور جن کی اس اُن سے بھی زیادہ دلیر تھی۔ اور جو شہنشاہ اکبر سے اس طرح جان توڑ کر ملے تھے کہ ابوالبابہ تک اُن کا نام رہے گا۔ اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو آن کر گھیر لیا تو یہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اس سے مقابل ہوئے۔ اور بھائے اس کے کہ اپنے دشمن کی جس کو اپنے زور اور قوت پر چٹا گھنٹہ تھا اطاقت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی حاجت اپنے ملک پر قربان کر ڈالی۔ اور یہ ان کی اس بے مثل جاں بازی کی وجہ سے تو ہے کہ اُن دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُن کی صورتوں کا قایم رکھنا مناسب خیال کیا یہ بات تھی جن پر یہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر عجب اور ادب کا ایک ایسا خیال ہم پر چھا گیا جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔

اس دروازے سے طلسمی داخل ہو کر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے جس کے چوں پنج پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب ہانچی یا چھ قرنائیں فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ ہر س کا پتہ فی آف ہے جس کو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک بنا برہما ہر محراب دار دالان بنتے چلے گئے ہیں۔ میں میں مختلف کارخانوں کے داروغہ اور دوسرے کم درجے کے عہدہ دار بغیر اس کے کہ گھوڑے اور آدمی جو پیچھے آتے جاتے ہیں اُن سے اُن کو کچھ تکلیف پہنچے پیچھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ اور منصب دار ہومات کو چمک دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چمترہ پر نہیں آتے ہیں۔

لے آخر مالگیری میں کھنسا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال میں مطابق مغلطہ میں پتھر کے دہلے سے قلعہ کے انتہی و نہایت عمدہ منصف سے چنہ ہوئے اور مدافعہ قلعہ کے مدافعانہ جانب سے تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو تھپا پل کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اٹھانے سے منع تھا بلکہ نے اپنی شہید کتاب دیکھا ہے ان افرانے ہی صند صاحب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی جہیں بستی کے طور پر عہدہ شکر کھا ہے۔ ان صورت بہادری نیلاں جیسا پل ہمارا چیل بند صاحب دکھاب کردار اس سے بھی ان اخیوں اور تھپا پل کا وجہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ تھپا پل قلعہ شاہجہاں آباد کے کوئی سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادیہ نے ان اخیوں کو کھارخانہ کے دروازے کے آگے بتایا ہے اور کھنسا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے تھپا پل کہتے تھے۔ میں صحیح بات دی ہے جو ٹائٹل برادر صاحب آخر مالگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی تھی ہے۔

قلعہ کے درمیان سے ایک نہر گذرتی ہے جس نہر کا پانی اول محل سل میں جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے مورتہ بہو تو سب مکاتوں میں پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد قلعہ کی خندق میں جا کر تاسہ اودہ دہلی سے چند رو یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر مینا میں سے نکالی گئی ہے اور پھر محنت سے میدان اور محنت پہاڑی زمین پر سے لائی گئی ہے۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے اندر کی طرف بھی ایک بسیں اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اس کے بھی دونوں جانب دیوے ہی چوڑے ہیں۔ لیکن محراب دار والا لالوں کے بجائے دکانیں بنی ہوئی ہیں۔ اور کچھ پوچھنے تو یہ ایک بازار ہے جو لکنا و جمعیت کی وجہ سے جس میں اور پر کی طرف روکششی اور ہوا کے لئے بڑے بڑے گول روغن دان بنے ہوئے ہیں۔ اور گرمی اور برسات میں بہت آرام دہ ہے۔ ان دونوں سڑکوں کے مساواتیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں جو ان مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے سوانح اُسر باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوک دیا کرتے ہیں۔ یہ مکانات جہاں اُسر چوک دیتے ہیں اپنے عہدہ ہیں کیونکہ یہ لوگ اُن کو اپنے خرچے سے آراستہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سب بڑے بڑے دیوان خانے ہیں۔ اور ان کے سامنے باسیچے ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی نہروں اور حوض اور نواف سے بنے ہوئے ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوئی ہے اُس کے لئے کھانا باو شاہی خاصے میں سے آتا ہے

ملہ صاحب آٹھ النساء نے کتاب مرآت آفتاب خلع کے حوالہ سے اس نہر کی ذہبت یہ لکھا ہے کہ اذل اس کو سلطان بلال الدین نیرزدی نے سنہ ۷۰۰ مطابق سنہ ۱۳۰۰ میں پرگنہ خضر آباد میں دریائے کاٹ کرتیں کو سبک پرگنہ سفید دل میں جہاں اُس کی شکار گاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا۔ پھر کسی بادشاہ کو اس کا حصول ذرا اورد ہند ہو گئی سنہ ۷۰۰ مطابق سنہ ۱۳۰۰ میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شاہاب الدین احمد خاں سورہ وادہ دہلی نے اس کو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر تک لایا۔ اور نہر شاہجہاں اس کا نام رکھا۔ مگر ایک مدت بعد پھر چند ہو گئی اور سنہ ۷۰۰ مطابق سنہ ۱۳۰۰ میں شاہجہاں کے حکم سے سفید دل تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہاں آباد تک لے کر دے گئی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی۔ ایک وادہ بعد اس کا عہدہ ہی حال ہو گیا تھا جو تھوٹا سنہ ۷۰۰ مطابق سنہ ۱۳۰۰ میں سرکار مالہ انگریزی نے اس کو پھر جاری کیا۔ اور آج تک یعنی جولائی سنہ ۷۰۰ مطابق ماہ شوال سنہ ۱۳۰۰ نہایت خوب اور صفائی سے جاری اور نہر جن شرکی کے نام سے معروف ہے۔

جس کے آئے کے وقت امیر کو ادا سے شکر کے لئے بادشاہی محل کی طرف رخ کر کے تین دفعہ تسلیماں بکھانا یعنی زمین تک ہاتھ ملے جا کر اسے تک لانا ہوتا ہے۔ ان کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفاتروں کے لئے بہت سے دیران خانے بنے ہوئے اور نیچے لگے ہوئے ہیں۔

ان میں سے جن بڑے والاؤں میں کاریگر بنیتے ہیں وہ مختلف خانوں کا رخا سجات قلعہ کے نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک ایک ماہر فن اُستاد کثرت کلام ہوتا ہے۔ کسی کارخانہ میں کاریگر اور چکن دو ذرا دروازہ وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سٹنار اور کسی میں معتر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھتی۔ اور ذرا کسی اور کسی میں درزی اور سوچی اور کسی میں دامانی اور چڑیا اور کباب اور باریک بسمل بننے والے ہوا ہے۔ جو گڑیاں بننے اور کمر باندھنے کے پھول دار ذری کا سچکے اور ڈانٹنے یا جاموں کے لئے ایسا مارک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے کچھیں یا تیں دو پو قیمت کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ جب کہ اس پر سرنی سے نہایت خوبصورت ذری کا کام کیا گیا ہو۔ یہ تمام کاریگر علی الصبح اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انھیں دھندوں میں ان کی زندگی بسر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اس سے ترقی کرنے کے لئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً کاریگر اور چکن دو ذرا دروازہ کا اپنے پیشے کو اپنا ہی پیشہ سمجھتا ہے۔ اور سٹنار کا بلیا بھاری ہوتا ہے۔ اور فہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشے کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی نہیں کرتا۔ اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے ہیں جیسا کہ ہندو جن کا شاستری ہی حکم دیتا ہے۔ اور اس کے باعث سے بہت سی خوبصورت لڑکیاں کناری بیچی۔ تھی ہیں۔ حالانکہ اگر ان کے والدین پیشہ اور ذات کا خیال چھوڑ دیں تو ان کی شادی اچھی ملکہ ہو سکتی ہے۔

عام و خاص اور نقار خانہ اب ضروری ہے کہ میں عام و خاص کا ذکر کروں جو ان مکانات میں سے گورنے کے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور عالی شان عمارت ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے چاروں طرف صحن ہیں

اور ہمیں رات سے مشاہد ہے۔ اور صرف اس قدر فرق ہے کہ اس کے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اس کی عمارتیں اس طرح بنی ہوئی ہیں کہ ایک عمارت میں سے دوسری عمارت بنی جا سکتے ہیں اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس پر ایک بڑا بلاخاندہ بنا ہوا ہے۔ جس کے دروازے اسی جانب ہیں اور چونکہ اس میں تعمیریں اور مشینائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اس کو نقارخانہ کہتے ہیں۔ جو دن کو اور رات کو اوقاتِ معینہ پر اکٹھے بکائے جاتے اور خود اہلِ قرنگ کے کالوں کو نہایت ہی کریمِ مظلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہمہ تعمیریں اور اسی قدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں۔ ان میں سے بڑی نفیری جس کو قرنگ کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جس کا نیچے کا منہ ایک فرانسیسی نٹ سے کم نہیں ہے اور اوپر سے پائیل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے۔ پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کس قدر شور و غل ہوا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اول اول یہاں آیا تو شور کے بارے میں بے کان نہ رہے ہو گئے۔ لیکن عادتِ ایسی زبردست چڑ ہے کہ آپ رحمت سے شاہجہان خصوصاً رات کے وقت مکان کی چست پر بیٹھ ہوتے جب دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی اور سوشلی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کئی قبیل کی بات نہیں کیونکہ ان کے بکائے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور ان بچوں کی آواز کے اونگھنا بچا کرنا اور سوشلی اور کے دار بنانے میں ایسے مشاق ہیں کہ ان کے سنی جاتے تو نہایت پیاری لگتی ہے نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے مروتہ پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو اس کی آواز سے تکلیف نہ ہو۔ اس دروازہ کے مقابل میں یہ نقارخانہ ہے جس سے گذر کر ایک بڑا دالان ہے جس کے ستون اور چست منبری کام کے ہیں۔ اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوا دار اور تین طرف سے گھٹا ہوا ہے اور اس دیوار کے وسط میں جو محل سلو سے اس کو نکھارتی ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شرفیلا بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر روز بادشاہ دوپہر کے قریب آن کر تخت پر بیٹھ جاتے ہیں

لے میر میں نے اپنی بے نظیر شہزادی مریم خاتون کو کہا کہ اس سے سہارا نہ لے کر نہ کھڑا ہوا کہیں دور سے کان پڑتی تھی کہ

م م م

یہ آواز انعام میں اس کو نصیب ہوئی تھی تاکہ اس کے کھانے سے۔ اور اس کی کینیت میں ہوا کی ہے کہ وہ ان عام کے مکان کے بچوں میں فرق دیوار سے لے ہوا سنگ مرمر کا چار گوشہ کا سرگرمی

جسے ماضیہ منور گزشتہ ہے جس میں چار شریف لگا کر باغداد کی طرح اس کی چھت بنائی ہے۔ اور قدیم آدم سے نژاد کسی دی ہے۔ اور اس کے پیچھے جو سنگِ مرمر کا سات گز مہا اور ڈھائی گز چڑا ایک طاق ہے اس پر ہر قسم کے چندہ نہ کی تصویریں بلب لب رنگین تصویروں کی بنی ہوئی ہیں۔ اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دو ہاتھ اٹھاکر ادا رہا ہے۔ یہ تصویر لکھ اٹلی کے رہنے والے ارنیوس اسے ایک کلا بننے کی ہے۔ جس کی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علمِ موسیقی میں اپنا تفسیر نہیں رکھتا تھا۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گائے بیٹھتا تو ہر چند آواز اس کی آواز سے مست ہو کر اس کے گرد آگے بیٹھتے تھے۔ اور اس کہانی کے موافق اسی لکھ کے رہنے والے رنیل آج بھی ایک معترف ہے جو اس نم میں بے مثل تھا اپنے خیال سے آرنیوس کے گائے کا ایک مرتبہ کہیں ہوا تھا۔

یہ معترف شاعر میں مراگرا اس کا یہ مرتبہ اٹلی اور ہنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور اب تک اس کی نقلیں موجود ہیں۔ اور یہ وہی مرتبہ ہے جو تھریک بنی کاسی میں پایا جاتا گیا ہے اس مرتبہ کو ہنگستانی کے سوا اور کہیں مداح نہیں تھا اس سے لطیف ہر تلمبہ کہ اس قلم کے بنائے ہیں کوئی ذکوہ اٹلی کا رہنے والا فرنگی شریک تھا اس طاق کی نقل میں ایک مدافنہ ہے اور اندر سے بھی آگے کا راستہ ہے۔ بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اس میں کرتے تھے اس تخت کے آگے ایک تختِ تنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے۔ کمر میں سے جس کی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اس پر چڑھ کر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے بیٹھے اس تخت اس قدر ادا کیا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا ٹہر ملا تخت کسبہ پہنچا ہے اس تخت کے آگے دالان در دالان ہے جو شرف گز مہا اور چوبیس گز چڑا ہے اور ہر ایک دالان کے لازورد ہیں۔ اور ان سب کے شریف سنگِ مرمر کے ہیں۔ اور ان پر بہت خوبصورت حراہی بنائی گئی ہیں۔ اور سفیدی گوشت کرشنری نقاشی کی ہے۔ باہر کے دالان میں پہنچے کہ چھوڑ کر سنگِ مرمر کا کثیر لگا ہوا ہے۔ جس پر بہت خوش نما سنہری کلیاں تھیں۔ جو اب ایک بھی باقی نہیں ہے۔ دالان آگے اور دالان ابید والا کے سب مرتبہ کھڑے رہے کھڑے تھا۔ یہ دربار کا دالان در حقیقت ایک چہرہ بنا ہوا ہے۔ جس کا ایک سو چار گز کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے اس کے پہنچے میں یہ دالان ہے اور باقی تین طرف چہرہ ہے جس کے گرد دو سو سنگِ مرمر کا کثیر لگا ہوا ہے۔ جس پر سنہری کلیاں تھیں یہ جگہ چوب دار اور نقیب اور احمدی دھند لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اس کو نکال باڑی کہتے تھے اور اس کے آگے دو سو چار گز مہا اور ایک سو ساٹھ گز چڑا مہا ہے اور اس کے چاروں طرف قرین اور مرقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جلسے کا مکان ہے۔ جس میں

نما جہاں کا یام امیری اور مہارنگتے یہ

بائیں شہزادے کھڑے ہوتے اور خراجہ سزاور چھل لگاتے یا بڑے بڑے چنگے جھپٹے یا ادا تے نہا
کے لئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں
چاندی کا جھگڑ لگا ہوا ہے جس میں تمام اُمرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر نکھیں ٹھہر گئے ہوتے
ہاتھ باندے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اسی قاعدہ پر منصب دار یعنی
جھوٹے امر کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو حکم خالی رہتی ہے وہ اور جگہ تمام صحن صوب قسم
کے لوگوں اٹھ ادا وقتہ منقطع یعنی سے بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک
متعلق اپنے عرض حال کے لئے باراب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُس کو عام و خاص کہتے
ہیں اور ڈوٹیر یا دو گھنٹے تک لوگوں کا بھرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسی قدر
خاص گھوڑے سامنے کئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پرست
ہیں اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں جن کی میلی کھال خوب نہلا دھلا کر سیاہی سے رنگ
دی جاتی ہے اور دلال خط سرے سوڑ کے اخیر تک جہاں دولاں اکر مل جاتے ہیں۔ کچھ لینے
جاتے ہیں۔ اور زبردست کی بھول ڈال کر چاندی کے دو گھنٹے، ہوا یک لٹری زنجیریں ہند سے چوڑے
ہوتے ہیں پنچ پر سے دولاں طرف لٹکا دیے جاتے ہیں اور سفید سوگائے کی ڈنڈ جو ٹھہرتی ج
سے آتی اور جیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی سوکھیں سی معلوم ہوتی ہیں۔
اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب جاتے ہوتے ہیں خدمت گاروں کی طرح ان بڑے
ہاتھیوں کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ ہاتھی جھوم جھوم کر اور سبھل سبھل کر قدم رکھتے ہوتے ایسے
معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے ذوق برق سازو سامان اور اپنی آن بان پر نازاں ہیں اور جب
لے ناتی خاں اپنی مارتنگ میں کھتا ہے کہ چکر شاہ جہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دربار عام
کے لئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اس لئے شاہ جہاں نے
اپنے عہد کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور دہلی پر بادشاہ دربار عام کے لئے
چالیس چالیس متروں کی تین عالی شان مارتنگیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص اُن کا
کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام خاص جب تیار ہو گیا تو ملک انھیں اظہارِ مہلتے میسر ہے اس کی
تعریف میں یہ ربائی کہی۔

ایں تازہ بنا کر مشن ہمایہ دوست رفعت عرقتے زریچہ پاچہ دوست

باخت کھرشتوں سنہرش بہد دوست کا ساقش خاص و عام درسا یا دوست

سم ج

تھمت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہارت جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لڑے کی ایک دنگل (چیز رائکس) چھو کر اُن کو بڑھا داتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے۔ اور اُس وقت یہ جالور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کھٹکا کر چنگاڑا ہے۔ جس کو لوگ اُس کی تمیلات خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اور جالور چٹپ چٹ ہوتے ہیں۔ شفا سحرانے ہوئے ہوں بولتے جاتے ہیں۔ نیل گاتیں۔ اور گینڈے اور جنگل کے بڑے بڑے بچے جن کے جنگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کو اُن سے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ اور چتے جن سے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک اور ملک لٹاوا وغیرہ سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوتی ہیں چٹپ ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پر جو تیر۔ کنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جن پر یہ نہایت تیزی کے ساتھ چھپتے اور چپے اور چوہے لارہ کر اُن کو اندھا کر دیتے ہیں ان جالوروں کے چٹپ ہرنے کے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرتے جاتے ہیں جن کی پوشاک اس وقت مدد مرہ کے لباس کی پانچت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں پر پاکر میں پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زور مثلاً بیکل جینے وغیرہ سے بھرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماثلے سے بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ نوہ بھیڑیں ہیں کا پیٹ صاف کر کے پھر سی دیا جاتا ہے۔ لاجواں اکرا منصب دلاکر زبردست اور اعصاب دلاکر اُن پر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں چونگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کے بعد زیادہ اہم معاملات چٹپ ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صرف دیکھتا ہی نہیں۔ بلکہ ان کے متعلق گفتیش حال بھی کرتا ہے۔ بلکہ صوبے لڑائی بند ہوتی ہے کوئی سولہ یا پچیس ایسا نہیں جس کو بادشاہ نے یکم خود نہ دیکھا ہو۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو۔ چنانچہ اُس نے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسی کی کم کر دی اور کسی کو بالکل ہی معزوف کر دیا ہے۔ اس موقع پر مستفیض جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام وکمال بادشاہ کے ملاحظہ وادری اور سعادت میں آتی ہیں۔ اور بادشاہ بذات خود مستفیضوں سے وہ یافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی خود داد دیتا ہے اور جہت میں ایک دن خلعت میں کامل درگئے ٹیک اچھے دس فرما کی عرضیاں سنتا ہے جو مستفیضوں میں سے چٹپ لے جاتے ہیں اور جن کے چٹپ

کرنے کا کام ایک نیک دوست مند اور من فہم کے سپرد ہے اور ایک دن بدل و انصاف کے کرے میں جس کو عدالت خاندان کہتے ہیں دو ٹوٹے قاضیوں کے ساتھ جھگڑا اور رسائی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ اور اس سے بھڑکی عیاں ہے کہ ایشیائی بادشاہ جن کو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتواں مشید و خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داد دہی اور انصاف رسائی سے جو ان پر واجب ہے نفرت نہیں کرتے۔

خوشامد کجاہت | جو حالات اس دربار عام و خاص میں گذرتے ہیں اور جن کام میں نے ابھی ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سب مقبول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور کردہ عرشہ اور کجاہت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کا تذکرہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے منہ سے نکل جاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کہوں نہ ہو تمام دربار اور ہرے بڑے اشراف اس کی طرف دوزں ہاتھ اٹھا کر صرصر طعنے کوئی مذاکری رحمت کو لیتا ہے اس لفظ کو لے کر اور ٹکرات کرات کہہ کر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور خبیثا مظلوم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس کو یہ بیت یاد نہ ہو اور وہ اس کو غریب طور پر نہ پڑے متاثر ہو۔

”اگر شہ روز دا گو یہ شب ست ایں“ ہوا کہ گفت ایک ماہ و ہمدین“

یعنی اگر بادشاہ رات کو دن تیار کے نہ کہہ دیتا چاہے کہ دیکھتے وہ چاند اور ستارے نظر آتے ہیں۔ اور یہ خوشامد کا مہیب کیا اولیٰ کیا اعلیٰ سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی منحل کو مجھ سے مسالہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے بمعکو یہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارتقا اور تقوا اور بول و علی سینا ہیں۔ چنانچہ اول اول تو میں نے اس حرکت کو مدحنا چاہا اور کہا کہ میں خدا آپ میری تعریف کرتے ہیں میں سرگرم اس کے قانون نہیں ہوں۔ اور تم کو ان بزرگوں سے کہے نہت نہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار ان کو اور زیادہ سبب لاندہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے تو مجھ پر اپنے کاتوں کو ان کی خوشامدی باتیں سننے کا دیریا ہی مادی بنایا جیسا کہ ان کے موصی کے باہوں کے سننے کا۔ اس موقع پر ایک لطیفہ آپ کو سناتا ہوں اس سے آپ کو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبی معلوم ہو جائے گا۔ ایک ہڈت میں کی اپنے آقا سے میں نے یہی لافات کرائی تھی ایک روز اس نے اپنے ایک اشلوک میں اول تو ان کو ان بڑے بڑے نئے مندوں سے جو دنیا میں شاد و ناور ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بڑا بتایا۔ اور پھر سیکڑوں جھلا

اور وہ بیات کہ کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی جہدگی سے یہ کہا کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپ کے قدموں کے نیچے زمین کا نیچہ گنتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتھی جو اس کو اپنے سر پر اٹھاتے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اثر سے کی تاب نہیں دے سکتے۔ میں کو سن کر میں نے اختیار نہیں پڑا اور اپنے ”آغا“ سے کہہ بیڑی ملیج ان کو بھی نہیں آگئی تھی شرمی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا بکھر کر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دنیا درہم برہم ہو جائے جس کے جواب میں انہوں نے فوراً یہ کہا کہ اسی وجہ سے تو میں پاکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

خلوت خانہ عام و خاص کے ترے والوں کی منزل تہا ایک خلوت خانہ ہے جسے منسلک خانہ کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہ وصعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر وہاں کافی وصعت میں نہایت خوبصورت روحانی اور سنہری کام ہے اور ایک برص شرفیہ کی طرح چار پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کر دربار سے ہوا و حرار کو کھڑے ہوتے ہیں غلطی میں اسرا اور صوبہ داروں کے وائس سنٹا اور سلیکٹ کے اہم معاملات پر فوراً جہاں میں صبح کی کام و خاص کے بارے میں نو ذہنیکہ است اسرا ہر اذ کیا جاتا ہے۔ یہاں شام کو د حاضر ہوتے پر سزائی ہے البتہ عین کے آغا و شرفیہ کی بیٹھکوں میں کو ان کے علم و فضل اور حقوق مطلق اور اسرا تمام امور مملکت کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چار شہید کو جو ان کی چکی کا دھبہ ہے ان کو بھی اور امر کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے۔ یہ حدود حاضر کی رسم نہایت چھائی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کر سکتا۔ کہ نہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری کام یا سخت بیماری کی حالت کے دولوں وقت دربار میں آتا اپنا فرض جانتا ہے چنانچہ اورنگ زیب کی پھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار میں آتا ملے بادشاہ نے یہی لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں قلعہ آگرہ میں کل سزا اور دیوان خانہ کے باجی ایک مکان میں شاہیں میں بادشاہ منسلک کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور ضراب خانہ یعنی ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے شاہجہاں کے زمانہ میں جو نئی نئی عمارتیں بنائی گئیں تو اگرچہ بادشاہ نے اس مکان کا نام یہاں سلیکٹ کے نہایت مخفی اور اہم معاملات اسرا اور سزا کے شور سے بچنے کے لئے تھے دولت خانہ خاص رکھا لیکن لوگ اس کو بھی منسلک خانہ ہی کہتے رہے اور اس لئے اگر بادشاہ سفر میں بھی پڑتا تو عظام شاہیں میں ایک غیر منسلک خانہ کے نام سے موزوں تھا اگرچہ اس میں دربار خاص جانتا تھا اور منسلک کام کے موزوں رکھتا تھا۔

مقاموں میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اُس کو انٹھا کرے آتے تھے کیونکہ اُس نے رات دن میں کم از کم ایک بار لوگوں کو اپنا دہرا دکھا دینا واجب سمجھا تھا اس لئے کہ ایسا خدا پر ہمارا تھا کہ اُس کا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا بھی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیلاؤ کا باعث اور شہر میں شربتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ مثل غلام کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن احمد میں معروف رہتا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جالوز کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اس لئے اُس کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس وقت کے دربار کی یہ خاص رسم ہے کہ جن منصب داروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے ٹھٹھے قریبے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ جن کے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لئے ہوئے پہنچتے ہیں جو چند خوبصورت نقرتی چیزیں ہیں جو چاندی سے منقش ہوتی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوتی ہوتی ہیں جن میں سے دو بڑی پھلتی کی شکل کی ہیں اور دو ایک صیب اور غیاثی جالوز کی صورت کی ہیں کہ "اڑو" کہتے ہیں اور کچھ خیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض قراڑو کی صورت کی اور بہت سی اور بے شمار وضع کی جن کے ایک طرف کے بعدیا غنیم معنی جیتا ہے ہیں۔ ان لوگوں میں بہت سے گزیردار بھی ہوتے ہیں جو تھوڑے اور وہی دیکھ کر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جن کا یہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچاتیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اس کی تعمیل کریں۔

شاہی محل سرا اب میں بڑی صورت کے ساتھ آپ کو بادشاہی محل سرا کی سیر کرانا ہوں۔ جیسا کہ تلمذ کی اور عمارات کی کڑائی ہے۔ لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم و دید بیان کرنی ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے وہلی میں موجود نہ ہونے کے وقت جگہ کئی دند و دہاں جانے کا موقع ملے۔ اور مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے مل جل کی خاطر شدت مرض کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت درد تک امد جانے کا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری خال اس طریقے سے اڑھا دی گئی تھی کہ ایک بے سگار دواؤں سے لگی طرف پاؤں تک لگتی تھی اور ایک خواجہ سرا

باختہ کپڑے ہوتے تھے اس طرح لے گیا تھا جیسے کوئی اندر سے کوٹنے جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو صرف اُسی پر تنہا عت کرنی چاہیے جو ہمیں خواہ سراؤں سے سُن کر میں نے کھا ہے اُن کا بیان ہے کہ محل سرا میں بیگمات کے جامع اور حیثیت اور اُن کی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف اپنے اپنے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار آرام گاہیں اور نہروں اور قارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر صحن تہ خانے اور دُرات کو خُشکی میں آرام کرنے کے لئے اونچے اونچے ٹھٹھے اور صحن چوڑے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دل کش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف وہ گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے بچ کی جو دریا کی طرف ہے۔ جسے زیادہ تعریف کرتے ہیں میں اگر وہ کے دولاں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑھے ہوئے اور لا جو روئی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔

اب تہاں اس کے کہ میں تعلقہ کا بیان ختم کروں آپ کو دواۓ عام دربار اور تخت طاؤس | خاص کی طرف شرح کرنا اور ان سالانہ حبشوں اور درباروں کی کیفیت سنائی چاہتا ہوں جو میں نے اُس میں جوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھ کر کوئی تماشا میں نے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اُس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اُس کی پوشاک نہایت نازک اور پھول دار پٹھی کپڑے کی تھی جس پر بہت ہی عمدہ ندی کا کام کر لیا ہوا تھا اور ندی کا رمنڈیل سر پہ تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیرے کا طرز دکھا ہوا تھا جس میں ایک کھجور ایسا تھا جو لائٹنی کہا جاسکتا ہے اور آفتاب کی کرن چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا گھٹا لگے ہیں تھا جو ہندوؤں کی مالکی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا۔

لے آتا دیکھا کہ میں اس برہ کا نام برہ ملا یا دشمن برہ کہا ہے اور سرتاپا سنگ مرمر کا بنا رہا جس میں سونے کا کام اور پرچین سازی اور نہایت کاری کی ہوئی ہے جو مجلس سمیت باہر سے بھی نہری ہے اور خشت پہلو ہونے کے باعث دشمن برہ کہلاتا ہے۔ تین ضلع اس کی خواب گاہ کی مارت کی طرف ہیں اور پانچ روڈ کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بعد برآمدے کے دریا کے رنہ بنا ہوا ہے۔

یہ تخت چہ طلائی پایوں کا ہے۔ جن کو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہے جن میں طاقت اور زور وادب سے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں اُن کی تعداد اور نصبت بیان نہیں کر سکتا کیونکہ کسی کو اس تعدد نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے لیکن یقین کیجئے کہ میرے اور دوسرے جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اس کی قیمت چار کروڑ روپے جا بچی گئی تھی۔ اور اُس کو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اس نے بنوایا تھا کہ بے شمار جواہرات و خزانہ میں قدیم و اجازوں اور چٹان بادشاہوں کی لوٹ اور اُن پیش کشوں کے ذریعہ سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موتوں پر فدیہ میں گذرانی لازم ہیں و تھا خوشامی جمع ہو گئے تھے لوگ اُن کو دیکھیں مگر اُس کی ساخت اور کاریگری ہی جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے۔ سالتہ و مور و موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پہنے ہیں اور ان کو ایک منار سے بنایا تھا۔ جس کی کاریگری شہ لاہ علیحدہ سے شاہجہاں نے بادشاہان میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ سمجھ کر ہم اُس کو یہاں بے غفلت نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

پہلا ہرودایام و کردار و احوال تمام جواہر شنہ کے ہر ایک شاعر کو شاعرانہ و مکرر خود شہادت و درجہ اور فائدہ والا فراہم آدہ بود۔ در آواز جلوس مقدس بر ضمیر الہام پذیر منطبق گردید کہ از تحصیل فیاض ترف و ریح و نفاذ چاشنی این نقائیں صیغہ مطیع نظر و در بین جود و است آرائی و زینت افزائی امر سے دیگر نصبت ہیں و دعائے بکار و ہر دو کہ ہم تماشا بنیاں از من یہاں افروزی تھا کہ ہر دو کان بہرہ گیر و ہم کار گاہ سلطنت و فروغی تارہ ہے آہ حکم شد کہ سوائے ہر خاص کہ در جواہر خاد شکوئے سیز مثال سے باشد از قسم عمل و طاقت و الماس و ہر دو ایہ یقینی و مذکورہ صدف روپیہ قیمت آست و ہر دو قریب کار و زان بیک است از نظر المیر گدازند ہم ہر شنہ گرانی سنگ را کہ پناہ نہر و شغال است و مبلغی ہشتاد و پنچس کتا ہے یہاں آں شدہ ہوا انتخاب نمودہ ہے جسے دل خاں دادہ فندک گرد خانہ و خانہ فرمودہ تا بیک تک تو طلائے ناب کہ در حد پناہ نہر و شغال است و مبلغی چارہ ہک روپیہ قیمت الی تختہ بطلی سرگرد۔ جسے در عرض مذکور گن آئین پنج گز سرکاری نمودہ و پیر و دیگرہ ترصیع لایند و معر شدہ کہ شرف آں لارہوں فخر و تکرار و تختہ صیغہ بہت بہ عمل و طاقت و جود آں صیغہ مطوق ساختہ ہندو را ہی اساطین و داندہ کا دیر فرازد ہائے آں کہ ہر یکہ خاص مشکل بنما ہر جواہر و دسیان ہر دو طلائے صیغہ کجاہر آب و در تر قیہ ہے۔ و قیمت ہفت سال الی تختہ عرض مثال ہے مبلغ صدف روپیہ کہ سرحد و سی و نہر و ترقان و قاق و چاہار کرد خان و کاہ و اصرار است

بقیہ ماشیے سرگزشتہ ۔ صورت تمام یافت ۔ از عطر زادہ جنت مرست کہ برودر آن برائے تکیہ نصب
 نمودہ اند تختہ سیاہی کی جاقاقی سلیمان مکان برقی دست حق پرست گذاشتہ تکیہ زدہ کی نشانیوں تک
 روپو تیسست و دودراند بجاہر یکہ درمی تختہ نظام نہادند عطر است در وسط آن قیمت یک کب روپو کہ شاہ
 عباس وافی ایران مسعود زہیل بیگ کہ برسم ادھان نزد حضرت جنت مکانی در سال داشتہ بودہ آن
 حضرت در جلد سے فتح کن بھاکان ماک مستحق حضرت صاحبقران ثانی

دست ملائی افضل خان بیک فرستادہ بودند تختہ اسم مای قطب الملک والدین حضرت صاحبقران
 اولیہ میرزا شاہ رخ و میرزا ابی بیگ بر آن مشغول بودہ بہادنگ کہ بانگہ بایام انھما کے عوام بہ مستشاہ
 عباس انشاوار نیز تمام خود طبرانی فرستہ گرواندہ ہون کھڑت جنت مکانی رسوخ نام نہی خود را با نام مای
 چہرہ گر و بھان نگاشتہ اکنون باسم گراہی بادشاہ جنت اقلیم شہنشاہ تختہ و بیسیاب و تاب تانہ زیب
 درخت بہ اعمارہ و درود ۔ بر مرقا قی این شغری مای محمد طای قدسی کہ شش ہزار رنگا است بر چنا سے
 بہودن تختہ کلاہ نمودہ اند ۔ شغری

زہب فرشتہ جنت باد شاہی	کہ شدہ ما ان بتا تو الہی
نکد روزے کی کہ شکر کل	زہر خدیہ را بگداخت اول
بکلم کار نرا صرف شد پاک	بہ جیا کارش جہا سے ناک
جواہر تختہ از دروگر ہر مقصد	و جو بھوکاں را بکست این ہد
زیا تو نقل کہ در تہ بہا نیست	بہ لعل بتاں را دل بکانیت
برائے پایاں مرے کشیدہ	گہر انسر بہر خاتم دیدہ
بھر جش عالم از در شد چل پاک	کہ شدہ ز گنجی قال کیئے خاک
رساند گر نکل خود را بپاشش	دہر غور شہیدہ مرادہ غافلش
سز از زبے کہ سر بہ پایاں سود	ز گردن پایہ بر بختہ اخروہ
غراق بھوکاں بہیرا یہ او	ہناہ عرض و کر کی سا پناہ
زالا پچہ ہر گشتہ اوان	چارہ عالمی ہر داد آہ
ماہر افش بود گھبستہ مینا	نزدان بھل چارہ از طر وینا
چہ کی کہ از فرازش کو تہ دست	نگین خوشی ہم بہ پایاں شہت
شہب تار از فرو بہ لعل و گوہر	قواند صد نکل نامہ اندر

شاہجہان کے نام میری اور مہاراجہ گنجپہ

اور ہر منہ کی چہرے کے لائق تھی اور جواسل میں فرار میں آئے والا تھا اور جس نے ہر پہ کے بہت سے رکھوں کو چھوٹے ہمارے وہ سے کہ میں کہ وہ ایک خاص ملک سے تیار کرنا تھا خوب لڑا تھا اور پھر ہواگ کر شہنشاہ منسل کے ہاں آکر پناہ لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی۔

تخت کے نیچے کے چوتھے پہر میں کے گرد چاندی کا کثیر رکھا ہوا اور اوپر روی کی جہاز کا ایک چڑوہ سے شامیاد تھا ماسوا تھا۔ اعلانیت ملک پر شاہیں پیچے کھڑے تھے اور مکان کے ستون زینت سے منڈے ہوئے اور پٹھی مختصر کے شامیائے میں برہمن اور فری کے پھندے لگے ہوتے تھے تھے ہوتے اور ہنڈت، عمدہ ریشمی تانیں بچے ہوئے تھے اور باہر ایک فہر ہے ایک لکھ لکھتے ہیں اور ہوا اس مکان سے بھی شامیہ اس کی چھت کے ساتھ لاکر رکھا ہوا تھا برہمن کے نصف تک پیٹھ بڑا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈے ہوئے کثیر سے گھرا ہوا تھا اس کی جو میں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جن میں سے تین ایسی ماند تھیں جیسے جہاز کا ستون اور آتی جھوٹی تھیں اس مال خانہ کے باہر کی طرف سرے تک کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب بھلی ٹین کی نہایت عمدہ چھت تھی جو اس کا زینما سے بنائی گئی تھی۔ اور میں کے بیل بوٹے ایسے عمدہ اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختہ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امراتو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گروہ کی ایک ایک عراب کی زیبائش و آرائش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں اس لئے بادشاہ کی زیادہ مقرر تھا منہ کی حاصل کرنے کے خیال سے ہر ایک

دہ خاں جہاں دلو سر پر ہے	ازاں شدائے تھیں ملک سے
گند شاہ جہاں بخشنی دلاؤ نکست	نراں مالی وافر یک تخت
خداوندے کہ خوشدگر کی ازاد	نرا نقد و رش تھے چھب ساخت
افرا نیست تا کون و مکان ما	یہ بر تخت جا شاہیاں ما
یہ تختے چھیں ہو زجا بش	نرا بہت کھڑ زبر پائش
یہ بار بخش زباں پر سے لایا	گفت دارنگ شاہشاہ مدلی

دیکھئے اسی تاریکی یافتہ و سرسبز چاروں عالمی و منظر (س م ۱۷)

لے ناریں ایک بڑے شہر کہ کہتے ہیں خلیفہ الفات (س م ۱۷)

نے دو سو سے بڑے حکمران کی نیربِ رذیت میں کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام درویش اور بے گھر لوگ کھانا اور ذریعہ معاش میں فرق اور غرض نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ ہو چکے تھے۔

جشنِ شادمانہ | جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اُس کے بعد اکثر اشرافیت کے تعلق کے ساتھ بڑی بڑی تازندوں میں جن کے پیشے اور ہنر سے ملنے کے تھے قسٹ لگے اور بکے یا دیے گئے۔ دیکھو کہ اورنگ زیب کا بدن سالانہ شہنشاہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار سے نہایت ہی مسرت نظر آ رہی تھی۔ اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا۔ اور اس قدر کبھی خوب ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کے دربار کے ساتھ جشن کرنے سے یہ مقصد تھا کہ سرداروں کو جن کا کتا وغیرہ لٹائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جائے! اس جشن میں اُسرا کو بہت فرح پڑا اور کراہٹوں کا ایک حشد ۵ کے نیربِ سواروں کے سر قلم پڑ گیا جن کو اپنے اپنے امیر کے حکم سے بیٹھنا قراروں کے واسطے کتاب خریدنا پڑا۔

ان سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جس کو اُسرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی ان کو ایک عہدہ پیش کش نذر کرنا پڑتی ہے جس کی قیمت بتا سببت ان کی تھوڑی کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض اشرافیت ہی عہدہ عہدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہ نذرانے بھی بغرضِ مخالفت اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست نذر کی قیمت و قیمت کے حکم دینے سے جو انہوں نے اپنے پروردگار سے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز دیتے اور بعض اوقات اُس کے خوش کرنے اور اس طرح اپنی خواہ بڑھانے کے لئے دیتے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض تو عہدہ سوئی اور میرے اور تھوڑا اور یا قوت پیش کرنے میں اور بعض سونے کے مربع برتن اور بعض بہت سی اشرافیاں ہر بار بارہ سو روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب دہلی پہنچنے کے دن سے نہیں بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے جنرلوں کی لائبریری دہلی دیکھنے کے لئے اُس کے پاس گیا تو اس نے ڈھائی لاکھ روپیہ کی اشرافیاں اور کچھ عہدہ سوئی اور ایک محل میں کی قیمت ایک لاکھ روپیہ کی گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہاں نے جو ہر ہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اُس کی قیمت ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی کم

تھوڑی جی میں کہ سن کر بڑے بڑے جوہری جھنوں نے اس کے چاہنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا جیہاں رہ گئے۔

مینا بازار | کبھی کبھی ان جھنوں کے وقت محل سرا میں ایک فرضی بابا بھی لگا کرتا ہے جس میں اُسرا اور بڑے بڑے منصب داروں کی خوبصورت اور دلکش باہیلیاں اور نکلیا لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کھانا اور نئی تھی وضع اور عمدہ زر و دھڑی کام کی چیزیں اور زر کی کار منڈیلیں اور سفید بادیک کپڑے جو امیر بادلوں کے استعمال میں آتے ہیں اور دوسری جیہاں قیمت چیزیں فروخت کرنے کو کہتی ہیں اور پادشاہ اور اُس کی بیگمیں شاہزادیاں اور دوسری مالی رتبہ خاتونیں خریدار تھیں ہیں۔ اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور صیہا ہوتی ہے تو اُس کی ماں اُس کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تاکہ پادشاہ کی نظر پڑ جائے اور ملکیت سے بھی تعارف ہو جائے۔ اس پہلو کا بڑا لطف یہ ہے کہ خبی اور خاق کے طور پر عہدِ پادشاہ ایک ایک عہد کے لئے ہنگامہ ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہلیم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری عہد سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ خر دیں گے اور وہ کو شش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور عہد دیکھتی ہے کہ پادشاہ زیادہ قیمت نہیں دے گا تا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑے عہد ہائی ہے کہ یہ کہہ اٹھتی ہے کہ آپ اپنے ہرف بیچنے کی فکر کریں ان چیزوں کی قیمت اُس کی جانیں اور یہ آپ کے لائق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور عہد تلاش کریں اور بیگمیں پادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدے ناچا تھی ہیں فرض کو دوتوں طرف سے ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سواک معلوم ہوتا ہے۔ مگر آخر کار سوداے ہو جاتا ہے۔ اور پادشاہ اور پادشاہزادیاں اور بیگمیں جو چیزیں اور عہد اور سے خریدتی ہیں اُن کی قیمت زبرد سے دیتی ہیں اور وہ چیزوں کی عہد آخر خراب اس طور سے ہاتھ سے خدال دیتی ہیں کہ گریز و کان داریاں اس کی بیٹی کے حسن و جمال نے اُن کو ایسا محو کر دیا ہے کہ وہ یہیں لکھ اشرافیوں کی تیزی نہیں رہی اور وہی ہی ہے جو خاق سے دکان و دکان کو اٹھاتی ہے اور اسی عہد سے یہ عہد دل لگی اور پہل میں ختم ہو جاتا ہے۔

شاہجہاں عورتوں کی طرف در زیادہ مائل تھا۔ مگر یہ بعض امر کو ناگوار گذرتا تھا مگر ہر ایک عہد کے عہد سے یہ عہد ملک کو لایا ہی کرتا اور فی الواقع یہاں تک اعتدال سے گھومتا تھا کہ اس عہد پر اُن عورتوں کو بھی مل ہی لایا اور عہد عہد وہی رکھتا تھا جن کی بیٹی

کہتے ہیں۔ میں کے منہ میں سونے سے لسیج کی ہوتی اور پھول کی طرح کھلی ہوتی، اگر یہ عورتیں بازار میں دیکھیں بلکہ بازار میں ہوتی تھیں تو بلا شادی کے متعلقہ پر اثر اور منصب داروں کے ان سرف نہ پختے حملے کے لئے جاتی تھیں۔ ان کچھنوں میں اگر چہ اکثر صاحب حسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گھانے میں بھی آن کر کمال سے اور ناچنے میں تو اپنے نمنا کو اس خوبی سے لپکاتی اور اس شرمست اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور تال و میں بھی دوست رشتی ہیں مگر پھر بھی کبھی ہیں۔

شاہجہاں اس پر تخاصم و کراہت تھا کہ یہ عورتیں اس سید میں آئیں بلکہ وہ کے دربار میں معمول کے موافق وہ دار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر اوقات بھر کے لئے ٹھہر لیتا اور ان کے اپنے گلے سے خطا اٹھاتا تھا لیکن اورنگ زیب آپ سے زیادہ بخیرہ ہے۔ اور اس نے ان کا صل میں آنا بالکل بند کر دیا ہے مگر معمول کے موافق چہاں شہر کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور سرب وود سے سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہیں۔

اب چہ کر میں حشون اور غنا بانا اور کچھنوں کا ذکر کر لیں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو چارے ایک ہم وطن برادر انامی کے تعلق رکھتا ہے۔ اور چہ کر میرے نزدیک بھی پُر اہمیت کا یہ قول صحیح ہے کہ "بزدلی اور خفیت باتوں کو پر مشتبہ رکھنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر شہرچہ ملے پڑا ایک آدمی کا ایک شہرچہ صنف ہے چہ کر دنیا کا رستہ والا تھا جو ان کے خلق لوہا میں ایک شہرچہ اس کی پیدائش کا زمانہ ایک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کا وہی رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی اربعہ سالوں سے لے کر تیرہویں سنہ تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اس نے ایمر جن حکیم سے غلطی کے وہ اصول کیے جو حسن نامہ اور ترائے عقل سے تعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی۔ علم الملاحق اور علم رجال میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں اور اس کی مرگی خیالات اور بہات ملی اور اس خاص طرز کی خوبی کا اثر جو اس کی تمام تقریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک مسد نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور کہہ چہ کر لیتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں سے میں کہتا ہوں کہ اس کی حیات جاودانی بخشی وہ دم اور قوت اس کے چہاں میں مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جس کے بہت سے ترجمے غرضی ہیں۔ اگر غرضی اور حسن و غیرہ میں ہوتے ہیں۔ اس کی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ بیہڑی رومی کے چہاں میں سنہ ۱۰۸۰ میں سترہویں کی عمر میں مرا تھا (انسانیکہ بہتہ یا ہر ایشیا)

اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و دماغ کے باب میں سمیت کے ساتھ رائے عام کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی یہ نہایت زیادہ مدد ملتی ہے۔ اس لئے اگرچہ یہ ایک نہیں مگر تاہم نئے نئے کے آتی ہے!

مختار جہانگیر کے انھر زمانہ میں ایک نئی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اُس پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھائے پینے میں بھی شریک ہو جاتا تھا اور بدحواسی سے زیادہ شراب پنی جیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے اور بادشاہ کا یہ حال تھا کہ شب و روز پیش و نقاظ میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی شہور و معروف سیکرٹریز جہاں کو سونپ رکھا تھا جس کی نسبت اُس کا یہ قول تھا کہ مائیں کی عقل و دانائی سلطنت کے نظام کے لئے کافی ہے۔ بکے دخل دینے کی حاجت نہیں۔ عیناً اُن کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روزگھی مگر شاہی محل سرانجام اور اُنہر کے ہاں سالانہ کے لئے جانے کے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اُس کے طبیب ہونے کی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھ کر اُس کی تواضع کرتے تھے۔ اُس کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ وہ یہ کہ بھی فائدہ دیکر مانتا تھا اور ایک اُردو سے لیتا اور دوسرے مانتا ہے اور دیکھتا تھا اور اس لئے سب لوگ اُس کو عزیز پاتے تھے خصوصاً کچھن مہن کو اُس نے بہت کچھ کھلایا تھا۔ پس اُس کے ہاں جیسے دانت کو ال عورتوں کا جگہشت ہوتا تھا یہ اُن میں سے ایک اور خصوصیت ہے جو نہایت عجیب اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہو گیا اور ہر چند طبعِ طبع کی کوششیں کیں۔ لیکن اُس عورت کو اس میں خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُس کے من و جمال اور تندہی میں فرق نہ آجائے ایک نکل اُس کو اپنی نظر سے چلنے نہ ہوئے۔ دینی تھی۔ اسی حالت میں مہر کہ عیناً بڑھتی تھی کے رسال سے مالوس ہو جاتا تھا ایک دن بھاگ کر سے دوسرے دار اُس کے ایک بے نظیر ملاک کے صلہ میں اُس کو انعام دینا چاہا تو اس نے عرض کیا اُمیدوار ہوں کہ سفرِ دینی اس انعام سے صاف دیکھیں اور بھائے اس کے میری جاننا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کبھی جوارِ باب نظام کے ساتھ سلام کو حاضر ہوتی ہے بکے عزت ہو۔ تمام دربار اُس کے اس عذر اور ایسی اور صفاست بکے کرتے سے جو اس کے صحابی اور اس کبھی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شہر سے شہر قابلِ قبول معلوم ہوتی تھی شکر کیا

لیکن جاگیر سے جس کو دین اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا تہقیر مارا اور حکم دیا کہ اس کشتی کو اس کے کافر سے پرٹھا دے اور کھوکھو کر کے جائے۔ چنانچہ قزاق سرسے و زباز یہ اُس کے کافر سے پرٹھا دی گئی اور وہ اس اضافہ کو لے کر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

ہاتھیوں کی لڑائی | مٹی کا انعام ہمیشہ ایک ایسے تھامے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کرفی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی ہر جوام خاقت کے سامنے ہمارا کیڑی میں لڑائی جاتے ہیں۔ اور بادشاہ اور جنگلات اور تمام اشرافہ کے جسر و کون میں سے یہ خواہاں کیچے ہیں۔ چنانچہ ایک خام ویرانہ تین یا چارٹ پھڑی اور پانی یا چھوٹا دریا بھی نہ آتی ہے اور اس کے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جن پر دودھ آویسہ ہوتے ہیں متعلق کئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اس لئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردی پر سے ایک گر بنے تو دوسرا انگلی سے اُس کو چھوئے۔ اور یہ لوگ کبھی تو ان کو بڑھلا دے کہ اگر کسی بڑے بھٹے کھڑے اور پانیوں سے شہ کے دے کر آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ یہ بچا ہے جاوے دیوار کے پاس پہنچ کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکرائے ہیں کہ دیکھ کر خوف آتا اور دوسرا دوسرا دونوں کے زخموں سے ان کا زہرہ رہنا مقرب معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اکثر زہرہ کر پرتی اور مٹی کا اور دیوار کا گر باقی ہے اور زہرہ مست اور دلیر ختمی ان کو چھاندر کر مریت۔ چھاندر کرنا ہمارا اُس کو بھگارتنا ہے اور ایسا پیچھے دینا ہے کہ آتش بازی کا پرنیوٹا کے بغیر جواں کے پیچ میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ حریف سے انکے نہیں ہوتا کو نکمہ جاوے یا طبع خود ایک چھوٹا اور بڑا آگ۔ سے ہست نہ ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ سب سے آتشیں تھیلا لڑائی میں بڑے جاتے گئے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم لڑتا رہ رہ گئے ہیں۔ اور اگر یہ سزا یورپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں بے جا سے پہلے ہر سر تک نہ دے جاتے کہ ان کے غلوں کے پاس بندو تیں اور ٹانگوں میں چلنے پھوڑے جاتے ہیں۔

ان عظیم انشان جاوے دیوار کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بے دردی پر ہوتا ہے یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ اسی اپنے حریف کے ہاوت کو اپنی سوڈ سے پکڑ کر نیچے گلاتا اور فوٹا پاؤں سے کہیں ڈالتا ہے۔ ہمارا توں اسلام ایسا خطرناک ہے کہ یہ نہ نصیب آدمی اپنے ہمدرد کو کہ اس عسکر ہر شخص ہوتے ہیں کہ گویا مرے کو جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دل کو اس قابل

شاہجہاں کے ایام اسیری اور بھولنگ نیچ

سے کسی قدر تسلی رچی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُن کی کا گزاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُن کی تنخواہ بڑھ جائے گی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پھوٹیں روپے کے پیوں کی ایک تحصیل مل جائے گی اور اگر کام آگئے تو اُن کی تنخواہ اُن کی بیوی کو ملتی ہے گی اور بیٹا اُن کی ماں کو ذکر ہوجائے گا۔ اس تنازعے میں مہاراجوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان فضیلت کا ہانڈوں سے بچنے کے لئے ایسی سخت، سنگد پڑتی ہے اور پھیل اور سوار اس طرح بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھوں کے پاؤں سے کھل جاتے ہیں۔ چنانچہ جب دوسری بار بھگوا اس تنازعے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی غولی اور دو خدمت گاروں کی کوشش کی کہ دولت میں بچ سکا تھا۔

جامع مسجد دہلی | اب موت ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کی طرف رجوع کروں جس کی دو عمارتوں کا ذکر کرنا اب تک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو بڑی مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونے کے سبب سے ملے اس مسجد کی بنیاد ارغوانی سلطان مظاہر شاہجہاں کے چوبیسویں سال طلوع میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راجا مزدمل اور لوہنگ تراش کام کرتے تھے اور اودھ اس اہتمام کے چوبیسویں دن لاکھ روپے کے خرچے سے تیار ہوئی اس کے تین گنبد ہیں ان کے گرد طول اور عرض گز کے عرض میں اور اندر کمرات صراحی ہیں اور باہر میں ایک طرف گیارہ دروازے ہیں میں ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ اور اسی طرح والے نورانی ہیں اور پچیس دروازے ہیں۔ بطور طغیان باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور زر معارف میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ خط نسخ سے لکھا تھا سنگ مرمری کی کچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دروازوں طرف نہایت بلند اور خوش نما ہیں جن میں اوپر چائے کے تختے زینے اور سروں پر بارہ دی کی پیریاں، بہت کشتا بنی ہوئی ہیں۔ شمالی دروازہ کچی کے صحن سے گریچا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو شام سنگ مرمر کا ہے۔ چائے کے گڑ گیا تھا مگر مزارعہ لیا گریڈی نے سلطان مظاہر کے دروازوں اُس عمارت کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا۔ اس مسجد میں چونکہ کوئی گنبد نہ تھا اور اس وجہ سے اندام کی آواز بکیر سب خانہ یوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اس واسطے شاہزاد مرزا سلیم علی حسین الدین مرزا کبیر شاہ بادشاہ نے سلطان مظاہر کے دروازے کے نیچے ایک کمرہ بنوایا کہ اس کا بہت خوش نما دروازہ ہے۔ اس کے اندر فرش سنگ مرمر کا ہے۔ اس میں سنگ مرمر کی کچی کاری سے بنے ہوئے ہیں جس میں سنگ مرمر کا بہت

بہت دور سے نظر آتی ہے اور اس کی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کی سطح کو خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چکر مہیاں کھول دی گئیں جہاں مسجد کی چار دیواریوں سے چار بڑے بازار آئے کر ملتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک قصبہ دروازہ کے خانے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دکنوں، تینوں کے محاذی اور اندھ جانے کے لئے تینوں ضلعوں میں کوئی پچیس کہیں لے تیس تیس چھپر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک چھپر گھڑ کر اور خوب صاف کر کے رکھنے لگے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپر کر مارت خوبصورت ہو گئی ہے۔ اس کے تینوں دروازے سنگ مرمر سے بنے ہیں اور نہایت عالی شان ہیں اور ان کے کمروں پر تاجے لے پتیل کی چٹیاں جڑی ہوئی تھیں جاشے منگو گشتہ، خوش طبع بنا ہوا ہے۔ شمالی دکان میں کچے تیرکات جناب رسولی خداصلی اللہ علیہ السلام کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے۔ مسجد کا صحن ایک مربع صحن گز کے عرض و طول کا ہے اور اس کے بیچ میں چندہ اور بارہ گواڑے سنگ مرمر کا عرض ہے جس میں غوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دکان اور عمارتیں ہیں جو کے ہیں۔ اور چاروں کولان پر بارہ دی کے چار ٹرٹے ہیں۔ جنوبی اور شرقی دکان کے سامنے دائرہ ہندی غار کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور صحن کے تینوں دروازوں میں مینگی کی ڈاڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ پر درخت کے لائی تھیں جو کے ہیں۔ اور تینیں سیڑھیاں ہیں جن پر تھوڑے پہر کو جمع عام ہوتا ہے۔ اور بھائی اور خالوہ واسے اور کبابی اور اسمیل مرنے بیچنے واسے اور خرقین ہوائی اثر سے واسطہ داسے ان کو جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی درخت کے ٹھوڑے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف آقا لیں سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیچتے اور سودے والے دکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف داریوں اور قصبوں کا ہوتا ہے۔ تھوڑے عرصے میں کھانا چھپتا ہے اور داستان امیر جزو بادشاہ قائم خانی احمد کہیں داستان برونیاں نیال منشا ہے جس کے بیٹے کو سیکڑوں آدمی بھیجتے ہیں ایک طرف ماری قاشا کرتا ہے اور بھانسی کا کھیل ہوتا ہے اور لڑکے کو پلے اور جان کو لڑھا جاتا ہے۔ شرقی دروازہ پر بھی سکانات جہے ہوئے ہیں اور اس کے آگے تین سیڑھیاں ہیں جن پر ہر روز گوری گنتی ہے۔ جو گز بارہ روز کا میلہ ہے۔ جنازہ طرح طرح کے کپڑے، انگلیوں پر لٹکتے ہیں اور خرقین ہوائی طرح طرح کے خوش آواز جوار پھروں میں سے بھرتے سمیر کرتے بھرتے ہیں۔ ایک طرف گھوڑے کے کھوڑے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لے کھڑے ہیں

تو بادشاہ قصر سے کہیں تو اتنی پر جو خوب سجایا ہوا اور جس پر سنہری اور نقش کام کی عماری کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہو کر نکلتا ہے۔ اور کبھی سنہری اور ہمدی کام کے تختہ دیاں پر جو کتاب یا اخوانی رنگ کی مٹل وغیرہ سے مزین ہوتے تو ٹڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جس کو آٹھ چیدہ اور بھاری بھاری دودھوں والے گھار کاٹھ سے پرائٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور کچھ کچھ بہت سے آمل جوتے ہیں یہ بعض تو گھڑوں پر اور بعض پانگیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں لے کئے بہت سے منصب دار اور چاندی کی پھولوں والے چوب دار وغیرہ ہوتے ہیں۔ میں اس سوار کی کو سلطان روم کی باشاں و شرکت سمیری سے تشبیہ نہیں دے سکتا اور نہ بادشاہانِ برصغیر کے جنگی غزو کے جلوس سے کیونکہ اس کا تاج اور شان و شوکت کچھ اور ہی عسرت کی ہے مگر کچھ کم شان واد نہیں ہے۔

کاروانسرا | دوسری قابل ذکر عمارت وہ کاروان سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بی بی معروف بیگم صاحب نے جس کو میں نے گذشتہ اثرائت کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے جو ذاتی تھی۔ دوسری اس شاندار بی بی نے بلکہ اور اس نے بھی بڑے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت مدد دیے صرف کیا ہے۔ یہ ہمارے پائیلٹ کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جس میں برابر برابر کوٹھڑیاں اور کئی کے آگے پلینڈہ پلینڈہ ہواڑے ہیں اور یہ دو منزل ہے اور بیچے پلینڈہ کوٹھڑیاں اور ہواڑے نیچے ہیں۔ یہی اور کئی منزل ہیں بھی ہیں اور اخلاق اور کوہا اور دوسرے پھولیں وغیرہ خارجہ عمارت کی جگہ ہمیں اس میں آن کر نہیں دیتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس ہیں جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پھولیں اور کھجور کو وہاں پہنچے ہی محفوظ اور محفوظ مکان کے حاصل کرنے میں اس قدر حیران نہ ہوتی جس قدر کہ اب ہوتی ہے۔ یہ تاج محل اور تھیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام کا مکان مل جائے اسی میں نہیں رہتے ہیں اس کے علاوہ یہ ہر قسم کے مال تجارت کے خریدنے اور پھولیں سودا گری کے کرنے کے لئے ایک عمدہ اور آسائش کا مقام ہے۔

پیرس اور دہلی کا مقابل | میرا خیال ہے کہ اس موقع پر آپ مجھ سے یہ مزید دریافت کریں کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ مال لوگوں کا شد پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسی کو بیان

ثنا یہاں کے ایام اسیری اور عداوت کے لیے

کرتا ہوں واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سرنظر اور چغندر ہوتے اور قریباً سب طرح کے لوگوں سے مسمو ہوتے اور اسی طسرت اس کے عین یا چار شہروں کے برابر ہوتے اور شرکیں اور کلی کوچوں کے عورت اور مرد اور بچوں اور سواروں اور اڑانے والے قسم کی گاڑیوں سے بھرے رہتے اور اس میں بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے بہت کم ہونے کی وجہ سے پیرس بھلکھو آدھیموں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے مجھے یقین نہیں کہ جیسے آدمی اس میں ہیں اُن سے ہی دلی میں بھی ہوں مگر عرب ہندوستان کے اس دارالسلطنت کی دست اور بے شمار دوکانوں اور اس بات پر تعجب کرتا ہوں کہ کٹرا کے طارہ انتہائی خوار سے اس میں کبھی کم نہیں رہتے جو قریباً سب کے سب عیال دار اور صاحب اولاد اور سب کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طسرت بلندیہ و عساکتوں میں رہتے ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جس میں عورتیں اور لڑکے باہر موجود نہ ہوں اور شام کو جب دھماگری کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلے ہیں تو تمام شرکیں اور کلی کوچے باہر واپسی دست کے خلقت سے بھرے ہوتے نظر آتے ہیں اور چہ دار سواروں دین سے جگہ جگہ جاتی ہے بہت ہی کم دکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک طرح سے بتانا میرے لئے مشکل ہے کہ وہی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر ہوں آدمی نہیں تو کچھ زیادہ کم بھی نہ ہوں گے۔ البتہ اگر آسٹریا لوگوں پر نظر کی جائے تو بے شک پیرس میں اور اس میں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کھڑے لے سے درست اور معتدل صورت نظر آتے ہیں لیکن دلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور کچھ پڑائے کپڑوں میں دکھائی دیتے ہیں جو دنیا کے نوجوی مذہمت کی ظاہر ہوں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے دھیمہ اور عمدہ اور مستحضر لباس پہنے اور عمدہ گھڑوں پر چڑھے ہوئے اور نظر دست کار ساتھ لے ہوئے ہوتے ہیں۔

جس وقت امرا اور راجا اور منصب دار لوگ چرک دینے یا دربار میں حاضر ہوتے تو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ بارگاہ مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت سے منصب دار راجا و سامان سے دست

عہدِ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور چار خوش پوشاں خدمت گار ساتھ لٹے ہوئے جن میں سے دو بچے اور دو دستہ کھٹار کھٹے کے لئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں۔ اُسرا اور رام بیٹے تو گھوڑوں پر اور بچے عہدِ ہاتھیوں پر سدا کثر محبت پاکیزوں میں جس کو چھ چھ کہا رکھے ہوئے ہیں نہ بہت کا کہہ لگا کے ہاتھ جھانپتے آتے ہیں۔ جس سے پتہ چلا ہوتا ہے کہ منہ خوشی و ہار اور ہوش سرخ ہو جائیں۔ اور ہانگی کے ایک طرف تو ایک نریت گار راحت نکلیں اور چاندی یا چینی کا آنگھڑا ان میں کاغذ کے ساتھ ہر ناظر دیکھ لے چکے ہوتا ہے اور دوسری جانب وہ خدمت گار ہوتے ہیں جو اپنے آسائش پسند ایک کو چٹکھا جھٹکے یا گرد و غبار اور کتیاں اڈانے کو موزیل لٹاتے ہیں اور تین چار پیادے دستہ کھٹار رکھنے کے لئے آگے آگے دوتے اور کچھ غائب اور وہیں خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے بچے چلتے ہیں۔

مضافاتِ شہرِ دہلی کے قلعہ کی زمین نہایت درخیز ہے اور اُس میں ایک تہ۔ گہری۔
مضافاتِ شہرِ دہلی کے قلعہ کی زمین نہایت درخیز ہے اور اُس میں ایک تہ۔ گہری۔
 لوگوں کی خوراک ہے باقراط پیدا ہوتے ہیں۔ دہلی سے چوبیس میل اگر وہ راستہ ہو یا ایک مقام ہے جس کو مسلمان "قلب الدین" کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم محراب ہے جو کبھی قلعہ صنف کا مقصد تھا وہ دہرا ہے جس کو ہندوستان کے شہرِ رام پرستی راجہ عرف ملے دھنورا نے مندریکوہ جی سلطانِ مستملک اور مستملک میں اپنے قلعہ کے ساتھ بنوایا تھا اور مستملک سلطانِ مستملک اور مضافاتِ مستملک کرنا بیچتے ہیں مستملک میں سام عرف شاہاب الدین غوری کے سپہ سالار قلب الدین ایک نے جہاز کار دہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطانِ قلب الدین کہلایا۔ دہلی کو پنجاب لڑا اس کو سب بادشاہ شہر کی تارخی اور اپنے نام کا کتبہ کھدوایا اگر کوئی ایسے حرف میں کی طرف صنف سے اشارہ کیا ہے اس کو کہیں کتبہ نہیں پیدا لیتے اس کے صحن میں ایک خانہ ہے جو سر سے پاؤں تک لہرے کی ٹہلی ہوئی ہے اور جو زمین پر ہے انہیں نہت چھائیچہ لہوہ میں کی جڑ کی مڑائی کا سیدہ پانچ نہت تہا اٹی ہے اس کی نسبت یہ کہان مشہور ہے جو بالکل غلط ہے کہ راستہ چھرا کے دقت میں پڑتوں سے اس کو پارک ناگ کے سپہ پاس فرض سے گزارا تھا کہ لڑنے چھرا کے فغان کی عمارت کی کھلی دھلے اس پر شکوت زبانی اور ناگرا حروف میں تین اشوک کتبہ ہیں۔ صنف کا غلام مغل ہے کہ کہ مستملک کے راجہ نے رام دھار سے لڑنے کو فوج جمع کی تھی۔ بعد

ہندوؤں کا دھڑا تھا اور اس پر ایسے عہدوں میں کچھ کھڑا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُن کو پڑھ سکتے ہے۔
 نمبر کے دوسری جانب ایک بادشاہی باغ ہے جس کو "شاہ نادر" کہتے ہیں اور وہ ایک بہت خوبصورت اور عالی شان عمارت ہے جسکی "نون ٹن ہلز" اور "سینٹ جبریل" اور "دوسلیس" کے مقابلہ کا نہیں۔ یقین کیجئے کہ دہلی کے مزاج میں ایسے محل اور عالی شان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلڈ، چھنٹ لی، میوٹوان، لائیوکر، پارسل ہیں اور یہ بڑے ماریشہ پٹر گورنمنٹ، فرانسیسی کے راجہ ڈیاس نے فتح پائی اور یہ لائوکر ملیر، بادشاہی فتح کے بنائی گئی اس کے بننے سے پہلے مر گیا۔ صاحبِ آثارِ اصفیاء کہتے ہیں کہ میں نے مرنب صاحب سے گھساہے کا سونہرا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا بجز اس کے کہ مستطابور کے مالکان میں سے ایک راجہ ہے اور اس قسم کے جاگزی صرف تیسری یا چوتھی صدی مسمری میں مروج تھے اور اس سبب سے انھوں نے خیال کیا ہے کہ یہ لائوکر پانچویں صدی سے بہت سے بڑے آثارِ مسمری میں نمایاں گراہاں کو تسلیم نہیں کرتے کہ نہ لکھناؤں کی تاریخ مشرق سے مسلمانوں کی مزاراں پر سے ایک بہت تمام ملتی ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اس لائوکر پر سمت کندہ مذہب سے یقین پڑتا ہے کہ کبریاہیت سے پہلے کی ہے کیونکہ کبریاہیت کے بعد سمت گھنے کا اور کوئی نہ کوئی سمت مقرر کرنے کا بالکل رواج ہو گیا تھا۔ اس کے سوا اس زمانہ میں ہشتاپر کے راجاؤں کا رواج بالکل جاہل انعامیوں و دیلوں سے چلا ہے نزدیک یہ لائوکر راجہ سید ہارہ عرفہ شاہ واداک بنائی ہوئی ہے۔ جو راجہ ہشتاپر کی اوراد میں سے انھوں نے راجہ ہے اور اگرچہ یہ راجہ اندھت میں آج سے تھے اور نہ تو رسم تخت کا و اُن کا دستا پر ہی تھا اور اسی سبب سے ہشتاپر کے راجہ کہلاتے تھے۔ مذہب اس راجہ کا جیٹوئی تھا اور اس لائوکر کے کتبے سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کے تیسرے کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ سید ہارہ ایک جہاز و سوار پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسندِ نعیم ہوا۔ لیکن اگر تری سواروں نے درحج صاحبِ نامہ جو ہشتاپر کی مسندِ نعیم کا کلام ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ شاہ سید ہارہ نے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسندِ نعیم ہوا تھا۔ اور اس سبب سے ہارہ یا سنے میں یہ لائوکر تری سواروں کی قبل حضرت مسیح علیہ السلام تھا۔ لیکن تاہم پڑی وہی اور ایک دھات اور کس راجہ سے لایا ہوا کا فتح نامہ میں قصہ ہے اُس نامہ سے اس کو بتایا جاتا تھا کہ لائوکر کا نصب کردہ۔ اور کچھ عجیب نہیں کہ یہ بات تیسری یا چوتھی صدی مسمری میں ہوئی ہے جب کہ لائوکر نے اس نامہ کی تصدیق اس کتاب کے اس مقام میں جہاں کسیر کے آثارِ شاہانہ ذکر کیے گئے ہیں۔ مسموع

وہی مختصر باغات ہیں جن کے ایک طبع لازم شرفا اور باطنی شہر اور سواگر ہیں۔ لیکن کچھ جاتے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسی کو بھی جن ملکیت زمین حاصل نہیں ہے۔

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستے | دہلی اور آگرہ کے مابین جو ٹیڑھ سو یا ایک سو ساتھی میل کا فاصلہ ہے اس میں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے اور نہ کوئی فرانس میں مسٹر کو اس قدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں اور نہ کوئی اور دھوپ۔ تمام ہے الہہ شہر، یہاں ہندوؤں کا ایک تہیم اور عانی شان مند و یکھنے کے لئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کا دروازے ہیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بھی ہوئے ہیں قابل الذکر مقام ہیں اور اس راستے کے دونوں طرف سایہ کے لئے وہ بھی نظار میں درخت لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر ہوائی کی خاطر چند منارے اور مسافروں کے پاؤں پہنچانے درختوں کے چوبوں کی سیرانی کے لئے پلٹے کوئی۔ بنے ہوئے ہیں شہر آگرہ عرف اکبر آباد | جسے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اسی پر آگرہ کو تیس کر لہجہ نہیں وہاں وہاں کا نظار اور اور عمارتیں بھی جتنا ہی کے کنارے پر

ہیں لیکن اس وجہ سے کہ اکبر کے زمانہ میں اس کو آباد کر کے اپنے نام پر اس کا نام اکبر آباد رکھا تھا۔ اور خاندان ہندوستانی اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اس کو وسعت اور کثرت عمارت میں بھی کہ انرا اور ماحول اور غیر لازم شرفا نے عمدہ تعمیر اہست سے تعمیر کیا ہے۔ دہلی پر توجہ حاصل ہے اور کارخانے سرائیں بھی اس میں وہاں کی قیمت زیادہ ہیں۔ اور وہ مقررے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناگزیر گنا

تعمیرات ہو گزشتہ سے اس لاشہ کے نزدیک درمندر جانا اب یہ علاظہ مند کے صحن میں اور جبائیں کوڑو قطب الدی ایک نے مسجد بنائی اب مسجد کے صحن میں لگی چنانچہ اب تک وہی موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ

اکبر آباد نے خانی اس لاشہ کے طرف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۲۰ م م

۳۰ یہ سرگ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے ہر صحن سال مطابق ششہ میں اکبر آباد سے لاہور تک بڑائی تھی۔ اس کے بعض بعض منارے اب تک بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ ۳۰ م م

۴۰ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اگر اس واقعہ کے وقت تک آگرہ ہی کھلا تھا اور باقی روایت صاحب قاضی شامیوں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہ نام دے سنی تھا بلکہ اکبر آباد نام رکھا تھا چنانچہ اسی دن

۵۰ اکبر آباد ہی مشہور ہے۔ ۱۰ م م

شاہجہاں کے ایام امیری اور مہار گنتیہ

ہے ماحول میں کامیابی میں آئندہ کروں گا لیکن اس کی مشہور بنا نہیں ہے اور بعض اور امور میں بھی دہلی سے گشتا ہوا ہے۔ اور چرکے پہلے سے کسی مجوزہ نقطہ پر نہیں بنایا گیا اس لئے دہلی کے سے متعلق وضع اور سے اور وسیع بازار میں سے اس کو امتیاز حاصل ہے۔ اس میں نہیں رہی البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور ان کی عمارتیں ابھی ہیں مگر ان میں بیوپاری زیادہ بیچتے ہیں اور ان کے سراسب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بے قاعدہ ہیں جن میں بہت سے گوشے اور بچے دھم ہیں اور اس سب سے جب پادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو ان میں عجب کشمکش اور دھکا بیل رہتی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان دہلی شہروں میں جو بڑی بڑی آبادیاں تھیں جن وہ میں نے سب بیان کر دی ہیں مگر ان پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر کسی ملندہ مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گاؤں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا خطرہ گاؤں کی طرز کا اور فرش خلیجے کی طرح کہ اس کا معمول ہے کہ اپنے مکانات کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور انوار اور ماہ اور دوسرے دولت مند لوگوں کے بڑے بڑے مکانات کے امین ایک دوسرے سے نسل کے لئے نہایت فرحت بخش پھول پھلدار ہیں اور درخت اور پل لگاتے گئے ہیں اور ان میں ہندو چاہوں کی اونچی اونچی چتر کی چٹیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پڑائی گڑھی۔

ایک گری سے چلے بچے لک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل کرے کہ آنکھیں فروغزد سوزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا خطرہ مشہور دل کو ایک خاص طرح کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ دنیا کا ایک نہایت عمدہ اور خوش خاں نظارہ دیکھنے میں آئے گا آپ کو چہرے کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں کہو نہ کہ تو یقیناً آپ کو نوٹ فی آن پر بھی حاسن ہو سکتا ہے چنانچہ اگر آپ فراموش کو اس پر جا کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاؤں کا کیا عجیب و غریب جھگٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بیڑ بھاڑ نظر سے گذرتی ہے اور کھرات کو بیٹھ کر لا خطر کریں تو بے شک میں آپ سے بڑھ چکا ہوں کہ فرمائے اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دکھائی دے سکتا ہے۔ اور اس پر سے مکانات کی بے شمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور جیسی جیسی مدھنی نظر آتی ہے اور دیکھتے تو وہ کیا لطف دکھائی ہے اور جو بیڑ بھاڑ اور گاؤں اور لوگوں کا جہوم دیکھ کر رہتا

ہے وہی آدمی رات کو بھی نظر آتا ہے اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہوتا کبھی ممکن نہیں۔ پیرس میں دیانت دار اہل مشہر کی بیبیاں اور بیبیاں چور آپکوں کے خوف اور کچھ دھیرہ کی تکلیف کے بغیر بے تحلف بازاروں اور گلی کھوں میں چلتی پھرتی اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے غواہ کرتی اور کیا ہی موسم کیوں نہ ہر چاروں طرف بال ٹھنی کی تھاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

شفیق من پیرس میں پرنسٹن آف پیکٹسے جو کر بے شک آپ امیری و سرکاری پردہ عی سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا بتایا ہوا اس سے زیادہ خوش متا کوئی خطر نہیں ہے۔ لیکن چلیں اور جان کی میں نہیں کہتا۔ کیونکہ میں نے ان کو نہیں دیکھا اور اس کی تہی اُس وقت اور بھی بڑھ جائے گی جب کہ لواؤ کی تعمیر ختم ہو جائے گی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اس کے نقشہ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ صرف کاغذی کاغذ پر لکھا ہی دیتا رہے گا۔ حقیقتاً وجود میں آ جائے گا۔

انسان کے بنائے ہوئے منظر کی تہی میں نے اس لئے لگائی ہے کہ دنیا کے عہدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس فن کے نام منوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پرائنٹ ڈویر سٹیل ہے مشتقی کرو دیا ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے پہل قسطنطنیہ کے اس بے چڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی نہیں سہول سکتی اور میں نے اس کو ایک جاو کا بنایا ہوا لکھی تھی ایڑیاں کیا۔

میں نے زبان میں اپنی بیغری شکل کو کہتے ہیں۔ میں چونکہ یہ تھی ایڑی تھانا نے بیغری شکل کے بنائے جانے تھے تاکہ لوگ اور گرو جیکڑا سانی کے ساتھ قریب سے تماشہ دیکھ سکیں۔ اس لئے ان کا نام اپنی تھی ایڑی میں کا نام کالی سی ایم ہے۔ اور میں کو نے ہوئے بہت عرصہ ہوا اگر مصالحو کی فری کی وجہ سے ایسا ہے کہ اس کو کھنڈر کہا مشکل ہے بلکہ اب تک شہر روم کی نہایت مالی شان و عالت میں سے ہے۔ اس وادی میں جانا ہوا ہے جو شہر روم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے۔ یہ عاصف رضوں کی طرح اس لئے دم دم ہی ہوتی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رہنے کے موافق اپنی اپنی جگہ پر آؤں گے اس لئے عرصوں میں تھیں جیکڑا تماشہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب سے اولی دم کے چہرہ پر شہنشاہ تختہ پر اور ایڑی سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ سب سے کوالی عورتیں جو مسجدوں کی

شاہجہاں کے ایامِ امیری اور عہدِ دولت

بقیہ ماضیہ منور گذشتہ خدمت پر تہمتیں نہ تھیں سہلے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں۔ اور ان کے پیچھے کے چوڑے پردہ بہادر اور نام دار سب ہی جھپٹتے تھے جن کو نانت کہتے تھے اور ان کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سے اوپر اور اخیر کے چوڑے پردہ پر عام شریف اور پادشاہی جو تماشا کرنے والوں کے برابر ہونے کی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ بیٹھتی تھیں غرض اسی طسوتِ ملاح کلوں کے چلائے دانے اور تماشاخانہ کے دوسرے اہل خدمت اس کے دونوں صوبوں کی چھتوں پر بیٹھتے تھے۔ اس عورت کا عظم و شان اس سے بھر لینا چاہیے کہ جب کہیں یہ تماشا خانہ سے بالکل ہمراہ ہوتی تھی تو رستہ ہی ہزارتہ کم چھینے والے ڈھونڈتے تھے۔ اس عمارت کے بچے کامیوان آرتھا کہلاتا تھا کیونکہ غرض کی وجہ سے اس میں ابتدائی زمانہ میں آرتھا یعنی ریت بکھائی جاتی تھی مگر پھر پڑاں تک بکھف بڑھ گیا کہ ریت کی غرض مختلف وجوہات کا ہوا وہ اور شگرف بگڑے ہوئے ہوا ہرات کی تہہ بکھانے لگے۔ لیکن ایک ملاح قسم کے سفید تھمر کا ہوا بکھایا جاتا جس سے آرتھا کی سطح ہل جاتی تھی۔ زیادہ تر لطف غوال کیا جاتا تھا۔ اور چھت ڈھونڈنے کی وجہ سے جب اس پر ان غواں رنگ کا ایک بڑا بٹھی تھی کار شاہ میاں ڈانٹا جاتا تھا تو اس میں سے دھوپ کی شعاع جو آرتھا کے سفید اور شفاف سطح اور روئی صوبہ والوں کے سفید چنوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ آرتھا کے گرد اگر باقی کی نہ رہی ہوتی تھی جس میں سے پانی پھر کر آرتھا میں تماشا کرنے کے لئے جمانے آتے تھے۔ یہ تماشا خانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے نول و ہزار و خوناک تماشوں کے دیکھنے کے لئے اشتیاق کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے ان کے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترانے دینے کی غرض سے جس نے ان کو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے۔ سب سے پہلا تماشا دوسرا تھ بوس تیل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور شہر میں جب کہ رومیوں نے کاسر تھج والوں پر نئے پانی اور ان کے ہاں کی کوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشا خانہ میں داخل کئے گئے اور اس طرح سے ان میں وحشی جوارات کے داخل کئے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہاں تک کہ بہت پہنچی کہ جا تو رہے کے باہم دنا نے ہی پر منحصر رہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کا یہ چاہیے تھا کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے باہم جھگڑاؤں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہ لوگ گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور ان کے ساتھ وہ تمام خونخوار و جسے بھی شامل کئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانے کے لئے افریقہ اطالیہ کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے تھمر جوتیں اور نہ بھی کے زمانہ میں یہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل

حیرت کثرت سے کئے جاتے تھے، تا شائی لوگ اکثر اس فرض سے اول وقت پر آتے تھے کہ بڑے
 بیٹے ایاکین ساعفت کو آسمان دکھیں جن کے آگے ہر جنسین یا طریق کا نفرو بلند ہوتا تھا جو ان کے افعال
 کی عام پسندی یا ناپسندی پر متوقف تھا۔ اور جب شہنشاہ آنا کر لوگ یہ نفرو لکھ کر چلتے کہ ۱۰ سب
 کے ناک اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوش حال تیرے لئے خوشی اور نفع پیشہ ہر جب بادشاہ
 آئی کہ بیش جاننا کو طرح طرح کے تماشے ہوتے گئے چنانچہ کبھی نہیں سے ارتیا میں پانی چھوڑ دیا جاتا اور
 ایک جہاز آنا اور تلاء جو کراس میں سے ایک فول مجیب وغرب جالوروں کا نکل پڑتا۔ بعض اوقات
 زمین پھٹ کر بدست نکلتے اور نہی پر شہر ہی جو سے گئے ہوتے ہوتے۔ کبھی انہیں کلاوات لالچ افشیر
 تصور بطور اسل کے دکھایا جاتا۔ اور بدست اس خوش آواز عاشق کے راگ اور دو تار سے کے ساتھ ساتھ
 چلتے گر تعجب سے کہ تماشے کے کس کسے کے لئے آفریں کی طرح آفریں پیشہ یہ اس شخص کو آفریں
 بننا تھا کہیں سے پھر ادا کیا جاتا تھا اور اس کے بعد خوشوار اور اشتعال پسند دہلی ارتیا کے دروازے کھول
 دیتے اور قسم قسم کے دشتی درندے چاندی طرف سے ہام لڑتے اور ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لئے
 چھوڑ دیتے جاتے اور لوگ نہایت بعد نماز شوق کے ساتھ ان کے حلوں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے
 اور یہ دوسری ان لڑچیل مردانہ کے چیلنے اور شور و غل مہانے پر ترس کھانے کی جگہ نہایت خوش ہوتے
 اور اگر کبھی انہی سے کوئی جالور پھالاب آ جاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاندی طرف سے انعام کے طور
 پر یہ صابند ہوتی کہ اس بہادر کو کھڑکھڑا کر اپنے وطن میں آرام سے رہے۔ یہ لوگ اسی پر اکتفا دیکھتے
 تھے بلکہ ان جالوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی نہ پہنچے اور کوئی شکار ہی وضع میں جوتا تھا
 اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی ٹھہرتی اور چالاک سے حریف پھالاب آتے تھے۔ لیکن اس پر بھی اس
 دھشت کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اہل روم انسان کو مرنا دیکھنا چاہتے تھے اور اس فرض سے گہرا روگ اور
 بچارے جیسا کہ مذہب کے آدمی ان دردوں کا شکا کرانے جاتے تھے۔ اس کے بعد لاشیں اٹھائی
 جاتی تھیں اور تمام لاشیں وہ جو اہرات اور سفید چہرہ کا ہوا میں کاؤ کر اور کیا جا چکا ہے خون کی جو رستہ
 کرنے کے لئے پھیلا دیا جاتا تھا۔ اور سب سے عمدہ تماشے کی لذت آتی تھی یعنی علیحدگی لیٹروں کی لڑائی
 شروع ہوتی تھی جن میں سے کسی کے پاس تلوار کسی کے ہاتھ میں نیزہ اور کوئی لگی اور کوئی بھاری زہر
 پہنچے ہوتے۔ کوئی گاڑی میں کوئی پیہل کوئی گھوڑے پر سوار جاتا تھا۔ اور ادا میں داخل ہو کر سب کے
 سب جہاز شہنشاہ کو یوں سلام کرتے تھے۔ سر ہاتھ سر سر دے دے ہمسکرام کرتے ہی ۳۰ ہیندروں میں
 صاف نام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہو کر کچھ رہے کر دیتے تھے جن میں سے کبھی کوئی بکلی بھی جاتا

لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی معجزات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ قریب ساری انسان کی صفت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے۔ کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دار الحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جائے قیام ہے۔ دلنی آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کرنے کے باوجود میں انصافاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ شہول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

جیہاں صفہ گزشتہ تھا گرا ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ وہی مطلوب پر دم کرنا نہ جانتے تھے یہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہر کر رٹتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو شاہدین کی طرف دیکھ کر کہتا "اس کے کاری زخم نکلا اور اس کے ارٹھالے یا پھر مرنے کی اجازت چاہتا چنانچہ شاہی اپنا انگوٹھا اگر لوہے کا تھا تو چھوڑ دیتے اور اگر گینچہ کو کہتے تو ارٹھالے کا اشارہ بھسا جاتا اور بھارہ مطلوب اگر انچی گردی آخری ضرب کھاتے پیش کرتے میں تامل کرتا تو میں امن کا شہر ملہ بڑا اور لوگ بچا کر رکھتے کہ لبا حاصل کرو یعنی لوہے کے تھپارے کے ساتھ جاؤ اور مقدس کناریاں اور دم مل جائیں اور سینٹ کے دانا بھر اس کو ایک کیل بجھتے تھے اور کسی کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ یہ کیا حرکت کی جاتی ہے گزشتہ میں میں صیقلی صہب کے ایک دوغی کی برکت سے یہ وحشیانہ داد بڑے کیل موقوف ہوتے مگر یہ اس بھارہ کی جان اس میں گئی یعنی وہ میں حمار کے وقت آریٹھالے آگٹھا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ "اس طرح حق پہاڑ سے بانڈاؤ اور میں خدا سے تم کو انصاف دینوں پر غالب کیا ہے اس کی رحم کا تو منت کش دونوں کے تماشوں کے رواج دینے سے مت کرو" میں ہر چاروں طرف سے غل جاکر یہ دغا کی جگہ نہیں چھوچھو ہٹ جا اور گلیٹی ایٹروں نے دھکے دے کر اسے پیچھے تھاروا مگر وہ بہادر اور با استقلال شخص پھر اُن کے پیچ میں آگیا اور رٹنے سے روکنے لگا۔ میں پر - ہنارت بنارت - کا شرم بھا اور حاکم نے بھی اپنا آواز اس میں شامل کی اور گلیٹی ایٹروں نے اُس بھارے کو بکڑے کر ڈالا اور چاندی طرف سے ایٹھ تھار اور کچھ ملا لوگوں نے اس منظم ہر سا یا۔ لیکن اس بیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہ خیال آگیا کہ یہ کیا حرکت کی گئی اور سب کے دل جل گئے اور انہوں نے بھولیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بے رحمی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہ تھاشا پھر کبھی نہ ہوا۔

میسانی گرجا اور کالج | اگرچہ میں ایک گرجا بھی ہے جس کو جیسویٹ فرات کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے جس کو وہ کالج کہتے ہیں جس میں

بہمیں باتیں میسانی گھراؤں کے ہم کو عقاید مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ میسانی خاندان یہاں کس طرح سے پہنچے ہیں شاید ان جیسویٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ سلوک نے ان کو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر راضی کیا ہے۔ جس زمانہ میں پرتگیزیوں کا ہندوستان میں ہزاروں ہزاروں جیسویٹ لوگوں کو ہر ایک مذہبی گروہ سے نفرت و کفر سے بھرا کر یہاں آباد کر لیا تھا اور گنداقات کے لئے کچھ سالانہ مقررہ کروہنے کے علاوہ ہر ماہ اگرچہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دی تھی اور جہاں گورنر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر ان کا مرہی تھا مگر شاہجہاں کے عہد میں ان کو بہت تکلیف پہنچی اُس نے ان کا سالانہ سہہ کر دیا اور ہر سال گرجا تو بالکل ہی مسامہ کر دیا اور اگرچہ کے گرجا کا بھی بہت ساحصہ صد اُس مندرے کے جس پر گھنٹہ لگا ہوا تھا اور جس کی آمد تمام شہر میں ششی جاتی تھی گردلایا۔ جہاں گھیر کے زمانہ میں ان لوگوں کو اُمید تھی کہ جہاں مذہب کچھ نہ کچھ یہاں بھیل جائے گا کیونکہ جہاں گھیر حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت دلچسپ کرتا تھا اور ہزاروں مذہب کے شیعہ اس کو اپنے بھائی تھے کہ ان پر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے دورِ نبیوں، بھائیوں یا بھتیجیوں اور مرزا ذوالکرہن (دودا اقرنین) کو جس کا نقشہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محل سراہا میں پورے شش پائی تھی۔ میسانی جو جاسنے کی اجازت دی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اس کے ماں باپ میسانی تھے۔ دیکھو کہ اس کی ماں جو ایک دولت مند اتنی کی بیوی تھی جہاں گھیر کے خواہش کے سرائے محل میں داخل ہو گئی تھی، اور یہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہاں گھیر کے میسانی جو جاسنے کا قصد اس دور کو پہنچ گیا تھا کہ اُس نے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہن کر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اُس کی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُس نے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہاں گھیر نے ذکر یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصد کو نہیں کے پہلے یہ میں اُٹا دیا۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں گھیر نے انتقال کے وقت چھائی جو کر رہا تھا یا با تھا اور ہم کو بلانے کا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا۔ لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل اتفاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب و ملت کا پابند نہ تھا

ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نہ تھا اور باپ کی طرح اُس کا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پنجپہ بتا کر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ میں نے ایک مسلمان شخص کی زبانی میں کہا باپ جہانگیر کا ملازم اور اس کے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا مگر اسے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے خراب کی تنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن غلام نشن کو میں کی تہذیب کی وجہ سے جہانگیر نے اس کا نام - پادری آتش - رکھ چھڑا تھا بلکہ اور جب اُس نے ناکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے دور سے دین اسلام کے بھٹان اور اپنے مذہب کی تائید میں آتش کی تبادشاہ نے کہا کہ مسلمان غلاموں اور جیویٹ پادریوں میں جو فرق ہے اُس کے تسخیر کے لئے یہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اُس میں آگ جلاتی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملاپنا قرآن فضل میں لے کر اُس میں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائے گا میں اُس کا مذہب قبول کر لوں گا۔ چنانچہ پادری آتش نے اس امتحان کو قبول کر لیا لیکن ملا لوگ فور گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمائش سے باز آیا۔ یہ تصدیق ہو یا سچ مگر اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جیویٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اس وجہ سے اُن کو دین عیسوی کے بیان پسند حاصل کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے عہد پرستار اُس ربط و ضبط کے ہر دامن شکوہ اور تاؤ و بوزی کے باہم تھا اس قسم کی امید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

عیسائی مبلغ | اب چونکہ اس جگہ بغیر قصد کے شہری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے کھینے سے پہلے جو آپ کو لکھنے کا ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقصد کے طور پر چند باتیں بیان کروں میری دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لئے جو یہ ایسے دور دراز ملک میں آئے ہیں بے شک آبرو کے لائق ہیں خصوصاً کیریشین اور جیویٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقاید مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت سکینے کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے سوا ایک شخص سے خواہ وہ کاحکام فرقہ کا ہو یا ایران یا ہند کے حب پہ کا مقلد ہو۔ اور لشکرین جو یا میکو بٹ مہمت اور میاضی سے پیش آتے ہیں۔ اور پروٹسٹنٹ اور مغلوں کے احوال عیسائیوں کے پشت پناہ اور دوست قسلی ہیں۔ اور اپنے علم و فضل اور قابل تصدیق خوش اوقات سے فہر مذہب کے بے ایمان اور میاض لوگوں کے لئے حرم

کا باعث ہیں مگر ہر قسمی سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جن کا بکبارے شن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان و نشوونما تھا ہوا ہی میں ہندو بنا خوب ہے کیونکہ ان کا دین و مذہب صرف ایک دکھا دیا ہے اور بکبارے اس کے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہونے کی گراہی کا باعث ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور یہ اصل دھماکے سے صفر ہیں اور اس کام کے لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہو گئیں جو علم و عمل میں ممتاز ہوں تو میں تو دنیا پسند کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لئے باعثِ فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و تلقین کے لئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ افعال و عوارض عاریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہ ذبحہ لیں کہ میں اس خوش فہمی میں اس قدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس قدر عوارض کے ایک دفعہ کے حفظ سے ایک اثر عظیم مرتب ہوتا تھا اتنا ہی اس زمانہ کے مشغری لوگوں کے حفظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ بہت دور سے اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث ان کے دلوں کی تاریکی سے بکبارے اس قدر واقعیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں۔ مصداقاً مسلمان بادشاہوں اور ان کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں اور چونکہ مرانک ایسا ہے کہ وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشغری لوگ متبع ہیں اس لئے میں اپنے تجربہ کی مدد سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں کہ وہ جس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ حضرت صرف - یعنی کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اس کا بھی انتقاد رکھتے ہیں کہ وہ صحیحہ طوریہ کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ کلمۃ اللہ اور - روح اللہ تھے لیکن یہ امید کرتا ہوں کہ وہ اپنا وہ دین جس میں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان میں مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرشتہ ساقی کے عیسائیوں کو چاہئے کہ مشغری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور ان کی دعا اور ان کی غناقت اور دولت اپنے خیرات دینا۔ دینی علیہ السلام کے جلال کے بڑھانے میں صرف بروقی پابند نہ رہیں مگر اس غریب کا حاصل اہلِ برہم ہی کو ہونا چاہئے۔ کیونکہ مشغری لوگوں پر

فنا جہاں کے ایامِ امیری اور جہولانہ بنگلے میں

اس کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیے کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر مجبور نہ ہوں اور صرف اُن کی فادہ رخ الہائی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہیشہ انہیات حق کے لئے سامی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی منتلاشی اور جہاں کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باخ روئیاء میں کمال مستعدی اور شوق سے منت کرتے کی خواہش مند ہو اگرچہ یہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ متوطن مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے

مشرقی لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لئے ایک اور پُراٹھوس متروا سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود میانیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے جو باد جو اس اقتدار رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برستے ہیں بخلانہ مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سرتک نہیں لگتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈیج تاجروں کی کوٹھی | اگرچہ میں ڈیج لوگوں کی جو کہ غلہ کی ایک تہائی کوٹھی بھی ہے جس میں اُن کے چاروں پا پنچ آدمی رہتے ہیں یہ پہلے ہاتھ

اور پھر بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور دیوہیلی کتیں اور آہنی چیزوں اور نیکل کی تجارت کرتے تھے جو اگرچہ کے قرب و جوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً بیاتہ میں جو اگرچہ سے دو منزل ہے اور جہاں ان کی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جا یا کرتے ہیں سادہ ادب نہ صرف جلا پر بلکہ کمستوں سے بھی جو اگرچہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی اُن کی ایک کوٹھی ہے اور سب موصوں میں ان کے گناہتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اب زیادہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہا اور غالباً اس کے دو مذہب ہیں ایک یہ کہ ان کے مقابلہ میں اترشی لوگوں کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرے کہ اگرچہ سورت سے درجہ ان کی اصل قیام گاہ ہے، بہت دور ہے اس کے

لے اور یہ دلی کیفیت غالباً اس جہر کا نتیجہ ہے جس کے قسطنطنیہ منتف کہ آیا ہے کہ۔ یہ قول رند مذہب پرورد خورشید پھیلا اور خود کے احراف کے مطابق بہت اور رضا مندی سے بچنے والے ہیں کے ہر قول میں خاص اپنی عبادت گاہوں میں۔ خلاف ادب طریقے رائج ہیں۔

علاوہ ان کے کاروائیوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گواہ اور برہان پور کی سیدھی شریک چھوڑ کر احمد آباد کے ماسٹہ مختلف ماجاؤں کی محل داروں میں سے ہرگز آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود ان خطرات کے سیری راستہ میں انگریزوں کی طرح آگرہ سے یہ اپنی کوٹھی کبھی نہیں اٹھائیں گے کیونکہ ان کو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہ بھی تاہم ہے کہ ان کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ، پٹنہ، سرگت، یا احمد آباد میں جہاں ان کی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسی طرح کا علم یا اتناسانی ان کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اس کی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں۔

روضہ تاج محل | اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب مقبروں کے ذکر پر جن کی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک مقبرہ ڈاکٹر کا ہے جس کو اس کے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم تاج محل کا جو صحن و محال میں لٹائی تھی اور بادشاہ اس پر ایسا نظریہ تھا کہ کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا یہاں تک کہ اس کی وفات کے وقت شدید غم سے قریب تھا کہ اس کے ساتھ خود بھی چلے۔ میں آگرہ کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس میں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جس کا میں ابھی ذکر کرتے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں آگرہ سے نکل کر مشرق کی طرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا پھڑا راستہ دکھیں گے جس پر فرش لگا ہوا ہے اور خوبصورتی سے بند ہوتا گیا ہے جس کے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو سمت میں چارے چلتی رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب تعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو ان محراب دار برائڈوں سے مشابہ ہیں جو دہلی کے بڑے ہانڈوں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچیں گے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپ کو ایک بڑا دروازہ ملے گا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے اور اس کے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی طرح اور وسیع عمارت ہے جس میں سے ہرگز باغ میں جاتے ہیں اور جس کے دواں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں۔ یہ متطیل شکل کی عمارت ہے اور ایک ایسے پتھر سے بنی

خوابوں کے امپاہیری اور عمارت کے

ہوتی ہے ہر سرنج سنگ مرمر کے مشابہ ہے لیکن ایسا صفت نہیں ہے۔ اس عمارت کا پیش
والا ان سینٹ لوئیس کی عمارت کے چلی والا ان کی بہ نسبت جو سینٹ انیٹونی کے کوچے میں ہے
میری وائٹ میں زیادہ لمبا اور اونچی وضع میں زیادہ عالی شان ہے مگر بلندی میں اسی قدر ہے
اس کے شوق اور عقل اور کارئیں اگرچہ فی الواقع عمارت کے ان اوضاع خاصہ کے مطابق
نہیں ہیں جو ہمارے فرائض کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جانی چاہیے۔ کیونکہ یہ عمارت
ایک خاص اور خدائی ہی وضع کی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری رائے میں بے معرور
اس قابل ہے کہ ہمارے فن عمارت کی کتابوں میں عکس پاتے اگرچہ تقریباً یہ تمام عمارت صراحتاً
قسم کے مختلف اور وضع والا ان اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اور اونچی ہوتی
ہی۔ مگر باوجود اس کے بہت عظیم الشان ہے اور اس کا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ
ہیں۔ اور کوئی سنگ اس میں ایسی نہیں ہے جو ناہر لکے ہر ایک مقام نہایت خوش نما اور ایسا ہے
کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر درندہ جو میں نے اس کو ہا کر دیکھا
تو میرے ساتھ ایک فرانسیسی سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اس کی بھی یہی رائے تھی کہ
یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی تعریف کا حق اور انہیں ہو سکتا۔ مگر میں کہہ ڈیلا کیونکہ مجھے
خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے کے سبب میرا ذوق گڑ گیا ہو لیکن میرا
دماغ جوتازہ وارد تھا جب اس نے یہ کہا کہ تمام ننگستان میں ایسا حیرت انگیز اور عظیم الشان
مکان میں نے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اچھ کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے
پائید گئے جس کے سب طرف غلام گردش اور نیچے دولار جانب دونوں ہیں جو آسٹہ یا
دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور بھی صواب میں سے آپ داخل ہوں گے ویسی ہی دوسری
جانب پائیں گے جس میں سے گد کہ ایک ایسی روش پر پہنچے ہیں جو آخربک تمام باغ کو
برابر دوسروں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہ روش جو آخہ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے
اس قدر چمکی ہے کہ چمکاؤیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سو سے لے کر آخربک بڑی چمکی
ہو کہ صحت پتھری کی سلیوں کا فرش لگا ہوا ہے اور نیچوں نیچے نورانی ہوتی ہے جس کی روکا
ملہ دایت میں ایسے چمکے چمکے مرمر (مرمر) لگائے ہیں اور تعمیرات عمارت کر لیتے ہیں جیسے تھر سفید
اور تر سیاہ اور مرمر سورج میں کوہ سنگ مرمر اور تنگ موٹی دیوڑے ہیں۔ سام نہ

کے چھتر نام گھڑے ہوتے اور زبردستی کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گھارے لگے ہوتے ہیں اور کوئی ہیں یا بچھتی قدم چل کر اور پشت کی طرف منہ پھیر کر اس دوازے کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں۔ کیونکہ دواڑہ کی عمارت کی طرف بھی اگرچہ بیرونی سڑ بھی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور اسی وضع کی ہے۔ دواڑہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دے کر لمبی اور چوڑی غلام گردوشیں بنتی چلی گئی ہیں جن کے محرابی دواڑے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور برسات کے موسم میں غریبا اور مساکین خیرات کے لینے کو ہر جگہ کے لئے شاہجہاں کی طرف سے جاری کی ہوئی ہے۔ منہ میں تین باران میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اب آپ پھر اسی بڑی درش پائیں یہاں سے آپ کے شہنشاہ کے لئے وہ بڑا گنبد نظر آئے گا جس میں حکیم کی قبر ہے اور جس کے ماتیں بائیں چھتر سے سے دو اونچے باغ کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے دھکی ہوئی درش ہی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسی دواڑہ کی عمارت ہے اور یہ دونوں پشت کی طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور ان میں جاننے کے لئے تین تین محراب دار دواڑے ہیں۔ ان کے بعض حصے بالا خان کی طسرت ایک دوسرے پر واقع ہیں جن میں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ گروا بڑی بڑی اور پختی غلام گردوشیں ہیں ان عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرائشی کام ہے ہوتے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے اندر کے زرباشی کام ہیں اس لئے میں ان کا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں اس بڑی درش اور دواڑہ کے ماتیں ایک اچھا دستخط صحن ہے جس کو میں تشبیہاً - مانٹر پارٹیز کہتا ہوں کہ یہ تھوڑا سا اس کے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بنا کر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیا ریلوں کے گرد - باگس - لگا ہوا ہے یہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اسی قدر اونچا ہے جس قدر کہ والدین گریس ہے اور لے پائیں کے نوی سنی ہوا اور سطح زمین کے ہی ٹکڑوں میں اس قسم کی پچی بندی کر کے ہیں۔ جو طرح طرح کی چھتری چھتری کیا ریلوں بنا کر امتیاز کے لئے ان کے اوپر دھڑلہ گلاس وغیرہ جاری ہوتی ہے جس کے عوض رنگین ہیں باگس بڑے ڈیوڈنیا کی طسرت کی ایک دیوڑی ہے لگاتے لگاتے اور اس کو تراش کر کیا ریلوں کے اور گرد مختلف شکل کے ماتیں اور حیدیں بناتے ہیں۔ س م م

تھ شہر چرس کے ایک گرگہا نام ہے۔ س م م

اس کے گرد اگر سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی بڑیاں ہیں جو محل الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہ کل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جن میں سے تین بالکل کھلی ہیں۔ اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے ہیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جس میں کئی - لٹائے محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہر ادنیٰ ارادت کے ساتھ بیٹھے ہیں قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر سے سیاہ سنگ مرمر (سنگ موٹی) کے بڑے بڑے عربی حروف بنا کر جمائے ہوئے ہیں جو نہایت خوش نما ہیں اور گنبد کا کانسداد راہ پر سے نیچے تک تمام دیواروں کی دو کار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص انداز کی صحن درگاہی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار کی دو کار میں جو سنگ مرمر کی ہے ہر محراب پر پشپ اور عقیق اور ہد مرمری قسم کے بیش قیمت اور گہا بہ پتھروں اور اٹس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ فلارین میں گراڈ ٹوٹوک کے گرجا میں ہیں بے شمار وضع کی اور نہایت خوبصورت اور پُر نزاکت کچی کاری جس سے بڑھ کر انسان کے دھن میں نہیں آسکتی کی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موٹی کی چوکر سلاسل کا ہے یہ پتھر بڑے ہوتے ہیں۔ اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایک بار بڑے شرف و عظمت سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اس کے تقدس کی وجہ سے کوئی عیانی شخص اندر جانے نہیں پاتا اس لئے میں بھی دیکھ نہیں سکا۔ لیکن سنا ہے کہ اس کی ریب درجیت اور آرائش و زیبائش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے۔ آپ آپ سے صرف اس چوترہ کا ذکر کرتا ہوں کہ یہ جو گنبد ہے اسے کرباش کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی بچیں قدم چھٹا اور اس سے کسی قدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چوترہ پر سے دروازے جتنا اونچے بہتا ہوا اور اسے شمار سرسبز دانے جو دور تک چلے گئے ہیں۔ اور شہر آگرہ کا ایک حصہ اور قلعہ اور امرا کے خوبصورت مکانات جو وہ سرے کنارہ پر بنے ہوئے ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جب کہ یہ چوترہ اس کا ایک ضلع ہے تو اس کا نصف ہی آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟ یہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے ہندوستانی ذائق پیدا کر لیا ہو۔ لیکن میں یہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہ روحنا اہرام مصر کی پانہت جو ان گنت پتھروں کے ڈھیر ہیں اور کمرہ دیکھنے

ہر سبھی جگہ کہہ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سے بجز اس کے کہ دینہ کی طرح نیچے اور رکھ کر چھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کہ نہیں ہی اور جن کے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کہہ ہنرمندی اور لکھا و ثابت ہونے کے محاسبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ حرج نہیں ہے۔

لے یہ ہے نظیر و محب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کے ابتدا میں ہی شروع ہوئی تھی اور سو گریں سال جلوس مطلق شہنشاہ میں ہی کر ختم ہوئی اور شاہنامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپے اس پر خرچ ہوئے اور اس کی مرصعت اور خدام کی تنخواہ اور جنگ کے ختم یافتہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ روپے سال کی آمدنی کے دیئے اور دو لاکھ روپے سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اس کے پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے مل جل کر یہ ایک اچھا شہر بن گیا تھا اور جس کا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا اور شاہ نے وقف کر دی تھیں۔ س م ر نقلا

تقریظ

جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ

انسان جب مر جاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا اگر اہل تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور ان کی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندگی کی طرح ملتے جاتے اور پتلے پھرتے نظر آتے ہیں چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس ہینری وی کوڈ کیو کہ باوجودیکہ دو سو برس کے قریب ہوئے کہ انتقال کر گئے مگر زندہ ہے۔ دنیا سے گئے گا ایک زمانہ گذرے گا مگر موجود ہے زبان کو بند ہوئے عرصہ اگر وہاں ہے۔ اس کا تادی لباس پہنے کلکوں سیر کرتے پھر نا اور اہل علم کی محنت کی مستحق ہیں۔ ٹیٹا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں اتنی کرتا اور کبھی اپنی اصل فرانسس اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولتا۔ اور یہ بھی علم کی زبان سے میں میں یہ غوی ہے کہ آواز نہیں اور ہستانی ہر کسی کو دیتا ہے اس امر کی دلیل چکو اُس سے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ میں کسی کو خوش قسمتی سے اس کا ایک قطرہ بھی نصیب ہو گیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ ہے ۷۰۔ یہ وہ چشمہ نہیں جس کو لوگ آپ حیات کا چشمہ کہتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا پانی پی لینے سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ ہے نہ اُس کو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا۔ مگر میں چشمہ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور اُس کا آب حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسر آ سکتا ہے۔ یہ چشمہ دوات ہے اور اس کا زندگی بخش پانی اس کی روشنائی ہے۔ جو اہل تصنیف ہمیشہ قلم کے پمپ کے ذریعہ سے اس میں سے نکالتے اور آپ حیات کی طسرح خود چیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ جنہوں نے اس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے ان کی زندگی جو دنیا کی زندگی کے برخلاف ہے غل و غش اور بے کلفت زندگی ہے مگر غافل ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑھانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مہربان اور تیر ہدف امتداد ہے اور یہ اُس کو استعمال بھی اس غوی

سے کرتا ہے کہ خطا کر ہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کسی قدر دیرینہ اور بوسیدہ ہو چلا ہے تو کسی دیکھی ذہب سے اُس کو بدل جاتا اور نیا اختیار کر لیتا ہے اور نتائج کے مسئلہ کو ہر ایک صرف ایک بات ہی بات تھی اور انسان کا سرگردوسرے قالب میں چلا جاتا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا اپنے محل سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل مسٹر ڈیگ بڑاگ صاحب کی اعانت سے اپنی ہمایہ قوس انگریز کا قالب اختیار کیا اور اُس عقلمند قوم کے لوگوں سے مرعہ اور جہاں دودھ جان کہہ رہا تھا سی کی راہ سے اس کو اپنے سر اور آنکھوں پر ٹھنڈا اور اس کی مفید اور تھمری آمیز باتوں اور دلچسپ اور صریح نیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں نگہ دہی اور اب جہاز سے نہایت صاحب علم و فضل و جانتی اہکانات دوست جناب کرائل ہنری سر صاحب بہادر تھی و متی ایسی آتی مرتبان جناب کاٹھرا پنجپ بہادر چندستان اور میرے چھوٹے بھائی شیرالودل ممتاز الملک خلیفہ سپہ محمد حسین صاحب میرٹھی ریاست پٹیالہ کی ادا سے ہندوستانی روپ چل لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ آئندہ بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ چرس کا بننے والا ہے یا دتی کا۔ پس میرے حریف و وطنوں غم کو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح غم بھی اس داتا اور تخریب کار حکیم کی جس نے تمھاری خاطر تمھارا ہی روپ چل لیا ہے اور تمھاری بندہ لوی سیکھ لی ہے جان و دل سے خاطر و عازات کرو اور اپنے ملک کے اگلے بادشاہوں اور جاؤں اور بیٹوں اور ہر ایک درجہ کے لوگوں کی باتیں اور اُس کی آنکھوں دیکھی ہوتی ہیں اس کی زبان سے سنو یہ غم کو بلا دور رعایت پہنچے تھے تاکہ اب سے دوسرے چھلے تمھارے ملک کی کیا حالت تھی۔۔۔ سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا۔ زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا حال تھا۔ ملک کی دولت مندی کی کیا کیفیت تھی اور اسے پڑا اس نے یا خطرناک اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے۔ سلطنت یا خود رعا کی طرف سے تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں؛ عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی؛ اور اس کے لئے کچھ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نہ تھے۔ اور ان کی تعمیل کیسی ہوتی تھی۔ آزادی دانتے میں میں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعا کو حاصل تھی یا نہیں۔ اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات کا کیا حال تھا۔ ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں طبع ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور محض واکام کے کاموں میں۔ تو یہ کی کیا حالت تھی اور اُس کا نظم و نسق کیا اور کس ڈھنگ پر تھا اور منف آزادی اور ملک آزادی کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ و دربار کس طرز کرتا تھا۔ اور اُس کی شان اور عرس کیسا اور کس طرز کا تھا۔ اور یہ باتیں غم کو یہ

شاہجہاں کے ایام اسیری اور مہارنگدھری

ایسی ترش روح اور تفصیل سے عطا ہے کہ اگر بایں کامرغ قصاصہ سانسے کرے گا جس سے تم
اُس وقت اور اس وقت کی حالت کا بخوبی موازدہ کر سکو گے۔ اور ہر سکو گے کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال
میں جس کی ناہیدہ تعریفیں اور خوبیاں کر سکیں کہ تا بقائے تم اپنے دل میں خیال کرتے ہو گے کہ وہ ہندو
اور ہندوستانوں کے لئے ہدایت ہی صمد اور نمودِ برکت کا زمانہ تھا تھا ہے ملک اور ملک
والوں کی کیا حالت تھی۔ اور اب کوئین و کٹوریہ بادشاہِ انگلستان اور تیرے سر ہند کے مہارک
مہدیں جو قصاصی آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔
والسلام

الید محمد حسن علی منہ

۲۵-۶ ستمبر ۱۹۵۵ء